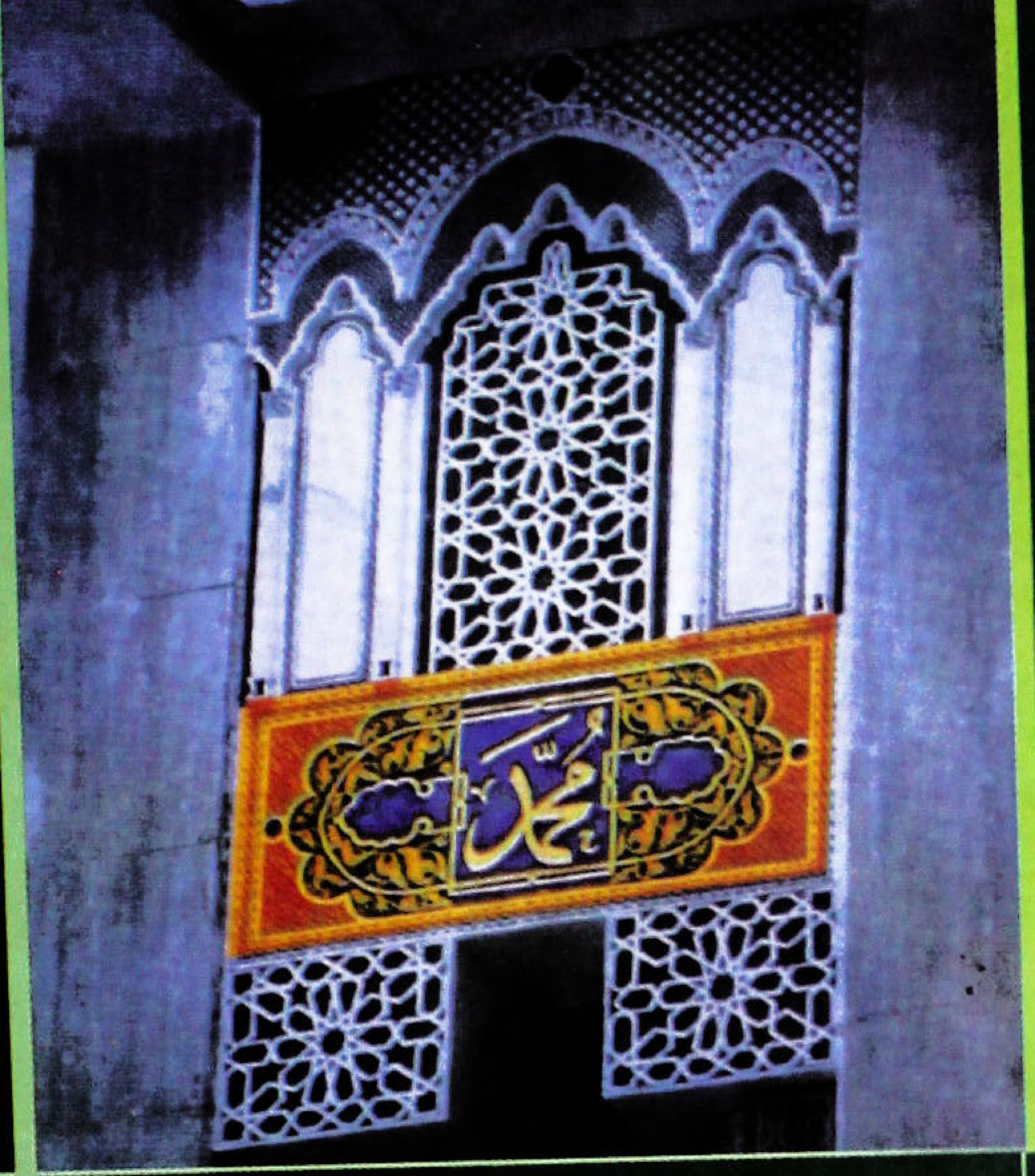

سیرتِ رحمتِ عالم ﷺ

یہ کتاب عالم عرب میں سیرت نبوی ﷺ کے عظیم استاد اور ممتاز محقق ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی تیس سالہ محنت و ریاضت کا ثمرہ ہے، جو اپنے منہج سیرت، اسلوب تحقیق، واقعاتی صحت و استناد، حدیث و تاریخ میں تطبیق، مستشرقین کے اعتراضات کی مدلل تردید اور محدثانہ سیرت نگار کا ایک جامع شاہکار ہے۔

ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری

مترجم: خدا بخش کلیار

نشریات

Marfat.com

سیرتِ رحمتِ عالم ﷺ

اُردو ترجمہ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ

ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری

مترجم

خدا بخش کلیار

نشریات

۴۰ اُردو بازار، لاہور۔ فون: ۴۵۸۹۴۱۹۔۰۳۲۱

Marfat.com

۲۹۷٫۶۳ — عمری، اکرم ضیاء، ڈاکٹر، (مصنف)

ع م ر۔س — کلیار، خدا بخش (مترجم)

سیرتِ رحمتِ عالمﷺ

لاہور: نشریات

۲۰۰۷ء : ص ۸۵۶

ا۔ سیرت، اصولِ سیرت

ISBN 978-969-8983-16-1

۱۲/۱۵۳

ر

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۱۲ء

"السیرة النبویة الصحیحة" میں مصنف کی کتاب "المجتمع فی عهد النبوة" کا ایک نظرثانی شدہ حصہ بھی شامل ہے۔ آخرالذکر کے انگریزی ترجمے کا اُردو ترجمہ عذرا نسیم فاروقی (م ۱۴؍اگست ۲۰۰۴ء) نے کیا تھا، جس سے اس کتاب میں استفادہ کیا گیا ہے، جس کے لیے ہم محترم ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی کی اجازتِ خاص کے لیے ممنون ہیں۔

نام کتاب	:	سیرتِ رحمتِ عالمﷺ اردو ترجمہ السیرة النبویة الصحیحة
مترجم	:	خدا بخش کلیار
اہتمام	:	نشریات، لاہور
مطبع	:	میٹرو پرنٹرز، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز

فضلی بک
فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 2212991-2629724

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور فون: 7320318 فیکس: 7239884
ای میل: hikmat100@hotmail.com

Marfat.com

ترتیب

مقدمہ ۱۳

آغازِ اسلام میں تاریخ نویسی کا اسلوب اور سیرت نبویہؐ کے مصادر ۲۹

✪ تاریخ کی وضاحت کے لیے اسلامی تصور کی خصوصیات ---------- ۳۴

قرآنِ کریم میں بیان کردہ آفاقی حقائق ---------- ۳۴

صدرِ اسلام میں مسلمانوں کے طرزِ عمل کے محرکات ---------- ۳۵

اللہ کے ساتھ تعلق کے معیار پر تہذیب کی جانچ پرکھ ---------- ۳۹

صدرِ اسلام کی تاریخ کی وضاحت میں جواز کی منطق کو بنیاد بنانے کی تردید ۴۰

تدوین تاریخ میں شرعی اصطلاحات کا استعمال ---------- ۴۱

مروجہ تاریخ اسلامی کے بیان میں محدثین کے قواعد میں لچک کی ضرورت ---------- ۴۹

سیرت النبیؐ کے ماخذ ---------- ۵۱

سیرت ابن ہشام ---------- ۷۰

دیگر تکمیلی مصادر ---------- ۷۵

الفصل الاوّل:

رسول اللہ ﷺ مکہ میں

✪ مکہ قبل بعثت ---------- ۷۹

✪ مکہ کی ذہنی حالت ---------- ۸۵

✪ رسول اللہؐ کے ظاہری اوصاف ---------- ۹۲

✪ نبیؐ ...... اللہ کا انتخاب ---------- ۹۴

✪ زمزم کی کھدائی ---------- ۹۵

✪ جناب عبدالمطلب کی نذر ---------- ۹۷

✪ جناب عبداللہ کا بی بی آمنہ سے نکاح ---------- ۹۸

Marfat.com

✪ وفاتِ عبداللہ ---------------- ۹۹
✪ آنحضور ﷺ کی عام الفیل میں پیدائش ---------------- ۱۰۱
✪ آنحضور ﷺ کی کیفیت بطن مادر میں ---------------- ۱۰۳
✪ آنحضور ﷺ کی مرضعات ---------------- ۱۰۷
✪ معجزہ شق صدر ---------------- ۱۰۸
✪ قصۂ بحیرا راہب ---------------- ۱۱۲
✪ حلف المطیبین میں آپ ﷺ کی شمولیت ---------------- ۱۱۷
✪ آنحضور ﷺ کا حضرت خدیجہؓ سے نکاح ---------------- ۱۱۹
✪ آنحضور ﷺ بعثت سے قبل اللہ کی نگہبانی میں (علامات بعثت) ---------------- ۱۲۱
✪ محمد ﷺ کے متعلق انبیاء علیہ السلام کی بشارتیں ---------------- ۱۲۴
✪ آپ ﷺ کی نبوت سے متعلق علمائے اہل کتاب کی بشارتیں ---------------- ۱۲۹
✪ آپ ﷺ کی نبوت کی علامات ---------------- ۱۳۱
✪ آپ ﷺ کی بعثت ---------------- ۱۳۲
✪ وحی ---------------- ۱۳۳
✪ خفیہ دعوت کا مرحلہ ---------------- ۱۴۲
✪ اوّلین مسلمان ---------------- ۱۴۳
✪ جنوں کا اسلام ---------------- ۱۵۱
✪ علانیہ دعوت کا آغاز ---------------- ۱۵۲
✪ مشرکین کی ایذا رسانیاں ---------------- ۱۵۹
✪ قریش کے مسلمانوں پر مظالم ---------------- ۱۶۸
✪ مذاکرت کے ذریعے دعوت کو روکنے کے اسلوب ---------------- ۱۷۴
✪ مشرکین کا اثبات نبوت کے لیے معجزات کا مطالبہ ---------------- ۱۷۵
✪ قریش کا مباحثہ ومناظرہ ---------------- ۱۷۸
✪ ہجرتِ حبشہ ---------------- ۱۸۷
✪ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت ---------------- ۱۹۰
✪ عمرؓ بن خطاب کا اسلام ---------------- ۱۹۵

Marfat.com

✪ مسلمانوں کا شعب ابی طالب میں محصور ہونا ---------- ۱۹۹

✪ جناب ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات ---------- ۲۰۲

✪ آپ ﷺ کا سفر طائف ---------- ۲۰۴

✪ اسراء اور معراج ---------- ۲۰۶

✪ مدد کے لیے آنحضور ﷺ کے مختلف قبائل سے رابطے ---------- ۲۱۲

✪ انصار سے روابط اور ان کو دعوت ---------- ۲۱۳

✪ بیعت عقبہ اولیٰ ---------- ۲۱۷

✪ بیعت عقبہ ثانیہ ---------- ۲۱۸

✪ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ---------- ۲۲۲

✪ اوّلین مہاجر ---------- ۲۲۲

الفصل الثانی:

رسول اللہ ﷺ مدینہ میں

مدنی معاشرے کی خصوصیات، اس کے ابتدائی انتظامات اور یہود کی جلاوطنی ۲۴۷

✪ ہجرت سے قبل مدنی معاشرہ ---------- ۲۴۹

یہود ---------- ۲۴۹

عرب ---------- ۲۵۱

✪ مدنی معاشرے پر اسلام کا اثر ---------- ۲۵۳

✪ اہل مدینہ کی اجتماعیت کی تشکیل میں ہجرت کا اثر ---------- ۲۵۷

✪ عہد نبوت میں نظام مواخات ---------- ۲۶۴

مواخاتِ مدینہ ---------- ۲۶۶

نظامِ مواخات کے لیے قانون سازی ---------- ۲۶۷

وراثت مواخات کا خاتمہ ---------- ۲۷۰

توارث کے بغیر مواخات کا تسلسل ---------- ۲۷۱

✪ باہمی تعلقات کی بنیاد عقیدہ ہے ---------- ۲۷۳

Marfat.com

✪ مدنی معاشرے کی تعمیر کی بنیاد.....محبت ---------- ۲۷۸
✪ اغنیاء وفقراء ایک ہی صف کے مجاہد ---------- ۲۸۱
✪ اہل صفہ ---------- ۲۸۲
غریب مہاجر ---------- ۲۸۲
صفہ ---------- ۲۸۳
ساکنان صفہ ---------- ۲۸۴
اہل صفہ کی تعداد اور ان کے نام ---------- ۲۸۵
علم، عبادت اور جہاد کے لیے اہل صفہ کی یکسوئی ---------- ۲۸۹
اہل صفہ کے لباس ---------- ۲۸۹
اہل صفہ کا کھانا ---------- ۲۹۰
نبی ﷺ اور صحابہ کی طرف سے اہل صفہ کی دیکھ بھال ---------- ۲۹۱
اصحابِ صفہ کے حق میں نازل ہونے والی آیات ---------- ۲۹۴
اہل صفہ کے مؤرخ ---------- ۲۹۴
✪ اعلان دستور مدینہ (میثاقِ مدینہ) ---------- ۲۹۸
وثیقہ (صحیفہ) کے پیش کرنے والے ذرائع ---------- ۲۹۸
وثیقہ کی صحت کا معیار ---------- ۳۰۰
تحریر میثاق کی تاریخی حقیقت ---------- ۳۰۳
✪ مہاجرین، انصار اور یہود کے مابین رسول اللہ ﷺ کی تحریر ---------- ۳۰۹
وثیقہ کا متن ---------- ۳۰۹
وثیقہ کا تجزیہ ---------- ۳۱۳
یہود کے ساتھ معاہدہ سے متعلق وثیقہ ---------- ۳۱۳
مہاجرین اور انصار کے درمیان حلف کی دستاویز ---------- ۳۲۰
✪ یہود مدینہ کی معاہدہ شکنی اور ان کی جلاوطنی ---------- ۳۲۷
بنوقینقاع کی جلاوطنی ---------- ۳۲۷
غزوہ کی تاریخ ---------- ۳۲۷
غزوہ کا سبب ---------- ۳۲۸

Marfat.com

محاصرہ ---------- ۳۲۹

✪ کعب بن اشرف کا قتل ---------- ۳۳۲

✪ بنو نضیر کی جلاوطنی ---------- ۳۳۴

غزوۂ بنو نضیر کی تاریخ ---------- ۳۳۴

غزوۂ بنی نضیر کا سبب ---------- ۳۳۶

نبی ﷺ کا بنی نضیر کو جلاوطنی کا نوٹس ---------- ۳۳۷

بنو نضیر کا محاصرہ اور ان کی جلاوطنی کا معاہدہ ---------- ۳۳۹

بنو نضیر کا مشرکین کو اشتعال دلانا ---------- ۳۴۱

✪ غزوۂ بنی قریظہ ---------- ۳۴۲

تاریخ غزوہ ---------- ۳۴۲

غزوہ کا سبب ---------- ۳۴۳

محاصرے کی کامیابی اور بنو قریظہ کا انجام ---------- ۳۴۶

✪ فتح خیبر اور حجاز میں یہودیوں کے بقیہ گڑھ ---------- ۳۴۹

تاریخ غزوہ ---------- ۳۵۲

خیبر کی طرف روانگی ---------- ۳۵۳

فتح خیبر کا بیان ---------- ۳۵۳

عہد نبوی میں یہود خیبر کو جلاوطن نہ کیا جانا ---------- ۳۶۰

فتح خیبر کا اثر ---------- ۳۶۲

غنائم کی تقسیم کی کیفیت ---------- ۳۶۳

مجاہدین کی مثالیں ---------- ۳۶۴

الفصل الثالث:

مشرکین کے خلاف جہاد

✪ احکام جہاد ---------- ۳۶۹

✪ جہاد کا آغاز ---------- ۳۷۹

✪ تحویل قبلہ ---------- ۳۸۵

Marfat.com

✪ بدر کا عظیم الشان معرکہ ---------- ۳۹۲
✪ بدر کے بعد کی مہمات ---------- ۴۲۶
غزوۂ قرقرۃ الکدر ---------- ۴۲۶
غزوۂ سَوِیق ---------- ۴۲۶
غزوۂ ذُوامر ---------- ۴۲۷
غزوۂ بحران ---------- ۴۲۷
غزوۃ القردہ ---------- ۴۲۸
✪ غزوۂ اُحد ---------- ۴۲۹
✪ غزوۂ اُحد کے بعد پیش آنے والی مہمات ---------- ۴۶۳
✪ غزوۂ بدرالموعد ---------- ۴۶۹
✪ غزوۂ بنو مصطلق (المُریسیع) ---------- ۴۷۱
✪ غزوۂ خندق (اُحزاب) ---------- ۴۹۱
✪ غزوۂ خندق کے بعد پیش آنے والی مہمات ---------- ۵۱۳
خبط یا سیف البحر کی مہم ---------- ۵۱۳
✪ صلح حدیبیہ ---------- ۵۱۵
✪ حکمرانوں کے نام رسول اللہ ﷺ کے خطوط ---------- ۵۴۷
✪ بدوؤں کی اصلاح وتادیب ---------- ۵۵۷
✪ غزوۂ ذات القَرَد ---------- ۵۵۷
✪ عُکل اور عُرینہ نامی قبائل کے افراد کا واقعہ ---------- ۵۵۷
✪ غزوۂ ذات الرقاع ---------- ۵۵۸
✪ عمرۃ القضا ---------- ۵۶۱
✪ غزوۂ موتہ ---------- ۵۶۴
✪ غزوۂ ذات السلاسل ---------- ۵۷۰
✪ فتح مکہ ---------- ۵۷۲
✪ غزوۂ حنین ---------- ۵۹۶
جنگ کا آغاز ---------- ۶۱۱

Marfat.com

نخلہ اور اوطاس کی جانب بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب ---------------- ۶۱۹
✪ غزوۂ طائف ---------------- ۶۲۲
حنین اور طائف کی مہمات اور شرعی احکام ---------------- ۶۴۲
✪ غزوۂ تبوک ---------------- ۶۴۵
غزوۂ تبوک میں مالی ایثار کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم ---------------- ۶۴۹
تبوک کی مہم اور منافقین کا رویہ ---------------- ۶۵۱
مسلمانوں نے جہاد کی دعوت پر جوش و خروش سے لبیک کہا ---------------- ۶۵۶
فوج کی تعداد ---------------- ۶۶۰
غزوہ میں شرکت سے محروم افراد ---------------- ۶۶۱
تبوک میں آمد ---------------- ۶۶۴
تبوک سے واپسی ---------------- ۶۶۶
غزوۂ تبوک کے دوران جاری شدہ احکام ---------------- ۶۶۹
✪ اس کے بعد پیش آنے والے اہم واقعات ---------------- ۶۷۲
✪ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حج کی ادائیگی ---------------- ۶۷۸
✪ حجۃ الوداع ---------------- ۶۸۳
✪ لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی تیاری ---------------- ۶۸۷
✪ رسول اللہ ﷺ کی وفات ---------------- ۶۸۸

الفصل الرابع:

رسالت اور رسول ﷺ

رسالت اور رسول ﷺ (عالم الغیب) ۶۹۷
الوہیت اور ربوبیت ---------------- ۷۰۸
✪ نبوت و رسالت ---------------- ۷۱۴
✪ بشریت رسول ---------------- ۷۲۴
ختم نبوت اور رسالت اسلامی کا عموم ---------------- ۷۳۴
قرآنِ حکیم ...... رسول اللہ ﷺ کا دائمی معجزہ ---------------- ۷۳۹

Marfat.com

قرآن کی حفاظت......اللہ کی ضمانت ---------- ۷۴۴
انسان کی بصیرت میں قرآن کا اثر ---------- ۷۴۸
قرآن تعارض سے پاک ہے ---------- ۷۵۴
✪ کیا اعجازِ قرآن ریاضی کا مرہونِ منت ہے؟ ---------- ۷۵۵
✪ رسول اللہ ﷺ کے حسّی معجزات ---------- ۷۶۰
✪ رسول اللہ ﷺ کا اسلوبِ عبادت ---------- ۷۷۷
✪ نبیِ رحمتؐ ---------- ۷۹۱
✪ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لازمۂ ایمان ---------- ۷۹۶
✪ اُمہات المؤمنینؓ ---------- ۸۰۱
✪ عہد سیرت کی نسل ---------- ۸۲۲
صحابہؓ کی فضیلت، ان سے محبت اور موالات کا وجوب ---------- ۸۲۲
قرآن وسنت میں صحابہ کا تعارف ---------- ۸۲۲
اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صحابہ کرام کی مسابقت ---------- ۸۲۸
صحابہ کا دعوتِ اسلامی کے لیے وقف ہو جانا ---------- ۸۳۳
ہجرت کی فضیلت ---------- ۸۵۰

Marfat.com

مقدمہ

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔

نبی ﷺ کی سیرت مبارکہ کو حیطہ تحریر میں لانے کا اہتمام تاریخ اسلام کے آغاز میں ہی ہوگیا تھا اور مؤرخین اور محدثین نے قرون اولیٰ میں ہی اسے لکھنا شروع کر دیا تھا۔

واقدی اور بلاذری جیسے مؤرخین واقعات کو زمانے اور موضوعات کے لحاظ سے مرتب کرنے والوں میں ممتاز ہیں۔ جب کہ ان محدثین کی تصانیف میں واقعات کا تجزیہ ظاہر ہوتا ہے جنھوں نے اصول روایت اور اسناد کی علیحدہ علیحدہ حیثیت کو پیش نظر رکھا۔ اور بسا اوقات ایک روایت کو مختلف اجزاء میں تقسیم کیا اور اس کے ایک حصے کو اپنی تالیفات کے موضوعات کے لحاظ سے ایک جگہ رکھا اور باقی حصے کو دوسری جگہ جیسا کہ یہ اسلوب صحیح بخاری کے باب المغازی میں بصراحت ظاہر ہوتا ہے اور صحیح مسلم میں اس سے کم تر صورت میں۔ کیونکہ امام مسلم نے طویل متون اور ان کے الفاظ کی ترتیب پر خصوصی توجہ دی ہے۔ وہ امام بخاریؒ کی نسبت اپنی کتاب کی توضیحات کے مطابق روایت کو تقسیم کرنے کی طرف دھیان کم دیتے ہیں۔

بعض مؤلفین مثلاً محمد بن اسحاق، خلیفہ بن خیاط، یعقوب بن سفیان الفسوی اور محمد بن جریر طبری نے محدث اور مؤرخ ہر دو کے اسلوب کو جمع کیا ہے اور انھوں نے بعض اوقات اسناد کی ترتیب اور واقعہ کی کیفیت کی تکمیل کی کوشش میں اسناد کو جمع کرنے یا محدثین کے طریقہ کار کے مطابق ایسی تمام روایات کو یکجا کیا ہے جن کا تعلق ایک ہی موضوع سے ہو۔

لیکن جملہ سیرت نگاروں نے تمام ممکنہ روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی اور صحت کی شرط کے بغیر ہی انھیں مدوّن کر دیا۔ انھوں نے اسانید کی جانچ پڑتال قاری پر چھوڑ دی کہ وہ خود صحیح وضعیف روایات میں فرق کرے۔ مگر امام بخاریؒ و مسلمؒ اس سے مستثنیٰ ہیں، اس لیے کہ انھوں نے صحیحین میں سیرت کی روایات کی صحت کو پیشِ نظر رکھا۔

قرون اولیٰ کے سیرت نگار راویوں، ان کے احوال، اسناد اور ان کی صحت کی شرائط سے واقف تھے۔ وہ روایات پر حکم لگانے اور ان میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، مگر بعد کی

Marfat.com

صدیوں میں رجال واسناد کی معرفت کو علم وہنر کی بنیاد شمار نہیں کیا گیا۔ لہٰذا معاصر مصنفین ومؤرخین کی تصانیف میں روایات کو حدیث کے اصطلاحی اصولوں کے مطابق مرتب کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ لیکن دورِ حاضر کے معروف مؤرخین تاریخی تنقید کے اُن اصولوں کی پیروی کرنے لگے ہیں جو گزشتہ دو صدیوں کے دوران مغرب میں ظاہر ہوئے اور انھیں نمو ملی۔ وہ سیرت کی روایات کے ساتھ ساتھ مغربی تاریخی کتابوں کے مطالعہ کے بعد وضع کردہ تنقید کے مناہج کے مطابق معاملہ کرنے لگے اور انھوں نے اسلامی تاریخی روایات کی پیروی کا رخ اختیار نہیں کیا، جن کی اپنی خصوصیات ہیں، جن کا زیادہ تر زور اس سند کے تسلسل پر ہوتا ہے جو عام طور پر روایت میں بہتری لاتی ہے اور جس کے درست یا غلط ہونے پر فیصلہ کرنے میں محدثین کے اسلوب کا بدرجہ اولیٰ انحصار ہوتا ہے۔

یوں ایک مخصوص مکتبۂ فکر معرضِ وجود میں آیا جس نے اپنے پیشِ نظر یہ رکھا کہ راویوں کے سوانح حیات، ان کے احوال کے بیان اور ان کی باہم ملاقات ہونے یا نہ ہونے کے امکانات کا جائزہ لیں اور ان کی مرویات کی تحقیق سے ان کے بارے میں رائے قائم کریں۔ نیز یہ کہ ان کے ہمعصروں کی نظروں میں ان کا مقام کیا تھا؟ یہ معلومات کا ایک بڑا خزانہ اور قیمتی مکتبہ ہے جس سے استفادہ نہیں کیا گیا۔ ان میں سے کچھ تاریخ اسلام سے متعلق تاریخی تحقیقات ہیں اور کچھ سیرت کے مطالعہ پر مشتمل ہیں۔ اور یہ کتنا بڑا خسارہ ہے کہ ہم ان سیکڑوں کبار علماء کی مساعی کو اس کی اہمیت سے بے خبر ہونے کے باعث اور مغربی تاریخی اسلوب کو حرف بحرف اپنا کر دفن کر دیں، جنھوں نے ہمیں یہ مخصوص خدمت ''اسلامی تاریخی روایات'' کے تتبع میں پیش کی ہے۔

اس مرحلہ پر یہ نشاندہی ضروری ہے کہ اسلامی تاریخ کی روایت میں اسناد کی تنقید میں غفلت اور متون کی تنقید پر اکتفا ہمیں بہت سی باہم متعارض روایات کے سامنے شک میں مبتلا کر سکتا ہے، جب کہ اس کے جملہ متون عقل اور تنقید کے قواعد اور معیار سے موافق ہوتے ہیں، اور ایسا بہت سے تاریخی واقعات خصوصاً آغاز اسلام کی تاریخ سے متعلق واقعات کی تفصیلات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسناد کی تنقید میں ایک محقق کو حتمی طور پر محدثین کے طریقہ کار کو اختیار کرنا چاہیے ورنہ اسے بہت سی پیچیدگیوں کا سامنا کرنا ہوگا، جو حل ہو سکیں گی اور نہ ہی ان میں ترجیح قائم ہو

Marfat.com

سکے گی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ مغربی تنقید کے منہج کی حق تلفی اور اس کے ساتھ ناانصافی کی جا رہی ہے۔ بلاشبہ وہ بڑے مفکرین کی تحقیقات کا ثمرہ ہے جسے انھوں نے تجربہ وتحقیق کے ساتھ بالتدریج بہتر بنایا ہے اور ہر نئے آنے والے نے اپنے پیش رو کی تحقیقات کو مزید ترقی دی ہے۔حتی کہ اسے تکمیل اور جامعیت پر کافی رسائی حاصل ہوگئی اور یہ اسلوب اپنی جزئیات، قواعد اور اصول کے لحاظ سے مغربی علماء سے صدیوں قبل کے مسلمان علماء کے اسلوب سے ہم آہنگ ہے جو یورپی فکر کی جڑوں میں اسلامی تاثیر کی نشاندہی کرتا ہے، اس وقت سے جب یورپ کے قرون وسطی اور اسلامی تہذیب کا باہم ملاپ ہوا اور بالخصوص جب اس نظر سے دیکھا جائے کہ مسلمانوں کی علمی تحقیق کا طریق کار محدثین کی معلومات تک محدود نہیں، علماء اصول فقہ کی دیگر معلومات بھی ہیں جنھیں انھوں نے اپنے عقلی و منطقی اسلوب میں اصول فقہ کی کتابوں میں بصراحت بیان کیا ہے، نیز ایسی معلومات بھی ہیں جو مسلمان علمائے طب، فلکیات اور ریاضیات نے مہیا کی ہیں۔ وہ تجرباتی تحقیق کے اسلوب میں نمایاں ہیں اور یہ وہی اسلوب ہے جو مغربی فکر کی تاریخ میں ''راجر بیکن'' کے نام سے منسوب ہے جس کی تحقیق کا اعتماد صرف اور صرف عربوں کی کتابوں پر ہے، جیسا کہ اس بارے میں گوستف لوبن [1] نے صراحت کی ہے۔ یہ وہ اسلوب ہے جو مغربی مادی تہذیب کو حیرت انگیز فنی معیار تک لے جانے کا سبب ہے۔ لیکن جو اسلوب اس مقدمے کا تعلق محدثین کے اسلوب سے قائم کرتا ہے وہ اس کا حدیث کی روایت کے ساتھ تعامل ہے۔ اور نتیجتاً اسے تاریخی روایت کے ساتھ تعامل کے لیے ممکن بنا دیتا ہے۔ اور وہی زیادہ تر تاریخی تحقیقی منہج سے ہم آہنگ ہے۔

بلاشبہ محدثین کا اسلوب تحقیق اصطلاحاتِ حدیث کی کتابوں میں پانچویں صدی ہجری میں خطیب بغدادی کے ہاتھ سے قائم ہوا اور اس کے ساتھ کوئی بنیادی اضافے نہیں ہوئے تاہم تدریسی مقاصد کے لیے تشکیل وترتیب کا سہرا ابن صلاحؒ اور قاضی عیاضؒ کے سر ہے۔ اور حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ اور ان کے بعد حافظ ابن حجرؒ کی تالیفات میں اس اسلوب پر عمل کے نتیجے میں دقیق اضافے ہوئے، لیکن اس منہج میں کوئی جوہری تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ ذہبیؒ، ابن کثیرؒ اور

---

[1] گوستف لوبن: حضارة العرب، ص: ٢٦.

Marfat.com

ابن حجرؒ کے اضافے عمومی قواعد کی جزئیات میں شمار ہوتے ہیں۔ اور وہ بہت اہم اضافے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر عالمِ اسلام میں فکری تحریک فعال رہتی اور ایک لمبے عرصے کے لیے اس کے تخلیقی قوانین اور ارتقائی صلاحیتیں رکی نہ رہ جاتیں تو شاید یہ اسلوب مکمل ہو چکا ہوتا۔

محدثین کے منہج اور مغربی تنقیدی منہج کے باہمی ملاپ سے مثالی نتائج حاصل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ مؤخر الذکر اسلامی نظریہ کی خصوصیات کو اپنا لے۔ بلاشبہ جدید اسلامی تاریخی تحقیقات اور خاص طور پر سیرت نبویہ ﷺ کے موضوع پر تحقیقات اس راہ کی سنگ میل رہیں گی۔ اور انہیں عالمی تاریخی تحقیقات کے معیار تک ترقی دینا زبردست مساعی کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اتنا کافی ہے کہ سیرت کی جدید تحقیق کا قاری اس کے اور سیرت ابن ہشام یا زاد المعاد کے باہمی اسلوب میں اختلاف کے باوجود فرق محسوس نہ کرے خواہ وہ کتنا ہی ہو اگرچہ جدید دور کے معاشرتی علوم میں زبردست ترقی ہی کیوں نہ ہو گئی ہو۔ جدید علوم جو عظیم معلومات پیش کریں وہ معاشرتی علوم کی خدمت ہو گی، لیکن قابل افسوس امر یہ ہے کہ ہم جدید دنیا کے کنارے پر رہ رہے ہیں اور اس میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتے تاکہ اس کی قیمتی متنوع معلومات سے فائدہ حاصل کریں۔ حالانکہ ہم نے تاریخ کے میدان میں اپنے اسلاف سے وہ کچھ ورثے میں پایا ہے جو مغربی مؤرخین کو اپنے اسلاف سے نہیں ملا۔

چونکہ ہماری تحقیقات میں تاریخی نقد و نظر کمزور ہے اس لیے روایات کا تجزیہ اور ان کے ساتھ ہمارا سلوک کم تر نظر آتا ہے۔ اس کی وجوہات یہ ہیں:

۱۔ واقعات پر تجزیاتی نقطۂ نظر۔

۲۔ روایات کو اختیار کرنے میں سطحیت۔

۳۔ تاریخ کے نشیب و فراز، انفرادی اور اجتماعی کردار، قدر و حریت کے مابین منطقی تعلق، قانون سببیت اور آغاز و نتائج کے درمیان ربط کے بارے میں اسلامی فکر کی عدم وضاحت۔ علاوہ ازیں قدیم تاریخی کتب سے ہمیں تجزیہ و تحلیل نیز واقعہ کی مکمل تصویر سے متعلق کوئی مدد نہیں ملتی، اس لیے کہ ان کتابوں کا انحصار سراسر روایات کے بیان پر ہے۔ جب کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ کسی قدیم اسلامی مؤرخ نے سنن، شرعی و معاشرتی قوانین جو تاریخ کے مختلف مراحل میں فیصلہ کن مقام

Marfat.com

رکھتے ہیں کی طرف اشارہ کیا ہو۔ حالانکہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو اس کی طرف بصراحت توجہ دلائی ہے، بلکہ مؤرخین اسلام میں سے کسی نے بھی واقعات کی تاریخ اور ان پر تاریخی شواہد اور اطلاق کے بارے میں مکمل نظریات کی شکل میں قرآن کے نظریۂ تعبیر کے مطابق عمل کی کوشش نہیں کی بلکہ مشہور ماہر عمرانیات ابن خلدون کے زمانے تک یہی حال رہا۔ اس کے باوجود کہ مسلم مفکرین کا قرون اولیٰ سے ہی فلسفہ و منطق کے ساتھ تعلق رہا ہے، حالانکہ علوم لغت اور اصول فقہ کی بنیاد پر انھوں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنی بیدار مغزی کے ساتھ ہر اس چیز کو ختم کیا جو اعتقاد ایمانی اور تصور اسلامی کے خلاف تھی۔ اور اس میں بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ نیز ان کی کامیابی تجربہ سے آگے بڑھ کر ان کی عقلوں میں بڑی حد تک عقیدہ کی پاکیزگی اور صفائی کے ساتھ مربوط تھی۔

اور متعدد محققین —بالخصوص مستشرقین— کا خیال ہے کہ مسلمان علماء نے روایات کی اسناد کی طرف توجہ دی ہے اور متون کی تنقید میں سہل انگاری سے کام لیا ہے، اور بعض کی رائے ہے کہ تنقیدی ذہن کا فقدان متن کے سنجیدہ جائزے سے غفلت کا سبب ہے۔ اس مرحلے پر یہ توجہ دلانا ضروری ہے کہ یہ بات علی الاطلاق درست نہیں کہ مسلمان علماء نے اسانید کی وسیع تنقید کے ساتھ ساتھ متون کے نقد و جائزہ سے کام نہیں لیا، لیکن ان کی کثرت کے باعث ان پر شواہد کا احاطہ بڑا مشکل ہے۔ لیکن بعض تاریخی تجزیات کی طرف اشارہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، جن پر متن کی تنقید کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

غزوۂ احد میں لشکر کی تعداد جو بکثرت ذرائع نے بیان کی ہے، اس کو محض عقلی قیاس کے مطابق متن کے تنقیدی جائزے کی بنیاد پر ابن حزمؒ نے مسترد کیا ہے۔

✓ موسیٰ بن عقبہؒ نے غزوہ بنی المصطلق کو چوتھے سال میں قرار دے کر سیرت کی بڑی کتابوں سے اختلاف کیا ہے، جسے وہ چھٹے سال میں بیان کرتے ہیں، اور متن کی تحقیق میں ابن قیمؒ اور ذہبیؒ کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ جب کہ حضرت سعدؓ بن معاذ کو اس غزوہ میں شریک کیا گیا جنھوں نے غزوہ بنی قریظہ کے بعد شہادت پائی۔

✓ غزوہ ذات الرقاع کی تاریخ میں قدیم مؤرخین میں متن کے تجزیہ کی بنیاد پر اختلاف واقع ہوا ہے، چنانچہ بخاریؒ کی رائے میں یہ غزوۂ خیبر کے بعد واقعہ ہوا اور ابن قیمؒ،

Marfat.com

ابن کثیرؒ اور ابن حجرؒ نے ابن سعد اور واقدی کی آراء کے برعکس امام بخاریؒ سے اتفاق کیا ہے، اس بنیاد پر کہ اس میں ابوموسیٰ اشعریؓ اور ابوہریرہؓ شریک ہوئے جب کہ وہ فتح خیبر کے فوراً بعد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔

اور نماز خوف کے طریقے کی تعیین کی تاریخ سے متعلق متن کے محاکمہ کی بنیاد پر طویل بحثیں چلتی رہیں۔ خطابیؒ نے اسی بنیاد پر طائف کے ساتھ وادیٔ وج کی تحریم کی منسوخی کا اظہار کیا ہے۔

یہ وہ موضوعات ہیں جن کا بیان اس کتاب میں متعلقہ مقامات پر ہوگا۔ یہ چند مثالیں ہیں جو پیش کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر بھی کئی حوالے ہیں جن کے بیان کا یہ موقع نہیں۔ لیکن تاریخی حقیقت کا اعتراف ناگزیر ہے اور وہ یہ کہ ابتدائی تین صدیوں میں مؤرخین کی مساعی روایات کو جمع کرنے اور کتابوں میں ان کی تدوین و تصنیف پر مرکوز رہی ہیں۔ استفادے کے ساتھ ساتھ متاخر مؤرخین اور ان کے قدیم مصادر کے مابین مقابلہ اس صورت کو واضح کر دیتا ہے جیسا کہ بعد والا پہلے والے کے ایک مجموعہ روایات کو ساقط کر دیتا ہے جس طرح ابن ہشامؒ نے ابن اسحاق کے ساتھ کیا اور طبریؒ نے اپنے ابتدائی مصادر کے ساتھ کیا۔

حالانکہ درست واقعہ کا انتخاب بذات خود تنقید کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔ قدیم مؤرخین نے روایات کے ثبوت اور انھیں کتابوں میں محفوظ کرنے پر تمام تر قوت صرف کر دی اور بعد کے مؤرخین پہلے حضرات کے کاموں کی تلخیص کرنے اور ان پر حاشیہ لگانے میں مشغول ہو گئے۔

اس طرح متاخر کتب میں متون پر بڑی عمیق بحث اور حاشیے ظاہر ہوتے ہیں جو کوئی ابن کثیرؒ کی البدایہ والنہایہ اور صحیح بخاری کی کتاب المغازی کی شرح میں حافظ ابن حجرؒ کی فتح الباری کا مطالعہ کرے تو اس پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ متن کی تنقید اپنی وسعت کے پہلو سے مکمل ہو گئی جس سے انیسویں اور بیسویں دو صدیوں میں یورپ کی تاریخ کے متون نے ایک بڑا مقام حاصل کیا، اس کے بعد کہ اس نے تاریخی تنقید کے مناہج کی تکمیل کر لی۔ لیکن کیا یہ انصاف ہوگا کہ قدماء کی مساعی کو جدید معیاروں پر تولا جائے جو کہ صدیوں سے علمی ترقی میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔

Marfat.com

تاہم قدیم مسلمانوں کا عقلی تنقیدی جائزہ محض تاریخی کتابوں کی بنا پر مکمل نہیں ہوتا۔ بلکہ فقہ اور احادیث الاحکام کی کتب سے اس کے فکری نتائج سامنے آئیں گے۔ بلاشبہ فقہی کتابوں، عظیم تفسیروں، توضیحات، اعراب اور استنباط کا بھرپور اہتمام کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ محدثین اور فقہاء کا کام ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے اور کسی بھی انصاف پسند مصنف کی طرف سے یہ اعتراف ناگزیر ہے کہ مسلم علماء کے ہاں سنت نبویہ ﷺ کو عظیم اور مسلسل توجہ حاصل رہی ہے۔

اصول فقہ کی کتابوں میں عقلی تنقید پر مبنی بے مثال دقیق مقدمات واضح ہوتے ہیں، جب کہ بہت سے قدیم مؤرخین دیگر اسلامی علوم کے میدان میں اپنی مساعی کو بروئے کار لاتے رہے تو ان کے جملہ تکمیل کردہ فکری کاموں کو سامنے رکھ کر ان کی قدر و قیمت پر حکم لگانا چاہیے اور ساتھ ہی ان کے زمانوں کا عنصر بھی پیش نظر رہنا چاہیے تا کہ ان کے کام کا اندازہ کرتے ہوئے ان کی حق تلفی نہ ہو۔

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ حدیث کی اصطلاحات کی کتابوں میں متن پر تنقید کا پہلو قرون اولیٰ سے ہی بڑی حد تک بہت واضح نظر آتا ہے مثلاً وہ مدرج، معلل، مضطرب، شاذ، منکر اور موضوع وغیرہ میں ظاہر ہوتا ہے جن سے متعلق گفتگو ان کی اسانید اور متون کے گرد باہم گردش میں رہتی ہے۔ لیکن عملی طور پر اس کی تطبیق میں کوتاہی اس وقت ہوئی جب کہ تاریخی روایات کے ساتھ تعامل کا سلسلہ شروع ہوا جس نے تنقید و تبصرہ کا وہ مقام نہیں پایا جس سے احادیث نبویہ بہرہ ور ہوئی تھیں۔

معجزات نبویؐ اور ان کے اثبات کے سلسلے میں یہ اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بہت سے معجزات ہیں جبکہ قرآن کریم آپ کا دائمی معجزہ ہے۔

اس لازوال معجزے (قرآن کریم) کا اثبات اور باقی صحیح روایت کے ساتھ ثابت شدہ معجزات کی نفی درحقیقت مادہ پرستانہ افکار اور خودساختہ فلسفوں (Positivism) کے آگے سرنگوں ہونے کے مترادف ہے۔ اور مسلمان ایسی سربلندی اور شان و شوکت سے رہتا ہے جو اس کے لیے علمی بحث و نظر میں مکمل آزادی کو یقینی بنا دے۔ لہٰذا اس تحقیق میں صحیح روایات کی بنیاد پر ثابت شدہ جملہ معجزات کے اثبات پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔

Marfat.com

فقہی احکام اور ان کی قانون سازی کی تاریخ کی طرف اشارے کے ساتھ تحقیق کا اہتمام کیا گیا ہے کیونکہ تاریخ سیرت کا تقاضا ہے کہ ایسے شرعی پہلو کو ہدف بنایا جائے جس کی معاشرے پر حکمرانی ہو اور جو اخلاقی وقانونی ضابطوں کی وضاحت کرتا ہو، جو افراد اور جماعتوں کی نقل وحرکت کو باضابطہ بناتا ہو، نیز سیاسی وعسکری پہلو اور اخلاقی وقانونی پہلو میں علیحدگی ممکن نہیں، اور بالخصوص تاریخ اسلام کی پہلی صدیوں میں جب کہ اجتماعی، اقتصادی، سیاسی اور عسکری روابط، عقیدہ اور شریعت کے ساتھ بڑی مضبوطی سے جڑے ہوئے تھے۔ کیوں کہ اس مرحلہ میں تاریخ کی حرکت کا فہم، روح اسلام اور اس کے اصولوں کے سمجھے بغیر جاننا بہت مشکل ہے۔

تحقیق ہذا میں فرد کی حرکت کو جماعتی تحریک کے ساتھ ساتھ مناسب مقام دیا گیا ہے کیونکہ بعض شخصیات کے واقعات، ان کے کام اور قوت تاثیر سے تاریخ کو مہمیز ملتی ہے اور ان واقعات سے تاریخ کی خصوصیات اور اس کی وسعتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ عظیم لوگوں کے کارناموں سے چشم پوشی کرنا اس حجت کے ساتھ کہ معاشرہ کی وسیع حرکت میں وہ محض خونریزی کرنے والے تھے، درست نہیں۔ لیکن یہ افراد محض اپنے تفوق اور امتیاز کی بلندیوں اور اپنی استعداد کی بنیاد پر نمایاں نہیں ہوئے بلکہ یہ امتیازی بلندیاں ظاہر نہ ہو پاتیں اگر نظریہ اور فکر نے ان کے دلوں پر حکومت نہ قائم کی ہوتی، ان کی عقلوں میں ایک چراغ روشن نہ کر دیا ہوتا اور ان کی روحوں میں گہری بصیرت کو واضح نہ کر دیا ہوتا۔

نظریہ اور عقیدہ نے عرب شخصیت اور اس کے لوازم کی تعمیر میں بڑا انقلاب برپا کر دیا، یہ نظریہ اور عقیدہ انفرادی عظمت کو زوال پذیر ہونے اور اس میں فخر وغرور کے میلان کے بیج بونے سے روکتا ہے۔ وضاحت کی خاطر یہ بتا دینا کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو سرداروں کے سردار تھے، اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھکے رہتے اور دعا میں عجز ونیازمندی اختیار کرتے اور ہر فتح و نصرت میں اول وآخر ساری فضیلت (Credit) اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتے۔

بالعموم سیرت النبیؐ کے موضوعات میں بعض جدید اور بالخصوص مستشرقین کی تحقیقات کے اٹھائے ہوئے شبہات کی تردید اور جواب میں قاری کو کوئی کوشش نظر نہیں آتی، خواہ وہ نصوص وواقعات کی من مانی تاویل کا نتیجہ ہوں، جس کا سبب ان کی دینی اور قومی عصبیت ہو، یا

Marfat.com

عربی زبان اور اسلام اور اس کے احکام اور اس کے نظام اور اس کے مقاصد سے عدم واقفیت ہو۔ لہٰذا اس تالیف کے پیش نظر سیرت کے نقوش کی صحیح تصویر کشی ہے اور وہ مثبت پہلو ہے اور مخصوص تصنیف کا مستحق۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ غلطیوں کی تصحیح نہ کی جائے، خواہ وہ بالا رادہ ہوں یا بلا ارادہ۔ چنانچہ میں نے اس ذمہ داری کے ساتھ اس موضوع پر تحقیقات کا آغاز کیا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ تاریخ اسلامی کا تقاضا ہے کہ شبہات پر گفتگو کرنے سے پہلے بنیاد پر از سر نو محنت صرف کی جائے۔

یہ مطالعہ جسے میں پیش کر رہا ہوں محض خواہشات اور آرزوؤں کا مظہر نہیں بلکہ یہ تاریخی روایات کی تنقید میں محدثین کے طریق کار سے فائدہ حاصل کرنے کی سعی ہے اور اس تحقیق میں سلسلہ ہائے روایت نیز راویوں پر نقد و نظر کی طرف اسانید اور راویوں پر تنقید کے ساتھ ساتھ متن پر بھی ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ خاص طور پر ان روایات کے عظیم مجموعے سے چھان پھٹک کے دوران جنھیں سیرت کے موضوع پر قدیم مؤرخین نے مدوّن کیا ہے۔ کیونکہ ان روایات پر اعتماد کرنا جنھیں بعض مواقع پر قدیم ناقدین فن نے صحیح قرار دیا ہے یا ان روایات کی تصحیح یا تضعیف میں ان کے طریق کار سے استفادہ کرنا جن پر انھوں نے کوئی حکم صادر نہیں کیا، اس تحقیقی مقالے کا اہم ترین ہدف ہے، تاکہ ہماری یہ بحث قاری کے اندر اعتماد پیدا کر سکے اور سیرت کے بارے میں درست ترین تصور پیش کر سکے۔

وہ روایات جنھیں میں نے نظر انداز کیا ہے، ان میں اخلاقی اور دینی مؤثر معنی، ظاہر ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچیں لہٰذا میں ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ صحیح اور حسن روایات پر اعتماد سیرت نبویؐ کی تاریخی وسعتوں کی وضاحت کے لیے کافی ہے اور ضعیف روایات کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

قاری یہ ملاحظہ کرے گا کہ فن حدیث کی رو سے ضعیف روایات اپنے مقصد سے دور نہیں ہوتیں بلکہ ان سے ان موضوعات میں فائدہ حاصل ہوتا ہے جن کا تعلق عقیدہ یا شریعت سے نہیں ہوتا۔ جہاں کہیں ہم صحیح روایات کو محدثین کے معیار پر نہیں پاتے، وہاں پر ان کا جائزہ تاریخی تنقید کے اسلوب کے معیار پر ممکن ہے۔

اس تحقیق میں روایت کو نقل کرنے میں واقعہ میں شریک عینی شاہد کو اہمیت دی جاتی

Marfat.com

ہے اور دورِ حاضر میں تاریخی تحقیقات میں وہ ایک قابل اعتماد طریق کار ہے جس طرح کہ وہ اولین ہجری صدیوں کے علم حدیث کی تحقیقات میں معتبر تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ اپنی صحیح میں زیادہ تر واقعہ میں شریک صحابیؓ کے طریق روایت کو اختیار کرتے ہیں جیسا کہ انھوں نے افک کا قصہ حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے۔ اور سورہ المنافقون کے نزول کے سبب کو حضرت زیدؓ بن ارقم سے، سورہ الجمعہ کے نزول کے پس منظر کو حضرت جابر بن عبداللہؓ انصاری سے، اور قصہ تحریم کی شان نزول کو حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے۔ اور ان کے علاوہ اس بارے میں دیگر کئی مثالیں ہیں۔ ۞ لہٰذا عینی شاہد کی روایت زیادہ دقیق ہوتی ہے کیونکہ خبر کے ضبط میں متعدد حواس، آنکھ، کان اور لمس شریک ہوتے ہیں...... یہ محض سماعت کے ذریعے خبر کی نقل سے قوی تر ہے اور یہ صورت اس وقت پیش آتی ہے جب عینی شاہد روایت سے غائب ہوتا ہے۔

یہ تحقیقی مقالہ روایات کے تنقیدی جائزہ پر مبنی نہیں ہے کہ ایک معین فکری خدمت کے ساتھ مربوط ہو اور ایک نظریہ (Idealogy) کی تحقیق کا ہدف اپنے پیش نظر رکھتا ہو، بلکہ یہ محض قوی روایات کو چن لینے کی ایک کوشش ہے خواہ اس میں محدثین کے معیار پیش نظر ہوں یا تاریخی تنقید کے۔

نتیجتاً وہ صورت جو روایات پیش کرتی ہیں وہ تاریخی حقیقت کے قریب تر ہوتی ہے۔ بالخصوص جب ان کا فہم اور ان سے استنباط، عربی زبان کے اصولوں اور اس کے قواعد کے مطابق ہو بغیر اس کے کہ ان کا غلط استعمال کیا جائے یا تفسیر میں ڈنڈی ماری جائے۔

بلاشبہ جب انتخاب مضبوط قواعد کے تحت ہوگا تو وہ ان تاریخی نصوص کو چھوڑ دے گا جن کا جائزہ لینا کم تر معیاروں کے ساتھ ممکن ہوگا۔ اس لیے تاریخی تنقید کے طریق کار کے مطابق واقدی کی نصوص کا مطالعہ سیرت کے مواد میں مزید اضافوں کا موقع فراہم کرتا ہے اور یہ ابن اسحاق کی ان روایات پر منطبق ہوتا ہے جو ان اسناد کے بغیر ہیں، جیسا کہ وہ ابن الکلبی سے، ابن سعد کی منقولہ روایت پر چسپاں ہوتا ہے۔

فن سیرت میں یہ متخصصین بڑے تاریخی ذخیرہ سے استفادہ کرنے میں تساہل سے کام لینے میں پہلے ناقدین کے ہاں تنقید کا ہدف بنے۔

۞ عصام عبدالمحسن الحمیدان: اسباب النزول واثرھا فی التفسیر: ۳۷، ۳۹ (جامعہ اسلامیہ محمد بن سعود کے کلیہ اصول الدین میں ٹائپ رائٹر کے ذریعے طبع شدہ "قسم القرآن و علومہ" بطور مقدمہ کے ایم اے کا رسالہ)

۱۳/۷/۱۵
Marfat.com

ممکن ہے کہ یہ سیرت نگار باہمی متفق علیہ اور تاریخی علوم میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیں اگر ان کا تعلق عقیدہ اور شریعت سے نہ ہو۔

لیکن وہ خصوصی آیات جن سے میں نے اس مقالے میں استشہاد کیا ہے، ان کے اسباب نزول سے متعلقہ روایات کا حوالہ دیا ہے اور دلیل دی ہے جو واضح کرتی ہے کہ وہ تاریخی واقعے کے بارے میں یا ان پر تبصرہ کرتے ہوئے نازل ہوئیں۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں: ''کتب مغازی میں اسباب نزول بکثرت پائے جاتے ہیں جو معتمر بن سلیمانؒ نے اپنے باپ --- یعنی صاحب سیرت سلیمان بن فرحان التیمیؒ --- سے یا اسماعیلؒ بن ابراہیم بن عقبہ کی اپنے چچا موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے۔ وہ محمد بن اسحاق کی کتاب میں موجود روایت سے زیادہ صحیح ہے اور جو روایت ابن اسحاق سے ہے وہ واقدی کی روایت سے بہتر ہے۔'' ❶

اسبابِ نزول کی حقیقت ان واقعات اور مسائل کا بیان ہے جو ان کے وقوعہ کے وقت ❷ یا وقوعہ کے کچھ عرصہ بعد ❸ ان کی صورتِ حال کے جائزہ میں نازل ہوئیں۔ لیکن اسباب نزول کی روایات کی تحقیق سے تاریخی فائدہ اٹھانے کے لیے متعدد رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن میں سے اہم تر آیات کے اسباب نزول کے متعلق قدماء کا اختلاف ہے۔ بالخصوص جب اس ضمن میں صحیح روایات باہم متعارض ہوں، جیسا کہ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں وارد ہے۔ جب ایک ہی آیت کے کئی مرتبہ نازل ہونے کی بات یکجا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو قصے متعدد ہو جاتے ہیں ❹ اور ایک ہی طرح کے واقعات کا قریبی اوقات میں ایک سلسلہ سامنے آتا ہے جو جواب یا رائے کا محتاج ہوتا ہے تو اس وقت کوئی آیت نازل ہو جاتی تاکہ واقعات کے فریقوں کے مابین فیصلہ کر دے۔ اس لیے ابن حجرؒ نے کہا ہے: ''قصوں کے متعدد ہونے اور نزول کے

---

❶ ابن حجر: العجاب فی بیان اسباب النزول ق، السیوطی: الدر المنثور: ۸/۷۰۲.

❷ مثلاً سورۃ الاسراء کی آیت: ۸۵ ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ﴾ کا سبب نزول جیسا کہ بخاری نے ۸/۴۰۱، حدیث نمبر: ۴۷۲۱ اور مسلم نے حدیث نمبر: ۲۷۹۴ میں روایت کیا ہے۔

❸ مثلاً واقعہ افک۔ یہ واقعہ سورۃ نور کی آیات کے نزول کا سبب تھا جو اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد نازل ہوئیں۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۷۵۰۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۷۹۴۔

❹ ابن حجر، فتح الباری: ۸/۲۲۳، ۲۸۲، ۴۵۰.

Marfat.com

تعدد میں کوئی رکاوٹ نہیں۔'' [1]

مناسب ہے کہ یہ نشاندہی کر دی جائے کہ صحیح بخاری اسباب نزول کی روایات کو اپنے اندر سمونے والی سنت کی سب سے وسیع کتاب ہے اور یہ بھی کہ وہ صحت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہے۔ [2] صحابہ کرامؓ میں سے اسباب نزول کے سب سے بڑے راوی ابن عباسؓ ہیں۔ [3] صحیح بخاری کے بعد اسباب نزول میں کثرت کے لحاظ سے مستدرک الحاکم کا درجہ ہے۔ [4] حاکمؒ نے ابن عباسؓ کی انتیس روایات کا ذکر کیا ہے اور ان سے کم حضرت عائشہؓ کی سات روایات ہیں۔

اسباب نزول سے متعلقہ سنن میں سب سے زیادہ وسیع مسند احمد ہے جو اٹھائیس روایات پر مشتمل ہے جن میں سے اکثر صحیح اور بہت کم ضعیف ہیں اور یہ زیادہ تر بخاریؒ کی وارد کردہ روایات ہیں اور پھر ان پر امام صاحب نے اضافہ کیا ہے۔ [5] ان کے علاوہ کتب تفسیر ہیں جن میں زیادہ تر اسباب نزول بیان ہوئے ہیں خواہ وہ روایت مرفوع ہو یا صحابہؓ میں سے عینی شاہد پر موقوف ہو یا ان کے بعد تابعینؒ پر۔ بالخصوص تفسیر طبری میں جو تکرار کے بغیر پانچ صد اسباب نزول پر مشتمل ہے، [6] وہ ایک ہی آیت کے پانچ اسباب کا حوالہ بھی دیتی ہے لیکن روایات کی درستی کا خیال نہیں کرتی۔ ان میں اکثر موقوف ہیں یا مقطوع۔ [7] اسباب نزول سے متعلق صحیح سند کے ساتھ وارد شدہ صحیح روایات تین سو سے زیادہ نہیں جو قرآن کریم کی چھ ہزار دو سو آیات میں سے ہیں۔ [8] (ہمارے ہاں عموماً آیات کی تعداد ۶۶۶۶ بیان کی جاتی ہے)

البتہ بعض کتابیں صرف اسباب نزول سے متعلق ہیں جیسے الواحدی کی ''اسباب نزول''، سیوطیؒ کی ''لباب النقول'' اور ابن حجر عسقلانیؒ کی ''العجاب فی الاسباب''۔ یہ اس فن کی عمدہ کتابیں ہیں اور واحدیؒ کی نسبت سیوطیؒ کی تین سو ستر روایات زیادہ ہیں۔ [9]

---

[1] فتح الباری: ۸/۴۵۰ اور دیکھیے: عصام عبدالمحسن الحمیدان کی کتاب اسباب النزول واثرها فی التفسیر: ۴۵۔ جیسا کہ اس نے اسبابِ نزول کے متعلق بخاری کی تمام روایات بیان کی ہیں، جن میں باہم بظاہر تعارض ہے۔

[2] تا [4] عصام عبدالمحسن: اسباب النزول: ۷۲، ۷۴، ۷۹.

[5] تا [9] عصام عبدالمحسن: اسباب النزول: ۸۲، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۶۲، ۱۹۲، حاشیہ: ۲.

Marfat.com

میں اولاً بیس سال تک ''جامعہ بغداد'' کے آرٹس کالج میں نبی ﷺ کی سیرت کی تدریس کی خدمات سرانجام دیتا رہا، پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی کلاسوں میں تدریسی فرائض انجام دیتا رہا۔ میں نے ہر دو جامعات کے طلبہ کے لیے لیکچرز تیار کیے اور متعدد بار ان کی تنقیح کی اور ان میں سے بعض موضوعات کو شائع بھی کیا [1] اور مستقبل میں نظر ثانی کے بعد دوبارہ شروع کرنے کا پروگرام بھی بنایا۔ پھر مجھے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ماسٹر اور پی ایچ ڈی کے طلبہ کے متعدد مقالہ جات کی نظر ثانی کے بعد ان موضوعات میں سے سیرت کے متعلقہ حصے کی تحریر کو دہرانے کا موقع ملا۔

میں نے ان مقالہ جات میں سیرت نبویؐ کے متعلق روایات میں محدثین کے تنقیدی طریق کار کو پیش نظر رکھا۔ چنانچہ یہ بڑا کٹھن کام تھا جس میں جملہ روایات پر ان قواعد کا نفاذ ہوتا تھا جو سیرت سے متعلق حدیث، تاریخ، تراجم (رجال کے سوانح حیات) اور لٹریچر میں موجود تھے۔ یہ مقالہ جات چھ ہزار (۶۰۰۰) فل اسکیپ صفحات پر مشتمل تھے۔

چنانچہ اس پروجیکٹ کی تکمیل میں دس سال سے زیادہ عرصہ (۱۹۸۸۔۱۹۷۶ء) صرف ہو گیا۔ اور وہ سیرت نبویہؐ سے متعلق روایات کی توثیق میں بڑی کامیابی شمار کی جا سکتی ہے۔ جب کہ پہلے تجربات عموماً اس قدر مکمل نہیں ہیں۔ [2] مجھے امید ہے کہ محققین اس کوشش کو آگے بڑھانے اور فوائد کو

---

[1] ان میں پہلا مضمون ہے: ''اوّل دستور اعلنہ الاسلام'' یہ مضمون مدینہ میں مہاجرین و انصار اور یہود کے درمیان تحریری معاہدہ کی تحقیق پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۹۷۲ء میں کلیہ امام اعظم کے مجلّہ میں شائع ہوا۔ اور ''اہل الصفۃ'' ۱۹۶۸ء میں مجلّہ دراساتِ اسلامیہ میں شائع ہوا۔ اور ''موسیٰ بن عقبہ مغازی کے اوّلین بیان کرنے والوں میں سے ایک'' ۱۹۶۷ء میں کلیہ دراسات اسلامیہ کے مجلّہ میں چھپا۔ اور ''نظرۃ فی مصادر السیرۃ النبویۃ'' ۱۹۷۰ء میں کلیہ دراساتِ اسلامیہ کے مجلّہ میں بغداد سے شائع ہوا۔

[2] ان رسائل میں درج ذیل کی خوب چھان پھٹک کی گئی: (۱)'' مرویات غزوۃ بنی المصطلق '' (ایم اے کا مضمون) یہ مضمون ڈاکٹر ابراہیم قریبی کا ہے۔ انھوں نے یہ مقالہ میری نگرانی میں تیار کیا۔ جامعہ اسلامیہ کی مجلس علمی نے اسے مدینہ منورہ سے شائع کیا۔ (۲)'' مرویات غزوۃ حنین وفتح الطائف '' (پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ) یہ بھی ڈاکٹر ابراہیم قریبی نے میری نگرانی میں تیار کیا اور جامعہ اسلامیہ کی مجلس علمی نے حال میں شائع کیا ہے۔ (۳)''مرویات غزوۂ اُحد'' (ایم اے کا رسالہ) اسے میری ہی نگرانی میں ڈاکٹر حسین باکری نے تیار کیا۔ ⇦⇦⇦

Marfat.com

عام کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تاکہ سیرت پر تنقیدی نظر ثانی ہو سکے اور اسے اس کے مختلف پہلوؤں سے پیش کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں قابل اعتماد روایات پر، نیز احوال، واقعات، جذبات اور عوارض کے تحت صحیح اسلامی تصور کے مطابق اس کا بیان ہو جائے۔

جامعہ کے ان مقالہ جات سے میرے سیرت نگاری کے تجربے میں گہرائی اور بالیدگی آئی اور ان جملہ روایات سیرت، ان کے باہمی موازنے اور ان کے پورے دس سال کے غور و فکر نے نئے سرے سے مجھے جامع تحقیقات کے قابل بنایا۔ میری نگرانی میں سیرت پر متعدد مقالہ جات لکھے جاتے رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ سیرت نبویؐ کی تصانیف سے دلچسپی رکھنے والے مفید تحقیقات کی پیش رفت میں جامعہ کے ان مقالہ جات سے استفادہ کریں گے۔ یہ وہ پہلو ہے جو ہمیشہ تجربہ کار مصنفین، راسخ اہل قلم اور عظیم مفکرین کی توجہ کا محتاج رہے گا۔ وہ سیرت النبیؐ اور اس کے پوشیدہ حقائق پر گہری نظر سے ایسی تحقیقی خدمت

⇐⇐⇐ (۴) ''مرویات فتح مکہ'' (ایم اے کا رسالہ) اسے میری نگرانی میں محسن دوم مرحوم نے تیار کیا۔ (۵) ''مرویات السیرۃ فی العہد المکی الی نہایۃ حادث الاسراء والمعراج'' (ایم اے کا رسالہ) اسے بھی میری نگرانی میں عادل عبدالغفور نے تیار کیا۔ (۶) ''امہات المؤمنین'' (مقالہ ڈاکٹریٹ) اسے میری نگرانی میں ڈاکٹر عبدالعزیز آل عبداللطیف نے تیار کیا۔ (۷) ''مغازی موسیٰ بن عقبہ'' (ایم اے کا رسالہ) اسے محمد باقشیش نے میری نگرانی میں تیار کیا۔ (۸) ''مرویات تاریخ یہود المدینۃ'' (ایم اے کا رسالہ) اسے ڈاکٹر اکرم حسین علی نے میری نگرانی میں تیار کیا۔ (۹) ''السرایا والبعوث فی عصر السیرۃ النبویۃ'' (ایم اے کا رسالہ) اسے بریک محمد میری نگرانی میں تیار کر رہے ہیں۔ (۱۰) ''مرویات صلح الحدیبیۃ'' (ایم اے کا رسالہ) اسے ڈاکٹر حافظ محمد حکمی نے شیخ عبدالمحسن بن حمد العباد کی نگرانی میں تیار کیا۔ (۱۱) ''مرویات غزوۃ بدر'' (ایم اے کا رسالہ) اسے ڈاکٹر احمد علیمی نے ڈاکٹر سیّد حکیم کی نگرانی میں تیار کیا۔ (۱۲) ''مرویات غزوۃ خیبر'' (ایم اے کا مضمون) اسے ڈاکٹر عوض شہری نے زیر نگرانی ڈاکٹر سیّد حکیم تیار کیا۔ (۱۳) ''احادیث الہجرۃ'' (ایم اے کے لیے مضمون) اسے ڈاکٹر سلیمان سعود نے زیر نگرانی ڈاکٹر سیّد حکیم تیار کیا۔ (۱۴) ''مرویات غزوۃ تبوک'' (ایم اے کے لیے مضمون) اسے ڈاکٹر عبدالقادر سندھی نے جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں ڈاکٹر محمد خلیل ہراس کی نگرانی میں تیار کیا۔ (۱۵) ''السیرۃ النبویۃ فی الصحیحین وعند ابن اسحاق فی العہد المکی'' (پی ایچ ڈی کا مقالہ) اسے ڈاکٹر سلیمان عودہ نے جامعہ اسلامیہ محمد بن سعود میں ڈاکٹر عبداللہ بن یوسف شبل کی نگرانی میں تیار کیا۔ (۱۶) ''مرویات غزوۃ الخندق'' اسے ڈاکٹر ابراہیم محمد عمیر نے زیر نگرانی شیخ عبدالمحسن بن حمد العباد تیار کیا۔

Marfat.com

بجالائیں گے، آنے والی نسلیں جس کی محتاج ہوں گی اور اس کی اہمیت وسائل معاش سے کم تر نہیں ہوگی، کیونکہ ان وسائل کے حصول کی کوشش میں ٹیکنالوجی انسان کی مدد میں مصروف کار ہے۔ جب کہ انسان کو دیگر جانوروں میں امتیازی حیثیت صرف اس کی روح اور اس کی عقل کی بنا پر حاصل ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں خوراک کے ذریعے نشوونما پاتی ہیں اور ان دونوں کو یکساں طور پر خوراک فراہم کرنے کی ضرورت ہے جس طرح جسم کو خوراک غذا فراہم کرتی ہے اسی طرح روح اور عقل کو سیرت غذا مہیا کرتی ہے ورنہ مستقبل کا انسان ایک بے جان جسد کی شکل میں بدل کر رہ جائے گا۔

اسلامی فکر سے دوری انسانیت کو بالآخر اس مغربی سوچ سے ہم کنار کرتی ہے جو طویل صدیوں کے دوران زہریلی، بے فیض مادہ پرستی، اللہ تعالیٰ سے بُعد، روحانی قدروں سے بغاوت اور پراگندہ وضعی فکر کے ساتھ پروان چڑھی ہے۔ اور آج مغربی معاشرے جس ہلاکت کے کنارے پہنچے ہوئے ہیں وہ اس زہریلے درخت کا ثمر ہے جسے لادینی (Secular) افکار نے پروان چڑھایا ہے۔ لہٰذا مسلم مفکرین اور علماء کا فرض ہے کہ امت کو مغربی طور طریقوں پر چلنے سے بچانے کی کوشش کریں جس کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ دور حاضر کی نسلوں کو اسلامی نظریہ اور فکر سے پروان چڑھایا جائے۔ یہی زہریلی مادہ پرستانہ سوچ سے بچنے کی احسن تدبیر ہے۔ اس تجربہ کی تنقید اور اس کی اصلاح میں سیرت اور اسلامی تاریخ کے محققین کی تحقیقات سے دلچسپی رکھنے والے علما کی آراء سے اس معاملے میں استفادہ کی بڑی امید رکھتا ہوں جب کہ ہم پہلے ہی مرحلے سے تاریخی روایات کی تنقید میں قرون اولیٰ کے محدثین کے طریق کار کی تطبیق کے قریب رہے ہیں جب کہ وہ مشکل کام ہے اور حدیث کی اصطلاحات میں دقیق ادراک، تعامل میں نرمی اور تاریخی روایت سے واقفیت کا محتاج ہے۔ یہ بات پہلے آچکی ہے کہ میں ''المجتمع المدنی'' (مدنی معاشرہ) کے عنوان سے السیرۃ الصحیحہ کا مقدمہ اور اس کے پہلے دو باب شائع کر چکا ہوں۔ لیکن اس جامع اشاعت پر میں نے نظر ثانی اور اس کی تہذیب و تنقیح کی ہے اور اس میں مزید مفید چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔

Marfat.com

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے اس عمل کو قبول فرمالے اور میرے لیے اسے دنیا و آخرت میں کامیابی کا باعث بنا دے۔ اسی سے اچھی امیدیں وابستہ ہیں اور وہی سب سے بڑی ہستی ہے جس کی جناب میں دست سوال دراز کیا جا سکتا ہے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین .

ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری

المدینه المنوره .

Marfat.com

آغاز اسلام میں تاریخ نویسی کا اسلوب

اور

سیرت نبویہؐ کے مصادر

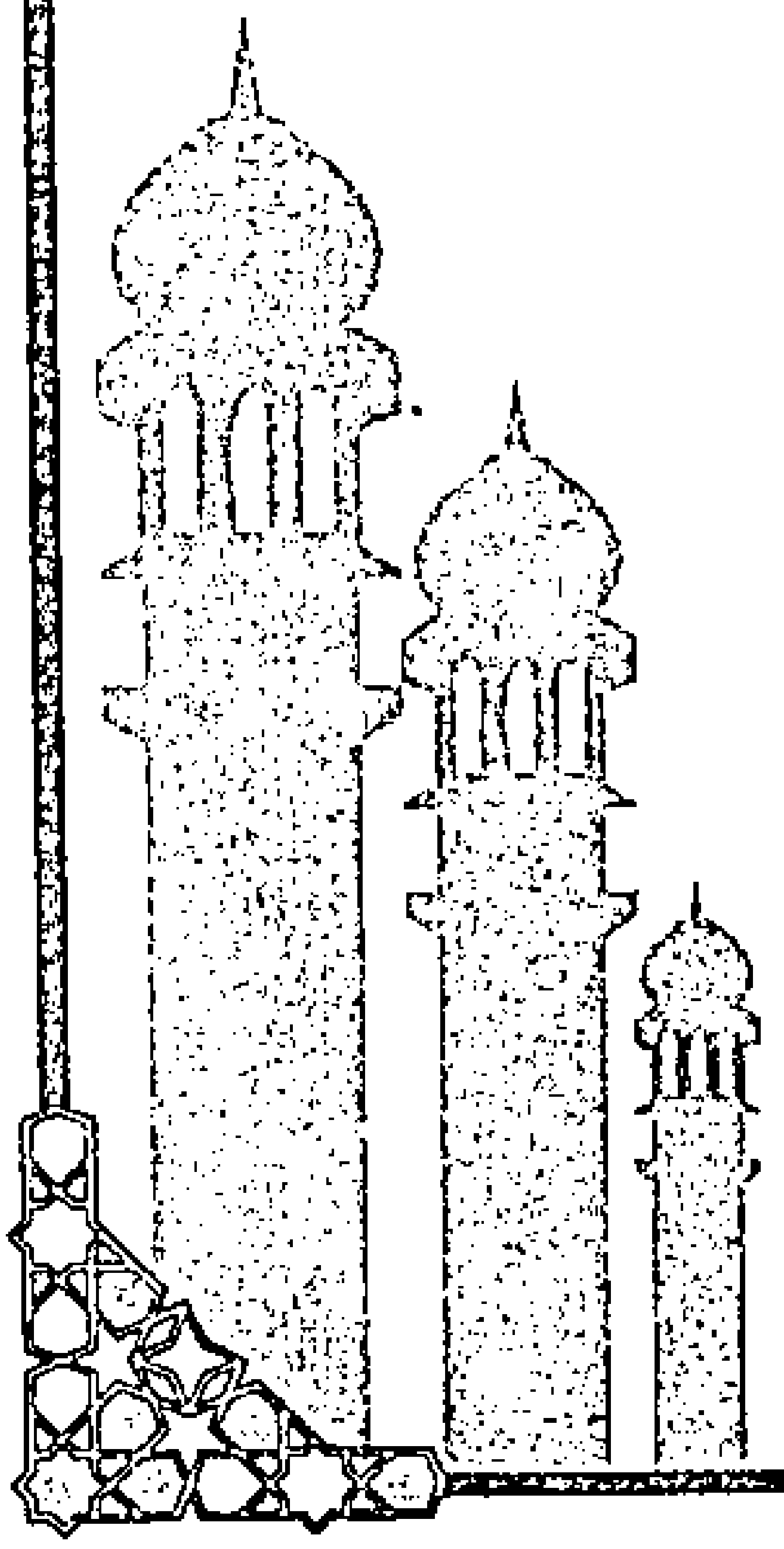

Marfat.com

Marfat.com

آغاز اسلام میں تاریخ نویسی کا اسلوب

مسلمان مفکرین کو اس صدی کے چھٹے عشرے کے آغاز میں جس کمی کا احساس ہوا وہ حرکت تاریخ کی تاریخی وضاحت کے پہلو سے اور اسلامی تاریخ کی محدثین کے اسلوب کے ساتھ اسلامی تصور کے مطابق تشکیل نو کا مسئلہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چودہ صدیوں کے دوران تاریخ اسلامی کی تدوینِ جدید کے متعلق نئی تجاویز، سفارشات، تعلیقات اور تبصروں کی پیش رفت سخت مشکل کام ہے جس کی ایک وجہ طویل زمانے پر محیط موضوع ہے اور مصادر کی کثرت کے ساتھ ساتھ طریقہ کار کا اختلاف ہے نیز مختلف النوع پہلو جنھیں ہر زمانے میں توجہ کا مرکز بنانا چاہیے، اور دورِ آغاز سے ہی سیاسی زندگی میں اسلام سے انحراف، اور بعد کے ادوار میں معاشرتی، اقتصادی اور تعلیمی انحرافات ہیں۔ نیز بیسویں صدی میں سب سے بڑا انحراف جو واقع ہوا وہ عقیدہ اور شریعت کا انحراف ہے جس نے تاریخ اسلامی کے واقعات کی تفصیلات اور جزئیات کو متاثر کیا ہے۔

اسی لیے میں اپنی بات کو صدر اسلام کی تاریخ کی تدوین نو تک محدود کرتا ہوں، اور وہ نبی ﷺ کی سیرت مطہرہ اور راشدینؓ کے عہد پر مشتمل ہے جو مسلمانوں کے طرز عمل میں عقیدہ کی تاثیر اور قوت پر دلالت کرتی ہے۔ نیز مصادر روایات کے سیاق میں زیادہ تر محدثین کے طریقہ کے مطابق تمام مصادر روایات پیش کرنے کے لحاظ سے متشابہ ہیں۔ ایسے ہی صدر اسلام کی تاریخ کی اہمیت ہے جو اسلام کی کامل اور جامع تعلیمات پر صحیح تطبیق پیش کرتی ہے۔ پس وہ ایک نمونہ ہے اور مثالی صورت، جس تک ہماری کوشش ہے کہ معاصر اسلامی معاشرے رسائی حاصل کر لیں۔ اور میں عنقریب تصور اسلامی کی بعض خصوصیات تاریخ کی وضاحت کے لیے پیش کروں گا، پھر تاریخی تحقیق کے طریق کار کو پیش کروں گا جو حدیث کی اصطلاحات کے مطابق مع اس تمہید کے ہے کہ ہماری تاریخ کی تدوین اسلامی اسلوب تحریر کے ساتھ پیش کیے جانے کی محتاج ہے۔

دوسری قوموں کی تاریخ ان قوموں کی آئندہ نسلوں نے خود لکھی ہے، اگرچہ اس میں غیروں کا بھی کچھ حصہ ہے۔ اور اصولی بات یہ ہے کہ --- ہم مسلمان --- اپنی تاریخ اپنے ہاتھوں

Marfat.com

مدوّن کرنے کی ذمہ داری قبول کریں۔ اور یہ کہ ہم اپنی تہذیب، اصولوں اور قدروں کو اپنے مفہوم کے مطابق متعارف کرائیں۔ اگرچہ اس کی تدوین میں ہمارے ساتھ دوسروں نے بھی کسی حد تک حصہ لیا ہے مگر ہمارے خیال میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں اس لیے کہ اس نے ہمیں دنیا کی نظروں کے سامنے جس طرح پیش کیا ہے وہ مبنی بر حقیقت نہیں۔

جو کچھ ہوا ہے وہ اس کے برعکس ہے جو ہونا چاہیے۔ جب کہ عالم اسلام کی تہذیبی پسماندگی اس کی تاریخ کی صحیح تدوین پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ اسلام سے منحرف بعض تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے افراد تاریخ اسلام کو ناپسند کرتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ دنیائے اسلام میں تہذیبی پسماندگی کا سبب وہی ہیں اور یہودیوں کے بالمقابل شکستوں کا ذمہ دار بھی انہیں کو ٹھہراتے ہیں۔ اور حال کو ماضی سے جدا کرنے پر یقین رکھتے ہیں اور جدید مسلمان نسلوں کو اسلام اور اس کی ادبی اور تاریخی وراثت سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ نام نہاد کاہل تاریخ دانوں نے تاریخ کی کتابت کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے اور مستشرقین کی کتابوں کے ترجموں کے ساتھ بلاتحقیق صفحوں کے صفحے سیاہ کر رہے ہیں اور اس کی تدریس و کتابت کرتے ہوئے تحقیق، تدقیق اور تالیف کی مشقت برداشت کرنا بھی پسند نہیں کرتے اور انھیں اس زہر کی کوئی پروا نہیں جو وہ اسلامی معاشرے میں پھیلا رہے ہیں۔

جو چیز اس صورت حال میں اضافہ کر رہی ہے وہ عالم اسلام میں فکری تحریک کی پسماندگی اور عالمی فکری تحریک کے مقابلے میں سست روی ہے اور اس کا تعلق مشرق اور مغرب کے مابین بُعد اور یورپ کی حیران کن ترقی سے ہے۔ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں مسلمانوں سے پہلے کوئی عمدہ تاریخی تحقیق کم ہی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس وقفے میں مسلمانوں کی زیادہ تر تاریخی تحقیقات تشنہ ہیں اور وہ مستشرقین کی آراء اور افکار کا عکس ہیں۔

لیکن اسلام پر یقین رکھنے والے اور جدید نسلوں کا اس کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کرنے والے اس میدان میں بڑی مشقت اور عظیم ذمہ داری کے حامل ہیں کیونکہ صرف وہی تاریخ اسلامی اور اسلامی معاشرے کا صحیح تصور دلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور انھیں ذوقِ ایمان حاصل ہے اور انہیں روزمرہ زندگی پر اس کا اثر محسوس کرتے ہیں جس سے ان کے لیے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی ارتقاء کے محرکات کا فہم ممکن ہے اور نتیجتاً اسلامی تاریخ کا شعور بھی۔

Marfat.com

بلاشبہ اسلام کی حقانیت کائنات، حیات اور انسان سے متعلق اسلام کے تصور سے واضح ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یوم آخر اور اسی کی طرف سے خیر وشر پر ایمان پر مشتمل ہے اور وہ اسلامی عقائد کے دائرے سے باہر نہیں نکلتا اور وہ اولین اسلامی معاشرے کے طرز عمل کے عوامل کے فہم پر مبنی ہے جس سے تاریخ اسلامی کی تحریک اپنے اندر وحی الٰہی کی تاثیر کے ساتھ مطالعہ تاریخ کی عالمی تحریک سے متمیز ہے۔ وہ کوئی معذرت خواہانہ تاریخی تجزیہ نہیں ہے بلکہ اس میں اپنے ماسوا پر غالب آنے والے ایمان کی خصوصیات ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی طرح سے وہ مادّی تفسیر بھی نہیں ہے کہ بشری تاریخ کو مادّی عوامل مثلاً وسائل پیداوار کے تغیر کے نتائج تک محدود کردے جیسا کہ مارکس کی فکر ہے یا وہ حقائق ہیں جن کا انحصار مغربی مادی فکر کی طرح خارجی ماحول (آب و ہوا، جغرافیہ اور اقتصادیات) کے نتائج پر ہو۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی منشا کے دائرہ کار میں اجتماعی اور تاریخی تغیر کے ساتھ انسان کے مقصد حیات اور اس کی ذمہ داری کو واضح کرتی ہے۔ اسی طرح نہ ہی وہ نسلی ہے کہ ایک ہی قوم کے دور پر مرکوز رہے بلکہ اسلامی قبائل کا دور، ان کے حجم اور ان کی خدمات کے مطابق قائم ہے۔ اسی طرح سے وہ فرقہ وارانہ بھی نہیں ہوتی کہ تاریخ کے رخ کو کسی مخصوص مسلک کی طرف یا تاریخی حقائق کی قیمت پر کسی گروہ کی طرف کرلے۔ اور یہ جملہ خصوصیات بڑی تفصیل کی متقاضی ہیں جن کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔ لیکن میں صرف بعض خصوصیات کی وضاحت کروں گا اور باقی ماندہ خصوصیات کی تفصیل کو کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھوں گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

Marfat.com

تاریخ کی وضاحت کے لیے
اسلامی تصور کی خصوصیات

ا۔قرآن کریم میں بیان کردہ آفاقی حقائق

مثلاً (انسان کے عقائد کی بنیاد توحید ہے، شرک نہیں) انسانی عقیدہ کی بنیاد آدم علیہ السلام کے ہاں توحید تھی۔ پھر لوگوں میں شرک نے نفوذ کر لیا۔

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ﴾

[البقرۃ:۲۱۳]

ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقہ پر تھے، (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے

یعنی توحید پر قائم امت واحدہ تھے پھر جب انھوں نے اس عقیدہ توحید کو ترک کر دیا اور اس سے منحرف ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انبیاء علیہم السلام بھیجے تا کہ وہ انھیں توحید کی طرف واپس لوٹائیں۔

جب ہم قدیم تاریخی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم اسلام سے منسوب مؤرخ کو قرآن کریم کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے پاتے ہیں قدیم مورخین کا نظریہ ہے کہ عبادت کی بنیاد حیوان، کواکب اور فطری قوتیں ہیں، پھر عقل بشری ارتقاء کے ساتھ توحید تک پہنچی۔ وہ ''اخناتون'' فرعون کو پہلا موحد شمار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس نے مصریوں کی دیگر عبادت کے مقابلے میں تنہا سورج کی پوجا کی طرف دعوت دی تھی۔

یہ دعویٰ دو محرکات پر مشتمل ہے۔

اوّل: وحی اور نبوت کا انکار جب کہ اس نے دینی عقائد اور ان کے ارتقاء کو انسانی کوشش کی بنیاد پر عقلی اور تہذیبی ارتقاء کے نتیجے میں متعدد الٰہوں سے توحید تک رسائی کو معتبر سمجھ لیا۔

Marfat.com

دوم: ڈارون کے نظریہ ارتقا سے متاثر ہونا، اس کا تاثر اور نظریہ نشو و ارتقاء کی دینی عقیدے کے میدان میں تطبیق۔

جب کہ حق بات یہ ہے کہ ہم انسانی نسلوں کے ماہر (Ethonogist) ایفار لیسنر کی جامع فکر کو بیان کریں جو قرآن کے نظریہ کے مطابق ہے جسے وہ اپنی کتاب "الانسان و الله والسحر" میں بیان کرتے ہیں: "ہمارے اولین اسلاف اللہ واحد کے وجود پر یقین رکھتے تھے۔ پھر بتدریج قبائل کے جادوگروں اور جادوگرنیوں کے شر کے نفوذ کے سبب انحطاط کا شکار ہوتے گئے اور متعدد الٰہوں کے پجاریوں میں بدل گئے۔" ❶

مسلمان مؤرّخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ انسانی تاریخ لکھنے سے پہلے تصور قرآن کے کلیات کا ادراک حاصل کرے۔ پھر تاریخ کے رقم کرنے میں ان سے منسلک رہے اور اگر کچھ نظریات ان کلیات میں سے کسی کی مخالفت کرتے نظر آئیں تو انہی نظریات کو قابل اعتراض سمجھے جو کلیات سے مطابقت نہ رکھتے ہوں جب تک کہ وہ قطعی حقائق نہ بن جائیں۔ قدیم تاریخ کے اخذ کیے ہوئے نتائج آثار قدیمہ کے علم پر مبنی ہیں، جو غیر مربوط معلومات مہیا کرتے ہیں اور قدیم انسانی تاریخ کے شگافوں کو پر نہیں کرتے۔ اور پھر خصوصاً جب مؤرخ بھی غیر مسلم ہو جو مادی آثار سے ہی معلومات حاصل کرتا ہو... لیکن مسلمان مؤرخ کا پایۂ استناد قرآن کریم ہے جس پر باطل نہ آگے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ اور وہ واحد کتاب الٰہی ہے جس میں کوئی تحریف و تبدیلی نہیں ہوئی، اور وہ عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت کے ساتھ مسلمانوں کو عطا فرمائی ہے۔ وہ ہر زمانے میں اس کی تلاوت اسی طرح کرتے ہیں جس طرح وہ نازل ہوئی اور ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں کہ وہ "کلام اللہ" ہے جس سے ان کی روح، عقل، ان کے سلوک، ان کی شخصیت، ان کے معاشرے کے مزاج اور ان کی تہذیب میں گہری تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ وہ فضیلت ہے جو امت مسلمہ کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔

۲۔ صدر اسلام میں مسلمانوں کے طرز عمل کے محرکات

اسلامی معاشرے میں طرز عمل کے محرکات جو عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں وہ اللہ کے انعامات، جزائے اخروی کے شوق اور امید سے متاثر ہوتے ہیں اور مخلص مومن اپنے طرز عمل

❶ یہ اقتباس کولن ولسن کا ہے۔ الانسان وقواه الخفية: ١٥٧.

Marfat.com

میں دیگر محرکات کو شریک نہیں کرتے۔ لہٰذا مسلمان کے جملہ اعمال میں نیت اللہ تعالیٰ سے اخلاص پر مبنی ہوتی ہے خواہ معاملہ جہاد بالنفس کا ہو یا اجتماعی، اقتصادی یا سیاسی سرگرمی ہو۔ مسلمان زندگی کے جملہ میدانوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے محور کے گرد گردش کے لیے مستعد رہتا ہے۔ اور وہ اس سے بخوبی واقف ہوتا ہے کہ اگر اس نے اپنی نیت میں کسی اور کو شریک کیا تو اس کا عمل زائل ہو جائے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

(ان الله لا يقبل من العمل الا ما كان خالصا له وابتغى به وجهه.)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی ایسے عمل کو قبول نہیں فرماتا جو خالصتاً اسی کے لیے نہ ہو اور جس میں صرف اسی کی رضا مطلوب نہ ہو۔

اور جب یہ تصور آج کے ہوش مند مسلمانوں کی اکثریت میں کارفرما ہے تو صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کی نسلوں میں کیسا رہا ہوگا جب کہ وہ خیر القرون کے لوگ تھے؟

صدر اسلام میں اسلام کے پیروکاروں کی تربیت میں اسلام کی تاثیر، ان کے ارواح کا تزکیہ، ان کے ذہنوں کی تہذیب، ان کا اخلاص، ان کی عبادت اور ان کے مجاہدہ میں تنہا اللہ کی طرف توجہ سے واضح طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ فتوحات میں، اشاعت اسلام میں، اس کے غلبہ میں، مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق میں، مشکلات کے حل کے اجتہاد میں اور نئے نئے مسائل میں ان کے محرکات تعلیمات اسلامیہ کے موافق ہوا کرتے۔ ان کے لیے کوئی دنیوی محرک نہ تھا، نہ وہ تسلط اور قبضہ کرنے کے راغب تھے، نہ انھیں مفتوحہ علاقوں سے مفادات کا کوئی لالچ تھا اور نہ صحرائی زندگی کی سختیوں سے فرار تھا، جیسا کہ کایتانی [1] وغیرہ مستشرقین کہتے ہیں۔

طبریؒ نے حضرت ربعیؓ بن عامر اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی رستم کے ساتھ گفتگو بیان کی ہے جب وہ ایرانی سپہ سالار رستم کے پاس گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کے قتال کے لیے نکلنے کے بارے میں مادہ پرستانہ سوال کے جواب میں فرمایا: ''ہم اپنے رب کے حکم سے اس کی راہ میں جہاد کرنے، اس کے حکم کو نافذ کرنے اور اس کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو وفا کرنے آئے ہیں تاکہ تم لوگوں کو اسلام اور اس کے حکم کی طرف دعوت دیں۔ اگر تم ہماری دعوت کو قبول کرلو گے تو ہم تمھیں چھوڑ کر واپس ہو جائیں گے اور اللہ کی کتاب تمھارے درمیان چھوڑ جائیں گے، اور اگر تم

[1] کایتانی (۱۹۲۶ء۔۱۸۷۶ء Caetani) اٹلی، کتاب: ''حولیات الاسلام''

Marfat.com

انکار کرو گے تو ہمارے لیے تمھیں دعوت مبارزت دینے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہوگا اِلَّا یہ کہ تم اپنے آپ کو جزیہ دینے کی شرط پر بچالو۔ اگر تم لوگوں نے ایسا کر لیا تو ٹھیک ورنہ اللہ تعالیٰ ہمیں تمھاری زمین، تمھاری اولادوں اور تمھارے مالوں کا وارث بنائے گا۔ پس ہماری نصیحت قبول کرو اور بخدا! ہمیں تمھارا اسلام قبول کرنا، تمھارے غنائم سے محبوب تر ہے۔'' [1]

اور طبریؒ نے ہی روایت کیا ہے کہ ربعی بن عامرؓ فارس کے قائد رستم کی مجلس میں پہنچے تو رستم نے ان سے پوچھا: تمھیں کیا چیز یہاں لائی ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھیجا ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہے تاکہ جو چاہے ہم اسے بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لائیں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر وسعت میں لائیں اور مذاہب کے ظلم وستم سے نکال کر اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔ اس نے ہمیں اپنا دین دے کر اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہے تاکہ ہم انھیں اس کی طرف دعوت دیں۔''

یہ ربعی بن عامرؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ نے جو کچھ اہل فارس سے کہا، وہ کوئی ان کے انفرادی شعور کی تعبیر نہیں تھی۔ وہ مسلمانوں کی قیادت اور ان کے مجاہدین کے بڑے لشکر کی نگران فکر کی تصویر تھی۔ یہ قول جہاد میں شریک ہونے والے اعرابیوں کی جہاد میں شرکت کے لیے مادی محرکات کے تحت رغبت میں مانع نہیں ہے۔ لیکن ایسے لوگ تحریک اسلامی کی قیادت کی تصویر پیش نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے مقصد کی روح کی۔ اور میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ اسلامی معاشرہ انسانوں ہی کا معاشرہ ہوتا ہے جس میں وہ منتخب زمانہ لوگ ہوتے ہیں جو اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں، جن کی نیت خالصتاً اللہ کے لیے ہوتی ہے اور ان کی جملہ مساعی کا محور اللہ کی رضا کا حصول ہوتا ہے۔ اور اس میں کچھ دیگر طبقات بھی ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو اسلام کے مطلوبہ معیار تک پہنچاتے ہیں۔

پورے وثوق سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ صدر اسلام میں تحریک اسلامی کی تاریخ کی تفسیر ممکن نہیں الا یہ کہ وہ مسلمان اس کی ذمہ داری لے جو ہر روز اللہ تعالیٰ کے اس قول کو دہراتا ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کے لیے تھا۔

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ

---

[1] تاریخ طبری: ۳/ ۵۲۰، ۵۲۸.

Marfat.com

وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ ﴾ [الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳]

ترجمہ: کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔

اور وہ جس کا قلب وشعور قرآن وسنّت سے ہم آہنگ ہو اور ان کا اثر اس کی شخصیت کی تشکیل اور اس کے طرز عمل کی تحدید کے محرکات میں محسوس ہوتا ہو، اگرچہ مغربی مستشرق ماہرین تاریخ، صدر اسلام کے مسلمانوں کے طرز عمل کے محرکات کے فہم سے قاصر ہیں۔ مثلاً مستشرق فادر (لامانس) [1] کو سقیفہ بنوساعدہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے --- جو اسلامی مشاورت کی تطبیق کی شاہکار نظیر ہے، اس حوالے سے کہ اکثریت نے اقلیت کی رائے سے اتفاق کرلیا تھا --- پندرہویں اور سولہویں صدی میں فرانس کی محلاتی سازشوں کی شکلیں سقیفہ کے واقعات میں نظر آتی ہیں اور وہ اس منظر کو قبیح صورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ وہ ہمیں اس کی ایک بگڑی ہوئی صورت دکھاتا ہے جب وہ اس واقعہ کو حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی ملی بھگت قرار دیتا ہے اور ان کے خلافت کے ہتھیانے اور اسے یکے بعد دیگرے حاصل کرنے پر ان کا اتفاق قرار دیتا ہے۔

استشراقی تحقیقات اگرچہ بہت زیادہ ہیں اور وہ علمی معیار اور اس کی گہرائی اور دینی اور قومی تعصب کے لحاظ سے بھی مختلف نوعیت رکھتی ہیں لیکن اغلاط سے بھی مبرا نہیں بلکہ بالعموم وہ ایسے مفکرین کی تحقیقات ہیں جنھوں نے ایسی فضا میں زندگی گزاری جو اسلام سے بہت دور تھی، جس کی اپنی تہذیب، اپنا فلسفہ، اپنے معیار اور اپنے ذوق ہیں، لہٰذا ان پر اسلام کی پرکھ بہت مشکل ہے۔ نتیجتاً ان کے لیے مسلمان کے انفرادی اور اجتماعی سرگرمیوں میں طرز عمل کے محرکات کو سمجھنا ناممکن ہے اور وہ اسلامی تاریخ کی زیر و بم کی وضاحت میں یورپی تاریخ کو مدنظر رکھتے ہیں۔ حالانکہ دونوں تاریخوں کے مزاج میں اختلاف ہے اور ہم اہل یورپ سے غافل نہیں ہیں کہ کس طرح وہ پوری دنیا کو اپنی عسکری اور تکنیکی برتری کی نظر سے دیکھتے ہیں، وہ تمام شاندار کارنامے اپنے ساتھ اور تمام نواقص اپنے ماسوا کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ اور جب ٹائن بی نے عالمی تہذیبوں کی تاریخ رقم کی تو تہذیب اسلامی کو بہت کم جگہ دی جو اس کے حجم اور تاریخ عالم میں اس کے حقیقی دور سے ہرگز مناسبت نہیں رکھتی۔

---

[1] ۱۹۳۷ء-۱۸۶۲ء Lammens: کتاب "مہد الاسلام"

Marfat.com

استشراقی تحقیقات کو سب سے بڑے جس نقص کا سامنا ہے، وہ اسلام کے کامل تصور، اس کی روح، اسلامی معاشرے میں اس کے اثرات اور اس کی تاریخی حرکت سے اس کا عجز ہے، اور وہ بہت بڑا نقص ہے جو ان تحقیقات پر اعتماد میں رکاوٹ ہے، بالخصوص سیرت نبویؐ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے سے متعلقہ تحقیقات کیونکہ اس زمانے میں اسلامی نظریہ اور عقیدہ کو سو فیصد عملی شکل دے دی گئی تھی۔

۳۔ اللہ کے ساتھ تعلق کے معیار پر تہذیب کی جانچ پرکھ

مسلمان فقط مادی کامیابیوں کی رو سے فیصلہ نہیں کرتا، خواہ وہ کسی بھی تہذیب کے معیار تک رسائی حاصل کر لے۔ وہ اس کی تحقیق کی وسعت میں اس کے اساسی ہدف کو پیش نظر رکھتا ہے جسے ''الخالق عزوجل'' نے اپنی (مخلوق) کے لیے وضع فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ﴾ [الذاریات:۵۶]

ترجمہ: میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

مسلم مؤرخ کی نظر میں اعلیٰ وارفع تہذیب وہ ہے جو سیاسی، اجتماعی، اقتصادی، ثقافتی اور مادی طور پر ایسا مناسب ماحول مہیا کرے جو انسان کے رخ کو اللہ کی توحید، تنہا اسی کی عبادت اور انسانی سرگرمیوں کے ہر رنگ میں جسے وہ اختیار کرے، اسی کی تعلیمات کے التزام کی طرف متوجہ رکھے، بغیر اس کے کہ معاشرے میں قائم مختلف ادارے اس میں مزاحم ہوں، یا یہ کہ اس کے ''عقیدے'' اور اس کے ''طرزِ عمل'' میں اسے تناقض سے دوچار کریں۔ نیز اس کے بغیر کہ اس پر دباؤ ڈالا جائے تاکہ اسے رب العالمین کی عائد کردہ ذمہ داری سے منحرف کر دیں۔

اس لیے علوم و معارف اور آداب و فنون میں تہذیب جس قدر بھی ترقی یافتہ ہو جائے اور آثارِ قدیمہ کی تحقیق و تفتیش محلات، سامانِ تعیش، لباس اور سامان خورد و نوش کے تنوعات میں جس قدر مہارت حاصل کر لے، اور انسانی مادی زندگی، آسائشات اور تعیّشات میں جس قدر ترقی کر لے اور مادی تہذیب اپنے ارتقاء کے جس مقام کو بھی حاصل کر لے، وہ مسلمان مؤرخ کی نظر

Marfat.com

میں پسماندہ ہی رہے گی، جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے خود مناسب فضا نہ تیار کرے۔

اسلامی تہذیب نے مختلف تاریخی مراحل طے کیے ہیں... اس میں شک نہیں کہ بڑی مادی کامیابیاں صدر اسلام میں نہ تھیں لیکن تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں ایسا ہوا۔ اسی لیے مغربی مؤرخ آدم سمتھ نے یہ رائے قائم کی کہ چوتھی صدی ہجری اسلامی تہذیب کی رفعت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہے۔ جب کہ مسلمان مؤرخ کا نظریہ ہے کہ صدر اسلام کا زمانہ اسلامی تہذیب کی ترقی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید اور شریعت پر زیادہ گامزن تھا اور صدر اسلام میں مسلمانوں کا طرز عمل ان کے چوتھی صدی ہجری کے طرز عمل کی بہ نسبت شرعی تعلیمات کے زیادہ مطابق تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے ارشاد مبارک میں اسی کی نشاندہی فرمائی ہے:

(خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم)

ترجمہ: بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے اور پھر جو اس کے قریب ہے اور پھر جو اس کے قریب ہے۔

یہ منطق اور یہ تصور غیر مسلم مؤرخین کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کیونکہ وہ اپنے جانچ پڑتال کے معیار میں مغربی تہذیب کی قدروں کے آگے سرنگوں ہیں لیکن جہاں تک مسلم مؤرخ کا تعلق ہے تو معاملہ بصراحت اس کے سامنے واضح ہوتا ہے کہ مغربی مادی تہذیب سے پھوٹنے والی قدروں کے طوق، معیار اور تصورات توڑ دینے کے قابل ہیں اور اس کی تکمیل اسلام کے صحیح ادراک کے ساتھ ہی ممکن ہے جس کے آثار دور حاضر کے عالم اسلام میں ظاہر ہو رہے ہیں... اور اس کے آثار میں سے مغربی تہذیب سے بسرعت تمام آزادی، اس پر اسلام اور ایمان کے ساتھ غلبہ، اپنی ذات کا شعور اور روحانی وفکری آزادی ہے اور یہ وہ صورت ہے جو تہذیب کی راہ پر صحیح قدم ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

۴۔ صدر اسلام کی تاریخ کی وضاحت میں جواز کی منطق کو بنیاد بنانے کی تردید

یہ منطق اس نفسیاتی اور فکری مرعوبیت کا نتیجہ ہے جسے مغرب کی فکری غلامی نے ہماری عقلوں پر سوار کر دیا ہے اور اسی ضمن میں وہ معذرت خواہانہ اسلوب ہے جس کے ساتھ بعض

Marfat.com

معاصر مسلم مؤرخین نے اسلام میں جہاد، اسلامی فتوحات کی تحریک اور فارس وروم کی تحریکات کے آگے جزیرہ نمائے عرب کی حدود کی تاریخ بیان کرتے ہوئے معذرت خواہانہ اسلوب سے گفتگو کی ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے غزوات بھی اس معذرت خواہانہ اسلوب سے محفوظ نہیں رہے۔ اور انھیں ریاست مدینہ منورہ کا دفاع بنا ڈالا ہے۔ مثلاً (علامہ محمد شبلی نعمانی کی سیرت سے متعلق تحقیق، وہ اپنی فضیلت کے باوجود اس غلطی میں مبتلا ہوئے ہیں) بلکہ بعض مسلمان مؤرخین جب مطلوبہ جواز پیش کرنے میں ناکام ہوئے تو صحیح روایات کا ہی انکار کر بیٹھے۔ چنانچہ ایک مصنف [1] نے بنی قریظہ کے ساتھ جنگ میں ان کے قتل سے متعلقہ ابن اسحاق کی روایات کا انکار کر دیا جب کہ وہ حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ثابت شدہ ہے۔ گویا کہ اس کی نظر میں بنی قریظہ کے قتل کا فیصلہ مبنی بر انصاف ہونا مشکوک ہے۔ پس اسلام کی حقیقت دفاعی ہے نہ معذرت خواہانہ، بلکہ اس کا انحصار اس اعتقاد پر ہے کہ اسلام ہی حق ہے اور اس کے ماسوا باطل۔ اور اسلام نے جہاد و قتال کا جو حکم دیا ہے وہ حق ہے اور کسی معذرت یا کسی جواز کا محتاج نہیں، اگرچہ وہ بیسویں صدی میں تحکمانہ ذہنیت کے باعث لوگوں کو اجنبی لگے۔ اس لیے کہ ہم ''اسلام اور اس کی تاریخ'' کا اتباع زمانے میں لوگوں کے اذواق اور ان کے فکری نظریات کی خاطر نہیں کرتے جنھیں لوگ ایک زمانے میں پسند کرتے ہیں اور دوسرے زمانے میں اسے ناپسند کرتے ہیں، ایک علاقے کے لوگ ایک چیز کو اچھا سمجھتے ہیں جب کہ دوسرے اس کو برا سمجھتے ہیں حالانکہ فیصلے کا حق تو اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت کو حاصل ہے، نہ کہ لوگوں کے ذوق اور ان کی خواہشات کو۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ نافذ کرنے پر قادر ہے۔

۵۔ تدوین تاریخ میں شرعی اصطلاحات کا استعمال:

تاریخ اسلامی کی تدوین کے سلسلے میں قرآن کریم اور سنت مطہرہ سے ماخوذ اصطلاحات کا استعمال ضروری ہے، کیونکہ یہ اصطلاحات معین اور واضح ثبوت رکھتی ہیں، اور شریعت کے معیار کے مطابق ہیں۔ نیز تاریخی واقعات کی جانچ پڑتال میں ان کا ایک وزن ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے انسانوں کو ''مومن''، ''کافر'' اور ''منافق'' میں تقسیم کیا ہے۔ اور ان تینوں

[1] ڈاکٹر ولید عرفات: قطر میں منعقدہ ایک سنت وسیرت کانفرنس میں یہ تحقیق پیش کی اور اس سے پہلے بغداد میں ''تاریخ کے لیے بین الاقوامی کانفرنس'' میں بھی اسے پیش کیا۔

Marfat.com

میں سے ہر ایک کی مخصوص نشانیاں ہیں جو ثابت شدہ اور واضح ہیں اور ان کو خلط ملط کرنا ممکن نہیں اور یہ بات نامناسب ہے کہ ہم ان اصطلاحات کی بجائے اُن اصلاحات کو قبول کریں جو غیر اسلامی واسطوں سے آئی ہیں جیسا کہ انسان سے متعلق دائیں بازو (Rightist) یا بائیں بازو (Leftist) والے اور اس کی دیگر غیر شرعی تعریفیں (Definitions) ہیں جو دقیق اور ثابت شدہ صورت میں معین نہیں ہیں۔ اور اسی طرح سے اعمال اور تہذیبی کامیابیوں پر شریعت کی مقرر کردہ اصطلاحات مثلاً ''الخیر''، ''الشر'' اور ''الحق'' و ''الباطل'' اور ''العدل'' و ''الظلم'' کو استعمال کریں اور مغربی فکر کی اصطلاحات مثلاً ''ترقی پسند'' اور ''رجعت پسند'' کو استعمال نہ کریں۔ بعض مسلمان مصنفین ان غیر اسلامی اصطلاحات اور الفاظ کے استعمال کی طرف کھنچتے چلے گئے جن سے جاہلی فکر میں تحلیل ہونے کا خطرہ مضمر ہے نیز اس قسم کی بہت سی اصطلاحات میں اجنبیت پائی جاتی ہے جو ہمیں اپنے حقیقی تشخص سے محروم کر دیتی ہے۔

تاریخ اسلامی کی تشکیل نو میں اسلامی تصور و منہج کے محافظین کے لیے شرعی اصطلاحات کا استعمال بہت ضروری ہے اور ان کی شناخت کا اظہار اس نسبت کے ساتھ کہ شرعی اصطلاحات مغربی اصطلاحات سے واضح تر اور دقیق تر ہیں۔

اور اب دیکھنا یہ ہے کہ محدثین کے طریقہ ہائے کار کے مطابق تاریخ اسلامی کی تحقیق سے مقصود کیا ہے؟

مقصود یہ ہے کہ محدثین کے ہاں احادیث پر تنقید اور صحیح اور ضعیف کی معرفت کے طرق و مناہج ہیں اور صدر اسلام کی تاریخ سے متعلقہ روایات کی تنقید میں ان مناہج کی تطبیق پیش نظر ہے کیونکہ یہ تاریخی روایات اسانید کے ساتھ احادیث کی مثل ہیں جو متون سے پہلے وارد ہوتی ہیں جس سے ناقد کو یکے بعد دیگرے ان راویوں کی معرفت حاصل ہوتی ہے جنھوں نے روایت کو اپنے سے پہلے والے سے نقل کیا ہوتا ہے اور راویوں سے متعلق معلومات علم رجال کی کتابوں سے لی جاتی ہیں جو راویوں کے احوال کے بیان کے ساتھ مختص ہوتی ہیں۔ مثلاً صحیح حدیث کی شرط یہ ہے کہ اسے عادل و ضابط راوی نے عادل و ضابط سے روایت کیا ہو اور یہ سلسلہ آخر تک چلے اور اس میں کوئی روایت شاذ ہو نہ معلل۔

صحیح تاریخی روایت کی شرط یہ ہے کہ اس کے جملہ راویوں کا سلسلہ یکے بعد دیگرے

Marfat.com

عینی شاہدوں تک پہنچتا ہو جو صحیح دین کے پیروکار اور متقی ہوں اور انھیں حفظ کا ملکہ حاصل ہو جو انھیں اوہام اور تخلیط سے بچانے والا ہو اور ان کی روایت کے ضبط پر منتج ہوتا ہو، اس کا تعلق ان کے سینوں سے ہو یا ان کی کتابوں سے اور مزید یہ کہ یہ روایت ان دیگر روایات سے متفق ہو جنھیں زیادہ ثقہ راوی بیان کرتے ہوں۔ لیکن جب ان سے مختلف ہو تو وہ شاذ ہے اور مرجوح۔ اور اسی طرح سے تاریخی روایت میں کوئی خفیہ علت نہ ہو جو اس کی صحت کو معیوب بنا دے۔ جیسے تدلیس خفی یا ارسال خفی یا متن کی معلومات میں اضطراب۔

اگر تاریخی روایات درجہ بالا شرائط کے مطابق صحیح حدیث کے درجہ تک نہ پہنچتی ہوں تو ان کے طرق کی تعداد، مع جو کچھ اس واحد تاریخی مسئلہ سے متعلق ہو، کو دیکھا جائے گا، نیز اس کے ساتھ موافقت اور مخالفت کو نگاہ میں رکھا جائے گا۔ اگر خبر واحد کے مصادر متعدد ہوں تو وہ راویوں کے جھوٹ پر اتفاق کو ناممکن بنا دیتے ہیں۔

لیکن تاریخی روایت کے ساتھ تعامل کے وقت محدثین کے منہج کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ تاریخی معلومات کی روایت میں تساہل سے کام لیتے ہیں جیسا کہ ہم محمد بن اسحاق خلیفہ بن خیاطؒ اور طبریؒ جیسے ثقہ مؤرخین کو ملاحظہ کرتے ہیں کہ اکثر مرسلہ و منقطع روایت کر دیتے ہیں۔ نیز طبریؒ، ہشام بن الکلبیؒ، سیف بن عمر تمیمیؒ اور نصر بن مزاحمؒ وغیرہ نہایت ضعیف راویوں سے نقل کرتے ہیں۔

بلاشبہ مؤرخین محدثین کے منہج سے ہٹ کر خبر کی صداقت کو پرکھنے کے لیے زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیتے ہیں اور اپنی اس ذمہ داری کو اسانید کی روایات میں مذکور راویوں پر ڈال دینے پر اکتفا کر لینا اور اسے آج کے مسلمان مؤرخ پر ڈال دینا بڑا بوجھ ہے کیونکہ صحیح روایات کے فہم کے بعد اور محدثین کے منہج کی تطبیق تک رسائی بڑی محنت کی محتاج ہے آج کل کے مؤرخین کے لیے یہ کام اتنا سہل نہیں جتنا اپنے تبحر علمی کی وجہ سے خلیفہ بن خیاط یا طبری جیسے لوگوں کے لیے آسان تھا کیونکہ وہ محدثین کے منہج کی روایات اور ان کے باہمی امتیاز کے طریقوں کو سمجھتے تھے۔ بہر حال ہم پہلے مؤرخین کے حق اور ان کی فضیلت کو نہیں گھٹاتے، انھوں نے ہمارے لیے اسانید کا اولین مواد جمع کر دیا تھا جو ہمیں اس قابل بناتا ہے کہ ہم ان پر کوئی حکم لگا سکیں خواہ جہد و مشقت کے بعد ہی ہو۔

Marfat.com

اور اب روایات کی تحقیق، صحیح اور ضعیف میں امتیاز کے بعد مطلوب، صحیح روایات پر اعتماد اور ان کو اوّلیت دینا ہے، اس کے بعد حسن، پھر صدر اسلام کے زمانے میں اسلامی معاشرے کے واقعات کو تاریخ کی صورت سازی کے لیے ضعیف سے کام لینا... اور تعارض کے موقع پر ہمیشہ قوی تر کو مقدم رکھنا۔ لیکن ضعیف روایات جن کی کسی ذریعے سے تقویت ہوتی ہو اور نہ تائید تو ان سے اس رخنے کو پُر کرنے میں فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے جسے نہ صحیح روایات پُر کرتی ہوں اور نہ حسن، بشرطیکہ ان کا تعلق عقیدے اور شریعت سے نہ ہو۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ: ''جس بات کا تعلق عقیدے اور شریعت سے ہو وہاں ضعیف روایت کو نہیں لیا جائے گا۔'' اور یہ بات کوئی راز نہیں کہ سیرت نبویہ اور خلافت راشدہؓ فقہی نظیروں (Precedents) سے پر ہیں کیونکہ خلفائے راشدینؓ زندگی کے پہیے کو گھمانے کے لیے اسلامی تعلیمات کے مطابق اجتہاد کرتے تھے۔ انھوں نے فتوحات کے نتیجے میں اسلامی ریاست کی وسعت کے بعد نت نئے مسائل کے لیے احکام و تنظیم میں جو استنباط کیے، ان میں وہ اقتداء اور متابعت کا محل و مرکز ہیں۔

لیکن شہروں کی حدود کی تعیین اور نہروں کی کھدائی میں آبادکاری سے متعلقہ تاریخی روایات، میدانِ جنگ اور مجاہدین کی شجاعت اور ان کی قربانیوں پر دلالت کرتی ہوئی داستانوں سے متعلق تساہل میں کوئی حرج نہیں۔

ابن حجر عسقلانی نے غریب روایت سے بعض نقاد کے انکار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے: ''اس قصہ کے طرق میں قوی بھی ہیں اور ضعیف بھی، اور ان سب کو رد کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ ان سے اس پر مدد لی جا سکتی ہے جسے راوی نے اپنی قلت آگاہی اور ان کی تردید کا اقدام کر کے چھوڑ دیا ہو جسے وہ نہ جانتا ہو۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ جس چیز میں اختلاف کیا گیا ہے، وہ زیادتی ہے یا کمی تو جس پر اتفاق ہو جائے اسے لے لیا جائے اور اختلاف کی صورت میں سے جو قوی ہو اسے لے لیا جائے اور جس میں ضعف یا اضطراب ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ جب اضطراب کو دور کر دیا جائے تو مختلف کے مابین وصل ہے اور ضعیف مردود کے ساتھ ملنے والی کوئی چیز راجح نہیں ہوتی۔'' [1]

---

[1] "العجاب في بيان الاسباب" قلمی نسخہ ہے۔ اسی کی ایک فوٹو کاپی مدینہ منورہ میں جامعہ اسلامیہ کے مکتبہ میں موجود ہے۔

Marfat.com

اور اس ''اصول'' کو ہم نے ہمیشہ سے قبول کر رکھا ہے کیونکہ حدیث کی کتابوں سے وسیع صورت میں استفادہ سیرت النبیؐ اور خلافت راشدہؓ کے زمانے کی تحقیق کو ممکن بنا دیتا ہے کیونکہ نقاد کی نظر میں حدیث کی کتابوں سے سیرت و تاریخ کی نسبت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ مثلاً بخاریؒ و مسلمؒ کی صحیحین کو ممتاز قرار دیا گیا ہے اور تنقیدی تحقیقات کے بعد جنھیں قدیم کبار علمائے حدیث نے اور دور جدید کے محققین نے اختیار کیا ہے، اعتراف کیا گیا کہ جو کچھ ان دونوں میں ہے وہ صحیح ہے حتیٰ کہ ان دونوں میں پائے جانے والے قابل اعتراض سادہ حروف بھی تنقید کے سامنے درست قرار پائے کیونکہ ان کے اصول معروف ہیں جبکہ بخاریؒ و مسلمؒ ان میں منفرد نہیں۔ اور معاملہ جب تک ایسا رہے گا تب تک وہ روایات جو بخاریؒ و مسلمؒ نے سیرت النبیؐ اور سیرت راشدینؓ سے متعلق وارد کی ہیں، پر اعتماد ممکن رہے گا۔ پھر چاروں سنن اور موطا امام مالک، جن کی بھی چھان پھٹک کی گئی ہے، اس کے باوجود کہ وہ صحیحین کے درجہ تک نہیں پہنچتیں اور نہ ہی ضعف سے خالی ہیں، کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

بلاشبہ احادیث کی کتابیں سیرت کی روایات کی بڑی مقدار پر مشتمل ہیں تاہم وہ تمام واقعات کا احاطہ نہیں کر پاتیں۔ لہٰذا سیرت و تاریخ کی کتابوں میں درج روایات کے لیے حدیث کی طرح کی تنقید کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے...

چنانچہ بڑے محدثین مثلاً حافظ ابن سید الناس اپنی کتاب ''عیون الاثر فی المغازی والشمائل والسیر'' میں اور حافظ ذہبیؒ اپنی کتاب ''تاریخ الاسلام'' میں جب انھوں نے سیرت النبیؐ کو لکھا تو چھ کتابوں: بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ پر انحصار کیا۔ لیکن یہ دونوں حضرات سیرت و تاریخ کی کتابوں سے بے نیاز نہیں ہو سکے۔

اس بڑی حقیقت کی وضاحت ناگزیر ہے کہ ان سے صرف نظر سیرت النبیؐ اور خلفائے راشدین کی سیرت سے متعلقہ معلومات کی صحت کو ہماری نگاہوں میں مشکوک بنا دیتی ہے۔ اور یہ وہ حقیقت ہے کہ حدیث کی کتابیں سیرت و تاریخ میں وارد شدہ معلومات سیرت سے متعلقہ اہم پہلوؤں کے بڑے حصے کی معاونت کرتی ہیں اور بالخصوص محمد بن اسحاق بن یسارؒ (م ۱۵۱ھ) اور موسیٰ بن عقبہؒ (م ۱۴۰ھ) کی سیرت کی کتابیں اور پہلی کتاب ہمیں سیرت ابن ہشام کے عنوان سے موصول ہوئی جس نے اس کی تہذیب کی.. اور میں نے سیرت ابن اسحاق کو مخصوص کیا ہے

Marfat.com

کیونکہ جس کتاب سیرت کے مقابلے میں اسے لکھا گیا وہ واقدی کی ''مغازی'' ہے، جسے محدثین نے موضوع ہونے کا طعنہ دیا اور اسے ضعیف قرار دیا ہے، باوجودیکہ سیرت میں اس کے مواد کی کثرت کو انھوں نے بصراحت بیان کیا ہے۔ اور حق بات یہ ہے کہ ''مغازی الواقدی'' کی تحقیق اس صحت کا انکشاف کرتی ہے جو محدثین کا قول ہے، اور بکثرت وہ راوی جن کے واسطہ سے واقدی روایات کو بیان کرتا ہے ہم علم الرجال کی کتابوں میں ان کے سوانح نہیں پاتے۔

بعض مستشرقین کا رجحان غلط ہے جس کی پیروی ہمارے بعض مؤرخین نے کی ہے۔ وہ یہ کہ واقدی کے مغازی کو اعلیٰ مقام دیتے ہیں اور اسے سیرت ابن اسحاق پر مقدم رکھتے ہیں جب کہ حق یہ ہے کہ سیرت ابن اسحاق زیادہ دقیق اور زیادہ قابل اعتماد ہے۔ اور اس کی معلومات بہت سے پہلوؤں سے حدیث کی کتابوں کی معلومات سے مطابقت رکھتی ہیں۔ کتب حدیث اور کتب سیرت کے مابین فرق یہ ہوتا ہے کہ سیرت کی کتابوں میں روایات زیادہ تر مرسل اور منقطع ہوتی ہیں جب کہ تم ان روایات کو حدیث کی کتابوں میں متصل سند کے ساتھ پاتے ہو جس سے سیرت کی کتابوں کی معلومات ثابت ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اضافے اور تبدیلیوں کی تکمیل اس وقت ہوگی جب ہم سیرت و تاریخ کی کتابوں کا انحصار حدیث کی کتابوں پر کریں گے۔ اور جب ہم ''تاریخی روایت'' پر تنقید منہج حدیث کے قواعد کے مطابق کریں گے اور بعض نتائج جو ہمیں اس منہج کی تطبیق سے حاصل ہوں گے اور وہ جو مجھے اس موضوع پر اپنی خاص تحقیق سے واضح ہوئے، درج ذیل ہیں:

۱۔ سیرت النبیؐ سے متعلق معلومات کی صحت پر زیادہ تر یقین قابل اعتماد سیرت کی کتابوں سے ہوتا ہے اور بالخصوص سیرت ابن اسحاق سے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے کہ اس نے اپنے نبیؐ کی سیرت کی حفاظت فرمائی تاکہ وہ اس کی پیروی کرسکیں۔

۲۔ ان معلومات میں اضافہ جو رسول اللہ ﷺ کی دین و دنیا کے امور سے متعلق جامع زندگی کے پہلوؤں کی تکمیل کرتی ہیں اور اضافے جو حدیث کی کتابیں پیش کرتی ہیں، اہم ہیں۔ کیونکہ تاریخ و سیرت کی مختص کتابیں سیرت کے دائرہ میں اجتماعی، اقتصادی اور تنظیمی پہلوؤں کی تفصیل کے بغیر صرف مغازی تک محدود ہیں۔

۳۔ اُن بعض پہلوؤں کی توضیح جن میں مؤرخین اور محدثین کے اختلاف ہیں: مثلاً ''غزوہ بنی

Marfat.com

المصطلق۔'' امام بخاریؒ اپنی صحیح میں ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی مصطلق پر ان کی بے خبری میں حملہ کیا لیکن سیرت کی کتابوں کا بیان ہے کہ آپؐ نے ان کو متنبہ کر دیا تھا اور انھوں نے جنگ کی تیاری کر رکھی تھی اور آپؐ کے خلاف مریسیع کے کنوئیں پر قتال کیا۔

اس صورت حال میں ہم دشمن کو خبر دار کرنے کے بارے میں اسلام کے موقف سے واقفیت کے محتاج ہیں۔ چنانچہ حملہ کرنے سے پہلے دشمن کو خبر دار کرنے کے بارے میں ہم علماء کی تین آرا کا مطالعہ کرتے ہیں:

اول: المازریؒ اور قاضی عیاضؒ کی رائے میں اطلاع کرنا ضروری نہیں۔

دوم: امام مالکؒ اور بعض دوسرے علماء کی رائے ہے کہ یہ مطلقاً واجب ہے۔

سوم: یہ واجب ہے ان لوگوں کے بارے میں جن کو دعوتِ دین نہ پہنچی ہو اور ان کے لیے جنھیں دعوت پہنچ گئی ہو ضروری نہیں۔ اس رائے کے حامل امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ان کے پیروکار ہیں اور یہی راجح ہے۔ [1]

اور اس کے ساتھ کہ بنی المصطلق کو دعوت پہنچ چکی تھی تو امام بخاری کی روایت بنی مصطلق پر آنحضورؐ کا ان کی بے خبری میں حملہ اس راجح رائے کے مطابق ہے اور ابن اسحٰق اور دیگر سیرت نگاروں کی رائے کو ترجیح حاصل نہیں کیونکہ حجت تمام ہو چکی تھی اور ان کی اس رائے کو بھی ترجیح حاصل نہیں کہ امام بخاریؒ کی روایت قرآن کی اس نص کے خلاف ہے:

﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِيَانَةً فَانۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ..﴾ [الانفال:۵۸]

(اور اگر کبھی تمھیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو اعلانیہ اس کے آگے پھینک دو)

۴۔ سیرت سے متعلقہ بعض موضوعات جن کے ساتھ دور حاضر کی تحقیقات نے جو فقط سیرت وتواریخ کی کتابوں پر منحصر ہیں، انصاف نہیں کیا مثلاً ''نظام المواخات'' اور ''وثیقہ'' جو نبی ﷺ نے ہجرت کے آغاز میں دستور مدینہ کے طور پر تیار فرمایا، میں ترمیم، مگر ہمیں ترمیم میں اتنا مبالغہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ سیرت کی اس شکل کو بدل دے جو کہ قدیم سیرت کی کتابوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ مسلمانوں میں گزشتہ چودہ صدیوں سے رائج

---

[1] نیل الاوطار للشوکانی کی طرف رجوع کریں: ۷/۲۶۲۔

Marfat.com

ہے، بلاشبہ حدیث اور سیرت کی کتابوں کے مطالعہ اور ان کے باہمی موازنہ سے اصولوں اور تفاصیل میں بکثرت یکسانیت نظر آتی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی ﷺ کی سیرت کی حفاظت ہے تاکہ وہ مینارہ نور بنا رہے اور مسلمان ہر زمانے اور ہر دیس میں اس کی اقتداء کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آغاز ہی میں تابعینؒ اور ان کے شاگردوں میں سے ماہر محدثین کا ایک طبقہ پیدا فرما دیا تھا جو اپنی روایات کو ان صحابہؓ سے یقین کے ساتھ لیتے تھے جو عینی شاہد تھے اور واقعات میں شریک تھے، چنانچہ واقعات اور ان کی تدوین میں کوئی انقطاع واقع نہیں ہوا جو ان کے ضیاع یا ان میں تحریف و تعدیل کا باعث بنتا۔ اور جب ہم سیرت کی کتابوں کے مصنفین کا جائزہ لیتے ہیں تو ان میں سے بیشتر کو محدثین پاتے ہیں۔ وہ ادیب یا قصہ گو نہیں ہیں اس لیے ان کی اہمیت ہے۔ اور ثقاہت ان کی پہچان ہے اور وہ تنقید پر پورے اترتے ہیں اور ان کے اسلوب سنجیدہ ہیں اور مبالغے، فضول باتوں اور تخیلات سے بہت دور ہیں۔

۵۔ ظاہر ہے کہ مسلمان علماء رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے متعلقہ وارد شدہ احادیث اور اخبار کو جمع کرنے کے شائق تھے جو ان کی رائے میں صحیح تھیں یا موضوع۔ اور بعض اوقات دو قسم کی روایات کو ایک ہی کتاب میں جمع کر دیا گیا اس صراحت کے ساتھ کہ متعلقہ روایت صحیح ہے یا ضعیف یا اس کی سند کے بیان کے ضمن میں کہ وہ متہم راوی سے منسوب ہے۔

اور کبھی کتاب فقط صحیح روایات پر مشتمل ہوتی ہے جیسا کہ بخاریؒ اور مسلمؒ کی صحیحین کا مقام ہے۔ اور کسی وقت بعض تالیفات محض کمزور اور موضوع روایات پر مشتمل ہوتی ہیں مثلاً دار قطنیؒ کی 'العلل المتناهية' اور سیوطیؒ کی 'اللآلیٔ' اور ابن عراق کی 'تنزیة الشریعه'۔

صحیح اور موضوع کے جمع کرنے کی رغبت اس بات کے منافی ہے کہ مسلمان سیرت النبیؐ کی بعض روایات کو چھپانے والے ہوں بلکہ قرآن نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشرکین کے الزامات کی نشاندہی کی ہے اور اس کی بعض اوقات وہ مثالیں دی ہیں جو اسلام کے دشمنوں کے نقطہ نظر سے متعارف ہونے کا واحد ذریعہ ہیں۔

---

(1) النحل: ۱۰۳۔ الفرقان: ۴، ۵، ۷، ۸۔ ۴۱، المؤمنون: ۶۸، ۷۰۔ الزخرف: ۳۱.

Marfat.com

مروجہ تاریخ اسلامی کے بیان میں محدثین کے قواعد میں لچک کی ضرورت

بلاشبہ ہر تاریخی روایت کی قبولیت کے لیے اسے حدیث کی سی صحت کے ساتھ مشروط کرنا تشدد پسندانہ پالیسی ہے کیونکہ اس شرط پر پورا اترنے والی روایات تاریخ اسلامی کے مختلف ادوار کا احاطہ کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ اس سے ہماری تاریخ میں رخنے پیدا ہوں گے، اور جب ہم اس کا دیگر قوموں کی تاریخوں سے مقابلہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انحصار بہت حد تک مفرد روایات یا مجہول مؤرخین پر ہے اور مزید یہ کہ ان میں لاتعداد رخنے پائے جاتے ہیں ... لہٰذا بعد کے ادوار میں مؤرخ کی عدالت اور اس کے ضبط پر اعتماد کر لینا کافی ہے کہ اس نے جو کچھ مؤرخین کے تعارض کے موقع پر حدیث کی تنقید کے قواعد سے کام لیتے ہوئے ترجیح دے کر لکھا ہے، قابل قبول ہے۔

شخصیات، اقوام اور ان کے دور کی تاریخی جانچ پڑتال سے متعلق مؤرخ کی شہادت کی قبولیت کے لیے اس کی امانت، ثقاہت اور اس کے دین کا پیروکار ہونے کی شرط ضروری ہے۔

اسلامی تاریخ کے جملہ مراحل کی تحقیق، اسلامی نقطہ نظر سے اعادے کی محتاج ہے۔ جب انصاف پسند مسلمان اپنی تاریخ کے کسی دور کی تحقیق کو اپنے ہاتھ میں لیں گے تو اس میں تاریخ کی بڑی تبدیلی کی صورت سامنے آئے گی جیسا کہ خلافت عثمانیہ کی دوبارہ تحقیق اور اس کے دفتر کو ازسرنو کھولنے سے ہوا۔ اور میرا اندازہ ہے کہ اس سے اموی اور عباسی تاریخ سے متعلق اور ان دونوں کے بعد کے حلقوں میں حتیٰ کہ ہماری معاصر تاریخ میں ہمارے تصور میں بڑا تغیر واقع ہوگا اور بہت بڑے جھوٹ اور تحریفات جن سے ہماری تاریخ دوچار ہوئی، کا انکشاف ہوگا۔

اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان مؤرخین مفصل تحقیقات پیش کریں جو تاریخ کی اسلامی خصوصیات اور منہج تنقید کی ان جہتوں کی وضاحت کریں جن کے مطابق تاریخ اسلامی کی روایات کا تعامل ہونا چاہیے۔ نیز میں اپنے نوجوانوں کو تاریخ اسلامی کے واقعات کے فہم میں

Marfat.com

اور اس کی عظیم شخصیات کو سمجھنے کے لیے ان روایات واخبار پر انحصار سے خبر دار کرتا ہوں جنھیں تاریخ کی کتابیں تحقیق وتفتیش کے بغیر پیش کرتی ہیں جس سے تاریخ اسلامی کے واقعات کی بگڑی ہوئی صورت سامنے آتی ہے۔ان راویوں سے متاثر ہونے کے باعث جن روایات نے مختلف محرکات کے تحت وہ مذہبی اور سیاسی رخ متعین کیے جو خلفائے راشدین اور اموی اور عباسی ادوار کے برعکس ہیں اور جن پر طبری وغیرہ مؤرخین نے اعتماد کیا ہے۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کی تشکیل نو کے لیے ان تحریروں کے ساتھ سنجیدہ کوشش ناگزیر ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والی ہوں۔اور جن میں ہماری موجودہ اور مستقبل کی تاریخ میں اسلام کا کردار اور اس کا اثر محسوس ہوتا ہو۔

Marfat.com

سیرت النبیؐ کے مآخذ

نبی ﷺ کی سیرت کی تحقیق کا انحصار مختلف ذرائع پر ہے۔ان میں سے کچھ تو بنیادی ہیں اور کچھ تکمیلی۔

بنیادی ذرائع: قرآن کریم، حدیث شریف، کتب دلائل وشمائل، سیرت کی مختص کتابیں اور عمومی تواریخ ہیں اور **تکمیلی ذرائع**: سیرت یا تاریخ سے مختص نہیں بلکہ وہ دوسرے موضوعات سے متعلق ہیں، لیکن سیرت کی تحقیق کے لیے مفید ہیں۔ مثلاً ادبی کتابیں، شاعری کے دیوان، رجال وسوانح، جغرافیہ اور تاریخ، فقہ اور انساب کی کتابیں اور لغت کے معاجم... الخ۔

بلاشبہ سیرت کی تحقیق میں ان ذرائع کا گہرا ادراک (امکانی حد تک سیرت کی کامل ترین صورت) پیش کرتا ہے اور وہ کثیر تفصیلات کے ساتھ واضح صورت ہے۔

میں ان ذرائع، ان کی قدر وقیمت اور ان کے استعمال کی کیفیت کا تصور پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ پہلی چیز جس کی طرف ایک محقق کو توجہ کرنی چاہیے وہ یہ ہے کہ یہ ذرائع قوت، ضعف، اصالت اور وضع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اس لیے انھیں ایک ہی صف میں رکھنا اور ان سے برابر کا معاملہ مناسب نہیں۔ قرآن کی آیت یا صحیح حدیث کے مقابلے میں تاریخ و ادب کی کتابوں کی روایت کو لانا درست نہیں۔ ❶ لہٰذا ان مصادر کی قدر وقیمت (Evaluation) اور انھیں ان کے استحقاق کے مطابق متعلقہ مقام پر رکھنا ناگزیر ہے۔

سیرت کے مصادر میں اولین مقام قرآن کریم کا ہے، ❷ جب کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا

---

❶ اس بارے میں غلطی کا شکار ہونے والوں میں سے ایک ابوریہ بھی ہے جو اس نے اپنی کتاب " اضواء علی السنة المحمدیة " میں کی ہے۔ مصطفیٰ سباعی نے اپنی کتاب ''السنة ومکانتھا فی التشریع الاسلامی'' ص: ۲۹۳، ۲۹۴ میں اس پر گرفت کی ہے۔ جواد علی نے دو مستشرق علماء اشپرنگر اور کائتانی پر تنقید کی ہے کیونکہ وہ دونوں شاذ، غریب، ضعیف اور متاخر روایات پر اعتماد کرتے ہیں اور سیرۃ النبی کی اپنی تحقیق میں انھیں معتبر روایات پر محض شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے مقدم رکھتے ہیں۔ (جواد علی: تاریخ العرب فی الاسلام، السیرۃ النبویۃ، ص: ۹۔۱۱)

❷ محمد عزت دروزہ نے اپنی کتاب ''سیرۃ الرسول'' میں ان قرآنی آیات کا تجزیہ پیش کیا ہے جو سیرت سے متعلق ہیں۔

Marfat.com

کلام ہے جو اس کے نبی محمد ﷺ پر بذریعہ وحی لفظاً و معناً نازل ہوا، جو اسلامی عقیدہ اور اسلامی شریعت پر مشتمل ہے۔ اس میں اسلامی نظام اور اس کے قیام کے بارے میں بہت احکام بیان ہوئے ہیں اور وہ ان اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی قوانین پر روشنی ڈالتے ہیں جن کے تقاضوں کے مطابق نبی ﷺ نے پہلی اسلامی ریاست کا نظم قائم فرمایا۔

قرآن کریم نے سیرت کے زمانے میں بدر، احد، خندق اور حنین جیسے تاریخی واقعات کا ذکر کیا ہے ❶ جو عمومی حالات اور ماحول کا تصور دلاتا ہے جن میں وہ غزوات اور دیگر اہم واقعات رونما ہوئے اور بالخصوص وہ متضاد کردار جو قرآن کریم میں وارد ہیں ان تک دیگر ذرائع سے ٹھیک ٹھیک سچائی کے ساتھ رسائی نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح سے قرآن کریم نے حجاز میں مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین فکری اور مادی کشمکش کی دقیق تصویر پیش کی ہے۔ ❷ نیز قرآن کریم کی فراہم کردہ معلومات کے ساتھ ماضی کی قوموں کے بارے میں مسلمانوں میں تاریخی پہلو سے وسعت نظر پیدا ہوئی۔ چنانچہ ان کی تاریخی تحقیقات نے سابق انبیاء اور پہلے گزری ہوئی قوموں کو اپنے اندر سمولیا، اور جزیرہ نمائے عرب کے باہر کے واقعات مثلاً روم و فارس کی باہمی کشمکش کا احاطہ کرنے سے مسلمانوں میں عالمی تاریخ کے ساتھ دلچسپی پیدا ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے روم و فارس، ترک اور اہل حبشہ اور دیگر اقوام سے متعلق معلومات کو رقم کیا۔ ❸

لیکن ہمیں قرآن کریم سے تاریخی واقعات کی تفصیلات کی توقع نہ رکھنی چاہیے کیونکہ یہ تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ دستور حیات ہے۔ نیز بہت سی آیات کے اسباب نزول اور ان کے زمانۂ نزول کی معرفت، روایات کے عدم ورود یا وارد شدہ روایات میں تعارض کے باعث ایک مشکل کام ہے، ❹ جس سے پہلے تو صحیح روایات کو الگ کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر بھی اگر ان

---

❶ غزوۂ بدر کی تفصیل سورۂ انفال میں، غزوۂ اُحد کی سورۂ آل عمران میں، غزوۂ خندق کی تفصیل سورۂ احزاب میں اور غزوۂ حنین کی تفصیل سورۂ توبہ میں پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ دوسری سورتوں میں موجود آیات ان غزوات کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

❷ فکری کشمکش سورۂ بقرہ میں ملاحظہ کریں اور مادی کشمکش سورۂ حشر اور سورۂ احزاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

❸ الدوری کی ''نشاۃ علم التاریخ عند العرب''، ص: ۱۸، ۵۱۔

❹ صالح العلی کی ''محاضرات فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' (فصل المصادر)

Marfat.com

میں اختلاف پایا جاتا ہو تو اس کا ازالہ کیا جانا چاہیے۔

اور یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ قرآن کریم سے کامل افادہ تفسیر کی ثقہ کتابوں، بالخصوص تفسیر طبری اور تفسیر ابن کثیر جیسی بالماثور تفاسیر کی طرف رجوع کیے بغیر نہیں ہو سکتا۔ نیز ناسخ و منسوخ اور اسباب نزول وغیرہ سے متعلقہ کتابوں کی طرف بھی رجوع ہونا چاہیے جس سے قرآن اور اس کے علوم تک رسائی ہوتی ہے۔

بعض معاصر مؤرخین ان مؤلفات کی طرف مراجعت پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور اپنے ذوق کے مطابق لغت اور اس کے معانی کے فہم پر انحصار کرتے ہیں جس سے وہ بڑی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ [الجمعہ:۲] (وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول انہی میں سے اٹھایا۔) سے متعلق مستشرقین نے مطلب یہ لیا ہے کہ اس مقام پر امیت یعنی ناخواندگی سے مراد دین سے بے خبری ہے، نہ کہ لکھنے پڑھنے سے جب کہ قرآن کریم نے نبی ﷺ کی صفت ﴿النبی الامی﴾ [الاعراف:۱۵۷] بیان فرمائی ہے یعنی وہ نبیؐ جس نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ نبی ﷺ دین سے ناواقف ہوں گے۔ [1]

علمی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ تفسیر کی ثقہ کتابوں سے تفصیلی معلومات لی جائیں اور نصوص قرآنی سے صحیح المراد معانی لیے جائیں نہ کہ کسی کی رائے یا کسی مسلک کی معاونت میں خواہشات نفس کے ساتھ ان کی تاویل کی جائے۔ نبی ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس سے احتراز کا حکم دیا ہے۔ ''جس نے قرآن کو اپنی رائے کے معنی پہنائے یا قرآن کے بارے میں وہ کچھ کہا جس کا اسے علم نہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔'' [2]

جہاں تک سیرت مطہرہ کی تحقیق میں حدیث کی اہمیت کا تعلق ہے تو احادیث اسلامی عقائد و آداب کی وضاحت کرتی ہیں اور احکام سے متعلقہ احادیث عبادت، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، سیاسی، مالیاتی اور ملکی نظم سے متعلقہ قوانین کو واضح کرتی ہیں۔ علم حدیث اور ان جملہ پہلوؤں کی معرفت کے بغیر کہ جن کا ذکر ان احادیث میں آیا ہے جو نبی ﷺ اور آپؐ کے ملحقہ زمانے کی ثقافتی، معاشرتی، معاشی اور انتظامی زندگی سے متعلق ہیں، اسلام کے تصور کی تکمیل ناممکن ہے، اس

---

[1] صبحی الصالح ''علوم الحدیث''، ص: ۱۵-۱۶۔ [2] مقدمہ تفسیر ابن کثیر۔

Marfat.com

لیے کہ مسلمان اپنی زندگی میں سنت پر بڑی حد تک عمل کرتے ہیں۔ اور ایسے ہی حدیث کی بعض کتب میں، مغازی اور سیر کے الگ الگ باب باندھے گئے ہیں مثلاً صحیح بخاری۔ ❶

بلاشبہ حدیث کی ثقہ کتابوں پر اعتماد واجب ہے، اور انھیں مغازی اور تاریخ کی مروجہ کتابوں کی روایات پر فوقیت حاصل ہے اور بالخصوص جب صحیح حدیث کی کتابیں انھیں بیان کریں کیونکہ وہ بڑی محنت کا نتیجہ ہیں جسے محدثین نے حدیث کی سند اور متن کی چھان پھٹک اور اس کی تنقید میں صرف کیا۔ اور وہ باریک بینی اور تنقید جو حدیث کا حصہ ہے، تاریخی کتابوں کو حاصل نہیں ہے جو مغازی اور واقعاتِ سیرت کی تفصیلات بیان نہیں کرتیں بلکہ واقعات کی جزئیات تک محدود ہوتی ہیں جو مؤلف کی شرط کو پورا کرتی ہوں یا ان پر کوئی روایت واقع ہوتی ہو، لہٰذا وہ واقعہ کی کامل صورت کو پیش نہیں کرتیں، اور صورت کی تکمیل سیرت کی مختص کتابوں سے ہونی چاہیے ورنہ بڑا الجھاؤ پیدا ہوتا ہے۔ ❷

حدیث کی کتابوں میں احادیث کی ترتیب کے سلسلہ میں صحابہؓ سے روایت کرنے والی مسانید کی کتابوں کی طرح جن میں مسند امام احمد بن حنبلؒ زیادہ ممتاز ہے، یا کتب صحاح ستہ کی طرح عنوانات پر، دونوں اسالیب میں زمانے کے عنصر کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ اس لیے محقق کے لیے زمانے کے لحاظ سے احادیث کی تحدید مشکل پیدا کرتی ہے جب کہ سیرت و تاریخ کی کتابیں سالوں کے حساب سے مرتب ہوتی ہیں جس سے اکثر حالات میں اس نقص کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ حدیث کی قدیم جامع کتابیں جو ہم تک پہنچی ہیں وہ موطا امام مالکؒ، بخاریؒ و مسلمؒ کی صحیحین، سنن ابی داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند الدارمی اور مسند احمد بن حنبل ہیں۔ ❸ جہاں تک دلائل پر مبنی

---

❶ دیکھیے: بخاری کے الجزء الخامس میں کتاب المغازی۔

❷ صحیحین میں وارد ہوا ہے کہ نبی اکرمؐ نے بنو مصطلق پر اس حال میں حملہ کیا کہ وہ غارت گری کر رہے تھے یعنی آپ نے بغیر اعلان کے اچانک حملہ کیا۔ یہ چیز نبیؐ کے اس منہج و طریقہ کے خلاف ہے جو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے: ﴿ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ﴾ (الانفال: ۵۸) اور اگر کبھی تمھیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو۔ سیرت کی کتابیں واضح کرتی ہیں کہ آپؐ نے بنو مصطلق کو خبردار کیا تھا۔ اب اگر ہم دشمن کو خبردار کرنے کے متعلق اسلام کا واضح حکم سمجھے بغیر صحیحین کی روایت پر ہی اکتفا کر لیں تو یقیناً ہم غلطی اور الجھن میں پڑ جائیں گے۔ دیکھیے: محمد غزالی کی فقہ السیرۃ، ط۴، ص۱۰، ۳۰۸۔

❸ فنسنک کی کتاب ''مفتاح کنوز السنۃ'' سیرت کے موضوعات کے متعلق اہم احادیث کی مقدار و کیت کا ⇦⇦⇦

Marfat.com

کتابوں کا تعلق ہے وہ ان معجزات اور دلائل کو پیش نظر رکھتی ہیں جو نبی ﷺ کی صداقت کو واضح کرتی ہیں۔

احادیث کی کتابیں نبوت کی علامات، اس کی نشانیاں، اس کے دلائل ❶ اور رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات کے ابواب پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ سیرت النبیؐ کے موضوع پر تالیفات مرتب کرنے والے محدثین درج ذیل ہیں:

ان میں سے پہلے ثقہ محدث محمدؒ بن یوسف الفریابی (ت ۲۱۲ھ) ہیں، جنھوں نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں ان علامات وخصوصیات کو ثبت کیا ہے۔ ❷

پھر علی ابن محمد المدائنی (ت ۲۲۵ھ) نے اپنی کتاب "آیات النبیؐ" ❸ میں، داودؒ بن علی اصبہانی (م ۲۷۰ھ) نے اپنی کتاب "اعلام النبوۃ" میں، ابن قتیبہؒ (م ۲۷۶ھ) نے اپنی تالیف 'اعلام رسول اللہ ﷺ'' میں، ابنؒ ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) نے اپنی کتاب "اعلام النبوۃ" میں، ابوبکرؒ بن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ) نے، ابوعبداللہ بن مندۃؒ (م ۳۹۵ھ) نے اور ابونعیمؒ احمد بن عبداللہ اصبہانی (م ۴۳۰ھ) نے انھیں تحریر کیا ہے۔ مؤخر الذکر کی کتب مختصر طور پر شائع ہوئی ہیں جن میں بہت سی ضعیف روایات ہیں اور قاضی عبدؒ الجبار معتزلی (ت ۴۱۵ھ) نے اپنی کتاب ''تثبیت دلائل النبوۃ'' اسی موضوع پر تالیف کی ہے اور وہ شائع شدہ ہے۔ ابوالعباس جعفر بن محمد المستغفریؒ (ت ۴۳۲ھ) اور ابوبکرؒ احمد الحسین البیہقی (ت ۴۵۸ھ) کی کتب طبع شدہ ہیں، جن میں صحیح اور حسن احادیث بھی ہیں اور ضعیف اور موضوع بھی، حافظ ذہبیؒ نے ان کی تعریف کی ہے۔ ❹

ابوالحسنؒ علی بن محمد الماوردی (م ۴۵۰ھ) کی کتاب طبع شدہ ہے۔ ابوالقاسمؒ اسماعیل الاصفہانی (م ۵۳۵ھ)، عمرؒ بن علی الملقن (م ۸۰۴ھ) اپنی کتاب ''خصائص افضل المخلوقین'' اور

⇦⇦⇦ تصور دلاتی ہے جیسا کہ ونسنک اور مستشرقین کی کتاب "المعجم المفہرس فی الفاظ الحدیث النبوی" احادیث سیرت کی تخریج میں مدد بہم پہنچاتی ہے۔

❶ صحیح البخاری: ۲/ ۱۴۰ مطبوعہ بولاق۔ صحیح مسلم اور ان کے علاوہ دوسری کتب حدیث۔

❷ البانی کی فہرست مخطوطات ظاہریہ: ۳۷۳۔

❸ ابن الندیم کی الفہرست: ۱۱۳۔

❹ سیر اعلام النبلاء: ۱۱۶/۶۔

Marfat.com

آخر میں جلال الدین السیوطیؒ (م۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب ''الخصائص الکبریٰ''میں بیان کیے ہیں۔ یہ کتابیں بھی طبع شدہ ہیں اور دلائل اور شمائل پر مشتمل ہے۔

اور خصائص کی کتابیں بہت سی ہیں اور میں نے ان میں سے چند ایک کو لیا ہے اور یہ فہرست اس سب کچھ پر مشتمل نہیں ہے جو اس بارے میں تالیف کیا گیا ہے اور اس موضوع پر دیگر تالیفات بھی ہیں۔

البتہ شمائل کی کتابوں کا موضوع نبی ﷺ کے اخلاق، آداب اور صفات ہیں اور ان کتابوں کے مصنفین میں سے قدیم ترین افراد یہ ہیں:

ابوالبختریؒ وہب بن وہب الاسدی (ت۲۰۰ھ) نے اپنی تالیف "صفة النبیؐ" میں ابوالحسن علی بن محمد المدائنیؒ (م۲۲۵ھ) نے اپنی کتاب" صفة النبی "میں، داودؒ بن علی الاصبہانی (م۲۷۰ھ) نے اپنی کتاب"صفة اخلاق النبیؐ " میں جیسا کہ ابن الندیم ❶ نے ذکر کیا ہے اور حافظ ترمذیؒ (م۲۷۹ھ) نے اپنی کتاب "شمائل نبویه وخصائص المصطفویه" میں، اور وہ مطبوعہ ہے۔ پھر ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن حیان الاصبہانیؒ (م ۳۶۹ھ) نے اپنی کتاب "اخلاق النبی وآدابه "میں ہے، پھر ابوسعیدؒ عبدالملک بن محمد النیسابوری (م۴۰۶ھ) نے اپنی کتاب "شرف المصطفیؐ" میں ،ابوالعباسؒ المستغفریؒ (م۴۳۲ھ) نے اپنی کتاب "شمائل نبویؐ "میں،قاضی عیاضؒ (ت۵۴۴ھ) نے "الشفاء بتعريف حقوق مصطفیؐ " میں شمائل کا ذکر کیا ہے جو جامع کتاب ہے۔

حافظ سیوطیؒ (ت ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب "مناهل الصفا فی تخريج احاديث شفاء" میں، جو طبع شدہ ہے اور قاضی عیاض کی تالیف، مذکورہ تالیف کی احادیث کی تخریج کی ہے اور اس کی شرح متعدد علماء نے کی ہے اور ان میں سے علی القاری (م۱۰۱۴ھ) نے اپنی کتاب "فی شرح الشفاء" میں اور الخفاجیؒ (م ۱۰۶۹ھ) نے اپنی کتاب "نسيم الرياض فی شرح الشفاء للقاضی عياض" میں، حافظ ابن کثیرؒ (م۷۷۴ھ) نے اپنی کتاب "شمائل الرسول "کے موضوع پر تصنیف کی جو مطبوعہ ہے۔

لیکن سیرت کی کچھ مخصوص کتابیں ایسی ہیں جو معیار صحت کی رو سے قرآن مجید اور

---

❶ الفهرست: ۲۷۲.

Marfat.com

حدیث شریف کے بعد دوسرے درجے پر آتی ہیں۔ چونکہ سیرت کی اولین کتابیں بہت پہلے لکھی گئی تھیں، لہٰذا وہ اعلیٰ علمی اہمیت کی حامل ہیں۔ نیز تابعین کی نسل میں محدود ہونے کی وجہ سے، جب کہ صحابہؓ موجود تھے اور انھوں نے سیرت لکھنے والوں کو منع نہیں کیا، ان کی تحریروں کو تائید ملتی ہے۔ اور صحابہؓ کو سیرت کا دقیق اور وسیع علم تھا کیونکہ وہ اِن واقعات میں موجود اور شریک تھے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے ان کی محبت اور آپؐ سے ان کا تعلق اور آپؐ کی اتباع کی رغبت اور احکام میں آپؐ کی سنت کا اختیار کرنا سیرت کی معلومات کے عظیم خزانے کا ایک سبب تھا۔ اس بارے میں ان کی یادداشت اور ان کا اسے حفظ کرنا، یہ تعلیمات اسلام کی عملی تطبیق ہے۔ اور سیرت کے موضوع پر بڑے اہتمام کے حامل صحابہؓ کی ایک تعداد معروف تھی جن میں سے عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور البراء بن عازبؓ نمایاں تھے۔ ❶

آغاز میں سیرت نگاری بڑی حد تک تحریف، مبالغے، تھویل اور ضیاع کے خوف سے بہت کم تھی۔ متعدد جدید تحقیقات تابعین اور تبع تابعین کی سیرت کی کتابوں کے راویوں سے لی گئی ہیں ❷ لیکن انھوں نے جرح اور تعدیل سے ان کا حال بیان نہیں کیا اور نہ ہی اپنی تالیفات کو فن حدیث کے اصول اور حدیث کے قواعد کے مطابق درست کیا، اور وہ یہ ہیں:

---

❶ ابن سعد: ۲۹۲/۵۔ مسند احمد: ۱۷۹/۲، ۱۸۰، ۱۸٤، ۲۰٤، ۲۰۷، ۲۲۲۔

❷ کتابت سیرت کی تاریخ کے متعلق وسیع پیمانہ پر ریسرچ وتحقیقات میں سے درج ذیل مؤلفین کی تالیفات ہیں:

ہوروفتس: "المغازی الاولیٰ ومؤلفوھا."

مارگیولوس: "دراسات عن المؤرخین العرب"

عبدالعزیز دَوری: "نشأة علم التاریخ عند العرب"

صالح علی: "محاضرات فی تاریخ العرب قبل الاسلام" کی ایک فصل۔

جواد علی: اس کی کتاب "تاریخ العرب فی الاسلام" کے شروع میں السیرة النبویة کا ایک باب۔

سیّدہ اسماعیل کاشف کی کتاب "دراسة فی مصادر التاریخ الاسلامی"۔

مارسدن جونس: کتاب "مغازی الواقدی" پر اس کا مقدمہ۔

حسین نصار کی کتاب "نشاة التدوین التاریخی عند العرب"۔

مغازی کی تحقیق وجستجو کرنے والے مؤلفین میں سے چند ایک کے متعلق خاص مباحث لکھے گئے ہیں۔ مثلاً عبدالعزیز دوری کا مقالہ "دراسة فی سیرة النبیؐ ومؤلفها ابن اسحق"، انگریزی میں Fueck کا محمد بن اسحٰق کے متعلق مطالعہ۔ علی مدائنی کے بارے میں خالد عسلی کا مقالہ اور موسیٰ بن عقبہ کے متعلق اکرم عمری کا مقالہ۔ مغازی کی جستجو و تحقیق کرنے والے دوسرے مؤلفین کے بارے میں بھی گہرائی کے ساتھ مباحث قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

Marfat.com

ابان بن عثمانؒ (م ۱۰۱-۱۰۵ھ) تابعین میں سے ثقہ محدث ہیں۔

عروہؒ بن زبیر بن العوام (م ۹۴ھ) اور وہ ثقہ تابعی محدث ہیں اور وہ مدینہ کے مشہور سات فقہاء میں شمار ہوتے ہیں۔ ❶

عامر بن شراحیل الشعبیؒ (م ۱۰۳ھ) ثقہ محدث ہیں اور مغازی میں ان کی ایک کتاب ہے۔ ❷ عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۱۹ھ) ثقہ محدث ہیں۔ محمد بن مسلم بن شہاب الزہریؒ (م ۱۲۴ھ) اپنے زمانے کے کبار محدثین اور ماہر علماء جرح وتعدیل میں سے تھے، ❸ اور وہ پہلے محدث ہیں جنھوں نے اسانید کو جمع کرنے کا طریقہ استعمال کیا تاکہ واقعات کا گزشتہ اور پیوستہ سے ربط مکمل ہو، اس کے بغیر کہ اسانید اسے منقطع کرتی ہوں۔ زہریؒ پر یہ تنقید کی گئی ہے کہ وہ بعض اوقات اپنے اساتذہ سے منسوب کردہ حدیث کو بیان کرتے ہیں لیکن یہ نشاندہی نہیں کرتے کہ کس شیخ سے کون سی حدیث روایت کی گئی ہے۔ لیکن یہ تنقید جس کو قاضی عیاضؒ نے قدیم محدثین کے

---

❶ الطبقات ابن سعد: ۱۵۶/۵ کی روایت صراحت کرتی ہے کہ ابان بن عثمان بن عفان نے مغازی کی کتاب لکھی تھی۔ ایک دوسری روایت بتاتی ہے کہ وہ ایک بڑی کتاب تھی اور اس سے انصار کے فضائل نمایاں ہوئے تھے اور انھوں نے یہ کتاب ۲ ہجری سے قبل لکھی تھی۔ الموفقیات: ۲۲۲، ۱۲۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کا تحقیقی مضمون مغازی عروہ بن زبیر ۲۷، ۲۹۔

ڈاکٹر بشار عواد معروف (تهذيب الكمال للمزي: ۱/ ۱۹، حاشية: ۱) کا خیال ہے کہ ابان بن عثمان کی طرف کتاب المغازی کی نسبت محض وہم ہے درست یہ ہے کہ یہ ابان بن عثمان بجلی کی کتاب ہے جو احمر کے نام سے معروف تھے اور اس خاندان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ جیسا کہ الصفدی اسی ابان بن عثمان بجلی کی طرف کتاب "المبتداء والمبعث والمغازي والوفاة والسقيفة والردة" کی نسبت کرتا ہے۔ مگر فاضل ڈاکٹر بشار کی رائے کو ابن سعد اور زبیر بن بکار کی روایتیں رد کرتی ہیں۔

مغیرہ بن عبدالرحمٰن مخزومی مدنی نے ابان بن عثمان بن عفان سے "المغازی" لکھ کر حاصل کی تھی۔ یہ کتاب اکثر اوقات اُن کے سامنے پڑھی جاتی تھی اور اپنی وفات سے قبل انھوں نے اپنی اولاد کو اس کی تعلیم کا حکم دیا تھا۔ (ابن عساکر: تاریخ دمشق ۱۷ ارق ۲۰۲ ترجمۃ المغیرۃ بن عبدالرحمٰن)

❷ الاستاذ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے عروہ کی وہ مرویات جمع کی ہیں جو فقط ابوالاسود عن عروۃ کی سند سے ہیں۔ یہ کتاب مکتب الغربیۃ العربی لدول الخلیج نے اس سے قبل چھاپی ہے۔ مغازی میں عروہ کی اس تالیف کا درج ذیل تمام علما نے ذکر کیا ہے: ابن الندیم (الفہرست ۱۲۳)، الذہبی: (سیر اعلام النبلاء: ۱۵۰/۶)، ابن حجر: (فتح الباری: ۳۳۳/۵)، السخاوی: (الاعلان بالتوبیخ: ۸۸)، حاجی خلیفہ: (کشف الظنون: ۱۷۴۷/۲)

❸ الخطيب: تاريخ بغداد ۱۲/ ۲۳۰۔

Marfat.com

حوالے سے بیان کیا ہے، نوویؒ اور العراقیؒ جیسے کبار علماء نے اس کی تردید کی ہے، ان دونوں نے وضاحت کی ہے کہ ان کا عمل جائز ہے، اس لیے کہ انھوں نے واضح کیا ہے، نیز ان کے جملہ اساتذہ ثقہ تھے۔ ❶

شرحبیلؒ بن سعد المدنی (م۱۲۳ھ) گو قابل اعتماد ہیں لیکن آخر عمر میں ان کا ذہنی توازن قائم نہ رہا، سوسال کے قریب عمر میں فوت ہوئے۔ ❷ خزیمہؒ اور ابن حبانؒ نے اپنی اپنی کتب میں ان کی احادیث کی تخریج کی ہے اور ابن عیینہؒ نے کہا ہے کہ مغازی اور بدری صحابہؓ کے بارے میں ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہ تھا۔ ❸

یزیدؒ بن ہارون الاسدی، المدنی (م۱۳۰ھ) ثقہ تابعی تھے، عروہؒ اور زہریؒ کی روایات پر انحصار کرتے ہوئے مغازی پر انھوں نے کتاب لکھی، ابنؒ اسحاق نے ان سے روایت کی ہے۔ ❹

عبدؒاللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم (م۱۳۵ھ) ثقہ تابعی محدث تھے۔ موسیٰ بن عقبہؒ (م۱۴۰ھ) زہری کے تلامذہ میں سے ثقہ محدث تھے، امام مالکؒ نے المغازی میں اس کتاب کی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ وہ صحیح ترین مغازی ہے۔ ❺ یحیٰ ابن معین نے کہا ہے: ''موسیٰ بن عقبہ کی زہری سے کتاب ان کتابوں میں سے صحیح ترین ہے۔'' ❻ امام شافعیؒ نے کہا ہے: ''مغازی میں موسیٰ بن عقبہ کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں، اور وہ مختصر بھی ہے۔ نیز دیگر کتابوں میں مذکور اکثر زائد چیزوں سے خالی ہے۔'' ❼ ذہبیؒ نے کہا ہے کہ موسیٰ بن عقبہؒ کی مغازی ایک ہی جلد میں ہے اور ضخیم نہیں۔ ہم نے اسے سنا ہے اس کا بڑا حصہ صحیح اور عمدہ مرسل ہے۔ لیکن وہ مختصر ہے، مزید وضاحت اور تتمہ کی محتاج ہے۔ ❽

---

❶ دیکھیے: النووی شرح صحیح مسلم: ٦٢٨/٥۔ العراقی: طرح التثریب: ٤٧/٨۔
❷ تقریب التہذیب: ٢٦٥
❸ تہذیب التہذیب: ٤/ ٣٢١، ٣٢٢۔
❹ ابن حجر کی تہذیب التہذیب: ٩/ ٢٥٥
❺ الذہبی کی سیر اعلام النبلاء: ١١٥/٦۔
❻ الذہبی: سیر اعلام النبلاء: ٦/ ١١٧۔
❼ الخطیب: الجامع لاخلاق الراوی وآداب الجامع: ٢٢٥۔
❽ الذہبی: سیر اعلام النبلاء: ١١٥/٦۔١١٦۔

Marfat.com

حافظ ابن حجرؒ موسیٰ بن عقبہؒ کے مغازی سے متعارف ہوئے اور اپنے شیخ سے روایت کا حق حاصل کیا۔ ❶ ایسے ہی علیؒ بن عثمان بن الصیرفی (م۸۴۴ھ) نے حسن بن محمد بن قریشہ سے اسے سنا۔ ❷ سلیمان بن طرخان التیمی (م۱۴۳ھ) تابعین میں سے ثقہ محدث ہیں اور علماء جرح و تعدیل میں شمار ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کی سیرت کا مطالعہ کیا، ❸ ان کی کتاب ''السیرۃ الصحیحہ'' ہے، جو ایک حصے کے علاوہ نایاب ہے۔ ❹

معمرؒ بن راشد (م۱۵۳ھ) بھی زہریؒ کے تلامذہ میں سے ثقہ محدث ہیں۔ وہ صدق، تحقیق، تقویٰ، جلالت اور حسن تصنیف کے ساتھ علم کا خزانہ تھے۔ ❺

محمدؒ بن اسحاق (م۱۵۱ھ) زہریؒ کے تلامذہ میں سے اور مغازی میں امام تھے، لیکن ان کی مرویات صحیح کے درجہ کو نہیں پہنچتیں بلکہ حسن ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ وہ صراحت کر دیتے ہیں کہ وہ مدلس ہیں۔ ان کی سیرت کا انحصار حسن اور ضعیف دونوں روایات کے ساتھ ہے۔ ابن عدی نے کہا: ''میں نے ان کی احادیث کا جائزہ لیا ہے، مجھے کسی چیز نے ان کی احادیث پر بالقطع ضعف کا فیصلہ کرنے کے لیے آمادہ نہیں کیا، ہوسکتا ہے کہ غلطی کرتے ہوں، یا وہم میں بہہ جاتے ہوں، جیسا کہ دوسرے بھی غلطی کرتے ہیں۔ ثقہ حضرات اور ائمہ ان سے روایت لینے میں تامل نہیں کرتے اور وہ مجروح نہیں ہے۔''

یہ عظیم اہمیت کی حامل شہادت ہے، فقط ابنؒ عدی کے اونچے مقام کے باعث نہیں بلکہ دقیق نظروں سے معائنہ کی ہوئی روایات پر مبنی ہے اور یہ محض پہلے ناقدین کے اقوال کی نقل نہیں جنھوں نے ابنؒ اسحاق پر قدری، شیعہ اور مدلس اور تصحیف کی تہمت لگائی تھی۔ ❻ یحیٰ بن سعید اموی نے اپنے اس قول کے ساتھ تنقید کی ہے: ''ابنؒ اسحاق فرضی ناموں کا حوالہ دیتا ہے اس لیے کہ اس نے انھیں شعری مجموعہ (الدیوان) سے اخذ کیا ہے۔ ❼ اور ایک مرتبہ وہ فاطمہ زوجہ ہشام

---

❶ المعجم المفہرس: ۱/۱۸٤، ۲/۲۷ ب۔ ❷ معجم الشیوخ لابن فہد: ۱۷۵.

❸ فتح الباری: ۱/۲۳، ۷/٤۹۷، ۸/۷۱۱۔ حافظ کہتے ہیں کہ اسے محمد بن عبدالاعلیٰ نے معمر بن سلیمان عن ابیہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اور ان سے پہلے ابن خیر اشبیلی اس کتاب سے مطلع ہوئے اور اس نے اس کا حق روایت حاصل کیا۔ (فہرست: ۲۳۱) اور سہیلی نے اسی کتاب سے نقل کیا ہے۔ (الروض الانف: ۱/۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۲/۱۷۸، ۵۳)

❹ اسے ہندوستان میں فون کریمر نے واقدی کی مغازی کے آخر میں شائع کیا اور یہ ۷۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

❺ سیر اعلام النبلاء: ۷/٦۔ ❻ سیر اعلام النبلاء: ۷/۱۳۹۔

❼ العسکری کی تصحیفات المحدثین: ۱/۲٦.

Marfat.com

بنت عروہ بن زبیر کی روایت میں جھوٹ سے متہم ہوا، حالانکہ اس کا جھوٹ ثابت نہیں ہوا۔ امام احمد بن حنبلؒ سمیت نقاد ائمہ کی ایک تعداد نے اس اتہام کی تردید کی ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے کہا:
''بلاشبہ ابنؒ اسحاق نے کثیر اور طویل انساب کو بے فائدہ اشعار کے ساتھ جمع کیا ہے جنھیں حذف کیا جانا چاہیے اور ان کا اختصار بہتر ہے نیز ان کے روایت کردہ اقوال صحابہؓ غیر صحیح ہیں اور ساتھ ہی بہت سی صحیح چیزیں ان سے چھوٹ گئی ہیں جو ان کے پاس نہیں تھیں۔ لہٰذا ان کی کتاب تنقیح، تصحیح اور چھوٹی ہوئی روایات کے ازالے کی محتاج ہے۔''[1]

ذہبیؒ نے مزید کہا: ''ابنؒ اسحاق مغازی میں حجت ہے، اس کے ہاں منکر روایات بھی ہیں اور عجائب بھی۔''[2] نیز انھوں نے ان کی حدیث کے مرتبے کے بارے میں کہا: ''اس کو اپنے انداز سے بلندی حاصل ہے اور بالخصوص سیرت نگاری میں، لیکن احادیث احکام میں اس کی روایت صحت کے رتبے سے گر جاتی ہے، اور جس میں وہ منفرد ہو وہ منکر شمار ہوتی ہے۔''[3]

حافظ عراقیؒ نے کہا ہے: ''ابنؒ اسحاق کی حدیث کا قبول ہونا مشہور ہے، الا یہ کہ وہ مدلس ہے، لیکن جب وہ تحدیث (سماعت کی صراحت) کے ساتھ بیان کرتا ہے تو اس کی حدیث مقبول ہو جاتی ہے۔''[4]

حافظ ذہبی نے کہا ہے: ''جو کچھ مجھے نظر آتا ہے وہ یہ کہ ابن اسحاق بہت سچا، حدیث کو اچھی طرح بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن صرف ان کی روایت کردہ احادیث کو پسند نہیں کیا گیا کیونکہ ان کے حفظ میں کمی ہے حالانکہ ائمہ نے اس سے روایت کی ہے۔''[5] اور یہ بھی کہا: ''وہ علم کے خزانوں میں سے ایک تھا، مغازی اور سیر کا بڑا عالم تھا لیکن وہ حدیث میں ماہر نہیں تھا۔ اور اس کی حدیث صحت کے رتبہ سے گری ہوئی ہے۔ اور بذات خود وہ بہت سچا اور اچھا شخص ہے۔''[6]

---

1. العسکری کی تصحیفات المحدثین: ٦/ ١١٦.
2. العلو للعلی الغفار: ٣٩.
3. الذہبی کی سیر اعلام النبلاء: ٧/ ١٤١.
4. العراقی کی طرح التثریب شرح التقریب: ٧٢/٨.
5. الذہبی کی میزان الاعتدال: ٣/ ٤٧٥.
6. الذہبی کی تذکرۃ الحفاظ ١/ ١٧٣.

Marfat.com

حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے کہا: ''جس روایت میں وہ منفرد ہوتا ہے اگر وہ صحیح کے درجے کو نہ پہنچے تو وہ حسن کے درجے میں ہوتی ہے جب کہ وہ تحدیث کے ساتھ اس کی صراحت کر دیتا ہے... اور جس صحیح اور حسن میں تفریق نہ کی جا سکتی ہو اسے وہ صحیح شمار کرتا ہے۔ اور جس سے حجت قائم ہوتی ہو اسے وہ صحیح بنا لیتا ہے اور یہ ابن حبانؒ اور اس کے ساتھ بعض دوسروں کا طریقہ ہے۔'' (1) اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیرت میں ان کی ساری روایات ثقہ ہیں۔ انھوں نے اس میں منکر اور منقطع روایات بیان کی ہیں، جیسا کہ حافظ ذہبیؒ نے ان کے بارے میں کہا ہے: ''وہ حدیث بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میرے نزدیک اس کا کوئی گناہ نہیں سوائے اس کے کہ سیرت میں اس نے منکر اور منقطع چیزیں بھر رکھی ہیں۔'' (2)

حافظ ابن حجرؒ نے سیرت ابن ہشام میں ایک مستقل تصنیف میں منقطع احادیث تخریج کی ہیں لیکن افسوس ہے کہ وہ تصنیف نایاب ہے۔ (3)

ابنؒ اسحاق سے سیرت میں روایت کرنے والے زیاد بن عبداللہ البکائیؒ --- اور ان کے طریقے سے ابنؒ ہشام نے روایت کی ہے --- اور بکرؒ بن سلیمان --- اور ان کے طریقے سے خلیفہؒ بن خیاط ''التاریخ'' میں روایت کرتے ہیں --- اور سلمہ بن الفضل الابرشؒ --- اور ان کے بارے میں طبریؒ کہتے ہیں: ''(اہل) بغداد کی استطاعت نہیں کہ وہ خراسان پہنچیں اور سلمہ بن الفضلؒ سے ابنؒ اسحاق کے بارے میں ثبوت حاصل کرے۔'' (4)

یونس بن بکیرؒ (ت ۱۹۵ھ) --- اور ابن حجرؒ کی رائے ہے کہ وہ بہت سچے ہیں مگر غلطی کر جاتے ہیں۔ (5) اور ذہبیؒ کی رائے ہے کہ وہ حدیث کے اچھے ہیں اور مسلمؒ نے شواہد میں ان سے روایت کی ہے مگر اصول میں نہیں۔ اور بخاریؒ نے شواہد میں ان کا ذکر کیا ہے (6) اور ایک زمانے

---

(1) ابن حجر کی فتح الباری: ١١/ ١٦٣.

(2) الذہبی کی میزان الاعتدال: ١١/ ٤٦٩.

(3) عنوان المجد: ١/ ق ٥١.

(4) ابن حجر کی تہذیب التہذیب: ١٥٤/٤.

(5) ابن حجر کی تقریب التہذیب: ٢/ ٣٨٤، اس کتاب سے لفظ ''صدوق'' ساقط ہو گیا ہے مگر وہ پاکستانی مطبوعہ نسخہ، صفحہ ۳۴۰ میں موجود ہے اور الذہبی کی سیر اعلام النبلاء: ۲۴۵/۹۔

(6) ابن حجر کی تہذیب التہذیب: ۱۱/۴۳۴۔۴۳۵۔

Marfat.com

میں قدیمی ناقد ابوداود سجستانی" صراحت کیا کرتے کہ وہ حجت نہیں ہیں، اور یہ کہ وہ ابن" اسحاق کے کلام سے اخذ کرتے اور احادیث کے ساتھ اسے ملا دیتے ہیں۔ ❶ اور ابراہیم بن سعد الزہری" (ت ۱۵۸ھ) اور ان کے طریقے سے احمد" بن محمد بن ایوب صاحب المغازی روایت کرتے ہیں۔ اور یہ وہ روایت ہے جس کے واسطہ سے الحاکم نیشاپوری" نے المستدرک میں حوالہ دیا ہے۔ ❷ اور ہارون بن ابی عیسیٰ نے --- جیسا کہ ابن" سعد نے ان کی روایت پر اعتماد کیا ہے --- اور عبداللہ بن ادریس الاودی" --- ان کے طریق سے بھی ابن سعد نے اخذ کیا ہے۔ اور یحییٰ بن سعد الاموی" نے ابن" اسحاق سے المغازی کو سن کر حاصل کیا اور اس پر اضافہ کیا۔ ❸ اور سیرت کی ان روایات میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ ابن" اسحاق اپنی سیرت کی کتاب پر وقتاً فوقتاً نظر ثانی کرتے رہتے تھے۔

اور ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یونس بن بکیر" کی روایت ان روایات میں سے اولین ہے۔ اور البکائی" کے پاس ایک نسخہ تھا جس پر ابن" اسحاق نے نظر ثانی کی تھی چنانچہ البکائی کی روایت میں ابن" اسحاق نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ذکر دوسری ہجرتِ حبشہ میں کیا ہے ❹ جب کہ یونس" بن بکیر کی روایت میں انہیں اولین مہاجرین میں شمار کیا گیا ہے۔ ❺

اسی طرح البکائی" کی روایت میں وارد ہے کہ نجاشیؓ سے مسلمانوں کی طرف سے جعفرؓ بن ابی طالب نے کلام کیا لیکن یونس" بن بکیر کی روایت میں وہ حضرت عثمانؓ بن عفان ہیں جنھوں نے نجاشی سے کلام کیا اور جعفرؓ بن ابی طالب صرف بطور مترجم وہاں موجود تھے۔ لیکن ابن اسحاق نے اس روایت پر اس کی صحت کی نفی کے ساتھ تبصرہ کیا ہے۔ ❻

سیرت ابن اسحاق میں متعدد روایات میں اختلافات میں سے جن کا ذکر یونس بن بکیر" کی روایت میں ہے یہ کہ نبی ﷺ نے نجاشیؓ الاصحم کو اس وقت اپنا مکتوب گرامی ارسال فرمایا جس وقت دیگر بادشاہوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے اپنے نامہ ہائے گرامی ارسال

---

❶ الذهبي: ميزان الاعتدال: ٤ / ٤٧٨.
❷ الحاكم: المستدرك: ٣/ ١٢٨۔
❸ الخطيب: تاريخ بغداد: ١٤/ ١٣٣.
❹ سيرت ابن هشام: ١/ ٣٥٨.
❺ ابن اسحاق: السير والمغازی، سهيل زكار كی تحقيق: ١٧٦، ٢٢٨۔
❻ ابن اسحق: السير والمغازی: ٢١٨ بتحقيق سهيل زكار۔

Marfat.com

فرمائے، ❶ لیکن البکائی کی روایت کے موقع پر ''الاصحم'' کا ذکر نہیں کیا۔ ❷

اس سے ابن اسحاق کی اپنی کتاب سیرت پر نظرثانی ثابت ہوتی ہے، اس لیے کہ نجاشی اصحمہؒ اسلام لائے تھے تو دعوت اس کے بعد دوسرے نجاشی کو پیش کی گئی ہوگی جیسا کہ اس بارے میں امام مسلمؒ نے ذکر کیا ہے۔ ❸

ابومعشر سندیؒ (ت ۱۷۱ھ) جو مغازی میں صاحب نظر ہیں مگر حدیث میں ضعیف ہیں، جب کہ ان کا ضعف نسبتی ہے، جس کے ساتھ ان کی حدیث کو لکھا جاتا ہے، اور بالخصوص جب ان کی محمدؒ بن کعب اور محمدؒ بن قیس سے حدیث متوسط طبقہ نقاد کی رائے کے مطابق ہو، کیونکہ محدثین کا طریقہ کار متوسط طبقہ کے قول کو جرح کے ساتھ اخذ کرنا ہے، جب کہ وہ متشدد طبقہ کے قول سے متعارض ہو۔ ❹

عبدالملکؒ بن محمد بن ابی بکر بن حزم المدنی (م ۱۷۶ھ) ثقہ محدث ہیں۔ ان کی کتاب المغازی ہے۔ ❺

یحیٰی بن سعید الامویؒ (م ۱۵۴ھ) ثقہ محدث ہیں۔ انھوں نے المغازی تالیف کی ہے۔

الولیدؒ بن مسلم الدمشقی (م ۱۹۶ھ) ثقہ محدث ہیں۔

یونسؒ بن بکیر (م ۱۹۹ھ) سیرت ابنؒ اسحاق کے راویوں میں سے ایک ہیں۔ المغازی پر ان کے اضافے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے۔ ❻

محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ) محدثین کی نظر میں وافر علمی مواد کے ساتھ ضعیف ہیں۔ ❼ بعض اوقات وہ سیرت ابن اسحاق پر اضافے کرتے ہیں اور روایات میں اپنی رائے

---

❶ سيرة ابن اسحق بتحقيق محمد حميد الله: ٢١٠۔

❷ سيرة ابن هشام: ٤/ ٢٧٩۔ ❸ صحيح مسلم: ٣/ ١٣٩٧۔

❹ ابن حبان کی طرف رجوع کریں۔ المجروحين: ٣/ ٦٠۔ التاريخ الكبير للبخاري: ١١٤/٨۔ تاريخ بغداد للخطيب: ٤٢٧/١٣۔ الذهبي: سير اعلام النبلاء: ٤٣٥/٧۔٤٤٠۔ ابن حجر: تهذيب التهذيب: ٤٢٠/١٠۔٤٢١.

❺ ابن النديم: الفهرست: ٢٨٢. ❻ الاصابة: ٢٤٢/١.

❼ الخطيب: تاريخ بغداد: ٣/ ٢١.

Marfat.com

کا اظہار کرتے ہیں اور ان میں باہم ترجیح دیتے ہیں۔ ❶ وہ ایک بڑے مکتبے کے مالک تھے جس میں کتابوں کی چھ سو الماریاں تھیں (جن کی الکرخ سے الرصافہ تک منتقلی کے لیے ۱۲۰ سواریوں پر لادنے کی ضرورت تھی۔) ❷ انھوں نے کتابوں میں موجود نوشتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تاریخی واقعات کے مواقع کا خود معائنہ کیا، پھر انھیں بیان کیا۔ عقیدہ اور شریعت کے باب میں ان کی مرویات پر اعتماد درست نہیں، لیکن ان سے واقعات کی تفاصیل میں اس حد تک فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے جہاں تک وہ شریعت اور عقیدے سے متصادم نہ ہوں، بالخصوص جب وہ صحیح روایات سے نہ ٹکرائیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے واقدی کے متروک ہونے کا فیصلہ دیتے ہوئے کہا: ''واقدی جب تک صحیح روایات اور دیگر اہل مغازی کی مخالفت نہیں کرتا تو وہ ہمارے اصحاب کے ہاں مقبول ہے۔'' ❸ حافظ ابن حجرؒ نے واقدی کے مغازی میں سے انتخاب کیا ہے اور کہا ہے: ''وہ بذات خود اہل علم اور مغازی کے مصنف ارکان کے نزدیک منبع ہے جس میں اس نے کسی دوسرے کی مخالفت نہیں کی۔ ❹

ان کے مغازی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کثرت سے روایات کا حوالہ دیا ہے، اور ان کے راویوں میں ایسے رجال (راوی) ہیں جن کے حالات زندگی رجال کی کتابوں میں نہیں پائے جاتے، لیکن وہ روایات جن کو ابنؒ سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی منتخب کردہ ہیں جب کہ ہم رجال اسناد کے سوانح حیات کو علم الرجال کی کتابوں میں پاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ واقدی کی اسانید کے رجال کی حدیث میں کوئی روایت نہیں۔ اسی لیے علم رجال کی کتابوں میں ان کے حالات زندگی کا اندراج نہیں ہے، یا وہ واقدی یا اس کے شیوخ کے گھڑے ہوئے نام ہیں۔ امام احمدؒ نے کہا: ''واقدی اسانید کو جعل سازی سے گھڑ لیتا ہے'' ❺ چنانچہ اس سے نقاد محدثین کا انھیں جھوٹ اور وضع کے ساتھ متہم کیے جانے کا سبب ظاہر ہوتا ہے، نیز ان کا اس بارے میں یہ فیصلہ کہ ''وہ متروک ہے۔'' اور اس میں کوئی

---

❶ عبدالعزیز الدوری: نشأة علم التاريخ عند العرب: ۳۱، مارسدن جونسن کا مقدمہ مغازی الواقدی ۳۴۔

❷ الخطيب: تاريخ بغداد: ۳/ ۵-۶.

❸ ابن حجر: التلخيص الحبير: ۲/ ۲۹۱.

❹ ابن حجر: منتقى من مغازي الواقدي، ق ۸۲ ب.

❺ الخطيب: تاريخ بغداد: ۳/ ۱۳.

Marfat.com

شک نہیں کہ راوی کی جملہ مرویات، ان کی تحقیق اور ان کی بنیاد پر ان کے راوی پر حکم لگانا اکثر نقاد ائمہ کا کثیر الروایات راویوں پر حکم لگانے کا منہج رہا ہے۔

حافظ ذہبیؒ نے اس پر دقیق مہارت کے ساتھ مختصر فیصلہ دیا اور کہا ہے کہ: ''اس نے جمع کیا اور محفوظ کیا، دبلے کو موٹے کے ساتھ اور سنگریزوں کو قیمتی موتیوں کے ساتھ ملا دیا ہے۔'' لہٰذا انھوں نے اسے ترک کر دیا۔ اس کے باوجود مغازی میں صحابہؓ کے زمانے اور ان کے حالات کے بارے میں اس سے مستغنی نہیں ہوا جا سکتا۔'' پھر کہا: ''یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ واقدی ضعیف ہے، لیکن غزوات اور تاریخ میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے آثار بلا حجت نقل کیے جاتے ہیں، لیکن فرائض میں اس کا ذکر مناسب نہیں، اور صحاح ستہ، مسند احمد اور عام لوگ جنھوں نے احکام کے مجموعے تیار کیے تم انھیں ضعفاء بلکہ متروکین سے احادیث کے اخراج میں رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاؤ گے، اس کے باوجود وہ محمد بن عمر (الواقدی) سے کچھ بھی نہیں لیں گے۔ تاہم میرے نزدیک ان کا وزن یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں مگر ان سے حدیث لکھی اور روایت کی جاتی ہے اس لیے میں ان پر حدیث گھڑنے کا الزام نہیں لگاتا۔ اور یہ بات کہ جس نے انھیں باطل یا رائیگاں گردانا اس رائے میں بعض وجوہ سے بے احتیاطی ہے۔ نیز یزید، ابوعبید، حربی اور معن کی طرح جس کسی نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے اس کی بات بھی قابل اعتماد نہیں، جب کہ آج اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ وہ حجت نہیں اور یہ کہ ان کی حدیث ضعیف کے زمرے میں ہے۔'' [1]

ابوداود السجستانیؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ واقدی حدیث گھڑا کرتا تھا اور اضافہ کرتا تھا۔ ''جب ہم کسی بھی کتاب میں واقدی کی طرف سے کچھ دیکھتے ہیں تو اس سے اس کا معاملہ واضح ہو جاتا ہے اور ''فتح الیمن'' اور ''خبر العنسی'' میں اس نے زہری سے احادیث روایت کی ہیں حالانکہ وہ زہریؒ کی حدیثیں نہیں ہیں۔'' [2]

اور یحییٰ بن معینؒ نے کہا ہے: ''ہم نے واقدی کی حدیث کی تحقیق کی تو ہم نے اس کی حدیث کو غیر معروف حضرات سے روایت کردہ منکر حدیثوں میں پایا، پس ہم نے کہا کہ احتمال ہے کہ یہ منکر احادیث اس کی ہوں اور یہ بھی کہ وہ ان لوگوں کی ہوں۔ پھر ہم نے ابن ابی

---

[1] الذهبي: سير اعلام النبلاء: ٩/٤٥٤_٤٦٩.

[2] الخطيب: تاريخ بغداد: ٣/١٥_١٦.

Marfat.com

ذئبؒ اور معمرؒ سے روایت کردہ اس کی احادیث کا جائزہ لیا کیونکہ وہ ان کی حدیث کو لیتا ہے تو ہم نے اسے ان سے منکر احادیث کی روایت کرتا ہوا پایا۔ لہٰذا ہم نے جان لیا کہ وہ انہی میں سے ہے لہٰذا ہم نے اس کی حدیث کو ترک کر دیا۔'' ❶

ابن حبانؒ نے کہا ہے کہ: ''وہ ثقہ راویوں سے مقلوبات اور معضلات روایت کیا کرتا تھا حتی کہ بعض اوقات دل میں یہ بات آئی کہ وہ اس بارے میں قابل اعتماد ہے۔'' ❷ ابن عدی نے کہا: ''واقدی کی روایات کے متون غیر محفوظ ہیں، اس سے ضعف اور رنج کا ہی اظہار ہوتا ہے۔'' ❸

ابنؒ سید الناس نے واقدی کا دفاع کیا ہے اور کہا ہے: ''علم کی وسعت، انوکھے پن کی کثرت کا گمان دلاتی ہے اور اغراب (انوکھے پن) کی کثرت تہمت کا گمان پیدا کرتی ہے۔ اور واقدی وسعت علم کے باعث مردود نہیں اور اس کے غرائب بکثرت ہیں۔'' ❹

حافظ ابن کثیرؒ ان کے صدق کی طرف راغب ہیں اور کہتے ہیں: ''واقدی کے ہاں عمدہ روایات کی بہتات اور بکثرت تحریر شدہ تاریخ ہے کیونکہ وہ اس شان کے بڑے ائمہ میں سے ہے اور وہ بذات خود بہت سچا اور کثیر الکلام ہے۔'' ❺

محمد بن عائذ الدمشقیؒ (م۲۳۴ھ) ثقہ محدث ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے مغازی پر ان کی کتاب کے بڑے حصے کی سماعت کی ❻ اور حافظ ابن حجرؒ نے ان کے مغازی میں سے ایک منتخب حصے کا جائزہ لیا ہے۔ ❼

علیؒ بن محمد المدائنی (م۲۲۵ھ)، ابنؒ عدی نے بیان کیا ہے کہ وہ حدیث میں مضبوط نہیں، العسقلانیؒ نے لسان المیزان میں ان کے سوانح حیات بیان کیے ہیں --- اور وہ کتاب ضعفاء کے حالات زندگی پر مشتمل ہے --- جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے حدیث میں ان

---

❶ الجرح والتعديل لابن ابی حاتم: ۸/ ۲۰۔ ❷ ابن حبان: المجروحين ۲/ ۲۹۰۔

❸ ابن عدی: الكامل: ۶/ ۲۲۴۵۔

❹ ابن سيّد الناس: عيون الاثر: ۱/ ۲۶۔ ابن مدینی اور ابن معین نے کہا ہے کہ واقدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ۲۰ ہزار غریب (انوکھی) احادیث بیان کی ہیں۔ (الخطيب: تاريخ بغداد: ۳/ ۱۳)

❺ ابن كثير: البداية والنهاية: ۳/ ۲۳۴۔ ❻ الذهبی: سير اعلام النبلاء: ۱۱/ ۶۔

❼ ابن حجر: المعجم المفهرس، ق ۲۷ ب۔

Marfat.com

کے ضعف پر کلام کیا ہے، ❶ لیکن جو ان کے سوانح میں وارد ہے وہ روایات میں ان کے صدق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کے بارے میں طبریؒ نے کہا ہے: ''وہ لوگوں کی سرگزشت سے متعلق صحیح معلومات رکھتا تھا۔'' ❷ اور اس کے بارے میں حافظ ذہبیؒ نے کہا ہے: ''بڑا صاحب علم، حافظ اور سچا تھا... عالی اسناد میں اس کی تصدیق کی گئی ہے۔'' ❸

المدائنیؒ اپنی تالیف میں سیرت پر منفرد موضوعات کو اختیار کرتے ہیں اور سیرت کے اجتماعی اور اقتصادی پہلوؤں کی تحقیق میں وہ بڑی اہم تالیف ہے جب کہ علم تاریخ اسلامی میں اس کا فقدان بڑا خسارہ شمار ہوتا ہے۔

صالحؒ بن اسحاق الجرمی النحوی (م ۲۲۵ھ) حدیث واخبار میں ممتاز تھا۔ سیرت کے موضوع پر ان کی ایک عمدہ کتاب ہے۔ ❹

اسماعیل بن جمیحؒ (م ۲۷۷ھ) کی کتاب (اخبار النبی ومغازیه و سرایاه) ہے۔ ❺

سعید بن یحییٰ بن سعید الامویؒ (م ۲۴۹ھ) ثقہ محدث ہیں ۔ ان کی کتاب ''المغازی'' ہے۔ ❻

احمدؒ بن الحارث بن الخراز (م ۲۵۸ھ) کی کتاب (مغازی النبی وسرایاه وازواجه) ہے۔

عبدالملک بن محمد الرقاشی البصریؒ (م ۲۷۶ھ) بڑے سچے ہیں لیکن غلطی کر جاتے ہیں۔ ان کی کتاب ''المغازی'' ہے۔

ابراہیم بن اسماعیل العنبری الطوسیؒ (م ۲۸۰ھ) کی کتاب ''المغازی'' ہے۔

اسماعیل بن اسحاق القاضیؒ (م ۲۸۲ھ) کی کتاب ''المغازی'' ہے۔

سوانح حیات کی کتابوں نے متعدد تابعین، ان کے متبعین اور بعد والوں کے ناموں کا ذکر کیا ہے اور ان کو سیرت کے علم اور اس کے لیے اہتمام کے ساتھ موصوف کیا ہے مثلاً عکرمہؒ مولیٰ

---

❶ ابن حجر لسان المیزان ٤ / ٢٥٣.
❷ ابن حجر: لسان المیزان: ٤ / ٢٥٣.
❸ الذھبی: سیر اعلام النبلاء: ١٠ / ٤٠٠ـ٤٠١.
❹ الخطیب: تاریخ بغداد: ٩ / ٣١٤.
❺ الفھرست لابن الندیم: ١١٢.
❻ الذھبی: سیر اعلام النبلاء: ٩ / ١٣٩.

Marfat.com

ابن عباسؓ جن کے بارے میں طحاویؒ نے کہا ہے: ''عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور زہری، ان دونوں کے گرد مغازی کے واقعات بکثرت گردش کرتے ہیں۔'' ❶ ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی ''(م ۱۲۷ھ)، یعقوب بن عتبیٰ بن المغیرہ المدنی '' (م ۱۲۸ھ)، داود بن الحسین الاموی'' (م ۱۳۵ھ)، عبدالرحمن بن عبدالعزیز الحنیفیؒ (ت ۱۶۲ھ)۔ محمد بن صالح بن دینار (م ۱۶۸ھ)، عبدؒاللہ بن جعفر المخرمی المدنی (م ۱۷۰ھ)۔

یہ حضرات ہیں جن کی سیرت نگاری میں تالیفات کی صراحت مصادر نے نہیں کی ہے بلکہ سیرت کی طرف ان کی توجہ اور اس بارے میں ان کی تحدیث کے اہتمام کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ❷ لہٰذا سیرت کے مؤلفین میں ان کو درج نہیں کیا گیا اور ان سے متعلق اس اشارہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

سیرت نگاری میں یہ حضرات اولین روایت کرنے والے ہیں اور حدیث کے ناقدین کی توثیق سے وضاحت ہوتی ہے کہ ان میں سے بیشتر عدالت اور ضبط جیسی صفات سے متصف ہیں، راویوں کی توثیق کے لیے علماء کی یہی دو شرطیں ہیں۔ اور اگر وہ محدثین کے ہاں ان کی دقیق شرائط کے باوجود ثقہ قرار پا گئے اور باوجود ان کے اس نظریہ کے کہ وہ محدث ہیں ان کا مواد احادیث ہے اور مؤرخ نہیں کہ ان کا مواد خبریں ہوں جب کہ نقاد حدیث کے مواد میں بہت تشدد سے کام لیتے ہیں اور اخبار کے قبول کرنے میں تساہل برت لیتے ہیں۔ ❸ یہ توثیق ان کی سیرت نگاری میں بڑی علمی اہمیت کی حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی سیرت کی ضیاع، تحریف اور مبالغہ سے حفاظت فرمائی ہے چنانچہ اس عظیم کام کے لیے جہاں دیدہ محدثین کو پیدا کیا انہوں نے سیرت کو اپنا مقصد قرار دیا، اور اس کے اولین اصول مدون کیے قبل اس کے کہ مؤرخین اور قصہ نویسوں کے اقلام اسے اختیار کریں۔ آپؐ کی سیرت کے مصادر کا یہ وہ طرۂ امتیاز ہے جو تاریخ یا روایات کی کتابوں میں سے

---

❶ الطحاوی: شرح معانی الآثار: ۳/ ۳۱۲.

❷ ان کے تراجم و تعارف دیکھیے: الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۲/ ۲۶۰۔ تاریخ بغداد: ۱۲/ ۲۳۰۔ تهذیب التهذیب: ۶۳/۸، ۶۷، ۵/ ۱۷۲، ۶/ ۳۸۸، ۱۱/ ۲۹۳۔ تاریخ التراث العربی: ۲/ ۴۵۶.

❸ اکرم العمری: مقدمه تاریخ خلیفه بن خیاط، ص ۲۴، ۲۵.

Marfat.com

کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آیا۔

یہ محدثین ثقہ ہیں اور قصہ گوئی نہیں کرتے، اور امتیاز اس لیے بھی کہ علماء حدیث روایات کی چھان پھٹک میں سند اور متن کے لحاظ سے واضح مناہج و اصول رکھتے ہیں اور ان کا اسلوب انتہائی سنجیدہ اور اعلیٰ ہے جس کا تنقیص و ترجیح سے کوئی تعلق نہیں۔

اور یہ حقیقت ہے کہ ان اکابر کی تصنیفات، جن کا میں نے سیرت سے متعلق ذکر کیا ہے ان کا بڑا حصہ مفقود ہے۔ لیکن درج ذیل مصادر جو ہم تک پہنچے ہیں میں نے ان کی تصنیفات پر اعتماد کیا ہے، لہٰذا میں نے ان سے اسانید کے ساتھ بہت کچھ نقل کیا ہے اور اولین تصنیفات کا مواد بعد والی کتب کے لیے بنیاد فراہم کرتا رہا، صرف مواد میں ہی نہیں بلکہ پیش کرنے کے طریق کار میں بھی۔ اور واضح ترین مصادر جو سیرت میں ہم تک پہنچے ہیں، درج ذیل ہیں:

۱۔ سیرت ابن ہشام

یہ سیرت ابن اسحاق کی تہذیب ہے۔ ابنؒ ہشام نے اس میں سے بہت سی اسرائیلیات اور مسروقہ اشعار کو حذف کر دیا اور اس میں لغت اور انساب کی معلومات کا اضافہ کیا جس نے اسے --- تدوین کے بعد --- جمہور علماء کے ہاں مقبول کتاب بنا دیا۔ بعد میں آنے والے ہر مؤلف نے اسی پر انحصار کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے مغازی رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کی جو صورت پیش کرتے ہیں وہ بڑی حد تک اس صورت کے ساتھ ملتی ہے جسے صحیح حدیث کی کتابوں نے بیان کیا ہے، جن سے آنحضور ﷺ کی سیرت میں بڑا وثوق حاصل ہوتا ہے۔ حافظ السہیلیؒ (م ۵۸۱ھ) نے اپنی کتاب ''الروض الانف'' میں سیرت ابن ہشام کی تشریح کی ہے اور وہ طبع شدہ ہے۔

ان میں سے ایک محمدؒ بن سعد (ت ۲۳۰ھ) کی ''الطبقات الکبریٰ'' ہے، انھوں نے سیرت کے لیے اپنی کتاب کی پہلی دو جلدیں مخصوص کی ہیں۔ ابن سعد ثقہ ہیں، وہ اپنی بہت سی روایات کی تحقیق کرتے ہیں جیسا کہ خطیب بغدادیؒ اور عسقلانیؒ کہتے ہیں، لیکن وہ واقدی کی طرح ضعفاء سے نقل کرتے ہیں جو اس سے زیادہ نقل کرنے والے ہیں، حتیٰ کہ ابن الندیم نے انھیں اپنی تصنیفات میں سرقہ سے متہم کیا ہے، لیکن تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ابنؒ سعد ایسے مؤلف ہیں جن کا اپنا ایک منہج ہے اور وہ واقدی سے ایسے ہی بکثرت نقل کرتے ہیں جیسا کہ وہ دیگر

Marfat.com

شیوخ سے کرتے ہیں جن میں سے عفان بن مسلمؒ، عبیدؒاللہ بن موسیٰ اور فضلؒ بن دکین تین ثقہ محدثین ممتاز ہیں۔ ❶ حافظ ذہبیؒ نے کہا ہے: ''کہتے ہیں کہ اس نے واقدی سے جو کچھ روایت کیا ہے اور اسے طبقات میں لکھا ہے وہ بہت قلیل ہے بہ نسبت اس کے جو اس نے دوسروں سے لیا ہے۔'' ❷

ان میں سے خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ) کی تاریخ ہے۔ وہ امام بخاریؒ کی صحیح کے شیوخ میں سے ثقہ محدث ہیں۔ ان کی کتاب عمومی تاریخ ہے جس کی ابتداء اختصار کے ساتھ سیرت کے واقعات سے ہوتی ہے جس کا انحصار بدرجۂ اولیٰ ابنؒ اسحاق پر ہے۔ ❸

ان میں سے احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری (م ۲۷۹ھ) کی ''انساب الاشراق'' ہے۔ وہ نسب پر مرتب عمومی تاریخ ہے۔ بلاذری نے اس کے پہلے حصے کو سیرت کے لیے مخصوص کیا ہے۔ محدثین کی نظر میں بلاذری ضعیف ہیں۔ عسقلانیؒ نے ان کے سوانح حیات کو ضعفاء سے متعلقہ اپنی کتاب ''لسان المیزان'' میں وارد کیا ہے۔

ان میں سے محمدؒ بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) کی ''تاریخ الرسل والملوك'' ہے۔ انھوں نے اپنی تاریخ کا ایک حصہ سیرت کے لیے مخصوص کیا ہے۔ طبریؒ ثقہ ہیں۔ انھوں نے بدرجہ اولیٰ ابنؒ اسحاق پر اعتماد کیا ہے۔ ان کا منہج روایات کی تنقید سے متعارض نہیں ہے، جنھیں وہ صحت اور ضعف بلکہ اسانید کے ساتھ وارد کرتے ہیں اور تحقیق اور ترجیح کے مسئلے کو قاری پر چھوڑ دیتے ہیں۔ ❹

ان میں سے ابن عبدؒالبر قرطبی (م ۴۶۳ھ) کی ''الدرر فی اختصار المغازی والسیر'' ہے۔ وہ اپنے زمانے کے کبار محدثین میں سے ہیں۔ انھوں نے کتب حدیث کے ساتھ ساتھ سیرت ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ اور تاریخ ابن ابی خیثمہ پر بھی اعتماد کیا ہے۔ ❺ انہوں نے واقدی سے سوائے ایک موقع کے روایت نہیں کی ❻ لیکن انھوں نے واقدی کی مغازی سے استفادہ کا اشارہ دیا ہے۔ ❼ انھوں نے ابن اسحاق کے اسلوب کتابت کو اپنایا ہے، ❽ وہ اسناد کی کثرت کے ذکر کے پابند نہیں ہیں۔

---

❶ اکرم العمری: بحوث فی تاریخ لسنة المشرفة، ص ٥٦_٥٧. ❷ سیر اعلام النبلاء: ٩/٤٦٤.

❸ اکرم العمری: مقدمه تاریخ خلیفه بن خیاط، ص ٢٦، ٢٧.

❹ الطبری: تاریخ الرسل والملوك (ط ابو الفضل ابراهیم) ١/٨.

❺ شوقی ضیف: مقدمه کتاب الدرر، ص: ٨. ❻ ابن عبدالبر: الدرر، ص: ٣٩.

❼ ابن عبدالبر: الدرر، ص: ٢٧٦. ❽ ابن عبدالبر، ص:۲۹، مزید دیکھیے: شوقی ضیف کا مقدمہ الدرر پر ص ۱۲۔

Marfat.com

ان میں سے ابن حزمؒ الظاہری (م ۴۵۶ھ) کی ''جوامع السیرۃ'' ہے۔ انھوں نے اسانید کو بیان نہیں کیا اور نہ ہی اپنے مصادر کی نشاندہی کی ہے۔ ❶ انہوں نے بعض روایات کو بعض پر ترجیح دی ہے اور اپنی کتاب میں اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے اور واقعات کی تواریخ میں تحقیق کی ہے۔ ❷ ان پر تلخیص کا طریقہ غالب آ گیا، چنانچہ انھوں نے سیرت کو اشعار اور قصوں سے پاک رکھا ہے۔ ❸

ان میں سے ابن الاثیرؒ الجزری (م ۶۳۲ھ) کی ''الکامل فی التاریخ'' ہے۔ وہ ثقہ مؤرخ ہیں، ان کی کتاب عمومی تاریخ ہے، جس کا ایک حصہ سیرت کے لیے مختص ہے۔

ان میں سے ابن سید الناس (م ۷۳۴ھ) کی ''عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر'' ہیں۔ وہ ثقہ محدث ہے۔ ذہبیؒ اور ابن کثیرؒ نے ان کی توثیق کی ہے۔ اس میں سابقہ مغازی کی کتابوں کے ساتھ ساتھ حدیث کی کتابوں سے بہت کچھ نقل کردہ ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب کے مقدمے میں مصادر کا ذکر کیا ہے۔

ان میں ابن قیم الجوزیہؒ (م ۷۵۱ھ) کی ''زاد المعاد فی ھدی خیر العباد'' ہے۔ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے علما میں سے تھے۔ ان کی کتاب شمائل، آداب، فقہ اور مغازی میں ایک نفیس کتاب ہے اور وہ اس سب کچھ کا مجموعہ ہے۔

ان میں حافظ الذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کی ''السیرۃ النبویہ'' ہے۔ وہ ثقہ مؤلف ہیں۔ وہ عمدہ ناقدانہ عقل کے مالک تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں محدثین کے قواعد جو اہل استقراء کے ہاں معتبر شمار ہوتے ہیں سے مکمل طور پر کام لیا ہے۔

ان میں حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) کی ''البدایہ والنہایہ'' ہے۔ وہ عمومی تاریخ ہے، اس میں سیرت کے لیے ایک حصہ مختص ہے۔ ابن کثیرؒ محقق اور ثقہ ائمہ میں سے ہیں۔ ذہبیؒ،

---

❶ لیکن ابن حزم نے تین مقامات پر خلیفہ بن خباط سے نقل کرنے کی صراحت کی ہے اور تین ہی جگہوں پر تاریخ ابو حسان زیادی سے نقل کرنے کی صراحت کی ہے اور ایک جگہ پر ابن عبد البر کی الدرر فی اختصار المغازی والسیر سے نقل کرنے کا لکھا ہے۔ ابن حزم کی اس کتاب کے محققین کا خیال ہے کہ انھوں نے کچھ تصرف کے ساتھ الدرر سے کثیر مقدار میں مواد نقل کیا ہے۔ شوقی ضیف نے اس بات کو قطعی کہا ہے۔ دیکھیے: جوامع السیرۃ، المقدمہ، ص: ۸ اور الدرر، المقدمہ، ص: ۱۵۔

❷ جوامع السیرة، مقدمه، ص: ۱۰. ❸ جوامع النسیرة، مقدمه، ص: ۱۳.

Marfat.com

عسقلانی اور ابن العماد حنبلیؒ نے انھیں ثقہ کہا ہے۔

ان میں مقریزیؒ کی "إمتاع الاسماء" ہے۔ وہ ثقہ ہیں۔ انھوں نے اختصار کو پیش نظر رکھا اور اسناد کا ذکر نہیں کیا۔ السخاویؒ نے "الامتاع" کے متعلق کہا ہے: "اس میں بہت کچھ قابل تنقید ہے۔" ❶

ان میں سے احمدؒ بن محمد القسطلانی (م ۹۲۳ھ) کی "المواهب اللدنية بالمنح المحمدية" ہے اور ان میں سے محمدؒ بن عبدالباقی الزرقانی (ت ۱۱۲۲ھ) کی "شرح المواهب اللدنية" ہے۔

المواہب اور اس کی شرح شمائل اور سیرت میں جامع کتابوں میں سے ہیں۔ ان میں سے برہان الدینؒ الحلبی (م ۸۴۱ھ) کی "السيرة الحلبية" ہے۔ اس میں کہانیاں اور اسرائیلی قصے ہیں۔ ❷ انھوں نے روایات کی اسانید کو حذف کر دیا ہے اور خبر کے راوی کے ذکر اور بعض غریب روایات کی شرح اور دیگر تعلیقات کے اضافے پر اکتفا کیا ہے۔

ان میں سے محمد یوسف الدمشقی الشامیؒ (م ۹۴۲ھ) کی "سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد" ہے۔ انھوں نے اس میں تین سو سے زائد کتابوں سے انتخاب کیا ہے۔

سیرت کے مصادر جن تک ہماری رسائی ہوئی ہے ان میں سے اہم مصادر کا ذکر ہو چکا، اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے صحت و درستی کے لحاظ سے یہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے بعد آتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ سیرت کی کتابوں میں وارد ہوا ہے صحت کی رو سے صرف اسی کی اہمیت ہے۔ لیکن اس کی یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ اس میں پورے کا پورا صحیح ہے بلکہ اس میں صحیح بھی ہے اور ضعیف بھی۔ چنانچہ سیرت کے مطالعہ کے دوران اعتماد اولاً صحیح پر ہونا چاہیے پھر تصویر کی تکمیل حسن کے ساتھ ہو یا جو حسن کے قریب ہو۔ اور ضعیف کے اختیار کرنے میں اگر عقائد اور شریعت متاثر ہوتے ہوں تو اسے نہ لیا جائے --- اور جب ہم اس کے علاوہ روایت نہ پاتے ہوں --- دیگر روایات جن کا تعلق اخلاقی خوبیوں، تہذیب کی عمدگی، صنعتوں، زراعت یا اس طرح کی صورتوں سے متعلق ہو اسے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

---

❶ السخاوی: الاعلان بالتوبيخ (روزنتال کی علم التاريخ عند المسلمين سے ملحق) ص: ۳۰.

❷ جواد علی: تاريخ العرب قبل الاسلام، السيرة النبويه، ص: ۱۰.

Marfat.com

یہ وہ طریق کار ہے جس کا اتباع خود محدثین نے کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (م ۱۹۷ھ) نے کہا ہے: ''جب نبی ﷺ سے ہمیں حلال وحرام واحکام کے بارے میں روایت کیا گیا تو ہم نے اسانید میں شدت اختیار کی اور رجال پر تنقید کا رویہ اختیار کیا۔ اور جب ہمیں فضائل اور سزا وجزاء کے بارے میں روایت کیا گیا تو ہم نے اسانید میں نرمی اور رجال میں چشم پوشی سے کام لیا۔'' [1]

سیرت میں بلاشبہ اسانید ومتون کی جانچ پڑتال محدثین کے طریقہ تنقید وقواعد کے مطابق کرنے کی ضرورت ہے اور اس بارے میں سارے مصادر سے مدد لینی چاہیے کیونکہ وہ سارے اہم ہیں جنھیں روایات نے وارد کیا ہے اور اسانید نے ان کی تصدیق کی ہے۔ نیز محدثین میں سے بڑے بڑے راوی وہ ہیں جن کے حالات زندگی کتب رجال نے وضاحت سے بیان کیے ہیں اور ان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کی جرح وتعدیل کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔

اس منہج کا بعض کے ہاتھوں عدم استعمال رجال کی معرفت، ان کے احوال اور ان سے متعلق تفتیش، نیز علوم حدیث میں مہارت اور تاریخ کی تنقید اور اس کی تطبیق کے تجربے کے لیے جہد وصعوبت کی وجہ سے ہے۔ لیکن دوسرے اس منہج سے غافل رہتے ہیں اور اس کی عمدگی کو گھٹا کر، اس کی قدر وقیمت کو مشکوک بنا کر اور اس پر بعض اعتراضات کو وسعت دے کر اس کی حق تلفی کرتے ہیں۔

یہ لوگ --- بلاشبہ --- اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اسد رستم ایک غیر متعصب عیسائی ہیں انہوں نے واضح کیا ہے کہ تنقید میں محدثین کے مناہج کی اہمیت ہے، کہ انھوں نے ہی اس میں سبقت حاصل کی اور اس کی ابتداء کی ---- اور یہ ان کی کتاب ''مصطلح التاریخ'' میں ہے ---- چنانچہ سیرت کی تحقیق کرتے وقت تنقید میں اس منہج کا اتباع ناگزیر ہے، بلکہ عمومی اسلامی تاریخ کی تحقیق میں بھی۔ اور اگر سیرت کے میدان میں گہری تحقیق اس کے عقیدہ، شریعت اور اسلامی شخصیت کی تشکیل کے ساتھ تعلق کے باعث اہم واولیٰ ہے، تو خلفائے راشدین، امویوں اور عباسیوں کی تاریخ کی تحقیق میں اس منہج کے استعمال کی ضرورت شدید تر ہے۔ اس لیے کہ اس تاریخ میں راویوں کی خواہشات کا اثر ہے اور اختلاط حق وباطل ہے، حق وباطل میں سے حق

---

[1] فتح المغیث: ۱/ ۲۸٤.

Marfat.com

کو واضح کرنے کے لیے ان محققین کے سوا، جو رجال، ان کی جرح و تعدیل، ان کے رجحانات اور رجحانات سے بخوبی واقف ہوں، مشکل امر ہے۔

تاریخ کی کتابیں ایسے منتخب واقعات کا امتزاج ہیں جو ان راویوں کی وارد کردہ ہیں جو مخالف سیاسی اور مذہبی رجحان رکھتے ہیں مثلاً اموی زمانے کی صورت کشی کو محض ابومخنفؒ کی روایات کے ذریعے دیکھیں تو اس صورت سے بہت مختلف ہوگی جسے عوانہؒ بن الحکم یا ابو یقظان انسابیہ روایت کرتے ہیں۔

دیگر تکمیلی مصادر

قرآن کریم، حدیث شریف اور اہمیت کے لحاظ سے سیرت کی مختص کتابوں کے بعد تکمیلی مصادر آتے ہیں اور وہ سیرت کی جامع تصویر کے خدوخال کی تکمیل کرتے ہیں۔ وہ مصادر اصلیہ کے اتمام کے بعد باقی رہنے والے بعض رخنوں کو پر کرتے ہیں۔

چنانچہ ادب کی کتابیں سیرت کے زمانے میں ثقافتی زندگی، معاشی معیار، لباسوں اور کھانوں کی قسموں اور عادات وغیرہ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں، اور بالخصوص شاعری اہم تاریخی دستاویز شمار ہوتی ہے جو علمی اور اجتماعی زندگی کا عکس، معرکوں کی تصویر کشی کا تصور اور بہادری کے واقعات بیان کرتی ہے۔ سیرت کے بعض واقعات میں حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کے کردار کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے، لیکن متنبہ رہنا چاہیے کہ ادب کی کتابوں کے پیش نظر شاذ، غریب اور نادر واقعات ہوتے ہیں اور وہ روزمرہ کے واقعات کی نسبت زیادہ تر انھیں ہی مدون کرتی ہیں۔ لہٰذا ان واقعات کو عمومیت (generlization) کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

اور صحابہؓ کے حالات پر مشتمل کتابیں سیرت کے واقعات کے دوران موجود نسل کی سوانح بیان کرتی ہیں، لہٰذا وہ تاریخ کی مصدقہ معلومات مہیا کرتی ہیں، اگرچہ وہ منتشر اور قلیل ہی ہوں۔ ان میں سے بعض صحابہؓ کے انساب اور بعض ان کے حالات کا پتا دیتی ہیں۔ سوانح و رجال کی باقی ماندہ کتابیں (صحابہؓ کے حالات پر اضافے کے طور پر) سیرت کی کتابوں کی اسانید کے رجال کا تعارف بھی کراتی ہیں، جس سے ان کتابوں میں وارد شدہ تحقیق اور ان اسانید کی تنقید کی صلاحیت میں بڑی تاثیر ہے۔

Marfat.com

تاریخ وجغرافیہ کی کتابیں جزیرہ نمائے عرب کی ناہموار سطح پر روشنی ڈالتی ہیں جہاں سیرت کے واقعات رونما ہوئے اور معیشت کے معیار، ان کی زرعی پیداوار، مقامات کے مابین مسافتوں اور ٹیکسوں کی وصولی اور تقسیم کی وضاحت کرتی ہیں۔

چنانچہ اس طرح سے تکمیلی مصادر سیرت کے مختلف پہلوؤں کے مطالعہ کی تکمیل میں معاونت اور ان کی تفاصیل اور جزئیات پر روشنی ڈالنے کا کام دیتے ہیں۔

یہ مصادرِ سیرت پر ایک طائرانہ نظر ہے اور آخر میں میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ میں تاریخ تنقید اور تاریخ تفسیر میں جامع مناہج کی طرف آج کی ضرورت کی نشاندہی کروں۔ جب تک مؤرخین کی تنقید وتفسیر کے مناہج کی تکمیل نہیں ہو جاتی ہماری امت کی تاریخ اور اسلامی تاریخی علوم--- بلحاظ صدق وعلم--- بیان حقائق سے قاصر وعاجز ہی رہیں گی۔

یورپ کی فکر نے تاریخ کی ترکیب اور اس کی تنقید وتفسیر کے مناہج کی تحقیقات پر کام کیا ہے جس کا کچھ حصہ عربی میں منتقل ہوا ہے ❶ لیکن یہ تحقیقات مغربی نقطہ نظر کا تصور دلاتی ہیں کیونکہ یہ تحقیقات یورپی فلسفہ حیات کی کوکھ سے پیدا ہوئی ہیں، اور وہ یورپی تاریخ کے اصول اور اس کی تحقیق کی شکلیں ہیں اور اس کی تطبیقات اسی سے اخذ کردہ ہیں، لیکن ہم اس کے معیار پر جن تحقیقات کے محتاج ہیں ان کا سرچشمہ ہمارا عقیدہ ہونا چاہیے نیز وہ ہماری تاریخ سے ہم آہنگ ہوں۔ اور ان میں مغربی نقطہ نظر کو بنیاد نہ بنایا جائے۔

یہاں یہ اشارہ کر دینا مناسب ہے کہ بعض عرب مسلمانوں نے اولین تحقیقات تحریر کی ❷ ہیں اور انھوں نے اس موضوع پر مفید تصورات پیش کیے ہیں۔ بلاشبہ صحیح اسلامی اقدامات کے ساتھ مسلسل ومنظم مساعی، تحقیق کے کامل منہج اور اسلامی تاریخ کی جامع تفسیر کے نظریے تک رسائی حاصل کر لیں گی۔

---

❶ جیسا کہ کولنود کی تالیف فکرۃ التاریخ۔
ا۔ل۔ راوس کی کتاب التاریخ اثرہ وفائدتہ۔
لانجلو اوسینیوس کی کتاب النقد التاریخی۔
جوزف ھورس کی کتاب قیمۃ التاریخ۔
ادورد کار کی تالیف ماھو التاریخ؟
فریڈرک انجلز کی کتاب التفسیر الاشتراکی للتاریخ۔
آرنسٹ کاسیرر کی تالیف فی المعرفۃ التاریخیۃ۔
المیری نف کی کتاب المؤرخون وروح الشعر۔
فتحی عثمانی کی کتاب اضواء علی التاریخ الاسلامی۔
عماد الدین خلیل کی کتاب التفسیر الاسلامی للتاریخ۔

❷ سید قطب کی کتاب فی التاریخ فکرۃ ومنھاج۔
عبدالرحمٰن حجی کی کتاب نظرات فی دراسۃ التاریخ الاسلامی۔
عبدالحمید صدیقی کی کتاب تفسیر التاریخ۔

Marfat.com

الفصل الاوّل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں

Marfat.com

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ مکہ میں

(قبل بعثت)

مَکَّة ❶

مکہ وادی میں واقع ہے، پہاڑ ہر طرف سے اس پر سایہ فگن ہیں۔ مشرق کی طرف کوہ ابوقبیس پھیلا ہوا ہے اور مغرب کی طرف کوہ قعیقعان نے اسے گھیر رکھا ہے۔ دونوں ہلال کی شکل بنائے مکہ کی آبادی کو گھیرے ہوئے ہیں۔ وادی کا نشیبی علاقہ بطحا کے نام سے معروف ہے اور اس میں بیت عتیق (کعبہ شریف) واقع ہے۔ اس کے اردگرد قریش کے گھر تھے اور بالائی علاقہ معلاۃ کے طور پر معروف تھا، لیکن ہلال کے دونوں طرف ظواہر قریش کے سادہ سے گھر تھے۔ وہ مفلس دیہاتی اور جنگجو لوگ تھے۔ ان کے علاوہ البطاح متمدن، غنی اور مقام و منزلت رکھنے والے قریش تھے۔ قریش کنانہ کی نسل سے تھے جو مکہ کے قریب رہتے تھے، جس سے مکہ کی بڑی سٹریٹیجیکل (جنگی مصلحت کی رو سے) اہمیت تھی اور یہ نسبی تعلق معاہدات سے مزید گہرا ہو گیا تھا۔ مکہ کے قریب رہنے والے حبشی بھی قریش کے حلیف تھے، وہ مکہ کے قافلوں کی حفاظت کا کام دیتے تھے۔ مکہ سے شام، عراق اور یمن تک تجارتی راستوں پر واقع قبائل کی شمولیت نے معاہدات میں وسعت پیدا کر دی تھی، قریش ان قبائل کو معین معاوضہ دیتے اور ان کے بڑے لوگ قریش کے ساتھ تجارت میں شریک ہوتے اور اس شرکت کو ''ایلاف'' کہا جاتا جس کے موجد ہاشم بن عبد مناف تھے۔ انھوں نے روم و فارس کے حکام سے باہمی اتفاق، ان کے ساتھ معاہدات اور دونوں بڑی طاقتوں کے مابین غیر جانبدارانہ مسلک اختیار کر کے ان کے علاقوں میں تجارت کا حق حاصل کر لیا تھا۔

---

❶ یہ اقتباس ڈاکٹر جواد علی کی تالیف ''المفصل فی تاریخ العرب'' کے الجزء الرابع اور سیّد احمد ابوالفضل عوض اللہ کی کتاب ''مکۃ فی عصر ما قبل الاسلام'' مطبوعات دارۃ الملک عبدالعزیز ۱۴۰۱ھ (۱۹۸۱م) سے ملخص طور پر لیا گیا ہے۔

Marfat.com

مکہ کی معیشت کی بنیاد تجارت تھی اور قلیل مقدار میں صنعت بھی، جس میں نیزوں، تلواروں، زرہوں، تیروں اور چھریوں پر مشتمل اسلحہ سازی کی صنعت نمایاں تھی۔ نیز مٹی کے برتن اور لکڑی کے کام کی صنعت بھی تھی۔ مویشیوں کی پرورش اور شکار کی طرح کے دیگر اقتصادی ذرائع بھی معروف تھے، لیکن مکہ کی اقتصادیات کی بنیاد تجارت ہی رہی۔ ایلاف و معاہدات کی حکمت عملی سے مکہ میں خوشحالی آئی اور مقامی تجارت کے بین الاقوامی تجارت میں بدلنے سے بنیادی سرمایہ میں کثرت پیدا ہوئی، نیز روم و فارس کے باہمی نزاع کے باعث عراق و شام کے درمیان کا بری تجارتی راستہ بحری راستوں کی تجارتی گرم بازاری میں معاون ثابت ہوا۔ چنانچہ اموال تجارت ہند سے یمن، پھر مکہ اور پھر شام منتقل ہوتے رہتے، اور بڑے قافلے مکے والوں سے بڑی تعداد میں کم و بیش حصوں کی صورت میں اپنی مالی مقداروں کے مطابق دولت کماتے۔ اس طرح سے تجارت مکی معاشرے کے روابط کو گہرا کرنے میں مددگار بنی، جب کہ اس نے اقربا کے جھگڑوں کو مصلحتوں کے ساتھ مربوط کر دیا۔ لیکن اس شراکت نے بڑے مالدار اور اشرافیہ طبقے کو ہی ترقی دی جب کہ دوسرا طبقہ متوسط رہا اور تیسرا نادار۔ بڑا سرمایہ اغنیاء کے ہاتھ میں تھا اور وہ تجارت، محتاجوں کو سودی قرضوں سے اور پڑوس میں طائف کی زراعت میں سرمایہ کاری کرنے سے بڑھ رہے تھے۔ یوں مکہ کے اغنیاء سونے چاندی کے برتنوں میں کھا رہے تھے جب کہ اکثریت مفلس تھی۔

مکی تجارت بعض اوقات بری راستوں کے علاوہ بحری راستے بھی اختیار کر لیتی، مگر اس کے لیے ان کا کوئی بیڑا نہ تھا بلکہ حبشہ کی طرف جانے کے لیے اہل حبشہ کی کشتیوں سے کام لیا جاتا جب کہ رومی کشتیاں حضرت عثمانؓ کی خلافت میں اپنا پڑاؤ جدہ میں کرنے سے پہلے شعیبہ کی بندرگاہ تک جایا کرتیں۔ حبشہ سے قریش عطر، خوشبوئیں، مور کے پر، ہاتھی دانت، کھالیں، گرم مسالے، اور سیاہ فام غلام اور شام سے گندم، آٹا، تیل اور شراب اور ہند سے سونا، ٹین (tin)، موتی، ہاتھی دانت، صندل کی لکڑی، کالی مرچ اور گرم مسالے وغیرہ، ریشمی، سوتی، ارغوانی رنگ کے لباس، پٹ سن، خوشبودار گوند، زعفران، چاندی، تانبے اور لوہے کے برتن حاصل کرتے۔ اور عرب کی پیداوار از قسم تیل، پکی کھجور، اون، بال، کھالیں اور چربی ساتھ لے جاتے۔

Marfat.com

تجارتی ترقی امن کی محتاج ہوتی ہیں۔قریش بردباری کا رویہ اختیار کرتے کیونکہ تجارتی مقاصد اور بیرون ملک کے راستوں کے امن و امان کے لیے قوت کا استعمال کام نہیں دیتا۔قریش اسلام سے قبل جنگوں میں شریک نہیں ہوئے ماسوائے فجار کی چار جنگوں کے، جو ہلکی جنگیں اور جھگڑے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فجار کی چوتھی (آخری) لڑائی میں شرکت فرمائی جب کہ آپ کی عمر شریف بیس برس تھی۔قریش نے ان جھگڑوں میں اعرابیوں پر فتح نہیں پائی۔کعبہ کے وجود نے، جس کی زیارت کے لیے عرب مختلف اطراف سے آتے، امن کو یقینی بنانے میں معاونت کی۔ اس وقت کعبہ کو ان کے تین سو ساٹھ بتوں نے گھیر رکھا تھا جن میں سے بعض مثلاً ہبل کو عمرو بن لحی الخزاعی شام سے لے کر آیا تھا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے ابراہیم علیہ السلام کے دین کو تبدیل کیا۔بتوں میں سے بعض کو مقامی طور پر بنایا گیا تھا اور بعض اساف اور نائلہ کی طرح کے پتھر تھے۔مکہ چونکہ عرب کی عبادت کا مرکز تھا لہٰذا اس نے قریش کو احترام بخشا، قبائل کے ساتھ ان کے انس کو یقینی بنایا، چنانچہ انھیں قبائل کی حمایت حاصل ہوئی اور نتیجتاً ان کی تجارت کو فروغ ملا۔

مکہ کی دیرینہ حرمت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔اس کی حیثیت ارض مقدس اور امن والے حرم کی رہی تا آنکہ اسلام کا ظہور ہوا۔اسلام نے اس کی حرمت و قدسیت کی تائید کی اور کعبہ کی تقدیس صرف مکہ والوں تک ہی محدود نہ رہی بلکہ پورے جزیرۃ العرب میں پھیل گئی اور اس کے مقابلے میں بیت الاقیصر، بیت ذی الخلصہ، بیت صنعاء، بیت رضاء اور بیت نجران جیسے بت خانوں کے چراغ گل ہو گئے۔اور ابراہہ نے کعبہ کی طرز کا بت خانہ قلیس صنعا میں بنایا تاکہ لوگ وہاں حج کے لیے جایا کریں لیکن اس کی کوشش بھی غارت ہوئی جب وہ ۵۷۰ء میں مکہ پر فوجی حملہ کرنے میں خائب و خاسر ہوا۔

مکہ کے پہلے مقیم جرہم پھر خزاعہ، پھر قریش تھے۔تاہم تاریخی معلومات کے برعکس اہم روایات قریش کے لیے مخصوص ہیں۔ان سے متعلق بیشتر معلومات تاریخی تحقیقات کے قابل ہیں، اور وہ قصے کہانیاں نہیں ہیں۔خصوصاً جب قصی بن کلاب نے قریش کے خاندانوں کو جمع کیا اور ان کے ساتھ مل کر مکہ کے معاملات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی جب کہ وہ پہلے خزاعہ کے ہاتھ

Marfat.com

میں تھی۔ چنانچہ قصی نے مکہ کو چار حصوں میں تقسیم کر کے اس کی حدود قریش کے درمیان معین کر دیں، یہ واقعہ پانچ صدی عیسوی کے نصف اول کا ہے، اس کے ساتھ سیاسی اور ادبی تاریخ کی باہم مطابقت ہوتی ہے کیونکہ جاہلی ادب کی تاریخ اسلام سے ۱۵۰ سال پہلے سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ حرم میں پتھر سے تعمیر کا دور شروع ہو گیا جب کہ یہ علاقہ اس سے پہلے عمارات سے خالی تھا اور یہاں درخت ہی درخت تھے۔ یہ درخت مقدس خیال کیے جاتے۔ انھیں کاٹا نہ جاتا تا آنکہ قصی نے انھیں کاٹا۔ پھر دوسرے لوگوں کو بھی انھیں کاٹنے کی جرأت ہوئی۔

قصی نے مکہ کی تنظیم قائم کی اور اپنی اولاد کے درمیان حجابت، سقایہ، رفادہ، لواء اور ندوہ کے فرائض تقسیم کیے۔

دارالندوہ کو قصی نے اپنے پاس رکھا اور اس کا دروازہ کعبہ کی طرف کھولا، قریش اس میں امن وسلامتی اور جنگی امور کے بارے میں مشورے کرتے، وہیں نکاح کی تقریبات ہوتیں اور ان سے متعلقہ معاملات کو طے کیا جاتا اور وہ مشورے اور حکمرانی کا مقام تھا جسے مکہ کے زعماء جو خاندانوں کے بڑے اور اصحاب الرائے ہوتے، چلاتے اور ان میں شاید ہی کوئی چالیس سال سے کم عمر کا ہوتا۔ لوگ ندوہ کے احکام کی عادۃً اور روایتاً پابندی کرتے۔ وہاں پر کوئی تحریری دستور نہ تھا اور نہ ہی مکہ میں کوئی رئیس، حاکم یا مالک تھا۔ ندوہ کے ارکان کا انتخاب قرعہ اندازی سے نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کی تقرری روایتی ہوتی تھی اور ہر سربراہ اپنی صلاحیتوں کو اپنے خاندان کی بھلائی کے لیے استعمال کرتا۔ قصی نے مکہ کے علاوہ باہر سے آنے والے تاجروں پر آمدنی کا ۱۰/۱ حصہ مقرر کر رکھا تھا جو مکہ کی مالیات کا ایک ذریعہ تھا۔ قریش میں قصی کے حکم کی تعمیل اسکے فضل وشرف اور سعادت مندی کے اعتراف کے طور پر دین کی پیروی کی طرح کی جاتی۔

سرداران مکہ عقائد، رسم ورواج اور مروجہ روایات پر شدت کے ساتھ قائم تھے تاکہ اپنے موروثی حقوق، اجتماعی مقام اور اقتصادی مصلحتوں کو یقینی بنائے رکھیں اور یہ سب کچھ مروجہ حالات اور اہل مکہ کی وحدت کی محافظت کے ضامن تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب اسلام کا اعلان ہوا تو انھوں نے اس کی مخالفت کی۔ اسلام کو انھوں نے وحدت قریش کے لیے خطرہ محسوس کیا اور مسلمانوں کی حبشہ اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت نے انھیں غضب ناک کر دیا۔

Marfat.com

قصی کے بیٹوں اور پوتوں نے مکہ کی خوشحالی کے لیے جد وجہد کو اپنا شعار بنالیا۔ اس طرح ان کے مقام و مرتبے کا اظہار ہوا اور ان کی سیادت کی راہ ہموار ہوگئی۔ جب ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ وہ کیسے کامیاب ہوئے، تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قصی ہی تھا جس نے قریش کو جمع کیا، مکہ میں انھیں بحال کیا اور مکہ کے امور کو منظم کیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے، سقایہ، رفادہ، حجابہ، لواء اور ندوہ کے فرائض کی ادائیگی میں مستعد رہے۔ ہاشم بن عبد مناف بن قصی نے ایلاف کے معاہدوں اور مکہ کی تجارت کے میدان میں وسعت پیدا کر کے اسے مقامی حدود سے نکال کر بین الاقوامی میدان میں لے جانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ انھوں نے قریش اور حاجیوں کی خدمت کے لیے متعدد کنوئیں کھدوائے۔

ہاشم کے بھائی مطلب عبادت، نیکی اور اخلاقی خوبیوں کو اپنانے کی ترغیب دینے اور ظلم و سرکشی کو ترک کرنے کی تلقین کرنے کے لیے معروف تھے۔ ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب اپنی سخاوت کے باعث فیاضی اور لوگوں کی طرف سے کثرت تعریف کے باعث شیبۃ الحمد کے نام سے مشہور تھے۔ چاہ زمزم کھودنے سے ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے تھے، جس کے پانی نے اپنی بہتات، اپنے دوام اور اپنے عمدہ ذائقہ کے باعث باقی تمام کنوؤں کے پانیوں پر فوقیت حاصل کر لی۔ چاہ زمزم کے کھودے جانے سے پہلے قصی کے بیٹے مکہ سے باہر واقع کنوؤں سے پانی لایا کرتے تھے۔

عبدالمطلب قریش میں سے کوئی بڑے غنی شخص نہ تھے اور نہ وہ مکہ کے واحد سردار تھے، لیکن کعبہ معظمہ کے معاملات سے تعلق اور حاجیوں کی خدمت نے انھیں مکہ کے عالی مقام لوگوں میں سے بنا دیا۔ اور وہی تھے جنھوں نے ابرہہ کا سامنا کیا جب اس نے آخری بار مکہ پر حملہ کیا۔ ظہور اسلام سے تھوڑی مدت قبل ابو طالب بن عبدالمطلب نے رفادہ اور سقایہ کو اپنے ہاتھ میں لیا، لیکن ان کے پاس اس کام میں خرچ کرنے کے لیے مال نہیں تھا، لہٰذا انھوں نے اپنے بھائی عباسؓ بن عبدالمطلب سے دس ہزار درہم ادھار لیے اور انھیں خرچ کیا اور جب رقم واپس نہ کر سکے تو رفادہ اور سقایہ سے سبک دوش ہو گئے اور انھیں عباس بن عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔

چنانچہ اس طرح سے رسول اللہ ﷺ کا خاندان ظہور اسلام کے وقت مکہ میں خصوصی معاشرتی مقام و مرتبہ کا حامل تھا باوجودیکہ وہ مالی لحاظ سے اوسط درجے کے لوگ تھے اور غالباً مکہ

Marfat.com

کے تاجروں کی نسبت کم صاحبِ ثروت تھے، جب کہ ظہور اسلام سے ذرا پہلے مال و دولت بنی عبد شمس، بنی نوفل اور بنی مخزوم کے پاس تھے، دیگر قریشی خاندانوں نے مکہ کی سیادت پر ان کے ساتھ جھگڑا کیا، جس کی ابتدا قصی کے بیٹوں کے مابین جھگڑے سے ہوئی اور وہ خاندانوں کی تقسیم پر منتج ہوا جو دو حصوں میں بٹ گئے:

ایک **مطیبون:** (بنو عبد مناف اور ان کے حلیف بنو اسد بن عبد العزیٰ، بنو زہرہ، بنو تمیم اور بنو حارث بن فہر)،

اور دوسرا **احلاف:** (بنو عبد الدار اور ان کے حلیف، سہم، جمح، مخزوم اور عدی)۔

کبھی ایک ہی خاندان میں نفرتیں اور جھگڑے واقع ہو جاتے جیسے امیہ بن عبد شمس اور اس کے ماموں ہاشم بن عبد مناف اور ان کے بعد ان دونوں کے بیٹوں حرب بن امیہ اور عبد المطلب بن ہاشم کے مابین۔ اور امن و سلامتی جو اسلام سے ذرا پہلے مکہ میں رائج ہوئی وہ مکہ کے معززین کے باقی رہنے میں معاون ہوئی، مدینہ کے معززین کے برعکس جنھیں داخلی جنگوں نے فنا کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ چنانچہ قریش کی طرف سے دعوت اسلام کی شدید مخالفت کے اسباب میں سے یہ ایک سبب تھا: (وہ سمجھتے تھے کہ اس دعوت کے باعث ان کی وحدت اور امن و سلامتی کو خطرہ ہے۔۔ مترجم)

عہد رسالت میں نمایاں ترین رجال میں سے الاسود بن المطلب، الاسود بن عبد یغوث الزہری تھے۔ وہ دونوں جاہلیت میں معززین قریش میں سے تھے اور رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ان دنوں مکہ کے زعماء میں سے ابو جہل اور مغیرہ بن ہشام مخزومی کے دو بیٹے حارث اور عمرو تھے۔ ابو جہل اور عمرو اسلام کے دشمن تھے۔ ان دونوں کا لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے قریب جانے سے روکنا اور ابو جہل کا کمزور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا مشہور تھا۔

انہی میں سے حکیم بن حزام بن خویلد، حکم بن العاص بن امیہ تھے اور ولید بن مغیرہ مخزومی جو بڑا دولت مند تھا، بڑا بننے والا، خود پسند، اسلام کا تمسخر اڑانے والا، مغرور اور متکبر تھا۔

انھی میں سے ابو امیہ سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس مسلمانوں کا دشمن اور ان کے خلاف اکسانے والا تھا۔

Marfat.com

ان زعماء میں سے عمرو بن عبدِ ود العامری تھا جو مشہور شہ سوار تھا۔
سہیل بن عمرو تھا جس نے صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں قریش کی نمائندگی کی تھی۔
اور حارث بن قیس بن عدی السہمی تھا جو اسلام اور اہل اسلام کا تمسخر اڑانے والوں میں سے تھا۔ ان میں سے عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس تھا۔
ان میں ابوسفیان صخر بن حرب تھا جو قریش کی بیرون ملک تجارت کا سربراہ تھا اور جنگی معاملات میں مکہ کا لیڈر تھا، اسلام کا مخالف تھا اور زعماء میں سے سب سے زیادہ اسلام سے ٹکر لینے والا تھا تاآنکہ اس نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔
اور اسی گروہ سے رسول اللہ ﷺ کا چچا عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب (ابولہب) مکہ کے اغنیاء میں سے تھا۔ اسلام کے خلاف اس کا رویہ سخت جارحانہ تھا۔
بلاشبہ یہ طاقتور زعماء کی ایک بڑی تعداد تھی جو دعوت اسلامی کے بالمقابل کھڑے ہوئے اور اسلام کے علانیہ دشمن تھے۔ انھوں نے اسلام قبول کرنے والوں کو مصائب میں مبتلا کیا جس کا اظہار ان مشکل حالات سے ہوتا ہے جن کا مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو سامنا تھا۔
لیکن وہ زعماء جنھوں نے اسلام قبول کیا یا مکی دور میں اہلِ اسلام کو نقصان نہ پہنچایا وہ عبدالمطلب کے بیٹے ابوطالب، حمزہؓ اور عباسؓ تھے۔ ان کے علاوہ ابوبکرؓ صدیق اور عمرؓ بن خطاب تھے۔

مکہ کی دینی حالت [1]

حضرت ہاجرہؑ اور ان کا شیر خوار بیٹا مکہ کے پہلے رہائشی تھے۔ ان کے بعد جرہم آئے اور انھوں نے زمزم کے جوار میں اپنا ٹھکانا بنالیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا پہلا گھر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے رسول تھے اور عقیدہ توحید کے داعی۔ جرہم نے دین ابراہیم کی پیروی کی تاکہ مکہ میں تعمیر کعبہ کے بعد ابتدائی نسلوں میں

[1] یہ اقتباس مختصر طور پر امام محمد بن عبدالوہاب کی تالیف " مسائل الجاهلية التي خالف فيها رسول الله اهل الجاهلية مع شرح محمود شكرى آلوسى " اور ڈاکٹر جواد علی کی کتاب " المفصل فى تاريخ العرب قبل الاسلام " کے چھٹے جزء اور محمود سلیم الحوت کی کتاب ''المیثولوجیا عند العرب'' سے لیا گیا ہے۔ آخری دونوں مصادر عقیدہ اسلامی سے متناقض ہیں کیونکہ یہ دونوں مؤلفین وحی و نبوت کے بارے میں استشراقی تحقیقات سے متاثر ہیں۔

Marfat.com

توحید بتمام وکمال محفوظ ہو جائے۔

ایسا لگتا ہے کہ بعد میں لوگوں کے دلوں میں عقیدہ توحید میں انحراف واقع ہونا شروع ہوا اور ان کا میلان بتوں کی پرستش کی طرف ہو گیا۔ اخبار و تاریخ کی کتابیں نشاندہی کرتی ہیں کہ عمرو بن اللحی الخزاعی ان بتوں کو شام سے مکہ لایا اور اس نے ان کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن لحی کے زمانے میں لوگوں کے دلوں میں ابراہیمی تعلیمات کا اثر کمزور پڑ چکا تھا اور غالباً دین کی تفصیلات ضائع ہو چکی تھیں جس سے لوگ شرک اور دیگر متعلقہ عقائد باطلہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جب اس صورت حال کو مؤرخین کے اقوال سے اخذ کیا جائے تو اس میں بکثرت تضاد و تعارض نظر آتا ہے۔ تاہم یہ تو ثابت ہے کہ عمرو بن لحی الخزاعی نے مکہ میں دین حق کے خلاف عادات و عقائد کو متعارف کروایا اور نبی ﷺ نے بصراحت فرمایا کہ آپؐ نے اسے خواب میں اپنی انتڑیوں کو آگ میں کھینچتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے جانوروں کو بتوں کے نام پر مخصوص کیا [1] اور ان پر بار برداری کو حرام قرار دیا، ان کو چراگاہوں سے روکا جاتا اور نہ پانی کے چشموں سے اور نہ ہی ان پر کوئی سوار ہوتا۔ یہ ایسی تحریم ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اذن نہیں دیا، اگرچہ اسے بتوں کی نذر کے ساتھ نہ بھی جوڑا جائے، اور اگر ایسا کیا جائے تو وہ شرک ہے۔

یہ مؤرخین کی عمرو بن لحی کے اقدام کی تصدیق ہے۔ یہ یقیناً تاریخی بنیاد کی شہادت پر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دین ابراہیمی میں تحریف، اور اہل مکہ اور بیرون مکہ میں شرک کی اشاعت میں اس کا اثر ہے۔

جاہلیت کے عقائد اور مشرکین کے ساتھ دینی کشمکش اور ان کے عقائد کی بصراحت تردید کرنے والا سب سے زیادہ قابل اعتماد ذریعہ قرآن کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وضاحت فرمائی ہے کہ عرب کے مشرکین اللہ کے تقرب کے لیے مزعومہ خداؤں کی پرستش کرتے تھے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں۔

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَآءُ نَا عِنْدَاللّٰهِ ﴾ [یونس:18]

---

[1] اسے بخاری نے بیان کیا ہے، جیسا کہ فتح الباری میں ہے: ۶/۵۴۷۔ ۸/۲۸۳۔

Marfat.com

(یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کر رہے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں)

وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے لیکن وہ اپنے مزعومہ خداؤں سے اس کی جناب میں سفارش کے طالب ہوتے تھے۔

﴿ءَ اِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى﴾ [الانعام ١٩:]

(کیا واقعی تم لوگ یہ شہادت دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہیں؟)

وہ بتوں کی پرستش کرتے اس اعتقاد کے ساتھ کہ روحیں ان پر نازل ہوتی ہیں جیسا کہ مؤرخین نے بیان کیا ہے۔ یہ بت پرستی ان کے شعائر، عادات اور اعتقادات کے ساتھ مسلسل ایک زمانے سے تقلید کے سبب مربوط چلی آ رہی تھی۔ چنانچہ ہر نسل اپنے اسلاف سے اس بت پرستی کو ورثے میں پاتی اور اس نے مرور ایام کے ساتھ اسلاف کی تعظیم میں رسوخ حاصل کر لیا تھا۔

﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [الزخرف ٢٢:]

(ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انھی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں)

تقلید نے انھیں اپنی صدیوں کی میراث کی چھان بین، عقل کے فیصلے اور صحیح دلیل کی قبولیت سے اندھا کر رکھا تھا۔ ان کے عقیدہ کا انحراف ان کی عبادت، مسلک، شعائر اور شرائع میں انحراف کا باعث بنا۔ جونہی حج کے مناسک کا موقع آتا، وثنیت (بت پرستی) ان میں داخل ہو جاتی جب کہ کعبہ کے گرد بت رکھ دیئے جاتے اور بعض اوقات ان کے گرد ننگے ہو کر طواف کرتے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریش عرفات تک نہ جاتے بلکہ دوسرے لوگوں سے الگ مزدلفہ میں رک جاتے۔ وہ حرمت والے مہینوں میں مکھن اور پنیر استعمال نہ کرتے، بھیڑ بکری اور گائے کو نہ باندھتے، اون اور اونٹ کے بالوں کو نہ کاتتے، بالوں کے خیموں میں داخل ہوتے اور نہ اینٹوں سے بنے ہوئے مکان میں، بلکہ وہ سرخ قبوں میں پناہ لیتے۔ پھر انھوں نے عربوں پر بلا استثنا لازم کر دیا تھا کہ وہ جب الحل (میقات) میں داخل ہوں تو اپنے زاد راہ پھینک دیں اور الحل کے

Marfat.com

لباس اتار دیں اور حرم کے لباس پہن لیں، خواہ وہ انھیں خریدنے پڑیں، یا مستعار لینے پڑیں اور خواہ انھیں کوئی ہبہ کر دے، اور اگر وہ یہ لباس نہ پاتے تو عریاں ہو کر طواف کرتے۔ یہی کچھ انھوں نے عرب کی عورتوں پر لازم کر رکھا تھا مگر وہ پچھلے حصے میں ستونوں کے درمیان والے راستہ میں طواف کیا کرتیں۔ اس طرح سے انھوں نے ایسی بدعات اور طریقے جن کا اللہ نے حکم نہیں دیا تھا، اس دعوے کے ساتھ اپنا لیے کہ وہ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کا تصور ناقص تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں حق سے منحرف تھے۔﴿ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ ﴾[الاعراف:۱۸۰] (اوران لوگوں کو چھوڑ دو جو اس (اللہ تعالیٰ) کے نام رکھنے میں راستی سے منحرف ہو جاتے ہیں)۔ وہ اس کی بعض صفات کے منکر تھے اور اس کے ایسے نام رکھتے جو توقیفی نہ تھے یا جن سے غلط معنی کا تاثر ملتا۔ اس کی ذات میں اولاد و احتیاج جیسے نقائص منسوب کرتے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں خیال کرتے نیز انھوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ جنوں کو شریک بنا رکھا تھا۔﴿ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ ﴾[الانعام:۱۰۰] (اس پر بھی لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا)﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾[النحل:۵۷] (یہ خدا کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! اور ان کے لیے جو یہ خود چاہیں؟) وہ تقدیر کے منکر تھے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خلاف دلیل لیتے تھے۔﴿ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ ﴾[الانعام:۱۴۸]

(اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے)

وہ حیات بعد ممات سے انکار کرتے تھے۔

﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ﴾[النحل:۳۸]

(یہ لوگ اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ''اللہ کسی مرنے والے کو پھر سے زندہ کر کے نہ اٹھائے گا۔'')

پس کسی الٰہ کے لیے ان کی عبادتیں اور بتوں کے لیے قربانیوں اور نذروں کے ساتھ ان کا تقرب آخرت کے لیے نہ تھا بلکہ اس دنیا کے مفادات کے حصول کے لیے تھا مثلاً مال و

Marfat.com

دولت میں اضافہ اور شر وضرر سے بچاؤ، کیونکہ وہ آخرت سے بے خبر تھے۔اور حیات بعد ممات کے عام منکرین میں سے بعث کی بات کرنے والے چند جاہلی شعراء وغیرہ مستثنیٰ تھے۔ تاہم مؤرخین نے ان کا کوئی ایسا نظریہ نقل نہیں کیا کہ موت کے بعد کیا ہوگا؟

وہ مصائب کے نزول کو---جن میں سے ایک موت بھی تھی---زمانے سے منسوب کرتے تھے:

﴿ وَقَالُوْا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا یُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ ﴾[الجاثیہ:۲۴]

(یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو)

وہ عبادات میں کمی بیشی اپنی خواہشات کے تحت کر لیتے، حج سے عرفہ کا وقوف چھوڑ دیتے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''قریش اور ان کے دین کو اپنانے والے مزدلفہ میں ٹھہر جاتے اور وہ الحمس کہلاتے جب کہ سارے اہل عرب کا وقوف عرفات تھا۔جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو عرفات پہنچنے کا حکم دیا کہ وہاں وقوف کریں، پھر وہاں سے لوٹیں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول ہے:

﴿ ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ﴾[البقرۃ:۱۹۹] [1]

(پھر جہاں سے اور سب لوگ پلٹتے ہیں وہیں سے تم بھی پلٹو)

ان کے انحراف کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ زمین پر سب سے بڑا گناہ ہے۔اور جس چیز کا انھوں نے عبادت میں اضافہ کیا وہ مسجد حرام میں المکاء وتصدیہ تھا، یعنی سیٹیاں اور تالیاں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا كَانَ صَلٰوتُهُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِیَةً ﴾[الانفال:۳۵]

(اور بیت اللہ کے پاس ان لوگوں کی نماز کیا ہوتی ہے؟ بس سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے ہیں)

وہ لات اور عزیٰ کی قسمیں کھاتے اور ستاروں سے بارش کی دعا کرتے۔ بالآخر ان

---

[1] اسے مسلم نے روایت کیا ہے:۲/۸۹۳۔۸۹۴، حدیث نمبر:۱۲۱۹۔اور یہ آیت سورۃ بقرہ کی آیت ۱۹۹ ہے۔

Marfat.com

کے اخلاق، رسوم اور عادات کی اکثر برائیاں اسلام کے ذریعے منہدم ہوئیں۔ جیسا کہ اپنے حسب ونسب کے ساتھ فخر اور دوسروں پر طعن۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جاہلیت کے چار امور میری امت میں پائے جائیں گے جنھیں وہ ہرگز نہ چھوڑیں گے: حسب کے ساتھ فخر، نسب میں طعن، نجوم سے بارش کی دعا، اور نوحہ۔'' (بخاری) ❶

جاہلیت کی خصلتوں میں سے ایک یہ تھی کہ دوسروں کو ان کی ماؤں اور باپوں کے کسی فعل پر عار دلاتے، اور مسجدِ حرام کی ولایت پر فخر کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴾ [المؤمنون:٦٧]

(اپنے گھمنڈ میں (کلام الٰہی کو) خاطر ہی میں نہ لاتے تھے، اپنی چوپالوں میں اس پر باتیں چھانٹتے اور بکواس کیا کرتے تھے)

اور ان کی ایک جاہلانہ صفت یہ تھی کہ ان کی نظروں میں دنیا، مال و دولت اور اہل ثروت کی عظمت کا احساس تھا جس پر دلالت یہ آیت قرآن کرتی ہے:

﴿ وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴾

[الزخرف:٣١]

(منکرین) کہتے ہیں، ''یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟'')

وہ فقراء وضعفاء کو بنظر حقارت دیکھتے۔ پیش گوئی کے لیے کنکریاں پھینکتے، پرندوں کی آوازوں اور گزرگاہوں سے اچھا یا برا شگون لینے کا پیشہ اپناتے، فال بد لیتے اور کہانت کو اختیار کرتے، وہ جنوں کے ڈر سے ان سے پناہ مانگا کرتے۔ ﴿ وَ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴾ [الجن:٦]

(جنوں نے کہا) یہ کہ ''انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، اس طرح انھوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔'')

اور بعض لوگوں نے جاہلیت اور اسلام میں مناسکِ حج اور دیگر عبادات کے شعائر کی مشابہت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلامی تعلیمات

❶ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ فتح الباری: ١٥٦/٧۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔ صحیح مسلم: ٦٤٤/٢، حدیث نمبر: ٩٣٤۔

Marfat.com

طریقہ کار کے جزوی تغیر کے ساتھ زمانہ جاہلیت کی ہی کھینچ تان ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت کے بعض شعراء نے عقیدہ توحید کا دعویٰ کیا تھا۔ کعبہ کا حج پہلے سے موجود تھا، حرمت والے مہینوں کو بھی مقدس سمجھا جاتا تھا، قضا و قدر مع قوت نافذہ کے افکار کی قبولیت بھی پائی جاتی تھی اور اس کے علاوہ مروّت، صدق، سخاوت اور شجاعت کی طرف دعوت میں بھی مشابہت پائی جاتی تھی۔

لیکن اس باہم مشابہت کا صحیح ادراک وحی و نبوت کے فہم کے بغیر ممکن نہیں۔ دین ابراہیم علیہ السلام نے مکہ اور اس کے گرد و نواح میں اپنی تعلیمات، عبادات اور دینی اقدار کے اثرات چھوڑے تھے۔ نیز بعد میں آنے والے انبیاء علیہم السلام نے جزیرۃ العرب کے ساحلوں تک ایک طویل عرصہ مذاہب کی صحیح تعلیمات پہنچائی تھیں۔ (چنانچہ وحی و نبوت کی وہ باقیات تھیں جو اسلام نے اپنے اندر سمو لی تھیں)۔

اسلام کا کامل شعور اس بات کی تائید کرتا ہے کہ یہ دین اس زمانے کی مروجہ فکری واجتماعی روایات کو ختم کرنے کے لیے آیا تھا نہ کہ سابقہ صورت حال کے تسلسل کے لیے۔ اور اس نے جاہلی روایات کو جس قدر برقرار رکھا اس سے کہیں زیادہ انہیں منہدم کیا۔

وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام مکہ کی فکری و اجتماعی فضا کا تسلسل، ارتقاء اور انعکاس ہے، اس سے ان کی مراد قرآن کو کلام بشر ثابت کرنا اور وحی و نبوت سے انکار ہے۔ [1]

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کو مکہ میں بالخصوص اور جزیرۃ العرب کے گرد و نواح میں بالعموم جس شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تصورات غلط ہیں کہ اسلام کے پیش نظر عرب کی آرزوؤں کی تسکین، اس کے اتحاد اور اس کی عدالت اجتماعیہ کی حفاظت تھی۔

---

[1] حسین مروۃ متوفی ۱۹۸۷ء اپنی کتاب "النزعات الحادیة فی الفلسفة العربیة الاسلامیة" ۱/ ۸۰ میں قرار دیتا ہے کہ اس وقت جاہلی معاشرہ پیش آنے والے شدید مادی اختلافات کی وجہ سے جس تاریخی تبدیلی کا تقاضا کر رہا تھا اسلام اس کا اصول پسندانہ جواب تھا۔ میکسم رودنسون کی تالیف "حیاة النبی والمشکلة الاجتماعیة لاصول الاسلام" جو پیرس میں ۱۹۵۷ء کو مجلّہ دیوجین میں شائع ہوئی۔ دیکھیے: اس کا ترجمہ و تعلیق از ڈاکٹر زینب رضوان، مجلّہ الفکر العربی، عدد ۳۲، سال پنجم، حزیران ۱۹۸۳ء، ص ۱۷، ۱۸، ۱۹۔ وہ اسلام کے بارے گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے: "کیسا بھی نظریاتی انقلاب ہو، جسے کوئی فرد لانا چاہے یا کوئی گروہ، تاریخی تجربہ بتاتا ہے کہ اس کی کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب وہ معاشرے کی فی الجملہ ضروریات کا مکمل اور پورا جواب دے۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ اتحاد اور معاشرتی عدل تقاضوں کا شعور عالم انسانیت کے بکثرت آباد گوشوں میں آج تک کمزور چلا آ رہا ہے۔ اقتدار پر اجارہ، اجتماعی ظلم و زیادتی، شرافت کی تذلیل، انسانی حقوق کی عدم پاسداری ایک مشکل اور لاعلاج مرض کی تصویر ہے جو مسلسل نظر آ رہی ہے، اور عربوں کا تو ذکر ہی کیا کہ جن پر اسلام سے ذرا پہلے تک بدویت چھائی ہوئی تھی اور وہ انتشار میں مبتلا تھے... وہ حقوق جو انسان نے حاصل کیے ہیں، مثلاً زندگی و ملکیت کا حق، مشورے کا حق، عقیدہ کی آزادی کا حق، حقوق عامہ میں برابر کے مواقع، قانون اور عدالت کی نظر میں برابری اور حقوق نسواں کسی اجتماعی جدوجہد کا نتیجہ نہ تھے، جیسا کہ مغربی تہذیب کے زمانے میں واقع ہوا۔ بلکہ انسان نے انھیں غیر محدود اقتدار کی مالک ہستی سے بواسطہ شریعت حاصل کیا ہے۔ اور اگر خلفائے راشدین کے زمانے کے بعد اسلامی معاشرے ان کے معیار کو قائم نہیں رکھ سکے بلکہ انسانی حقوق میں کمی اور ظلم و زیادتی واقع ہوئی تو اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے شعور کے اس معیار کو قائم نہیں رکھا جو انھیں سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حقوق حاصل کرنے کے قابل بناتا ہے، نہ کہ اس کی ذمہ داری خود اسلام پر عائد ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ظاہری اوصاف

رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوبرو انسان تھے، آپ ؐ سرخی مائل گورے رنگ کے تھے۔ چہرہ گولائی لیے ہوئے نہایت حسین و جمیل تھا، دہن مبارک فراخ تھا۔ آنکھیں فراخ، بال قدرے خمدار --- نہ بالکل سیدھے اور نہ زیادہ پیچدار، کبھی کانوں کی لو تک پہنچتے، کبھی کانوں اور شانے کے درمیان تک اور کبھی دونوں شانوں تک دراز ہوتے۔ آپ کے سیاہ بالوں میں بہت کم سفیدی آئی۔ آخری عمر میں صرف بیس بال سفید تھے، کچھ سر میں، کچھ دہن کے اور کچھ کنپٹیوں کے نیچے۔ خوشبو کے استعمال کے اثر سے بعض بال سرخی مائل تھے۔

آپ ؐ کا قد میانہ اور وزن متوسط تھا۔ آپ ؐ نہ نحیف و نزار تھے اور نہ جسیم، سینہ چوڑا، ہتھیلیاں اور پاؤں پُر گوشت تھے۔ ہتھیلیاں فراخ تھیں اور نرم و گداز۔ ایڑیوں پر گوشت بہت کم تھا، آپ ؐ کے بائیں کندھے کے بالائی حصے پر بالوں نے غنچے کی طرح مجتمع ہو کر مہر نبوت کی

Marfat.com

صورت اختیار کر رکھی تھی۔ ❶

یہ وہ صفات ہیں جو ظاہری حسن و جمال، جسمانی کمال اور ان عظیم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی قدرت پر جو آپ کے سپرد تھیں، دلالت کرتی ہیں۔ آپ کے سراپا میں آپ کے دشمنوں کو کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس سے آپ کو معیوب کرتے یا جس کے ساتھ بطور اہانت کسی لقب سے موسوم کرتے۔ آپ اپنی جبلی ساخت کے حسن میں اضافے اور اپنے حواس و اعضا کی سلامتی کے لیے اپنے سراپا کو صفائی، خوبصورتی اور خوشبو سے معطر رکھنے کا اہتمام فرماتے۔

جہاں تک آپ کی اخلاقی صفات کا تعلق ہے تو ان کی قرآن کریم نے توصیف فرمائی ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ [القلم:۴]

(اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

(کان خلقه القرآن) (مسلم) ❷

قرآن کریم ہی آپ کا اخلاق تھا۔

آنحضور ﷺ کی سیرت اور متعلقہ احادیث کے مطالعہ سے آپ کی اخلاقی صفات کی یہ صورتیں نظر آتی ہیں:

تواضع عظمت کے ساتھ، حیا شجاعت کے ساتھ، جودِ صادق شوق شہرت کے بغیر، لوگوں کے مابین امانت کی شہرت، قول و فعل میں سچائی، دنیا پاس آنے پر اس سے بے نیازی، اس کے چلے جانے پر اس سے بے رغبتی، ہر عمل میں اللہ کے لیے اخلاص، زبان کی فصاحت،

---

❶ سلیمان عودہ کی تالیف "السيرة النبوية في الصحيحين وعند ابن اسحق" ص ۱۴۳، ۱۴۵۔ یہ مکی دور سے متعلق جامعہ اسلامیہ محمد بن سعود کے کلیہ علوم اجتماعیہ کا ۱۴۰۶ھ / ۱۴۰۷ھ سال کے لیے پی۔ ایچ۔ ڈی کا ایک مقالہ ہے۔ مقالہ نگار نے اس میں نبی کی تمام صفات بخاری و مسلم سے لکھی ہیں۔ میں نے اس وصف کے متعلق تمام روایات کو آپس میں جوڑ دیا ہے۔ میں نے ان روایات کا احاطہ کرنے کے لیے ایم۔ اے کے اس مقالہ سے استفادہ کیا ہے جسے میری نگرانی میں عادل عبدالغفور نے تیار کیا ہے اور یہ مکی دور کی مرویات سیرت پر مشتمل ہے۔ اسراء و معراج کے واقعہ کے ساتھ ہی موقوف ہو جاتا ہے۔

❷ مسلم الصحيح: ١/ ٧٤٦.

Marfat.com

احساسات، گنہگار سے عفو و درگزر، شدت کے مواقع پر صبر اور حق بات کہنے کی جرأت اور سختی سے عدم تعلق تھا۔

نبی ﷺ --- اللہ کا انتخاب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ﴾ [الانعام:۱۲۴]

(اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے)

یہ نبوت کا چناؤ ہے اور صحیح حدیث میں ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو چنا اور قریش کو کنانہ میں سے چنا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چنا۔'' ❶ یہ نسبی چناؤ ہے

دوسری صحیح حدیث میں ہے:

''بنی آدم کے بہترین زمانے میں میری بعثت ہوئی، چنانچہ زمانے گزرتے رہے حتیٰ کہ وہ زمانہ آ گیا جس میں کہ میں ہوں۔'' ❷ یہ زمانے کا چناؤ ہے۔

انساب کے ماہرین عدنان تک آنحضور ﷺ کے نسب پر متفق ہیں۔ اگرچہ کوئی صحیح حدیث آپؐ کے نسب کو نقل نہیں کرتی لیکن اس کے بعض سے متعلق صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں جو شخص زمانۂ نبوت اور اس سے پہلے انساب کے بارے میں عربوں کے بڑے اہتمام سے واقف ہے، وہ اس بات کا ادراک رکھتا ہے کہ آپؐ کے نسب کا عدنان تک کا سلسلہ کسی بڑی توثیق کا محتاج نہیں ہے۔ علمائے نسب اور مؤرخین ہمیشہ اس پر متفق رہے ہیں، جب کہ اس کا علم اس زمانے میں ایک ضرورت تھی۔

آپؐ کا نسب جسے علما نقل کرتے چلے آ رہے ہیں، یوں ہے:

---

❶ مسلم الصحیح: شرح النووی: ۱۵/ ۲۶.

❷ صحیح بخاری: ۶/ ۵۶۶۔ اس زمانہ کے متعلق معلومات کے لیے فتح الباری: ۶/ ۵۷۴۔ دیکھیے: آپؐ کی طہارت نسب کے متعلق بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں اور اس بارے میں بھی کہ آدم علیہ السلام سے لے کر آپؐ تک کے سلسلہ نسب میں کسی مقام پر بھی زنا و بدکاری داخل نہیں ہوئے۔ مگر یہ تمام احادیث نہایت کمزور اور سخت ضعیف ہیں اور ہمیں ان احادیث کی کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ مبالغہ آرائی سے خالی صحیح احادیث ہی کافی ہیں۔ ان میں سے کچھ بیہقی کی دلائل النبوۃ ۱/ ۱۷۴، ۱۷۵ میں دیکھیں۔ موضوعات ابن جوزی: ۱/ ۲۸۱، ۲۸۲۔ تاریخ دمشق (السیرۃ) ۱/ ۲۰۲، ۲۰۳ اور طبرانی کی المعجم الکبیر: ۸/ ۱۶۵، ۱۶۶ میں بھی ایسی احادیث دیکھی جا سکتی ہیں۔

Marfat.com

''محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مُرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن معد بن عدنان۔'' ❶

اور آپؐ کی والدہ محترمہ بنت وہب، بنی زہرہ سے تھیں۔

ابوسفیان نے ہرقل کے سامنے نبی ﷺ کی عالی نسبی کا اقرار کیا جب کہ اس نے ان سے پوچھا: ''تمہارے درمیان اس کا نسب کیسا ہے؟'' تو ابوسفیان نے جواب دیا: ''وہ ہم میں عالی نسب ہے۔'' اس پر ہرقل نے کہا: ''اسی طرح رسول علیہ السلام اپنی قوم کے اعلیٰ نسب میں مبعوث کیے جاتے ہیں۔'' ❷

زمزم کی کھدائی

مکہ میں نبی ﷺ کے خاندان کی عمدہ شہرت تھی۔ قصی ہاشم کے جد امجد تھے اور ہاشم نبی ﷺ کے والد جناب عبداللہ کے جد امجد تھے جو اپنے زمانے کے قریش میں سے نمایاں ترین فرد تھے۔ وہی تھے جنھوں نے مکہ کے نظم و نسق کو دارالندوہ کے قیام کے ساتھ منظم کیا جس میں سرداران قریش اپنے اجتماعات منعقد کیا کرتے۔ نیز انھوں نے حاجیوں کو کھانا کھلانا (رفادہ) اور انھیں پانی پلانا (سقایہ) حج کے مناسک انتظامات اور حربی معاملات (لواء) کو قریش کے خاندانوں میں تقسیم کیا۔

آپؐ کے خاندان نے عبدالمطلب کے زمانے میں اپنے مقام و مرتبہ کو بحال رکھا جنھوں نے چاہ زمزم کی کھدائی کی بنا پر شہرت حاصل کی جو کئی صدیوں سے مکہ کے آبی چشموں میں سے سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ باقی ہے۔

چاہ زمزم کی کھدائی کے قصے سے متعلق ہماری معلومات کا مستند ذریعہ صحابی جلیل علیؓ بن ابی طالب ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے کہ چاہ زمزم کے ظہور کے قریبی زمانے میں اس سے متعلق روایات مشہور و معروف تھیں اور غالباً حضرت علیؓ نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے زمانے میں اپنے

---

❶ صحیح بخاری ٤/٢٣٨ کے کتاب مناقب الانصار کے باب مبعث النبی میں سند کے بغیر اور خلیفہ بن خیاط کی تالیف الطبقات ۳۔

❷ صحیح بخاری (فتح الباری: ١/٣١، ٣٢) کتاب بدء الوحی۔

Marfat.com

والدعبدالمطلب سے اسے سنا۔نقل روایت کا طریقہ سند حسن کے ساتھ حضرت علیؓ تک، ابن اسحاق کی روایت سے سماع کی صراحت کے ساتھ ہے۔

جناب عبدالمطلب کی بیان کردہ حکایت کا خلاصہ یوں ہے: انھوں نے چار راتوں میں خواب دیکھا کہ ایک آنے والا انھیں کنواں کھودنے کا حکم دے رہا ہے، بغیر اس کے کہ اس کی جائے وقوع کی نشاندہی کرے، چوتھی مرتبہ خواب میں آنے والے نے انھیں کنوئیں کے موقع کی تعیین کی اور بصراحت بتایا کہ اس کا نام زمزم ہے۔ چنانچہ جناب عبدالمطلب نے اسی جگہ کی کھدائی کی اور پانی ظاہر ہوگیا۔اس پر قریش نے ان کے ساتھ جھگڑا کیا اور پانی میں ان کے ساتھ شراکت کا مطالبہ کیا مگر انھوں نے قبول نہ کیا، تاہم فریقین نے (شام میں) ایک کاہنہ سے ثالثی کرانا طے کرلیا، لیکن اس تک رسائی سے پہلے جناب عبدالمطلب اوران کے ساتھیوں کا پانی ختم ہو گیا اور صحرا میں اپنے پانی کو محفوظ رکھنے کی خاطر قریش کے دیگر خاندانوں نے انھیں اپنے ساتھ شریک کرنے سے انکار کردیا۔ جب عبدالمطلب اوران کے ساتھی ہلاکت کے کنارے پہنچ گئے اور اپنی قبریں کھودلیں تو اس وقت اچانک عبدالمطلب کی اونٹنی کے پاؤں کے نیچے سے پانی پھوٹ پڑا۔ چنانچہ سب لوگوں نے پانی پیا، اس کو قریش نے زمزم کے پانی پر عبدالمطلب کے زیادہ حق دار ہونے کی علامت سمجھا۔لہٰذا انھوں نے زمزم کو ان کے سپرد کردیا۔

اس واقعہ اور پانی پر قبضہ دونوں چیزوں نے بلاشبہ مکہ میں بنی ہاشم کے مقام ومرتبہ کو بلند کردیا، ❶ لیکن وہ آثار جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ کنوئیں میں ظاہر ہوئے مثلاً سونے کا ہرن اور چاندی کی تلواریں، ان کے بارے میں روایت صحیح نہیں۔ ❷

---

❶ ابن هشام کی سیرت: ۱/ ۱۳۱، ۱۳٤۔ ابن اسحق کی السیر والمغازی: ٢٤، ٢٥۔بیہقی کی دلائل النبوۃ: ۱/۹۳۔۹۵، ازرقی کی اخبار مکہ: ۲/۴۴، ۴۶ اور یہ تمام لوگ ابن اسحٰق کے طریق سے بیان کرتے ہیں۔

❷ محمد بن حبیب کی المنمق ۳۳۴ میں عبدالاعلیٰ بن ابوالمساور کے طریق سے اور یہ متروک راوی ہے جیسا کہ تقریب التہذیب ۳۳۲ میں ہے۔عبدالرزاق کی المصنف ۵/۳۱۴ میں زہری کے طریق سے مرسل بیان ہوا ہے اور اس کی مرسل روایات ضعیف ہیں۔ابن سعد کی الطبقات ۱/۸۵ میں ایسی سند سے ہے جو ابومجلز سدوسی متوفی ۱۰۹ھ تک ضعیف ہے، کیونکہ اس میں خالد بن خداش ہے یہ اگرچہ صدوق ہے مگر مرسل روایات میں خطا کرتا ہے۔اسی طبقات میں ہشام کلبی کے طریق سے روایت ہے اور یہ راوی متروک ہے۔ابن ہشام کی السیرۃ ۱/۱۳۴، ۱۳۶ میں ابن اسحٰق کی روایت سے بغیر سند کے ہے۔ابوعبید کی غریب الحدیث ۴/۲۶ میں حاشیہ پر ہے جو سعید بن مسیب تک اگرچہ حسن سند کے ساتھ ہے مگر وہ عبدالمطلب تک اس کی کوئی شناخت نہیں بتاتے۔

Marfat.com

تاہم خبر کے متعدد ذرائع (مثلاً سعید بن مسیبؒ اور زہریؒ) اس تاریخی واقعے کی تائید کرتے ہیں جب کہ شریعت اور عقیدہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

جناب عبدالمطلب کی نذر

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح نقل ہوا ہے کہ انھوں نے کہا: ''عبدالمطلب بن ہاشم نے نذر مانی کہ اگر ان کے دس بیٹے ہوں تو ان میں سے ایک کی قربانی دیں گے۔ جب ان کے دس بیٹے پورے ہو گئے تو انھوں نے قرعہ اندازی کی کہ ان میں سے کس کو ذبح کریں۔ قرعہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے نام نکلا جب کہ وہ انھیں سب لوگوں سے زیادہ پیارے تھے۔ تو عبدالمطلب نے کہا: اے اللہ! عبداللہ ہی یا سو اونٹ؟ پھر جناب عبداللہ اور سو اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ سو اونٹوں پر نکلا۔ [1] اور روایت ظاہر کرتی ہے کہ یہ (نذر) خاندان کے رسم و رواج میں چلی آ رہی تھی۔ اور زہریؒ اور ابومجلزؒ کی مرسلہ روایات نے واضح کیا ہے کہ نذر اس وقت مانی گئی جب عبدالمطلب نے کنواں کھودا اور انھیں اپنی قوم کی طرف سے اذیت پہنچی۔ [2] اور نذر کے موقع کی روایت دوسرے کئی طریقوں سے بھی وارد ہوئی ہے لیکن وہ نہایت ضعیف ہیں جن کو واقدی اور ابن ابی سبرہ اور ان جیسوں نے روایت کیا ہے۔ [3]

کسی صحیح روایت نے عبدالمطلب کے اس ارادہ کی تاریخ کی تعیین نہیں کی کہ وہ اپنے بیٹے عبداللہ کو ذبح کرنے کی نذر کو کب پورا کریں گے۔ لیکن واقدی سے ایک ضعیف روایت کا ذکر ہے کہ یہ نبی ﷺ کی ولادت سے پانچ سال قبل واقع ہوا [4] اور غالباً یہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے

---

[1] ابن جریر طبری کی تاریخ ۲/ ۲۳۹، ۲۴۰ میں صحیح سند سے ہے اس کے رجال ثقہ ہیں۔ ابن ابی شیبہ کی المصنف ۴/ ۱/ ۵۵ میں ابن عباس سے ایک دوسری صحیح سند کے ساتھ۔ امام مالک نے مؤطا میں نذر مشابہ کے بارے میں ابن عباس کے فتویٰ سے متعلق ایک روایت کے اتمام کے لیے ابن عباس سے ہی ایک دوسری سند کے ساتھ ایک حدیث کا ٹکڑا بیان کیا ہے جو طبری کی روایت کو تقویت پہنچاتا ہے۔ (مؤطا: ۲/ ۴۷۶)

[2] مصنف عبدالرزاق: ۵/ ۳۱۶، ۳۱۷۔ دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/ ۸۷۔ ان دونوں نے زہری سے اور طبقات ابن سعد: ۱/ ۸۴، ۸۵ میں ابومجلز تک سند حسن کے ساتھ، مگر یہ روایت مرسل ہے۔

[3] ابن سعد نے طبقات (۱/ ۸۸، ۸۹) میں بیان کی ہے۔

[4] امام حاکم کی کتاب المستدرک: ۳/ ۴۸۲، ۴۸۳۔ امام طبری کی تفسیر: ۲۳/ ۸۵۔ ابن کثیر کی تفسیر: ۴/ ۱۸۔ مزید دیکھیے: البانی: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۱/ ۳۳۷۔

Marfat.com

حکیم بن حزام بن خویلد الاسدیؓ صحابی سے موسیٰ بن عقبہؒ کی روایت کے مطابق ہے۔ انھوں نے کہا: ''میں عام الفیل سے تیرہ سال قبل پیدا ہوا اور مجھے یاد ہے جب عبدالمطلب نے عبداللہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔'' (1)

یہ واقعہ اس طرف اشارہ کرتا ہے جو تقدیر الٰہی نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت عبداللہ بن عبدالمطلب سے ہوگی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حیات عبداللہ کی حفاظت فرمائی اور عبدالمطلب کو عبداللہ کے ذبح کرنے سے روک دیا۔

جناب عبداللہ کا بی بی آمنہ سے نکاح

تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جناب عبداللہ بن عبدالمطلب نے بی بی آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب سے نکاح کیا اور بنوزہرہ قریش کا قبیلہ ہے۔ عبدالمطلب نے ہالہ بنت وہیب سے نکاح کیا تھا اور وہیب بی بی آمنہ کے چچا تھے اور انھوں نے اس کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ نکاح کی تفصیلات صحیح روایتوں سے نہیں آئیں کیونکہ ان کا انحصار ہشامؒ، کلبیؒ، عبدالعزیزؒ بن عمران اور واقدی پر ہے، اور محدثین کے ہاں یہ سب متروک ہیں۔ (2) لیکن نکاح کا موضوع اور سسرالی تعلقات بالتفصیل مکمل ہیں۔ کسی ثقہ سند کے محتاج نہیں۔

افترا پردازوں نے جناب عبداللہ کی شخصیت کے گرد ایک کہانی کا جال بن دیا ہے جس سے نبی ﷺ کی ولادت سے متعلق مبالغہ آرائی کے ساتھ ایک افسانوی قصے کو منسوب کیا گیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ایک رُسوا عورت --- پھر کہا کہ ایک عصمت فروش عورت، پھر کہا کہ ایک کاہنہ، اور چوتھی مرتبہ کہا کہ عبداللہ کی دوسری بیوی --- نے عبداللہ کو خواہش نفس کے لیے اپنی طرف بلایا، کیونکہ اس نے ان کی آنکھوں میں نور دیکھ رکھا تھا۔ لیکن انھوں نے اپنی بیوی بی بی

---

(1) حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الاصابة: ۲/ ۱۱۲۔

(2) طبرانی کی المعجم الکبیر ۳/ ۱٤۹۔ امام حاکم کی مستدرك: ۲/ ٦۰۱۔ ابونعیم کی الدلائل: ۱/ ۱٦۱۔ عبدالعزیز بن عمران کی سند سے۔ ابن سعد کی طبقات کبریٰ: ۱/ ۸٦، ہشام کلبی کے طریق سے اور طبقات: ۱/ ۹٤، ۹۵ میں کلبی اور واقدی کے طریق سے۔ ابن عساکر کی السیرة ق: ۱/ ۳۳۸، ۳۳۹ میں محمد بن عبدالعزیز بن عمر کے طریق سے اور یہ منکر الحدیث ہے، یعنی اس کی بیان کردہ حدیث قبول کرنے سے انکار کیا گیا ہے جیسا کہ لسان المیزان: ۵/ ۲۵۹، ۲٦۰ میں ہے۔

Marfat.com

آمنہ کے مقابلے میں اسے رد کر دیا، اور جب پھر اس کی طرف لوٹے تو وہ اس دلیل کے ساتھ ہٹ گئی کہ ان کی آمنہ سے ملاقات کے بعد ان کی آنکھوں سے وہ نور چھپ گیا ہے! ❶

یہ سند اور متن کے لحاظ سے منکر روایت ہے اور ہر قاری اس کے بارے میں مختلف روایات پڑھتا ہے اور اس کی سند میں بڑا اختلاف اور اضطراب دیکھتا ہے اور ساتھ ہی اس عورت کی تعیین کے بارے میں بھی اختلاف ہے، جب کہ وہ ایک مرتبہ خثعمیہ ہے، پھر اسد یہ قریشیہ جس کا نام قتیلہ ہے، پھر تیسری مرتبہ لیلیٰ نام کی عدویہ ہے اور یہی صورت جناب عبداللہ کی کیفیت کے بارے میں ہے۔ کہا گیا کہ جب وہ عورت ان سے ملی تو اس وقت ان کے کپڑے میلے تھے، پھر کہا گیا کہ عبداللہ اس وقت عمدہ لباس میں تھے۔ ❷ اس طرح کی گھڑی ہوئی کہانیوں کو سیرت کے سنجیدہ مطالعہ سے نکال دینا چاہیے۔

وفات عبداللہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنے والد ماجد کو نہیں دیکھا، وہ مدینہ میں اپنے ماموؤں بنی عدی

---

❶ طبرانی کی معجم کبیر: ۳/ ۱۴۹ اور حاکم کی مستدرک: ۲/ ۶۰۱ اور ابونعیم کی الدلائل: ۱/ ۱۶۱ میں عبدالعزیز بن عمران کے طریق سے یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔ ابن سعد کی طبقات کبریٰ ۱/ ۸۶ میں ہشام کلبی کے واسطے سے اور طبقات ۱/ ۹۴، ۹۵ میں کلبی اور واقدی کے واسطے سے یہ بیان ہوا ہے۔ ابن عساکر کی السیرۃ ۱/ ۳۳۸، ۳۳۹ میں محمد بن عبدالعزیز بن عمر زہری کے طریق سے یہ حدیث بیان ہوئی ہے۔ لسان المیزان ۵/ ۲۵۹، ۲۶۰ کے مطابق اس راوی کی حدیث قبول کرنے سے محدثین نے انکار کیا ہے۔

❷ ابن اسحٰق کی السیر والمغازی ۴۴ میں مرسل ہے اور ان سے بیہقی نے دلائل النبوۃ ۱/ ۱۰۵، ۱۰۶ میں بیان کیا، ابن سعد نے طبقات ۱/ ۹۵، ۹۶ میں واقدی اور ہشام کلبی سے روایت کی ہے اور یہ دونوں متروک ہیں۔ طبقات ۱/ ۹۷ میں ابو یزید مدنی کے واسطہ سے مرسل بیان کیا ہے، اگرچہ سند صحیح ہے۔ طبری نے اپنی تاریخ ۲/ ۲۴۴، ۲۴۶ میں ضعیف سند سے بیان کیا ہے اور اس میں ابن جریج نے تدلیس کی ہے اور اس کی تدلیس بڑی معیوب ہے۔ اس میں ایک راوی محمد بن عمارہ قرشی ہے، اس کے تعارف سے میں آگاہ نہیں ہو سکا۔ اس میں ایک راوی مسلم زنجی ہے جو اگرچہ صدوق ہے مگر کثیر الاوھام ہے۔

ابونعیم نے الدلائل ۱/ ۱۰۷، ۱۰۸ میں ضعیف سند سے بیان کیا ہے۔ اس سند میں مسلمۃ بن علقمہ عن داؤد بن ابی ھند ہے جو کہ ضعیف ہے اور اس لیے بھی کہ اس میں عبدالباقی بن قانع کثیر الوہم ہے اور بار بار غلطی کرتا ہے۔ الدلائل ۱/ ۱۶۲، ۱۶۴ میں دو سندوں سے یہ روایت آتی ہے مگر ان دونوں کا دارومدار محمد بن عبدالعزیز عن ابیہ پر ہے، جبکہ محمد کی حدیث قبول کرنے سے انکار کیا گیا ہے اور اس کا والد ایک مجہول الحال راوی ہے۔

Marfat.com

بن النجار کے ہاں وفات پا گئے۔ ان دنوں وہ تجارتی مہم پر تھے۔ یثرب واپسی پر بیمار ہو کر فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔ ان کی وفات کے واقعہ سے متعلق کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ جو کچھ بھی اس بارے میں وارد ہوا ہے وہ شدید ضعیف ہے یا مرسل ضعیف۔ اور زہریؒ کا ایک مرسل قول قوی تر ہے کہ: ''عبدالمطلب نے عبداللہ کو کھجوروں کی خریداری کے لیے یثرب بھیجا مگر عبداللہ وہاں فوت ہو گئے اور بی بی آمنہ نے رسول اللہ ﷺ کو جنم دیا۔ چنانچہ عبدالمطلب نے آپؐ کی پرورش کی۔'' ❶

زہریؒ کے قول کے ساتھ قیس بن مخرمہ صحابیؓ کی حدیث متفق ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''آنحضور ﷺ کے والد ماجد رحلت فرما گئے جب کہ آپ ابھی بطن مادر میں تھے۔'' ❷

یہ روایت مشہور ہے جسے ابنؒ اسحاق، واقدی اور ابنؒ سعد نے ترجیح دی ہے ❸ لیکن کلبیؒ اور عوانہ بن الحکمؒ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ان کی رائے ہے کہ جب جناب عبداللہ فوت ہوئے تو نبی ﷺ اٹھائیس مہینوں کے تھے، یا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سات ماہ کے تھے۔ ❹ جناب عبداللہ کی وفات کے وقت ان کی عمر کی تعیین صرف واقدی نے کی ہے کہ وہ اس وقت پچیس سال کے تھے۔ ❺

مشہور و معروف یہ ہے کہ نبی ﷺ سایہ پدری سے محروم پیدا ہوئے۔ ابن کثیرؒ نے کہا ہے: ''یہ اعلیٰ وارفع مرتبہ کی یتیمی ہے۔'' ❻

اس بارے میں روایت صحیح ہے۔ ❼ مؤرخ واقدی اور ابنؒ سعد کا یہی خیال ہے۔ ابن کثیرؒ اور دیگر مؤرخین نے اس سے اتفاق کیا ہے تاہم سہیلیؒ نے کہا ہے: ''اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ اس وقت گود میں تھے۔'' ❽

---

❶ مصنف عبدالرزاق ۳۱۷/۵ میں زہری تک صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہے لیکن یہ مرسل ہے۔

❷ مستدرک حاکم ۶۰۵/۲ حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ ذہبی نے ان سے موافقت کی ہے حالانکہ اس کی سند میں صدقہ بن سابق اور مطلب بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ ہیں، امام مسلمؒ نے ان کے واسطہ سے کوئی حدیث بیان نہیں کی اور ابن حبان کے سوا کسی نے ان کی توثیق نہیں کی اور ابن حبان توثیق کے معاملہ میں بہت متساہل ہیں۔

❸ ابن اسحٰق کی السیر والمغازی ۴۵۔ ابن سعد کی طبقات کبریٰ: ۱/ ۹۹، ۱۰۰.

❹ طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۰۰. ❺ طبقات ابن سعد: ۱/ ۹۹. ❻ ابن کثیر کی السیرۃ: ۱/ ۲۶۰.

❼ صحیح مسلم: ۱۳۹۲/۳. ❽ الروض الانف: ۲/ ۱۶۰.

Marfat.com

صحیح روایت یہی رہی ہے کہ آپ کا سایہ پدری سے محروم پیدا ہونا ثابت ہے۔اسی کو اختیار کرنا ناگزیر ہے اگر چہ بہت ساروں نے اس کی مخالفت کی ہے۔اور آپ کی یتیمی کا تو قرآن مجید میں بھی ذکر کیا گیا ہے:

﴿اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی﴾ [الضحیٰ:٦]

(اے نبیؐ! کیا اس (اللہ تعالیٰ) نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟

آنحضور ﷺ کی عام الفیل میں پیدائش

یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ کی پیدائش بروز پیر تھی [1] اور قوی تر روایات جو ہمیں پہنچی ہیں، کے مطابق آپ کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی۔ [2]

خلیفہؒ نے بیان کیا ہے: ''اس پر اجماع ہے۔'' [3] گویا اس کے خلاف روایات پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ اور حق یہ ہے کہ اس کی مخالف روایات کی جملہ اسانید ناقص ہیں۔ وہ خبر دیتی ہیں کہ آپؐ کی پیدائش عام الفیل کے دس یا تیرہ یا چالیس سال بعد ہوئی، [4] جب کہ بڑے علماء نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ آپؐ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ اس کی تائید دور حاضر کی تحقیقات سے ہوتی ہے، جن کے ساتھ مسلم اور مستشرق محققین نے عام الفیل کو ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء سمجھا ہے۔ [5] فیل والا واقعہ قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ؕ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ o وَّاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ o تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ o فَجَعَلَهُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ﴾ [الفیل]

---

[1] مسلم کی الصحیح: ۵۲/۸۔ سنن ابو داؤد: ۸۰۸/۲، ۸۰۹۔ مسند احمد: ۲۹۷/۵، ۲۹۹۔

[2] امام حاکم نے مستدرک ۶۰۳/۲ میں ابن عباس تک اپنی سند سے بیان کیا ہے، مگر اس میں ابو اسحٰق سبیعی کی تدلیس کی علت ہے۔ اس نے یہ روایت بھی عَنْ کے لفظ سے روایت کی ہے۔ ابن ہشام نے اپنی السیرۃ ۱۵۵/۲ میں قیس بن مخرمہ تک اپنی سند سے روایت کی ہے۔ اس سند میں مطلب بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ ہے جو مقبول تو ہے مگر مضبوط متابعت کا محتاج ہے، چنانچہ اس کی متابعت موجود ہے، یوں دونوں روایات ایک دوسرے کو تقویت دے کر حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ گئی ہیں۔ [3] تاریخ خلیفہ: ۵۳۔

[4] دلائل بیهقی: ۷۸/۱، ۷۹۔ تاریخ دمشق لابن عساکر (السیرۃ ق: ۵٤/۱، ٦١)

[5] جواد علی کی تالیف المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام: ٤٤٣/٩، ٤٧٨.

Marfat.com

چنانچہ نص قرآن دقیق ترین تصویر پیش کرتی ہے کہ ابرہہ کے لشکر کو کیا پیش آیا، اور تاریخی روایات قرآن کے بیان سے الگ نہیں ہوتیں۔ تاہم جزئیات اور تفصیلات کی تعیین میں ان کا باہم قدرے اختلاف ہے۔ اور ان روایات کو صحابہؓ میں سے ابن عباسؓ اور عبیس بن عمیرؓ نے بیان کیا ہے۔ یا قتادہؒ (م ۱۱۷ھ)، اور ابن اسحاق جیسے مؤرخین نے (م ۱۵۱ھ) ذکر کیا ہے۔ ❶

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے اور ان واقعات کے مابین صغار صحابہؓ کی نسبت سے کم از کم نصف صدی کا عرصہ ہے، اور ہوسکتا ہے کہ انھوں نے معلومات کو واقعہ دیکھنے والے باقی عمر رسیدہ صحابہ سے نقل کیا ہو، کیونکہ ان حضرات میں سے بعض نے لمبی عمر پائی۔ حضرت عائشہؓ نے ہاتھی بان اور اس کے سائیس دونوں کو اندھے ہوکر مکہ میں لوگوں سے بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ ❷ ایسا ہی قباثؓ بن اشیم صحابی نے بیان کیا ہے کہ ان کی والدہ نے ابرہہ کے ہاتھی کی لید کو بچا کر رکھا ہوا تھا اور اس کا رنگ تبدیل ہوگیا تھا اور ان کو یاد تھا کیونکہ وہ عام الفیل سے چند سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ ❸

---

❶ ابرھہ کی آمد کی تفاصیل کا منبع عبید بن عمیر ہے جو نبیؐ کے عہد میں پیدا ہوا۔ ہم تک پہنچنے والی معلومات میں سے یہ سب سے قدیم ہیں۔ ان کی سند ضعیف ہے، اس میں ابوسفیان طلحہ بن نافع ہے جو کہ مدلس ہے اور اس نے یہ واقعات لفظ عن کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴/۲۸۴۔۲۸۵) یہ تفاصیل اعمش نے طلحہ سے روایت کی ہیں اور محدثین کے ہاں یہ بات مشہور و معلوم ہے کہ اعمش کی طلحہ سے روایت اس کتاب سے ہے جس کا کچھ حصہ اس نے سنا ہے۔ پوری کتاب نہیں سنی۔ اس روایت میں یہ صراحت نہیں کی کہ واقعتاً اس نے اس کا سماع کیا ہے۔ (میزان الاعتدال للذھبی: ۲/۲۲٤۔ تهذيب التهذيب لابن حجر: ٤/٢٢٤۔ تعريف اهل التقديس: ٣٣)
طبری کی سند قتادہ تک حسن ہے کیونکہ یزید بن زریع کا سعید بن ابوعروبہ سے سماع قدیم ہے یعنی سعید کے حافظہ کی خرابی سے پہلے کا ہے لیکن یہ روایت مرسل ضعیف ہے۔ (تفسیر طبری: ۳۰/۳۰۳،۳۰۴) قتادہ کا قول محمد بن ثور عن معمر عن قتادہ کی صحیح سند کے ساتھ طبری تک پہنچا ہے۔ (الطبری: ۳۰/۲۹۷،۲۹۹)
اس کے علاوہ بقیہ تمام روایات جو ابن مسعود، ابن عباس اور سعید بن جبیر اور دوسرے لوگوں کی سند سے بیان ہوئی ہیں وہ صرف سورۂ فیل کے الفاظ کی تفسیر کی حد تک ہیں۔ وہ اس واقعہ کی کوئی تفصیلی صورت کشی نہیں کرتیں۔ (تفسیر طبری: ۳۰/۲۹۶)

❷ سیرۃ ابن ہشام: ۱/۵۷۔ تاریخ خلیفہ ۵۳ میں سند حسن کے ساتھ۔

❸ سنن ترمذی: ۵/۵۸۹۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے، اسے ہم صرف محمد بن اسحٰق کی حدیث سے ہی جانتے ہیں۔ مستدرک حاکم: ۲/۶۰۳، ۳/۴۵۶ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر ہے مگر شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔ امام ذہبی نے حاکم سے موافقت کی ہے، حالانکہ اس کی سند میں صرف مطلب بن عبداللہ ''مقبول'' ہے۔

Marfat.com

بلاشبہ تاریخی قرائن ان روایات پر مشتمل ہیں جو نبی ﷺ کی پیدائش کی قوی خبر عام الفیل میں دیتی ہیں۔ ابن قیمؒ اور ان کے بعد قسطلانیؒ کی رائے ہے کہ نبی ﷺ کی پیدائش فیل والے سال واقعہ فیل کے بعد ہوئی، اس لیے کہ فیل کا قصہ آنحضور ﷺ کے ظہور کی تمہید وعلامت تھا، جب اللہ تعالیٰ نے حبشہ کے نصاریٰ کو مشرکین عرب کی قوت کے بغیر اپنے گھر کی عظمت کی خاطر مکہ سے دفع کر دیا۔ ❶

آنحضور ﷺ کی پیدائش کی تاریخ، دن اور مہینے کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہوا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ آنحضور ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ ❷ واقدی نے کہا ہے کہ آنحضور ﷺ ماہ ربیع الاول کی دسویں تاریخ کو پیدا ہوئے، ❸ ابو معشر سندھی نے کہا ہے کہ آنحضور ﷺ ربیع الاول کے دو دن گزرنے کے بعد پیدا ہوئے۔ ❹ (جب کہ ابن اسحاق تینوں میں سے زیادہ ثقہ ہیں)۔

آنحضور ﷺ کی کیفیت بطن مادر میں

آنحضور ﷺ جب اپنی والدہ محترمہ آمنہ کے بطن میں تھے تو اس دوران کی کیفیت کے بارے میں کئی قصے اور کئی روایات بیان کی جاتی ہیں مثلاً بی بی آمنہ نے آنحضور ﷺ کے جنین کو انتہائی ہلکا اور آسان پایا۔ انھوں نے لوہے کی تعویذیں پہن رکھی تھیں جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ نیز یہ کہ انھوں نے خواب میں آپؐ کے عظیم الشان مرتبہ کی خبریں پائیں اور انھیں آپؐ کا ''محمد'' (ﷺ) نام رکھنے کی ہدایت کی گئی اور جب وہ بیدار ہوئیں تو انھیں سونے کا ایک ورق ملا، اس میں اشعار تھے جن کے ساتھ آپؐ کو پکارا گیا تھا۔ حالانکہ ان حکایات میں سے کوئی چیز ثابت نہیں۔ ❺

---

❶ زاد المعاد: ۱/۷۶۔ شرح المواهب اللدنیه: ۱/۱۳۰۔

❷ السيرة لابن هشام: ۱/۱۷۱۔ یہ روایت بغیر سند کے ہے۔

❸ طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۰۰۔۱۰۱۔ ابن سعد نے ابوجعفر محمد بن علی باقر تک اپنی سند بیان کی ہے۔ واقدی مغازی کا عالم تو ہے مگر روایت حدیث میں متروک ہے۔

❹ طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۰۱۔ اور دیکھیے: "حول الاختلاف شرح مواهب لدنیه" ۱/ ۱۳۰، ۱۳۱۔ ابو معشر گو مغازی میں بڑی بصیرت رکھتا ہے، مگر حدیث کی روایت میں ضعیف ہے، جیسا کہ نقاد محدثین کا کہنا ہے۔

❺ طبقات ابن سعد: ۱/ ۹۸، ۹۹۔ واقدی کے واسطہ سے۔ السيرة النبوية للذهبي: ۲۱۔ ذہبی نے اس کی سند عمدہ بتائی ہے مگر اس میں جہم بن ابوجہم ہے، جسے خود ذہبی نے مجہول بتایا ہے۔ (میزان: ۱/ ۴۲۶) سیوطی کی خصائص کبریٰ (۱/۴۲) اور دیکھیں: شرح مواهب لدنیه: ۱/ ۱۰۶، ۱۰۷۔

Marfat.com

اسی طرح اور بہت ساری کمزور روایات پائی گئی ہیں جو یہ بتاتی ہیں ''بطن مادر سے پیدائش کے موقع پر آپ اس طرح زمین پر گرے جس طرح ایک نومولود اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیے ہوئے دونوں ہاتھوں کے سہارے زمین پر گرتا ہے۔'' ❶ ''اور یہ کہ آپ کو پتھر کی ایک ہنڈیا کے نیچے رکھا گیا تو وہ پھٹ گئی تا کہ آپ کی آنکھیں آسمان کی طرف کھلی رہیں۔'' ❷ اور یہ کہ آپ مختون پیدا ہوئے، ❸ یا جبرائیل علیہ السلام نے آپ کا ختنہ کیا۔ ❹ یا جناب عبدالمطلب نے ساتویں دن

---

❶ رضاعت کے قصہ میں حلیمہ سعدیہ کی طویل حدیث جسے ابن اسحٰق روایت کرتے ہیں۔ اس کی سند ضعیف ہے اور بعض علماء نے قوی بتائی ہے۔ واقدی کی روایات اسے تقویت نہیں دیتیں کیونکہ وہ متروک الحدیث ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۰۱، ۱۰۲) جیسا کہ طبقہ رابعہ کے تابعین سے مروی مراسیل اسے تقویت نہیں پہنچاتیں، کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ ان سب کا مصدر ایک ہی ہے۔ یہ تابعین حسان بن عطیہ، اسحٰق بن عبداللہ اور بعد کے لوگ داؤد بن ابو ہند وغیرہ ہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۰۲، ۱۰۳۔ ابونعیم کی دلائل النبوۃ: ۱/ ۱۷۲)

❷ یہ احادیث عکرمہ تک سندِ حسن کے ساتھ مرسل ہیں، جیسا کہ طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۰۲ میں ہے اور جیسا کہ دلائل بیہقی: ۱/ ۱۱۳ کے مطابق ابوالحکم تنوخی کی مرسل روایت ہے اور یہ ایک مجہول تابعی ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۹/ ۳۰۸) اس کی سند میں لیث کا کاتب عبداللہ بن صالح گو صدوق ہے مگر کثیر الغلط ہے۔ اور جیسا کہ دلائل ابونعیم ۱/ ۱۷۲ میں ہے یہ معضل سند کے ساتھ مروی ہے۔

❸ اس بارے میں تمام احادیث نہایت ہی معلول ہیں کہ تمام اکٹھی ہو کر بھی حجت کے قابل نہیں، کیونکہ ان میں سے ایک بڑی تعداد یا تو موضوع ہے یا سخت تہمت کا شکار اور وہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱) طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۰۳ میں عباس کی حدیث، اس کی سند میں یونس بن عطا مکی ہے جو موضوع حدیثیں بیان کرتا ہے، اس کی حدیث حجت یعنی دلیل نہیں بن سکتی۔ (المیزان: ۴/ ۴۷۸) (۲) الکامل لابن عدی: ۲/ ۵۷۶ میں ابن عباس کی حدیث، اس کی سند میں جعفر بن عبدالواحد ہے، جس پر جھوٹی حدیثیں گھڑنے کی تہمت ہے۔ (المیزان: ۱/ ۴۱۲) (۳) طبرانی کی معجم صغیر: ۲/ ۱۴۵، ۱۴۶ میں انس بن مالک کی حدیث، اس کی سند میں سفیان بن محمد فزاری بالکل واہی ہے، اس حدیث کے طرق میں حسن بن عرفہ سے روایت کرنے والا مجہول راوی ابوالفضل محمد بن عبداللہ برھانی یا نوح بن محمد ہے۔ امام ذہبی نے اس کے متعلق کہا ہے کہ ابن عرفہ سے اس کی روایت موضوع کے مشابہ ہے۔ میزان الاعتدال: ۴/ ۲۷۹۔ (۴) ابن عساکر کی تاریخ دمشق (السیرۃ) ق ۱/ ۲۱۰ میں ابوہریرہ کی حدیث، اس کی سند میں محمد بن کثیر قرشی ناقابل بھروسہ ہے اور اسماعیل بن مسلم مکی ضعیف ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ حسن بصری اور ابوہریرہ کے درمیان انقطاع کی علت بھی موجود ہے۔ (۵) ابن عساکر کی السیرۃ ۱/ ۲۱۲ میں ابن عمر کی حدیث، اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن ایوب حمصی اور موسیٰ بن ابوموسیٰ مقدسی ہیں، مگر ان کی کوئی پہچان نہیں ہے۔ الا یہ کہ یہ عبدالرحمٰن بن ایوب سکونی اور موسیٰ بن عطا مقدسی ہوں۔ اگر ایسا ہے تو پہلے کے بارے میں شدید قسم کی جرح ہے اور دوسرا متروک الحدیث ہے۔ (میزان الاعتدال: ۲/ ۵۴۹، ۴/ ۲۱۹، ۲۲۰۔ لسان المیزان: ۶/ ۱۲۷، ۱۲۹)

❹ الطبرانی کی المعجم الاوسط: ۲/ ل ۷۵ ب میں ایسی سند سے ہے جس میں عبدالرحمٰن بن عتیبہ بصری اور مسلمہ بن محارب زیادی ہیں جو کہ مجہول ہیں۔ اگر ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے تو وہ تو مجہول راویوں کی عام طور پر توثیق کر دیا کرتے ہیں۔ (ثقات ابن حبان: ۵/ ۴۵۲ اور ۷/ ۴۹۰، مجمع الزوائد ہیثمی: ۸/ ۲۲۴) امام ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث نہایت غریب ہے۔ (السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۲۱۰) امام ذہبی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ (السیرۃ النبویۃ: ۸)

Marfat.com

آپ کا ختنہ کیا [1] اور آپ کی ولادت کی خوشی میں دعوت عام کا اہتمام کیا اور آپ کا نام محمد ﷺ رکھا۔ باوجود اس کے کہ دیگر روایات کی اسناد میں شدید ضعف ہے تاہم حافظ ذہبیؒ نے کہا ہے:

''یہ روایت حضرت عباسؓ کی حدیث کہ آپ مختون پیدا ہوئے، سے زیادہ صحیح ہے۔'' [2]

نرینہ اولاد کی پیدائش، ختنہ اور عقیقہ کی رسم اپنی قوم کی روایت کے مطابق ادا کرنے پر جو خوشی عبدالمطلب کو ہوئی وہ کسی دلیل کی محتاج نہیں اور اس سلسلے میں بہت سی کمزور روایات وارد ہیں۔ [3]

اسی طرح سے آپ کی پیدائش کی رات جنات کی آوازیں اور ان کی طرف سے بشارت کی روایات نیز مکہ میں بعض بت خانوں میں بتوں کا اوندھے منہ گرنا، [4] کسریٰ کے محل پر لرزہ اور اس کے کنگروں کا گر جانا، مجوسیوں کی آگ کا بجھ جانا اور بحیرہ ساوا کا خشک ہو جانا، نیز موبذان کا خواب میں عربی گھوڑوں کا دجلہ کو عبور کر کے بلاد فارس میں داخل ہوتے دیکھنا، [5] کے بارے میں موضوع روایات وارد ہوئی ہیں۔

---

[1] استیعاب ابن عبدالبر (حاشیہ اصابہ) ۱/۲۱، ۲۲۔ حافظ عراقی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح نہیں۔ (سبل الہدیٰ والارشاد شامی: ۱/۴۲۰) اور ابن عبدالبر کی سند میں محمد بن ابوالسری ہے جو بہت زیادہ وہمی روایتیں بیان کرتا ہے۔ (التقریب: ۵۰۴) اور ولید بن مسلم ہے جو بہت زیادہ تدلیس وتسویہ کرتا ہے اور یہاں اس نے عَنْ کے لفظ سے روایت کی ہے۔

[2] السیرۃ النبویۃ ۸، اور دیکھیے: بیہقی کی الدلائل ۱/۱۱۳ جب کہ اس نے اس معنی کی روایت ابوالحکم تنوخی سے روایت کی ہے جو مرسل اور ضعیف ہے۔

[3] طبقات ابن سعد: ۱/۱۰۳ میں واقدی کے طریق سے جو کہ متروک الحدیث ہے۔ دلائل النبوۃ بیہقی ۱/۱۱۳ کی روایت مرسل ضعیف ہے۔ اور دلائل النبوہ ابونعیم ۱/۱۷۲، ۱۷۳ میں بالکل کمزور سند کے ساتھ ہے۔ اس میں راوی محمد بن زکریا غلابی ضعیف ہے اور اس کا شیخ جحدری مجہول ہے۔ دیکھیے: تہذیب التہذیب ۷/۳۱۲۔

[4] ھواتف الجان ابوبکر خرائطی، رقم: ۱۷، ۷۔ ان دونوں روایات میں دو جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے عبداللہ بن محمد بلوی اور عمارہ بن زید ہیں۔ (میزان الاعتدال: ۲/۴۹۱ اور ۳/۱۷۷)

[5] السیرۃ النبویۃ للذہبی، ص: ۱۱، ۱۴۔ ابن ابی الدنیا کی سند سے ہے۔ اس روایت کا دارومدار ابوایوب یعلیٰ بن عمران بجلی اور مخزوم بن ھانی مخزومی پر ہے مگر ان کا ترجمہ وتعارف مجھے نہیں مل سکا۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر اور غریب ہے۔ اور الصالحی نے سبل الھدی والرشاد: ۱/۴۲۹، ۴۳۲ میں ھواتف الجان للخرائطی، تاریخ طبری، دلائل ابونعیم اور دلائل بیہقی سے نقل کر کے لکھا ہے۔

Marfat.com

اسی طرح سے آپ ﷺ کی پیدائش والی رات کے بارے میں یہودیوں سے متعلق، ❶ نیز آپ ﷺ کی پیدائش کے بارے میں عیصا راہب کا مرالظہران میں خبر دینا ❷ اور آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کا قول کہ انھوں نے آپ ﷺ کو پنگھوڑے میں چاند سے باتیں کرتے دیکھا، ❸ کے بارے میں ضعیف روایات وارد شدہ ہیں۔

لیکن آپ ﷺ کی پیدائش پر مشتمل ایسی بھی روایات ہیں جو حسن کے درجے تک قوی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ کہا جاتا ہے کہ بی بی آمنہ نے آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت اپنے جسم سے نکلتا ہوا نور دیکھا جس سے سرزمین شام میں بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے۔ ❹

---

❶ یہ روایت امام حاکم نے مستدرک ۶۰۲،۶۰۱/۲ میں نکالی ہے اور اسے صحیح کہا ہے مگر امام ذہبی نے ان کی مخالفت کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری ۵۸۳/۶ میں کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے لیکن اس کی سند میں ابن اسحٰق مدلس ہے اور اس نے اپنے شیخ سے سماع کی تصریح نہیں کی۔ (تعریف اہل التقدیس ۵۱) ابن سعد کی طبقات ۱۶۳،۱۶۲/۱ میں اس کی ایک متابع روایت ہے اور اس کی سند میں ابوعبیدہ بن عبداللہ ہے جس کا تعارف وترجمہ مجھے نہیں مل سکا۔ پھر ایک دوسری روایت حسان بن ثابت سے مدینہ میں ہے۔ سیرۃ ابن ہشام ۱۴۷/۱ اس میں وہ کہتے ہیں: "حدثنی مَنْ شئتُ مِنْ رِجال قومی "اپنی قوم کے مردوں میں سے جس سے میں چاہوں میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اس نے حدیث بیان کی ہے۔ یہ الفاظ مبہم ہیں گو انھوں نے کثرتِ رواۃ کا اشارہ کیا ہے۔ حسان کی روایت کے کچھ اور طرق بھی ہیں۔ (دلائل النبوۃ ابونعیم (۸۹،۸۶/۱) جو واقدی کے واسطہ سے ہیں جبکہ وہ متروک الحدیث ہے۔ واقدی ہی کی سند سے ابن عباس کی ایک حدیث اس کی شاہد بھی ہے۔ (الطبقات الکبریٰ: ۱۶۰،۱۵۹/۱)

❷ ابن عساکر کی تاریخ دمشق (السیرۃ) ق ۳۴۶،۳۴۴/۱۔ ابن کثیر نے السیرۃ النبویۃ ۲۲۳/۱ میں کہا ہے کہ اس میں غرابت وانوکھا پن ہے۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ ایک گری ہوئی سند ہے۔ (السیرۃ النبویۃ ۶/۱) اس سند کو مسبب بن شریک کی آفت پڑی ہے کیونکہ وہ متروک ہے۔

❸ دلائل نبوت بیہقی ۴۱/۲۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسے صرف احمد بن ابراہیم حلبی روایت کرتا ہے اور وہ مجہول ہے۔ امام ابن ابوحاتم نے حلبی کے بارے میں کہا کہ میں اسے نہیں جانتا اور اس کی روایات باطل جھوٹی ہیں تمام کی تمام کی کوئی بنیاد نہیں، یہ بات اس کے کذاب ہونے کی دلیل ہے۔ (الجرح والتعدیل ۴۰/۲) حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ اس کی سند بہت زیادہ واہی بکواس ہے۔ (اصابہ: ۲۳/۳)

❹ اس حدیث کو ابن اسحٰق نے یوں بیان کیا ہے: "حدثنی ثورُ بن یزید عن خالد بن معدان عن اصحاب رسول اللہ قالوا "یہ سند حسن ہے۔ ابن اسحٰق نے لفظ حدثنی کی تصریح کی ہے اور وہ صدوق ہے۔ روایت کے صحابہ کا ذکر جمع کے صیغہ سے کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث صحابہ کے زمانہ میں عام مشہور تھی۔ صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں ان کے ناموں کی صراحت نہ ہونا قابل اعتراض نہیں ہے۔ امام ابن کثیر نے اس روایت کے متعلق کہا ہے کہ یہ سند عمدہ قوی ہے۔ (السیرۃ النبویۃ: ۲۲۹/۱) حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان سے موافقت کی ہے۔ (مستدرک: ۶۰۰/۲) ⇦⇦⇦

Marfat.com

آنحضور ﷺ کی مرضعات

یہ صحیح ہے کہ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے آپؐ کو دودھ پلایا ❶ اور یہ ثابت ہے کہ آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب آپ کے رضاعی بھائی ہیں۔ ❷ نبی ﷺ کے علاقہ بنی سعد میں حلیمہؓ سعدیہ کے آپؐ کو دودھ پلانے اور اس میں جو برکات ظاہر ہوئیں وہ سیرت کی قدیم و جدید کتابوں میں بالتفصیل درج ہیں۔

سب سے پہلے جس نے سیرت کی کتاب میں ان کا ذکر کیا وہ ابن اسحاق ہیں ❸ چونکہ آپ کی رضاعت کے بارے میں حلیمہؓ کی خبر بہت مشہور تھی لہٰذا اس کے اسناد کی محدثین نے کوئی زیادہ چھان پھٹک نہیں کی اور آپؐ کی رضاعت بنی سعد میں حلیمہ سعدیہؓ سے قبل دوسرے طرق

⇐⇐ خالد بن معدان کا کچھ صحابہ مثلاً معاذ، ابوعبیدہ، ابوذر اور عائشہ سے روایت کو مرسل بیان کرنا کوئی قابل اعتراض نہیں۔ انھوں نے ستر صحابہ سے ملاقات کی ہے۔ جیسا کہ وہ خود اپنے متعلق بتاتے ہیں۔ وہ ایک ثقہ آدمی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۱۱۹/۳) عرباض بن ساریہ کی حدیث جسے امام احمد نے مسند ۱۲۷/۴ میں نکالا ہے۔ اس کی شاہد ہے۔ مستدرک حاکم: ۴۱۸/۲ اور اس نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذھبی نے ان سے موافقت کی ہے۔ معجم کبیر طبرانی ۲۵۲/۱۸ اور الدلائل ابونعیم ۵۴/۱، تفسیر طبری ۵۵۶/۱ میں یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کا دارومدار عبدالاعلیٰ بن حلال سلمی پر ہے جو کہ مجہول ہے۔ (الاکمال ۶۴ اور دیکھیے: سلسلہ احادیث ضعیفہ، رقم: 2058) اسی طرح اس کا شاہد ابوامامہ کی حدیث بھی ہے، اس کی سند میں فرج بن فضالہ کی طرف سے ضعف ہے، لیکن یہ شامی اسناد ہے اور وہ فرج کی مرویات میں سے سب سے عمدہ سند ہے۔ (مسند طیالسی، رقم: ۲۳۱۵ اور مسند احمد ۲۶۲/۵) فرج بن فضالہ کے متعلق مزید دیکھیے: التقریب: ۴۴۴ اور التہذیب: ۲۶۰/۸، ۲۶۲۔ بہت ساری مرسل اور منقطع روایات ہیں جو اس حدیث کی تائید کرتی ہیں مگر وہ اتنی سکت نہیں رکھتیں کہ اسے صحیح کے درجہ تک اٹھا لے جائیں کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ ان سب کا مصدر ایک ہی ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۱۰۲/۱)

❶ صحیح البخاری (فتح الباری: ۱۴۳/۹)

❷ صحیح بخاری (فتح الباری: ۱۴۰/۹)، صحیح مسلم مع شرح نووی ۲۳/۱۰، ۲۴۔

❸ سیرة ابن هشام: ۱۴۹/۱، ۱۵۳۔ مسند ابویعلیٰ، موارد الظمآن ابن حبان: ۵۱۲، ۵۱۳۔ معجم کبیر طبرانی: ۲۱۲/۲۴، ۲۱۵۔ دلائل النبوة ابونعیم: ۱۹۳/۱۔۱۹۶۔ اتحاف الخیره بوصیری: ۳۶۸/۴، ۳۷۰۔ اور اس کی سند میں جہم بن ابوالجہم عن عبداللہ بن جعفر اَوْ عَمن حدثه عن عبداللہ بن جعفر کے شک کے الفاظ ہیں اور جہم کا کچھ پتہ نہیں کہ کون ہے۔ (میزان الاعتدال ذهبی: ۴۲۶/۱) اور اسے ابن حبان کے سوا کسی نے ثقہ نہیں کہا اور پھر اس نے اس کا نام بھی جہم بن عبدالرحمٰن بتایا ہے۔ ابن حبان مجہولین کی توثیق میں مشہور ہے۔ (الثقات: ۱۱۴/۴) ⇐⇐⇐

Marfat.com

سے ثابت ہے۔ ❶

معجزہ شق صدر

نبی ﷺ کے سینۂ مبارک کا چاک ہونا، دھویا جانا اور سیا جانا دو بار واقع ہوا۔ ❷

⇐⇐ عبداللہ بن جعفر کے حلیمہ سے سماع کی صراحت صرف طبرانی کے ہاں ہے، بہر حال وہ ایک صحابی ہیں، اس لیے ان کا مرسل بیان کرنا بھی کوئی نقصان دہ نہیں۔ لیکن خاص طور پر جہم اور عبداللہ بن جعفر کے درمیان کا شک سند کو کمزور کرتا ہے اور تمام مصادر کے مطابق جہم نے اپنے سماع کی کہیں بھی صراحت نہیں کی۔ اس حدیث میں بے شمار علتوں کے باوجود نقاد محدثین نے اس کی تحسین کر کے تساہل سے کام لیا ہے۔ چنانچہ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث جید اسناد والی ہے۔ (السیرۃ النبویۃ: ۸) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کچھ دوسرے طرق سے بھی مروی ہے اور یہ اہل سیر و مغازی کے ہاں مشہور و متداول احادیث میں سے ہے۔ (السیرۃ: ۱/۲۲۸) ابن عبدالبر نے بھی اس حدیث کی شہرت کا ذکر کیا ہے۔ (استیعاب مع اصابہ ۱۲/۲۶۱)

دلائل البیهقی: ۱/ ۱۳۹، ۱۴۵ میں ابن عباس کی حدیث سے اس حدیث کے حق میں چند کمزور ترین شواہد بھی وارد ہوئے ہیں اور السیرۃ لابن عساکر: ۱/۳۸۴، ۳۸۸ میں بھی۔ اس حدیث میں ایک راوی محمد بن زکریا غلابی متہم ہے اور سند میں اور بھی مجہول راوی ہیں۔ ابن عساکر نے کہا کہ یہ حدیث بہت زیادہ غریب ہے، اس میں رکیک الفاظ ہیں جو درست معلوم نہیں ہوتے۔ روایت میں ایک راوی یعقوب بن جعفر غیر مشہور ہے۔ حلیمہ کی روایت وہی محفوظ ہے جو اس سے پہلے گذری ہے اور عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے۔ اسلم عدوی کی حدیث اس کی شاہد ہے۔ (طبقات ابن سعد ۱/۱۵۱، ۱۵۲) لیکن وہ واقدی کے طریق سے ہے اور واقدی متروک الحدیث ہے۔

❶ مسند احمد: ٤/ ١٨٤، ١٨٥ میں عتبہ بن عبدالسیر کی حدیث اور سنن دارمی ١/ ٨، ٩ اور مستدرک حاکم ٢/ ٦١٦، ٦١٧ اور تاریخ دمشق ابن عساکر (السیرة ق: ١/ ٣٧٦، ٣٧٧) امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذھبی نے اس کی تائید کی ہے، جیسا کہ اس نے اپنی تاریخ اسلام (السیرة: ١/ ٢١) میں اسے صحیح کہا ہے۔
علامہ ہیثمی نے احمد کی سند (مجمع الزوائد: ٨/ ٢٢٢) کو حسن کہا ہے اور بوصیری نے اس کی سند کو حسن قرار دیتے ہوئے کہا کہ بقیہ ثقہ ہے اگر چہ یہ مدلس ہے مگر بعض سندوں میں تحدیث کی صراحت کرتا ہے، جیسا کہ امام احمد نے روایت کی ہے۔ (اتحاف الخبرة ٤/ ٣٧٠، ٣٧١) اور شیخ البانی نے الصحیحة، رقم ٢٧٣ میں بوصیری کے مطابق ہی کہا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ اس حدیث کے کثیر شواہد ہیں۔ (الصحیحة ٤/ ٥٩) مگر حق بات یہ ہے کہ بقیہ کے طریق سے یہ سند فقط اپنے شیخ سے تحدیث کی تصریح کے ساتھ قوی نہیں ہو سکتی بلکہ ضروری ہے کہ وہ سند کے رجال کے تمام طبقات میں سماع کی تصریح کرے کیونکہ یہ شخص تدلیس تسویہ میں مشہور ہے اور بقیہ نے تمام طرق میں خالد بن معدان سے بحیر بن سعد کے سماع کی تصریح نہیں کی ہے۔

❷ ایسی روایات بھی وارد ہوئی ہیں جو بعثت سے کچھ عرصہ پہلے شق صدر کے تیسری مرتبہ وقوع پذیر ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔ ابونعیم اصبہانی نے انھیں دلائل النبوت، ص ٦٩ میں درج کیا ہے اور طیالسی نے اپنی تالیف " منحة المعبود ⇐⇐

Marfat.com

پہلا واقعہ اس وقت ہوا جب آپؐ چار سال کے طفل تھے ❶ اور بنی سعد کے صحرا میں کھیلا کرتے تھے اور دوسری دفعہ معراج کی رات ہوا۔

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں چاک اوّل کا واقعہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا، یہ کہ ''رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے جب کہ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، انھوں نے آپؐ کو پکڑا، لٹا دیا اور آپؐ کے سینہ مبارک کو چاک کیا۔ آپؐ کا دل نکالا اور اس میں سے ایک لوتھڑا نکالا اور کہا: ''یہ شیطان کا حصہ تھا۔ پھر سونے کے ایک تھال میں آبِ زمزم سے اسے دھویا اور اسے سی دیا، ❷ پھر اس کو اس کی جگہ پر لوٹا دیا۔ بچے دوڑتے ہوئے آپؐ کی (رضاعی) ماں کے پاس آئے اور کہا: محمد ﷺ قتل کر دیے گئے۔ پس سارے گھر والے آپ کی طرف دوڑے جب کہ آپ کا رنگ متغیر تھا۔ انسؓ فرماتے ہیں: ''میں آپ کے سینہ مبارک میں سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔'' ❸

بلاشبہ شیطان کے حصے سے تطہیر نبوت کی ابتدائی علامت تھی اور شر اور غیر اللہ کی عبادت سے حفاظت کی تیاری تھی۔ لہٰذا آپؐ کے قلب مبارک میں توحید کے علاوہ کسی چیز کا گزر نہ

⇦⇦⇦فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد " ۸۶/۲ میں۔ (ط ۱۔ ۱۳۷۲ھ مطبع منیریہ ازھر) اسے بیان کیا ہے۔ اس کی سند میں داؤد بن محبر ہے مگر یہ متروک الحدیث ہے اس لیے اس کی روایت پایہ ثبوت سے گری ہوئی ہے اور اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح علامہ سیوطی نے بھی دو روایتیں بیان کی ہیں جو بعثت سے قبل خواب کی حالت میں شق صدر کی خبر دیتی ہیں۔ (الخصائص الکبریٰ: ۱/ ۲۳۲)

❶ آپ کی عمر کا ذکر ابن سعد نے طبقات ۱/۱۱۲ میں کیا ہے۔ اور اس کے لیے دیکھیے: ابونعیم کی دلائل النبوت، ص ۴۹۔ اموی اور ان کے بعد ابن عبد البر اس طرف گئے ہیں کہ آپؐ کی عمر اس وقت پانچ سال تھی اور یہی بات ابن عباس سے بھی روایت ہوئی ہے۔ (شرح زرقانی علیٰ مواھب لدنیہ: ۱/ ۱۵۰) مگر عبد اللہ بن امام احمد بن حنبل اور ابونعیم نے ایک دوسری روایت بیان کی ہے جو بتاتی ہے کہ آپؐ کی عمر دس سال اور کچھ مہینے تھی۔ (مسند احمد: ۵/ ۱۳۹) اس حدیث کی سند میں معاذ بن محمد بن معاذ عن ابیہ ہے اور یہ دونوں باپ بیٹا مجہول الحال ہیں جیسا کہ ابن مدینی نے بتایا ہے۔ (ذہبی کی میزان الاعتدال: ۴/۴۴)

❷ یعنی چیرے ہوئے حصہ کو اکٹھا کیا اور ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا۔ (شرح مسلم امام نووی ۲/۲۱۶)

❸ صحیح مسلم: ۱/ ۱۴۷، کتاب الایمان، باب: ۷۴، الاسراء برسول اللہ الی السمٰوٰت۔ السیرۃ النبویۃ ابن ھشام: ۱/ ۱۶۶ میں قوی عمدہ سند کے ساتھ جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اپنی " السیرۃ النبویۃ " ۱/ ۲۲۹ تحقیق مصطفیٰ عبد الواحد میں فرمایا ہے۔

Marfat.com

ہو پاتا، ❶ اور آپ کے لڑکپن اور جوانی کے واقعات اس کے حق ہونے کی دلیل ہیں۔ چنانچہ آپؐ سے نہ کبھی گناہ کا ارتکاب ہوا اور نہ ہی آپؐ کبھی کسی بت کے سامنے جھکے ❷ باجودیکہ یہ سب کچھ آپؐ کی قوم میں مروج تھا۔

دوسری مرتبہ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شق صدر کا واقعہ پیش آیا تو وہ معراج کی رات تھی۔ ❸

اس واقعہ سے حلیمہؓ سعدیہ آپ کے بارے میں ڈر گئیں، ❹ انھیں اپنی ذمہ داری کا

---

❶ دیکھیے: اجتهاد العلماء فی استجلاء الحکمة من الحادثة الروض الانف للسهیلی: ۲/ ۱۷۳ اور فتح الباری لابن حجر: ۷/ ۲۰۵.

❷ مستشرق نیکلسون (Nicholson) کا گمان ہے کہ نبیؐ کے شق صدر کا واقعہ ایک افسانہ ہے جو قرآنی آیت: ﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ سے پیدا ہوا ہے۔ اگر اس کی کوئی اصل ہے تو ہمارے خیال کے مطابق اس سے مرگی کی ایک قسم کی طرف اشارہ ہے۔

"Nicholson R.A. A literary History of the Arabs. (Cambridge 1966)."

یہ گمانِ باطل نیکلسون کے دماغ کی ہی اختراع نہیں بلکہ اس سے پہلے مشرکین قریش نے بھی یہی کچھ کیا تھا جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنون کا اتہام باندھا تو اللہ تعالیٰ نے ﴿ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴾ کہہ کر اس تہمت کی نفی کر دی۔

یہ بات تو معلوم ومعین ہے کہ مرگی کا مریض .... بولتا ہے، منہ سے جھاگ نکلتے ہیں اور اس کا حافظہ مفقود ہو جاتا ہے، مگر یہاں تو صورتِ حال ہی اور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہنی ارتکاز وحی کی حالت میں عام حالات سے زیادہ شدید ہوا کرتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اپنے آپ پر نرمی کرنے کا حکم دیا: ﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ ﴾ ...... پھر آپؐ بالکل واضح کلام کی شکل میں نازل کردہ قرآن کو پڑھ لیا کرتے تھے۔ یہ آیت بلاغت میں شمار کی گئی ہے تو پھر کہاں مصروع کا ہذیان اور کہاں اللہ کا نازل کردہ کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف زبان پر؟

❸ صحیح البخاری: کتاب الصلوٰۃ: باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء (الفتح: ۱/۴۵۸) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب ۷۴ الاسراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السموٰت: ۱/ ۱۴۸ (ط محمد فواد عبدالباقی)

❹ مسند احمد: ۴/ ۱۸۴، ۱۸۵۔ سنن دارمی: ۱/ ۸، ۹۔ مستدرک حاکم: ۲/ ۶۱۶ ان تینوں مؤلفین کے ہاں یہ حدیث عتبہ بن عبدالسلمی کی ہے۔ اس کا دارومدار بقیہ بن ولید پر ہے اور وہ مدلس ہے۔ سند کے کسی بھی حصے میں اس نے سماعت کی تصریح نہیں کی، بلکہ تمام طبقات میں عنعنہ سے بیان کیا ہے۔ بجیر بن سعد اور خالد بن معدان کے درمیان بھی سماع کی صراحت نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کر دیتا تو یقیناً یہ روایات حسن الاسناد ہوتیں۔ زہری کی مرسل بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ (المصنف لعبدالرزاق: ۵/ ۳۱۷، ۳۱۸)

Marfat.com

احساس ہوا جو آپؐ سے محبت اور تعلق خاطر کے باوجود آپ کو آپؐ کی والدہ بی بی آمنہ اور دادا عبدالمطلب کی طرف لوٹانے کا باعث بنا۔

واقدی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آپؐ کی عمر اس وقت پانچ سال تھی جب حلیمہ سعدیہؓ نے آپ کو لوٹایا، ❶ اور بعض دوسروں کا بیان ہے کہ آپؐ کو والدہ ماجدہ کی طرف لوٹایا گیا جبکہ آپؐ چار سال کے تھے۔ آپؐ چھ سال کی عمر تک ان کے پاس رہے، ❷ پھر بی بی آمنہ آنحضور ﷺ کو ساتھ لے کر آپؐ کے ماموں بنی عدی بن النجار کے ہاں گئیں اور واپسی پر مکہ اور مدینہ کے مابین ابواء کے مقام پر وفات پا گئیں۔ ❸

یہ خبریں صحیح روایت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتیں مگر اس طرح کی خبروں میں عموماً تساہل سے کام لیا جاتا ہے۔

نبی ﷺ کے دل و دماغ پر یتیمی نے گہرا اثر چھوڑا، وہ اپنے بچپن میں اپنی مامتا سے محروم ہو گئے، جب کہ اپنی پیدائش سے ہی شفقت پدری سے محروم تھے۔

زہریؒ نے وضاحت کی ہے کہ آپؐ کے دادا جناب عبدالمطلب نے آپؐ کی کفالت اور پرورش کی۔ ❹ واقدی نے بیان کیا ہے کہ آپؐ کے دادا جان نے اپنی وفات کے وقت --- جب کہ وہ ۸۲ سال کے تھے --- آپؐ کے چچا ابوطالب کو آپ کے بارے میں وصیت کی، ❺ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر آٹھ سال تھی۔ ❻ بلاشبہ آنحضور ﷺ نے اپنے دادا جان کی محرومی کو محسوس فرمایا۔ انھیں آپؐ سے بڑی محبت و ہمدردی تھی اور وہ آپؐ کا بہت خیال

---

❶ طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۱۲۔

❷ دلائل النبوة ابو نعیم ۱/ ۱۱۸۔ السیرة الحلبیة ۱/ ۱۲۳۔(اپنی والدہ کے پاس ٹھہرنے کے بعد کی عمر پر محیط۔) اس نے یہ اُموی سے نقل کیا ہے۔

❸ یہ ابن اسحٰق کا قول ہے جو اس نے عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے مرسل سنا ہے اور یہی قول واقدی کا بھی ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱/۱۵۵ و طبقات ابن سعد: ۱/۱۱۶، ۱۱۷)

❹ مصنف عبدالرزاق ۵/۳۱۸۔ یہ زہری کی مرسل روایت ہے۔

❺ طبقات ابن سعد ۱/۱۱۷، ۱۱۹۔ اور واقدی متروک الحدیث ہے۔

❻ السیر والمغازی ابن اسحٰق ۶۵، ۶۶ منقطع سند کے ساتھ، دلائل بیہقی: ۲/۲۱، ۲۲۔ السیرة النبویة ذهبی ۲۵، ۲۶۔ ابن عباس تک نہایت ضعیف سند کے ساتھ کیونکہ عبداللہ بن شبیب ربعی ضعیف ہے۔ (میزان ذہبی: ۲/۲۳۸، ۲۳۹)

Marfat.com

رکھتے تھے۔ ❶

ایسی روایات وارد ہوئی ہیں جو آپؐ کے ساتھ جناب ابوطالب کی ہمدردی اور تعلق کو ظاہر کرتی ہیں۔ ❷ اور جس سے جناب ابوطالب کی آپؐ کے ساتھ شدید محبت کا ثبوت ملتا ہے، وہ سفر شام میں آپؐ کو اپنے ہمراہ رکھنا ہے۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ جب آپؐ ابوطالب کی زیر پرورش تھے تو آپؐ ان کی بکریوں کو چرانے میں ان کے ساتھ تعاون فرماتے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے اہل مکہ کی بکریاں قراریط (اشرفیوں) کے عوض میں چرائی ہیں۔ ❸ غالباً ابوطالب کی تنگدستی میں ان کی معاونت کے لیے آپ نے یہ کام کیے ہیں۔ بکریوں کے چرانے میں رسول اللہ ﷺ کے لیے بعد کے حالات میں انسانوں کی تربیت کی مشق کا ایک پہلو تھا۔ چنانچہ آپؐ نے لڑکپن ہی سے عمل وجہد و مشقت کو اپنا لیا تھا، نیز آپؐ اپنے ماحول میں دلچسپی لینے اور دوسروں کی مدد کرنے کے بھی عادی ہو گئے۔ بعض اوقات ہمیں آپؐ کا بکریاں چرانا ان احادیث کو یاد دلاتا ہے جن میں آپؐ نے حیوانوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب فرمائی ہے۔

قصۂ بحیرا راہب

جناب ابوطالب نے نبی ﷺ کو شام کی طرف تجارتی سفر میں ساتھ لیا، اس وقت مختلف روایات کی رو سے آپؐ اپنی عمر کے نویں، دسویں یا بارہویں سال میں تھے۔ ❹ اس سفر میں قریش کے قافلے کو بحیری راہب نے بصریٰ شہر میں کھانے کی دعوت دی۔ اس نے نبی ﷺ

---

❶ ضعیف روایات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں، جیسا کہ طبقات ابن سعد ۱/۱۱۲، ۱۱۳۔ مستدرک حاکم ۲/۶۰۳، ۶۰۴ میں ہے۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔ لیکن سند میں عباس بن عبدالرحمٰن مولیٰ بنی ہاشم ہے جس کے حالات پردہ میں ہیں۔ تقریب التہذیب: ۲۹۳۔

❷ طبقات ابن سعد ۱/۱۲۰ مرسل اسناد کے ساتھ۔ یہ روایات مرسل بیان کرنے والوں عبداللہ بن قبطیہ اور عمرو بن سعید قرشی تک صحیح الاسناد ہیں۔ البتہ ابن سعد نے جو یہ بیان کیا ہے کہ ''جب محمد آل ابوطالب کے طعام میں حاضر ہوتے تو اس میں برکت اترتی۔'' یہ بات کسی صحیح طریق سے ثابت نہیں بلکہ ان کا بڑا حصہ واقدی کے ذریعہ سے آیا ہے۔ (واقدی کے بارے میں اقتباسات کے لیے دیکھیے: تاریخ دمشق (السیرة) لابن عساکر: ۱/ ۷۱، ۷۲ اور الخصائص الکبریٰ للسیوطی: ۱/ ۸۳)

❸ صحیح البخاری (فتح الباری: ٤/ ١٤١ اور ٦/ ٤٣٨) صحیح مسلم مع شرح نووی ١٤/ ٦٠٥)

❹ عیون الاثر لابن سیّد الناس ٤٠.

Marfat.com

کی صفات واحوال سے آپؐ کو پہچان لیا اور جان لیا کہ آپؐ یتیم ہیں اور یہ کہ آپؐ اپنے کندھوں کے درمیان مہر نبوت کے حامل ہیں۔ نیز اس نے دیکھا کہ بادل دھوپ سے بچانے کے لیے آپ کے اوپر سایہ کیے ہوئے ہے اور یہ کہ آپ درخت کے نیچے سوتے تو وہ جھک کر آپؐ پر سایہ کرتا۔ اس قصہ کی روایت کا اختتام اس تنبیہ پر ہوتا ہے جو راہب نے نبی ﷺ کے چچا ابوطالب کو کی، کہ وہ آپ کو یہودیوں اور رومیوں سے بچا کر رکھیں۔

اس قصے کے قوی تر طرق جامع ترمذی میں وارد ہیں [1] اور اس بارے میں امام ترمذیؒ نے کہا ہے: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔'' حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [2] ذہبیؒ نے اس پر یوں تبصرہ کیا ہے: ''میں اسے موضوع سمجھتا ہوں اور اس کا کچھ حصہ باطل ہے۔'' [3] اور انھوں نے اس کی روایت کی سند اور متن پر اعتراضات کیے ہیں اور اسے منکر سے متصف کیا ہے، بلکہ ان کے اس تبصرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو پوری روایت میں شک ہے۔ [4]

اس کی سند پر تنقید کرتے ہوئے عبدالرحمٰن بن غزوانؒ --- اس کے راوی --- کے بارے میں کہا ہے: ''له مناکیر'' یعنی اس کی روایات منکر ہیں۔ پھر کہا: ''میں اس کی اس حدیث کا انکار کرتا ہوں جو اس نے یونس بن ابی اسحاق سے ابوطالب کے ساتھ نبی ﷺ کے سفر شام کے بارے میں روایت کی ہے، [5] جب کہ آپؐ کی عمر تیرہ سال تھی۔''

اور جہاں تک متن پر اس کی تنقید کا تعلق ہے تو کہا: ''حدیث شدید منکر ہے، اور کہاں

---

[1] سنن الترمذی: ۵/۵۹۰، ۵۹۱ میں قراد تک اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور قراد ہی کی سند سے ابن ابی شیبہ نے اپنی تالیف المصنف ۱۴/۲۸۶ میں، اور ابن ابوالدنیا نے ھواتف الجان ۱۹۴ میں، اور حاکم نے المستدرک ۲/۶۱۵ میں اور طبری نے اپنی تاریخ ۲/۲۷۷، ۲۷۸ میں اور بیہقی نے اپنی دلائل النبوۃ ۲/۲۴ میں اور خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد ۱۰/۲۵۲ میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ ابن سعد نے طبقاتِ کبریٰ ۱/۱۲۰، ۱۵۴ میں ایسے طرق سے نکالا ہے جو معضل ہیں۔ ابن اسحٰق کے ہاں یہ عبداللہ بن ابوبکر کی مرسل روایت سے ہے۔ (تاریخ طبری: ۲/۲۷۸) اور سیرت ابن اسحٰق میں یہ حدیث بغیر سند کے واقع ہوئی ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/۱۸۰)

[2] مستدرك حاكم: ۲/ ۶۱۵، ۶۱۶.

[3] ذہبی کی تلخیص المستدرك: ۲/ ۶۱۵، ۶۱۶.

[4] ذہبی کی السیرة النبویة: ۲۸.

[5] ذہبی کی میزان الاعتدال: ۲/ ۵۸۱.

Marfat.com

تھے ابوبکر؟ وہ دس سال کے لڑکے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے اڑھائی سال چھوٹے تھے۔ اور کہاں تھے اس وقت بلال؟ ان کو تو ابوبکرؓ نے آپؐ کی بعثت کے بعد ہی خریدا تھا، حالانکہ وہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور یہ بھی کہ جب بادل آپؐ پر سایہ کرتا تھا تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ درخت کا سایہ آپ پر مائل ہوتا تھا، کیونکہ بادل کا سایہ درخت کے سایے کو معدوم کر دیتا ہے جس کے نیچے آپ کا آرام کرنا بیان ہوا ہے۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ نبی ﷺ نے کبھی ابو طالب سے راہب کی بات کا ذکر کیا ہو اور نہ کبھی قریش نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور نہ ہی ان بزرگوں نے اس کا ذکر کیا ہے، جو اس طرح کی حکایتوں میں دلچسپی رکھنے اور ان کی وسیع اشاعت کرنے والے ہیں۔ لہٰذا اگر وہ واقعہ ہوا ہوتا تو بڑی شہرت حاصل کر لیتا۔ اور آپ کے ہاں نبوت کا ایک احساس ہوتا جو باقی رہتا اور آپؐ کے لیے وحی کا بارِ اول غار حرا میں آنا اجنبیت کا باعث نہ ہوتا اور نہ آپؐ خوفزدہ ہو کر حضرت خدیجہؓ کے پاس آتے اور نہ ہی خود کو گرا دینے کے لیے آپؐ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جاتے۔ [1] اور اگر ابو طالب کو ایسا کوئی خوف اور اسے دور کرنے کا احساس ہوتا تو وہ کیسے راضی ہوتے کہ آنحضور ﷺ حضرت خدیجہؓ کی طرف سے تجارت کے لیے شام کی طرف سفر پر جائیں!

حدیث میں الطرقیة سے مشابہ منکر الفاظ ہیں۔ ابن عائذؒ نے اپنے مغازی میں اپنے اس قول ''ابوبکرؓ نے بلالؓ کو آپؐ کے ہمراہ بھیجا۔۔۔ الخ۔'' کے ساتھ اس کے معنی بیان کیے اور کہا کہ ہمیں ولید بن مسلمؒ نے بتایا کہ اسے ابوداود سلیمانؒ بن موسیٰ نے خبر دی، پھر اس کی حقیقت سے ہمیں آگاہ کیا۔ [2]

ذہبیؒ نے اپنے کلام میں اسے پورا پورا بیان کیا ہے کیونکہ وہ اس روایت پر تنقید کرنے والوں میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ اس کا کلام اس حدیث کے بارے میں متون کی تنقید کے ساتھ اور محض اسانید کی تنقید پر انحصار کے ساتھ --- جیسا کہ بعض محدثین ان پر اعتراض کرتے ہیں --- پوری توجہ کے ساتھ جو انکشاف کرتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ ابن سید الناس نے ترمذیؒ کی روایت پر تبصرہ کیا اور اسے اس کے متن میں موجود منکر سے آگاہ کیا، لیکن اسے ابوبکرؓ کے بلال

---

[1] اس مسئلہ کے لیے کتاب ہذا کا صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲ ''محمدؐ کے متعلق انبیاء کی بشارتیں'' دیکھیں۔

[2] السيرة النبوية للذهبي: ٢٨.

Marfat.com

کو نبی ﷺ کے ہمراہ بھیجنے والی بات تک محدود رکھا، جو دوسری روایت میں وارد ہوا ہے۔ ❶ شاید حافظ ذہبیؒ نے روایت کے متن پر تنقید میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ اور اسی طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن قیمؒ نے یہ وضاحت کرتے وقت کہ روایت میں بلالؓ کا ذکر فاش غلطی ہے ❷ اس سے استفادہ کیا ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ پہلی رائے ابنؒ اسحاق کی ہو جنھوں نے (یزعمون) کے مریضانہ صیغہ کے تین بار استعمال کے ساتھ اس روایت پر شک کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے قراد پر تنقید کرنے والے کی توثیق کو نقل کرنے کے بعد کہا: ''ترمذی کے ہاں ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سے اس کی ایک حدیث ہے جس میں منکر الفاظ ہیں۔'' ❸ ابوبکرؓ اور بلالؓ کے ذکر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''اس لیے کہ اس حدیث میں ان الفاظ کا داخلہ کسی دوسری حدیث کا جزو لے کر کیا گیا ہے۔۔۔ اور فی الجملہ اس کی ایک روایت کی رو سے یہ واقعہ صرف ایک تخیل ہے۔'' ❹ اس اظہار سے واضح ہوتا ہے کہ اس روایت پر ائمہ کی تنقید کا ہدف اس کا متن ہے، بالخصوص روایت کا آخری فقرہ جس میں ابوبکرؓ اور بلالؓ کا ذکر ہے۔ البانیؒ نے واضح کیا ہے کہ جزری نے اسناد کو درست قرار دیا ہے اور کہا ہے: ابوبکر اور بلال کے اس میں ذکر کا دفاع نہیں کیا جاسکتا۔'' البزار کی روایت میں واردشدہ بیان پر البانی کا تبصرہ ہے کہ ''وارسل معه عمه رجلا'' جو ترمذی کی حدیث کی عبارت میں ''رجلا'' و ''بلالا'' کے مابین تصحیف (تبدیلی نام) کا قوی احتمال ہے۔ ❺ لیکن ''ابوبکر'' کی ''عمه'' کی طرف تصحیف کی مشکل باقی رہتی ہے۔ بہرحال آخری فقرہ میں نکارت کے ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ساری روایت ضعیف ہے جب تک کہ سند درست ہے۔ اور قراد سے متعلق ذہبیؒ کا قول'' له مناكير '' اس کی ثقاہت کو متاثر نہیں کرتا کیونکہ اس کی ثقاہت صرف اس کی منکر روایات میں متاثر ہوتی ہے۔ اس صورت میں اس کا احتمال ہے کہ جب تک کہ وہ اس سے آگے نہ بڑھے۔ ذہبیؒ کا اس روایت کو محض متنازعہ ہونے کے احتمالات کی بنیاد پر پورا پورا رد کر دینا پوری روایت میں طعن کی کوئی دلیل نہیں اور نہ اس کا کوئی جواز ہے۔

---

❶ عيون الاثر لابن سيّد الناس: ١/ ٤٣.

❷ ابن قیم کی زاد المعاد: ١/ ١٧.

❸ هدى السارى ٤١٨.

❹ ابن حجر کی الاصابة ١٧٧.

❺ شیخ البانی کی دفاع عن الحديث النبوى والسيرة، ص ٦٦، ٦٧۔

Marfat.com

اور اس بات کا امکان ہے کہ ترمذی کی روایت پر اور دیگر ضعیف روایات مثلاً ابن اسحاق عن عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاریؒ کی روایت ❶ جب کہ وہ، سیرت سے منسوب تابعین میں سے ہے، کے ساتھ آنحضور ﷺ کا اپنے چچا کے ساتھ بصریٰ کی طرف سفر کے اثبات پر دل مطمئن ہو جائے، لیکن ابن اسحاق کی یہ اسناد قصہ بحیرا میں بڑے مؤلفین کے اس روایت پر اعتماد کے باوجود مشکوک اور ضعیف ہیں۔ ❷ اسی طرح سے ابومجلز لاحق بن حمید ؒ(ت ۱۰۶ھ) کی صحیح اسناد کے ساتھ روایت ہے لیکن وہ مرسل ہے۔ ❸ اسی طرح سے زہریؒ کی روایت مرسل ہے۔ ❹ واقدی کے طرق سے بھی دو روایات ہیں جنھیں ابنؒ سعد اور ابونعیمؒ اصفہانیؒ نے بیان کیا ہے۔ ❺ واقدی کی حکایت کو اس کی مرویات کے ساتھ ملایا جاتا ہے جب تک وہ متضاد نہ ہوں۔ اور اگرچہ اس کی مرویات حجت کا کام نہ دیتی ہوں، بلکہ علمائے حدیث کے ہاں ضعیف کی تقویت کے لیے بھی وہ غیر معتبر ہوں۔

بعض مستشرقین نے کوشش کی ہے کہ اس قصہ کی بنیاد پر سیرت کے حوالے سے کمزور پہلو اجاگر کریں۔ وہ ایک ناروا علمی مہم ہے جب کہ ان کا زعم ہے کہ نبی ﷺ نے بحیریٰ سے تورات کا علم حاصل کیا ❻ اور یہ عقل میں آنے والی بات نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے بارہ سال کی عمر میں کھانے کے وقت میں جس کے دوران وہ بحیریٰ سے ملے، تورات کا علم سیکھ لیا، جب کہ آپؐ امی ہیں اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے؟! علاوہ ازیں زبان بھی اس میں حائل تھی کیونکہ اس وقت تک تورات اور انجیل عربی زبان میں ناپید تھیں۔ ❼ اور جب اسلام کی بنیاد کو تورات کی طرف

---

❶ تاریخ طبری: ۲/۲۷۷، مزید دیکھیے: مغازی ابن اسحٰق ۵۲۔ اس میں یہ روایت بغیر سند کے ہے۔

❷ تاریخ طبری: ۲/ ۲۷۸۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ۲/ ۲۶۶۔ دلائل نبوت ابونعیم: ۱۲۶۔ دلائل نبوت بیہقی: ۲/ ۲٤۔ الکامل ابن اثیر: ۲/۲۳.

❸ السیرة النبویة للذهبی: ۲۹.

❹ امام ذہبی نے السیرۃ النبویۃ ۲۹ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

❺ طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۲۰ اور ابن جوزی نے صفة الصفوة ۱/ ۲۲، ۲۳ میں اور سیوطی نے خصائص کبریٰ ۱/۱۴۱ میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔

❻ غوستاف لوبون نے حضارۃ العرب ۱۰۲ میں اور منتکری واط نے اپنی کتاب "محمد فی مکة" ص ۷۵ میں یہ بات کہی ہے۔

❼ دراز کی کتاب مدخل الی القرآن الکریم: ۱۳۵۔

Marfat.com

لوٹانا مقصود ہوا تو کہاں ہے تورات کی تعلیمات کا اثر رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں، حالانکہ آپ ﷺ کی بعثت اور بحیریٰ کے ساتھ آپ ﷺ کی ملاقات کے دوران اٹھائیس سالوں کا عرصہ ہے!!

جہاں تک بحیریٰ کی نسبت سے ہماری معلومات ہیں تو مصادر اس کے معاملے میں بالکل متفق ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے، بلکہ اس کے نام تک میں اختلاف ہے۔ ایک مرتبہ اس کا نام جرجیس بتایا گیا ہے دوسری مرتبہ جرجس، تیسری بار سرجیس اور چوتھی بار سرجس۔ ❶ کہا گیا ہے کہ یہ آرامی لفظ ہے جس کا معنی ہے "منتخب"، دوسری رائے تھی "سریانی" ہے جس کے معنی عالم متبحر کے ہیں۔ ❷ ایک دفعہ قبیلہ عبدالقیس سے منسوب عبقسی کہا گیا۔ ❸ ایک بار کہا گیا وہ نصرانی ❹ ہے اور دوسری بار یہودی۔ ❺

حلف المطیبین میں آپ ﷺ کی شمولیت

اسناد کے بغیر واقدی اور ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حرب الفجار جس میں ایک طرف قریش و کنانہ تھے اور دوسری طرف قیس عیلان تھے، اسی جنگ میں رسول اللہ ﷺ نے شمولیت فرمائی تھی۔ یہ جنگ دورِ جاہلیت کی روایات اور معاہدات میں اختلاف کی بنا پر ہوئی تھی۔ حالانکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی شمولیت ثابت نہیں، لیکن یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حلف المطیبین میں شمولیت کی خبر دی۔ اور یہ فرماتے ہوئے اس کی تعریف کی ہے: "میں نے اپنے چچاؤں کے ساتھ، جب کہ میں لڑکا تھا، حلف المطیبین میں شمولیت کی تھی اور مجھے پسند نہیں کہ میں سرخ اونٹوں کے بدلے میں اسے توڑوں۔" ❻

---

❶ شرح مواهب لدنيه زرقاني: ١/ ١٩٤۔ روض انف سهيلي: ١/ ١١٨۔ مروج الذهب مسعودی: ٢/ ٧٥ اور دائره المعارف الاسلاميه: ٢/ ٣٩٧.

❷ دائره معارف اسلاميه: ٢/ ٣٩٧۔ دائره معارف بستانی: ٥/ ٢١٨.

❸ مروج الذهب مسعودی! ١/ ٧٥.

❹ سيرت ابن اسحق: ٥٢.

❺ البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ۲/ ۳۱۱، اور اس نے اسے زہری کی طرف منسوب کیا ہے۔

❻ اسے احمد نے اپنی مسند ۱/ ۱۹۰۔ ۱۹۳ میں اور امام بخاری نے الادب المفرد، رقم: ٥٦٧، طبع الحوت میں اور ابن مقری نے المعجم ۲۴ میں اسنادِ حسن سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے مستدرک: ۲/ ۲۱۹، ۲۲۰ میں درج کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔ ذہبی نے اس کی تائید کی ہے۔ پھر معاصرین ⇦⇦⇦

Marfat.com

حلف المطیبین بنی ہاشم، بنی امیہ، بنی زہرہ اور بنی مخزوم کے مابین یہ معاہدہ تھا ❶ اور یہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ہوا تھا۔ اس میں طے ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد کی جائے گی اور ظالم سے مظلوم کا حق دلانے، نیز جو کچھ زائد ہو وہ اس کے اہل کو لوٹانے کا عہد تھا۔

اس حلف کو حلف الفضول کا نام دیا گیا اور حدیث میں حلف المطیبین کے نام سے موسوم ہے۔ اس لیے کہ جن خاندانوں نے حلف المطیبین کا معاہدہ کیا وہی تھے جنھوں نے حلف الفضول کا معاہدہ کیا تھا۔ حلف المطیبین قصی کی وفات کے بعد پرانے وقتوں میں قائم رہا تا آنکہ بنی عبد مناف بنی عبدالدار کے ساتھ مکہ میں رفادہ اور سقایہ کے متعلق جھگڑ پڑے۔ ❷ اس سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے بعض نصوص میں صراحت فرمائی ہے کہ آپؐ نے مشرکین کے لیے صرف ایک حلف میں ہی شرکت فرمائی۔

پھر یہ کہ قدیمی حلف المطیبین، حلف الفضول جس میں رسول اللہ ﷺ نے شرکت فرمائی، کی طرح عدل کی خاطر معاونت کے معنی کا حامل نہیں تھا۔ اور ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ آنحضور ﷺ اس وقت بیس سال کے تھے۔ ❸

بلاشبہ عدل ایک بنیادی وصف ہے نہ کہ اضافی۔ اور رسول اللہ ﷺ کا یہ اعزاز ہے کہ

⇦⇦ میں سے البانی نے حاشیہ فقه السيرة ٧٥ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ابو ہریرہ کی حدیث میں سے اس کا ایک شاہد حسن بھی ہے۔ موارد الظمآن ٥٠٤، رقم: ٢٠٦٣، دلائل نبوت بیهقي: ٢/ ٣٨ اور دیکھیے: البانی کی السلسلة الصحيحة: ٤/ ٥٢٤۔ اس کا ایک اور قابل بھروسہ شاہد ابن عباس کی حدیث ہے۔ الطبرانی کی معجم کبیر: ١١/ ٢٩٣۔ اس کا ایک اور شاہد بھی ہے، سند حسن کے ساتھ ہے مگر وہ طلحہ بن عبداللہ بن عوف کی مرسل روایت ہے۔ سیرت ابن ہشام: ١/١٣٤۔ اور مزید دیکھیے: سنن کبریٰ بیہقی: ٦/ ٣٦٧۔

❶ سنن کبریٰ بیہقی: ٦/ ٣٦٦ اور ساتھ ہی بیہقی نے کہا ہے کہ میرے علم میں یہ بات نہیں کہ یہ ناموں کی تفصیل ابوہریرہ کے الفاظ ہیں یا ان سے نیچے کسی اور راوی کے البتہ ابن اسحٰق ذکر کرتا ہے کہ وہ بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تیم تھے۔ (سیرت ابن ہشام: ١/١٣٣) حلف المطيبين کی تفاصیل جاننے کے لیے دیکھیے: "المفصل في تاريخ العرب قبل الاسلام" ٤/ ٦٢، ٦٣۔

❷ سنن کبریٰ بیهقي: ٦/ ٣٦٧ اور دیکھیے: معارف لابن قتيبه: ٦٠٤.

❸ ابن اسحٰق نے آپ کی عمر کی تاریخ کے سلسلے میں اس وقت کا ذکر کیا ہے، جب حرب فجار کنانہ (اور قریش اس کے ساتھ تھے۔) اور قیس عیلان خاندانوں کے درمیان ہوئی تھی۔ حلف الفضول کا معاہدہ قریش کو فجار کی جنگ سے پھیرنے والا تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ١/١٨٦) اور دیکھیے: سیرت نبوی ذہبی: ٣٠۔

Marfat.com

اپنی بعثت سے بیس برس قبل میں شمولیت فرمائی جن کی بنیاد عدل کا قیام تھا، اور مثبت قدریں تحسین کی مستحق ہیں اگر چہ ان کا صدور اہل جاہلیت سے ہو۔

آنحضور ﷺ کا حضرت خدیجہؓ سے نکاح

رسول اللہ ﷺ کے ام المومنین حضرت خدیجہؓ بنت خویلد سے نکاح کی تفصیلات کا ذریعہ بہت کمزور روایات ہیں، جن سے آپؐ کے ام المومنین حضرت خدیجہؓ سے تعارف کی تعیین ان کے لیے تجارت کے عمل سے ہوتی ہے، جو اپنی تجارت کے باوصف دولت مند ہو گئی تھیں۔ آپؐ ان کی تجارت کے لیے دو مرتبہ خمیس مشیط ❶ کے قریب جرش ❷ میں جو یمن کے ماتحت تھا--- یا حباشہ میں جو مکہ کے نواح میں تہامہ کا بازار تھا ❸ --- یا شام ❹ تشریف لے گئے۔

چنانچہ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کی تجارت سے نفع کمایا۔ ان کے غلام میسرہ نے جو آپؐ کے ساتھ تھا، انھیں آپؐ کے اخلاق اور عادات بتائے۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ متاثر ہوئیں۔ آپؐ نے حضرت خدیجہ کے والد خویلد بن اسد ❺ کو حضرت خدیجہ سے اپنے نکاح کا پیغام بھجوایا تو

---

❶ معجم المعالم الجغرافية فی السيرة: ٨١۔٨٢.

❷ مستدرك حاكم: ٣/ ١٨٢۔ حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذھبی نے تائید کی ہے۔ مگر اس میں ابو زبیر کی تدلیس ہے اور اس نے روایت "عن" کے الفاظ سے بیان کی ہے، لہٰذا سند ضعیف و کمزور ہے۔

❸ مصنف عبدالرزاق: ٥/ ٣١٩، ٣٢١۔ یہ زہری کی مراسیل میں سے ہے۔ مزید دیکھیے: بکری کی معجم ما استعجم: ٢/ ٤١٨.

❹ سیرة ابن اسحق ٥٩ بغیر سند کے۔ طبقات ابن سعد: ١/١٥٥، ١٥٧۔ واقدی کی روایت ہے اور یہ متروک الحدیث ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سقوطِ سند کے بعد متن میں موجود مبالغہ آمیز باتوں پر بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ مثلاً بحیریٰ راہب کا کہنا: "اس درخت کے نیچے کسی نبی کے سوا کوئی نہیں اُترا۔" اور جیسے اس کا یہ کہنا: "یہ آخر الانبیاء ہے!" اور یہ بات کہ جب آپؐ مکہ میں داخل ہوئے تو خدیجہ نے دیکھا کہ:" وہ اپنے اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتوں نے آپ پر سایہ کر رکھا ہے تو انھوں نے اپنی عورتوں کو بھی یہ منظر دکھایا اور انھوں نے اس بات پر بہت تعجب کیا۔" وغیرہ وغیرہ۔
ان روایات کے متون و اسانید کی بحث کے لیے ڈاکٹر عبدالعزیز بن محمد عبداللطیف کی تالیف "امہات المؤمنین" کا مطالعہ کریں۔ یہ ڈاکٹر موصوف کی نئی تحقیق ہے جو پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کے طور پر میری نگرانی میں لکھی گئی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر یہ چھپ جائے۔

❺ یہ قول زہری کا ہے۔ (المغازی النبوية: ٤٢) اور یہی قول ابن اسحٰق کا ہے۔ (سیرة ابن هشام: ١/ ٢٠٣) مگر واقدی کا خیال ہے کہ خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد نے ان کا نکاح دیا تھا کیونکہ خویلد بن اسد حرب فجار ⇦⇦⇦

Marfat.com

انھوں نے حضرت خدیجہؓ کا نکاح آپؐ سے کردیا۔ ابنؒ اسحاق کی رائے ہے کہ حضرت خدیجہؓ اس وقت اٹھائیس سال کی تھیں ❶ جب کہ واقدی کی روایت ہے کہ وہ چالیس سال کی تھیں۔ ❷ ابنؒ اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے ہاں دو بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں، اور غالب یہ ہے کہ ایک عورت پچاس سال کی عمر سے قبل بانجھ ہو جاتی ہے۔ اس سے ابن اسحاق کی روایت کو تقویت ملتی ہے۔

یہ معلومات حدیث کی رو سے ثابت نہیں ہوتیں، البتہ یہ مؤرخین کے ہاں مشہور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے گھر میں سکونت اختیار فرمائی۔ وہیں شادی ہوئی، اسی گھر میں حضرت خدیجہؓ کے ہاں ساری اولاد پیدا ہوئی۔ اسی میں ان کی وفات ہوئی، رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اور رسول اللہ ﷺ اسی میں رہائش پذیر رہے تا آنکہ آپؐ ہجرت کے وقت وہاں سے نکلے۔ آپؐ کے بعد عقیل بن ابی طالب نے اسے اپنے تصرف میں لے لیا۔ ❸

ان واقعات کی وضاحت کے لیے صحیح احادیث نہیں پائی جاتیں۔ لیکن صحیح روایات سے آنحضور ﷺ کا حضرت خدیجہؓ سے نکاح ثابت ہے۔ نیز نبی ﷺ کی ان کے ساتھ محبت، ان کی مدح اور ان کی وفات کے بعد ان کے ذکر کے وقت آپ کے دلی احساسات کا اظہار ثابت ہے۔ آغاز نزول وحی کے وقت حضرت خدیجہؓ کا آپؐ کو اطمینان دلانا، آپؐ کے ساتھ دعوت ایمان کی مساعی میں شریک رہنا یہ وہ معروف انداز ہیں جو حضرت خدیجہؓ کے اسلام میں اونچے مقام و مرتبہ کی دلیل ہیں۔ ❹ اور اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہؓ آنحضورؐ کی پہلی زوجہ مطہرہ ہیں۔ ❺ ان سے آنحضور ﷺ کے دو بیٹے قاسمؓ اور عبداللہؓ جن کے لقب طیب اور طاہر

⇦⇦⇦ سے قبل ہی فوت ہو گئے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۱۳۲/۱، ۱۳۳) دوسرے مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ خویلد بن اسد حرب فجار میں اپنی قوم کے پیشوا تھے۔ (بلاذری کی انساب الاشراف: ۱۰۲/۱، محمد بن حبیب کی المحبر ۱۷) حافظ ابن حجر نے اس بات کی تائید کی ہے کہ ان کے والد نے ہی ان کا نکاح دیا تھا۔ (فتح الباری: ۱۳۷/۷)

❶ مستدرک حاکم: ۱۸۲/۳ میں ابن اسحٰق کا یہ قول بغیر سند کے۔

❷ طبقات ابن سعد: ۱۷/۸۔ ❸ اخبار مکہ الفاکہی: ۷/۴۔

❹ ان کی فضیلت کے لیے دیکھیے: صحیح البخاری: ۳/۱۔ بدء الوحی: ٤/ ٢٣٠، ٢٣١، ٦/ ١٥٨۔ صحیح مسلم: ١/ ١٤١، کتاب الایمان، باب بدء الوحی: ٤/ ١٨٨٦، ١٨٨٨، ١٨٨٩۔

❺ انساب القرشیین ابن قدامہ: ٥١۔ فتح الباری ابن حجر: ٧/ ١٣٧۔

Marfat.com

ہوئے اور چار بیٹیاں: زینبؓ، ام کلثومؓ، فاطمہؓ اور پھر رقیہؓ پیدا ہوئیں۔ ❶ قاسمؓ اور عبداللہؓ اسلام کے ظہور سے قبل فوت ہو گئے۔ بیٹیوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور ایمان لائیں۔ حضرت خدیجہؓ آنحضرت کی ہجرت مدینہ سے تین سال قبل فوت ہو گئیں۔ ❷ رضی اللہ عنہا۔! اور یہ واقعہ اسراء (معراج) سے پہلے کا ہے۔ ❸

آنحضورؐ بعثت سے قبل اللہ کی نگہبانی میں (علاماتِ بعثت)

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ وحی سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی کفر سے پاک اور مبرا ہیں اور کبائر کے ارادے سے وحی کے بعد معصوم ہیں۔ اور جہاں تک صغائر کا تعلق ہے تو وحی کے بعد جمہور کے نزدیک ان کا ترک ارادے سے ہے اور علما کے کلام سے نتیجہ نکلتا ہے کہ وحی سے قبل آنحضور ﷺ کے لیے کبیرہ گناہ کا ہونا ممکن نہیں تھا ❹ (اس کے باوجود آنحضور ﷺ ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم تھے) اور تاریخی روایات کی تحقیق جو وحی سے قبل کفر اور کبائر سے آنحضور ﷺ کی عصمت کی معاً تصدیق کرتی ہے۔ کچھ ضعیف روایات وارد ہوئی ہیں جن سے اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لڑکپن (جب کہ آپؐ بکریاں چرایا کرتے تھے) میں آپؐ کو گانا سننے اور ناشائستہ مجلسوں میں شریک ہونے سے بچائے رکھا۔ ❺ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو

---

❶ معجم کبیر طبرانی: ۲۲/۳۹۷۔ نسب قریش مصعب زبیری: ۲۳۱.

❷ صحیح البخاری: ۷/ ۲۲٤، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی عائشة۔ یہ عروہ کی روایت ہے۔ بظاہر یہ مرسل معلوم ہوتی ہے، مگر اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ انھوں نے یہ روایت عائشہ سے لی ہے۔ (فتح الباری: ۷/۲۲٤).

❸ المعرفة والتاریخ للفسوی ۳/ ۲۰۵ عروہ کی مرسل روایت ہے۔

❹ علامہ سفارینی کی لوامع الانوار البھیة: ۲/ ۳۰۵.

❺ السیر والمغازی ابن اسحٰق: ۷۹، ۸۰۔ اس سند میں محمد بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ ہے۔ صرف ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس راوی کو مقبول قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ متابعت کا محتاج ہے۔ دیکھیے: حاشیہ فقه السیرة للغزالی: ۷۲، ۷۳ از تعلیقات البانی.
ایک اور روایت دیکھیے، جس کی اسناد میں مجہول راوی ہیں اور طبرانی نے اپنی معاجم میں بیان کی ہے۔ المعجم الصغیر: ۲/ ۱۳۸، رقم: ۹۲۱ اور مجمع البحرین: ۲/ ل ۲۵ أ.

Marfat.com

برہنہ ہونے سے محفوظ رکھا جب کہ آپؐ کا لڑکپن تھا اور آپؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پتھروں کے ساتھ کھیل رہے تھے جب کہ انھوں نے اپنے تہہ بند اٹھا رکھے تھے تو آپؐ کو کہا گیا کہ آپؐ اپنی چادر باندھے رکھیں۔ ❶ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کو تہہ بند اٹھانے سے منع کر دیا گیا تھا جب کہ آپ جوان تھے اور قریش نے کعبہ کی از سر نو تعمیر کی تھی۔ آنحضور ﷺ اپنے چچا عباسؓ کے ساتھ پتھر ڈھونے میں شریک تھے تو حضرت عباسؓ نے آپ کو مشورہ دیا جب تک آپ لوگوں سے دور رہیں اپنا تہہ بند اتار کر اپنی گردن پر رکھ لیا کریں تا کہ وہ پتھروں کے اثر سے محفوظ رہے۔ جونہی آپؐ نے ایسا کیا تو آپؐ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ افاقہ ہوا تو آپؐ کو تہہ بند باندھنے کا کہا گیا۔ ❷ کعبہ کی تعمیر کی تجدید کے وقت آپؐ کی عمر ۳۵ سال تھی ❸ اور عربوں کے ہاں جاہلیت میں برہنگی معیوب نہ تھی۔ وہ بیت عتیق کے گرد ننگے ہو کر طواف کرتے ماسوائے حمس (قریش) کے۔ چنانچہ برہنہ حالت میں طواف جاری رہا حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس حکم کے ساتھ منع کر دیا جس کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ۹ ہجری میں حج کے موقع پر پہنچایا، اعلان کیا گیا کہ ''اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور بیت اللہ کے گرد برہنگی کی حالت میں طواف نہیں کیا جائے گا۔'' ❹

---

❶ السیر والمغازی ابن اسحٰق ۷۸۔ اس کی سند میں کوئی مبہم راوی ہے۔

❷ اسے شیخان نے روایت کیا ہے۔ جابر بن عبداللہ کی حدیث سے۔ (فتح الباری: ۴۷۴/۱ اور صحیح مسلم مع شرح نووی: ۳۳/۴، ۳۴) خود عباس کی روایت جو السیر والمغازی ۷۹ لابن اسحٰق ہے، اس میں یونس بن بکیر کے اضافے ہیں۔ اور اس کی سند میں سماک بن حرب عن عکرمہ ہے۔ اس کی اس روایت میں اضطراب ہے اور اس کے ساتھ ہی سماک کی آخر عمر میں تغیر ہو گیا تھا، لیکن بقول ابن حجر حکیم بن ابان نے اس کی متابعت کی ہے۔ (الفتح: ۴۴۱/۳) اس طرح سند حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ یہ روایت واضح کرتی ہے کہ عباس اور رسول اللہ کی برہنگی لوگوں سے دور تھی۔ مسند احمد ۴۵۴/۵ کی روایت نے سند صحیح سے نام لے کر کہا ہے کہ نبیؐ اجیاد سے پتھر ڈھو رہے تھے اور انھوں نے اپنے کندھے پر چادر (اوڑھنے والی) رکھی ہوئی تھی کیونکہ پتھر تکلیف دیتے تھے۔ اس روایت کی تصحیح ملاحظہ کریں۔ مستدرک حاکم: ۱۷۹/۴۔ السیرۃ النبویۃ ذہبی: ۴۰۔ لیکن ابن حجر کا خیال ہے کہ عبداللہ بن عثمان بن خثیم صرف ایک ہی آدمی پوری سند میں صدوق ہے۔ تقریب: ۳۱۳۔ اور یہ خود بخاری کے رواۃ میں سے ہے اور مسلم کے بھی۔

❸ عبدالرزاق نے مصنف ۱۰۲/۵، ۱۰۴ میں صحیح سند کے ساتھ بیان کیا، جیسے کہ اس پر ذہبی نے حکم لگایا ہے۔ (السیرۃ النبویۃ: ۳۹) اور سیرت ابن ہشام: ۲۰۹/۱، ۲۱۴ میں سند کے بغیر ابن اسحٰق سے ہے۔

❹ صحیح البخاری: ۲/ ۱٦٤، کتاب الحج، باب لا یطوف بالبیت العریان: ۲/ ۱۷٥، کتاب الحج: باب الوقوف بعرفة.

Marfat.com

اسی لیے ابن حجرؒ نے سابقہ حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے: حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ بعثت سے قبل اور اس کے بعد نازیبا چیزوں سے محفوظ تھے۔'' (1) تجدید عمارت کعبہ کے واقعات سے قریش کے ہاں نبی ﷺ کی حکیمانہ شان کا انکشاف ہوا۔ قریش کے درمیان حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کے بارے میں شدید اختلاف ہوا۔ بالآخر انھوں نے اس پر اتفاق کرلیا کہ جو شخص سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے داخل ہوا سے حکم بنالیا جائے۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ ہی داخل ہوئے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے ایک چادر منگوائی، حجر اسود کو اٹھایا اور اس کے درمیان میں رکھ کر ان سے کہا کہ مل کر اسے اٹھائیں۔ پھر آپؐ نے اسے اٹھا کر اس کے مقام پر نصب کردیا۔ (2) عبداللہؓ بن سائب المخزومی ---اور وہ اس دن تعمیر کعبہ میں شریک ہونے کے باعث عینی شاہد ہے--- نے کہا کہ جب نبی ﷺ باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے تو قریش نے کہا: ''امین آگئے'' (3) اس سے بعثت سے قبل اپنی قوم میں آپؐ کے بلند مقام کا اظہار ہوتا ہے۔

وقوفِ عرفہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے قریش سے اختلاف کیا۔ قریش مزدلفہ سے واپس ہوجایا کرتے جب کہ دوسرے لوگ عرفہ سے لوٹتے۔ قریش نے اس کا بہانہ یہ بنا رکھا تھا کہ وہ اہل حرم ہیں اور ان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ حرمت سے باہر نکلیں اور یہ کہ جس تعظیم کے مستحق

---

(1) فتح الباري: ١/ ٤٧٥.

(2) احمد نے مسند: ۴۲۵/۳ میں اور حاکم نے مستدرک: ۴۵۸/۳ میں عبداللہ بن سائب مخزومی سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اس کی تائید کی ہے۔

مگر اس کا تمام تر دارومدار ہلال بن خباب پر ہے۔ یہ صدوق تو ہے لیکن آخر عمر میں حافظے میں تغیر واقع ہوگیا تھا۔ اس بات کا علم نہیں ہوسکا کہ اس جگہ اس سے روایت کرنے والے دونوں آدمیوں عباد اور ابوزید نے حافظے میں خرابی سے پہلے سنا یا بعد میں۔ (تهذيب التهذيب: ١١/ ٧٨۔ الكواكب النيرات: ٤٣٤) اس کا ایک شاہد حضرت علی کی حدیث سے ہے۔ (مسند طیالسی: ۱۸۔ مستدرک حاکم: ۴۵۸/۱، ۴۵۹) حاکم نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے تائید کی ہے۔ لیکن اس کی سند میں موجود خالد بن عرعرہ مسلم کے رجال میں سے نہیں ہے بلکہ اس کی توثیق عجلی اور ابن حبان نے کی ہے اور یہ دونوں نقاد محدث اس معاملہ میں بڑے متساہل ہیں۔ پھر اس کی سند میں ایک علت اور بھی ہے وہ یہ کہ اس میں ایک راوی سماک بن حرب ہے جس کا آخری عمر میں حافظہ متغیر ہوگیا تھا۔ اس سے راویوں کی ایک بڑی تعداد کے باوجود سب کے سب کا ان لوگوں میں ذکر نہیں ہوا، جنھوں نے اس سے اختلاط سے قبل روایت کی ہے۔)

یہ حدیث عبداللہ بن سائب اور علی کی روایت کی بنا پر حسن لغیرہ ہوجاتی ہے اور کئی مرسل شواہد بھی اس کو تقویت دیتے ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق: ۹۸/۵، ۱۰۰ مجاہد سے، ۱۰۰، ۱۰۱ از ہری سے)

(3) مسند امام احمد: ٣/ ٤٢٥ اور مستدرك امام حاكم: ٣/ ٤٥٨.

Marfat.com

وہ ہیں کوئی دوسرا نہیں، ❶ لیکن رسول اللہ ﷺ عرفہ میں وقوف فرماتے۔ جبیر بن مطعمؓ نے آپ کو عرفہ میں وقوف کرتے دیکھا تو کہا: "واللہ! یہ ہیں الحمس اور یہاں یہ کیوں آئے ہیں!" ❷

یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے قبل اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق تھی۔ آپ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی میراث کو حج میں، مناکحت میں، اور بیع وشریٰ میں تھامے ہوئے تھے۔ ❸ آپ علیہ السلام بیت اللہ کا طواف کیا کرتے، ایک مرتبہ آنحضور ﷺ کے ساتھ آپؐ کے غلام زید بن حارثہ طواف کر رہے تھے جب زید نے بعض بتوں کو چھوا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس سے منع فرمایا۔ زیدؓ نے یقین حاصل کرنے کی غرض سے پھر چھوا تو آپؐ نے انھیں دوبارہ منع فرمایا۔ چنانچہ وہ باز آ گئے۔ زیدؓ بن حارثہ نے قسم اٹھا کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بتوں میں سے کبھی کسی کو مس نہیں کیا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی سے نوازا۔ ❹

نبی ﷺ بعثت سے قبل زید بن عمرو بن نفیل سے "بلدح" کے نشیبی علاقے میں ملے تو آپؐ کے لیے دسترخوان بچھایا گیا مگر آپؐ نے زیدؓ کے ساتھ کھانے سے انکار کر دیا۔ آپؐ کو خدشہ تھا کہ کھانا آستانے کے ذبیحے سے تیار کیا گیا ہوگا یا اس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہوگا۔ ❺

شارحین نے اس مناسبت سے وضاحت کی ہے کہ نبیؐ کسی آستانے کے مذبوحہ کو نہیں کھایا کرتے تھے۔

محمد ﷺ کے متعلق انبیاء علیہم السلام کی بشارتیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حضرت محمد ﷺ کی واضح خوش خبری دی:

---

❶ سيرة ابن هشام: ١/ ٢١٦.

❷ صحيح البخاري: ٧/ ١٥٧ اور صحیح مسلم: ٢/ ٨٩٤.

❸ دلائل النبوة بيهقي: ٢/ ٣٧.

❹ معجم كبير طبراني: ٥/ ٨٨۔ دلائل النبوت بيهقي: ٢/ ٣٤۔ مستدرك حاكم: ٣/ ٢١٦، ٢١٧۔ اور حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی تائید کی، لیکن پھر ذہبی نے مزید تحقیق کے بعد اسے اپنی تالیف تاریخ الاسلام (السيرة النبوية ٤٢) میں صرف حسن قرار دیا ہے اور یہ بات درست ہے کیونکہ اس کی اسناد میں محمد بن عمرو بن علقمہ ہے، جو ہے تو صدوق لیکن اس کے بہت سارے اوہام بھی ہیں۔ (التقريب: ٤٩٩)

❺ صحيح البخاري (فتح الباري: ٧/ ١٤٢، ٩/ ٦٣٠)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾

[الصف:٦]

(اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی: ''اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمدؐ ہوگا۔'' مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا: یہ تو صریح جادو ہے)

تورات و انجیل کی کتابوں میں تحریف واقع ہوئی ہے اور ان میں سے اسم محمد ﷺ کی تصریح کو حذف کر دیا گیا ماسوائے تورات السامرہ اور انجیل برناباس کے جن میں اسلام سے قبل آنحضور ﷺ کا اسم گرامی موجود تھا۔ کلیسا نے پانچویں صدی عیسوی میں ان کا مطالعہ ممنوع قرار دے دیا۔ اس کی تائید وہ قلمی نسخے کرتے ہیں جو حال ہی میں مردار کے علاقے میں دریافت ہوئے ہیں۔ انجیل برناباس میں واضح الفاظ میں النبی محمد ﷺ کا نام آیا ہے۔ ایسے ہی اس کتاب مقدس کے اکتالیسویں باب میں وارد ہے اور عبارت کا متن ہے (۲۹: اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو چھپالیا اور میخائیل نے ان دونوں کو فردوس سے نکال دیا۔ ۳۰: جب آدم مڑا تو اس نے دروازے کے اوپر لکھا ہوا دیکھا: لا اله الا الله محمد رسول الله) اور اس کی دوسری جگہ پر یہ عبارت ہے: (۱۶۳: شاگردوں نے جواب دیا: اے استاد وہ کون ہو سکتا ہے جس کے بارے میں آپ بتا رہے ہیں کہ وہ دنیا میں آنے والا ہے؟ یسوع نے مسرت آمیز لہجے میں کہا: وہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں)۔

اور انجیل برناباس میں اس طرح کی بتکرار بشارتیں کئی مواقع پر آئی ہیں اور یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ لوقا کی انجیل میں آیا ہے (۲: ۱۴ بلندیوں میں الحمد للہ، زمین پر اسلام اور لوگوں کے لیے احمدؐ) لیکن سریانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کرنے والے صحیح ترجمہ کرنے میں

Marfat.com

کامیاب نہیں ہوئے البتہ عبدالاحد داؤد نے موزوں ترجمہ کیا ہے۔

یوحنا کی انجیل باب ۱۶ میں آیا ہے: (اگر میں نہ گیا تو تمہارے پاس فارقلیط نہیں آئے گا) اور فارقلیط حامد ہے یا حماد ہے یا احمد ہے یا اسی طرح کے معنی کے ساتھ۔ ❶

تورات وانجیل کے حوالے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات وعلامات کی بشارت کو قرآن کریم نے اپنے اس قول کے ساتھ بیان کیا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ [الاعراف: ۱۵۷]

(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی (ﷺ) کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انھیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے)

ابن تیمیہؒ نے کہا ہے: ''اہل کتاب کی محمد ﷺ کے اوصاف سے واقفیت کی خبریں ان کی ابتدائی کتابوں میں ان کے ہاں تواتر کے ساتھ ملتی ہیں۔'' ❷ پھر کہا: ''یہ علم کہ آپؐ سے قبل انبیاء نے آپ کے بارے میں خوشخبری دی ہے کئی وجوہ سے معروف ہے:

۱۔ اہل کتاب کے پاس آج موجود کتابوں میں جو کچھ پایا جاتا ہے، اس سے حاصل شدہ معلومات۔

۲۔ ان لوگوں کی خبریں جو ان کتابوں کے مندرجات سے واقف ہیں، مسلمان ہوئے یا نہیں ہوئے۔ انھوں نے ان کتابوں میں آپؐ کا ذکر پایا ہے اور یہ انصار سے تواتر کی مانند ہے کہ اہل کتاب میں سے ان کے پڑوسی آپؐ کی بعثت کی خبر دے رہے تھے اور یہ کہ وہ اللہ

---

❶ دیکھیے: حجازی کی "التوراة السامرية" اور فاضل صالح سامرائی کی "نبوة محمدؐ بين الشك واليقين".

❷ ابن تیمیہ کی تالیف الجواب الصحیح: ۱/ ۳٤٠.

Marfat.com

کے رسولؐ ہیں اور وہ ان کے ہاں (کتابوں میں) موجود ہیں۔ اور یہ کہ وہ آپؐ کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ سب سے بڑا سبب تھا جس نے انصار کو آپؐ پر ایمان کی دعوت دی جب آپؐ نے انھیں اسلام کی طرف بلایا تا آنکہ انصار آپ پر ایمان لائے اور انھوں نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں اہل کتاب کے حوالے سے قرآن حکیم میں خبر دی ہے کہ:

﴿ فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾

[البقرة:٨٩]

(جب وہ چیز آ گئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انھوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت ہے منکرین حق پر)

نصاریٰ کی کتابوں میں آپؐ کی بعثت کی خبروں کو اسی طرح کا تواتر حاصل ہے جس طرح شاہ روم ہرقل، شاہ مصر مقوقس اور شاہ حبشہ نجاشی کی خبروں کو حاصل ہے۔

۳۔ قرآن کریم کا بار بار یہ اظہار کہ ان کی کتابوں میں آپؐ کا ذکر ہے، اور آپؐ سے متعلق اہل کتاب کے حوالوں اور آپؐ کا یہ فرمانا کہ آپؐ ان کی کتابوں میں مذکور ہیں، سے ایک عقل مند انسان کو یہ ثبوت ملتا ہے کہ آپؐ کا ذکر ان کی کتابوں میں موجود تھا۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ کو یہ علم نہ ہوتا کہ آپؐ کا ذکر ان کے ہاں لکھا ہوا موجود ہے بلکہ اگر آپؐ کو اس کے فقدان کا علم ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ آپؐ اس بارے میں بار بار خبر دیتے اور اپنے موافق، مخالف دوست اور دشمن کے سامنے اس کا اظہار فرماتے۔ ❶

تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ اہل کتاب اللہ تعالیٰ سے اپنے دشمنوں پر مبعوث ہونے والے نبیؐ کے ذریعے فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے جس کا ذکر ان کے ہاں تورات میں موجود تھا۔

اور رائج تورات [طبع راجرڈ واٹس: لندن] نے مکہ میں نبی ﷺ کے ظہور کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: ''ہمارا رب کوہ سینا سے اتر آیا اور ساعیر کے پہاڑ کو ہمارے لیے روشن کر دیا اور جبل فاران سے ظاہر ہوا جب کہ آپؐ کے ساتھ ہزاروں پاک روحیں تھیں اور آپؐ کے

❶ ابن تیمیہ کی الجواب الصحیح: ١/ ٣٤٠.

Marfat.com

دائیں طرف آپ کی ایک روشنی تھی۔''

اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبل فاران (مکہ سے) جو کہ جبل حرا ہے، سے آپؐ کا ظہور فرمایا۔ جب کہ آپ کے صحابہؓ ہزاروں پاک باز اہل وفا پر مشتمل تھے۔

﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ اَنْ يَتَطَهَّرُوْا﴾ [التوبة:۱۰۸] (اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں)

ابن تیمیہؒ نے بیان کیا ہے: میں نے زبور میں صراحت کے ساتھ محمد ﷺ کی نبوت کو آپؐ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا دیکھا ہے اور میں نے زبور کا دوسرا نسخہ دیکھا تو اس میں نہیں پایا۔ ایسی صورت میں یہ ناممکن نہیں ہے کہ زبور کے بعض نسخوں میں تو رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ ہو اور بعض میں نہ ہو۔ ❶

اور یہ حقیقت ہے کہ آسمانی کتابوں کے نسخے جو آٹھ صدیوں کے دوران علماء اہل کتاب کے ہاں مروج رہے، انھیں نبی ﷺ کے اسم گرامی کے حذف کا ہدف بنایا گیا اور آپؐ کی صفات پر دلالت کرنے والی واضح نصوص کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ ماوردیؒ، قرافی، ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ جیسے مسلم علماء کی ان نقول سے واضح ہوتا ہے جو انھوں نے اہل کتاب کی کتابوں سے کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں سے مذہبی جھگڑوں اور مسلمانوں کا ان کتابوں سے ان کے خلاف حجت لینے کے باعث انھیں مٹا دیا ہے تاہم صریح نشاندہی کرنے والی مزید عبارات موجود ہیں جیسا کہ اشعیاء کی کتاب کے اکیسویں باب میں درج ہے، جس کی عبارت ہے: [۱۳: اے کھیل کود میں مصروف خوش وخرم قافلو! بلاد عرب کی جانب سے بلاد عرب کے نشیب وفراز میں وحی کی روشنی کا اظہار ہوگا۔ ۱۴: اے ارض تیما کے باسیو! پیاسے کی ملاقات کے لیے پانی لاؤ، دوڑ کر آنے والا خبر لا رہا ہے ۱۵: چنانچہ وہ تلواروں کے مقابلے سے بھاگ گئے۔ سونتی ہوئی تلوار، کھینچی ہوئی کمان، اور شدید لڑائی کے آگے سے ۱۶: کیونکہ آقا نے مجھے ایسا ہی بتایا ہے، اجیر کے سال کی طرح ایک سال میں بنی قیدار اور قسي کے باقی ماندہ سورماؤں کی تعداد گھٹ جائے گی۔]

اور اس میں بلادِ عرب میں وحی کے ظہور اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کے لیے مشرکین کے

❶ الجواب الصحيح لابن تيميه: ۲/ ۲۷.

Marfat.com

اجتماع کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نبویہ کی صراحت ہے۔ پھر بنی قیدار کے سورماؤں پر بدر کے موقع پر آنحضور ﷺ کی فتح کی خبر ہے جب کہ بنی قیدار عرب ہیں کیونکہ قیدار عربوں کے جدامجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے تھے۔

بلاشبہ محمد ﷺ کی نبوت کے دلائل کا سلسلہ انہی بشارتوں پر بس نہیں ہو جاتا، قرآن حکیم کے ارشادات کی بلاغت کا اعجاز اور اس کی حیرت انگیز قانون سازی، معجزات حسی کے وقوع اور ہزاروں مسلمانوں کا انھیں مشاہدہ کرنا اور ان پر صحیح سنت نبویہ کے اشارے اور سیرت مصطفیٰ ﷺ، آپ کے ایمان و یقین، آپ کی عبادت اور مجاہدہ، آپ کی دعوت اور جہاد، آپ کا ادب اور صدق، اور آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ، آپ کے دوست حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے غلام زید بن حارثہؓ، آپ کے مقربین العارفین کا ایمان، آپ کی بعثت کی سچائی کی قطعی دلیل ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی رسالتوں کے تسلسل اور محمد ﷺ کی رسالت کے ساتھ اس کی تکمیل پر قرآن کریم کا بصورت معجزہ و دلالت ہونا کافی ہے، اور اہل کتاب کے لیے ایمان کا باعث بن سکتا ہے جب کہ وہ اپنی مقدس کتابوں میں آپ کی بعثت کی خوشخبری آپ کے اسم گرامی کی تصریح کے ساتھ یا آپ کے حالات وصفات کی تصویر کو الفاظ میں پڑھتے ہیں جو آپ کے سوا کسی دوسرے پر منطبق نہیں ہوتی۔

آپ ﷺ کی نبوت سے متعلق علمائے اہل کتاب کی بشارتیں

حضرت سلمان فارسیؓ اپنے اسلام لانے کا طویل قصہ بیان کرتے ہیں کہ عموریہ میں عیسائی راہب سے اس کی وفات کے وقت انھوں نے اس سے وصیت کی درخواست کی تو راہب نے کہا: ''اے بیٹے، بخدا! میں نہیں جانتا کہ کوئی ایک بھی ایسا باقی ہو جو ہمارے مذہب پر ہو، جس کی طرف میں تمہاری رہنمائی کروں لیکن مقدس سرزمین سے سیاہ پتھروں کے درمیان سے کھجوروں والی دلدلی زمین کی طرف ہجرت کرنے والے نبی کی بعثت کا زمانہ قریب آ لگا ہے اور اس کی علامات ہیں جو تجھ سے چھپی نہیں رہیں گی۔ اس کے شانوں کے درمیان مہر نبوت ہے، ہدیہ کو کھالیتا ہے اور صدقہ کو قبول نہیں کرتا۔ اگر تو اس سرزمین تک پہنچنے کی ہمت رکھتا ہے تو ایسا ہی کر، تو اس کا زمانہ پالے گا۔

Marfat.com

پھر حضرت سلمانؓ مدینہ کی طرف اپنی پیش قدمی اور اپنی غلامی اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے موقع پر آپؐ سے ملاقات کا واقعہ بیان کرتے ہیں، نیز بتاتے ہیں کہ انھوں نے صدقہ کا کھانا پیش کیا تو آپؐ نے اسے نہ کھایا، پھر کھانا بطور ہدیہ پیش کیا تو آپؐ نے اس میں سے تناول فرمالیا۔ پھر آپؐ کے شانوں کے درمیان انھوں نے مہر نبوت کو دیکھا جس کے نتیجے میں وہ ایمان لے آئے۔ ❶

اسی طرح سے مدینہ کے یہودی جانتے تھے کہ نبی آخر الزمانؐ کی بعثت کا زمانہ قریب آ لگا ہے اور ان کا خیال تھا کہ وہ انہی میں سے ہوگا۔ چنانچہ وہ اس کے ساتھ عربوں کو ڈراتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ یہودی آپؐ کی صفات کو جو ان کی کتابوں میں مذکور تھیں اس طرح جانتے تھے جس طرح کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے مگر انھوں نے آپ کے ظاہر ہونے پر آپ کی نبوت کا انکار کر دیا جب انھیں معلوم ہوا کہ آپؐ عربوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ [البقرۃ:۸۹] (جب وہ چیز آ گئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انھوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت ہے منکرین حق پر) ❷

انصار میں سے بعض کا کہنا ہے: ''ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی ہدایت کے ساتھ اسلام کی طرف بلانے والی وہ چیز بھی جو ہم یہودیوں سے سنا کرتے۔ وہ اہل کتاب تھے اور

---

❶ اس کی اسناد حسن ہے۔ (ابن اسحٰق: السیر والمغازی: ۸۷، ۹۱) مسند احمد: ۴۴۱/۵، ۴۴۴۔ طبقات ابن سعد: ۷۵/۴، ۸۰۔ مستدرک حاکم: ۱۶/۲ اور حاکم نے اسے صحیح کہا اور کہا کہ یہ مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور ذہبی نے ان سے موافقت کی ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ امام مسلم نے ابن اسحٰق کی کسی بھی روایت کو نہیں لیا، البتہ متابعات میں لے لیتے ہیں۔ (ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۴۵/۹)

❷ اس آیت کے سبب نزول کے لیے دیکھیے: سیرۃ ابن ہشام: ۱۹۵/۱، ابن اسحٰق کی السیر والمغازی: ۸۴۔ تفسیر طبری: ۷۵/۲، ۷۶۔ ابن اسحٰق کی اسناد متصل ہے اس میں وہ تحدیث کی صراحت کرتے ہیں۔ عاصم بن عمر نے بھی یونس بن بکیر کی روایت سے تحدیث کی تصریح کی ہے۔ احمد شاکر نے اس پر مرفوع کا حکم لگایا ہے، کیونکہ یہ عہد نبوت کے واقعات کے متعلق آیت کا سبب نزول بیان کرتی ہے۔ عاصم ایک ثقہ تابعی ہیں، لہٰذا راجح یہی ہے کہ وہ اپنی قوم انصار کے صحابہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔ (تفسیر طبری تحقیق احمد شاکر ۳۳۳/۲ بر حاشیہ)۔ امام طبری نے تفسیر میں اس کے ضعیف مرسل شواہد بھی بیان کیے ہیں۔ ۴۱۱/۱۔

Marfat.com

علم رکھتے تھے اور ہم مشرک و بت پرست۔ ہمارے اور ان کے مابین مسلسل نزاع رہتا تھا اور جب ہم ان سے کچھ حاصل کر لیتے جو انھیں ناپسند ہوتا تو وہ ہمیں کہتے: ''نبی کی بعثت کا زمانہ آن پہنچا ہے۔۔الخ۔ ہم اس کے ساتھ مل کر تمھیں عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے۔ ❶

اور شاہ روم ہرقل کو جب نبی ﷺ کی رسالت کا پیغام پہنچا تو اس نے کہا: میں جانتا تھا کہ وہ آنے والے ہیں، مگر میرا یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے۔'' ❷

آپ ﷺ کی نبوت کی علامات

آپ کی نبوت کی علامات میں سے ہے کہ نبوت سے قبل پتھر آپ کو سلام کہتا جیسا کہ آپ نے خبر دی ❸ ہے: آپ کو سچے خواب آتے اور وہ وحی کا آغاز تھا۔ جو خواب آپ دیکھتے اس کی تعبیر روز روشن کی طرح سامنے آتی۔ ❹

خلوت و عبادت آپ کو عزیز تھی۔ چنانچہ آپ غار حرا میں اپنی قوم سے علیحدہ ہو کر خلوت نشینی اختیار فرما لیتے، وہ غار جبل حرا میں تھا اور وہاں سے خانہ کعبہ نظر آتا تھا۔ ❺ اس پر

---

❶ اسنادِ حسن کے ساتھ سیرت ابن ہشام: ۱/۲۳۱۔ تبع کے قصہ اور سفر باطا کے بارے میں واقدی کی روایات بالکل بودی ہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۱۵۸، ۱۵۹) اسی طرح کوکب احمد کے طلوع والی روایت بھی نہایت ہی کمزور ہے۔ (دلائل ابن نعیم: ۱/۸۸)

❷ صحیح البخاری: ۱/ ٦ بدء الوحي۔ صحیح مسلم: ٣/ ١٣٩٥، كتاب الجهاد والسير: باب كتاب النبي الى هرقل.

❸ صحیح مسلم: ۴/۱۷۸۲، مگر سنن ترمذی: ۵/۵۹۳ میں پہاڑ اور درختوں کے سلام کہنے کی حدیث کمزور ہے کیونکہ اس کی اسناد میں عباد بن ابو یزید ایک مجہول الحال راوی ہے۔ (تقریب: ۲۹۱) اور ایک دوسرا راوی ولید بن عبداللہ بن ابوثور بھی ضعیف ہے۔ (تقریب: ۵۸۲)

❹ صحيح بخاري! ١/ ٣۔ صحيح مسلم: ١/ ١٣٩.

❺ ابن ابوحمزہ کہتے ہیں کہ غارِ حراء کو خلوت کے لیے مخصوص کر لینے کی حکمت یہ ہے کہ اس میں مقیم آدمی کے لیے کعبہ کی زیارت کرتے رہنا ممکن تھا۔ اس میں خلوت گزینی کرنے والے کے لیے تین عبادات اکٹھی ہو جاتی تھیں۔ خلوت، عبادت اور بیت اللہ کی طرف دیکھنا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''ایسا لگتا ہے کہ امور شریعت میں ان کے ہاں اعتکاف کے طریقوں میں سے یہ (خلوت کا) طریقہ ایک بچا کھچا طریقہ تھا۔ فتح الباری: ۱۲/۳۵۵۔ ابن اسحٰق نے ذکر کیا ہے کہ یہ خلوت نشینی زمانہ جاہلیت میں قریش کا ایک طریقۂ عبادت تھا۔ سیرت ابن ہشام: ۱/۲۵۳۔ حافظ ابن حجر نے بھی کوئی حوالہ دیے بغیر بیان کیا ہے کہ عبدالمطلب غارِ حراء میں خلوت نشینی اختیار کیا کرتے تھے۔ فتح الباری: ۱۲/۳۵۵۔ ۶۔ ... یہ طریقہ دراصل ابراہیمیت کے بقایا میں سے تھا۔

Marfat.com

چڑھائی مشقت آمیز تھی جب کہ وہ نصف گھنٹہ کی مسافت پر تھا۔ آپ وہاں کئی راتیں قیام فرماتے پھر اپنے اہل خانہ کی طرف مراجعت فرماتے اور غار حرا کے لیے زاد لیتے حتی کہ پہلی وحی الٰہی آپ پر غار حرا میں نازل ہوئی۔ ❶

آپ ﷺ کی بعثت

چالیس برس کی عمر میں آپ منصب نبوت پر سرفراز ہوئے۔ ❷ ایک شاذ روایت کی رو سے آپ کی عمر ۴۳ سال تھی۔ ❸ شعبی کی مرسل روایت کی بنیاد پر بیہقیؒ نے دونوں اقوال کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہتے ہیں: ''آپ پر نبوت کا نزول چالیس سال کی عمر میں ہوا، پھر اسرافیل علیہ السلام تین سال آپ کے رفیق رہے۔ وہ آپ کو علم وحکمت سکھاتے رہے۔ پھر بیس سال تک قرآن آپ پر نازل ہوتا رہا۔'' ❹ یہ قول مرسل ہونے کی وجہ سے دلیل نہیں بن سکتا اور یہ بات صحابہ کے زمانے میں مشہور بھی نہیں تھی۔ حالانکہ اس طرح کی خبر لازماً مشہور ہوتی اور صحابہؓ کی نسل میں معروف ہوتی۔ پھر نبی ﷺ پر وحی کا اچانک نازل ہونا اس کے خلاف دلیل ہے جس سے صحیحین کی روایت کی تائید ہوتی ہے کہ بعثت محمدی کا آغاز چالیس سال کی عمر میں ہوا۔

---

❶ صحیح بخاری: ۱/ ۳۔ صحیح مسلم: ۱/ ۱٤٠.

❷ صحیح بخاری (فتح الباری: ٦/ ٥٦٤، ٧/ ١٦٢، ٢٢٧، ١٠/ ٣٥٦) صحیح مسلم: ٤/ ١٨٢٤، ١٨٢٧۔ سیرت ابن هشام: ١/ ٢٥١، ٢٥٢)

❸ طبری تاریخ الامم والملوک: ٢/ ٢٩٢، ٣٨٤۔ اسے نووی اور ابن حجر نے بھی شاذ قرار دیا ہے حالانکہ سند کے راوی ثقات ہیں اور ایک راوی ہشام بن حسان تو صحیحین کی روایت کا بیان کرنے والا ہے۔ (نووی شرح صحیح مسلم: ۱۵/ ۱۰۳۔ ابن حجر فتح الباری: ۷/ ۲۳۰) سعید بن مسیب اس طرف گئے ہیں کہ آپ پر نزولِ قرآن ۴۳ سال کی عمر میں ہوا۔ (مصنف ابن ابوشیبہ ۱۴/ ۲۹۰) گو یہ روایت مرسل قوی ہے مگر صحیح روایت کے مخالف ہے جیسا کہ ابن عبدالبر نے سعید سے بیان کی ہے کہ وہ (سعید) ان لوگوں میں سے ہیں جو کہتے ہیں کہ نبوت چالیس سال کی عمر میں ملی۔ (استیعاب بحاشیہ اصابہ ۱/ ۱۴)

❹ دلائل النبوت بیہقی: ۲/ ۱۳۲۔ اس روایت میں 'سنۃ' (سال) کا لفظ نہیں ہے۔ میں نے توضیح کے لیے اس کا اضافہ کیا ہے۔ ابن حجر کی گفتگو الفتح ۱/ ۲۷ میں اور ابوشامہ کی روایت سے ابن کثیر کی گفتگو السیرۃ النبویۃ ۱/ ۳۸۸، ۳۸۹ میں ملاحظہ کریں۔

Marfat.com

اور یہ ثابت ہے کہ آپ پر پہلی وحی بروز پیر نازل ہوئی۔ ❶

اور یہ بات مشہور ہے کہ نزول قرآن کا آغاز ماہ رمضان میں ہوا۔ ❷ آپ پر وحی انبیاء سابقین کی وحی کی طرح تھی۔ ارشاد باری ہے: ﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ [النساء:۱۶۳] ((اے نبیؐ!) ہم نے تمھاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح علیہ السلام اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی)

وحی

رسول اللہ ﷺ غار حرا میں خلوت نشین ہوا کرتے۔ ہمارے علم میں نہیں کہ بعثت سے قبل حرا میں آپؐ کیسے اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ بھی ہمیں معلوم نہیں کہ آپ کو متعین طور پر کب غار حرا میں خلوت نشینی مرغوب ہوئی تاہم ایسا بعثت سے تھوڑا عرصہ قبل اور سچے خوابوں کے آغاز کے بعد ہوا جو کہ وحی کی تمہید تھے۔ ذرائع یہ بیان نہیں کرتے کہ خوابوں کے موضوعات کیا تھے، لیکن وہ عمدہ خواب تھے جیسا کہ صحیح روایات سے واضح ہے۔ غار میں آپؐ کی کئی راتوں کی عبادت ہوا کرتی تا آنکہ سامان خورد ونوش ختم ہو جاتا تو اہل خانہ کے پاس واپس تشریف لاتے اور آئندہ کئی راتوں کے لیے زاد لیتے۔ ماہ رمضان کے ایک پیر کے دن جبرائیل علیہ السلام اچانک پہلی دفعہ غار حرا میں داخل ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''فرشتہ غار میں آیا اور کہا: ''پڑھیے!'' نبی ﷺ نے کہا: ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو، میں نے کہا: ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے دوبارہ مجھے بھینچا ❸ تو میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا: ''میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے تیسری مرتبہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ... مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جسے

---

❶ مسلم: الصحيح: ۸/ ۵۱، ۵۲۔ ابو داؤد: سنن: ۲/ ۸۰۸، ۸۰۹۔

❷ البقرة: ۱۸۵۔ سيرت ابن هشام: ۱/ ۲۵۴، ۲۵۸۔ سيرت نبوى ابن كثير: ۱/ ۳۹۲.

❸ یعنی مجھے اتنا بھینچا جیسے کسی چیز کو نچوڑنے کے لیے بھینچا جاتا ہے۔ (فتح الباری: ۲۴/۱)

Marfat.com

وہ نہ جانتا تھا)۔ آپؐ اس حال میں لوٹے کہ آپ پر کپکپی طاری تھی ❶ تا آنکہ آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے اور کہا: "مجھے اوڑھاؤ، مجھے اوڑھاؤ" چنانچہ آپؐ کو چادر سے لپیٹا گیا۔ حتیٰ کہ آپؐ سے خوف زائل ہو گیا، تو آپؐ نے فرمایا: "خدیجہؓ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ پھر آپؐ نے ان کو پورا قصہ سنایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔" حضرت خدیجہؓ نے کہا: "ہرگز نہیں! آپؐ خوش ہو جایئے، بخدا! اللہ آپؐ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا۔ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور نیک کاموں میں مددگار بنتے ہیں۔"

حضرت خدیجہؓ آپ کو لے کر اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس گئیں --- جنھوں نے جاہلیت میں عیسائیت اختیار کر لی تھی، اور انجیل کو عربی زبان میں لکھا کرتے تھے اور بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے --- چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا: "اپنے برادر زادے کی بات سنو۔" ورقہ نے کہا: "بھتیجے تمہارا کیا معاملہ ہے؟" تو نبی ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا۔ یہ سن کر ورقہ نے کہا: "یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش! میں آپؐ کے زمانہ نبوت میں طاقتور ہوتا، کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب قوم آپؐ کو مکہ بدر کرے گی۔" تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟" ورقہ نے کہا: "ہاں، جو کوئی بھی وہ چیز لے کر آیا جو آپؐ لائے ہیں تو اس کی دشمنی ہی کی گئی، اور اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی پرزور مدد کروں گا۔" مگر زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا۔

وحی ایک عرصہ کے لیے رک گئی حتیٰ کہ نبی ﷺ بہت غمگین ہو گئے --- جیسا کہ یہ بات ہمیں پہنچی ہے --- اور اس غم کے ساتھ کئی مرتبہ آپؐ اپنے آپؐ کو پہاڑوں کی چوٹیوں سے گرانے کے لیے گئے اور جونہی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تاکہ خود کو نیچے گرا دیں تو جبرائیل علیہ السلام ظاہر ہو جاتے اور آپؐ سے کہتے: "اے محمد ﷺ! آپؐ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔" اس سے آپ کا اضطراب تھم جاتا، اور آپؐ کا دل مطمئن ہو جاتا اور آپؐ پلٹ آتے۔ پھر جب وحی کا وقفہ طویل ہو

---

❶ عربی کا لفظ بَوَادِر ہے یہ بَادِرَۃٌ کی جمع ہے۔ کندھے اور گردن کے درمیان والے جسم کے گوشت کو کہتے ہیں۔ کپکپی اور لرزے کی حالت میں جسم کا یہ حصہ زیادہ متاثر ہوتا ہے۔

Marfat.com

گیا تو آپؐ نے اسی طرح کیا اور جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو جبرائیل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور آپؐ سے اسی طرح کہا۔ [1]

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ سب سے پہلے جو قرآن نازل ہوا وہ اقرا ہے اور رسول اللہ ﷺ پر وحی اچانک نازل ہوئی جب کہ آپؐ کو اس کی کوئی توقع نہ تھی، چنانچہ اس انداز نے آپؐ کو خوف زدہ کر دیا۔ نیز حدیث واضح کرتی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کو واقعہ کی حقیقت کی معرفت حاصل تھی اور اس سے آنحضور ﷺ کے ساتھ تعاون اور آپؐ کو اطمینان دلانے کا موقف بھی واضح ہوتا ہے۔ اس حدیث سے یہ وضاحت بھی ہوتی ہے کہ ورقہ کو انبیاء علیہم السلام سے متعلق کتنی ہی معلومات حاصل تھیں اور یہ کہ نبی ﷺ کو آئندہ کن خطرات کا سامنا تھا۔ ورقہ نزول وحی کے تسلسل سے قبل ہی فوت ہو گئے اور وحی ایک مدت کے لیے منقطع ہو گئی۔ زہریؒ کے بیان سے اس بحران کی وضاحت ہوتی ہے جس کا نبی ﷺ کو وحی کے رکنے کے باعث سامنا تھا۔ یہ کہ قریب ہوتا کہ آپؐ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیں اور یہ کہ جبرائیل علیہ السلام ہر دفعہ آپؐ کے سامنے آجاتے اور آپؐ کو بشارت دیتے کہ آپؐ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ لیکن زہریؒ کا بیان عصمت نبویؐ سے متعارض ہونے کے باعث واقعہ کے اثبات کے لیے صحت کے درجے میں نہیں، [2] مزید یہ کہ وہ ضعیف مرسل ہے اور متعین طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ وحی کتنی دیر تک منقطع

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحیل، باب التعبیر: ۸/ ۶۸۔ دوسرے مقامات کے لیے دیکھیے: فتح الباری: ۱۲/ ۳۵۱، ۳۵۲، ۱/ ۲۲، ۸/ ۷۱۵، ۷۲۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی: ۱/ ۱۳۹.

[2] امام بخاری نے یہ حدیث ...... اس عبارت کے بعد جیسا کہ یہ بات ہمیں پہنچی ہے ...... اُس حدیث بدء الوحی کے درمیان میں لکھی ہے جو انھوں نے اپنی سند کے ساتھ معمر کے طریق سے روایت کی ہے کہ زہری نے کہا کہ مجھے عروہ نے عائشہ سے خبر دی۔ اگر یہ الفاظ ...... جیسا کہ یہ بات ہمیں پہنچی ہے ...... نہ ہوتے تو پہاڑ کی چوٹی سے خود کو گرا دینے کا ارادہ کرنے والی حدیث صحیح ہوتی۔ لیکن حافظ ابن حجر اس طرف گئے ہیں کہ "یہ پہنچنے والی بات" مرسل ہے۔ عروہ عن عائشہ سے موصول روایت نہیں ہے۔ (فتح الباری: ۱۲/ ۳۵۹، ۳۶۰) اور یہ معلوم ہے کہ مراسیل زہری ضعیف ہیں۔ امام طبری نے یہ حدیث زہری کی مرسل کے طور پر وارد کی ہے۔ (تاریخ طبری: ۲/ ۳۰۵) البتہ امام ذہبی کا "حدیث بدء الوحی" کی سند بیان کرنے میں پہاڑ کی چوٹیوں سے خود کو گرا دینے کا ارادہ کرنے والے متن پر اقتصار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے موصول حدیث سمجھتے ہیں۔ (السیرۃ النبویۃ ذہبی: ۶۴) اسی طرح امام طبری نے بھی اپنی تاریخ ۲/ ۲۹۸، ۲۹۹ میں نعمان بن راشد جزری عن زہری کی روایت سے موصول ذکر کیا ہے۔ نعمان صدوق ضرور ہے مگر حافظہ بہت برا ہے جیسا کہ تقریب التہذیب ۵۶۴ میں ہے۔ اور وہ اس روایت میں ضعیف اضافوں میں بھی متفرد ہے، خصوصاً (اقراء) ⇦⇦⇦

Marfat.com

رہی، ایسا لگتا ہے کہ یہ عرصہ طویل نہیں تھا ❶ نیز رسول اللہ ﷺ کا دل مطمئن ہو گیا اور آپؐ وحی کے استقبال کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور بڑھتا رہا۔ وقفہ کے بعد اولین نزول ﴿يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ سے ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ تک ہے۔ ❷ اور ایک دوسرے موقع پر وحی دو یا تین راتوں تک مؤخر رہی تو مشرکین نے کہنا شروع کر دیا: محمد (ﷺ) کے رب نے انھیں چھوڑ دیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ﴿وَالضُّحٰى ○ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى﴾ (قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب کہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے، (اے نبیؐ) تمھارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا)۔ نازل فرمایا۔ ❸ بعض راویوں کے ہاں یہ معاملہ خلط ملط ہو گیا ہے۔ انھوں نے سمجھا ہے کہ یہ آیات وحی کے طویل وقفہ کے بعد (اقرأ) کے عقب میں نازل ہوئیں۔ ❹

ابن اسحاق نے وحی کے تیسرے وقفے کا ذکر کیا ہے لیکن وہ صحیح نہیں۔ ❺ ضعیف وارد

⇐⇐ کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والے قرآن کے بارے میں۔
شیخ البانی نے ذکر کیا ہے کہ اس اضافے میں دو علتیں پائی جاتی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ اس میں معمر اکیلا ہے یونس اور عقیل نے یہ اضافہ بیان نہیں کیا، اس لیے یہ شاذ ہے۔ دوسری یہ ہے کہ یہ روایت مرسل مفصل ہے موصول نہیں کہ قابل حجت ہو۔ اور یہ اضافہ معنی کے لحاظ سے بھی منکر ہے کیونکہ نبی معصوم کی شان کے خلاف ہے کہ وہ خودکشی کے ارادے سے خود کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دے، اگرچہ حالات اس کے لیے آپ کو مجبور ہی کیوں نہ کر دیں۔ (البانی: دفاع عن الحديث النبوی والسيرة ٤١۔ نیز دیکھیے: سلسلة الاحاديث الضعيفة، رقم: ٤٨٥٨)

❶ یہ بات وارد ہوئی ہے کہ یہ وقفہ اڑھائی سال تھا۔ (الروض الانف سہیلی: ۲/۲۳۳، ۲۳۴) ابن عباس سے روایت آئی ہے کہ یہ عرصہ صرف چالیس دن کا تھا۔ (شرح مواہب لدنیہ: ۱/۲۳۶)

❷ متفق علیه (فتح الباری: ٨/ ٦٧٨، ٦٧٩، ٧١٥، ١/ ٢٧، ٦/ ٣١٤) صحيح مسلم: ١/ ١٤٣.

❸ صحيح مسلم! ٣/ ١٤٢٢۔ عرصہ کی تحدید صحیح بخاری میں دیکھیں۔ (فتح الباری: ٣/ ٨، ١٠، ٧، ٩/ ٣)

❹ السیرۃ النبویۃ ابن کثیر: ۱/۴۱۳، ۴۱۴۔ فتح الباری ابن حجر: ۸/۱۱۷۔ تفسیر طبری میں چند ضعیف روایات دیکھیں: ۳۰/۲۳۱، ۲۳۲۔ سیرت ابن ہشام: ۱/۲۴۱ ط۔ السقا۔ تاریخ طبری: ۲/۲۹۹، ۳۰۰۔ سند حسن کے ساتھ لیکن یہ عبداللہ بن شداد بن ھاد جو نبیؐ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، کی مرسل روایت ہے انھوں نے نبیؐ سے حدیث سنی نہیں اس کا متن صحیح روایات کے خلاف ہے۔

❺ سیرت ابن ہشام: ۱/۳۲۱، ۳۲۲ ابن عباس کی اطلاع کے مطابق۔ تفسیر طبری: ۱۵/۱۲۷، ۱۲۸ میں ابن اسحق کے طریق سے لیکن اس میں ایک راوی مبہم ہے۔ اور اس میں ہے کہ آپؐ نے مشرکین سے ان کے اصحاب کہف، مہم جو آدمی اور لوح کے بارے میں سوالات کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر آپ نے ان شاء اللہ نہ فرمایا تو پندرہ دن تک وحی متاخر ہو گئی۔

Marfat.com

شدہ روایات یا کمزور سند اور منکر متن سے معلوم ہوتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو وضو سکھایا، یا یہ کہ حضرت خدیجہؓ نے تصدیق کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرشتے کو دیکھا، شیطان کو نہیں، ❶ یا یہ کہ شق صدر کا واقعہ آغاز وحی کے وقت آپؐ کے ساتھ دہرایا گیا، ❷ یا یہ کہ آپؐ کے پاس جبرائیل علیہ السلام کا پہلی بار آنا ایسی صورت میں ہوا کہ آپؐ غار حرا میں سو رہے تھے ❸ یا یہ کہ وہ ابوبکرؓ تھے جو آپؐ کو ورقہ کے پاس لے کر گئے۔ ❹ اس سب کچھ کا کوئی ثبوت نہیں۔

نزول وحی کا معاملہ نبی ﷺ پر بڑا شدید گزرتا، ❺ شدید سردی کے موسم میں آپؐ کی جبین مبارک پر پسینہ پھوٹ نکلتا، آپؐ کا چہرہ اقدس متغیر ہو جاتا، ❻ آپؐ کرب محسوس فرماتے اور جسم بھاری ہو جاتا۔ زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی جب کہ آپؐ کی ران میری ران پر تھی، میری ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے اس کے ٹوٹ جانے کا خوف محسوس ہوا۔'' ❼ آپ قرآن کو یاد رکھنے کے لیے ذہن کو بشدت مرکوز فرماتے، اور اس کے ساتھ اپنی زبان اور لبوں کو حرکت دیتے، چنانچہ آپؐ سے شدت کو ہلکا کرنے کی خاطر آیت کریمہ نازل ہوئی: ❽ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖO اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ﴾ [القیامۃ: ١٦، ١٧] (اے نبیؐ!) اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو، اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے۔

---

❶ سیرت ابن ہشام: ١/ ٢٣٨، ٢٣٩ میں ابن اسحٰق کی دو روایتیں دیکھیں جو مختلف دو سندوں سے ہیں۔ ان میں سے ایک معضل ہے اور دوسری مرسل۔ دلائل النبوۃ ابونعیم: ١/ ٢٨٣، ٢٨٤ کی ایک روایت ایسی سند کے ساتھ ہے جس میں نضر بن سلمہ ہے، جس کے بے شمار جھوٹ ہیں۔ (میزان الاعتدال ذہبی: ٤/ ٢٥٦، ٢٥٧)

❷ مسند طیالسی: ٢١٥، ٢١٦ میں ضعیف سند کے ساتھ ہے۔ اس میں ایک مبہم راوی ہے اور اس کا متن منکر ہے۔ بیہقی کی دلائل نبوت: ٢/ ١٤٢، ١٤٤ میں زہری کی مرسل اور ضعیف روایت ہے۔ سیوطی کی خصائص کبریٰ ١/ ٩٣ میں مرسل سند سے ہے اور اس میں ایک راوی ابن لھیعہ ضعیف ہے۔

❸ ابن اسحٰق جیسا کہ سیرۃ ابن ہشام: ١/ ٢٣٦، ٢٣٨ میں اور تاریخ طبری ٢/ ٣٠٠، ٣٠١ میں عبید بن عمیر بن قتادہ لیثی سے مرسل روایت ہے۔

❹ مصنف ابن ابوشیبہ: ١٤/ ٢٩٢، ٢٩٣ میں ایسی سند کے ساتھ جس میں ابو اسحٰق سبیعی مشہور مدلس کا عنعنہ ہے۔ اس میں انقطاع بھی ہے اور ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل ہمدانی صحابی نہیں ہے۔

❺ صحیح مسلم: ١/ ٣٣٠۔ ❻ صحیح مسلم: ٤/ ١٨١٧۔

❼ صحیح البخاری: ٥/ ١٨٢۔ ❽ صحیح بخاری: ٦/ ٧٦۔ صحیح مسلم: ١/ ٣٣٠۔

Marfat.com

قرآن کے لیے شوق اور اسے حاصل کرنے کی شدید رغبت سے آپؐ جلدی کرتے جیسا کہ اس آیت نے واضح کیا ہے: ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۖ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ [طٰہٰ:۱۱۴] (اے نبیؐ!) قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو جب تک کہ تمھاری طرف اس کی وحی تکمیل کو نہ پہنچ جائے، اور دعا کرو: ''اے پروردگار! مجھے مزید علم عطا فرما۔)

آنحضور ﷺ سے سوال کیا گیا: ''آپؐ پر وحی کس انداز سے آتی ہے؟'' آپؐ نے جواب دیا: ''کبھی تو گھنٹی جیسی آواز آتی ہے -- وہ مجھ پر بہت دشوار ہوتی ہے -- پھر یہ کیفیت مجھ سے ہٹالی جاتی ہے اور جو کچھ اس میں کہا ہوتا ہے وہ میں یاد کر چکا ہوتا ہوں، اور کبھی فرشتہ آدمی کی شکل میں آتا ہے اور مجھے خطاب کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں جو وہ مجھے کہتا ہے۔'' [1]

آپؐ کے ہاں وحی بیداری کی حالت میں آتی جیسا کہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ [2] نزول وحی میں ۲۳ سال صرف ہوئے۔ مشہور روایت کے مطابق ان میں سے ۱۳ سال مکہ میں، [3] اور متفق علیہ روایت کے مطابق ۱۰ سال مدینہ میں ہے۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری: ۱/ ۲، ۳۔ صحیح مسلم: ٤/ ۱۸۱٦، ۱۸۱۷۔

[2] صحیح بخاری: ۱/ ۲، ۳۔ صحیح مسلم: ٤/ ۱۸۱٦، ۱۸۱۷۔ عبید بن عمیر اور زہری کی مرسل روایت میں یہ آیا ہے کہ پہلے وحی نیند کی حالت میں آئی پھر بیداری کی حالت میں۔ (السیرۃ النبویۃ ابن کثیر: ۱/ ۳۸۷۔ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۱/ ۸۹) یہ مرسل روایات بہت بودی ہیں ان سے بات ثابت نہیں ہوتی۔

[3] صحیح بخاری: ٤/ ۲۳۸۔ صحیح مسلم: ٤/ ۱۸۲٥، ۱۸۲٦۔ دونوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ مستدرک: ۲/ ۳ امام حاکم نے اپنی سند سے حضرت علیؓ تک روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے، امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ ابن عباس سے کچھ دوسری صحیح روایات وارد ہوئی ہیں کہ آپؐ نے بعثت سے پہلے مکہ میں دس سال قیام فرمایا۔ آپ پر قرآن اترتا تھا، اور پندرہ سال بھی آیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۴/ ۱۶۴، ۱۶۵، اور صحیح مسلم ۴/ ۱۸۲۴، ۱۸۲۵) ہم دیکھتے ہیں کہ وحی کا سلسلہ تین سال کے قریب رک رک کر جاری رہا، یہی وجہ ہے کہ ابن عباس بسا اوقات انھیں حذف کر دیتے اور دس سال شمار کرتے۔

حافظ ابن حجر نے ابن عباس کی تیرہ سال والی روایت کو پندرہ سال والی روایت پر ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ آپ کی مکہ میں اقامت تیرہ سال ہی ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے اور مشہور بھی ہے۔ جن لوگوں سے اس کے مخالف روایت آتی ہے انہی سے مشہور بھی آئی ہے۔ یہ ابن عباس، عائشہ اور انس ہیں۔ پھر معاویہ سے بھی مشہور روایت نقل ہوئی ہے اور ابن مسیب، شعبی اور مجاہد نے اسی بات کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ یہی تیرہ سال والی روایت ہی ہمارے ہاں ثابت ہے۔ (فتح الباری: ۸/ ۱۵۱)

[4] عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۱/ ۸۹۔

Marfat.com

وحی وہ معجزہ تھا جو قوانینِ فطرت کے خلاف واقع ہوا۔ چنانچہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کا کلام (القرآن) فرشتہ جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے حاصل کرتے۔ لہٰذا وحی کے معاملے کا الہام، باطنی تخیل یا ذاتی جذبات وشعور سے کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ وحی محمد ﷺ کی ذات گرامی پر ان کی ذاتی کاوش یا کوشش کے بغیر نازل ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے الفاظ ومعانی میں کوئی دخل نہ ہوتا، بلکہ آپ کی ذمہ داری محض حفظ وحی اور اس کی تبلیغ ہے۔ اور جہاں تک اس کی وضاحت اور تفسیر کا تعلق ہے تو اس کا اہتمام نبی ﷺ کے تعامل سے ہوتا۔ جیسا کہ اس کا اظہار آپ کی محفوظ احادیث میں ہے۔ حدیث اور قرآن کے اسلوب مکمل طور پر مختلف ہیں۔ بعض لوگوں کا اسلوب قرآن کے اسلوب حدیث سے مختلف ہونے کا جواز علم نفسیات کے تجزیاتی طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کرنا اس دعویٰ کے ساتھ کہ قرآن کا صدور لاشعوری طور سے خارجی بیداری کے ضعف اور باطنی عقل کی بیداری کے ساتھ ہوا ہے، اور حدیث ظاہری عقل کے ساتھ صادر ہوئی ہے، [1] غیر اہم اور سطحی بات ہے۔ جب ہم حکماء، شعراء اور بلغاء سے ادبی نگارشات کے صدور پر غور کرتے ہیں تو ان کے غور وفکر اور گہری سوچ والی مشقوں کے طریقوں کے باوجود ان میں اسلوبی وحدت ظاہر ہوتی ہے، اور اسلوبی اصول، ادبی سرقوں کی تحدید کی اساس کے ساتھ ساتھ معانی کا سرقہ بن گیا ہے، اور بلاشبہ وحی کے اعتراف سے گریز وحی کے بارے میں متعدد متضاد معانی کا باعث بنا ہے، اور وہ جو مستشرقین اور ان کے متبعین نے انیسویں اور بیسویں دو صدیوں میں پیش کی ہیں۔

وحی کا مظہر (Phenomenon) مستشرقین کی توجہ کا مرکز بنا رہا ہے، مگر وہ اس کی کوئی تعبیر لانے میں کامیاب نہیں ہوئے بلکہ حیرت اور تناقض ہی میں مبتلا رہے اور انہی سابقہ دقیانوسی اتہامات کا سہارا لیتے رہے ہیں جو عرب کے جاہل مکہ میں نزول قرآن کے وقت وحی سے متعلق لگایا کرتے، جنھیں قرآن نے رد کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں ان اتہامات کو بیان فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ﴾ [النحل:۱۰۳] (یہ لوگ تمہارے متعلق کہتے ہیں) کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے)۔

---

[1] دیکھیے: منٹگمری واٹ کی کتاب ''محمد فی مکۃ'' ص ۹۳۔

Marfat.com

نیز فرمایا: ﴿ اِنْ هٰذَا اِلَّا اِفْكُ ٰنِ افْتَرٰهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ﴾ [الفرقان:۴] (انکار کرنے والے کہتے ہیں) کہ "یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔)

بیسویں صدی میں مستشرقین کہتے ہیں: رسول اللہ (ﷺ) نے ورقہ بن نوفل سے تعلیم حاصل کی، ❶ پھر کہتے ہیں: بحیرا راہب سے سیکھا، اور کبھی کہتے ہیں: آپؐ نے یہود مکہ سے علم حاصل کیا!! جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ مکہ میں یہودی تھے ہی نہیں۔ اور بحیرا کے ساتھ --- اگر آپؐ کی ملاقات ثابت بھی ہو جائے --- تو گھنٹہ یا دو گھنٹوں سے زیادہ نہیں جب کہ آپؐ کی عمر اس وقت بارہ سال تھی اور تورات وانجیل کا عربی میں ترجمہ عہد رسالت سے صدیوں بعد ہوا، اور اگر وہ عربی میں مترجم بھی ہوتیں تو بھی آپؐ کا امی ہونا ان سے استفادہ میں حائل ہوتا۔ ❷ ہاں، قرآن کے بیان کردہ، اور تورات (اور اس کی شرح التلمود) اور انجیل میں وارد شدہ دینی قصوں میں مشابہت پائی جاتی ہے اور یہ باہمی مشابہت ان کتابوں کے ایک ہی مرجع اور مصدر الٰہی کی بنیاد پر ہے۔ ❸ البتہ قرآن اور سابقہ نازل شدہ کتابوں کے مابین انبیاء کے اہداف، ان کے اعمال میں معصومیت اور ان کی خصوصیات کے بارے میں جوہری اختلاف پایا جاتا ہے، اور وہ اختلاف اس تحریف وتبدل کا شاخسانہ ہے جس کا ہدف تورات وانجیل کو بنایا گیا جس سے ان میں صدق (کلام اللہ ہونے) کا اظہار نہیں ہوتا لیکن بعض محققین نے اپنی خواہش سے مجبور ہو کر یہ قول اختیار کیا ہے کہ قرآن نے متعلقہ قصوں کا اقتباس تورات وانجیل سے کیا ہے۔

یہ ان محققین کا اس جوہری اختلاف کی حقیقت سے عمداً صرفِ نظر ہے، جو قرآن اور

---

❶ منٹگمری واٹ اپنی کتاب " محمد فی مکۃ " ص ۹۳ پر کہتا ہے: "بہتر یہ ہے کہ تسلیم کرلیا جائے کہ "محمدؐ نے تھوڑے ہی وقت میں ورقہ کے ساتھ مسلسل تعلقات قائم کر لیے اور اس سے بہت سی چیزوں کی تعلیم حاصل کرلی۔ آئندہ کی اسلامی تعلیمات بڑی حد تک ورقہ کے افکار سے متاثر ہیں۔ اس طرح ہمارے لیے ممکن ہو جاتا ہے کہ محمدؐ پر نازل ہونے والی وحی اور اس سے پہلے آنے والی وحی کے درمیان تعلق کے اشکال کو دور پھینک دیں۔" موصوف نے یہ بات اس علم کے باوجود کہی ہے کہ سیرت کی کتابوں سے ورقہ کے ساتھ ایک مرتبہ سے زائد ملاقات ثابت ہی نہیں ہوتی۔"

❷ محمد عبداللہ دراز کی کتاب "مدخل الی القرآن الکریم" ص ۱۴۱ او حاشیہ رقم (۱)۔

❸ دیکھیے: مالک بن نبی کی کتاب " الظاهرة القرآنية "

Marfat.com

س کے ماسوا کے مابین ہے۔

سال (Sale) اور تایلور دو عیسائی مصنفین نے بیان کیا ہے کہ رسول ﷺ نے سابقہ ادیان میں ان کے پیروؤں کے انحراف اور ان کے تصورات کے زوال بلکہ دین کے اصولوں میں تحریف کے سبب سے کوئی اخلاقی اور دینی نمونہ نہیں پایا تھا کہ جس کی وہ نقل کرتے یا اسلام میں اس کا اتباع کرتے۔

سال کہتے ہیں: [1] ''جب ہم کلیسا کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان کے مذہبی طبقہ کے حرص و طمع، ان کے باہمی بُعد اور چھوٹے چھوٹے مسائل پر اختلافات، نہ ختم ہونے والے جھگڑوں کے سبب سے ایسے معاملات جن کے باعث باہمی اختلافات میں اضافہ ہوتا گیا، مسیحی دنیا تیسری صدی عیسوی سے اپنی اصل حیثیت کھو چکی تھی۔ مسیحیوں نے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہر قسم کے خبث، بدنیتی، سختی اور سنگدلی سے کام لیتے ہوئے خود مسیحیت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے قریب پہنچا دیا۔ اس کا سبب اس کا طریقہ اور شریعت کو سمجھنے میں ان کا باہمی شدید ترین اختلاف تھا۔ اور اِن تاریک زمانوں میں زیادہ تر خرافات اور بگاڑ کی قسمیں نہ صرف ظاہر ہوئیں، بلکہ مضبوط اور راسخ ہوگئیں۔'' [2]

تایلور کہتے ہیں: [3] محمدؐ اور آپؐ کے متبعین کو ہر طرف جس صورت کا سامنا تھا وہ مخالفانہ، بت پرستانہ، گھٹیا اور شرمناک خرافات تھیں اور مذاہب کلیسا تھے جو فریب خوردہ، منتشر اور بچگانہ رسومات کے مظہر تھے۔ [4]

پھر قرآن حکیم نے یہودیت اور نصرانیت کے بہت سے عقائد و تقالید کا ابطال کیا، لہٰذا قرآن مجید کیوں اپنے اختیار کردہ اسلوب کو ان کے خیالات کے مطابق ترک کر دیتا۔ [5]

---

[1] (ملاحظات تاریخیہ ونقدیہ عن الاسلام) ص ۶۸۔۷۱ از سال (Sale)

[2] محمد عبداللہ دراز کی کتاب " مدخل الی القرآن الکریم " ص ۱۳۶۔ مؤلف نے یہ اقتباس Sale کی تالیف " ملاحظات تاریخیة و نقدیة عن الاسلام " ص ۶۸، ۷۱ سے لیا ہے۔

[3] المیسحیة القدیمیة ج ۱ ص: ۲۶۶ از تایلور (بحوالہ محمد عبداللہ دراز: مدخل الی القرآن الکریم ص ۱۳۶)

[4] محمد عبداللہ دراز نے اپنی کتاب ''مدخل الی القرآن الکریم'' ص ۱۳۷ میں تالیف تایلرر (المسیحیة القدیمة ۱/ ۲۶۶) سے نقل کیا ہے۔

[5] دیکھیے: محمد عبداللہ دراز کی کتاب ''مدخل الی القرآن الکریم'' کی الفصل النفیس (البحث عن مصدر القرآن فی الفترة المکیة)

Marfat.com

خفیہ دعوت کا مرحلہ

مکہ میں دعوت کا آغاز خفیہ طور پر ہوا۔ ابنؒ اسحاق اور واقدی نے اس مرحلہ کی تعیین تین سال کی ہے [1] اور بلاذری نے چار سال کی [2] ---پورے جزیرہ عرب کی طرح--- مکی معاشرہ کی تنظیم کا انحصار بھی قبیلے پر تھا، وہ سیاسی واجتماعی وحدت تھی جو اپنے اتحاد واتفاق کا انحصار قبائلی عصبیت پر رکھتی تھی اور یہی اپنے بیٹوں کو باہم مربوط رکھتی تھی اور اس وقت مکہ میں جس واحد قبیلہ کی فرمانبرداری کی جاتی تھی، وہ قریش تھے، جن کی چودہ شاخیں تھیں جو خصوصی شخصیت کی حامل اکائیوں کے طور پر ظاہر ہوئیں، لیکن وہ قریش کی عمومی ساخت میں حلیفانہ داخل تھے اور متوقع یہ تھا کہ اسلام اس خاندان میں پھیلے گا جس سے رسول اللہ ﷺ کی نسبت تھی، پھر ان قریش میں جو آپؐ کے رشتہ دار تھے، لیکن دکھائی دیتا ہے کہ اسلام کا پھیلاؤ قبائلی عصبیت کے ساتھ مربوط نہیں ہوا اور نہ خاندانی عصبیت کے ساتھ، اور بنی ہاشم کے خاندان میں سے اس کا حصہ باقی ماندہ خاندانوں سے بڑھ کر نہ تھا، اگرچہ بنو ہاشم دوسروں سے بڑھ کر آپؐ سے ہمدردی رکھتے تھے لیکن آپؐ کے ساتھ ان کا میلان طبع انھیں اسلام کی طرف نہ لا سکا، بلکہ ان کے بزرگ اور رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے حامی جناب ابو طالب اسلام میں داخل ہوئے بغیر فوت ہوئے۔

مکہ میں اسلام قریش کی تمام شاخوں میں متوازن صورت میں پھیلا ورنہ کسی ایک خاندان کے لیے جدید دعوت بڑا بوجھ بنتی اور ان وقتوں میں یہ معاملہ قبائلی زندگی کے مزاج کے مخالف ہوتا۔ اور تب اسلام نے قبیلے اور قبائلی عصبیت سے استفادہ کرنے سے اپنی جدید دعوت کی حمایت اور اس کی اشاعت کو مکمل طور پر محروم کر لیا بصورت دیگر اس وقت دیگر خاندان اس کی آواز پر لبیک نہ کہتے۔ اس دلیل کے ساتھ دعوت تو صرف دیگر خاندانوں کی قیمت اپنے متعلقہ خاندان کے مفادات کو یقینی اور نسبتاً زیادہ بنانے کے لیے ہوتی۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۲۶۲ بغیر اسناد کے۔ طبقات ابن سعد ۱/۱۹۹ واقدی کے طریق سے واقدی متروک الحدیث اور اس کا شیخ بھی مجہول الحال ہے۔

[2] انساب الاشراف: ۱/۱۱۶۔

Marfat.com

یہ متوازن ابتدا متعدد قریشی خاندانوں میں عصبیت سے جڑے ہوئے تحفظات کے بغیر اسلام کی اشاعت میں معاون بنی۔ چنانچہ ابوبکر صدیقؓ 'تیم' سے، عثمانؓ بن عفان 'بنی امیہ' سے، زبیر بن العوامؓ 'بنی اسد' سے، مصعب بن عمیرؓ 'بنی عبدالدار' سے، علیؓ بن ابی طالب 'بنی ہاشم' سے، عمرؓ بن الخطاب 'بنی عدی' سے، عبدالرحمٰنؓ بن عوف 'بنی زہرہ' سے، عثمانؓ بن مظعون 'بنی جمح' سے اسلام میں داخل ہوئے۔ بلکہ اس مرحلہ پر مسلمانوں کی ایک تعداد غیر قریش میں سے بھی تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ 'ہذیل' سے، عتبہؓ بن غزوان 'مازن' سے، عبداللہ بن قیسؓ 'الاشعریین' سے، عمار بن یاسرؓ مذحج سے، عنس، زیدؓ بن حارثہ 'کلب' سے، طفیل بن عمرو 'دوس' سے، ابوذرؓ 'غفار' سے، عمرو بن عبسہ 'سلیم' سے، عامرؓ بن ربیعہ 'عنز بن وائل' سے اور صہیبؓ النمری 'بنی النمر بن قاسط' سے تھے۔ چنانچہ پہلے ہی مرحلے سے واضح ہوگیا کہ اسلام مکہ اور قریش کے ساتھ مخصوص نہیں۔

اوّلین مسلمان

آغاز وحی کی حدیث نشان دہی کرتی ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے سب سے پہلے نبوت اور وحی کی خبر سنی اور یہ کہ انھوں نے رسول ﷺ کی تصدیق کی، آپ کی معاونت کی، ڈھارس بندھائی اور آپؐ کا بوجھ ہلکا کیا۔ لہٰذا اس میں کوئی تعجب نہیں کہ ایمان لانے میں اولین وہی ہوں جیسا کہ زہریؒ اور ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ❶

حضرت خدیجہؓ کے بعد علیؓ بن ابو طالب نے آغاز میں ہی اسلام کو قبول کر لیا۔ وہ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل آپؐ کے زیر پرورش تھے، ❷ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ابو طالب کی معاونت کے طور پر اور ان سے حسن سلوک کی خاطر، کیونکہ وہ کثیر العیال اور قلیل المال تھے۔

---

❶ سیرت ابن ہشام: ۱/۲۶۲ میں بغیر سند کے ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۱۴/۴۷ میں زہری کی مرسل روایت ہے اور مستدرک حاکم ۳/۱۸۴ میں حذیفہ بن یمان کی حدیث ضعیف سند کے ساتھ ہے۔

❷ مسند احمد ۱/۳۳۰، ۳۳۱، ۳۷۳ ابن عباس کی حدیث سند حسن کے ساتھ۔ طبقات ابن سعد ۳/۲۱۔ مستدرک حاکم ۳/۱۳۲۔ سیرت ابن ہشام: ۱/۲۲۸، ۲۲۹۔ بغیر اسناد کے اور نبی علیہ السلام کے علیؓ کی کفالت کرنے کی حدیث سند کے ساتھ مجاہد بن جبر تک ہے، لہٰذا یہ مرسل ہے اور اس کے ساتھ ہی عبداللہ بن ابونجیح جو کہ مدلس ہے، مجاہد سے عَنْ کے الفاظ سے بیان کرتا ہے۔ (تعریف اھل التقدیس ۳۹)

Marfat.com

چنانچہ لڑکوں میں اوّل اسلام لانے والے حضرت علیؓ تھے۔ ❶ حافظ ابن حجرؒ کی قوی روایت ہے کہ حضرت علیؓ بعثت نبوی کے وقت دس سال کے تھے۔ ❷

حضرت علیؓ کے اسلام لانے اور نماز پڑھنے کے دن کی تعیین سے متعلق بہت سی لغو اور موضوع روایات ہیں اور وہ یہ کہ انھوں نے اسلام قبول کیا اور منگل کو نماز ادا کی یعنی حضرت خدیجہؓ کے اسلام لانے کے ایک دن بعد، یہ کہ انھوں نے دوسرے مسلمانوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی!! ❸ حضرت علیؓ کے بہت سے فضائل ثابت ہیں لہٰذا وہ اس قسم کے جھوٹ اور مبالغے کے محتاج نہیں۔

ابن کثیرؒ نے حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں صحیح حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف مبعوث فرمایا تو تم (اہلِ مکہ) نے کہا: تو نے جھوٹ بولا۔ اور ابوبکرؓ نے کہا: کہ اس (ﷺ) نے سچ کہا، اور اس نے جان و مال سے میری مدد کی۔'' ابن کثیر نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے تھے۔ ❹ ابوبکرؓ کے گھر والوں نے بھی اسلام کو قبول کر لیا تھا۔

حضرت عائشہؓ نے کہا: ''میں نے اپنے والدین کو شعوری طور پر دین (اسلام) کی ہی حالت میں دیکھا ہے۔'' ❺

---

❶ جامع ترمذی: ۵/۶۴۲، صحیح اسناد کے ساتھ۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ (مستدرک حاکم: ۳/۱۳۶) اس کی سند میں ابوحمزہ انصاری ہیں، ان کا نام طلحہ بن یزید ایلی تھا۔ (تقریب التہذیب: ۲۸۳)

❷ فتح الباری: ۷/ ۱۷٤.

❸ مسند احمد: ۱/۹۹۔ کشف الاستار: ۳/۱۸۲، اس کی سند میں یحییٰ بن سلمہ بن کہیل شیعہ ہے اور یہ متروک الحدیث ہے۔ (تقریب التہذیب: ۵۹۱) سنن ترمذی: ۵/۶۴۰ اور اس کی سند میں مسلم بن کیسان ہے جو باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ مسند ابویعلیٰ: ۱/۳۴۸ اس میں بھی مسلم بن کیسان ہے اور حبہ بن جوین اور سلیمان بن قرم اور یہ سب ضعیف ہیں۔ امام احمد نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک صحابی عفیف کندی نے نبیؐ، خدیجہ اور علی کو ایک ہی جگہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اور یہ کہ یہ دونوں اوّلین مسلمان ہیں۔ (مسند احمد: ۱/۲۰۹، ۲۱۰۔ مستدرک حاکم: ۳/۱۸۳، حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے تائید کی) مگر اس کی سند میں اسماعیل بن ایاس ہے کہ اسے اور اس کے باپ کو امام بخاری نے بالکل ضعیف قرار دیا ہے۔ (التاریخ الکبیر: ۱/۳۴۵، ۴۴۱)

❹ صحیح بخاری (فتح الباری: ۷/۱۸) دیکھیے: السیرۃ النبویۃ لابن کثیر: ۱/۴۳۴۔

❺ صحیح بخاری (فتح الباری: ۴/۴۷۵)

Marfat.com

اور زہریؒ کی رائے ہے کہ دیگر لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے --- رسول اللہ ﷺ کے غلام --- حضرت زیدؓ بن حارثہ ہیں۔ [1] اور زہریؒ کے اقوال کے پیش نظر کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا، شاید اس کے ہاں اس کا مطلب یہ ہو کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت زیدؓ بن حارثہ نے اسلام قبول کیا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے پہلے واقدی نے زہری کے ان دونوں اقوال میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔ [2]

اور اس کے بعد پہلے ایمان لانے والوں کی تعیین سے متعلق روایات کے مابین جمع و مطابقت کی مساعی مسلسل رہیں۔

صحیح روایت کے ذریعے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اسلام کی نشان دہی ہوتی ہے۔ ایک ہفتہ تک تیسرے مسلمان وہی تھے۔ [3] پھر دوسرے لوگ ایمان لائے۔ [4]

اور ان کے اسلام لانے کی خبر قرآن میں نازل ہوئی۔ جیسا کہ انھوں نے اپنے بارے میں بیان کیا ہے: ''ام سعد نے قسم کھالی کہ وہ ان سے کبھی کلام نہ کرے گی، نہ کھائے گی، نہ پئے گی تا آنکہ وہ اس نئے دین کا انکار کردے۔ چنانچہ اس نے کہا: ''تیرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے والدین کے بارے میں (حسن سلوک کی) ہدایت کی ہے اور میں تجھے یہ حکم دیتی ہوں۔''

---

[1] مصنف عبدالرزاق: ۳۲۵/۵ یہ زہری کی مرسل روایت ہے۔ ابوفزارہ راشد بن کیسان عبسی جو کہ ثقہ ہے کی مرسل روایت اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ زید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ کے پیسے سے خریدا۔ پھر خدیجہؓ نے وہ آپ کو ہبہ کردیا اور آپؐ نے اسے آزادی دے دی۔ یہ روایت ابن اسحٰق کی روایت کے مخالف ہے جس میں یہ ہے کہ زید کو حکیم بن حزام نے خریدا پھر اسے خدیجہ کو عطا کردیا اور خدیجہ نے نبی علیہ السلام کو ہبہ کردیا۔ (مصنف ابن ابوشیبہ ۳۲۱/۱۴) ایک ضعیف روایت اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ زید کے بھائی جبلہ بن حارثہ نے انھیں واپس اپنے گھر لے جانا چاہا لیکن زید نے انکار کردیا۔ (سنن ترمذی: ۶۷۶/۵) اس حدیث کی سند میں محمد بن عمر رومی بہت نرم راوی ہے، ویسے مستدرک حاکم: ۲۱۴/۳ کے مطابق عبدالغفار بن عبداللہ بن زبیر موصلی نے اس کی متابعت کی ہے۔ عبدالغفار کی توثیق صرف ابن حبان نے کی ہے۔ (الثقات: ۸/ ۴۲۱) اس طرح یہ دونوں طریق تقویت حاصل کرلیتے ہیں اور حدیث حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔

[2] تاریخ الامم والملوك طبری: ۳۱٦/۲.

[3] وہ اولین مسلمانوں میں سے تو تھے مگر یہ کہ وہ تیسرے مسلمان تھے، متنازعہ روایت ہے

[4] صحیح بخاری (الفتح: ۸۳/۷، ۱۷۰) اور دیکھیے: فضائل الصحابة لاحمد: ۲/ ۷٤۹.

Marfat.com

حضرت سعدؓ کہتے ہیں: وہ تین دن تک ایسے ہی رہی حتی کہ تیسرے دن بھوک اور پیاس کے باعث بے ہوش ہوگئی۔ اس وقت عمارہ نامی بیٹے نے اسے پانی پلایا، وہ سعدؓ کو بددعائیں دینے لگی تو اللہ عزوجل نے قرآن میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ [العنکبوت:۸]

(ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھہرائے جسے تو (میرے شریک کی حیثیت سے) نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر)

نیز فرمایا: ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ [لقمان:۱۵]

(دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔)

انھوں نے کہا: جب وہ اسے کھانا کھلانا چاہتے تو لکڑی سے اس کا منہ کھولتے۔ ❶

اور یہ واقعہ گوناں گوں فتنوں کے سامنے اولین مسلمانوں کے موقف کی طرف اشارہ کرتا ہے نیز وہ فریقین کے تقابلی انداز کی نشاندہی کرتا ہے، جو ایک وقت میں احساس ہمدردی کی تاثیر اور نفسیاتی دباؤ، اور دوسرے وقت میں قہر وقوت کے استعمال کے مابین جمع ہو جاتے۔

حضرت عثمانؓ بن عفان نے آغاز ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن وہ روایت جس کی رو سے وہ اسلام میں داخل ہونے والے چوتھے فرد تھے صحیح نہیں۔ ❷ طلحہؓ بن عبید اللہ ایمان لائے مگر ان کے اسلام لانے کی تفصیلات صحیح نہیں۔ ❸

زبیر بن عوامؓ نے اسلام قبول کیا، ان کے چھوٹے بیٹے عروہؒ کے مطابق قبولِ اسلام

---

❶ صحیح مسلم مع شرح النووی: ۱۵/ ۱۸۵، ۱۸۷۔ واحدی نے اسباب النزول ۳۹۵ میں اس معنی کی روایت ضعیف سند سے بیان کی ہے۔ اس میں احمد بن ایوب بن راشد مقبول راوی ہے اس کی توثیق صرف ابن حبان نے کی ہے۔ (تہذیب: ۱/ ۱۷۔ تقریب: ۷۷)

واقدی نے بھی اس معنی کی روایت بیان کی ہے جیسا کہ طبقات ابن سعد ۱۲۳/۴، ۱۲۴ میں ہے۔

❷ مصنف ابن ابوشیبہ میں ابن لھیعہ کے طریق سے ہے مگر یہ اپنی کتابیں جل جانے کے بعد اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ یہ ابن لھیعہ کی روایت عبادلہ میں سے نہیں ہے جو کہ اعدل الروایات ہے۔

❸ طبقات ابن سعد: ۲۱۴/۳، ۲۱۵ میں واقدی کے طریق سے ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔

Marfat.com

کے وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی ❶ لیکن حضرت زبیرؓ کے پوتے ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ اس وقت وہ سولہ سال کے تھے۔ ❷

ابوالاسود کی مرسل روایت کے مطابق حضرت زبیرؓ کو ان کے اسلام کے سبب ان کا چچا آگ کے ساتھ سزا دیتا۔ ❸ شاید اس خبر کا مصدر خاندانی ہو کیونکہ ابوالاسودؒ عروہؒ سے ان کے مغازی کے راویوں میں سے ہیں اور واقدی کی روایت نے ان کی عمر کی تعیین کی ہے--- جب وہ ایمان لائے--- تو وہ سترہ سال کے تھے۔ ❹

اسلام میں جلد داخل ہونے والوں میں سعیدؓ بن العاص ہیں، لیکن ان کے اسلام کے قصے کی تفصیلات ثابت نہیں ہوتیں اس لیے کہ واقدی اس کے تنہا راوی ہیں۔ ❺

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اسلام لانے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ: ''میں کم عمر نوجوان تھا اور مکہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ مشرکین سے بچ کر میرے پاس آئے تو انھوں نے کہا: اے نوجوان، تیرے پاس دودھ ہے جو ہمیں پلائے؟ میں نے کہا: ''میرے پاس امانت ہے اور میں آپ کو نہیں پلا سکتا۔ انھوں نے کہا: کیا تمھارے پاس آٹھ نو ماہ کا بکری کا (مادہ) بچہ ہے جس کے ساتھ نر بکرے نے ابھی تک جفتی نہ کی ہو؟ میں نے کہا: ''ہاں''۔ چنانچہ میں اسے ان کے پاس لے آیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کی ٹانگوں کو باندھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے تھن کو پکڑ کر دعا فرمائی اور تھن میں دودھ جمع ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ ایک پیالہ نما پتھر لائے، آپؐ نے دودھ دوہا۔ آپؐ اور ابوبکرؓ نے دودھ پیا پھر مجھے پلایا۔ پھر تھن سے کہا: ''سمٹ جا اور وہ سمٹ گیا۔'' کچھ عرصہ بعد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: ''مجھے قول طیب --القرآن --

---

❶ معجم کبیر طبرانی: ۱/ ۸۱، ۸۲۔ مجمع الزوائد هيثمی: ۹/ ۱۵۲ یہ مرسل روایت ہے اور اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔

❷ طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۰۲۔ یہ مرسل روایت ہے اس کے رواۃ صحیح کے رجال ہیں۔

❸ مجمع الزوائد هيثمی: ۹/ ۱۵۱.

❹ طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۳۹۔ واقدی متروک ہے مگر اس قسم کی بات میں تساہل قبول ہے۔

❺ طبقات ابن سعد: ۴/ ۹۴، ۹۵ اور دیکھیے: مستدرک حاکم: ۳/ ۲۴۹۔ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ سعید بن عمرو بن سعید نے اپنے چچا خالد بن سعید سے حدیث نہیں سنی۔

Marfat.com

سکھایئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم خداداد صلاحیت کے مالک لڑکے ہو۔'' چنانچہ میں نے ستر سورتیں سیکھ لیں اور اس میں کوئی مجھ سے نہ بڑھ سکا۔ ❶

واقدی کی ایک روایت ذکر کی گئی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ کے دارارقم میں داخل ہونے سے قبل مسلمان ہوئے، ❷ اور دوسری ضعیف روایت بیان کی گئی ہے کہ وہ چھٹے مسلمان تھے۔ ❸

خبابؓ بن ارت کی اسلام میں سبقت پر کوئی شک نہیں لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ چھ مسلمانوں میں سے چھٹے تھے۔ ❹ اسی طرح حضرت بلالؓ کی اسلام میں سبقت ہے ❺ جب کہ وہ غلام تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خریدا اور انھیں آزاد کر دیا۔ ❻

یہ ثابت ہے کہ حضرت عمارؓ بن یاسر جلد ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنے بارے میں کہا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو آپؐ کے ساتھ پانچ غلام، دو خواتین اور ابوبکرؓ

---

❶ مسند احمد: ۱/۳۷۹۔ ابن ابوشیبہ کی مصنف: ۱۱/۵۱۰۔ طبقات ابن سعد: ۳/۱۵۰، ۱۵۱۔ المعرفۃ والتاریخ فسوی: ۲/۵۳۷۔ اس کی اسناد حسن ہے۔ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۶۵ میں اس سند کو صحیح کہا ہے اور اسی طرح ھیثمی نے مجمع الزوائد: ۶/۱۷ میں کہا ہے لیکن اس سند میں عاصم بن ابوالنجود ہے۔ ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ صدوق تو ہے مگر اس کے بہت سارے اوھام ہیں۔ اس کی حدیث صحیحین میں مقرون ہے۔ (تقریب: ۲۸۵) اور ذہبی نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ حسن الحدیث ہے۔ (میزان الاعتدال: ۲/۳۵۷)

❷ طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۵۱.

❸ مصنف ابن ابوشیبہ: ۱۲/۱۱۴، ۱۱۵۔ کشف الاستار ہیثمی: ۳/۲۴۸۔ معجم کبیر طبرانی: ۹/۵۸۔ مستدرک حاکم: ۳/۳۱۳ اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے تائید کی ہے مگر اس میں بے شمار علتیں ہیں۔ اعمش کی تدلیس ہے اور اس نے یہ روایت لفظ ''عن'' سے بیان کی ہے۔ اس کے راوی عبدالرحمٰن بن عبداللہ نے اپنے باپ سے بہت ہی کم سماع کیا ہے اور وہ مدلس بھی ہے اور اس نے یہاں پر تحدیث کی صراحت بھی نہیں کی۔

❹ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲/۱۴۹۔ مجاہد تک صحیح سند کے ساتھ مرسل ہے۔ اور ۱۳/۴۹ کے مطابق مرسل ہے، اس کا راوی کردوس مقبول ہے، بشرطیکہ اس کی متابعت موجود ہو۔ (تقریب التہذیب: ۴۶۱) صرف ابن حبان نے کردوس کی توثیق کی ہے۔ (الثقات: ۵/۳۴۲) اور یہ روایت مرسل ہے، صرف اسی میں یہ بات ہے کہ وہ چھٹے مسلمان تھے۔

❺ فضائل الصحابۃ امام احمد: ۱/ ۱۸۲، ۲۳۱۔ صحیح اسناد کے ساتھ۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۳۳۔ مستدرك حاكم: ۳/ ۲۸٤۔ حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

❻ صحيح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۹۹).

Marfat.com

تھے۔ ❶ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: ''اولاً جن کا اسلام ظاہر ہوا وہ سات ہیں۔
رسول اللہ ﷺ، ابو بکرؓ، عمارؓ، ان کی والدہ سمیہؓ، صہیبؓ، بلالؓ اور مقدادؓ۔ ❷
اور عمرو بن عبسہ سلمیؓ کی رائے تھی کہ وہ اولین چار مسلمانوں میں سے چوتھے تھے۔ ❸
انھوں نے کہا: ''اس وقت میں اپنے آپ کو اسلام میں چوتھا سمجھتا تھا۔'' جہاں تک ان کے اسلام لانے کے محرکات کا تعلق ہے تو کہا: ''جاہلیت میں میرا خیال تھا کہ لوگ گمراہ ہیں، ان کے پاس کوئی مسلمہ اصول نہیں ہے، کیونکہ وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ میں نے سنا کہ مکہ میں ایک شخص ہیں جو خبریں دیتے ہیں۔ چنانچہ میں اپنی سواری پر روانہ ہوا، اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنی دعوت کو چھپاتے تھے اور آپؐ کی قوم کا آپؐ کے ساتھ رویہ گستاخانہ تھا۔ چنانچہ میں نے احتیاط کے ساتھ بھید معلوم کرنے کی کوشش کی حتی کہ میں مکہ میں آپؐ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے عرض کیا: آپ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''میں نبی ہوں۔'' میں نے کہا: ''نبی کون ہوتا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔'' میں نے پوچھا: ''اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے صلہ رحمی اور بتوں کو توڑنے کے لیے بھیجا ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علمبردار بنوں، کہ اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کیا جائے۔'' میں نے کہا: ''اس کام میں آپؐ کے ساتھ کون ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''ایک آزاد اور ایک غلام۔'' (راوی کہتے ہیں کہ وہ ابو بکرؓ و بلالؓ تھے)۔
میں نے کہا: ''میں آپؐ کی اتباع اختیار کرتا ہوں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''تو فی الحال اس کی استطاعت نہیں رکھتا، کیا تو میرا حال اور لوگوں کا حال نہیں دیکھتا؟ تو اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ جا۔ جب تجھے میرے غلبے کی خبر پہنچے تو میرے پاس آنا۔''
اس نے کہا: ''میں اپنے گھر والوں کے پاس چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف

---

❶ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/۱۸، ۱۷۰) ابن حجر کہتے ہیں کہ غلام تو بلال، زید بن حارثہ، عامر بن فہیرہ، ابو فکیہہ اور پانچویں شاید شقران ہوں۔ دو عورتیں جناب خدیجہ اور ام ایمن یا سمیہ تھیں۔
❷ مسند احمد: ۱/۴۰۴۔ اسنادِ حسن کے ساتھ۔
❸ مسند احمد: ٤/ ١١٢۔ طبقات ابن سعد: ٤/ ٢١٥۔ تاریخ طبری: ٢/ ٣١٥ اسنادِ حسن کے ساتھ۔ مستدرك حاكم: ٣/ ٦٥، ٦٦ اور حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔ ۲۸۵۔

Marfat.com

لے گئے تو میں اپنے اہل وعیال میں تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لوگوں سے پوچھتا رہتا اور معلومات حاصل کرتا رہتا۔ حتیٰ کہ اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ میرے پاس آئے تو میں نے پوچھا: ''جو صاحب مدینہ آئے تھے ان کا کیا حال ہے؟'' انھوں نے کہا: ''لوگ بڑی تیزی کے ساتھ ان کی طرف آ رہے ہیں۔ قوم نے ان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔'' چنانچہ میں مدینہ گیا اور آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ❶

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے سب اسلام لانے والوں کے نام نہیں بتائے۔ آپ ؐ نے مسلمانوں کو ایذا سے بچانے کی خاطر صرف ابوبکرؓ اور بلالؓ کے نام بتائے اور غالباً اس وقت اسلام لانے والوں کے بارے میں وہ اپنے سوال کے جواب کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ چنانچہ عمرو بن عبسہ کا یہ تاثر کہ وہ چوتھے مسلمان تھے، اس کے مطابق تھا جو انھیں پتا چلا حالانکہ اس مرحلہ پر مسلمانوں کی تعداد اس سے زیادہ تھی۔ جب قریش نے اسلام کے خلاف ظالمانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا، اور مسلمانوں کو ایذائیں دے رہے تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول نشاندہی کرتا ہے: ''الا تری حالي و حال الناس''

مسلمان اپنے اسلام کو چھپا کر رکھتے۔ اس لیے حضرت ابوذر غفاریؓ بھی اپنے آپ کو چوتھا مسلمان سمجھتے تھے ❷ اور بعض راویوں نے ابوذرؓ اور عمروؓ بن عبسہ کے کلام کے مابین تعارض

---

❶ صحیح مسلم: ۱/ ۵۹۶۔ اس کا الشریعۃ آجری: ۴۴۵، ۴۴۶ کی روایت کے ساتھ موازنہ کریں۔ آجری کی روایت اسنادِ حسن کے ساتھ ہے، اس میں اسماعیل بن عیاش اپنی شامی روایت میں صدوق ہے، جیسے کہ اس سند میں ہے۔ اور اس میں عمرو بن عبداللہ سیبانی مقبول ہے کیونکہ اس کی یہاں پر ابوسلام دمشقی کی طرف سے متابعت کی گئی ہے۔ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کسی اہل کتاب نے اُسے اس نبی کے اتباع کی طرف راہنمائی کی تھی جو عنقریب مکہ میں ظاہر ہونے والا تھا۔

❷ معجم کبیر طبرانی: ۲/ ۱۵۵۔ مستدرک حاکم: ۳/ ۳۴۲ حاکم نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ شاید حاکم کی گفتگو طباعت میں نہیں آ سکی ورنہ ذہبی نے اُن کی تصحیح کا ذکر کیا ہے کہ یہ مسلم کی شرط کے مطابق ہے، مگر ان کی یہ بات تسلیم نہیں کی گئی کیونکہ امام مسلم نے مالک بن مرثد کی کوئی روایت بیان نہیں کی اور نہ ہی ان کے والد سے۔ مرثد کے حالات نامعلوم ہیں جیسا کہ ذہبی نے میزان الاعتدال: ۴/ ۸۷ میں کہا ہے۔ حافظ ابن حجر اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مقبول ہے یعنی اس وقت جب اس کی متابعت کی جائے اور جبیر ابن نفیر نے ابوذر غفاری سے روایت میں اس کی متابعت کی ہے۔ (تاریخ الامم والملوک طبری: ۲/ ۳۱۵) ایسی سند کے ساتھ جس میں صدقہ بن عبداللہ سمین ہے جو کہ ضعیف ہے۔ (تقریب: ۲۷۵) امام حاکم نے تساہل کیا اور اس کی سند کو صحیح قرار دے دیا اور ذہبی نے بھی اس کی تائید کی۔ (مستدرک: ۳/ ۳۴۱) یہ سند حسن لغیرہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذہبی نے مستدرک حاکم کی تلخیص اپنی جوانی میں کی ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب انھیں ابھی تنقید کے جدید منہج پر دسترس حاصل نہ تھی۔

Marfat.com

کی وجہ یہ بیان کی ہے: ''دونوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ دوسرے نے کب اسلام قبول کیا'' ❶ جس سے اشارہ ملتا ہے کہ خفیہ دعوت کے اصول کو بعض حالات میں پیش نظر رکھا جاتا ہے بلکہ اگر حالات کا تقاضا ہو تو سرِ عام دعوت میں بھی اس اصول کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

جنوں کا اسلام

حضرت محمد ﷺ انسانوں اور جنوں ہر دو انواع کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جن اپنی اصل میں انسان کی نظر سے پوشیدہ مخلوق ہیں اگرچہ انھیں مختلف شکلیں اختیار کر کے ظاہر ہونے کی قدرت حاصل ہے۔ قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ کو عکاظ سے واپس آتے ہوئے نخلہ کے مقام پر دیکھا جب کہ جنوں کو آسمان سے سن گن لینے سے روک دیا گیا تھا اور وہ پورے خطہ ارضی میں اس کا سبب تلاش کرتے پھرتے تھے۔ انھوں نے آپؐ کو پایا اور آپؐ کی طرف کان لگائے جب کہ آپؐ اپنے اصحابؓ کے ساتھ نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ قرآن سن کر وہ ایمان لے آئے اور اپنی قوم کی طرف لوٹے اور کہا: ﴿اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًاۙ یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا﴾[الجن:۱۔۲]

(ہم نے ایک بڑا عجیب قرآن سنا ہے، جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اب ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے) نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر وحی کی:

﴿قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ﴾[الجن:۱] اے نبیؐ، کہو: ''میری طرف وحی بھیجی گئی ہے)

اور آپؐ کی طرف جنوں کا قول وحی کیا گیا۔ ❷ رسول اللہ ﷺ نے اس مرتبہ جنوں کو نہیں دیکھا اور نہ آپ نے انھیں قرآن سنایا۔ نبیؐ کو ان کی اطلاع ایک درخت نے دی۔ ❸

---

❶ تاریخ طبری:۲/۳۱۵ میں ضعیف سند کے ساتھ جبیر بن نفیر تک۔ ابن کثیر اور ابن حجر بھی تائید کرتے ہیں کہ اسلام میں سبقت کے دعووں میں تعارض کا سبب صرف خفیہ دعوت تھی۔ اس طرح کہ اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنے والے لوگ اُن پر لاعلم رہتے تھے۔ (السیرة النبویة ابن کثیر: ۱/ ۴۴۳۔ فتح الباری ابن حجر: ۷/ ۸۴)

❷ صحیح البخاری (فتح الباری: ۲/ ۲۵۳، ۸/۶۶۹۔۶۷۰) صحیح مسلم شرح نووی: ۴/ ۱۶۷، ۱۶۸۔ سنن ترمذی: ۵/ ۴۲۶، ۴۲۷۔ اور ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

❸ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/۱۷۱) صحیح مسلم بشرح نووی: ۴/ ۱۷۱.

Marfat.com

پھر آپؐ کی طرف ان کے بارے میں وحی کی گئی۔ ❶ ایک مرسل روایت نے جنوں کی تعداد کی تعیین کی ہے کہ وہ نو تھے، ❷ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ نَصِیبِیْن کے جنات میں سے تھے۔ ❸ اس واقعہ کے بعد جنوں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی جب کہ آپ مکہ سے باہر اپنے اصحاب کے ساتھ خیمہ زن تھے۔ چنانچہ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان پر قرآن پڑھا۔ پھر آپؐ نے اپنے اصحاب کو ان کے اور ان کی آگ کے آثار دکھائے۔ ❹ شعبیؒ نے بیان کیا ہے کہ وہ نَصِیبِیْن کے جنات کا وفد تھا۔ ❺

علانیہ دعوت کا آغاز

خفیہ دعوت کا مرحلہ اس آیت کریمہ: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ [الشعراء: ۲۱۴] (اے نبیؐ، اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔) کے نزول کے ساتھ ختم ہو گیا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نکل کر کوہ صفا پر آئے اور بآواز بلند پکارا۔ یاصباحاہ !! جب قریش آپؐ کے پاس جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا: ''اے بنی فلاں، اے بنی عبد مناف، اے

---

❶ صحیح بخاری (الفتح: ۲/ ۲۵۳) صحیح مسلم مع شرح نووی: ٤/ ١٦٧، ١٦٨ اور مسند احمد: ١/ ١٦٧ میں جو یہ آیا ہے کہ انھوں نے عشاء کی نماز میں قرآن سنا تو اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے کیونکہ عکرمہ نے زبیر بن عوام سے نہیں سنا جیسا کہ احمد شاکر نے اپنی مسند کی تحقیق میں کہا ہے۔ (۲۲،۲۱/۳) اور اگر یہ ثابت ہو جائے تو اس روایت اور صحیح کی روایت میں تطبیق ممکن ہے یعنی جنوں نے آپ سے دو مرتبہ قرآن سنا ہے۔

❷ یہ روایت طبری نے محمد بن بشار سے اور بزار نے احمد بن اسحٰق اھوازی سے اور ان دونوں نے ابو احمد زبیری سے مرسل بیان کی ہے۔ صرف ابوبکر بن ابوشیبہ نے المصنف میں عبداللہ بن مسعود سے موصول بیان کی ہے جیسا کہ اصابہ مع استیعاب: ۵۳۸/۱ میں ہے۔ یحییٰ قطان، وکیع اور یحییٰ بن یمان ہر ایک نے ابو احمد زبیری کی متابعت کی ہے اور اس روایت کو مرسل بیان کیا ہے۔ (تفسیر طبری: ٢٦/ ٣١، ٣٣۔ دلائل النبوة: ٢/ ٤٦٤)

❸ اس پر قابل بھروسہ سب سے قوی حدیث جابر جعفی کی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (جامع البیان طبری: ۳۳/۲۶۔ مجمع الزوائد: ۱۰۶/۷) اور باقی تمام روایات نہایت کمزور اور بودی ہیں۔ (جامع البیان طبری: ۳۰/۲۶، ۳۱، ۳۳۔ مجمع کبیر طبرانی: ۲۵۶/۱۱) اور ان دونوں کی سند میں نضر ابو عمر ہے جو متروک الحدیث ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۰۶/۷) معجم اوسط: ۱۲/۱ اور اس کی سند میں عفیر بن معدان متروک الحدیث ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۰۶/۷)

❹ صحیح مسلم مع شرح نووی: ٤/١٦٨، ١٧٠۔

❺ صحیح مسلم مع شرح نووی، شعبی کی مرسل ہے۔ اور صحیح بخاری کی روایت (فتح الباری: ۱۷۱/۷) جو ابوہریرہ نے بیان کی ہے اس کی تائید کرتی ہے۔

Marfat.com

بنی عبدالمطلب ! اگر میں تمھیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے گھڑسواروں کا ایک لشکر برآمد ہونے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' انھوں نے کہا: ''ہمیں کبھی آپ کے جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا۔'' آپ نے فرمایا: ''میں تمھیں شدید عذاب کے آجانے سے پہلے ڈراتا ہوں۔'' اس پر ابولہب نے کہا: ''غارت ہو جاؤ تم، کیا اس لیے ہم سب کو اکٹھا کیا تھا؟'' چنانچہ یہ سورت ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ . .﴾ نازل ہوئی۔ ❶

بعض کمزور روایات کی رو سے آنحضور ﷺ نے ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہونے پر تیس اقربا کو جمع کیا۔ انھوں نے کھایا پیا--- بعض مؤرخین نے قلیل طعام کو بڑی تعداد کے لیے کافی ہو رہنے کے معجزے کی طرف اشارہ کیا ہے--- پھر آپ نے ان سے کہا: ''کون میرا قرض اتارے گا، کون میرے معاہدے نباہے گا، کون میرے اہل و عیال کا نگہبان ہوگا؟ اور وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔'' تو علیؓ نے کہا: ''میں۔'' ❷ حضرت علیؓ کے فضائل

---

❶ متفق علیہ (فتح الباری: ۸/۷۳۷) صحیح مسلم: ۱/۱۹۴۔ ابن عباس کی حدیث اس حدیث کو ابوہریرہ اور عائشہؓ کی حدیثوں کے ساتھ ملائیں۔ اور یہ تینوں حدیثیں صحابہ کی مرسل ہیں کیونکہ یہ تینوں ہی واقعہ میں موجود نہ تھے۔ (فتح الباری: ۸/۵۰۲) ابوہریرہ کی حدیث ابن عباس کی حدیث کے خطاب کو مکمل کرتی ہے، جبکہ ابن عباس نے خطاب کو مختصر بیان کیا ہے اور اس میں آپؐ کا یہ فرمان کہ ''اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ'' کے الفاظ مکرر آئے ہیں۔ اسی طرح ابوہریرہ نے بھی اس خطاب کے کچھ اور حصہ پر اقتصار کیا ہے۔ (فتح الباری: ۵/۳۸۲۔ صحیح مسلم بشرح نووی: ۳/۸۱) اسی طرح یہ روایت سنن ترمذی: ۵/۳۳۹، ۳۴۰ میں ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے ملائیں۔ ترمذی نے اسے ابوموسیٰ کی غریب اور مرسل قرار دیا ہے۔ اسی طرح اسے طبری نے جامع البیان ۱۹/۱۲۰ میں مرسل نکالا ہے۔ اور اسے ابویعلیٰ موصلی کی مسند ۲/۴۰، ۴۱ میں روایت کے ساتھ ملائیں جو ضعیف سند کے ساتھ ہے۔ اس میں عبدالجبار بن عمر ایلی اور عبداللہ بن عطاء دونوں ضعیف ہیں۔ دیکھیے: ان دونوں روایتوں کے لیے: (تقریب التهذيب : ٣٣٢ وتهذيب التهذيب : ٦/ ١٠٣، ١٠٤)

❷ مسند احمد: ۱/۱۱۱۔ کشف الاستار: ۳/۱۸۳ میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ان دونوں کی اسناد میں عباد بن عبداللہ اسدی ضعیف ہے اور اس میں ایک راوی شریک نہایت برے حافظے والا ہے اور اس میں اعمش مدلس کا عنعنہ ہے۔ اس کے کمزور سے شواہد ابن اسحٰق کے ہاں السیر والمغازی ۱۴۵، ۱۴۶ میں دیکھیں۔ اس کی سند میں عبدالغفار بن قاسم ابومریم متروک الحدیث، سخت جھوٹا اور شیعہ ہے۔ (تفسیر طبری: ۱۹/۷۴، ۷۵۔ ابن کثیر کی تفسیر: ۳/۳۵۱) اس کے تعارف کے لیے دیکھیں: ضعفاء عقیلی: ۳/۱۰۱۔ ابن اسحٰق نے اپنی سند میں اسے مبہم رکھا ہے اور احمد بن عبدالجبار عطاری نے اس کا پول کھولا ہے۔ (دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/۱۷۸، ۱۸۰) طبقات ابن سعد: ۱/۱۸۷ کی سند میں واقدی اور یزید بن عیاض دونوں متروک الحدیث ہیں۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ایسی سند سے روایت کیا ہے، جس میں عبداللہ بن عبدالقدوس رافضی ضعیف ⇦⇦⇦

Marfat.com

بہت سارے ہیں لیکن یہ روایت منکر ہے اور اس کے سارے شواہد کمزور ہیں، جھوٹ گھڑنے والوں کی کارستانی ہے اور روایت خواہش کے بندے، قصہ گو لوگوں کا تخیل ہے۔ طبریؒ نے آیت ﴿ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴾[الحجر:۹۴] (پس اے نبیؐ، جس چیز کا تمھیں حکم دیا جارہا ہے، اسے ہانکے پکارے کہہ دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پروانہ کرو) کے نزول کو خفیہ دعوت کے مرحلہ کے اختتام کا اذن قرار دیا ہے۔ یہ آیت مکی ہے اور اس میں جس امر کا ذکر ہے وہ الجہر بالقرآن ہے اور اس میں خفیہ دعوت کے مرحلہ کے اختتام کا احتمال ہے۔ لیکن روایت کی اسناد کے ضعف کے باعث اس پر یقین مشکل ہو جاتا ہے۔ ❶

''اور یہ فطری بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی علانیہ دعوت کی ابتدا اپنے خاندان کے اقربا سے کرتے، چونکہ مکہ ایسا شہر تھا جس نے گہری قبائلی روح اپنے اندر سمو رکھی تھی، چنانچہ اپنے خاندان سے دعوت کی ابتداء آپؐ کی نصرت، تائید اور حمایت کی معاونت میں تھی۔ نیز شہر مکہ چونکہ بڑا دینی مرکز تھا اس لیے وہاں سے دعوت کی اٹھان میں خصوصی تاثیر ناگزیر تھی۔ لہٰذا اسے زمرہ اسلام میں لانا بہت ضروری تھا، اور اس لیے بھی کہ ایسا ہونا دیگر قبائل کے لیے بڑا مؤثر تھا۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ رسالت اسلامی اپنے ابتدائی ادوار میں قریش تک محدود تھی۔ قرآن حکیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کا قریش سے اپنی دعوت کا آغاز اپنی عالمی رسالت کو بروئے کار لانے کے لیے پہلا قدم تھا اور یہ حقیقت ہے کہ بکثرت مکی آیات بیان کر رہی تھیں کہ ﴿ مَا هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴾[القلم:۵۲] (حالانکہ یہ (قرآن) تو سارے جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے) یہ وہ امر ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ شروع دن سے ہی عالمی دعوت اسلام کے پیش نظر تھی۔'' ❷

⇐⇐⇐ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر:۳/۳۵۱، ۳۵۲۔ منہاج السنۃ ابن تیمیہ:۴/۸۱) النسائی کی خصائص علیؓ، رقم:۶۶، تاریخ طبری:۲/۳۲۱ دونوں نے ضعیف سند سے روایت کیا۔ اس میں ربیعہ بن ناجد ازدی کوفی ہے جس کے بارے میں ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی پہچان کی توقع ہی نہیں اور اس راوی سے ابو صادق نے ایک منکر حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: علی میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔ (میزان الاعتدال:۲/۴۵) باقی رہی یہ بات کہ ابن حجر نے تقریب ۲۰۸ میں اس کی توثیق کی ہے تو دراصل اس معاملہ میں انھوں نے ابن حبان اور عجلی کی متابعت کی ہے اور یہ دونوں اس معاملہ میں تساہل برت جاتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب:۳/۲۶۳)

❶ تاریخ طبری:۲/۳۱۸۔ تفسیر طبری:۱۴/۶۸ اور اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ضعیف ہے، جیسا کہ تقریب میں ہے۔

❷ عماد الدین خلیل کی دراسۃ فی السیرۃ:۶۶۔

Marfat.com

اسلام کی علانیہ دعوت کے مرحلہ پر ابوذرؓ غفاری نے اسلام قبول کیا۔ ابن حجرؒ نے ابوذرؓ کے قصہ اسلام اور حضرت علیؓ سے ان کی ملاقات سے استدلال کیا ہے کہ وہ بعثت نبوی سے دو سال سے زائد عرصہ بعد کا واقعہ ہے جب حضرت علیؓ کے لیے ممکن ہوا کہ وہ ایک اجنبی سے گفتگو کرنے اور اس کی میزبانی کے قابل ہوئے۔ ❶

حضرت ابوذرؓ کے اسلام کا قصہ دو صحابیوں سے وارد ہوا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ سے بخاری و مسلم میں اور عبداللہ بن صامتؓ سے صرف صحیح مسلم میں اور ان کے مابین تعارض ہے۔ قرطبیؒ کی رائے ہے کہ ان دونوں کو جمع کرنا بہت مشکل ہے جب کہ ابن حجرؒ کی رائے ہے کہ دونوں کے مابین بڑا عدم تناسب ہے لیکن انھیں جمع کرنا ممکن ہے۔ ❷ بہر حال اصول یہ ہے کہ سب سے صحیح وہ ہے جس سے بخاری و مسلم متفق ہوں، لہٰذا تعارض کی صورت میں ابن عباسؓ کی روایت پر اعتماد لازم ہے۔ اور صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوذر جاہلی حالت کو ناپسند کرتے تھے، بتوں کی عبادت سے دور رہتے اور شرک کرنے والوں کو منع کرتے۔ اسلام لانے سے تین سال قبل اللہ کے لیے نماز پڑھتے بغیر اس کے کہ ان کا چہرہ بعینہٖ قبلہ کی طرف ہوتا، اور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ راسخ العقیدہ لوگوں سے متاثر تھے۔

جب انھوں نے نبی ﷺ کے بارے میں سنا تو مکہ گئے، اور رات سے پہلے آپؐ کے بارے میں دریافت کرنا مناسب نہ سمجھا، چنانچہ لیٹ گئے۔ حضرت علیؓ نے انھیں دیکھا تو سمجھ گئے کہ وہ اجنبی مسافر ہیں، لہٰذا ان کی مہمان نوازی کی مگر ان سے کچھ پوچھا نہیں۔ پھر صبح مسجد حرام میں لا کر چھوڑا۔ شام تک وہ وہاں ٹھہرے رہے۔ حضرت علیؓ نے انھیں پھر دیکھا تو دوسری رات بھی انھیں اپنے ہاں ٹھہرایا اور یہی واقعہ تیسری رات بھی ہوا تو پھر ان سے وہاں آنے کا سبب پوچھا۔ جب ابوذرؓ کو ان پر پورا اعتماد ہو گیا تو بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات چاہتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان سے کہا: ''وہ برحق ہیں اور وہ اللہ کے رسولؐ ہیں، صبح کے وقت میرے پیچھے پیچھے آیئے، اگر میں کوئی چیز دیکھوں گا جس سے مجھے تمھارے بارے میں خوف ہوا تو میں پیشاب کے بہانے رک جاؤں گا۔ اور جب میں چل پڑوں تو میرے پیچھے چل پڑنا۔'' چنانچہ

❶ فتح الباری: ۷/ ۱۷٤۔
❷ فتح الباری: ۷/۱۷۴، ۱۷۵۔

Marfat.com

ابوذرؓ حضرت علیؓ کے پیچھے چلتے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنا اور اسلام قبول کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: ''واپس جاؤ اپنی قوم کے پاس، انھیں اس دعوت سے آگاہ کرو حتیٰ کہ تمھیں میرے غلبے کی خبر پہنچے۔ انھوں نے کہا: ''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ان (قریش) کے مجمع میں اس دعوت کے ساتھ آوازہ لگاؤں گا۔'' چنانچہ وہ نکلے، بیت اللہ آئے اور باآواز بلند پکارا: اشهد ان لا اله الا الله و ان محمد رسول الله۔ اس پر وہ لوگ (قریش) اٹھے اور انھیں مارنے لگے حتیٰ کہ انھیں گرا لیا۔ اس دوران عباسؓ بن عبدالمطلب آئے اور انھوں نے قبیلہ غفار کے انتقام اور اس تجارت کو درپیش خطرات سے انھیں ڈرایا جس کی راہ گزر شام کی طرف ان کا علاقہ تھا۔ اور انھیں ان سے چھڑایا۔'' ❶ اس روایت سے علاقہ میں بعض موحدین کی موجودگی کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کا ابوذرؓ کے ڈرانے اور قریش کے انھیں مارنے اور ان کے بھائی جوان سے کچھ پہلے مکہ میں داخل ہوا تھا، کے انھیں متنبہ کرنے کہ اہل مکہ سے بچ کے رہیں کیونکہ وہ آپؐ کی تاڑ میں رہتے ہیں اور غصے سے بھرے رہتے ہیں۔'' ❷ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے خفیہ دعوت کے اختتام اور علانیہ دعوت کے مرحلہ پر اسلام قبول کیا۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ قبیلہ غِفار کی طرف لوٹے اور ان کا آدھا قبیلہ مسلمان ہو گیا جب کہ باقی نصف قبیلہ ہجرت نبوی کے بعد مسلمان ہوا۔

اسی طرح ضماد (ازدشنوۃ) کے اسلام لانے کا قصہ ہے۔ اس کے سیاق سے ظاہر ہوتا

---

❶ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۱۷۳) صحیح مسلم: ٤/ ۱۹۲۳، ۱۹۲٥۔ عبداللہ بن صامت کی روایت مسلم میں ہے۔ ۱۹۱۹/٤، ۱۹۲۳۔ ابن صامت کی روایت اس طرف جاتی ہے کہ پہلی ملاقات ابوذر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کعبہ کے نزدیک ابوبکر کی موجودگی میں مکمل ہوئی تھی، اس میں علی کا ذکر ہی نہیں ہے۔

❷ صحیح مسلم: ٤/ ۱۹۲۳۔ اس روایت کا معجم اوسط طبرانی: ۱۵۶/۱ کی روایت سے تقابل کریں۔ طبرانی کی روایت ضعیف سند سے ہے اس میں ابوطاہر مولیٰ حسن بن علی ایک مجہول راوی ہے۔ (الکنی للبخاری: ٤٦۔ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۳۹۷/۹۔ الثقات ابن حبان: ٥/ ٥۷٥، ٥۷٦) مستدرک حاکم: ۳۳۹/۳، ۳۴۱ اس کی سند میں عباد بن ریان مجہول الحال راوی ہے۔ (الاسماء والکنیٰ للدولابی: ۲/ ۱۸)
مگر واقدی نے صحیح روایات کی مخالفت کی ہے۔ اس کی روایت سے اشارہ ملتا ہے کہ ابوذر ایک راہزن تھا اور وہ ابوبکر کے بعد ایک دن یا دو دن کے بعد اسلام لائے۔ پھر اسی کی مخالف روایت لاتے ہیں کہ ابوذر بڑا اللہ والا تھا۔ واقدی کی روایات بھی کیا عجیب ہیں!! (طبقات ابن سعد: ۲۲۲/۴، ۲۲۴)

Marfat.com

ہے کہ وہ علانیہ دعوت کے مرحلے کی ابتدا میں مکمل ہوا، اور اس کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے عقائد کی علانیہ غلطیاں بیان کیں اور انھوں نے آپ ؐ کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور آپ ؐ کو دیوانہ کہا، جب ضماد مکہ پہنچے اور مکہ کے احمقوں کو آنحضور ﷺ کو دیوانہ کہتے سنا، جب کہ ضماد جنون زدگی پر جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ ؐ کو جھاڑ پھونک کرنے کو کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان الحمد لله ، نحمده و نستعينه ، و من يهده الله فلا مضل له، و من يضلل فلا هادي له ، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، وان محمدًا عبده و رسوله، اما بعد.''

یہ سن کر ضماد نے کہا: اپنے ان کلمات کو دہرایئے تو رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ دہرایا۔ اس پر ضماد نے کہا: ''میں نے کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کی باتیں سنی ہیں، آپ ؐ کے ان کلمات جیسے کلمات میں نے نہیں سنے۔'' پھر اسلام قبول کیا اور اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے بیعت کی۔ ❶

بلاشبہ نبی ﷺ کے کلمات انسانوں کے دلوں کے غلافوں کو مس کرتے ہیں اور ان کے اور توحید الوہیت کی حقیقت کے مابین حائل پردوں کو ہٹاتے ہیں جو حقیقت ان سے طویل عرصہ سے مخفی تھی۔ چنانچہ یہ سلیم الفطرت اخلاص بھرے کلمات براہ راست دلوں کو عالم اسلام کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ ❷

ایک قصہ طفیل بن عمرو دوسی کے اسلام اور ان کی بزرگی کا ہے، لیکن اس قصے سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ؐ حفاظت کی خاطر قبیلہ دوس کے قلعے میں پناہ لیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ ❸ یہ دعوت لازماً قریش کی مخالفت کی شدت کے بعد ہی دی گئی۔

---

❶ صحیح مسلم: ۲/ ۵۹۳.

❷ استیعاب ابن عبدالبر: ۲/۲۱۶، ۲۱۷۔ ایسی سند کے ساتھ جو غیر محفوظ ہے اور اس میں انقطاع ہے کیونکہ صالح بن کیسان نے طفیل بن عمرو کو نہیں پایا۔ ابن اسحٰق کی محفوظ روایت بغیر اسناد کے ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۲۲، ۲۴) حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ اسے ابن اسحٰق نے تمام نسخوں میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔ (الاصابۃ مع استیعاب: ۲/۲۱۶، ۲۱۷)

❸ صحیح مسلم: ۱/۱۰۹، اسے احمد نے بیان کیا، جیسا کہ البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ۳/۹۸ میں ہے اور ابو یعلی نے اپنی مسند ۴/۱۲۶ میں روایت کیا ہے۔

Marfat.com

اور صحیح روایت سے اشارہ ملتا ہے کہ طفیلؓ نے اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دی مگر انھوں نے گریز کی راہ اختیار کی حتی کہ طفیلؓ نے رسول اللہ ﷺ کو ان پر بددعا کرنے کو کہا، لیکن آپ ﷺ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا کی۔ ❶ آپ ان دنوں مدینہ منورہ میں تھے۔ ❷

حضرت عثمانؓ بن مظعون جلد ہی مسلمان ہوگئے تھے لیکن ان کے قبول اسلام کے قصے میں ضعف ہے۔ ❸

حضرت حمزہؓ رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش کی شدید مخالفت کے دوران ایمان لائے، لیکن ان کے اسلام قبول کرنے کا قصہ صحیح طریق سے ثابت نہیں۔ ❹

مقدادؓ بن الاسود ان حضرات میں سے تھے جنہوں نے اپنے ایمان کو مکہ میں خفیہ رکھا ہوا تھا۔ ❺

---

❶ صحیح البخاری (فتح الباری: ۶/ ۱۰۷) مسند احمد: ۲/ ۲۴۳، ۴۴۸، ۵۰۲۔

❷ السیرۃ النبویۃ ابن کثیر: ۲/ ۷۶۔

❸ مسند احمد: ۱/ ۳۱۸۔ طبقات ابن سعد ۱/ ۱۷۴، ۱۷۵ میں ایسی سند سے بیان کیا ہے جس کے بارے میں ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ سند جید متصل حسن ہے اس میں سماع متصل واضح ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم: ۲/ ۵۸۳) لیکن اس میں شہر بن حوشب ہے جو صدوق تو ہے مگر اکثر مرسل روایت بیان کرتا ہے اور کثیر الوہم بھی ہے۔ (تقریب التہذیب: ۲۶۹) اگر اس کی ارسال کی علت ختم بھی ہو جائے تو وہم کی علت باقی رہتی ہے، لہٰذا یہ سند لامحالہ ضعیف ہے۔

❹ طبرانی کے ہاں یہ روایت محمد بن کعب قرظی کی مرسل روایت کے طور پر آئی ہے۔ اس کی سند میں اسماعیل خفاف ہے اس کا تعارف مجھے نہیں مل سکا۔ اس روایت سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ حمزہ کو جب ابوجہل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کی اطلاع ملی تو وہ رسول اللہ کی خاطر غیرت وحمیت کی بنا پر مسلمان ہوگئے۔ کعبہ میں گئے، ابوجہل کو اپنی کمان دے ماری اور اس کا سر پھاڑ دیا اور ساتھ ہی اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ (معجم کبیر: ۳/ ۱۵۲، ۱۵۳)

واقدی نے اپنی سند سے محمد بن کعب قرظی کی مرسل روایت بیان کی ہے اور واقدی متروک الحدیث ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۹)

ابن اسحٰق نے اس کا ایک شاہد بیان کیا ہے مگر اس کی سند میں مرسل ہونے کے ساتھ راوی کے مبہم ہونے کی علت بھی ہے۔ (السیر والمغازی: ۱/ ۲۶۰، ۲۶۱) طبرانی نے اس کا ایک شاہد بیان کیا ہے مگر وہ روایت معضل ہے اور ساتھ ہی ابن اسحٰق کی تدلیس بھی ہے اور اس نے اسے "عَنْ" کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (معجم کبیر: ۳/ ۱۵۳، ۱۵۴) اس طرح یہ حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ بھی حجت ودلیل کے لائق نہیں ہے۔

❺ صحیح البخاری (فتح الباری: ۱۲/ ۱۸۷) میں معلق بیان ہوئی۔ دوسرے لوگوں نے اسے موصول بیان کیا ہے۔ (تعلیق التعلیق: ۵/ ۲۴۲)

Marfat.com

مشرکین کی ایذارسانیاں

بلاشبہ اللہ کے دین کی طرف دعوت کے اعلان پر لبیک کہنے کا تقاضا تھا کہ مسلمان توحید کے حقائق بیان کریں اور شرک کے نقصانات سے پردہ اٹھائیں۔ یہ صورت مشرکین کی طرف سے آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کو ایذا رسانی کی محرک بنی، علاوہ ازیں باطل عقائد اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ وہ اپنے اقتصادی و معاشرتی مفادات کے لیے انھیں ہی مفید سمجھتے تھے جبکہ اس وقت کعبہ کے گرداگرد ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے جو عرب قبائل کی معاشیات میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ عرب کے قبائل جب مکہ کی طرف سفر کرتے تو خرید و فروخت میں حرکت شروع ہو جاتی جس سے سرداران مکہ کے لیے وافر نفع یقینی ہو جاتا۔ نیز قریش کے معاہدات اور دینی احترام کے باعث یمن و شام کی طرف ان کی تجارت محفوظ رہتی۔

علانیہ گالیوں سے لے کر مادی نقصانات تک مختلف صورتیں تھیں جو قریش نے ایذارسانی کے لیے مسلمانوں کے خلاف اختیار کر رکھی تھیں۔ بعض طریقوں سے ایک روایت وارد ہوئی ہے جس کی تائید دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہے جو اس تاریخی واقعہ کو ثابت کرتی ہے کہ جب سورہ ﴿تَبَّتۡ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ...﴾ ❶ نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ام جمیل ت حرب گنگناتی ہوئی آئی: ''ہم نے مذمم کا انکار کیا ہے، اس کے دین سے ہمیں نفرت ہے اور ہم نے اس کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔'' مسجد میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپؐ کے ساتھ ابوبکرؓ تھے۔ ام جمیل نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ نبیؐ نے اس کی ہجو کی ہے؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا۔ ❷ اور رسول اللہ ﷺ مطمئن تھے کہ مشرکین مذمم کو گالی دیتے ہیں اور فرمایا: ''کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہوتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سے قریش کی گالیوں اور کوسنے کو مجھ سے پھیر دیا ہے، وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں، مذمم کو برا بھلا کہتے ہیں اور میں محمد ﷺ ہوں۔'' ❸

---

❶ المسند: ١.

❷ اسے حمیدی نے اپنی مسند: ۱/۱۵۳، ۱۵۴ میں نکالا ہے۔ مسند ابویعلیٰ: ۱/۱۵۳، ۱۵۴۔ مستدرک حاکم: ۲/۳۶۱۔ ان سب کی اسناد میں ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس عن اسما بنت ابی بکر ہے۔ یہ اسماء سے عن کے لفظ سے روایت کرتا ہے حالانکہ مدلس ہے، لیکن کثیر بن عبید نے اسماء سے روایت میں اس کی متابعت کی ہے، جب اس کی متابعت کی جائے ⇦⇦⇦

Marfat.com

عینی شاہد عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں: ''اس دوران جب رسول اللہ ﷺ کعبہ کے پاس نماز میں کھڑے تھے اور قریش اپنی مجالس میں اکٹھے تھے تو ان میں سے کسی نے کہا: کیا تم اس ریاکار کو نہیں دیکھتے ہو؟ کون ہے جو آل فلاں کے مذبوحہ اونٹ کی طرف جائے اور لید اور خون سے بھری اوجھ لے آئے، پھر جب وہ (آنحضورؐ) سجدہ میں جائے تو اس کو اس کے شانوں کے درمیان رکھ دے؟ اس پر ان میں سے بدترین گستاخ اٹھا اور اوجھ لے کر آیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا تو اس نے اوجھ کو آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا۔ نبی ﷺ سجدے میں رہے اور قریش ہنسی اڑاتے اور ہنس ہنس کر ایک دوسرے پر گرتے رہے۔ چنانچہ کوئی جانے والا دوڑ کر حضرت فاطمہؓ کی طرف گیا اور انھیں خبر کی --- غالباً وہ جویریہ تھیں --- وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور نبی ﷺ ابھی سجدے میں ہی تھے کہ انھوں نے آپؐ کے سر سے اوجھ کو اتارا اور قریش کو سخت برا بھلا کہا۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے اپنے رب جلیل سے عرض کیا: ''اللهم عليك بقريش، اللهم عليك بقريش، اللهم عليك بقريش'' پھر آپؐ نے ان کے نام لے کر کہا: اللهم عليك بعمرو بن هشام وَ عتبه بن ربيعة، شيبة بن ربيعة و وليد بن عتبة ، امية بن خلف و عقبة بن ابی معيط و عمارة بن وليد'' عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہے: بخدا! میں نے بدر کے دن ان کے لاشے پڑے دیکھے۔'' پھر وہ (قریش) -- قلیب بدر -- (ایک گڑھا) کی طرف گھسیٹے گئے۔ ❶ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اصحاب قلیب پر لعنت۔'' ❷

⇦⇦⇦ تو یہ مقبول ہے۔ (دلائل بیہقی: ۱۹۶/۲) لہٰذا حدیث حسن لغیرہ ہے۔ ابن عباس کی حدیث کے شواہد بھی اسے مضبوط کرتے ہیں۔ (مسند ابویعلی: ۳۳/۱، ۳۴۔ کشف الاستار: ۸۳/۳) ان دونوں کی اسناد میں عطاء ابن سائب ہے، جسے اختلاط لاحق ہو گیا تھا۔ اس سے روایت کرنے والا راوی عبدالسلام بن خرب یہ صراحت نہیں کرتا کہ اس نے اختلاط سے پہلے روایت کیا تھا یا بعد میں۔ اس کا ایک اور شاہد زید بن ارقم کی حدیث سے بھی ہے۔ (مستدرک حاکم: ۵۲۶/۲، ۵۲۷) امام حاکم نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے اور ساتھ ہی متنبہ بھی کیا ہے کہ یزید بن زید کے طریق سے اس نے اسے مرسل بیان کیا ہے۔ اسحٰق بن محمد ہاشمی حاکم کے استاد ہیں۔ حاکم نے اس سے روایت کی ہے اور اس پر تہمت بھی لگائی ہے۔ (میزان الاعتدال: ۱۹۹/۱۔ لسان المیزان: ۳۷۴/۱، ۳۷۵) ❸ صحیح بخاری (فتح الباری: ۵۵۴/۶۔ ۵۵۵)

❶ قلیب کا معنی ہے: کنواں بغیر منڈیر کے۔ پرانا کنواں۔

❷ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری: ۱/ ۵۹٤) مسلم الصحیح: ۳/ ۱٤۱۸، ۱٤۲۰.

Marfat.com

دیگر صحیح روایات سے واضح ہوتا ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ پر اوجھ میں بھرا ہوا گوبر پھینکا وہ عقبہ ابن ابی معیط تھا، اور جس نے اسے اس کام پر اکسایا وہ ابوجہل تھا۔ (1) مشرکین اپنے خلاف رسول اللہ ﷺ کی (بد) دعا سے خوفزدہ ہو گئے اور یہ بات انہیں بڑی شاق گزری، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مکہ میں کی ہوئی دعا قبول کی جاتی ہے۔ (2)

اور یہ ثابت ہے کہ قریش نے جب نبی ﷺ کو جھٹلایا اور آپؐ کی مخالفت کی تو آپ نے یہ کہتے ہوئے ان کے خلاف دعا کی: ''اے اللہ! ان کے خلاف عہد یوسف کے قحط کی طرح کے سات سالوں کے ساتھ میری مدد فرما۔ چنانچہ قحط نے انھیں آلیا اور ان کی ہر چیز گھٹ کر رہ گئی، حتیٰ کہ مردار اور سوکھی ہوئی کھالوں کو کھانے لگے اور بھوک کے باعث انھیں اپنے اور آسمان کے مابین دھواں نظر آتا۔ چنانچہ ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: ''آپ اللہ کی فرمانبرداری کا حکم دیتے اور صلہ رحمی کا پرچار کرتے ہیں اور آپؐ کی قوم قحط سے ہلاک ہو رہی ہے، ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔''

قرآن کریم نے اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآئَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ

---

(1) صحیح البخاری (فتح الباری: ٦/٢٨٣، ٧/١٦٥) صحیح مسلم: ٣/ ١٤٢٠.

(2) فتح الباری: ۱/۳۴۹۔ اجلح بن عبداللہ کندی نے کچھ اضافہ کیا ہے، جسے وہ ابواسحٰق سبیعی سے بیان کرنے میں اکیلا ہے۔ ابواسحٰق کے تلامذہ میں سے بڑے حفاظ مثلاً شعبہ، سفیان ثوری اور اسرائیل وغیرہ جنھوں نے کہ اس کی حدیث کو خوب یاد رکھا ہے، اس اضافہ کو روایت نہیں کیا۔ اجلح ابن حجر کے ہاں صدوق ہے۔ (تقریب ۹٦) نقاد محدثین ثقہ لوگوں کے اضافے قبول کرتے ہیں۔ تاریخی پہلو کے اعتبار سے اس روایت کے قبول کرنے میں تساہل ممکن ہے، جب تک وہ ثقات کی روایت کے خلاف نہ ہو، اور اس لیے بھی کہ مؤرخین اخبار کے معاملے میں ادنیٰ معیار پر بنیاد رکھتے ہیں۔ اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بعد مسجد حرام سے نکلے تو ابوالبختری نے آپ کی حالت دیکھ کر اصرار سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی ہے۔ تو آپؐ نے ابوجہل کی حرکت کے متعلق بتایا۔ چنانچہ ابوالبختری ابوجہل کے پاس گیا اور اس سے اس واقعہ کے بارے میں دریافت کیا تو اُس نے اعتراف کیا۔ ابوالبختری نے اس کے منہ پر کوڑے مارے اور مسجد میں لوگوں کے درمیان کافی تلخ کلامی ہوئی۔ (کشف الاستار: ۳/۱۲٦، ۱۲۷۔ فتح الباری: ۱/۱۵۳ اور انھوں نے اسے ابن اسحٰق کی مغازی کی طرف منسوب کیا)

Marfat.com

عَآئِدُوْنَ ﴾[الدخان:۱۰تا۱۵] ❶

(اچھا، انتظار کرو اس دن کا جب آسمان صریح دھواں لیے ہوئے آئے گا اور وہ لوگوں پر چھا جائے گا، یہ ہے دردناک سزا۔ (اب کہتے ہیں کہ) ''پروردگار، ہم پر سے یہ عذاب ٹال دے، ہم ایمان لاتے ہیں'' ان کی غفلت کہاں دور ہوتی ہے؟ ان کا حال تو یہ ہے کہ ان کے پاس رسول مبین آ گیا پھر بھی اس کی طرف ملتفت نہ ہوئے اور کہا کہ یہ تو سکھایا پڑھایا باؤلا ہے۔ ہم ذرا عذاب ہٹائے دیتے ہیں، تم لوگ پھر وہی کچھ کرو گے جو پہلے کر رہے تھے)

آپؐ نے ان کی توبہ کی امید پر اپنے رب کریم کے حضور دعا کی، لیکن (خوشحالی آنے پر) وہ پھر اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے اور وہ بھول گئے جس کا ذکر قرآن نے ان کی زبان میں کیا ہے: ﴿ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴾ ❷

حافظ الدمیاطیؒ کی رائے ہے کہ قریش کے خلاف نبی ﷺ کی دعا کی ابتدا آنحضور ﷺ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھ ڈالنے کے باعث تھی۔ ❸ لیکن اس سے اہم تر بات جو ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ کہ قریش کے خلاف آپؐ کی دعا آپ کی تکذیب اور ایمان کی مخالفت کے سبب سے تھی نہ کہ اس کا سبب وہ ایذا تھی جو آپؐ کو ان کی طرف سے پہنچ رہی تھی۔ بسا اوقات آپؐ نے ان کی طرف سے ایذا کو برداشت کیا اور ان کے لیے بد دعا نہیں کی، بلکہ ان کی ہدایت کے لیے دعا فرمائی، جس سے اصلاح ہوتی ہو۔ وہ دعوت کے سلسلے میں صبر کی اعلیٰ مثال ہے، نیز مدعوئین کو برداشت کرنا بھی --- اگرچہ وہ اصحابِ دعوت کو، ان کے مالوں کو ان کے مفادات اور ان کی جانوں کو نقصان ہی پہنچاتے ہوں۔

اور مشرک نبی ﷺ کا باآواز بلند قرآن پڑھنا سنتے جب کہ آپ چھپ کر اپنے اصحابؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوتے تو وہ قرآن، اس کے نازل کرنے والے اور اسے لانے والے کو گالیاں دیا کرتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہدایت فرمائی کہ آپؐ قرآن کو میانہ آواز سے

---

❶ صحیح البخاری: ۲/ ۱۵، ۱۹، ۶/ ۳۲، ۱۹، ۳۹، ۴۰، ۴۱۔ صحیح مسلم: ۴/ ۲۱۵۵، ۲۱۵۷.

❷ صحیح البخاری: ۶/۳۹، ۴۰۔ صحیح مسلم: ۴/ ۲۱۵۷.

❸ فتح الباری ابن حجر: ۲/ ۵۱۱.

Marfat.com

پڑھیں تا کہ اس کا اتباع کرنے والے اسے سنیں اور مشرک نہ سن پائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴾ [بنی اسرائیل:۱۱۰]
(اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت پست آواز سے، ان دونوں کے درمیان اوسط درجے کا لہجہ اختیار کرو) ❶

رسول اللہ ﷺ کا مسجد حرام میں نماز کی ادائیگی کا شوق بارہا مشرکین کے ساتھ مڈبھیڑ پر منتج ہوا۔ اور شاید وہ آپؐ کا شعارِ اسلام اور احترام کعبہ کے اظہار کا شوق تھا۔ نیز آپ لوگوں کو دعوت دینے کی غرض سے مسجد حرام تشریف لے جاتے۔

مشرکین نے آپ کو تنگی اور ایذا میں مبتلا کر کے ان اغراض کو معدوم کرنے کی کوشش کی۔ وہ آپؐ کو تنگ کرنے اور تکلیف پہنچانے سے باز نہ آتے اس حال میں بھی جب کہ آپؐ نماز میں اللہ کے حضور سربسجود ہوتے۔

علانیہ دعوت کے مرحلے میں مشرکین کے زعماء کی زبانوں پر آنحضور ﷺ کی ایذا رسانی اور قتل کی دھمکیاں تھمنے پر نہ آتی تھیں، بلکہ دن بدن بڑھ رہی تھیں اور ان میں شدت آ رہی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابوجہل نے (اپنے ساتھیوں سے) کہا: ''کیا محمد (ﷺ) تمھارے درمیان اپنا چہرہ خاک (سجدہ کر کے) آلود کرتا ہے؟ کہا گیا: ''ہاں۔'' تب اس نے کہا: ''لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے اسے ایسا کرتے دیکھ لیا تو اس کی گردن کو پاؤں سے روند ڈالوں گا یا اس کا چہرہ خاک آلود کر دوں گا۔

جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپؐ نماز میں مصروف ہوئے تو ابوجہل نے ارادہ کیا کہ آپؐ کی گردن کو لتاڑے۔ وہ آپؐ کے قریب ہوا ہی تھا کہ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی ایڑیوں پر واپس مڑ رہا ہے اور دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو بچا رہا ہے۔ اس سے کہا گیا: ''تمھیں کیا ہو گیا؟'' تو اس نے جواب دیا: ''میرے اور اس (محمد ﷺ) کے مابین آگ سے بھری ہوئی خندق تھی، دہشت تھی اور پَر تھے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ میرے قریب آتا تو ملائکہ اس کے چیتھڑے اڑا دیتے۔'' ❷

---

❶ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/۱۹) صحیح مسلم: ۱/۳۲۹۔

❷ صحیح مسلم: ۴/۲۱۵۴۔ ابوہریرہ کی حدیث ہے اور ابن عباس کی مختصر حدیث اس کی شاہد ہے، جسے بخاری نے روایت کیا۔ (الفتح: ۸/۷۲۴) پوری حدیث مستدرک حاکم: ۲/۳۲۵ اور مسند بزار (کشف الاستار: ۳/۱۳۰) میں ہے۔ اس کی سند میں عبداللہ بن ابوفرد ہے جو متروک الحدیث ہے۔

Marfat.com

قرآن نے اس واقعہ کو دوام بخشا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَى ○ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَى ○ إِنَّ إِلَى رَبِّكَ الرُّجْعَى ○ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى ○ عَبْدًا إِذَا صَلَّى ○ أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَى ○ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَى ○ أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّى ﴾ [العلق: ۶ تا ۱۳] (ہرگز نہیں، انسان سرکشی کرتا ہے، اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے (حالانکہ) پلٹنا یقیناً تیرے رب ہی کی طرف ہے۔ تم نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جب کہ وہ نماز پڑھتا ہو؟ تمھارا کیا خیال ہے اگر (وہ بندہ) راہ راست پر ہو یا پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہو، تمھارا کیا خیال ہے اگر (یہ منع کرنے والا شخص حق کو) جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہو؟) ❶

اور شاید یہی موقع تھا کہ ابوجہل آپؐ کی طرف آیا اور اس نے کہا: ''کیا میں نے تجھے اس سے منع نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تجھے اس سے منع نہیں کیا تھا؟ اس پر نبی ﷺ نے ابوجہل کو سخت الفاظ میں جھڑک دیا اور مڑے تو ابوجہل نے کہا: تجھے معلوم ہی ہے کہ میرے پاس سب سے زیادہ ساتھی ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ○ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴾ [العلق: ۱۷، ۱۸]

(وہ بلا لے اپنے حامیوں کی ٹولی کو، ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے) ❷

عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے کہا: ''مجھے بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشرکین نے کون سی شدید ترین بدسلوکی کی تھی؟'' انھوں نے کہا: ''اس دوران کہ رسول اللہ ﷺ صحن کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو عقبہ بن ابی معیط آگے بڑھا اور رسول اللہ ﷺ کے کندھوں کو پکڑا اور آپؐ کی گردن میں چادر سے بل دیا اور بڑے زور سے آپؐ کا گلا گھونٹا، اس اثنا میں ابوبکرؓ آگے بڑھے اور اس کو کندھے سے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ سے پیچھے دھکیل دیا اور کہا:

---

❶ یہاں احتمال یہ ہے کہ ابوہریرہ کی یہ متصل حدیث اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں ہو۔ (صحیح مسلم: ۴/ ۲۱۵۴۔ مسند احمد: ۲/ ۳۷۰) یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ قوی ہو جاتی ہے جیسا کہ سنن ترمذی: ۵/ ۴۴۳، ۴۴۴ اور تفسیر طبری: ۳/ ۲۵۶ میں ہے۔

❷ سنن الترمذی: ۵/ ۴۴۳، ۴۴۴ اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ اور دیکھیے: البانی کی السلسلة الصحيحة، رقم: ۲۷۵۔ انھوں نے کہا اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

Marfat.com

﴿ اَ تَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ يَّقُوۡلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدۡ جَآءَكُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ﴾[المؤمن:۲۸]
(کیا تم ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا ہے) ❶ عبداللہؓ کے والد عمرو بن عاصؓ اس واقعہ کے عینی شاہد تھے اور عبداللہؓ نے یہ واقعہ غالباً انہی سے سنا۔ ❷

ایک ضعیف روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو مارا حتیٰ کہ آپؐ کو خون سے رنگ دیا اور جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو اس معجزے کے بیان کے ساتھ دلاسہ دیا کہ جب آپؐ نے درخت کو بلایا تھا تو وہ چل کر آیا اور آپؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ❸ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی دعوت کے ساتھ استہزا اور تمسخر ایک اسلوب تھا جو مشرکین نے آپ کی دعوت سے لوگوں کو باز رکھنے کے لیے آپؐ کے خلاف الفاظ کی جنگ چھیڑ کر اپنا رکھا تھا۔

ابو جہل مذاقاً کہا کرتا: اے اللہ! اگر یہ تیرے ہاں سے حق ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے لیے دردناک عذاب بھیج۔!! چنانچہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَ اَنۡتَ فِيۡهِمۡ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمۡ وَ هُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ○ وَمَا لَهُمۡ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمۡ يَصُدُّوۡنَ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ﴾[الانفال:۳۳،۳۴]

(اس وقت تو اللہ ان پر عذاب کرنے والا نہ تھا۔ جب کہ تو ان کے درمیان موجود تھا، اور نہ اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ ان کو عذاب دے

---

❶ صحیح البخاری (فتح الباری: ۵۵٤/۸، ۲۲/۷، ۱٦۵) السیر والمغازی ابن اسحق: ۲۲۹، ۳۳۰ کی حسن سند کے ساتھ ایک طویل حدیث ہے۔

❷ ابن ابوشیبہ نے مصنف ۱۴/۲۹۷ میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ تفسیر النسائی، رقم ۴۷۷ اور تغلیق التعلیق ۴/۸۷ اور یہ مسند ابویعلی ۱/۵۲ میں انس بن مالک کی روایت جیسی ہے جو ایسی سند سے مروی ہے جس میں اعمش کا عنعنہ ہے جو کہ مدلس ہے۔ اور مسند ابویعلی ۱/۵۲ میں اسماء بنت ابوبکر کی روایت کے مشابہ ہے جس کی سند میں ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس مدلس ہے اور اس نے یہ روایت عن کے لفظ سے بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن بتایا ہے۔ (فتح الباری: ۱٦۹/۷)

❸ سنن ابن ماجہ: ۱۳۳٦/۲۔ مسند احمد: ۱۱۳/۳۔ مصنف ابن ابوشیبہ: ۴۷۸/۱۱، ۴۷۹۔ سنن دارمی: ۱۲/۱، ۱۳۔ ایسی سند کے ساتھ جس میں اعمش نے عن لفظ سے روایت کی ہے۔ اور وہ مدلس بھی ہے۔

Marfat.com

دے۔لیکن اب کیوں نہ وہ ان پر عذاب نازل کرے جب کہ وہ مسجد حرام کا راستہ روک رہے ہیں۔) ❶

نیز آیت ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾[الحجر:۹۵]

([اے نبیؐ] تمھاری طرف سے ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں) کے سبب نزول میں ایک روایت وارد ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث الزہری، اسود بن مطلب ابوزمعہ — بنی اسد بن عبدالعزیٰ میں سے — حارث بن عیطل السہمی، عاص بن وائل رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تو آپؐ نے جبرائیل علیہ السلام سے اس کی شکایت کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شدید بدنی سزا دی۔ لیکن یہ روایت صحیح طریق سے ثابت نہیں۔ ❷

بعض دیگر ضعیف روایات سے اشارہ ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کو چہروں کے بگڑ جانے جیسے سخت الفاظ کے ساتھ خطاب کیا جب کہ وہ مسجد حرام میں جمع تھے ❸ یا انھوں نے آپ کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اندھا کر کے ایسا کرنے سے روک دیا۔ پھر آپؐ کی دعا سے ان کا اندھا پن زائل ہوا، ❹ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی ایذا سے اس طرح روکا کہ وہ آپ کو دیکھ نہ پائے۔ ❺

---

❶ صحيح البخاري: ٥/ ١٩٩، كتاب التفسير، باب قوله: واذا قالوا اللهم ...... وباب قوله وما كان الله ليعذبهم......، صحيح مسلم: ٤/ ٢١٥.

❷ ہاں ذہبی نے السیرۃ النبویۃ ۱۴۳ میں اس حدیث کو صحیح بتایا ہے لیکن اس نے سند کا سب سے اوپر کا حصہ بیان کیا ہے اور وہ صحیح ہے جیسا کہ انھوں نے کہا ہے۔ ہم اس کی کامل اسناد میں سے صرف وہی جانتے ہیں جنھیں بیہقی نے دلائل ۲/۳۱۶، ۳۱۸ میں بیان کیا ہے۔ اس کی سند میں احمد بن یوسف سلمی ہے، میں اس کے تعارف سے واقف نہیں ہو سکا۔ اگر یہ نہ ہو تو سند میں کوئی حرج نہیں۔ طبرانی نے اوسط میں روایت کو بیان کیا ہے۔ (مجمع البحرین: ۲/۱۸ب) اس کی سند میں محمد بن عبدالحکیم نیساپوری ہے۔ ہیثمی کہتے ہیں کہ میں اسے نہیں جانتا۔ (مجمع الزوائد: ۷/۴۷) اور میں بھی اس کے تعارف سے آگاہ نہیں ہو سکا۔

❸ کشف الاستار ۳/۱۳۰، ۱۳۱ میں ایسی سند کے ساتھ ہے جس میں علی بن شبیب مجہول الحال ہے اور ایک اور راوی محمد بن ضحاک بن عثمان ہے جس کی توثیق صرف ابن حبان کی ہے۔ (ثقات ابن حبان: ۹/۵۹)

❹ دلائل النبوۃ ابونعیم: ۱/۲۵۶، ۲۵۷ اور اس کی سند میں نضر بن عبدالرحمٰن خزار متروک الحدیث ہے۔

❺ معجم کبیر طبرانی: ۳/۲۳۹، ۲۴۰۔ اس کی سند میں حکم بن ابوالحکم اموی ہے جس کے بارے میں ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ مجہول الحال ہے۔ (استیعاب مع اصابہ: ۱/۳۱۶) اور ایک راویہ بنت الحکم ہیں جس کے متعلق ہیثمی کہتے ہیں کہ میں اسے نہیں جانتا کہ کون ہے۔ (مجمع الزوائد: ۸/۲۲۷)

Marfat.com

مشرکین آپؐ کو ایذا پہنچانے سے اس وقت رکے جب آپؐ کو مکہ کے آخری مرحلہ میں شہید کرنے کی کوشش کی جو معا بعد آپؐ کی ہجرت کا سبب بنی۔ ابن عباسؓ نے کہا: سرداران قریش الحجر میں جمع ہوئے، انھوں نے لات، عزیٰ اور تیسری دیوی منات کی قسمیں کھا کر باہم معاہدہ کیا کہ اگر ہم نے محمد (ﷺ) کو دیکھا تو ہم سب آن واحد میں انھیں قتل کر کے چھوڑیں گے۔''

اس پر حضرت فاطمہؓ روتی ہوئی اپنے ابا جان کے پاس آئیں اور کہا: ''آپؐ کی قوم کے سرداروں نے الحجر میں باہم معاہدہ کیا ہے کہ اگر انھوں نے آپ کو دیکھا تو اٹھ کر آپؐ کو قتل کر دیں گے۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس نے آپؐ کے خون میں اپنا حصہ نہ لگایا ہو۔'' آپؐ نے فرمایا: ''میری پیاری بیٹی، میرے لیے وضو کا پانی لاؤ۔'' چنانچہ آپؐ نے وضو فرمایا، پھر آپؐ مسجد میں ان (قریش) کی جانب داخل ہوئے۔ جب انھوں نے آپ کو دیکھا تو کہا: ''یہ رہا وہ۔'' پھر آنکھیں نیچی کر لیں اور اپنی مجالس میں بیٹھے رہ گئے اور انھیں آپؐ کی طرف نگاہیں بلند کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ اور ان میں سے کوئی سورما نہ اٹھ پایا۔

رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے حتی کہ آپؐ ان کے سروں پر جا کھڑے ہوئے۔ پھر مٹی کی ایک مٹھی لی اور ان کی طرف پھینکی اور فرمایا: ''شاهت الوجوه'' (بگڑ گئے چہرے) ابن عباسؓ نے فرمایا: ''ان میں سے جس کو بھی کنکریاں لگیں وہ بدر کے دن قتل ہوا۔ [1] یہی واقعہ ہجرت کی رات دہرایا گیا اور رسول اللہ ﷺ کو جو ایذا قریش سے پہنچی اس سے پہلے کہ آپؐ کے متبعین کو پہنچتی، آپؐ اس کا ذکر فرمایا کرتے: ''مجھے اللہ عزوجل کی راہ میں اتنا ستایا گیا جتنا کسی اور کو اذیت نہیں دی گئی اور مجھے اللہ عزوجل کی راہ میں اتنی اذیت دی گئی جتنی کسی دوسرے کو نہیں دی گئی اور مجھ پر تیس دن اور راتیں گزر جاتیں اور میرے اور بلال کے لیے کوئی کھانا نہ ہوتا جسے کوئی انسان کھاتا ہو، سوائے اس چیز کے جسے بلال اپنی بغل میں دبائے رکھتے۔'' [2]

---

[1] مسند احمد: ۱/۳۰۳، ۳۶۸ میں دو صحیح اسناد سے بیان کیا ہے جیسا کہ احمد شاکر نے مسند احمد کے حاشیہ ۴/۲۶۹، ۵/۱۶۳ میں کہا ہے۔ نیز دیکھیے: مستدرک حاکم: ۳/۱۵۷۔

[2] مسند احمد: ۳/۲۸۶، سنن الترمذی: ۴/۶۴۵ اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ تحفۃ الاشراف: ۱/۱۲۳ اور تحفۃ الاحوذی: ۳/۳۰۹ میں کہا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے۔ شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح الجامع: ۵۰۰۱۔ مشکوۃ المصابیح: ۳/۱۴۴۶۔ مسند احمد: ۴/۳۴۳ کی روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش کی اذیت رسانی ⇦⇦⇦

Marfat.com

قریش کے مسلمانوں پر مظالم

قریش نے جھوٹے الزامات، برملا تکذیب، تلخ استہزا، اور رسول اللہ ﷺ کو ایذا رسانی پر بس نہیں کی بلکہ انھوں نے تشدد کی انتہا کر دی اور بالخصوص کمزور مسلمانوں کے ساتھ ان کا سلوک انتہائی ظالمانہ تھا۔ وہ انھیں دین سے منحرف کرنے کے لیے سخت سزائیں دیتے تاکہ انھیں دوسروں کے لیے عبرت بنائیں، نیز ان کے دیئے ہوئے عذاب میں مبتلا ہونے کے باعث ان کے سانس پھولے رہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ جو عینی شاہد ہیں کہتے ہیں: ''سب سے پہلے جن کا اسلام ظاہر ہوا وہ سات ہیں: رسول اللہ ﷺ، ابوبکرؓ، عمارؓ، ان کی والدہ سمیہؓ، صہیبؓ، بلالؓ اور مقدادؓ۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آپ ؐ کے چچا ابوطالب کے ذریعے اور حضرت ابوبکرؓ کو ان کی قوم کے ذریعے قریش کی ایذا رسانی سے بچایا، لیکن باقی ماندہ حضرات پر قریش نے ہاتھ ڈالا۔ وہ انھیں لوہے کی زرہیں پہناتے اور انھیں دھوپ میں جھلساتے۔ ان میں سے کوئی انسان بھی ایسا نہیں تھا جس نے وہ کچھ نہ کر دیا ہو جو اسے قریش نے کہا۔ سوائے بلالؓ کے، انھوں نے اپنی جان کی پروا کی نہ لوگوں کی۔ قریش انھیں لڑکوں کے حوالے کر دیتے اور وہ انھیں مکہ کی گھاٹیوں میں گھسیٹتے رہتے اور وہ ''احد، احد'' پکارتے رہتے۔ ❶ پھر ابوبکرؓ نے بلالؓ کو خریدا اور آزاد کر دیا۔ ❷

⇐⇐ کے بارے میں ثقیف کے وفد سے بات چیت کرنا، تو یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں عثمان بن عبداللہ بن اوس ہے جس کی توثیق صرف ابن حبان نے کی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ مقبول ہے۔ (تقریب: ۳۸۴) اور اس سند میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائفی ہے جس میں ضعف ہے ویسے اس کی حدیث معتبر ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۲۹۹/۵)

❶ مسند احمد ۴۰۴/۱ میں سند حسن کے ساتھ۔ اسے امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ (مستدرک: ۲۸۴/۳) ذہبی نے اسے السیرۃ النبویۃ ۱۳۷ میں صحیح کہا ہے۔ اس کی سند میں عاصم بن ابونجود ہے جو صدوق تو ہے مگر کثیر الوھم ہے۔ (تقریب: ۲۸۵) مجاہد کی مرسل صحیح السند روایت اس کی شاہد ہے۔ (مصنف ابن ابوشیبہ: ۴۹،۴۷/۱۳)

❷ صحیح البخاری (فتح الباری: ۹۹/۷) ابن ابوشیبہ کی مصنف ۳۱۲/۱۴ صحیح سند کے ساتھ، لیکن قیس بن ابو حازم کی مرسل روایت ہے۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر نے بلال کو پانچ اوقیہ چاندی کے بدلے خرید لیا اس حال میں کہ بلال پتھروں میں دبے ہوتے تھے۔ کفار نے کہا اگر تمھیں چاندی دینے پر ہی اصرار ہے تو ہم اسے بیچ دیتے ہیں تو ابوبکر نے کہا اگر تم سو اوقیہ چاندی سے کم پر انکار کر دیتے تو بھی میں اسے خرید لیتا۔

Marfat.com

عروہ بن زبیرؓ -- امام اہل مغازی -- کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے عامر بن فہیرہؓ، بلالؓ، زنیرہؓ، ام عبیسؓ، نہدیہؓ اوران کی بہن، اور بنی عمرو بن مؤمل کی ایک لونڈی، ❶ ان سات افراد کو آزاد کروایا جو ایمان باللہ کے سبب عذاب میں مبتلا تھے۔ عروہؓ نے کمزوروں پر دیے جانے والے عذاب کا ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نہدیہؓ کے پاس سے گزرے جب کہ اس کی مالکہ اسے عذاب دے رہی تھی اور کہہ رہی تھی: ''بخدا! میں تجھے نہیں چھوڑوں گی حتی کہ زندگی تجھے چھوڑ دے۔'' اس پر ابوبکرؓ نے اس سے کہا: ''کتنے میں بیچو گی؟'' اس نے کہا: ''اتنے اور اتنے میں۔'' چنانچہ اس نے وہ رقم لے لی اور اسے آزاد کر دیا۔ پھر ابوبکرؓ نے نہدیہؓ سے فرمایا: ''اس کا غلہ اس کو واپس کر دو۔'' اس نے کہا: ''رہنے دیجیے، میں اس سے (اس کی پسوائی کے) پیسے لے کر پیسوں گی۔'' ❷

عروہؓ بن زبیر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ: زنیرہؓ کی بصارت جاتی رہی۔ وہ اسلام لانے کے باعث اللہ عزوجل کی خاطر ستائی جاتی رہی تھیں، مگر اس نے اسلام کے ماسوا سے انکار کر رکھا تھا۔ چنانچہ مشرکین نے کہا: ''اس کی بصارت پر لات وعزیٰ کی مار پڑی ہے۔'' اس پر اس نے کہا: ''ایسا ہوا ہے؟ بخدا یہ بالکل غلط ہے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت کو لوٹا دیا۔ ❸

حضرت ابوبکرؓ کمزور غلام مسلمانوں کو آزاد کرایا کرتے تو ان کے والد ابوقحافہ نے انھیں کہا: ''اگر تم قوی آدمیوں کو رہا کرواتے تو وہ تمھاری قوت کا باعث بنتے۔!'' تو ابوبکرؓ نے اپنے والد پر واضح کیا کہ ان کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے نہ کہ قوت کا حصول۔ چنانچہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ [الیل ۱۹ تا ۲۱] ❹ (اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو، وہ تو

---

❶ مصنف ابن ابوشیبہ ۱۲/۱۰ میں عروہ تک صحیح اسناد کے ساتھ لیکن یہ مرسل ہے۔ معجم کبیر طبرانی: ۳۱۸/۱، ۳۱۹، صرف حاکم نے عائشہ سے موصول بیان کیا ہے۔ (مستدرک: ۲۸۴/۳) اور امام ذہبی نے بھی اسے صحیح کہا اور حاکم سے موافقت کی ہے۔

❷ السیر والمغازی ابن اسحٰق ۱۹۱ میں عروہ کی مرسل ہے۔ غالباً ابوبکر کے متعلق باتیں عروہ نے اپنی خالہ حضرت ام المؤمنین عائشہؓ سے لی ہیں۔

❸ السیر والمغازی ابن اسحٰق ۱۹۱ میں مرسل عروہ ہے۔

❹ مستدرک حاکم: ۵۲۵/۲، ۵۲۶ اسنادِ حسن کے ساتھ کیونکہ محمد بن عبداللہ بن عتیق مقبول ہے اور مصعب بن ثابت نے عامر سے روایت کرنے میں اس کی متابعت کی ہے۔ (تفسیر طبری: ۲۲۸/۳۰) مصعب متابعات میں مقبول ہے۔ (تقریب التہذیب: ۴۹۰، ۵۳۳)

Marfat.com

صرف اپنے رب برتر کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے، اور ضرور وہ اس سے خوش ہوگا)

عمار بن یاسرؓ اور ان کے گھر والوں کو جو مختلف قسم کی تکلیفیں دی جاتیں، اس بارے میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں جو تاریخی واقعات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں [1] اور مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت عمارؓ کے بارے میں نازل ہوئی: [2]

﴿ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ ﴾[النحل:۱۰۶]

(جو شخص مجبور کیا گیا ہو اور دل اس ایمان پر مطمئن ہو، (تب تو خیر)۔

حضرت خبابؓ بن ارت کو اللہ کی راہ میں شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے حضور کمزوروں سے تخفیف تکالیف کی دعا فرمائیں۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ: ''میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ کعبہ کے سایے میں ایک چادر کو سرہانہ بنائے لیٹے ہوئے تھے۔ اس دور میں ہمیں مشرکین کی طرف سے شدید

---

[1] حدیث: ((البشرما آل یاسر! فان موعد کم الجنة.)) ''اے آل یاسر! تمھیں بشارت ہو یقیناً تمہارا وعدہ جنت ہے۔'' اس حدیث کو ابن سعد نے طبقات ۲۴۹/۳ میں ابو الزبیر تک صحیح سند کے ساتھ نکالا ہے لیکن یہ مرسل روایت ہے۔ امام حاکم نے اسے جابر سے موصول بیان کیا ہے مگر اس کا وصل درست نہیں، کیونکہ حاکم کے شیخ ضعیف آدمی ہیں۔ ویسے اگر اس کی سند صحیح بھی ہوتی تو پھر بھی سند میں ابو الزبیر کی تدلیس کی وجہ سے ضعف باقی رہتا کیونکہ یہ روایت لیث عن ابی الزبیر کے طریق سے نہیں ہے۔ (مستدرک: ۳۸۹،۳۸۸/۳) اسے حارث بن ابو اسامہ نے منقطع سند کے ساتھ روایت کیا ہے، کیونکہ سالم بن ابو الجعد متوفی ۹۷ھ نے عثمان بن عفان سے سماع نہیں کیا اور اس کی سند میں عبد العزیز بن ابان ضعیف ہے۔ (بغیۃ الباحث فی زوائد مسند الحارث، رقم: ۹۹۴) عبد الصمد بن عبد الوارث نے اس کی مسند احمد ۶۲/۱ میں متابعت کی ہے۔ ابو احمد حاکم نے اسے عقیل عن الزہری عن اسماعیل بن عبد اللہ بن جعفر عن ابیہ کے طریق سے نکالا ہے۔ (اصابہ: ۶۳۹/۶) اس کے نزدیک حدیث کی تصحیح عقیل تک کی سند کی حالت پر موقوف ہے لیکن یہ ان روایات کی بنیاد پر تقویت حاصل کر لیتی ہے جو آیت کے سبب نزول کی خبر دیتی ہیں۔

[2] تفسیر طبری: ۱۸۲/۱۴ اسند حسن کے ساتھ ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر متوفی ۹۷ھ کی مرسل ہے۔ امام حاکم نے اسے اس کے والد محمد بن عمار سے موصول بیان کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں (مستدرک: ۳۸۸/۳) کیونکہ حاکم کے شیخ علاء ابن ہلال میں کمزوری ہے۔ (تقریب: ۴۳۶) اور اسی طرح طبرانی نے بھی اسے موصول روایت کیا ہے، ایسی سند کے ساتھ جس میں ابراہیم بن عبد العزیز مقوم ہے جس کی توثیق صرف ابن حبان نے کی ہے۔ (معجم اوسط: ۳۰۵،۳۰۴) اور محفوظ بات یہی ہے کہ یہ مرسل ہے۔ آیت کا سبب نزول قتادہ اور ابو مالک نضر بن انس بن مالک بصری نے بیان کیا ہے۔ وہ ثقہ ہے ایک سو کچھ اوپر ہجری میں فوت ہوئے۔ (تقریب: ۵۶۱)

Marfat.com

تکلیفیں پہنچ رہی تھیں۔ میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپ ہمارے لیے دعا نہ فرمائیں گے؟'' اس پر آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے، آپؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کی ہڈیوں سے گوشت اور اعصاب لوہے کی کنگھیوں سے الگ کیے جاتے لیکن اس پر بھی وہ دین سے نہ پھرتے۔ آرا ان کے سروں کے درمیان رکھا جاتا اور انھیں دو ٹکڑے کر دیا جاتا لیکن اس ظلم نے بھی ان کو دین سے نہ پھیرا۔ اللہ تعالیٰ اس دین کے معاملے کو ضرور پایہ تکمیل تک پہنچائے گا حتی کہ ایک سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔'' ❶

حضرت خبابؓ لوہار کا کام کرتے تھے۔ انھوں نے عاص بن وائل کے لیے تلوار تیار کی، پھر اس کی قیمت کا حساب لگایا اور اس کے پاس جا کر مانگا تو عاص نے کہا: ''جب تک تم محمد (ﷺ) کا انکار نہیں کرو گے میں حساب نہیں چکاؤں گا۔'' حضرت خبابؓ نے اس کے جواب میں کہا: ''میں مطالبہ کرتا رہوں گا حتی کہ فوت ہو جاؤ گے، پھر اٹھائے جاؤ گے۔'' تو عاص نے استہزاءً کہا کہ قیامت کے دن وہ اپنے مال سے چکا دے گا، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾ [مریم:۷۷] (پھر تو نے دیکھا اس شخص کو جو ہماری آیات کو ماننے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو مال اور اولاد سے نوازا ہی جاتا رہوں گا) ❷

جس سے پتا چلتا ہے کہ کمزوروں پر بدنی ایذا کے علاوہ ان کے مال بھی ظلم کے ساتھ ہتھیا لیے جاتے اور اس سے یہ بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ قریش نے حلف الفضول کی خلاف ورزی کی جب کہ یہ معاہدہ بعثت اسلام سے محض دو عشرے پہلے ہوا تھا۔

بلاشبہ مسلمان -- اپنے ضعف -- کے باوجود اپنا دفاع کرنا چاہتے تھے اور ایسا لگتا ہے کہ پر امن رہنے کا موقع بعض مسلمانوں اور بالخصوص جوانوں کو غصہ دلاتا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ان کے ساتھی مکہ میں نبیؐ کے پاس آئے اور کہا: ''اے نبی اللہ ﷺ جب ہم مشرک تھے تو طاقتور تھے۔ جب سے ہم مسلمان ہوئے ہیں کمزور پڑ گئے ہیں!'' آپؐ نے فرمایا: ''مجھے

---

❶ صحيح البخاري (فتح الباري: ٧/ ١٦٥، ٦/ ٦١٩)

❷ صحيح البخاري (فتح الباري: ٤/ ٤٥٢، ٥/ ٧٧، ٨/ ٤٣٠، ٤٣١) صحيح مسلم: ٤/ ٢١٥٣.

Marfat.com

درگزر کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا قوم سے نہ لڑو۔'' پھر جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مدینہ منتقل فرمادیا تو آپؐ کو قتال کا حکم دیا جس پر بعض مسلمانوں نے ہاتھ روک لیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ﴾ [النساء:٧٧] ❶ (تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو) ❷

حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے الفاظ اس حال پر روشنی ڈالتے ہیں، جس میں اس مرحلہ پر مکہ کے مسلمان تھے۔ حضرت عائشہؓ سے ہجرت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''آج کوئی ہجرت نہیں۔ ایک وقت تھا کہ اہل ایمان میں سے کوئی اپنے دین کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف فرار اختیار کرتا اس خوف سے کہ مبادا کسی آزمائش کی بھٹی میں ڈالا جائے مگر اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا ہے۔ آج وہ جہاں چاہے رب کی عبادت کرے۔'' ❸

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ''اسلام کمزور تھا لہٰذا ایک مسلمان اپنے دین کے بارے میں آزمائش میں مبتلا کیا جاتا یا تو اسے قتل کر دیا جاتا یا اسے عذاب دیا جاتا۔ حتی کہ اسلام کو قوت حاصل ہوگئی پھر آزمائش نہ رہی۔'' ❹ تاہم وہ تکلیف دہ صورت حال رسول اللہ ﷺ کو کبھی نہ بھولی جس میں کمزور مسلمان مکہ میں زندگی گزار چکے تھے۔ چنانچہ آپؐ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد مکہ میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں کے لیے مشرکین سے نجات کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ ❺

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ان کی زندگی کی حفاظت اور دعوت کے مستقبل کے پیش نظر ضبط نفس اور صبر سے مزین رہنے کی ہدایت کر رکھی تھی اور قوت کے خلاف قوت اور زیادتی

❶ یہ آیت مدنی ہے اور مکہ میں لڑائی سے ہاتھ روک لینے کے واقعہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

❷ تفسیر طبری: ١٧١،١٧٠/٥۔ مستدرک حاکم: ٣٠٧/٢۔ امام حاکم نے کہا کہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی تائید کی ہے۔ اور صحیح یہ بات ہے کہ یہ صرف مسلم کی شرط کے مطابق ہے کیونکہ امام بخاری نے حسین بن واقد کی حدیث فقط تعلیقاً بیان کی ہے۔ مزید دیکھیے: تفسیر ابن کثیر: ٤٥١/١۔

❸ صحيح البخاری: ٤/ ٢٥٣، كتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبیؐ واصحابه الى المدينة.

❹ صحيح البخاری: ٥/ ١٧٥، ٢٠٠، كتاب التفسير.

❺ صحيح البخاری: ٢/ ١٥۔ صحيح مسلم: ١/ ٤٦٦.

Marfat.com

کے خلاف زیادتی کے ساتھ ٹکرانے سے منع کر رکھا تھا۔ نیز آپؐ نے نوزائیدہ دعوت کی زمام کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دے رکھا تھا، مبادا کہ شر اسے دفن کر دے، جب کہ مشرکین دعوت کے ساتھ فیصلہ کن ٹکراؤ چاہتے تھے، تا کہ اس کا قصہ تمام کر دیں، لیکن اسلام کی حکیمانہ پالیسی نے انھیں یہ موقع نہ دیا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی تربیت اپنی آنکھوں کے سامنے کرتے اور انھیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق اور اس کی عبادت کے ذریعے اس کے تقرب کی طرف توجہ دلاتے رہتے۔ چنانچہ یہ آیات مکہ میں نازل ہوئیں: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا○ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ○اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴾ [المزمل: ١ تا ٦]

(اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات، یا اس سے کچھ کم کر لو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے)

ان آیات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ہدایت فرمائی کہ آپؐ رات کا ایک حصہ نماز کے لیے مخصوص کریں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے رات کا نصف یا اس سے کم و بیش نماز کے لیے کھڑے رہنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ نبی ﷺ مع اپنے اصحاب، تقریباً ایک سال رات کی نماز میں قیام فرماتے رہے حتی کہ ان کے پاؤں سوج گئے۔ پھر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کی طلب میں مشقت برداشت کرنے اور اپنے حکم کے نفاذ کو ہدف بنا کر اس کے لیے کمربستہ ہونے کو دیکھ لیا تو ان پر رحم فرمایا اور ان کے لیے تخفیف فرما دی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ [المزمل: ٢٠]

(اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو) [1]

بلاشبہ ان کے بستر چھوڑنے، بے خوابی انگیز کرنے اور مرغوبات نفس کو ترک کرنے میں ان کا امتحان مجاہدہ کے لیے تھا اور وہ خواہشات نفس کے آگے جھکنے سے آزادی کی تربیت تھی، جو

---

[1] مزید دیکھیے: سنن ابو داؤد: ٢/ ٧٢ وحدیث نمبر: ١٣٠٥۔ تفسیر طبری: ٢٩/ ٧٩.

Marfat.com

قیادت اوراختیارات کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لینے کی تمہید تھی۔ لہٰذا ان کے لیے اعلیٰ درجے کی روحانی تربیت ناگزیر تھی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رسالت کے حاملین اور اپنی دعوت کا امین بنایا تھا، اور انہیں فریضۂ شہادتِ حق ادا کرنا تھا۔ تاریخ کے اس مرحلے میں بیسیوں اہل ایمان تھے جن کے سامنے انسانی روش کی درستی اور اسے بڑے بڑے انحرافات سے بچا کر اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی راہ پر لگانے جیسی عظیم ذمہ داریاں تھیں۔

وہ ایک عظیم کام تھا جسے وہی لوگ اپنے ذمے لے سکتے تھے جو ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا﴾ [السجدۃ:١٦] (ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں)۔ اور قرآن کریم نے رات کے قیام، اس میں نماز اور ترتیل یعنی بیان اور غور وخوض کے ساتھ قراءت قرآن پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔ اور یہ کہ ﴿ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا﴾ (نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے)۔ وہ رات کے سکون اور سناٹے کے عالم میں روح میں تاثیر پیدا کرتا ہے جب کہ اس وقت روح مشاغل سے خالی، علائق دنیا اور دن کی مصروفیات سے دور ذکر ومناجات کے لیے یکسو ہوتی ہے۔ اس کیفیت کے ساتھ وحی کو وصول کرنے کے لیے استعداد یقینی ہو جاتی ہے۔ ﴿اِنَّا سَنُلْقِىْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا﴾ (ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں) اور قول ثقیل قرآن حکیم ہے۔ اس دقیق تربیت کا اولین مسلمانوں پر اثر یہ ہوا کہ ان پر جہاد اور مدینہ کی ریاست کی اٹھان کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہوگئی۔ اور ان میں اسلام کے لیے گہرا اخلاص، زندگی کے واقعات میں اس کا عملی نفاذ اور جہان والوں میں اس کی اشاعت کے لیے قربانی دینے کا داعیہ پیدا ہوا۔

مذاکرات کے ذریعے دعوت کو روکنے کا اسلوب

قریش نے رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کی طرف رجوع کیا تا کہ وہ ان کے ساتھ آپؐ کو دعوت سے روکنے کے لیے گفت وشنید کریں۔ عقیلؓ بن ابی طالب نے بتایا جب کہ وہ عینی شاہد کے طور پر واقعہ میں شریک تھے: ''قریش ابو طالب کے پاس آئے اور کہا: تمہارے

Marfat.com

برادر زادے نے ہماری مجالس اور ہماری مسجد میں ہمیں دکھ دے رکھا ہے، اس کو روکیں، تو ابوطالب نے کہا: عقیل تم جاؤ اور محمد (ﷺ) کو لے آؤ، لہٰذا میں آپؐ کی طرف گیا اور آپؐ کو کبسی --- چھوٹے گھر --- سے ساتھ لیا۔'' چنانچہ آپؐ پسینہ بہانے والی شدید گرمی میں سایے میں چلنے کی کوشش کررہے تھے۔ جب آپؐ ان کے پاس پہنچے تو ابوطالب نے آپؐ سے کہا: ''آپؐ کے ان عم زادگان کا خیال ہے کہ آپؐ ان کو ان کی مجالس میں اور ان کی مسجد میں تکلیف پہنچاتے ہیں۔ آپؐ ان کو ایذا دینے سے باز رہیں۔'' (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے اپنی نظروں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور پھر قریش کو مخاطب کیا: ''کیا تم اس سورج کو دیکھتے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''ہاں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''میرے بس میں یہ نہیں ہے کہ میں تمھیں دعوت دینا ترک کردوں خواہ تم اس (سورج) میں سے ایک شعلہ ہی لے آؤ۔'' اس پر ابوطالب نے کہا: ''بخدا! میرے بھتیجے نے غلط نہیں کہا، لہٰذا تم جا سکتے ہو۔'' [1]

ان مذاکرات کے ناکام ہونے پر رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے متبعین پر مشرکین کا دباؤ شدید تر ہوگیا۔

مشرکین کا اثبات نبوت کے لیے معجزات کا مطالبہ

مشرکین کا عناد بڑھتا گیا اور ان کا دباؤ شدت اختیار کرتا گیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو نکالنے کا ارادہ کرلیا اور ثبوت نبوت کے لیے معجزات لانے کا چیلنج دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: ''قریش نے نبی ﷺ سے کہا: اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ کوہ صفا کو ہمارے لیے سونا بنادے تو ہم آپؐ پر ایمان لائیں گے۔'' آپؐ نے فرمایا: کیا تم ایسا کرو گے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ ابن عباسؓ نے کہا: آپؐ نے دعا کی تو جبرائیل آپؐ کے پاس آئے اور کہا: اللہ عزوجل نے آپؐ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ: ''اگر آپ چاہیں تو میں صفا

---

[1] السیر والمغازی ابن اسحٰق ۱۵۵ نے اس روایت پر اضافے یونس بن بکیر سے دیے ہیں۔ حاکم کے نزدیک یونس کا ایک ثقہ متابع عبدالواحد بن زیاد ہے۔ مستدرک: ۵۷۷/۳ اور البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (سلسلہ صحیحہ: ۱۴۷/۱) یہ روایت سیر و مغازی ابن اسحٰق ۱۵۴ کی روایت سے ملائیں جو کہ معضل اسناد والی ہے۔ (البانی کی سلسلہ ضعیفہ ۳۱۱/۲ کیونکہ یعقوب بن عتبہ تبع تابعین میں سے ہے اور اس نے اسے مرسل بیان کیا ہے۔)

Marfat.com

کو سونا بنائے دیتا ہوں لیکن اس کے بعد اگر کوئی ان میں سے کفر کا رویہ اختیار کرے گا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اور اگر آپ چاہیں تو ان کے لیے توبہ ورحمت کا دروازہ کھولے دیتا ہوں۔'' آپ نے کہا: بلکہ توبہ ورحمت کا باب۔'' ❶ ابن عباسؓ نے کہا: تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ، وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ [الاسراء:٦٥] (اور ہم کو نشانیاں بھیجنے سے نہیں روکا مگر اس بات نے کہ ان سے پہلے کے لوگ ان کو جھٹلا چکے ہیں (چنانچہ دیکھ لو) ثمود کو ہم نے علانیہ اونٹنی لا کر دی) ❷

جس طرح سے حضرت ہود علیہ السلام کا معجزہ ثمود کو ایمان کی طرف نہ کھینچ سکا اسی طرح سابقہ تاریخ کے دوران ہونے والے واقعات پر قیاس کرتے ہوئے مشرکین قریش کو بھی معجزات کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ لیکن مشرکین کے اصرار اور ان کی ضد کے آگے آپؐ نے ان کی بات مانی --جب کہ انھوں نے کوئی نشانی مانگی-- تو چاند کو دو ٹکڑے کر دکھایا حتی کہ انھوں نے جبل حرا کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔ ❸ صحابی رسول عبداللہؓ بن مسعود نے مکہ میں چاند کے پھٹنے کا واقعہ دیکھا ❹ اور قرآن حکیم نے اس واقعہ کو دوام بخش دیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ [القمر:١، ٢] (قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا، مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ خواہ

---

❶ مسند احمد: ۱/۲۴۲، ۳۴۵۔ کشف الاستار: ۳/۵۵۔ مستدرک حاکم: ۱/۵۳، ۵۴۔ اور امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثوری عن سلمہ بن کہیل کے طریق سے صحیح ومحفوظ حدیث ہے۔ معجم کبیر طبرانی: ۱۲/۱۵۲۔ ہیثمی نے کہا کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۷/۵۰) ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔ (السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۶۲) اور اس حدیث کی ایک سند ابن عباس سے بھی ہے۔ (مسند احمد: ۱/۲۵۸) اور اس میں اعمش کی تدلیس ہے مگر پہلے طریق سے تقویت پا جاتی ہے، اسی لیے حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (مستدرک: ۲/۳۶۲۔ السیرۃ النبویۃ للذہبی ۱۳۵) اور ابن کثیر نے اسے نسائی کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی سند عمدہ ہے۔ (السیرۃ النبویۃ ابن کثیر: ۱/ ۴۸۳)

❷ مسند احمد: ۱/۲۵۸ عمدہ سند کے ساتھ۔

❸ صحيح البخاري (فتح الباري: ٧/ ١٨٢، ٨/ ٦١٨) صحيح مسلم: ٤/ ٢١٥٨، ٢١٥٩.

❹ الدر المنثور سیوطی: ۷/ ۶۷۰۔ اس حدیث کا اصل ابن مسعود سے اختصار کے ساتھ صحیحین میں ہے۔ (فتح الباری: ۶/۶۳۱) صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱۷/۱۴۳، ۱۴۴۔

Marfat.com

کوئی نشانی دیکھ لیں، منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو چلتا ہوا جادو ہے) ❶

مشرکین نے اسی طرح سے چاند کے ٹکڑے ہونے کا معجزہ دیکھا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ پر جادوگری کا الزام لگاتے اور سابقہ قوموں کا رد یہ کہ حسی معجزات کو دیکھ لینے کے باوجود ایمان نہ لانا ان کے بارے میں ثابت ہو گیا۔ جیسا کہ قرآن نے بیان فرمایا ہے۔

اور صحیح طریق سے ثابت نہیں ہوتا کہ عتبہ بن ربیعہ یا ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ریاست، مال، خاندانی خوبصورت عورت سے شادی اور علاج کی پیش کش کی تھی، ❷ ورنہ یہ بات لوگوں میں مشہور ہوتی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ محض عدم ثبوت کے باعث اس تاریخی واقعہ کی نفی کی جائے۔ اور کتنے ہی تاریخی واقعات ہیں جو وجود میں آئے، لیکن ان کی صحت پر کوئی صحیح دلیل قائم کرنا ممکن نہ ہوا۔

نیز حدیث سے کبھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قریش نے آپؐ کو یہ پیش کش کی ہو کہ ایک

---

❶ اس کے سبب نزول کے لیے رجوع فرمائیں: سنن ترمذی: ۳۹۷/۵، ۳۹۸۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ کچھ کمزور بے اصل روایات اس واقعہ کی تفصیل میں آئی ہیں۔ دیکھیے: دلائل النبوت ابونعیم: ۳۶۸/۱۔ اس کی سند میں موسیٰ بن عبدالرحمٰن ثقفی بالکل لغو آدمی ہے۔ میزان الاعتدال: ۲۱۱/۴، ۲۱۲۔ ایک اور سند سے ۳۶۹/۱ میں ہے، اس میں بشر بن زبیر اصبہانی نہایت واہی آدمی ہے۔ (میزان الاعتدال: ۳۱۵/۱، ۳۱۶)

❷ مصنف ابن ابوشیبہ ۲۹۵/۱۴، ۲۹۷، مسند عبد بن حمید من طریق بن ابی شیبہ (تفسیر ابن کثیر ۸۲/۶) مسند ابویعلی: ۳/ ۳۴۹۔ دلائل النبوۃ بیہقی: ۲۰۲/۲، ۲۰۴ ایسی سند کے ساتھ جس میں ذیال بن حرملہ مجہول الحال ہے اور اس کی توثیق صرف ابن حبان نے کی ہے۔ (الثقات: ۲۲۲/۴، ۲۲۳) اور اس میں اجلح ہے جو بعض باتوں کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ (ابن کثیر تفسیر: ۹۰/۴، ۹۱) معتبر مسند روایات کا دارومدار انہی دونوں پر ہے۔ دلائل النبوت ابونعیم: ۳۰۴/۱، ۳۰۵۔ اس کی سند میں مثنی بن زرعہ مجہول ہے۔ (جرح وتعدیل ابن ابی حاتم ۳۲۷/۸) ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس سند سے نہایت ہی غریب ہے۔ (السیرۃ النبویۃ ابن کثیر: ۵۰۵/۱) سیر ومغازی ابن اسحٰق: ۱۳۱، ۱۸۲ طحمید اللہ۔ اس کی سند میں محمد بن ابومحمد مجہول الحال ہے۔ (تقریب: ۵۰۵) سیرت ابن ہشام ۲۹۳/۱ حسن اور مرسل سند کے ساتھ ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس کا سیاق دوسری کسی اور حدیث سے زیادہ شبہ والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۸۳/۴) یہاں کچھ اور قابل تلف روایات بھی ہیں۔ (معجم کبیر طبرانی: ۱۲۵/۱۱) ایسی سند کے ساتھ جس میں ابراہیم خوزی متروک الحدیث ہے۔ مجمع الزوائد ہیثمی: ۱۳۱/۷ اور بزار اور طبرانی کی سند میں معلیٰ بن عبدالرحمٰن کذاب ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۳۰/۷) مزید رجوع فرمائیے: کشف الاستار: ۴۳/۳۔

Marfat.com

سال آپؐ ان کے خداؤں کی عبادت کریں اور ایک سال وہ آپؐ کے اللہ کی عبادت کریں۔ ❶ نیز (بذریعہ حدیث) ثبوت نہیں ملا کہ ابوجہل نے اعتراف کیا ہو کہ اس کے خاندان اور بنی عبد مناف میں مقابلہ تھا، جو بنی عبد مناف کے لیے اس کے خاندان پر فضیلت حاصل کرنے کے لیے نبوت کے دعویٰ کی محرک بنی ہو۔ ❷

قریش کا مباحثہ ومناظرہ

مشرکین نے حق کو نیچا دکھانے کے لیے جھگڑوں کا راستہ اختیار کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں کہا: ''اے گروہ قریش! اگر اللہ کے سوا کسی کی عبادت کی جائے تو اس میں کوئی خیر نہیں۔'' اور قریش کے علم میں تھا کہ نصاریٰ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی عبادت کرتے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ محمدؐ کیا کہتے ہیں۔ ❸ چنانچہ انھوں نے کہا: ''اے محمد (ﷺ)! کیا تمھارا خیال یہ نہیں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی اور اللہ کے صالح بندوں میں سے ایک تھے! اگر تم سچے ہو تو پھر ان کے معبود ایسے ہیں جیسا کہ تم کہتے ہو۔ ❹ (ان کا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے کہنے کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی جاتی ہے لہٰذا ان میں کوئی خیر نہیں) تو اللہ عزوجل نے نازل فرمایا: ﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ﴾ [الزخرف:٥٧] (اور جونہی کہ ابن مریم کی مثال دی گئی، تمھاری قوم کے لوگوں نے اس پر غل مچا دیا) ❺

---

❶ تاریخ طبری: ٢/٣٣٧۔ تفسیر طبری: ٣٠/٣٣١۔ سعید بن مینا کی مرسل ہے۔ اس کی علت ارسال ہے۔ ایک اور سند کے ساتھ موصول بیان کیا ہے۔ جس میں محمد بن موسیٰ حرشی ضعیف ہے اور اس میں عبداللہ بن عیسیٰ بن خالد بھی ہے جو داؤد بن ابو ہند سے ایسی باتیں روایت کرتا ہے جس میں ثقہ اس کی موافقت نہیں کرتے۔ (تہذیب التہذیب: ٥/٣٥٢)

❷ سیر و مغازی ابن اسحٰق ١٨٩، ١٩٠، ٢١٠۔ دو منقطع اسناد کے ساتھ۔

❸ مجمع الزوائد: ٧/١٠٤۔ یعنی قریش عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جانتے تھے کہ عیسائی ان کی پرستش کرتے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ محمدؐ ان کی پرستش کو غلط سمجھتے ہیں۔

❹ یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بھی چونکہ پرستش کی جاتی ہے لہٰذا تمہارے کہنے کے مطابق اس میں بھی کوئی خیر نہیں ہے۔

❺ یہ روایت مسند احمد ١/٣١٧، ٣١٨ اور معجم کبیر طبرانی ١٢/١٥٣، ١٥٤ میں ہے۔ ان دونوں نے ابن عباس کی حدیث سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا۔ عاصم بن بھدلہ کی حدیث کو ذہبی نے حسن کہا ہے۔ (میزان الاعتدال: ٢/٣٥٧) یہاں ایک اور ضعیف روایت بھی ہے جو ملائکہ، عزیر اور عیسیٰ کے بارے میں جھگڑے پر مشتمل ہے اور وہ ایک ⇦⇦

Marfat.com

قریش کا یہ قیاس غلط تھا، انبیاء کرام کی غیر عاقلہ معبود بتوں کے ساتھ تشبیہ کی تردید کا تقاضا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی وضاحت فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ ﴾[الزخرف:۵۹] (ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا)۔

اور یہ کہ اس نے کبھی اپنی عبادت کی دعوت نہیں دی، بلکہ صرف اور صرف اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ﴾[الزخرف:۶۴] (حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمھارا رب بھی۔ اسی کی تم عبادت کرو)

اور قرآن کریم نے قریش کی حجت کو جدل (کج بحثی) کا نام دیا: ﴿ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ﴾[الزخرف:۵۸] (یہ مثال وہ تمھارے سامنے محض کج بحثی کے لیے لائے ہیں) اور وہ جھوٹی دلیل ہے جب کہ وہ فصیح اللسان عرب تھے اور ان پر مخفی نہیں تھا کہ آیت ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ [1] [الانبیاء:۹۸] (بے شک تم اور تمھارے وہ معبود جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں) یہ خطاب قریش سے ہے جب کہ وہ غیر عاقلہ بتوں کو پوجا کرتے تھے اور نصاریٰ اس کے مخاطب نہیں تھے۔ ان کا اعتراض اس آیت پر ہرگز وارد نہیں ہوتا کیونکہ بتوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شامل کرنا عقل میں آنے والی بات نہیں۔ اور بحث و تکرار جن کی دھول قریش نے اڑا رکھی تھی، میں سے ایک سوال 'روح' کے بارے میں تھا۔ قریش نے یہود سے کہا: ''کوئی چیز ہمیں بتاؤ جس کا سوال ہم اس شخص (آنحضورؐ) سے کریں۔'' تو انھوں نے جواب دیا: ''اس سے روح کے بارے میں سوال کرو۔'' لہٰذا آیت

⇦⇦ دوسری آیت کے نزول کا ذکر کرتی ہے۔ مستدرک حاکم: ۲/۳۸۴، ۳۸۵ اور حاکم نے اس کی سند کو صحیح بتایا ہے اور ذہبی نے اس کی تائید کی ہے۔ حالانکہ اس کی سند میں محمد بن موسیٰ قاشانی ضعیف ہے۔ مزید دیکھیے: تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۹۸، ابن مردویہ کی روایت اس کا شیخ محمد بن علی بن سہل ضعیف ہے۔ (میزان الاعتدال: ۳/۶۵۲، ۶۵۳) تفسیر طبری: ۱۲/۹۷ ایسی سند کے ساتھ جس میں عطاء بن سائب ہے جسے اختلاط لاحق ہو گیا تھا اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ ان کے شاگرد یحییٰ بن مھلب نے ان سے اختلاط کا عارضہ لاحق ہونے سے قبل روایت کی ہے۔ مزید دیکھیے: بزار کی روایت ضعیف سند کے ساتھ (کشف الاستار: ۳/۵۹) کیونکہ اس میں شرحبیل بن سعد ہے جس کی توثیق صرف ابن حبان نے کی ہے۔ اور ابن ابی حاتم کی روایت اس کی اپنی تفسیر میں ایسی سند کے ساتھ ہے جس میں ایک راوی مبہم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۹۸)

[1] تفسیر ابن کثیر: ٤/ ١١٧، ١١٨ ط خليل الميس.

Marfat.com

نازل ہوئی: ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ [الاسراء:۸۵]

(یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو: ''یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے، مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے) تو انھوں نے کہا: ''ہمیں قلیل علم نہیں دیا گیا، ہمیں تورات دی گئی ہے اور جسے تورات دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی۔'' چنانچہ قرآن میں نازل ہوا: ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴾ [الکہف:۱۰۹] (اے نبیؐ، کہو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں، بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے) ❶

سورہ الاسراء پوری کی پوری مکی سورت ہے ❷ اور مدینہ میں اس کے نزول کے اعادے کا احتمال ہے، جب کہ یہودیوں نے روح کے بارے میں بار دیگر سوال اٹھایا۔ ❸

قرآن میں وارد ہوا ہے کہ مشرکین قریش نے رسول اللہ ﷺ پر الزام لگایا کہ آپؐ نے عجمی ذرائع سے علم حاصل کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ط لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ [النحل:۱۰۳] (ہمیں معلوم ہے یہ لوگ تمھارے متعلق کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے، حالانکہ ان کا اشارہ جس آدمی کی طرف ہے اس کی زبان عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے)

صحابی عبداللہ بن مسلم الحضرمی نے بیان کیا ہے کہ ان کے ہاں دو غلام لڑکے: یسار اور

---

❶ یہ روایت سنن الترمذی ۳۰۴/۵ میں ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ مسند احمد ۲۵۵/۱، مستدرک حاکم ۵۳۱/۲ اور حاکم نے اس کی سند کو صحیح اور ذہبی نے اس کی تائید کی اور اس نے السیرۃ النبویۃ ۱۳۴ میں بھی صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے الفتح ۴۰۱/۸ میں مسلم کی شرط پر صحیح بتایا ہے اور سند میں عکرمہ ہے۔ امام مسلم نے اس کی روایت سے مقرون روایت بھی درج کی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۲۷۲/۷)

❷ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۶۰۔ علامہ زرکشی نے اس پر اتفاق بیان کیا ہے۔ (البرہان: ۱/ ۳۰)

❸ صحیح البخاری (فتح الباری: ۱۵/۱۰، ۴۰۱/۸) صحیح مسلم: ۲۱۵۲/۴۔ سنن ترمذی: ۳۰۴/۵۔ روایات کے درمیان یہ تطبیق مدینہ میں نزولِ آیت کی ترجیح سے اولیٰ ہے۔

Marfat.com

خیر تھے جو تلواروں کو صیقل کیا کرتے تھے، وہ تورات پڑھا کرتے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے اور وہ اپنی کتاب پڑھ رہے تھے، اس پر مشرکین نے کہا کہ آپ ان دو لڑکوں سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے درج بالا آیت نازل فرمائی۔ ❶

وہ دونوں لڑکے تورات کو اپنی زبان میں پڑھا کرتے تھے اور اصلاً نجران سے تھے۔ ❷ جب کہ یہ روایت بھی کی جاتی ہے کہ وہ 'عین التمر' سے تھے ❸ اور بعض دیگر ضعیف روایات بھی ہیں کہ ان کے نام بلعام ❹ اور یعیش تھے۔ ❺ صحیح روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان لڑکوں کے پاس سے ایک ہی مرتبہ گزرے اور وہ اپنی زبان میں تورات پڑھ رہے تھے۔ یعنی عربی میں نہیں اور غالباً وہ عبرانی زبان تھی جیسا کہ حجاز کے یہودیوں کے ذریعے معروف ہے۔ اگر ہم فرض کرلیں کہ آپ ان کے پاس کئی مرتبہ بیٹھے تھے جیسا کہ بعض ضعیف روایات میں ہے تو ان کی تلواریں صیقل کرنے والے دو غلاموں میں کہاں سے وہ صلاحیت آ گئی تھی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو نصرانیت سے متضاد عقیدہ سے نکلنے والے جامع نظام زندگی کی تعلیم دیتے؟ پھر تمہارا رسولؐ نے ہی کیوں ان سے اس علم کی معرفت حاصل کی، جو ان کے پاس تھا؟ ان

---

❶ تاریخ واسط بحشل ۴۹ صحیح اسناد کے ساتھ۔ خالد طحان کا حصین سے سماع اختلاط سے پہلے کا ہے۔ (الکواکب النیرات ۱٤٠) اور حصین کا سماع عبداللہ بن مسلم سے صحیح ہے۔ (اصابہ ۴/۴۱۹) اس روایت کا تفسیر طبری کی روایت ۱۴/ ۱۷۹ سے تقابل کریں اور اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ان کے پاس بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اور اس میں "خیر" کے بدلے "جبر" ہے۔ اور اس روایت کا ابن ابی حاتم کی روایت سے بھی تقابل کریں۔ (لباب النقول سیوطی: ۱۳۴) اور یہ روایت حاکم کی روایت سے بھی مقرون ہے۔ (مستدرک: ۲/ ۳۵۷) مگر یہ حاکم کے شیخ عبدالرحمٰن بن حسن اسدی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف الاسناد ہے۔

❷ اصابہ ابن حجر ۴/ ۴۱۸، ۴۱۹ بغوی سے نقل کرتے ہوئے اور حافظ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ اسباب النزول واحدی: ۱۶۱، ۱۶۲ (ط۔ دار الکتب العلمیہ)

❸ تاریخ واسط بحشل ۱۹۹ اس کی سند میں محمد بن خالد طحان ضعیف ہے۔ اسباب النزول واحدی ۱۶۱، ۱۶۲ ابن فضیل کے طریق سے جس سے بغوی نے روایت کی ہے اور اس میں ہے کہ وہ دونوں نجران سے تھے۔

❹ تفسیر طبری ۴/ ۱۷۷ اس کی سند کو سیوطی نے ضعیف کہا ہے۔ (لباب النقول ۱۳۴) اس میں مسلم بن عبداللہ ملائی ہے جو کہ ضعیف ہے۔ (تقریب: ۵۳۰) اس نے اسے ابن عباس کی طرف مرفوع کیا ہے اور محفوظ یہ ہے کہ یہ مجاہد کی مرسل ہے جیسا کہ تفسیر طبری: ۱۴/ ۱۷۹ میں ہے۔

❺ تفسیر الطبری: ١٤/ ١٧٨.

Marfat.com

کے مالک ابن الحضرمی نے اس علم سے کیوں استفادہ نہ کیا جب کہ وہ خود محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے اور انہی سے اپنے ان دو نصرانی غلاموں کی صحیح خبر نقل ہوئی؟ اور یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ قرآن معجز کی بلاغت کے ساتھ ان عجمی غلاموں کا کوئی واسطہ نہ تھا جب کہ وہ قیامت کے دن تک فصیح اللسان عربوں اور جوان کی زبان کے اسرار سے واقف ہوئے اور انھوں نے اس کی حلاوت کا ذائقہ چکھ لیا پر حجت ہے۔ پھر بھلا اس کا مصدر وہ دو عجمی کیسے ہو سکتے ہیں؟

اسی طرح سے مشرکین قرآن کے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہونے کے خلاف یہ کہتے ہوئے دلیل لائے کہ ﴿لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً﴾[الفرقان:۳۲] (منکرین کہتے ہیں) اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا؟)

اللہ تعالیٰ نے اس کی علت کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾[الفرقان:۳۲] [1] (ہاں، ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کو اچھی طرح ہم تمھارے ذہن نشین کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزاء کی شکل دی ہے)

مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے تقدیر کے بارے میں بحث کی --- اور وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے اور جس کا اس نے اپنے بندوں کے بارے میں فیصلہ کیا ہے اور وہ تمام کچھ جو ان پر واقع ہوتا ہے وہ ازل سے مقدر ہے اور اللہ کو اس کی مراد معلوم ہے اور وہ پہلے ہی اس کے علم اور اس کی کتاب میں موجود ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾[القمر:۴۸،۴۹] [2] (جس روز یہ (مجرم لوگ) منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے، اس روز ان سے کہا جائے گا کہ اب چکھو جہنم کی لپٹ کا مزا۔ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے)۔

---

[1] دیکھیے: مستدرک حاکم کی روایت ۲/۲۲۲۔ امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم کی شرائط پر ہے مگر انھوں نے روایت نہیں کی اور امام ذہبی نے حاکم سے موافقت کی ہے۔ مزید دیکھیے: فتح القدير شو كانی ٤/ ٧٥ ط۔ دار المعرفة۔

[2] صحیح مسلم: ٤/ ٢٠٤٦۔ سنن ترمذی: ٤/ ٥٩٤ اور کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

Marfat.com

مشرکین کو ان کی ناک اور ان کے تکبر نے عبداللہ بن مسعودؓ اور بلال حبشیؓ جیسے مفلس وکمزور اہل ایمان کی موجودگی میں رسولؐ سے (قرآن) سننا روک دیا اور انھوں نے آپؐ سے مطالبہ کیا کہ آپؐ انھیں دھتکار دیں۔ چنانچہ اس بارے میں قرآن نازل ہوا:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾
[الانعام:۵۲] ((اے نبیؐ) جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے ہیں، اور اس کی خوشنودی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں انھیں اپنے سے دور نہ پھینکو)۔ ❶ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر عتاب فرمایا جب آپؐ نے ابن ام مکتومؓ سے صرف نظر کیا جب کہ وہ کسی چیز کے بارے میں آپؐ سے سوال کر رہے تھے اس حال میں کہ آپؐ ابی بن خلف کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔ چنانچہ قرآن نازل ہوا: ﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰىۙ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى﴾ [عبس:۱،۲] (ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آ گیا)۔ ❷

بلاشبہ دعوتِ حق کے سلسلہ میں حسب ونسب اور مال وجاہ کی بنیاد پر امتیازات کا کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ تو انسانیت کے نقطہ نظر اور اس کی بنیادی وحدت کے اعلان کے لیے آئی ہے اور مساوات اور برابری اس کا تقاضا ہے۔ اس سے اس عتاب کے اسلوب کی شدت کی وجہ معلوم ہوتی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو توجہ دلائی اس بڑے اہتمام پر جو آپؐ نے ابی بن خلف کے لیے ظاہر فرمایا جب کہ آپؐ نے ابنؓ ام مکتوم نابینا کی آمد کو نظر انداز فرما دیا۔ کیونکہ ابنؓ ام مکتوم میزان حق میں ابی بن خلف جیسے سیکڑوں افراد سے زیادہ وزنی ہیں۔

مشرکین نے حیات بعد موت کے عقیدہ پر بڑی بحث چھیڑ رکھی تھی کیونکہ ان کی عقلیں حیات بعد موت کے لیے کھلتی ہی نہ تھیں جیسا کہ قرآن کریم میں ان کی حکایت بیان ہوئی ہے لیکن یہ ان میں سے امیہ بن ابی الصلت جیسے بعض پر منطبق نہیں ہوتا کیونکہ اس کی شاعری حیات بعد

---

❶ حدیث صحیح مسلم ۱۸۷۸/۴ میں ہے۔ حدیث نمبر ۲۴۱۳۔ ایک ضعیف روایت میں ان لوگوں کے نام ذکر ہوئے ہیں جنھیں رؤسائے قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور پھینکنا چاہا اور وہ ہیں سعد، عبداللہ بن مسعود، صہیب، عمار، مقداد اور بلال رضی اللہ عنہم (سنن ابن ماجہ ۱۳۸۳/۲) ایسی سند کے ساتھ جس میں قیس بن ربیع ہے وہ صدوق ہے مگر بڑھاپے میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ (تقریب التہذیب: ۴۵۷)

❷ یہ حدیث سنن ترمذی: ۳۰۹/۴ میں ہے۔ اس کی سند کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ اسے امام حاکم نے شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، لیکن امام ذہبی نے اس میں ارسال کو ترجیح دی ہے۔ (مستدرک: ۵۱۴/۲)

Marfat.com

الموت اور آخرت پر ایمان کی نشاندہی کرتی ہے: ﴿ ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴾ [الصفت:١٦] (یہ منکرین کہتے ہیں:) بھلا کہیں ایسا ہوسکتا ہے کہ جب ہم مر چکے ہوں اور مٹی بن جائیں اور ہڈیوں کا پنجر رہ جائیں، اس وقت ہم پھر زندہ کر کے اٹھا کھڑے کیے جائیں؟) ❶

حتیٰ کہ عاص بن وائل ایک بوسیدہ ہڈی لیے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور تمسخر کے ساتھ سوال کیا: ''آیا اللہ تعالیٰ اس بوسیدہ ہڈی کو زندہ کر کے اٹھائے گا!'' تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا: ''ہاں، اللہ اس کو زندہ کر کے اٹھائے گا، وہ تجھے موت دے گا، پھر تجھے زندہ کرے گا، پھر تجھے جہنم کی آگ میں جھونک دے گا۔''

چنانچہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ○ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ○ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ○ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾

[یٰس:٧٧تا٨٣] ❷

(کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا؟ اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا

---

❶ سنن ابن ماجہ ١٣٨٣/٢ ایسی سند کے ساتھ جس میں قیس بن ربیع ہے وہ ایک صدوق ہے مگر کبرسنی میں دماغ میں اختلاط کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ (تقریب التہذیب: ٤٥٧)

❷ مستدرک حاکم ٤٢٩/٢۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ مگر طبری کی وہ روایت جو بتاتی ہے کہ سائل عبداللہ بن ابی بن سلول تھا وہ عطیہ عوفی کے طریق سے ضعیف الاسناد ہے اور اس لیے بھی کہ یہ سورہ مکیہ ہے۔ تفسیر ابن کثیر ٥٨١/٣ ط دار الشعب نے ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے۔

Marfat.com

ہے۔ کہتا ہے: "کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟" اس سے کہو، انھیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انھیں پیدا کیا تھا، اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔ وہی جس نے تمھارے لیے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کر دی اور تم اس سے اپنے چولہے روشن کرتے ہو۔ کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں، جب کہ وہ ماہر خلاق ہے۔ وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے، اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو)

موحدین کی ایک قلیل تعداد کے سوا اہل مکہ نبوت کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا محمد ﷺ کی نبوت کا مذاق اڑاتے اور اس میں شک کرتے تھے جیسا کہ آیت کریمہ میں وارد ہوا ہے: ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا اِذْ جَآءَ هُمُ الْهُدٰی اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾[الاسراء:۹۴] ❶ (لوگوں کے سامنے جب کبھی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو کسی چیز نے نہیں روکا مگر ان کے اسی قول نے کہ "کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا؟")

تین مشرک بیت اللہ شریف کے قریب اللہ تعالیٰ کی صفت سماعت کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ ان میں سے کوئی اسے مان رہا تھا اور کوئی انکار کر رہا تھا تو آیت نازل ہوئی: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ ﴾ [حم السجدہ:۲۲] (تم دنیا میں جرائم کرتے وقت جب چھپتے تھے تو تمھیں یہ خیال نہ تھا کہ کبھی تمھارے اپنے کان اور تمھاری آنکھیں اور تمھارے جسم کی کھالیں تم پر گواہی دیں گی)

یعنی وہ اپنے حواس و اعضاء سے ان معاصی کو نہ چھپاتے جن کا وہ اس اعتقاد کے ساتھ ارتکاب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ نہیں جانتا جو وہ کرتے ہیں۔

اور جب یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿ الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْۤ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ﴾[الروم:۱تا۴]

---

❶ روایت صحیحین میں ہے۔ (فتح الباری: ۸/ ۵٦۲) صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱۷/ ۱۲۲۔ اور دیکھیے: تفسیر ابن کثیر ٤/ ۸۷ ط۔ خلیل المیس۔

Marfat.com

(الٓمٓ۔رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے)

تو حضرت ابوبکرؓ اور مشرکین کے درمیان روم و فارس کے مابین جنگ کے بارے میں تکرار واقع ہوئی۔ مسلمانوں کو یہ بات عزیز تھی کہ رومی فتح یاب ہو جائیں، اس لیے کہ وہ نصاریٰ ہیں۔ اور مشرکین کے جذبات اہل فارس کے ساتھ تھے اس لیے کہ وہ مجوسی اور بت پرست تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مشرکین کے ساتھ پانچ سالوں کے دوران رومیوں کی فتح پر شرط بد لی۔ یہ اسلام میں شرط لگانے کی ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے [1] اور سالوں کے حساب سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ شرط کا اجراء علانیہ دعوت کے مرحلہ کی ابتدا میں ہوا۔

بلاشبہ رومیوں کی فتح اہل ایمان کے لیے بڑی مسرت کا باعث تھی کیونکہ اس میں قرآن کی تائید اور مشرکین کی رسوائی تھی۔ علاوہ ازیں اہل کتاب کی مجوس پر فتح تھی۔ نیز اس سے متاثر ہو کر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ [2]

مکہ جیسے تجارتی شہر کے لیے جزیرہ عرب سے باہر کے حالات بالخصوص اس زمانے کی طاقتور ریاستوں، روم و فارس کے درمیان کشمکش سے باخبر رہنا ضروری تھا۔ نیز قرآن حکیم کی پیشین گوئی اہل ایمان کو اپنے ملک سے باہر کی سیاسی تبدیلیوں کے مشاہدے کی اہمیت کا شعور دلا رہی تھی، بلکہ اس وقت سے ہی جب کہ مسلمان مکہ میں قلیل اور کمزور تھے، بت پرستی اور الحاد کے مقابلے میں ان کے موقف کی وحدت کا اشارہ ملتا ہے۔

---

[1] یہ روایت سنن ترمذی ۵/۳۴۳، ۳۴۴ میں ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اسے حاکم نے صحیح کہا۔ (مستدرک حاکم ۲/۴۱۰) اور ذہبی نے ان سے موافقت کی ہے۔ مزید دیکھیے: الفتح الربانی ۱۸ / ۲۲۸۔ معجم کبیر طبرانی: ۱۲ / ۲۹۔ تفسیر طبری: ۲۱ / ۱۲۔ دلائل النبوۃ بیہقی: ۲ / ۳۳۰.

[2] سنن الترمذی ۵/۳۴۴، ۳۴۵۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح حسن اور غریب ہے۔ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ (الصحیحۃ: ٤ / ......) اس کا ابن ابی حاتم کی روایت سے تقابل کریں۔ (تفسیر ابن کثیر: ٦ / ٣٠٥، ٣٠٦، ط۔ الشعب اور ط۔ بیروت ٣ / ٤٢٣) اس کی سند میں مؤمل بن اسماعیل صدوق ضرور ہے مگر برے حافظے کا مالک ہے۔ (تقریب: ۵۵۵) اس میں ابواسحٰق سبیعی کا عنعنہ ہے اور وہ مدلس ہے۔ اس کا طبری کی روایت سے بھی تقابل کریں۔ تفسیر طبری: ۱۹/۱۔ اس کی سند منقطع ہے کیونکہ عامر شعبی نے ابن مسعود سے سماع نہیں کیا۔ ابن کثیر نے اس میں ارسال کو ہی ترجیح دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴۲۳/۳)

Marfat.com

تند و تیز بحث و مباحثہ سے مسلمانوں اور مشرکین کے مابین تعلقات کے ایک دوسرے رخ کی وضاحت ہوتی ہے کہ مرورِ ایام کے ساتھ ان کی باہمی دشمنی بڑھتی گئی حتی کہ مسلمان مکی معاشرے سے بالکل کٹ کر رہ گئے، جنھیں غضب آلود آنکھیں، گالیاں دینے والی زبانیں اور نوع بہ نوع تکلیف پہنچانے والے ہاتھ گھیرے میں لیے رہتے۔ لہٰذا مسلمانوں کا مکہ میں قیام ان کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ چنانچہ اس مرحلہ پر مکہ سے ہجرت کر جانے کے لیے پرامن جگہ کی فکر پیدا ہوئی اور ان کا پہلا رخ حبشہ کی طرف تھا۔

ہجرتِ حبشہ

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی، [1] پہلی ہجرت بعثت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں ہوئی، گیارہ مرد اور چار خواتین تھیں جو پیدل سمندر کی طرف نکلے اور انھوں نے ایک کشتی نصف دینار پر کرایہ پر لی۔ [2] حضرت ام سلمہؓ (بعد میں نبی ﷺ کی زوجہ مطہرہ) حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کرنے والوں میں سے ایک تھیں --- ان حالات کی تصویر کشی کرتی ہیں جو ہجرت کے وقت ان کو درپیش تھے، فرماتی ہیں: ''جس وقت سرزمین مکہ ہم پر تنگ ہو گئی -- جب کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کو ایذا پہنچائی جا رہی تھی اور وہ آزمائش میں مبتلا تھے اور دیکھ رہے تھے کہ انھیں اپنے دین کے بارے میں آزمائش و فتنہ کا سامنا ہے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ انھیں اس سے نجات نہیں دلا سکتے درآں حالیکہ آنحضور ﷺ اپنی قوم اور اپنے چچا کی حفاظت میں تھے اور آپؐ تک کوئی ایسی خطرناک چیز نہیں پہنچ رہی تھی جس میں آپؐ کے اصحابؓ مبتلا تھے تو آپؐ نے ان سے فرمایا: ''سرزمین حبشہ میں ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، اس کے ملک میں چلے جاؤ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آسانی اور اس تکلیف سے نکلنے کا راستہ پیدا فرما دے جس میں کہ تم ہو۔'' چنانچہ ہم حبشہ کی طرف نکلے حتی کہ ہم وہاں جمع ہو گئے اور ہم اپنے دین کی سلامتی اور کسی ظلم کے خوف کے بغیر اچھے گھر اور اچھی ہمسائیگی میں

---

[1] صحیح البخاری (فتح الباری: ۱۸۷/۷)

[2] فتح الباری: ۱۸۷/۷، ۱۸۸۔ (یہ واقدی کا قول ہے اگرچہ حافظ ابن حجر نے اس کے نام کی صراحت نہیں کی ہے جیسا کہ طبقات ابن سعد ۲۰۴/۱ میں ہے) ابن اسحٰق ذکر کرتے ہیں کہ وہ دس مرد اور چار عورتیں تھیں۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۴۴)

Marfat.com

اترے۔'' ❶

حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں حضرت ابوبکر صدیق بھی نکلے۔ جب وہ ''برک الغماد'' ❷ پہنچے تو انھیں ابن دغنہ ملا--- اور وہ قبیلہ قارہ کا سردار تھا۔ ❸ اس نے کہا: اے ابوبکرؓ کہاں کا ارادہ ہے؟ ابوبکرؓ نے جواب دیا: ''میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ زمین میں چلوں پھروں اور اپنے رب کی بندگی کروں۔'' ابن دغنہ نے کہا: ''تم جیسا آدمی نہ نکلتا ہے، نہ نکالا جاتا ہے کیونکہ تم نادار کو رزق پہنچاتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، تھکے ماندے مسافر کا بوجھ اٹھاتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، اور اچھے کاموں میں تعاون کرتے ہو۔ ❹ چنانچہ میں تمھیں پناہ دیتا ہوں، پس واپس چلو اور اپنے دیس میں اپنے رب کی عبادت کرو۔'' لہٰذا ابوبکرؓ ابن دغنہ کے ساتھ مکہ واپس آئے اور اس نے ان کو پناہ دینے کا اعلان کیا۔ چنانچہ قریش نے اس پر اتفاق کر لیا کہ ابوبکرؓ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کریں مگر علانیہ نہ کریں۔ اس حالت پر کچھ وقت گزرا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے صحن میں قرآن کی قراءت باآواز بلند شروع کر دی۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے جمع ہو جاتے اور تعجب انگیز نظروں کے ساتھ انھیں دیکھتے رہتے۔

حضرت ابوبکرؓ بڑی گریہ وزاری کرنے والے شخص تھے۔ جب قرآن پڑھتے تو ان کے آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے۔ قریش اس سے ڈر گئے اور انھوں نے ابن دغنہ سے مطالبہ کیا کہ انھیں روکے۔ چنانچہ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کو خفیہ عبادت اور اپنی پناہ لوٹانے کے درمیان انتخاب کا اختیار دیا۔ آپ نے اس کی پناہ کو لوٹا دیا اور کہا: ''میں تمھاری پناہ تمھیں لوٹاتا ہوں اور اللہ کی پناہ پر راضی ہوتا ہوں۔'' ❺ اس طرح سے ابوبکرؓ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے جوار میں رہے اور مشرکین

---

❶ فتح الباری: ۱۸۹/۷۔ سیرت ابن اسحٰق: ۱۹۴۔ سیرت ابن ہشام: ۳۴۴/۱ حسن سند کے ساتھ۔ یونس بن بکیر کی روایت کی البکائی کی روایت سے متابعت کی گئی ہے اور ابن اسحٰق نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔

❷ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ سے یمن کی طرف پانچ رات کی مسافت پر ہے۔ (فتح الباری ۲۳۲/۷)

❸ یہ قبیلہ قریش میں سے ایک خاندان بنو زہرہ کا حلیف تھا۔ (الفتح ۲۳۳/۷)

❹ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ لوگوں کو ازبر تھے، کسی صاحب مروت شخص کی خوبی بیان کرتے ہوئے یا اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کے بارے میں کہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کلمات ابتدائے وحی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے نکلے۔

❺ صحيح البخاري (فتح الباري: ٤/ ٤٧٥، ٤٧٦)

Marfat.com

کی دی ہوئی اذیت کو برداشت کرتے رہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی تھی۔ ❶

حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کے بعد ایسا واقعہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد حرام میں نماز پڑھی جس میں سورہ النجم کی تلاوت کی اور آیت سجدہ کے موقع پر سجدہ کیا تو وہاں پر موجود سب لوگوں نے سجدہ کیا ماسوائے دو بزعم خویش بڑوں کے، چنانچہ مشہور ہوگیا کہ قریش نے اسلام کو قبول کرلیا۔ ❷

سعید بن جبیرؒ، ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ اور ابوالعالیہ کی صحیح سند کے ساتھ مرسل روایات وارد ہوئی ہیں کہ شیطان نے رسول اللہ ﷺ کی زبان پر آپؐ کی نماز کی قراءت میں یہ عبارت ڈال دی: تلك الغرانيق العلا وان شفاعتهن لترتجى (یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے)۔ نیز کچھ دوسری ضعیف الاسناد مرسل روایات میں یہ وارد ہے کہ وہ عبارت شیطان نے کہی اور مشرکین نے سنی لیکن مسلمانوں نے نہیں سنی۔ لہٰذا مشرکین نے مسلمانوں کے سجدے کے ساتھ سجدہ کیا۔ ❸ معتبر مرسلہ روایات میں ہے کہ یہ قصہ وحی کے معاملے میں اور توحید کی رو سے جب کہ وہ اسلامی عقیدہ کی بنیاد ہے، کے بارے میں عصمت نبوت سے ٹکراتا ہے کیونکہ یہ متن کے لحاظ سے مردود ہے اگرچہ اس کی متعدد اسناد ہوں اور تینوں تابعین نے کسی ایک بزرگ سے بھی اسے نہیں لیا۔ فوک (Fueck) نے واضح کیا ہے کہ بعض مستشرقین نے اس قصے کی تصدیق کی ہے اور ان میں سے بعض نے اپنی خواہش کے تحت اس کی تکذیب کی۔ ❹ لیکن واٹ (Watt) کا خیال ہے کہ قصہ صحیح ہے کیونکہ وہ انتہائی تعجب انگیز ہے اور ناگزیر ہے کہ وہ اپنی اصل میں حقیقی ہو، کیونکہ یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ کسی نے اس طرح کا قصہ گھڑ لیا ہو اور مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے اسے قبول کرلیا ہو۔ ❺

---

❶ السيرة النبوية ابن هشام: ٢/ ٣٧٢، ٣٧٤۔ اسنادِ حسن کے ساتھ۔

❷ صحیح البخاری جیسا کہ فتح الباری: ٢/ ٥٥١، ٥٥٣، ٥٥٧، ٥٦٠، ٥٦٥، ٨/ ٦١٤ میں ہے۔ صحیح مسلم: ١/ ٤٠٥۔ مزید دیکھیے: البانی کی تالیف "نصب المجانيق نسف قصة الغرانيق" ❸ سابقہ مصادر۔

❹ Fueck. j. The role of traditionalism in Islam in Swarts, M. (ed & Transl), Studies on Islam. Oxford, 1983. p: 112.

❺ Watt,M Mohammad, Prophet and statesman. P: 61.

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ واٹ کا اس قصے کو صحیح کہنا اس کی خواہش نفس پر دلالت کرتا ہے۔ روایات کے صحیح ہونے کے لیے تعجب پیمانہ کب تھا؟ اور مسلمان علماء کی ایک کثیر تعداد کی تردید کو اس نے کیوں بیان نہیں کیا؟

ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشرکین کا سجدہ اس خوف اور دہشت کی وجہ سے ہو جب کہ وہ پہلی قوموں کی ہلاکت کی خبریں سن رہے تھے۔ ❶

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

سرزمین حبشہ میں مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں لہٰذا کچھ لوگ مکہ واپس آ گئے، جن میں عثمانؓ بن مظعون بھی تھے، تو انھوں نے اس خبر کو صحیح نہ پایا جو ان کو پہنچی تھی۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور ایک جماعت بھی ان کے ساتھ ہو گئی اور وہ ہجرت ثانیہ تھی۔ ابن اسحاق نے دوسری ہجرت کرنے والوں کے نام لکھے ہیں جن کی تعداد ۸۰ سے زیادہ ہے اور ابن جریر نے کہا ہے کہ عورتوں اور بچوں کے علاوہ وہ بیاسی افراد تھے اور کہا جاتا ہے کہ عورتوں کی تعداد ۱۸ تھی۔ ❷

ابن اسحاق نے ہجرت ثانیہ کے محرکات بیان کرتے ہوئے کہا ہے: جب مصیبتیں شدت اختیار کر گئیں اور آزمائشیں بہت بڑھ گئیں جو رسول اللہ ﷺ کے اصحابؓ پر آ پڑی تھیں اور وہ دوسری ابتلاء تھی جس نے حبشہ کی طرف پہلے مہاجرین کے بعد ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو نکالا۔ ❸

قریش نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو تحائف دے کر نجاشی اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا۔ وہ نجاشی کے روبرو پیش ہوئے اور انھوں نے مہاجر مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا اور ان کے دین کے بارے میں ان سے سوال کیا تو جعفرؓ بن ابی طالب نے کہا: ''اے بادشاہ! ہم ایک مشرک قوم تھے، بتوں کی پوجا کرتے اور

---

❶ روح المعانی آلوسی ۱۷ / ۱۷۸ ط المنیریة.

❷ فتح الباری: ۷ / ۱۸۹.

❸ السیر والمغازی ابن اسحٰق، ص: ۲۱۳۔ بتحقیق سهیل زکار.

Marfat.com

مردار کھاتے تھے، پڑوسی سے بدسلوکی کرتے، محارم کو حلال کر لیتے اور ایک دوسرے کا اور غیروں کا خون بہاتے تھے۔ حلال وحرام میں کوئی تمیز نہ کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں میں سے ایک نبی مبعوث کیا جس کی وفا، سچائی اور امانت کو ہم جانتے ہیں۔ اس نے ہمیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور صلہ رحمی، پڑوسیوں سے حسن سلوک، نماز اور روزہ کی طرف دعوت دی اور یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کریں۔''

بادشاہ نے کہا: ''کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے جو وہ لایا؟''--- اس نے پادریوں کو بلالیا اور انھیں حکم دیا: چنانچہ انھوں نے اس کے گرد اپنے مصاحف کھول لیے۔

جعفرؓ نے کہا: ''ہاں۔'' نجاشی نے کہا: ''آؤ اور ہمیں سناؤ جو وہ لے کر آیا ہے۔''

جعفرؓ نے کھیعص کے آغاز سے (سورہ مریم کو) پڑھا۔ بخدا! نجاشی رویا حتی کہ آنسو اس کی داڑھی سے بہہ نکلے اور اس کے پادری بھی روئے یہاں تک کہ ان کے مصاحف بھیگ گئے۔ پھر اس نے کہا: ''یہ کلام اسی طاق سے نکل رہا ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، جاؤ، امن سے رہو۔''

جب قریش کا وفد مہاجرین کو واپس لے جانے میں ناکام ہوگیا تو عمرو بن العاص نے اگلے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمانوں کے موقف کا مسئلہ اٹھایا۔ اس نے نجاشی سے کہا: اے بادشاہ سلامت! یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بڑی بات کہتے ہیں۔

چنانچہ نجاشی نے انھیں بلا بھیجا اور ان سے پوچھا تو حضرت جعفرؓ نے کہا: ''ہم کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول، اس کا کلمہ اور اس کی روح ہیں جسے اس نے کنواری مریم کی طرف القاء کیا۔'' نجاشی نے کہا: ''عیسیٰ ابن مریم اس سے ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہ تھے اور اس نے مسلمانوں کو امان دے دی۔ لہٰذا وہ اچھے پڑوسی کے ساتھ قیام پذیر ہوئے اور اچھے گھر میں گئے--- جیسا کہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں...... [1]

---

[1] سیر ومغازی ابن اسحٰق: ۲۱۳، ۲۱۷۔ سیرت ابن ہشام: ۲۸۹/۱، ۲۹۳۔ ام سلمہ تک حسن سند کے ساتھ۔ حضرت عائشہؓ نے نجاشی کا قصہ شاید ام سلمہ سے سن کر بیان کیا ہو۔ (سیرت ابن اسحٰق: ۱۹۷، ۱۹۹) امام احمد کی مسند ۴۶۱/۱ میں ابن مسعود کی حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اس میں خدیج بن معاویہ ہے۔ اس کی حدیث اعتبار کے لائق ہے۔ اس میں ابو اسحٰق مدلس عن کے لفظ سے حدیث بیان کرتا ہے۔ اس کے متن میں اضطراب ہے کیونکہ اس میں ایسی باتیں ہیں جو ہجرت حبشہ ثانیہ سے تعلق رکھتی ہیں لیکن انھیں پہلی ہجرت میں درج کر دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو موسیٰ نے مکہ سے ⇦⇦⇦

Marfat.com

ہم ایک صحیح روایت کو بیان کرتے ہیں کہ علماء اور راہب جو نجاشی کی مجلس میں موجود تھے، انھوں نے قرآن سنا اس لیے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا تو ان کے آنسو بہہ نکلے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ [المائدہ: ۸۲، ۸۳] [1]

(تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے، اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور ان میں غرور نفس نہیں ہے۔ جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ وہ بول اٹھتے ہیں: ''پروردگار، ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔'')

بلاشبہ قریش کا مہاجر مسلمانوں کی واپسی کے لیے حبشہ کی طرف وفد بھیجنے کا اقدام اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں مسلمانوں کی اس پناہ گاہ کی اہمیت کا ادراک تھا جہاں مسلمان امن کے ساتھ رہ سکتے تھے، جب کہ حبشہ عیسائیوں کا ملک تھا اور وہ مکہ کے قریب تھا نیز اس کے بادشاہ کا

⇦⇦ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ صحیحین کے مخالف ہے۔ ابن کثیر اور ابن حجر نے اس حدیث کی سند کی تحسین کی ہے۔ (سیرتِ نبوی ابن کثیر: ۲/۱۱۔ فتح الباری: ۷/۱۸۹) اسی طرح ابو موسیٰ اشعری کی حدیث کا سیاق مصنف ابن ابی شیبہ ۱۴/۳۴۶، ۳۴۸ میں ہے۔ اس کی سند ابو اسحٰق سبیعی کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے اگرچہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی و بیہقی نے بھی (مستدرک حاکم: ۲/۳۰۹، ۳۱۰۔ دلائل بیہقی: ۳/۲۹۹، ۳۰۰) یہ صحیحین کے خلاف ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو موسیٰ کی ہجرتِ مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت اولیٰ ہے۔ ابن کثیر نے واضح کیا ہے کہ ابن اسحٰق کے کلام میں غرابت ہے اور یہ کہ وہ قابل التفات نہیں۔ (سیرتِ نبوی ابن کثیر: ۲/۹، ۱/۲۴۸) ان سے پہلے ابن حزم بھی یہ بات کہہ چکے ہیں۔ (جوامع السیرۃ ۸۵) اور ابن سیّد الناس (عیون الاثر: ۱/۱۱۸) بھی۔ شاید واقدی ہی پہلا شخص ہے جس نے اس بات پر متنبہ کیا۔ (زاد المعاد: ۳/۲۸۔ الدرر لابن عبدالبر: ۵۲۔ ط۔ شوقی)

[1] دیکھیے: تفسیر طبری: ۷/۳ میں صحیح اسناد کے ساتھ۔ اس کا کشف الاستار ۲/۲۹۷ میں بزار کی روایت سے تقابل کریں۔ اس کی سند ضعیف ہے، اس میں عمیر بن اسحٰق مقبول ہے اور اس میں عمرو بن عاص کے حبشہ میں جلد ہی اسلام قبول کر لینے کا ذکر ہے، حالانکہ یہ محفوظ روایت کے خلاف ہے۔

Marfat.com

عادل ہونا معروف تھا۔ یہ صورت حال قریش کی نظروں میں ان کے لیے مستقبل کا ایک خطرہ تھی۔

۔ حبشہ میں غالب نصرانیت کی مخالفت کے باوجود عیسیٰ علیہ السلام سے متعلقہ عقیدہ کے بارے میں مہاجرین کے صریح اور واضح بیان پر مبنی موقف تعجب اور عظمت کا احساس دلاتا ہے۔ وہ قریش کے سپرد کیے جانے کے خوف سے وہاں پر موجود پادریوں کی خوشامد کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا انجام بہتر بنا دیا اور دار ہجرت میں انھیں امن عطا فرمایا۔ [1] لیکن یہ کوئی راز نہیں ہے کہ وطن کو چھوڑنا آدمی پر کتنا بھاری ہوتا ہے، وہ بحالتِ مجبوری ہی ایسا کرتا ہے۔ مسلمان مہاجرین عرب تھے۔ وہ ایسے اجنبی ماحول میں رہ رہے تھے جو خون کی رشتہ داریوں کی بنیاد پر ان سے مربوط تھا نہ زبان کی بنیاد پر۔ وہ نصرانیت کے درمیان تھے جس کے عقائد ان کے عقائد سے متصادم تھے، ایک نجاشی تھا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اس نے اپنی قوم سے اسے چھپا رکھا تھا۔ [2] اس کی وضاحت اس مباحثہ سے ہوتی ہے جو مہاجرین خواتین میں سے ایک، حضرت اسماء بنت عمیسؓ کا حضرت عمرؓ سے ہوا جب کہ وہ حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ پہنچیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: ''ہم نے ہجرت میں تم سے سبقت کی اور ہم تمہاری نسبت رسول اللہ ﷺ کے زیادہ حق دار ہیں۔'' تو انھوں نے کہا: ''ہرگز نہیں، بخدا! تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس حالت میں تھے کہ اپنے بھوکوں کو کھلاتے اور اپنے جاہلوں کو سکھاتے تھے۔ جب کہ ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر، دُور حبشہ میں دشمنوں کے دیس میں تھے، اور ایذا اور خوف میں مبتلا تھے۔'' ان دونوں کے درمیان اس معاملے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس قول کے ساتھ فرمایا: ''تم میں سے کوئی دوسرے سے بڑھ کر میرا حق دار نہیں ہے۔ عمرؓ اور اس کے ساتھیوں کے

---

[1] طبرانی نے معجم کبیر: ۲/۱۰۹، ۱۱۱ میں اور ذہبی نے سیرت نبوی ۱۲۱، ۲۲۲ میں جعفر بن ابو طالب کی حدیث ذکر کی ہے کہ نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا: کیا تمھیں کوئی تکلیف پہنچتا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ تو اس نے منادی کو حکم دیا کہ وہ منادی کر دے کہ جو شخص ان مسلمانوں کو کوئی تکلیف دے گا تو اسے چار درہم جرمانہ ہوگا۔ پھر نجاشی نے پوچھا کہ کیا تمھیں یہ کافی ہے؟ تو ہم نے کہا کہ نہیں۔ تو اس نے وہ جرمانہ دگنا کر دیا۔ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کا دارومدار اسد بن عمرو کوفی عن مجالد بن سعید پر ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں اور انھیں ثقہ بھی کہا گیا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۶/۳۰)

[2] جس سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے، آپؐ نے نجاشی کو بھی خط ارسال فرمایا۔ حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے والے نجاشی اصحمہ کے علاوہ کوئی اور تھا۔ صحیح مسلم: ۳/۱۳۹۷۔

Marfat.com

لیے ایک ہجرت ہے اور تم کشتی والوں کے لیے دو ہجرتیں ہیں۔'' اس پر مہاجرین حبشہ کو بہت زیادہ مسرت ہوئی۔ ❶

ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان حبشہ میں تھیں کہ ان کا شوہر عبیداللہ بن جحش فوت ہو گیا ❷ تو رسول اللہؐ نے ان کو پیغام نکاح بھیجا، چنانچہ حبشہ میں ہی نجاشی نے آپؐ کا نکاح ان سے کیا اور چار ہزار درہم ان کے مہر میں ادا کیے، پھر اپنی طرف سے ان کی تیاری کرائی اور انھیں شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ روانہ کیا نیز ان کا پورے کا پورا سامان نجاشی کی طرف سے تھا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف کوئی چیز نہ بھیجی تھی۔ حالانکہ نبی ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات کے مہر چار سو درہم تھے۔ ❸

بہت سے مہاجرین حبشہ نے مدینہ کی طرف اس وقت ہجرت کی جب اسلام وہاں مستحکم ہو گیا۔ جعفرؓ بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں نے فتح خیبر ۷ھ تک ہجرت مدینہ کو مؤخر رکھا۔ ❹ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو جب مدینہ میں پر امن اسلام کے استحکام کی خبر پہنچی تو وہ اپنی قوم کے ۵۳ افراد پر مشتمل ایک جماعت کے ساتھ ہجرت مدینہ کے لیے کشتی میں سوار ہوئے لیکن ہواؤں نے انھیں ساحل حبشہ پر جا پھینکا۔ چنانچہ وہ مسلمانوں سے مل گئے اور وہ ان کے ساتھ رہے، تا آنکہ فتح خیبر کے وقت وہ سب مدینہ کی طرف لوٹے۔ ❺

---

❶ صحيح البخاري (فتح الباري: ٦/ ٢٣٧، ٧/ ١٨٨، ٤٨٤، ٤٨٧) صحيح مسلم مع شرح نووى: ١٦/ ٦٤، ٦٦.

❷ اہل مغازی کے ہاں مشہور ہے کہ وہ وفات سے پہلے نصرانی ہو گیا تھا۔ (سیر و مغازی ابن اسحٰق، ۲۵۹، واقدی جیسا کہ طبقات ابن سعد ۱/ ۲۰۸ میں ہے۔) ایک روایت میں آیا ہے کہ اس نے وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کی تھی۔ (موارد الظمآن ۳۱۲) اسنادِ حسن کے ساتھ۔ لیکن عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر فہمی جو کہ صدوق ہے (تقریب ۳۳۹) اپنے اس اضافے کے باعث معمر اور یونس عن الزہری جو کہ اس سے ثقہ ہیں، کی مخالفت کرتا ہے۔ امام نسائی کا خیال ہے کہ ابن مسافر عن الزہری کی روایت ابن ابی ذئب عن الزہری کے اُس طبقہ روایت میں سے ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اُس نے سماع نہیں کیا صرف مناولہ کیا ہے یعنی استاد نے شاگرد کو کتاب دے دی ہے یا ان لوگوں نے علم حدیث صرف ''عرض'' کی صورت میں حاصل کیا ہے۔ اس لیے حدیث کی بنیاد پر وصیت کا مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ (تہذیب التہذیب: ۹/ ۳۰۵)

❸ مسند احمد: ٦/ ٤٢٧۔ سنن ابو داؤد: ٢/ ٥٣٨، ٥٦٩۔ صحیح سند کے ساتھ۔ سنن نسائی: ٦/ ١١٩۔ مستدرك حاكم: ٢/ ١٨١۔ اس نے صحیح کہا اور ذہبی نے تائید کی۔ ❹ فتح الباری: ٧/ ٢٣٤.

❺ صحيح البخاري (فتح الباري: ٦/ ٢٣٧، ٧/ ١٨٨، ٤٨٤، ٤٨٥، ٤٨٧) صحيح مسلم مع شرح النووى: ١٦/ ٦٤، ٦٦.

Marfat.com

عمرؓ بن خطاب کا اسلام

عمرؓ بن خطاب کے اسلام لانے کا قطعی وقت کسی صحیح روایت سے متعین نہیں ہوتا البتہ ابن اسحاق نے حضرت عمرؓ کے اسلام کو ہجرت حبشہ کے بعد بیان کیا ہے اور ایک دوسری روایت یہ ہے کہ ہجرت حبشہ اولیٰ کے بعد ایمان لائے۔ ❶

واقدی نے ان کے اسلام لانے کا بعثت کے چھٹے سال ذی الحج میں ذکر کیا ہے جب کہ وہ ۲۶ سال کے تھے۔ ان کی روایات یہ بھی تعین کرتی ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس یا پچاس یا چھپن تھی جن میں سے ۱۰ یا ۱۱ خواتین تھیں۔ ❷

حضرت عمرؓ قوی اور رعب دار شخصیت کے مالک تھے۔ وہ مسلمانوں کو ایذا پہنچاتے اور ان پر سختی کیا کرتے۔ حضرت سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل جو حضرت عمرؓ کے چچازاد اور ان کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب کے شوہر تھے، بیان کرتے ہیں: ''بخدا میں اپنے آپ کو اس حال میں دیکھتا کہ عمر مجھے اسلام قبول کرنے کی پاداش میں باندھ دیا کرتے۔'' ❸ وہ انھیں اسلام کے سبب باندھ رکھتے تھے تاکہ انھیں ان کے دین سے روک دیں لیکن ان کی شدت کے پیچھے رحم و ہمدردی چھپی ہوتی۔ ام عبدؓ اللہ بنت ابی حثمہ --- جو مہاجرین حبشہ میں سے تھیں --- نے بیان کیا: ''بخدا! ہم حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے تھے اور عامرؓ اپنے کسی کام کی خاطر گھر سے باہر تھے۔ اچانک عمرؓ بن خطاب آ گئے، حتیٰ کہ وہ میرے سر پر آ کھڑے ہوئے --- جب کہ وہ شرک پر قائم تھے --- وہ ہمیں اذیت دیتے اور ہمارے ساتھ سختی کا سلوک کیا کرتے تھے۔ عمرؓ نے مجھ سے کہا: اے ام عبد اللہ کیا روانگی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اللہ کی قسم ہم زمین میں کہیں نکل جائیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ہماری نجات کا کوئی راستہ بنا دے۔ تم لوگوں نے ہمیں بہت ستا رکھا ہے۔

---

❶ فتح الباری: ۷/ ۱۸۳۔ مزید دیکھیے: سیرت ابن ھشام: ۱/ ۳۴۲.

❷ طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۶۹، ۲۷۰۔ واقدی متروک ہے اور وہی اس حدیث کا راوی ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عمر جو اپنے والد کے اسلام کے واقعہ کو سمجھتے تھے اور اسے روایت بھی کیا ہے اس وقت پانچ سال کے تھے۔ غزوۂ اُحد کے دن وہ چودہ سال کے تھے۔ یہ غزوہ بعثت کے سولہ سال بعد پیش آیا تو ان کی ولادت بعثت سے دو سال بعد ہوئی، لہٰذا حضرت عمر کا اسلام بعثت کے بعد چھ سال یا سات سال سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ (فتح الباری: ۷/ ۱۷۸)

❸ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۱۷۶)

Marfat.com

عمرؓ نے کہا: ''اللہ تمھارا ساتھی ہو۔'' وہ کہتی ہیں: ''میں نے ان سے وہ ہمدردی دیکھی جو پہلے نہ دیکھا کرتی۔ وہ چلے گئے اور ہمارے خروج کے بارے میں جو انھوں نے دیکھا اس پر رنجیدہ تھے۔''

ام عبداللہؓ نے کہا: ''عامرؓ اپنی ضرورت پوری کر کے آئے۔ میں نے ان سے کہا: ''اے ابو عبداللہ، کاش! آپ ابھی ابھی عمرؓ کی رقت اور اس کا غم دیکھتے۔''

عامرؓ نے کہا: ''کیا تمھیں اس کے اسلام لانے کی امید ہے؟ میں نے کہا: ''ہاں۔'' عامرؓ نے کہا: ''جس شخص کو ابھی تم نے دیکھا ہے وہ اسلام نہیں لائے گا تا آنکہ خطاب کا گدھا مسلمان ہو جائے۔'' ام عبداللہ نے کہا: ''عامرؓ نے یہ بات مایوسی کے عالم میں کہی کیونکہ وہ عمرؓ سے اسلام سے متعلق سنگدلی کا مظاہرہ دیکھا کرتے تھے۔'' ❶

معلوم ہوتا ہے کہ اس خاتون کا ادراک زیادہ قوی تھا۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے کہ وہ عمرؓ کے ذریعے اپنے دین کی نصرت فرمائے۔ ❷ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا کو قبول فرمایا اور عمرؓ مسلمان ہو گئے۔ ان کے ذریعے اسلام کو قوت حاصل ہوئی اور مسلمانوں نے بیت اللہ شریف میں مشرکین کی محاذ آرائی کے بغیر نماز ادا کی۔

---

❶ سیرت ابن ہشام: ۳۴۲/۱ ایسی سند کے ساتھ جس میں عبدالرحمٰن بن حارث صدوق ہے مگر وہمی ہے اور اس میں عبدالعزیز بن عبداللہ بن عامر تابعی کبیر ہیں۔ بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان کا ترجمہ لکھا ہے اور اس کے متعلق نہ جرح کی ہے نہ تعدیل۔ (تاریخ کبیر، ٦/ ١٣، جرح وتعدیل ٥/ ٣٨٥، تعجیل المنفعة ٢٦١) اور صرف ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ (الثقات: ۱۱۰/۷) وہ اپنی ماں سے حدیث بیان کرتے ہیں اور وہ واقع کی عینی شاہد ہیں۔

❷ سنن ترمذی: ۶۱۷/۵ اور انھوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور ابن عمر کی حدیث میں سے ہے۔ اس کی سند میں خارجہ بن عبداللہ صدوق ہے اور اس کے بارے میں اعتراضات ہیں۔ (فتح الباری: ۴۸/۷) ابن عباس کی حدیث میں سے اس کے شواہد بھی ہیں۔ (معجم اوسط طبرانی: ۳۴۴/۱) اس کی سند میں مبارک بن فضالہ صدوق، مدلس ہے اور تدلیس تسویہ بھی کرتا ہے۔ فقط اسی نے اپنے شیخ سے سماع کی صراحت کی ہے۔ (دیکھیے: تقریب التہذیب: ۵۱۹) ابن مسعود کی حدیث سے بھی اس کے شواہد ہیں۔ (معجم کبیر طبرانی: ۱۹۶/۱۰، ۱۹۷) اس کی سند میں مجالہ بن سعید ہے جو آخر عمر میں حافظے کے لحاظ سے متغیر ہو گئے تھے۔ اس میں ایک راوی محمد بن حسن اسدی صدوق ہے، نرم ہے۔ (تقریب: ۴۱۷، ۵۲۰) عائشہ کی حدیث بھی شاہد ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۹/۱) اس کی سند میں محمد بن عبید، عبدالملک بن ماجشون اور مسلم بن خالد زنجی کی روایت کے سبب سے ضعف ہے۔ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

Marfat.com

ابن مسعودؓ نے کہا: ''عمرؓ کے اسلام لانے کے وقت سے ہمیں قوت حاصل ہے۔ ❶ نیز کہا: ہم سمجھتے تھے کہ ہم بیت اللہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے جب تک کہ عمرؓ مسلمان نہ ہو جائے۔ پھر جب عمرؓ مسلمان ہو گئے تو وہ مشرکین سے لڑے تا آنکہ انھوں نے ہماری نمازوں میں مزاحم ہونا ترک کر دیا۔ ❷ مزید کہا: ''ان کا ایمان لانا نصرت کا مظہر تھا۔ ❸

جب حضرت عمرؓ کو نیزہ مارا گیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا: ''آپؓ ایمان لائے، آپ کا ایمان لانا اسلام کی قوت کا باعث بنا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کے ذریعے اسلام، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ کو غلبہ عطا فرمایا۔'' ❹ عبداللہ بن عمرؓ نے ذکر کیا ہے اور وہ عینی شاہد ہیں: ''عمرؓ بن خطاب جب اسلام لائے تو قریش کی طرف سے کوئی رد عمل سامنے نہ آیا۔'' انھوں نے کہا: ''جب میرے ابا عمرؓ اسلام میں داخل ہوئے تو پوچھا: قریش میں سب سے زیادہ بات کو پھیلانے والا کون ہے؟ بتایا گیا: جمیل بن معمر الجمحی۔ عبداللہ کہتے ہیں: عمرؓ صبح صبح اس کے پاس پہنچے، میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا تا کہ دیکھوں کیا کرتے ہیں۔ میں اس وقت لڑکا تھا اور جو کچھ دیکھتا اسے سمجھتا تھا۔

عمرؓ جمیل کے پاس جا پہنچے، انھوں نے اسے کہا: اے جمیل! کیا تمھیں پتا چل گیا ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور دین محمدؐ میں داخل ہو گیا ہوں؟ عبداللہ نے کہا: بخدا! عمرؓ اس سے مڑے بھی نہیں کہ وہ اپنی چادر کھینچتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ عمرؓ اس کے پیچھے تھے اور میں ان کے پیچھے تھا۔ جمیل مسجد کے دروازے پر آ رکا اور باآواز بلند چیخا: ''اے گروہ قریش -- اور وہ کعبہ کے اردگرد اپنی مجالس میں بیٹھے تھے -- سن لو، عمرؓ بے دین ہو گیا ہے۔''

عمرؓ اس کے پیچھے کہہ رہے تھے: ''یہ جھوٹا ہے، میں مسلمان ہوا ہوں اور شہادت دیتا ہوں: اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔''

چنانچہ قریش ان پر پل پڑے اور عمرؓ ان سے لڑتے اور وہ عمرؓ سے لڑتے رہے، حتی کہ

---

❶ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۴۱، ۱۷۷)

❷ طبقات ابن سعد ۳/ ۲۷۰ صحیح سند کے ساتھ اور محمد بن عبید ثقہ ہے۔ اس کا الفاظ میں اضافہ صحیح ہے۔

❸ معجم کبیر طبرانی: ۹/ ۱۸۱ حسن سند کے ساتھ۔

❹ معجم اوسط طبرانی: ۱/ ۳۴۴ حسن سند کے ساتھ۔

Marfat.com

سورج ان کے سروں پر آ گیا۔ اس وقت عمرؓ تھک گئے اور بیٹھ گئے۔ ❶ قریش ان کے سر پر کھڑے تھے اور وہ کہہ رہے تھے: ''کرلو جو کچھ کرنا چاہو۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم تین سو ہوگئے تو یا ہم تمہارے لیے کعبہ کو چھوڑ دیں گے یا تم اسے ہمارے لیے چھوڑ دو گے۔'' عبداللہ کہتے ہیں: اس دوران میں قریش کے ایک شیخ آئے، وہ ایک مزین چادر اور کاڑھی ہوئی قمیض میں ملبوس تھے۔ وہ ان کے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور کہا: کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا: کہ عمرؓ بے دین ہوگیا ہے۔ تو شیخ نے کہا: واہ!۔ ایک آدمی نے اپنے لیے ایک امر پسند کرلیا ہے تو تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تمھارا خیال ہے کہ بنی عدی بن کعب اپنا آدمی اس طرح تمھارے سپرد کردیں گے؟ چھوڑو اسے۔'' عبداللہ کہتے ہیں بخدا! گویا کہ (قریش) ایک کپڑا تھے جسے عمرؓ نے جھاڑ دیا۔'' ابن عمرؓ کو --بعد میں-- اپنے ابا سے معلوم ہوا کہ جس نے حضرت عمرؓ کو پناہ دی تھی وہ عاص بن وائل سہمی تھا۔ ❷

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعے پر قریش میں شدید ردعمل ہوا حتی کہ وادی ان سے کھچا کھچ بھرگئی۔ وہ انھیں قتل کرنا چاہتے تھے لیکن عاص کی پناہ آڑے آئی۔ ❸

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا کعبہ کے پاس قرآن کی تلاوت فرمانا اور حضرت عمرؓ کا اس کے پردے میں چھپ کر سننا، ❹ نیز ان کا اپنی بہن فاطمہؓ کو اسلام لانے کی پاداش میں

---

❶ النہایۃ لابن اثیر: ۳/ ۱۳۱

❷ سیرت ابن ہشام: ۱/ ۲۹۸، ۲۹۹۔ سیرت ابن اسحق: ۱۸۴، ۱۸۵ سند حسن کے ساتھ اور حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ اسناد جید قوی ہے۔ (السيرة النبويه ابن كثير: ۲ / ۳۸، ۳۹) امام بخاری نے عاص بن وائل کے عمر کو پناہ دینے کا قصہ اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (فتح الباری: ۷/ ۱۷۷)

❸ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۱۷۷)

❹ مسند احمد: ۱/ ۱۷، ۱۸ میں شریح بن عبید تک صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے لیکن یہ ضعیف مرسل ہے کیونکہ شریح نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ (مجمع الزوائد: ۹/ ۶۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱۴/ ۱۰۳ اس کی سند میں ابوالزبیر مدلس کا عنعنہ ہے۔ سیاق میں اختلاف ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو دونوں مرسل روایتیں اپنے اختلاف مخارج کی وجہ سے مضبوط ہوجاتیں۔ ابوالزبیر اپنی جن احادیث میں سماع کی صراحت کرلے وہ صحیح ہیں اور اُن میں سے وہ احادیث جن کے تمام طرق میں اس سے عَنْ کے ساتھ روایت ہوئی ہیں تو اگر یہ اس سے لیث کی روایت ہے تو وہ صحیح ہے اور اگر لیث کے علاوہ کسی اور کی روایت ہے تو وہ ضعیف ہے کیونکہ ابوالزبیر مدلس ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ اس کا واسطہ ضعیف ہو۔

Marfat.com

تھپڑ مارنا اور ان کے شوہر سعید بن زید کو بھی زدوکوب کرنا، تب ان کا صحیفہ سے مطلع ہونا جس میں قرآن کی آیات تھیں اور پھر ان کا اسلام میں داخل ہونا، ❶ ان قصوں کی کوئی چیز صحیح طریق سے ثابت نہیں۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے کہ ان کا اسلام میں داخلہ اپنی بہن کے گھر قرآن سننے کے سبب سے ہے۔ ❷

بلاشبہ قرآن کے سحر انگیز بیان، قیامت، جنت اور جہنم کے مناظر کی مرعوب کن تصویر کشی میں عمرؓ پر مسلمانوں کی صف میں کھینچ لانے کے لیے بلا کی تاثیر تھی۔ وہ قرآن کا کلام بلیغ سنا کرتے اور اس پر تعجب کا اظہار کیا کرتے۔ حدیث کی رو سے روایات کے عدم ثبوت سے حتمی طور پر یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ واقعہ تاریخی طور پر ہوا ہی نہیں۔

مسلمانوں کا شعب ابی طالب میں محصور ہونا

رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ کی تعیین فرمادی جس کا تعلق قریش کی اس قسم سے تھا جو انھوں نے کفر پر کھائی --- یعنی بنو ہاشم کے مقاطعہ پر ان کا باہم معاہدہ --- کہا گیا ہے کہ وہ خیف بنی کنانہ تھی، ❸ یہ خبر ابوالاسودؒ اور زہریؒ کی مرسل میں بالتفصیل ہے ❹ اور ان کے استاد عروہ بن زبیرؒ کی مرسل میں بھی ہے۔ ❺ اور قوی احتمال ہے کہ ابوالاسودؒ اور زہریؒ عروہ بن زبیرؒ سے یہ خبر

---

❶ طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۶۷، ۲۶۹۔ دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/ ۲۱۹۔ دونوں نے ایسی سند سے بیان کیا ہے جس میں قاسم بن عثمان بصری ضعیف ہے اور اس کا متن نہایت منکر ہے۔ (میزان الاعتدال: ۳/ ۳۷۵) فضائل صحابہ لاحمد ۱/ ۲۸۵، ۲۸۸ عبداللہ کی زیادت سے ایسی سند کے ساتھ جس میں اسحٰق بن ابراہیم حنینی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہے اور دونوں ضعیف ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۸۹، ۹۹) ان دونوں کے متن آپس میں متعارض ہیں۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ اس نے صحیفہ سے سورۂ طٰہٰ کی آیات پڑھیں، مگر عبداللہ بن احمد کی روایت میں ہے کہ سورۂ حدید کی آیات تھیں۔

❷ فتح الباری ابن حجر: ۷/ ۱۷۶۔

❸ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۱۹۲، ۸/ ۱٤) نووی نے کہا ہے کہ محصب، ابطح، بطحاء اور خیف بنی کنانہ ایک ہی چیز کا نام ہے۔ (شرح صحیح مسلم نووی: ۹/ ۵۹)

❹ ابوالاسود اور زہری تک حسن سند کے ساتھ۔ (دلائل البیہقی: ۲/ ۳۱۱، ۳۱٤۔ الدرر فی اختصار المغازی والسیر لابن عبدالبر: ۲۷، ۳۰)

❺ عروہ تک ضعیف سند کے ساتھ۔ اس میں محمد بن عمرو بن خالد حرانی ہے، اس کے ترجمہ پر میں آگاہ نہیں ہوسکا اور ابن لہیعہ ضعیف ہے۔ (الدلائل لابی نعیم: ۱/ ۳۵۷، ۳٦۲۔ دلائل بیہقی: ۲/ ۳۱٤)

Marfat.com

روایت کرتے ہوں جب کہ ایک ہی مخرج سے نکلی ہوئی مرسل روایت، ❶ راویوں کے متعدد ہونے کے سبب قوی نہیں ہوجاتی۔

اگرچہ شعب ابی طالب میں مسلمانوں کے داخلے کی تفصیلات کی روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی تاہم واقعہ کی حقیقت اپنی جگہ ثابت شدہ ہے۔ ❷ نیز اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ واقعہ کی تاریخی تفصیلات ثابت نہیں، کیونکہ عروہ بن زبیرؓ مغازی کے امام ہیں اور زیادہ تر صحابہؓ سے ہی روایت کرتے ہیں۔ ان کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ گھاٹی (شعب) میں آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے محصور ہونے کا واقعہ قریش کی اس ناکامی کے بعد کا ہے جو انھیں مسلمان مہاجرین کو حبشہ سے واپس لانے میں ہوئی۔ جس نے مخالفت کو مزید ابھارا، آزمائش نے مسلمانوں پر شدت اختیار کرلی اور قریش نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ چنانچہ بنوعبدالمطلب نے فیصلہ کرلیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی گھاٹی (شعب ابی طالب) میں داخل کرکے ان کی حفاظت کریں۔ یوں سب کے سب مسلمان اور کافر بھی شعب میں داخل ہو گئے۔ دوسری طرف مشرکین نے فیصلہ کرلیا کہ وہ ان کے ساتھ نہ بیٹھیں گے، نہ ان کے ساتھ میل جول رکھیں گے، نہ ان کے ساتھ خرید وفروخت کریں گے اور نہ ان کے گھروں میں داخل ہوں گے حتی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ان کے سپرد کردیں۔ اس بارے میں انھوں نے ایک تحریر تیار کرلی۔ بنوہاشم گھاٹی میں تین سال رہے، آزمائش، سختی اور بھوک کی شدت کا انھیں سامنا تھا۔ جب اس حال میں تین سال پورے ہوگئے تو قریش کے بعض افراد نے اس واقعہ پر ایک دوسرے کو ملامت کی اور انھوں نے اس عہد نامہ کو پھاڑ دینے پر اتفاق کرلیا۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے خبر دی کہ اس ورق میں شرک اور ظلم کے کلمات کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ اس طرح مقاطعہ اپنے انجام کو پہنچا۔ ❸

---

❶ یعنی ابوالاسود اور زہری کی دو مرسل روایتیں، جبکہ یہ دونوں اُن تک سند کے لحاظ سے عروہ کی اس مرسل روایت سے قوی ہیں، جو اس سے صحیح طریق سے ثابت نہیں ہے۔

❷ ابن حجر کہتے ہیں کہ چونکہ اس قصہ کے بارے میں بخاری کے ہاں کوئی بات صحیح ثابت نہیں ہے اس لیے اس نے ابوہریرہ کی حدیث لانے پر ہی اکتفا کیا کیونکہ اس میں اصل قصہ دلالت پر ہے اور اس لیے بھی کہ اہل مغازی نے اسی حدیث کو نبیؐ کے فرمان "تقاسموا علی الکفر" کی شرح کے طور پر وارد کیا ہے۔ (فتح الباری: ۷/۱۹۳)

❸ ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ کفار نے دیکھا کہ اس عہد نامہ کے تمام الفاظ کو اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا ⇦⇦⇦

Marfat.com

موسیٰ بن عقبہؒ کی روایت ہے کہ مشرکین نے بنی ہاشم کو شعب کی طرف نکالا تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو سرزمین حبشہ کی طرف نکل جانے کی ہدایت فرمائی۔ لہٰذا شعب کا حصار اور حبشہ کی طرف ہجرت دونوں ایک ہی وقت میں وقوع پذیر ہوئے۔

زہریؒ نے بیان کیا ہے کہ شعب سے خروج کے وقت نبی ﷺ کی عمر ۴۹ سال تھی۔ آپؐ اور بنو ہاشم کا گھاٹی سے نکلنا (بعثت سے) دسویں سال تھا اور یہ کہ آپؐ شعب میں دو سال رہے۔ ❶ اور کہا جاتا ہے کہ مہاجرین کی حبشہ سے مکہ کی طرف واپسی شعب سے نکلنے کے بعد ہوئی۔ ❷ اس طرح سے شعب میں ان کی قید بعثت سے ساتویں سال کے آخر میں شروع ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش کے لیے بددعا کی چنانچہ وہ قحط میں مبتلا ہو گئے حتیٰ کہ انھوں نے مردار اور سوکھی کھالیں کھائیں۔ چنانچہ ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپؐ سے رحم کی اپیل کی، نیز اہل مکہ کے لیے دعا کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے آیت:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآئَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ﴾

[الدخان: ۱۰ تا ۱۵]

(اچھا، انتظار کرو اس دن کا جب آسمان صریح دھواں لیے ہوئے آئے گا اور وہ لوگوں پر چھا جائے گا، یہ ہے دردناک سزا۔ (اب کہتے ہیں کہ) ''پروردگار، ہم پر سے یہ عذاب ٹال دے، ہم ایمان لاتے ہیں'' ان کی غفلت کہاں دور ہوتی ہے؟ ان کا حال تو یہ ہے کہ ان کے پاس رسول مبین آ گیا پھر بھی اس کی طرف ملتفت نہ ہوئے اور کہا کہ یہ تو سکھایا پڑھایا باؤلا ہے۔ ہم ذرا عذاب ہٹائے دیتے ہیں، تم لوگ پھر وہی کچھ کرو گے جو پہلے کر رہے تھے) اور دیکھنے والے کو

⇐⇐ مٹی نے کھا لیا ہے۔ ابن اسحٰق، موسیٰ بن عقبہ اور عروہ نے اس کے برعکس کہا ہے کہ مٹی نے جہاں جہاں اللہ کا نام آیا تھا، اُسے کھا لیا اور اس میں جو کچھ ظلم اور قطع رحمی کے متعلق عبارت تھی، وہ باقی بچی (فتح الباری: ۱۹۲/۷) مزید دیکھیے: محمد باقشیش کی جمع کی ہوئی مغازی موسیٰ بن عقبہ ۱۲۶/۱، ۱۲۷، سیرت ابن ہشام: ۳۷۷/۱۔

❶ کہا گیا ہے کہ ان کا محاصرہ بعثت کے ساتویں سال محرم میں شروع ہوا۔ ابن اسحٰق کا کہنا ہے کہ وہ دو سال یا تین سال اسی حالت پر قائم رہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے تین سال یقینی طور پر بتائے ہیں۔ (فتح الباری: ۱۹۲/۷)

❷ مقریزی کی امتاع الاسماع ۲۶، موسیٰ بن عقبہ عن ابن شہاب کے طریق سے مرسل ہے۔

Marfat.com

آسمان وزمین کے درمیان دھوئیں کی کیفیت نظر آتی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو ہٹا دیا، مگر وہ پھر کفر کی طرف پلٹ گئے۔ ❶

جناب ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات

بنو ہاشم نے شعب ابی طالب کو چھوڑا ہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کے چچا ابوطالب --جن کا نام عبد مناف تھا-- کی وفات کا صدمہ پیش آیا اور یہ بعثت کے دسویں سال کے آخری دنوں کا واقعہ ہے۔ ❷ جناب ابوطالب آپؐ کا خیال رکھتے، آپؐ کا دفاع کرتے ❸ اور آپؐ کی مدد کرتے تھے۔ ❹ قریش ان کا احترام کیا کرتے، ان کی وفات کے وقت قریش کے زعما ان کے پاس آئے اور انھوں نے ابوطالب کو اپنے دین سے منسلک رہنے اور اسلام میں داخل نہ ہونے کی یہ کہتے ہوئے ترغیب دی: کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے پھر جائیں گے؟ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ کہتے ہوئے راغب کیا: لا الہ الا اللہ کہیے، میں روز قیامت اسکے ساتھ آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔ تو ابوطالب نے کہا: اگر قریش مجھے اس کے سبب عار نہ دلاتے کہ موت کے خوف نے مجھے ایسا کرنے پر آمادہ کیا تو میں یہ کہہ کر آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ ❺ [القصص:٥٦] (اے نبیؐ تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)

ابوطالب کے ذہن میں جاہلیت کے افکار راسخ تھے اور وہ ان میں کوئی تبدیلی نہ

---

❶ صحيح البخاري (فتح الباري: ٨/ ٥١١، ٥٤٧، ٥٧١، ٥٧٢، ٥٧٣، ٥٧٤، ٢/ ٥١٠، ٤٩٣) صحيح مسلم مع شرح نووی: ١٧/ ١٤٠، ١٤٢.

❷ فتح الباری: ٧/ ١٩٤.

❸ صحيح البخاری (فتح الباری: ٧/ ١٩٣)

❹ صحيح مسلم: ١/ ١٩٥.

❺ صحیح البخاری (فتح الباری ۸/۵۰۶)، صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱/۲۱۳، ۲۱۶ میں نے دونوں صحیح روایتوں کو باہم ملا دیا ہے۔ مگر ابن اسحٰق کی روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب مسلمان ہوگئے تھے اس کی سند میں ایک مبہم راوی ہے اس لیے ضعیف ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۴۶، ۴۷) اور دیکھیے: ابوطالب سے عذاب کی تخفیف کی حدیث صحیح البخاری میں (فتح الباری: ۱۰/۵۹۲) صحیح مسلم مع شرح نووی: ۳/۸۴، ۸۵۔

Marfat.com

لا سکے۔ بوڑھے ہو چکے تھے، انھیں اپنے خیالات جو اپنے آبا و اجداد سے ملے تھے، میں تبدیلی مشکل نظر آئی۔ ان کی وفات کے وقت ان کے ہم پایہ قریش موجود تھے، وہ ان پر اس خوف سے اثر انداز ہوئے کہ ان کے اسلام لانے کی خبر پھیل جائے گی اور ان کی قوم پر اس کا اثر ہو گا۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابو طالب کو اپنے ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''برادر زادے بخدا! میرے بھائی نے وہ کلمہ کہہ دیا تھا جسے کہنے کے لیے آپ نے انھیں کہا تھا۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے نہیں سنا۔'' اور وہ ایسی خبر ہے جو صحیح نہیں۔ ❶ بہر حال ابو طالب کی موت نے رسول اللہ ﷺ سے بڑا سہارا چھین لیا۔ ابو طالب کے بعد بنو ہاشم آپ کی حمایت میں پہلے کی طرح مستعد نہ رہ سکے، اس خوف سے کہ مبادا انھیں مالی و جانی نقصان پہنچے جس طرح کہ مقاطعہ کے واقعہ سے انھیں پہنچا تھا۔ ❷

نبی ﷺ کا نصرت کی طلب میں طائف کا سفر اور اس میں ناکامی کے بعد اسی مقصد کے لیے دیگر قبائل کی طرف آپ کا بتکرار جانا اس صورت حال کی وضاحت کرتا ہے۔

نبی ﷺ نے ابو طالب سے وعدہ کر رکھا تھا کہ آپ ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے جب تک کہ آپ اس سے منع نہ کر دیئے گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مدنی دور کے آخر میں مشرکین کے لیے استغفار سے روک دیا اور فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ [التوبة: ۱۱۳] ❸

---

❶ سیرت ابن ہشام: ۱/ ۴۱۷ ایک ضعیف سند کے ساتھ جس میں ایک مبہم راوی ہے چہ جائیکہ یہ صحیحین کی حدیث کا مقابلہ کرے، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ عباس اس وقت تک اسلام بھی نہیں لائے تھے، لہٰذا ان کی یہ روایت قبول نہیں ہو سکتی۔ اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود پوچھا تھا کہ کیا آپ نے ابو طالب کو کوئی فائدہ پہنچایا؟ اگر انھیں ابو طالب کے اسلام کا علم ہوتا تو وہ ان کے بارے میں سوال نہ کرتے۔ (فتح الباری: ۷/ ۱۹۴)

❷ محاضرات صالح العلی: ۱/ ۳۷۵، ۳۷۶.

❸ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۱۹۳، ۸/ ۳٤۱، حدیث نمبر: ٤٦٧٥، امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ ۱/ ٥٤۔ احمد نے مسند میں جیسا کہ الفتح الربانی ۱۸/ ۱٦٥ میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد میں مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگی تھی۔ اللهم اغفر لقومي فانهم لا يعلمون. جیسا کہ صحیح مسلم ۳/ ۱۴۱۷ میں حدیث نمبر: ۱۷۹۲ میں ہے۔ اور آپ نے عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق کے لیے اس کی موت کے ⇦⇦⇦

Marfat.com

(نبیؐ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں چاہے وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جب کہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں)

ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ بنت خویلد نبی ﷺ کی مدینہ کی ہجرت سے تین سال قبل ابوطالب کے سال وفات میں ہی رحلت فرما گئیں۔ ❶

آپ ﷺ کا سفر طائف

آپؐ کا طائف کی طرف سفر جناب ابوطالب کی وفات کے بعد قریش کی مخالفت میں شدت آ جانے کے نتیجے میں تھا۔ نبی ﷺ نے دعوت کے لیے نئے مرکز کے حصول کی کوشش فرمائی اور قبیلہ ثقیف سے مدد مانگی۔ لیکن ثقیف نے آپؐ کی دعوت کو قبول نہ کیا اور لڑکوں کو آپؐ پر پتھراؤ کرنے پر لگا دیا۔ طائف سے واپسی پر آپؐ کی عداس سے ملاقات ہوئی جو نصرانی تھا اور مسلمان ہو گیا۔ واقدی نے اس سفر کی تاریخ کا تعین بعثت کے دسویں سال شوال میں جناب ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد کیا ہے اور بتایا ہے کہ طائف میں آپؐ دس دن ٹھہرے۔ ❷

یہ جملہ تفصیلات مغازی کے مصنفین نے بیان کی ہیں ❸ لیکن کوئی صحیح روایت نہیں آئی سوائے حضرت عائشہؓ کی روایت کے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے پوچھا: کیا آپؐ پر کوئی ایسا دن بھی آیا جو احد کے دن سے شدید تر تھا؟ آپؐ نے فرمایا: ''یقیناً میں نے تیری قوم سے ایسا دن پایا ہے اور وہ یوم عقبہ (طائف کا دن) تھا جو یوم احد سے شدید تر تھا۔ ❹ جب میں عبد یالیل بن

⇦⇦ وقت دعا کی جیسا کہ صحیح البخاری (الفتح: ۳۳۳/۸) میں ہے اور صحیح مسلم: ۸۶۵/۴ اور مسند احمد (الفتح الربانی: ۵۰۶/۸) میں ہے۔

❶ صحیح البخاري (فتح الباري: ۷/ ۲۲٤)

❷ طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۲۱ اور واقدی متروک الحدیث ہے۔

❸ سیرت ابن ہشام: ۴۱۹/۱، ۴۲۲ صحیح سند کے ساتھ لیکن یہ محمد بن کعب قرظی کی مرسل روایت ہے اور ابن ہشام کے ہاں طائف کے سفر کی معلومات کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے۔

❹ اس سے مراد طائف کی عقبہ نامی جگہ ہے اس سے مراد منیٰ میں عقبہ کی گھاٹی نہیں جس میں انصار مدینہ اکٹھے ہوتے تھے۔ (زرقانی کی شرح مواہب: ۲۹۸/۱)

Marfat.com

عبد کلال ❶ کے پاس گیا تو اس کا جواب میری منشا کے خلاف تھا۔ میں رنجیدہ خاطر واپس ہوا اور قرن ثعالب کے قریب مجھے افاقہ ہوا۔ ❷ میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے، اس میں جبرائیل علیہ السلام نظر آیا، اس نے مجھے آواز دی اور کہا: اللہ عزوجل نے آپؐ کی قوم کی آپؐ کے ساتھ گفتگو کو سن لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتہ کو آپؐ کے پاس بھیجا ہے کہ آپؐ اسے ان لوگوں کے بارے میں جو چاہیں حکم کریں۔'' آپؐ نے فرمایا: چنانچہ پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی اور مجھے سلام کیا اور کہا: ''اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی قوم کی بات سن لی ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، آپ کے رب نے مجھے بھیجا ہے کہ آپؐ جو چاہیں مجھے کرنے کا حکم دیں۔ آپؐ چاہیں تو دو پہاڑوں کے درمیان انھیں پیس دوں؟'' ❸

رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا: ''نہیں، بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا فرمائے گا جو اللہ واحد کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو ذرہ برابر شریک نہ ٹھہرائے گی۔'' ❹ یہ روایت طائف کے سفر، اہل طائف کی آپؐ کے ساتھ شدید بدسلوکی اور ان کی سزا کے لیے آپؐ کو کی گئی پیش کش، آپؐ کا ان پر رحم اور انھیں باقی رکھنے کی رغبت نیز آخر میں کئی برس کے گزر جانے کے باوجود آپؐ کے دل میں اس المناک سفر کی یاد کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

لیکن ثقیف کے متعلق اس قول کے ساتھ دعا (اللهم اليك اشكو ضعف قوتي.... الخ) اور آپ کی عداس کے ساتھ ملاقات صحیح طریق سے ثابت نہیں ہوتی۔ ❺

---

❶ اہل طائف میں سے بنو ثقیف کا ایک بڑا سردار تھا۔ (فتح الباری: ۶/۳۱۵)

❷ قرن الثعالب ہی قرن المنازل ہے۔ یہ اہل نجد کا مکہ جاتے ہوئے مکہ سے فاصلے پر میقات ہے۔ (معجم البلدان لیاقوت: ۴/۳۳۲)

❸ مکہ کے دو پہاڑ مراد ہیں۔

❹ صحيح البخاري (فتح الباري: ٦/ ٣١٢، ٣١٣) صحيح مسلم: ٣/ ١٤٢٠ اور حدیث کے الفاظ امام مسلم کے ہیں۔

❺ اسے ابن اسحاق نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے لیکن یہ محمد بن کعب قرظی کی مرسل روایت ہے۔ مرسل روایت ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے، جسے صرف چند قرائن کے ساتھ ہی دلیل و حجت بنایا جا سکتا ہے۔ اور اللھم الیک اشکو...... کی دعا والی حدیث کو بغیر سند کے بیان کیا ہے اسی طرح عداس کا قصہ بھی بغیر اسناد کے بیان ہوا ہے۔ زہری اور موسیٰ بن عقبہ نے عداس کا قصہ مرسل طریق سے بیان کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ سیوطی: ۱/۳۰۰) مرسل روایات ایک ⇦⇦⇦

Marfat.com

اسانید قصہ عداس

البیہقی

: الزھری (مرسلا)

: موسیٰ بن عقبہ (مرسلا)

محمد بن اسحاق (مرسلاً)

یہ مراسیل ایک دوسرے کو تقویت نہیں دیتیں کیونکہ ان کا مخرج ایک ہی ہے۔ اس لیے کہ ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ دونوں زہریؒ کے شاگرد ہیں۔

اسراء اور معراج

طائف کے المناک سفر کے بعد اسراء اور معراج کا واقعہ پیش آیا، جو رسول اللہ ﷺ کی دلجوئی کے لیے تھا۔ زہریؒ نے اس کی تاریخ مدینہ کی طرف ہجرت سے ایک سال پہلے بیان کی ہے۔ [1] اسراء اور معراج کا واقعہ نص قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ﴾ [بنی اسرائیل: ۱]

⇦⇦ دوسری کے ساتھ مل کر اس حال میں تقویت پاتی ہیں جب کہ ان کے مخارج الگ الگ اور متعدد ہوں۔ یہاں متعدد مخارج نہیں ہیں۔ ابن اسحٰق اور موسیٰ بن عقبہ دونوں زہری کے شاگرد ہیں۔ یہ صرف اس لحاظ سے قوی ہے کہ دونوں نے زہری سے یہ روایت لی ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۱۹، ۴۲۱، تاریخ طبری: ۲/۳۴۴، ۳۴۶) طبرانی نے حدیث ''اللھم الیك اشکو ...... ''عبداللہ بن جعفر سے روایت کی ہے۔ لیکن اس کی سند میں ابن اسحٰق مدلس ہے۔ یہ ثقہ ہے اور اس کے باقی رجال بھی ثقہ ہیں۔ (ہیثمی کی مجمع الزوائد: ۶/۳۵) مگر میں معجم طبرانی کبیر میں اس روایت سے آگاہ نہیں ہو سکا، کیونکہ وہ ناقص ہے۔

[1] دلائل نبوت بیہقی: ۲/۳۵۴۔ تاریخ اسلام ذہبی: ۱/۱۴۱۔ یہی قول عروہ کا بھی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ۳/۱۰۷) ابن اسحٰق نے اس کی تاریخ بعثت سے دس سال بعد کی بیان کی ہے ابو طالب اور خدیجہؓ کی وفات سے پہلے (سیرت ابن ہشام: ۱/۳۹۶، البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ۳/۱۰۷) اسماعیل سدی نے ذکر کیا ہے کہ اسراء ہجرت سے سولہ ماہ پہلے ہوا ہے، مگر بخاری نے اسراء کا تذکرہ ابو طالب کی وفات کے بعد کیا ہے۔ (فتح الباری: ۷/۱۹۶)

Marfat.com

(پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تا کہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا)

جبرائیل علیہ السلام کا رسول اللہ ﷺ کا سینہ چاک کرنا، اسے آب زمزم سے دھونا اور اسے حکمت و ایمان سے پر کرنا اس موضوع سے متعلقہ روایات صحیح ہیں۔

صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ابوذرؓ بتایا کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مکہ میں میرے قیام کے دوران میرے گھر کی چھت کو کھولا گیا اور جبرائیل علیہ السلام نازل ہوا، اس نے میرا سینہ چاک کیا اور اسے آب زمزم سے دھویا۔ پھر سونے کا ایک تھال لایا جو حکمت و ایمان سے بھرا ہوا تھا اور اسے میرے سینے میں انڈیل دیا، پھر سینے کو درست کر دیا، پھر مجھے ہاتھ سے پکڑا اور آسمان دنیا پر لے گیا... ❶

دیگر صحیح روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں تھے، حطیم یا مسجد حرام کے شمالی گوشے میں تھے جب آپؐ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور اسے دھویا گیا۔ ❷ ان روایات کو جمع کیا جا سکتا ہے اس طرح کہ آپؐ اپنے گھر میں تھے، پھر جبرائیل علیہ السلام آپؐ کو مسجد حرام میں لے آئے ❸ اور روایت کا آخری حصہ ظاہر کرتا ہے کہ غسل آبِ زمزم سے ہوا جب کہ وہ مسجد حرام میں ہے۔ شارحین نے وضاحت کی ہے کہ شق صدر اور اس میں ایمان و حکمت کا بھرا جانا اسراء کی تیاری

---

❶ صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب (۱) کیف فرضت الصلوٰت فی الاسراء (الفتح: ۱/ ۴۵۸) اور کتاب الحج، باب (۷۶) ماجاء فی زمزم (الفتح: ۳/ ۴۹۲) اور کتاب الانبیاء، باب ۵ ذکر ادریس علیہ السلام (الفتح: ۶/ ۳۷۴) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب (۷۴) الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السموات: ۱/ ۱۴۸ (ط۔ محمد فؤاد عبدالباقی) مگر ابوذر کی روایت بزار کے ہاں (کشف الاستار: ۳/ ۱۱۵، ۱۱۶) اس میں ہے ''میں بطحاء مکہ کے کسی علاقے میں تھا'' تو یہ شاذ ہے اس کی سند ضعیف و منقطع ہے، کیونکہ عروہ نے ابوذر سے یہ حدیث نہیں سنی اور بزار کی تصریح کے مطابق عروہ اسے بیان کرنے میں اکیلا ہے۔

❷ صحیح مسلم: ۱/ ۱۵۰، کتاب الایمان، باب ۷۴ الاسراء برسول اللہ الی السموات۔ البخاری، کتاب بدء الخلق، باب (۶) ذکر الملائکۃ (الفتح: ۶/ ۳۰۲) اور کتاب مناقب الانصار، باب (۴۲) المعراج (الفتح الباری: ۷/ ۲۰۱) اور کتاب التوحید، باب (۳۷) ماجاء فی قولہ عزوجل وکلم اللہ موسی تکلیمًا (فتح الباری: ۱۳/ ۴۷۸)

❸ فتح الباری ابن حجر: ۷/۲۰۴.

Marfat.com

کے لیے تھا اور اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کا جسم شق صدر اور اخراج قلب سے متاثر نہیں ہوا، جس سے آپؐ معمول کے دیگر خوفوں سے مامون رہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہونے والے اس قسم کے خرق عادت امور، جنھیں کوئی شے ٹالنے والی نہیں ہوتی، ان کی حقیقت کو تاویل کیے بغیر تسلیم کرنا واجب ہے۔ ❶

ابن حزم الظاہریؒ اور قاضی عیاضؒ نے اسراء کی رات شق صدر کے واقع ہونے سے انکار کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ بخاریؒ کی اسناد میں 'شریک' کی ملاوٹ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ صحیحین میں اسراء اور معراج کے موقع پر شق صدر شریک کے طریق کے بغیر ثابت ہے۔ ❷

اس کے بعد کہ دو فرشتے آپؐ کے شق صدر، اسے دھونے اور اسے درست کرنے سے فارغ ہو گئے تو آپؐ کو براق پر بیت المقدس لے جایا گیا ❸ جہاں آپؐ نے انبیاء کے ساتھ نماز پڑھی، اور ان کی کیفیات بیان فرمائیں۔ ❹ پھر آپؐ کو چھ آسمانوں سے گزرتے ہوئے اور آدم، یوسف ادریس، عیسیٰ، یحییٰ بن زکریا، ہارون و موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات کرتے ہوئے ساتویں آسمان تک لے جایا گیا۔

آپؐ نے ملائکہ کے قلموں کی سرسراہٹ کی آواز سنی اور آپؐ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں، پھر انھیں پانچ تک کم کر دیا گیا۔ ❺

آپؐ نے سدرۃ المنتہٰی کی تعریف کی ہے کہ اس کے بیر مٹکوں جیسے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے تھے۔ ❻ آپؐ نے ساتویں آسمان میں ''بیت المعمور'' اور اس میں ملائکہ کے

---

❶ فتح الباری: ۷/ ۲۰۵.

❷ صحیح البخاری، باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء: ۱/ ۹۱ اور باب ماجاء فی زمزم: ۲/ ۱۶۷ اور باب المعراج: ٤/ ۲۸٤۔ صحیح مسلم: ۱/ ۱٤۹، ۱۵۰۔ اور ابن حزم اور قاضی عیاض کے انکار کے حوالے سے دیکھیے: شرح الشفا ملا علی قاری: ۱/ ٤۱٤ اور شرح زرقانی علیٰ مواہب: ٦/ ۲۳.

❸ براق ایک جانور تھا، خچر سے کچھ چھوٹا اور گدھے سے کچھ بڑا، سفید رنگ کا۔ (صحیح البخاری، فتح الباری: ۷/ ۲۰۱، ۲۰۲)

❹ صحیح البخاری (فتح الباری: ٦/ ٤۷۷۔ صحیح مسلم: ۱/ ۱۵۱، ۱۵۷)

❺ صحیح البخاری (فتح الباری: ۱/ ٤۵۸، ۳/ ٤۹۲، ٦/ ۳۷٤، ۷/ ۲۰۱، ۲۰۲) صحیح مسلم: ۱/ ۱٤۸۔ میں نے روایات صحیحہ کو باہم جوڑ دیا ہے۔

❻ مسند احمد: ۳/ ۱۲۸ اسناد صحیح کے ساتھ۔ حمید طویل کی احادیث جو انس بن مالک سے ہیں یا تو انھوں نے اُن سے خود سنی ہیں یا ثابت بنانی کے ذریعہ سے ہیں اور یہ ثقہ ہے۔ (تعریف اہل التقدیس ۳۸)

Marfat.com

داخلے کا ذکر فرمایا۔ ❶ آپؐ نے جنت میں کوثر نہر کی ہیئت بیان کی اور یہ کہ اس کے دونوں کنارے موتیوں کے جوفدار قبے ہیں اور اس کی مٹی کستوری جیسی ہے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''نور ہے، میں کیسے دیکھ سکتا ہوں! ❸

اور آپؐ نے جنت میں چار نہریں دیکھیں، جن کے بارے میں فرمایا: کہ دو پوشیدہ ہیں اور دو ظاہر ہیں جو نیل اور فرات ہیں۔ ❹

آپؐ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھنے کا ذکر فرمایا جب کہ وہ آپؐ کے قریب آئے۔ ان کے ۶۰۰ پر تھے۔ اور یہ آیت کریمہ اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے:

﴿ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ○ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴾ [النجم: ۹ تا ۱۸] ❺

(پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ تب اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اسے پہنچانی تھی۔ نظر نے جو کچھ دیکھا، دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا۔ اب کیا تم اس چیز پر اس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے؟

اور ایک مرتبہ پھر اس نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کو اترتے دیکھا جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ چندھیائی، نہ حد سے متجاوز ہوئی، اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔)

آپ نے معراج کے موقع پر ان لوگوں کو عذاب میں مبتلا دیکھا جو لوگوں کی غیبت کیا

---

❶ صحيح مسلم: ١/ ١٤٦.

❷ صحيح البخاری (فتح الباری: ٨/ ٧٣١)

❸ صحيح مسلم: ١/ ١٦١۔ اور دیکھیے: صحيح البخاری (فتح الباری: ٦/ ٣١٣).

❹ صحيح البخاری (فتح الباری: ٧/ ٢٠١، ٢٠٢)

❺ صحيح البخاری (فتح الباری: ٨/ ٦١٠، ٦١١، ٦/ ٣١٣) صحيح مسلم: ١/ ١٥٨، ١٦٠).

Marfat.com

کرتے تھے، ان کے تانبے کے ناخن تھے جن کے ساتھ وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ ❶

جبرائیل آپؐ کے لیے ایک برتن میں دودھ، ایک میں شراب اور ایک میں شہد لے کر آئے۔ آپؐ نے دودھ کو منتخب فرمایا۔ جبریل نے کہا: ''یہی فطرت ہے۔'' ❷

اسراء ومعراج کے بارے میں طویل اور مفصل قصہ وارد ہوا ہے جس کے متن کمزور ہیں اور جو قصہ گو کی معلومات سے مشابہ ہیں۔ ❸

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو اسراء ومعراج کے بارے میں بتایا تو اہل ایمان نے اس کی تصدیق کی اور مشرکین نے اسے جھٹلا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں مسجد حرام کے شمالی کونے میں تھا اور قریش مجھ سے رات کے سفر سے متعلق سوال کر رہے تھے۔ انھوں نے بیت المقدس کے بارے میں ایسی چیزیں پوچھیں جن کو میں بتا نہ سکا تو مجھے اس قدر ذہنی کرب محسوس ہوا جس کا مجھے پہلے کبھی تجربہ نہ ہوا تھا۔

فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میری نظروں کے سامنے کر دیا، تو انھوں نے جو کچھ پوچھا میں نے انھیں بتا دیا۔'' ❹

---

❶ مسند احمد: ۲۲۴/۳۔ سنن ابو داؤد: ۱۹۴/۵۔ صحیح سند کے ساتھ جیسا کہ البانی کی سلسلہ احادیث صحیحہ ۶۰/۲ میں ہے۔

❷ صحیح البخاری (فتح الباری: ۲۰۱/۷، ۲۰۲) بخاری ومسلم کی روایت بتاتی ہے کہ آپؐ کا برتن کا انتخاب کرنا معراج آسمانی سے قبل بیت المقدس میں تھا۔ (فتح الباری: ۳۹۱/۸۔ صحیح مسلم: ۱۴۵/۱، ۱۵۰/۵، ۱۵۱)

❸ تفسیر طبری: ۱۵/۱۱، ۱۴۔ مستدرک حاکم: ۵۷/۲ میں ایسی سند سے ہے جس میں ابو ہارون عبدی ہے جو کہ متروک الحدیث ہے۔ (تقریب: ۴۰۸) ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عجیب غریب ہے۔ (السیرۃ النبویۃ: ۱۷۸، ۱۸۱) تفسیر طبری میں ایک اور روایت بھی ہے: ۶/۱۵، ۱۱، اس کی اسناد میں ابو جعفر رازی ہے، ان کا نام عیسیٰ بن ابو عیسیٰ ہے، یہ صدوق ہے مگر حافظہ برا ہے۔ (تقریب ۶۲۹) امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (دلائل: ۳۹۶/۲، ۴۰۳) ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اکیلے ابو جعفر رازی نے بیان کی ہے اور وہ قوی نہیں۔ یہ حدیث قصہ گو کے کلام سے مشابہ ہے۔ میں نے اسے محض معلومات کے طور پر نقل کیا ہے ورنہ یہ حدیث حجت ودلیل نہیں بن سکتی۔ (سیرتِ نبوی ذہبی: ۱۸۲) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے الفاظ میں شدید قسم کی غرابت ونکارت پائی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲۱/۳)

❹ صحیح البخاری (فتح الباری: ۳۹۱/۸) صحیح مسلم: ۱/ ۱۵۶، ۱۵۷۔ اس حدیث کے الفاظ امام مسلم کے ہیں۔

Marfat.com

چنانچہ مشرک آزمائش میں پڑ گئے، ان میں سے کوئی تالی بجانے لگا، کسی نے اپنا ہاتھ سر پر رکھ لیا اور تعجب کرنے لگا، لیکن آپ ؐ نے جو کچھ بیت المقدس کے متعلق بتایا وہ اس کی صحت کے اعتراف پر مجبور تھے۔ ❶

یہ درست ہے کہ بعض مسلمان مرتد ہو گئے۔ لیکن جب مشرکین نے ابوبکرؓ کو اسراء و معراج کی خبر دی تو انھوں نے مشرکین سے کہا: ''اگر آپ ؐ نے یہ فرمایا ہے تو درست ہے۔'' قریش نے کہا: ''کیا تم تصدیق کرتے ہو کہ محمد ﷺ رات کو بیت المقدس گئے اور پھر صبح سے پہلے واپس آ گئے؟'' تو ابوبکرؓ نے کہا: ''ہاں، میں تو ان کی اس سے بھی بعید تر چیز کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں تو ان کی صبح و شام آسمان سے لائی ہوئی خبروں کی تصدیق کرتا ہوں۔'' اس وجہ سے انھیں ابوبکرؓ الصدیق کا نام دیا گیا۔ ❷

ہو سکتا ہے کہ اسراء کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے اطمینان اور دلجوئی کے لیے ہو اور کفار کے لیے آزمائش ہو جس نے ان کے عناد و کفر میں اضافہ کر دیا اور بعض ضعیف ایمان والوں کے لیے بھی، جن کے ایمان کو اس واقعہ نے متزلزل کر دیا، وہ کافر ہو گئے اور پھر لوٹ کر دائرہ ایمان میں نہیں آئے حتی کہ قتل کر دیے گئے۔ ❸

بعض نے واقعہ اسراء کی تعبیر کی اور سمجھا ہے کہ یہ آپ ؐ کا خواب تھا۔ بعض نے خیال کیا کہ وہ جسم کے بغیر روح کے ساتھ تھا، لیکن صحیح وہ ہے جو ابن عباسؓ سے ثابت ہے کہ وہ روح اور جسم دونوں کے ساتھ آپ کا چشم دید واقعہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ [اسراء:۶۰] ❹

---

❶ مسند احمد: ۱/ ۳۰۹ صحیح سند کے ساتھ۔ اسے سیوطی و ہیثمی نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ (الدرر المنثور: ۴/ ۱۵۵۔ مجمع الزوائد: ۱/ ۶۴، ۶۵)

❷ مستدرك حاكم: ۳/ ۶۲، ۶۳، ۷۶، ۷۷۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان سے موافقت کی۔ اس کی سند میں محمد بن کثیر صنعانی ہے جو صدوق ہے مگر غلطیاں بھی بہت کرتا ہے۔ (التقریب : ۵۰۴) اس کی متابعت کی گئی ہے۔ دیکھیے: البانی کی الصحیحة: ۱/ ۵۲۲.

❸ مسند احمد: ۱/ ۳۴۹ سند صحیح کے ساتھ۔ ابن کثیر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۵) اس کی سند میں ہلال بن خباب صدوق ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے۔ (تقریب : ۵۷۵)

❹ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲۰۲، ۲۰۳) دیکھیے: تفسیر طبری: ۱۵/ ۱۱۰۔ سفیان بن عیینہ کے خواب میں معراج کی نفی کے حوالے سے۔

Marfat.com

(اور یہ جو کچھ ابھی ہم نے تمھیں دکھایا ہے، اس کو ہم نے ان لوگوں کے لیے بس ایک فتنہ بنا کر رکھ دیا)

اور یہی جمہور علماء کی رائے ہے کہ اسراء بیداری کی حالت میں آپ ؐ کی روح اور جسم کے ساتھ ایک ہی دفعہ تھا، (1) اور اسراء و معراج دونوں ایک ہی رات میں تھے۔ (2)

مدد کے لیے آنحضور ﷺ کے مختلف قبائل سے رابطے

رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس جا جا کر دعوت الی اللہ کے پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے اور بالخصوص حج کے موسم میں جب کہ قبائل مکہ کا رخ کرتے۔ ربیعہ بن عباد الدؤلیؓ --- جو عینی شاہد ہیں --- نے کہا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذوالمجاز (میلے) میں دیکھا، آپ ؐ لوگوں کی قیام گاہوں میں تشریف لے جاتے اور انھیں اللہ عزوجل کی طرف بلاتے، اور آپ ؐ کے پیچھے خوبصورت آنکھوں اور سرخ و سفید چمکدار رخساروں والا شخص تھا جو کہہ رہا ہوتا: '' اے لوگو! کہیں یہ شخص تمھیں تمھارے آباواجداد کے دین کے بارے میں دھوکے میں نہ ڈال دے۔'' میں نے کہا: ''یہ کون ہے؟'' کہا گیا: ''یہ ابولہب ہے''۔ (3) آپ ؐ ذوالمجاز کے میلے میں لوگوں سے خطاب فرمارہے تھے: ''اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو، فلاح پا جاؤ گے۔'' آپ کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا جو بالکل خاموش تھے جب کہ آپ اپنی دعوت کو دہرائے چلے جارہے تھے اور

---

(1) تفسیر طبری: ١٥/ ١٣، ١٤۔ زاد المعاد ابن قیم: ١/ ٩٩، ٣/ ٣٤، ٤٠.

(2) فتح الباری: ٧/ ١٩٧.

(3) مسند احمد: ٣/ ٤٩٢. عبداللہ کی زوائد میں دو حسن اسناد کے ساتھ یہ ایک دوسرے کو تقویت دے کر حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتی ہیں، معجم کبیر طبرانی ٥/ ٥٦۔ مستدرک حاکم: ١/ ١٥، حاکم نے منیٰ کے بجائے ذوالمجاز کا ذکر کیا ہے۔ ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے مگر سعید بن سلمہ ان دونوں کے مطابق بخاری کی شرط پر پورا نہیں اترتا بلکہ امام بخاری نے اس سے صرف بطور شاہد کے روایت لی ہے۔ مسند احمد میں ایک اور روایت ہے: ٣/ ٤٩٢۔ یہ بھی صحیح سند کے ساتھ عبداللہ کی زوائد میں سے ہے۔ اس میں جگہ کا نام عکاظ ہے اور یہ عرفات کے قریب ہے اور ذوالمجاز بھی عرفہ میں ہے اس لیے اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ مزید اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ قسم ١ م ١٤ ق ٩٢۔ أ۔ ب میں طارق بن عبداللہ محاربی کی روایت بھی دیکھیں۔ جو مسند ابن ابی شیبہ ١٥ ب (جامعہ کی فوٹو کاپی) سے اور ابویعلی موصلی کی مسند کبیر سے صحیح اسناد کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ جیسا کہ مصباح الزجاجۃ ٢/ ٣٤٧ طتوفیق عففی قاہرہ میں ہے۔

Marfat.com

ابولہب چیخ رہا تھا: ''یہ بے دین، جھوٹا ہے [1] اور چاہتا ہے کہ تم اپنے معبودوں کو ترک کر دو اور لات و عزیٰ کو چھوڑ دو۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ان کے پڑاؤ پر خطاب فرماتے: ''کیا کوئی ایسا شخص ہے جو مجھے اپنی قوم کے پاس لے جائے، کیونکہ قریش نے تو مجھے اپنے رب عزوجل کا کلام پہنچانے سے روک دیا ہے۔؟ ہمدان میں سے ایک آدمی آیا تو آپؐ نے اس سے پوچھا:

''تم کون ہو؟'' اس نے کہا: ''میں ہمدان میں سے ہوں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''کیا تمھاری قوم طاقتور ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں۔'' پھر وہ اپنی قوم کی تعریف کرنے سے جھینپ گیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: ''آپؐ میری قوم کے پاس آئیں اور اپنی دعوت سے انھیں متعارف کروائیں۔ پھر میں آپؐ کے پاس آئندہ سال آؤں گا۔''

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں۔''

وہ چلا گیا اور ماہ رجب میں انصار کا وفد آیا۔ [3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار کے وفد سے متعلق واقعہ بعثت سے گیارہویں سال میں ہوا، کیونکہ انصار اسی سال آئے جب پہلی بیعت عقبہ واقع ہوئی۔ پھر بارہویں سال بیعت عقبہ ثانیہ واقع ہوئی اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی۔

انصار سے روابط اور ان کو دعوت

حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں دس سال تک لوگوں کی فرودگاہوں، عکاظ اور مجنہ کے میلوں، اور منیٰ میں مخصوص مہینوں میں لوگوں کے پاس جاتے

---

[1] مسند احمد: ٤/ ٣٤١، ٣٤٢۔ مستدرك حاكم: ١/ ١٥۔ معجم كبير طبرانی: ٥/ ٥٥، ٥٦ اسنادِ حسن کے ساتھ کیونکہ یہ عبدالرحمٰن ابوالزناد کی اس روایت سے ہے جو اس نے مدینہ میں کی مگر جب وہ بغداد آ گئے تھے تو ان کے حافظے میں تغیر ہو گیا تھا۔ (تہذیب التہذیب: ۶/۱۷۱،۱۷۲)

[2] مسند احمد: ٤/ ٦٣۔ صحیح اسناد کے ساتھ۔

[3] مسند احمد: ۳/۳۹۰، صحیح سند کے ساتھ۔ ذہبی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ابوداؤد نے محمد بن کثیر عن اسرائیل کے طریق سے روایت کیا ہے اور یہ بخاری کی شرط کے مطابق ہے۔ (السيرة النبوية: ١٨٥) سنن ترمذی: ۵/۱۸۴ اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب صحیح ہے۔ مستدرک حاکم: ۲/۶۱۲، ۶۱۳ اور اسے شیخین کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے موافقت کی۔ مگر عثمان بن مغیرہ سے صرف امام بخاری نے روایت کی ہے۔ امام مسلم نے نہیں۔

Marfat.com

اورفرماتے: ''کون مجھے پناہ دیتا ہے؟ کون میرا مددگار بنتا ہے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں اوراس کے لیے جنت ہے۔؟'' چنانچہ کوئی آدمی یمن سے یا مضر سے مکہ کے لیے نکلنے لگتا تو اس کی قوم کے لوگ اس کے پاس آتے اوراسے کہتے: ''قریش کے جوان سے دور رہنا، مبادا وہ تمھیں فتنہ میں ڈال دے۔'' آپؐ لوگوں کے درمیان دعوت دیتے ہوئے چلتے اور وہ اپنی انگلیوں کے ساتھ آپؐ کی طرف اشارے کر رہے ہوتے حتی کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے یثرب سے ہم آپؐ کی طرف پہنچے، ہم نے آپؐ کی تصدیق کی، ہم نے آپؐ کو پناہ دی، ہمارا کوئی آدمی نکلتا، آپ پر ایمان لاتا، آپ اسے قرآن سناتے اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتا تو وہ اس کے اسلام کو قبول کر لیتے تا آنکہ انصار کا کوئی ایسا محلّہ نہ رہا کہ جس میں کوئی مسلمان خاندان نہ ہو اور وہ اسلام کا اظہار نہ کر رہا ہو۔'' [1]

انصار کے ساتھ آپؐ کی ملاقاتیں حج اور عمرہ کے زمانوں میں ہوتیں۔ [2] چنانچہ سوید بن صامتؓ انصاری حج یا عمرہ کے لیے مکہ گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا پتا چلا تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے، اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے کہا: ''شاید آپ کے پاس بھی وہی کچھ ہے جو میرے پاس ہے۔!''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے پاس کیا ہے؟''

اس نے کہا: ''مجلّہ لقمان --- یعنی لقمان کی حکمت۔''

رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا: ''وہ مجھے پیش کرو۔'' چنانچہ اس نے اسے آپؐ کے سامنے پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''یہ عمدہ بات ہے۔ لیکن جو میرے پاس ہے وہ اس سے افضل ہے۔ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے، وہ ہدایت ہے اور نور ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے قرآن سنایا، اسے اسلام کی دعوت دی۔ تو اس نے کہا: ''یہ عمدہ کلام ہے۔''

---

[1] مسند احمد: ۳/۳۲۲، ۳۲۳، ۳۳۹، ۳۴۰۔ اسناد حسن کے ساتھ جب کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے۔ (فتح الباری: ۷/ ۲۲۲) مستدرک حاکم: ۲/۶۲۴، ۶۲۵) اس نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے تائید کی۔ سیرت نبوی ابن کثیر: ۲/۱۹۶ اور انھوں نے کہا ہے کہ یہ عمدہ سند ہے۔ مسلم کی شرط پر ہے مگر انھوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

[2] رفاعہ بن رافع زرقی اور معاذ بن عفراء کے مکہ میں اسلام کا قصہ چھ انصار کے آنے سے پہلے کا ہے۔ اس کی سند میں یحییٰ بن محمد شجری ضعیف ہے، وہ نابینا تھا، اس کے سامنے حدیث پیش کی جاتی تھی۔ (مستدرک حاکم: ۴/۱۴۹۔ خصائص کبریٰ سیوطی: ۱/۳۰۰)

Marfat.com

وہ آپؐ کے ہاں سے ہٹ کر اپنی قوم کے پاس مدینہ چلا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خزرج نے اسے قتل کر دیا، اگر چہ اس کی قوم کے بعض لوگ کہا کرتے تھے: ''جب وہ قتل ہوا تو مسلمان تھا، جب کہ اس کا قتل بعاث کے دن ہوا۔'' ❶ بہر حال اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ سوید بن صامت نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی ہو۔

یوم بعاث سے تھوڑا عرصہ قبل --اور وہ دن تھا جب اوس وخزرج کے مابین جنگ ہوئی-- طرفین میں سے بہت سے افراد کے قتل کے بعد اوس فتح یاب ہوئے، جنگ میں دونوں طرف کے اکابر بھی قتل ہوئے۔ یہ واقعہ ہجرت سے پانچ برس قبل رونما ہوا۔ ❷ اوس نے خزرج کے مقابلے میں جو تعداد میں ان سے زیادہ تھے قریش کے حلیف بننے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس غرض کے لیے ابوالحیسر انس بن رافع جو بنی عبدالاشہل سے تھا، قریش کی طرف آنے والے وفد میں شامل ہو کر آیا، رسول اللہ ﷺ کو ان کی آمد کا علم ہوا۔ آپؐ ان کے پاس تشریف لائے، انھیں اسلام کی دعوت دی اور انھیں قرآن سنایا۔ ان میں سے ایک فرد ایاس بن معاذ نے کہا--اور وہ نوجوان تھا-- ''اے میری قوم! یہ چیز اس سے بہتر ہے جس کے لیے تم آئے ہو۔'' اس پر ابوالحیسر انے اسے جھڑکا اور وہ خاموش ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے اٹھ آئے اور وہ مدینہ واپس ہو گئے۔

یوم بعاث اوس وخزرج کے مابین جنگ چھڑ گئی۔ پھر ایاس بن معاذ فوت ہو گیا، اس کی قوم اس سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تحمید، تکبیر اور تحلیل اس کی موت تک سنتی رہی اور انھیں اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ مسلمان تھا جب اسے موت آئی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام کا شعور اور فہم اس مجلس میں حاصل کر لیا تھا۔ ❸

اگر قبیلہ اوس کے دو مردوں نے اسلام کا فہم حاصل کر لیا تھا تو ذرائع سے معلوم نہیں ہوتا

---

❶ سيرة ابن هشام: ٢/ ٣٤۔ اسنادِ حسن کے ساتھ عاصم بن عمر بن قتادہ متوفی ۱۲۰ھ ثقہ کی روایت سے۔ وہ اپنی قوم انصار کے بزرگوں سے روایت کرتا ہے۔

❷ فتح الباری: ۷/۱۱۱۔ ابن سعد نے اس واقعہ کی تاریخ ہجرت سے تین سال قبل بتائی ہے۔ (طبقات: ۱/۲۱۹)

❸ سیرت ابن ہشام: ۲/۳۶، ۳۷۔ اسنادِ حسن کے ساتھ۔ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ ابن اسحٰق کی صحیح حدیث میں سے ہے۔ (اصابہ: ۱/۱۴۶) مسند احمد: ۵/۴۲۷ میں بھی ابن اسحٰق کے طریق سے۔

Marfat.com

کہ انھوں نے اپنی قوم میں دعوت کا فریضہ ادا کیا ہو۔ انصار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی با مقصد ملاقاتوں کا آغاز قبیلہ خزرج کے وفد کے ساتھ عقبہ منیٰ میں حج کے موسم میں ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''تم کون ہو؟''

انھوں نے کہا: ''خزرج کے لوگ ہیں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''کیا یہود کے حمایتی ہو؟''

انھوں نے کہا: ''ہاں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم بیٹھو گے کہ تمھارے ساتھ بات کروں۔؟''

انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں۔''

چنانچہ وہ آپؐ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپؐ نے انھیں اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی، ان پر اسلام پیش کیا، اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی۔ [1]

ابن اسحاق نے ان کے اسلام اور مدینہ میں دعوت اسلام کے لیے ان کا مستعد ہونا بیان کیا ہے [2] اور غالباً انصار نے اس عقیدے کی ضرورت محسوس کر لی تھی جو انھیں باہم مربوط کر دے، اس پھوٹ اور دشمنی کے بعد جو آنحضور ﷺ سے ملاقات سے صرف دو سال قبل بعاث کے واقعہ کا نتیجہ تھی اور شاید وہی سبب تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام قبول کرنے کے لیے مہیا فرما دیا۔ نیز بعاث میں ان کے بڑوں کے قتل نے ان کا تکبر، قیادت کے لیے باہمی تصادم اور اقتدار سے محرومی کا احساس گھٹا دیا۔ لہٰذا اسلام میں ان کا داخلہ آسان ہو گیا۔

اس کے علاوہ انصار اہل کتاب یہودیوں کے پڑوسی تھے۔ وہ وحی، نبوت، زندگی بعد موت اور جنت و دوزخ کو جانتے تھے۔ تو بلاشبہ ان کے ذہن اسلام کو دوسروں کی بہ نسبت سمجھنے کے لیے زیادہ تیار تھے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام: ۲/۳۷، ۳۹، اسنادِ حسن کے ساتھ۔ مصادر کی کتب نے ان لوگوں سے بیعت کا ذکر نہیں کیا، اس کے باوجود جن لوگوں نے عقبہ منیٰ کی تین بیعتوں کا ذکر کیا ہے، انھوں نے اس واقعہ کو بیعت شمار کیا ہے اور وہ یہ ہیں: ابن عبدالبر (الدرر ۶۷) ابن سیّد الناس (عیون الاثر: ۱/۱۵۶) اور صالحی (۳/۲۶۷) مگر ابن اسحٰق، ابن سعد اور طبری نے اسے بیعت شمار نہیں کیا۔

[2] سیرۃ ابن ہشام نے ۲/۳۷، ۳۹ بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

بیعت عقبہ اولیٰ

بیعت عقبہ اولیٰ خزرج کے وفد سے ملاقات کے اگلے سال واقع ہوئی اس مرتبہ وفد میں بارہ افراد شامل تھے جن میں سے دس خزرج اور دو اوس میں سے تھے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ خزرج کے وفد (جو گزشتہ سال ایمان لایا) کی سرگرمی بدرجہ اولیٰ اپنے قبیلے پر مرکوز رہی لیکن اس موقع پر وہ اوس کے دو افراد کو کھینچ لانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ دونوں قبیلوں کا اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہونے کا آغاز تھا۔

پہلی بیعت کی معلومات کا بڑا ماخذ عبادہؓ بن صامت خزرجی ہیں -- وہ شریک بیعت تھے اور عینی شاہد ہیں -- یہ صحیحین کی روایت ہے۔ اور سیرت ابن اسحاق کے ہاں ان کی نص زیادہ واضح اور کامل تر ہے، جیسا کہ درج ذیل ہے:

عبادہ بن صامتؓ نے کہا: ''میں عقبہ اولیٰ میں حاضر ہونے والوں میں سے تھا، ہم بارہ آدمی تھے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عورتوں والی شرائط پر بیعت کی -- کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، اپنے پاس سے بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گے اور نہ معروف میں نافرمانی کریں گے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم نے وفا کی تو تمھارے لیے جنت ہے اور اس بارے میں کچھ بھی دھوکا دیا تو تمھارا معاملہ اللہ عزوجل کے سپرد ہے، چاہے گا تو معاف فرما دے گا، چاہے گا تو عذاب دے گا۔'' ❶ اور یہ بیعت ہم پر جنگ کا حکم آنے سے پہلے کا معاملہ ہے۔

مقصود یہ ہے کہ انھوں نے عورتوں کی بیعت کی طرح بیعت کی جس سے متعلق آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی: ❷ ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ﴾

---

❶ سیرت ابن هشام: ٢/ ٤١، ٤٢۔ اسناد حسن لغیرہ کے ساتھ۔ صحیح بخاری میں عبادہ بن صامت کی حدیث میں سے جو ابن اسحٰق کے سیاق کے قریب ہے۔ (فتح الباری: ١/ ٦٦۔ صحيح مسلم: ٣/ ١٣٣٣)۔

❷ فتح الباری ابن حجر: ۱/۶۶، ۱۲/۱۹۷۔ یہاں پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے ایک فروگزاشت ہو گئی ہے، انھوں نے بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کو باہم خلط ملط کر دیا ہے اور یوں دونوں بیعتوں کے بارے میں گفتگو ایک دوسرے میں گھس گئی ہے اور پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ آپ اس کو ۷/۲۲۲ میں دیکھ سکتے ہیں۔ (دیکھیے: سلیمان عوده کی السيرة النبوية في الصحيحين وعند ابن اسحق: ٣٤٦) اور یہ بات حافظ ابن حجر کے لیے کوئی عیب نہیں کیونکہ اکثر انھوں نے سیرت میں پیچیدہ مشکلات کی گتھیوں کو سلجھایا بھی ہے۔

Marfat.com

[الممتحنة:١٢] کیونکہ اس میں جنگ اور لڑائی لڑنے کا معاہدہ نہ تھا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ نزول آیت کے بعد عبارت جو اس نص میں آئی، نے پہلی بیعت عقبہ کو بیعت النساء کے مشابہ کر دیا اور نظر آتا ہے کہ بیعت کی نص نے اسلامی حدود کے بارے قانون سازی کی عدم موجودگی میں جرائم کی سزا کو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جس سے نص کا مقدم ہونا واضح ہوتا ہے نیز یہ کہ وہ بیعت عقبہ اولیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

جب یہ بیعت مکمل ہوگئی اور انصار مدینہ میں لوٹ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ بھیج دیا اور انھیں ہدایت کی کہ وہ انھیں قرآن پڑھ کر سنائیں، اسلام کی تعلیم دیں اور دین سمجھائیں۔ چنانچہ انھوں نے اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دیا۔ ان کے ذریعے اسلام کی خوب اشاعت ہوئی اور وہ بیعت عقبہ ثانیہ سے پہلے مکہ لوٹ آئے۔ [1]

بیعت عقبہ ثانیہ

مدینہ میں جب اسلام پھیل گیا اور مہاجر مسلمانوں کو اپنے انصار بھائیوں کے درمیان اطمینان نصیب ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ خود قریش کی تکلیف و ایذا جو مرور ایام کے ساتھ شدید تر ہوتی جا رہی تھی، سہتے ہوئے مکہ میں رہے، اس وقت حج کے موسم میں انصار کا وفد آیا اور انھوں نے آپؐ کے ہاتھ پر عقبہ میں بیعت کی۔

جابرؓ بن عبداللہ انصاری نے کہا: ''ہم نے باہم مشورہ کیا کہ کب تک ہم رسول اللہ ﷺ کو مکہ کے پہاڑوں میں بے یار و مددگار چھوڑے رکھیں گے اور آپؐ کو خوف میں مبتلا رکھا جائے گا۔ چنانچہ ہمارے ستر افراد حج کے موسم میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ہم نے آپؐ کے ساتھ عقبہ کی گھاٹی میں عہد و پیمان باندھا۔ ہم ایک ایک دو دو کر کے آپؐ کے پاس جمع ہوتے گئے حتی کہ پورے ہوگئے، تو ہم نے کہا: ''اے اللہ کے رسولؐ! ہم آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''تم میرے ساتھ بیعت کرو اس پر کہ خوشی اور ناخوشی میں میری بات سنو گے اور اس پر عمل کرو گے۔ تنگ دستی اور خوشحالی میں خرچ کرو گے۔ نیکی کا حکم دو گے، برائی سے روکو گے اور اللہ کے معاملے میں حق بات کہو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرو

---

[1] سیرت ابن هشام: ١/ ٤٣٨.

Marfat.com

گے۔ نیز اس بات پر کہ جب میں تمھارے ہاں آؤں تو تم ہر اس چیز سے میری حفاظت کرو گے جس سے اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اپنی اولادوں کی حفاظت کرتے ہو اور اس کا صلہ تمھارے لیے جنت ہے۔"

حضرت جابرؓ کہتے ہیں: "جب ہم اٹھے کہ آپؐ سے بیعت کریں تو اسدؓ بن زرارہ نے -- جو وفد میں سب سے چھوٹے تھے -- میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: "ٹھہرو اے اہل یثرب! ہم اپنے اونٹ دوڑاتے ہوئے آپؐ کے پاس اس کے سوا کسی اور وجہ سے نہیں آئے کہ ہمیں معلوم ہے کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور آج آپؐ کو نکال کر ساتھ لے جانا تمام عرب کی دشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجے میں تمھارے شرفاء قتل ہوں گے اور تلواریں تمھارا خون چاٹیں گی۔ لہٰذا اگر تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے اندر پاتے ہو تو آپؐ کا ہاتھ تھام لو اور تمھارا اجر اللہ کے ذمے ہے اور اگر تمھیں بزدلی کے سبب اپنی جانوں کا خوف ہو تو صاف صاف بیان کردو، وہ اللہ کے ہاں تمھارا عذر شمار ہوگا۔"

اس پر انھوں نے کہا: "اسدؓ! ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ، خدا کی قسم، ہم اس بیعت کو ہرگز نہ چھوڑیں گے اور نہ اس سے ہاتھ کھینچیں گے۔ اس کے بعد ہم نے آپؐ کی شرائط پر بیعت کی اور اس پر ہمیں جنت کا وعدہ ہے۔" حضرت عباسؓ نے انصار کے وفد کے چہروں پر نظر ڈالی اور کہا: "ان سے میری جان پہچان نہیں، یہ نئے لوگ ہیں۔" جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ وفد میں اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ [1]

اس طرح سے انصار نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اطاعت، نصرت اور جنگ پر بیعت کی۔ اسی لیے عبادہؓ بن صامت نے اس کو بیعتِ حرب کا نام دیا۔ [2]

صحابی رسول کعبؓ بن مالک انصاری --- جو کہ عقبہ ثانیہ میں بیعت کرنے والوں میں

---

[1] مسند احمد: ۳/ ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۳۹، ۳٤۰۔ اسنادِ حسن کے ساتھ مستدرك حاكم: ۲/ ٦۲٤، ٦۲٥ اور حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے تائید کی۔ السیرة النبویة ابن كثیر: ۲/ ۱۹٦ اور اسے مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے، ابن حجر کا خیال ہے کہ اس میں ابوالزبیر کی تدلیس کی علت ہے اور اس نے عَنْ کے لفظ سے روایت کیا ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ ابن کثیر کی تصحیح یا تحسین شاید اس کے شواہد کی بنا پر ہے۔ (فتح الباری: ۷/ ۲۲۲، ۲۲۳)

[2] سیرت ابن هشام: ۲/ ٦۳۔ مسند احمد: ٥/ ۳۱٦۔ اسنادِ حسن لغیرہ کے ساتھ۔

Marfat.com

سے ایک تھے--- کی روایت اہم تفصیلات میں اضافہ کرتی ہے، انھوں نے کہا: ''ہم اپنی قوم کے مشرک حاجیوں کے ساتھ نکلے۔ ہم نے نماز پڑھ لی اور معاملے کو سمجھ لیا... پھر ہم حج کے لیے نکلے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایام تشریق کے دوران عقبہ میں ہماری ملاقات قرار پائی... جب کہ ہم اپنے معاملے کو اپنے ساتھ آئے ہوئے مشرکین سے چھپا رہے تھے... چنانچہ ہم رات کو اپنی قوم کے ساتھ اپنی فرودگاہ میں سوئے حتی کہ جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا تو رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے نکلے۔ ہم چھپتے چھپاتے ایک دوسرے کے پیچھے چل رہے تھے یہاں تک کہ عقبہ کے قریب گھاٹی میں جمع ہو گئے۔ ہم ۷۳ مرد تھے اور ۲ عورتیں: نسیبہ بنت کعب اور اسماء بنت عمرو ہمارے ساتھ تھیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگے حتی کہ آپؐ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے ساتھ تشریف لائے - وہ ان دنوں اپنی قوم کے دین پر تھے، البتہ اپنے برادر زادے کے معاملے میں حاضر ہونا اور آپؐ کے بارے میں درست معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جب آپؐ بیٹھ گئے تو سب سے پہلے عباس نے گفتگو کا آغاز کیا۔ انھوں نے وضاحت کی: ''رسول اللہ ﷺ اپنی قوم بنی ہاشم کی حفاظت میں ہیں مگر اب مدینہ ہجرت کرنا چاہتے ہیں۔'' اس بات کے ساتھ وہ انصار سے آپؐ کی حمایت کی تصدیق چاہتے تھے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو آپؐ کو چھوڑ دیں۔

اس پر انصار نے رسول اللہ ﷺ کو بات کرنے کی دعوت دی کہ آپؐ اپنی ذات اور اپنے رب کے لیے جو شرائط پسند کرتے ہیں پیش فرمائیں۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی تلاوت فرمائی اور انھیں اللہ کی طرف دعوت دی اور اسلام کی طرف رغبت دلائی۔ پھر فرمایا: ''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اسی طرح سے حفاظت کرو گے جس طرح کہ اپنی عورتوں اور اولادوں کی حفاظت کرتے ہو۔''

اس پر براءؓ بن معرور نے آپؐ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا: ''ہاں اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم ضرور بضرور اس چیز کے ساتھ آپؐ کی حفاظت کریں گے جس کے ساتھ ہم اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اے اللہ کے رسولؐ! ہماری بیعت قبول کیجیے۔ بخدا! ہم جنگجو لوگ ہیں، ہمارا ایک حلقہ ہے جسے ہم نے اپنے آباواجداد میں نسلاً بعد نسلٍ پایا ہے۔'' اس پر ابوالہیثم بن تیہان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سوال کے طور پر کہا:

Marfat.com

”اے اللہ کے رسول! ہمارے اور قوم (یہود) کے درمیان حلیفانہ تعلقات ہیں جنھیں ہم قطع کر رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم یہ کچھ کریں، پھر اللہ آپ کو غلبہ دے اور آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف واپس چلے جائیں۔“

جناب رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ”بلکہ خون کے ساتھ خون، قبر کے ساتھ قبر۔ میں تمھارا ہوں اور تم میرے ہو۔ جس کے ساتھ تمھاری لڑائی اس کے ساتھ میری لڑائی۔ جس کے ساتھ تمھاری صلح اس کے ساتھ میری صلح۔“

پھر فرمایا: ”اپنے میں سے بارہ نقیب چن لو تا کہ وہ اپنی قوم کے نگران ہوں۔ چنانچہ انھوں نے بارہ نقیب مقرر کر دیے۔ نو خزرج میں سے، تین اوس میں سے۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے پڑاؤ کی طرف جانے کے لیے کہا۔ انھوں نے شیطان کی آواز سنی جو چیخ چیخ کر قریش کو ڈرا رہا تھا۔ چنانچہ عباس رضی اللہ عنہ بن عبادہ بن نضلہ نے کہا: ”اس اللہ کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ چاہیں تو منیٰ میں جو لوگ ہیں ہم کل ہی ان پر تلواروں کے ساتھ حملہ کر دیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ لیکن اپنے خیموں کی جانب لوٹ جاؤ۔“ چنانچہ وہ اپنی فرودگاہوں کی طرف چلے گئے۔ صبح کے وقت قریش کے بڑوں کا ایک گروہ اس غرض کے لیے آیا کہ وہ اس خبر کے بارے میں معلومات حاصل کرے جو انھیں اہل یثرب کی نبی ﷺ کی بیعت اور آپ کو ہجرت کی دعوت کے بارے میں پہنچی تھی۔ خزرج اور اوس کے مشرکین نے حلفاً کہا کہ انھوں نے ایسا نہیں کیا جب کہ مسلمان ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ [1] اس طرح سے بیعت کا مرحلہ بسلامت طے ہوا اور انصار مدینے کی طرف لوٹ گئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا بڑی بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔

---

[1] سیرت ابن هشام: ۱/ ۴۳۹، ۴۴۳، ۴۴۷، ۴۴۸۔ اسنادِ حسن کے ساتھ۔ اسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ فتح الباری: ۲۲۱/۷ میں ہے۔ احمد نے اسے اپنی مسند ۴۶۰/۳ میں ابن اسحٰق کے طریق سے درج کیا ہے اور فضائل الصحابہ ۹۲۳/۲ میں مختصراً ذکر کیا ہے۔ ابن اسحٰق کی ایک سند میں معبد بن کعب سے بطورِ واسطے کے زہری کا ذکر ہوا ہے اور یہ الجادۃ راوی کا وہم ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید: ۴۷/۲) اور طبع السقا میں زہری کے ذکر کے بغیر دونوں اصلوں تک سند کا ذکر ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۴۴۷/۱) اسی طرح فتح الباری ۲۲۱/۷ میں ہے اور ابن اسحٰق براہِ راست معبد بن کعب سے روایت کرتا ہے۔ وہ کسی واسطے کا محتاج نہیں ہے۔

Marfat.com

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت

صحیح روایات یہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت کا انتخاب وحی الٰہی سے ہوا، جیسا کہ حدیث میں ہے: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے سرزمین نخلستان کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہوگا، تو اچانک میرے سامنے یثرب کا شہر تھا۔'' ❶ نیز حدیث ہے: ''مجھے تمھاری ہجرت دو لاووں کے مابین کھجوروں والے گھر میں دکھائی گئی ہے۔'' ❷ گویا نبی ﷺ نے دار ہجرت کو مدینہ اور اس کے علاوہ کسی دوسرے مقام کو مجموعی صورت میں دیکھا۔ پھر آپ ؐ کو مدینہ اس کی مخصوص صورت میں دکھایا گیا، چنانچہ وہ متعین ہو گیا۔ ❸

اولین مہاجر

موسیٰ بن عقبہؒ اور ابن ؒ اسحاق اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد پہلے شخص ہیں جنھوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، جب کہ قریش نے انھیں ہجرت حبشہ سے واپسی پر ایذا دی۔ چنانچہ انھوں نے بیعت عقبہ سے ایک سال قبل مدینے کا رخ کیا۔ ❹

اسی طرح سے حضرت مصعبؓ بن عمیر اور حضرت عبداللہؓ ابن ام مکتوم اولین مہاجرین میں سے تھے جو لوگوں کو قرآن سنایا کرتے۔ ❺ پھر ان کے بعد مدینہ کی طرف جانے والے بیس

---

❶ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲۲۶۔ صحیح مسلم: ۴/ ۱۷۷۹) اور یہ حدیث کہ ''اللہ نے مجھے وحی فرمائی کہ تین شہروں میں سے جس شہر میں بھی آپ اتر پڑیں گے وہی آپ کا دار الھجرۃ ہوگا، مدینہ یا بحرین یا قنسرین (سنن ترمذی: ۵/ ۷۲۱ وقال غریب) تو یہ منکر روایت ہے جیسا کہ ابن حبان نے الثقات ۷/ ۳۱۱ میں اور ذہبی نے المیزان ۳/ ۳۳۸ میں کہا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کا ثبوت محل نظر ہے کیونکہ یہ صحیح حدیث کے مخالف ہے۔ (فتح الباری: ۷/ ۲۲۸)

❷ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲۳۱) اور زہری نے وضاحت کی ہے کہ لابتین سے مراد آتش فشانی سے جلی ہوئی دو پہاڑیاں ہیں۔ (فتح الباری: ۷/ ۲۳۴)

❸ فتح الباری: ۷/ ۲۳۴ میں ابن حجر نے ایک شارح بخاری ابن التین سے نقل کیا ہے۔

❹ سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۶۸، ابن اسحٰق کے طریق سے بغیر سند کے۔ فتح الباری: ۷/ ۲۶۱۔ اسی لیے ام سلمہؓ نے فرمایا تھا کہ ابو سلمہ کا پہلا گھرانہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ (صحیح مسلم: ۲/ ۶۳۲)

❺ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲۶۰) براء بن عازب کی حدیث سے۔

Marfat.com

صحابہؓ میں سے حضرت بلالؓ بن رباح، سعدؓ بن ابی وقاص، عمارؓ بن یاسرؓ اور پھر عمرؓ بن خطاب تھے۔ ❶ قریش نے مختلف طریقوں سے مدینے کی طرف ہجرت میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ بعض اوقات ان کو اموال لے جانے سے روک لیتے، کبھی ان کی بیویوں اور بچوں کو روک لیتے اور کبھی انھیں مکہ واپس لانے کے لیے دھوکا دہی سے کام لیتے۔ اس طرح انھوں نے مہاجرین کے لیے مشکلات پیدا کر دیں۔ لیکن اس سب کچھ میں سے کوئی چیز بھی ہجرت کو نہ روک سکی، کیونکہ مہاجرین عقیدہ پر لبیک کہتے ہوئے اپنے مال، اہل و عیال اور پوری دنیا کو تج دینے پر مکمل طور پر تیار ہو چکے تھے۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے کہا: ❷ ''جب ابو سلمہؓ نے مدینہ کی طرف نکلنے کا فیصلہ کر لیا تو میرے پاس اپنا اونٹ لے آئے اور مجھے اس پر سوار کرایا۔ میری گود میں میرا بیٹا سلمہ تھا۔ پھر وہ اونٹ کی مہار پکڑ کر مجھے لے کر نکلے۔ جب ان کو بنی مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم کے لوگوں نے دیکھا تو ان کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: ''تم اپنے بارے میں جو چاہو کرو، لیکن اپنی خاتون ام سلمہؓ کے ہم زیادہ حق دار ہیں، اسے دوسرے شہروں میں نہیں لے جانے دیں گے۔'' چنانچہ انھوں نے اونٹ کی مہار ابو سلمہؓ کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے اس سے لے لیا۔ اس مرحلہ پر ابو سلمہؓ کا خاندان بنو عبدالاسد بھی مشتعل ہو گیا، انھوں نے کہا: ''خدا کی قسم! جب تم نے اس (ام سلمہؓ) کو شوہر سے چھین لیا ہے تو ہم اپنے بیٹے (سلمہ) کو اس کے پاس نہ رہنے دیں گے۔'' پس انھوں نے میرے بیٹے سلمہ کو باہم دگر کھینچنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ اسے بنی مغیرہ نے چھوڑ دیا اور بنو عبدالاسد اس کو لے کر چلے گئے۔ بنو مغیرہ نے مجھے اپنے ہاں محبوس کر لیا۔ میرے شوہر حضرت ابو سلمہؓ مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔ یوں میرے، میرے شوہر اور میرے بیٹے

---

❶ حوالہ سابق۔

❷ ان کا نام ہند بنت ابوامیہ ہے۔ انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ کی طرف۔ جب ان کے خاوند ابو سلمہ بن عبدالاسد فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ (اصابہ ابن حجر: ۱۵۰/۸) واقدی ذکر کرتے ہیں کہ وفات کے وقت ان کی عمر ۸۴ سال تھی۔ صحیح روایات بتاتی ہیں کہ وہ یزید بن معاویہ کے دور میں عبداللہ بن زبیر کی تحریک کے دنوں میں بقید حیات تھیں۔ شاید ان کی وفات ۶۱ ھ میں ہوئی جیسا کہ محمد بن حبیب نے (المحبر ۸۵) میں کہا ہے۔ تو اس حساب سے ان کی عمر ہجرت کے وقت ۲۳ سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت ۲۷ سال تھی۔

Marfat.com

کے درمیان جدائی ڈال دی گئی۔

میں ہر صبح کو نکلتی اور ابطح کے مقام پر آ کر بیٹھ جاتی اور شام تک رویا کرتی۔ تقریباً ایک سال اسی کیفیت میں گزرا۔ چنانچہ بنو مغیرہ میں سے میرا ایک چچازاد میرے پاس سے گزرا اور اس نے میری حالت زار کو دیکھا تو اسے مجھ پر ترس آیا۔ اس نے بنی مغیرہ سے کہا: ''کیا تم اس بے چاری مسکین کو جانے نہ دو گے؟ تم نے اسے شوہر اور بیٹے سے جدا کر رکھا ہے، اس پر انھوں نے مجھے کہا: ''اگر تم چاہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔ اس موقع پر بنو عبدالاسد نے میرا بیٹا مجھے لوٹا دیا۔ چنانچہ میں اونٹ پر سوار ہوئی، اپنے بیٹے کو لے کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اپنے شوہر کی طرف مدینہ جانے کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔

اللہ کی مخلوق میں سے میرے ساتھ کوئی نہ تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: مجھے اطمینان ہو جائے اگر کوئی مجھے میرے شوہر تک پہنچانے والا مل جائے۔ جب میں تنعیم پہنچی تو (بنی عبدالدار میں سے) عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ ملا۔ اس نے مجھ سے کہا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟ اے ابوامیہ کی بیٹی!''

میں نے کہا: ''مدینہ میں اپنے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہوں۔''

اس نے کہا: ''کیا تمھارے ساتھ کوئی بھی نہیں؟''

میں نے کہا: ''نہیں، بخدا! اللہ اور اس بیٹے کے سوا کوئی نہیں۔''

اس نے کہا: ''واللہ! میں تجھے تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔''

چنانچہ اس نے میرے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور میرے ساتھ احسان کرتے ہوئے چل پڑا۔ بخدا! میں نے عرب بھر میں اس سے بہتر کوئی ساتھی نہیں دیکھا جب وہ منزل پر پہنچتا تو اونٹ کو بٹھا دیتا، پھر مجھ سے دور ہو جاتا حتی کہ میں اونٹ سے اتر جاتی۔ پھر وہ پالان اتار دیتا اور اونٹ کو درخت کے ساتھ باندھ دیتا۔ خود کسی درخت کے سایے کے نیچے جا کر لیٹ جاتا۔ جب روانگی کا وقت آتا تو اونٹ کے پاس آ جاتا، اس پر پالان کستا اور پیچھے ہٹ کر کہتا: ''سوار ہو جاؤ۔''

جب میں ٹھیک سے اونٹ پر بیٹھ جاتی، آتا اور اونٹ کی مہار پکڑ کر مجھے لے کر چلنا شروع ہو جاتا۔ پھر اگلی منزل پر جا کر پڑاؤ کرتا اور اس کا میرے ساتھ ایسا ہی سلوک رہا، حتی کہ مجھے مدینہ میں پہنچا دیا۔

Marfat.com

جب اس نے قبا میں بنی عمرو بن عوف کی بستی کو دیکھا تو کہا: ''تمھارے شوہر اس بستی میں ہیں، پس اللہ کی برکت کے ساتھ اس میں داخل ہو جا۔'' پھر وہ مکہ کی طرف لوٹ آیا۔

حضرت ام سلمہؓ فرمایا کرتیں: ''میرے علم میں کوئی ایسا مسلمان گھرانہ نہیں ہے جس پر وہ مصیبت ٹوٹی ہو جیسی کہ آل سلمہؓ پر اور میں نے کبھی کوئی عثمان بن طلحہ سے بڑھ کر شریف النفس ساتھی ہرگز نہیں دیکھا۔'' ❶

اس طویل روداد سے ان صعوبتوں کی نشاندہی ہوتی ہے جس کا سامنا مہاجرین کو تھا اور یہ وہ واقعات ہیں جو قریش کی خاندانی عصبیت کے اثر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حضرت ابوسلمہؓ کے خاندان نے اپنے عقیدہ کی مخالفت کے باوجود ان کی طرف داری کی۔ پھر یہ روایت مروت کی اس صورت کا اظہار کرتی ہے جو اسلام سے قبل قریش کے معاشرے میں معروف تھی، جس کا نمونہ عثمان بن طلحہ کے موقف اور ایک خاتون کی مصاحبت اور اس سے خیر خواہی اور نیکی کا معاملہ ہے، جس سے عثمانؓ بن طلحہ کی فطرت میں سلامتی کا اشارہ ملتا ہے جو بالآخر صلح حدیبیہ کے بعد اس کو اسلام کی طرف کھینچ کر لے گئی۔ اور شاید ان کے دل میں روشنی کا آغاز اس مسلمان عورت کے ساتھ سفر کے دوران ہو گیا تھا۔

اور ایک دوسرے واقعہ کی تاریخی صورت ہے اور وہ عمرؓ بن خطاب کی ہجرت ہے جیسا کہ انھوں نے اسے خود بیان کیا ہے۔ فرمایا: ''میں، عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن العاص بن وائل السہمی نے جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو ہم نے وادی سرف سے اوپر بنی غفار کے علاقے تناضب میں اکٹھے ہونے کا فیصلہ کیا ❷ اور یہ کہ ہم میں سے جو صبح کے وقت وہاں

---

❶ سیرت ابن هشام: ١/ ٤٦٩، ٤٧٠۔ ابن اسحٰق کی روایت سے ایک اچھی سند کے ساتھ جس میں سلمہ بن عبداللہ بن عمر بن ابوسلمہ ایک مقبول راوی ہے۔ مجھے اس کی کوئی متابع روایت نہیں ملی۔ صرف ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ (تاریخ کبیر بخاری: ٤/ ٨٠۔ ابن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل: ٤/ ١٦٦۔ ابن حبان کی الثقات: ٦/ ٣٩٩۔ تهذیب التهذیب ابن حجر: ٤/ ١٤٨، ١٤٩۔ تقریب التهذیب: ٢٤٨) جو کچھ بھی ہو یہ ایک تاریخی خبر ہے اس کا عقیدہ یا شریعت سے تعلق نہیں اور ایک واقعہ کے تاریخی طور پر ثبوت کے لیے ایک اچھے طریق سے وارد ہوا ہے اس لیے قابل قبول ہے۔

❷ تناضب ایک قسم کا درخت ہے۔ ان کے جمع ہونے کی جگہ مکہ سے دس میل کے فاصلے پر تھی۔ (روض الانف سہیلی: ٤/ ۱۸۸، ۱۹۰) سرف بھی مکہ کی وادیوں میں سے ایک ہے پہلے بے آباد تھی، مگر اب آباد ہو چکی ہے۔

Marfat.com

نہ پہنچے تو سمجھ لیا جائے کہ اس پر قابو پالیا گیا۔ پھر اس کے باقی دو ساتھی روانہ ہو جائیں۔

چنانچہ میں اور عیاش وقت مقررہ پر پہنچ گئے جب کہ ہشام پر اس سے پہلے قابو پالیا گیا اور اسے شدید آزمائش میں ڈال دیا گیا۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو قبا میں عمرو بن عوف کے ہاں اترے۔ وہاں پر ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام، عیاش کے پاس آئے --- وہ ان کا چچا زاد اور ماں کی طرف سے بھائی تھا --- وہ دونوں ہمارے ساتھ مدینہ پہنچے جب کہ رسول اللہ ﷺ مکہ ہی میں تھے۔ ان دونوں نے عیاش سے گفتگو کی اور کہا: ''تیری ماں نے نذر مانی ہے کہ وہ اس وقت تک اپنے سر میں کنگھی نہیں کرے گی جب تک کہ تجھے دیکھ نہ لے۔'' چنانچہ اس کا دل ماں کے لیے پسیج گیا۔

میں نے اس سے کہا: ''اے عیاش بخدا! یہ لوگ تجھے تیرے دین کے بارے میں آزمائش میں ہی مبتلا کرنا چاہتے ہیں، ان سے بچو...''

اس نے کہا: ''میں اپنی ماں کی قسم پوری کراؤں گا، وہاں پر میرا مال ہے وہ بھی لے آؤں گا۔''

میں نے کہا: ''بخدا! تمھیں معلوم ہے کہ میرے پاس قریش میں سے سب سے زیادہ مال ہے۔ اس میں سے آدھا مال تیرا ہوا، لہٰذا تو ان دونوں کے ساتھ نہ جا۔''

اس نے ان دونوں کے ساتھ جانے کے لیے میری بات نہ مانی۔ جب اس نے جانے کی ہی ٹھان لی تو میں نے کہا:

''جب تم نے جانا ہی ہے تو میری یہ اونٹنی لے جا، کیونکہ یہ بڑی تیز رفتار اور سدھائی ہوئی ہے۔ اس کی پیٹھ سے نہ اترنا۔ جب تمھیں ان لوگوں پر کوئی شبہ ہو تو اس کے ذریعے ان سے نجات حاصل کر لینا۔'' چنانچہ وہ ان دونوں کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔

ابھی وہ راستے میں ہی تھے کہ ابوجہل نے اس سے کہا: ''بخدا! اے بھائی، میں نے اپنی اس اونٹنی کو تھکا دیا ہے۔ کیا تو اپنی اس اونٹنی پر اپنے پیچھے مجھے نہیں بٹھا لیتا؟''

اس نے کہا: ''کیوں نہیں؟''

چنانچہ اس نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور اس نے بھی اپنی اونٹنی کو بٹھایا تاکہ وہ اس پر سوار ہو جائے۔ جب عیاش زمین پر اترا تو ابوجہل اور حارث اس پر چڑھ دوڑے اور اس پر قابو پا کر اسے

Marfat.com

باندھ لیا۔ پھر اسے لے کر مکہ میں داخل ہو گئے اور اسے شدید تکلیف میں مبتلا کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا لوٹنا اور توبہ کرنا قبول نہیں فرمائے گا جو فتنہ میں مبتلا ہوئے یعنی وہ لوگ جنھوں نے اللہ کو پہچانا، پھر وہ کفر کی طرف لوٹ گئے اس آزمائش کے باعث جو اُن پر آن پڑی۔

حضرت عمرؓ نے کہا: ''اور وہ لوگ بھی وہی کچھ اپنے بارے میں کہا کرتے تھے، پھر جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں اور ہمارے قول اور ان لوگوں کے اپنے بارے میں قول کے حوالے سے اپنا یہ ارشاد نازل فرمایا:

﴿ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَ اَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾[الزمر:۵۳تا۵۵]

(اے نبیؐ) کہہ دو کہ اے میرے بندو، جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ تو غفور رحیم ہے۔ پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور مطیع بن جاؤ اس کے، قبل اس کے کہ تم پر عذاب آ جائے اور پھر کہیں سے تمھیں مدد نہ مل سکے اور پیروی اختیار کر لو اپنے رب کی بھیجی ہوئی کتاب کے بہترین پہلو کی قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''میں نے ایک ورق کے اندر ان آیات کریمہ کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور انھیں ہشام ابن العاص کی طرف بھیج دیا۔''

فرماتے ہیں: ''ہشام نے بتایا'' جب وہ آیات مجھے پہنچیں تو میں نے انھیں ذی طویٰ (وادی مکہ) پر چڑھتے اترتے پڑھنا شروع کیا لیکن میں ان کو سمجھ نہ پاتا، حتیٰ کہ میں نے دعا کی: اے میرے اللہ! مجھے یہ سمجھا دے۔'' کہتے ہیں: چنانچہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈال دی کہ یہ آیات ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور اس بارے میں جو ہم اپنے بارے میں کہا

Marfat.com

کرتے، نیز جو ہمارے بارے میں کہا جاتا۔ کہتے ہیں: چنانچہ میں اپنے اونٹ کی طرف آیا، اس پر سوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے جا ملا۔ ❶

حضرت عمرؓ کے اعلانِ ہجرت اور ان کا وہ چیلنج ''کہ جو کوئی ان کی راہ میں روڑے اٹکائے گا تو اس کی ماں اسے گم کرے گی۔'' کے بارے میں روایت صحیح نہیں۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل بہت سارے مہاجرین قبا میں (العصبہ) نامی مکان میں موجود تھے اور سالم بن معقل -- ابوحذیفہؓ کے غلام -- زیادہ قرآن جاننے کے باعث مسجد قبا میں ان کی امامت کیا کرتے تھے۔ ❸

زہریؒ نے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی تاریخ لکھی ہے۔ اس نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ ذی الحجہ محرم اور صفر مکہ میں رہے۔ پھر مشرکین قریش نے مشورہ کیا -- یعنی آپؐ کے قتل کا -- اور حاکم نے کہا ہے: یہ خبر متواتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مکہ سے خروج اور مدینے میں داخلہ پیر کے دن تھا۔ ❹ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مدینے کی طرف ہجرت کا اذن دے رکھا تھا۔ آپؐ ابوبکرؓ کے گھر میں روزانہ صبح وشام تشریف لے جایا کرتے اور اس معمول میں فرق نہیں آتا تھا۔ ❺ جب آپؐ کو ہجرت کا اذن دیا گیا تو آپؐ خلاف معمول ظہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے جب کہ آپؐ نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ آپؐ نے ابوبکرؓ کو ہجرت کے ارادے سے مطلع فرمایا۔ چنانچہ اس کے لیے ظہر کا وقت منتخب فرمایا کیونکہ اس وقت لوگ گرمی سے بچنے کے لیے

---

❶ سیرت ابن ہشام: ۱/۴۷۷۔ حسن لذاتہ کی سند کے ساتھ کیونکہ ابن اسحٰق نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ ابن اسحٰق کے طریق سے حاکم نے مستدرک: ۲/۴۳۵ میں بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔ ذہبی نے حاکم کی تائید کی ہے۔ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۶/۶۱) طبقاتِ کبریٰ لابن سعد میں واقدی کی دوسری روایات بھی دیکھیں گویا کہ وہ ابن اسحٰق کے متن کا اختصار ہیں۔ ان روایات میں ہے کہ ''ہم لوگ چھپ چھپ کر نکلا کرتے تھے۔''

❷ ابن الاثیر کی اسد الغابہ ۴/۵۲ میں ایسی سند کے ساتھ ہے جس میں تین مجہول راوی ہیں۔ (دفاع عن الحدیث النبوی والسیرۃ البانی: ۱۴۳) اور دیکھیے: شرح مواهب اللدنیہ: ۱/ ۳۱۹۔ صالحی کی سیرت شامیہ: ۳/ ۳۱۵ اور ان دونوں کی اسناد میں بھی تین تین مجہول الحال راوی ہیں۔

❸ صحیح البخاری (فتح الباری: ۲/ ۱۸۴، ۱۳/۱۶۷)

❹ فتح الباری: ۷/ ۲۳۶.

❺ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲۳۰).

Marfat.com

اپنے گھروں میں رہتے ہیں اور قیلولہ کرتے ہیں۔ آپ ؐ کا چہرے کو ڈھانپنا اس خطرے کی نشاندہی کرتا ہے جو آپ ؐ کے آس پاس تھا۔ چونکہ قریش آپ ؐ کے قتل کا ارادہ کیے ہوئے تھے لہٰذا ان کا آپ ؐ کی نقل و حرکت کی تاک میں ہونا لازم تھا۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾

[الانفال: ۳۰]

(وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ منکرین حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلا وطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے)

اور ایک ضعیف روایت -- ارسال کے باعث -- رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر مشرکین کے اجتماع اور آپ ؐ کا ان کے سروں پر خاک ڈالنے کا قصہ بیان کرتی ہے، ❶ جیسا کہ ابن عباس ؓ نے مشرکین کی طرف سے قتل کی غرض سے آپ ؐ کے گھر کو حصار میں لینا، حضرت علی ؓ کا آپ ؐ کے بستر پر رات گزارنا اور آپ ؐ کا غار میں داخل ہونا بیان کیا ہے۔ اور یہ کہ جب مشرکین کو صبح کے وقت اس کا علم ہوا تو وہ آپ ؐ کے نشاناتِ پا تلاش کرتے ہوئے غار تک پہنچے، مگر اس کے دروازے پر انھوں نے مکڑی کا جالا دیکھا تو اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ لیکن اس روایت سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ ”جب کہ وہ غار کے منہ پر مکڑی کے جالے سے متعلق سب سے اچھی روایت ہے۔“ ❷ اور ایک بہت ہی ضعیف حدیث وارد ہوئی ہے جس میں بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غار ثور میں رات گزاری تو اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کو حکم دیا جو غار کے منہ پر

---

❶ سیرت ابن ہشام: ۱/۴۸۳۔ محمد بن کعب قرظی تک صحیح سند کے ساتھ مگر یہ مرسل ہے۔

❷ مسند احمد: ۱/۳۴۸۔ ضعیف سند کے ساتھ مگر معتبر ہے۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ۳/۱۷۹ میں اس کی تحسین کی ہے اور فرمایا ہے کہ غار کے منہ پر مکڑی کے جالا بننے کی روایات میں سب سے زیادہ اچھی روایت ہے۔ ابن حجر نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔ (الفتح: ۷/۲۳۶) زرقانی نے شرح مواہب: ۱/۳۲۳ میں اس کی تحسین کی ہے۔ اس کی سند میں عثمان بن عمرو بن ساج جزری ہے، جس میں ضعف ہے۔ (تقریب ابن حجر: ۳۸۶) اس کی توثیق صرف ابن حبان نے کی ہے۔ تہذیب التہذیب: ۷/۱۴۵ میں ہے کہ اس کی حدیث قابل اعتبار ہے۔ شیخ البانی فرماتے ہیں کہ معلوم ہونا چاہیے کہ مکڑی اور کبوتروں کے جوڑوں کے بارے میں کوئی حدیث بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ (سلسلہ احادیث ضعیفہ: ۳/۲۳۹)

Marfat.com

اگ آیا اور جنگلی کبوتروں کے جوڑے کو حکم دیا، وہ آ کر غار کے منہ پر بیٹھ گئے۔ اور یہ ہے مشرکین کا غار سے ہٹ جانے کا سبب۔ اس طرح کے فرضی قصے ہیں جو حدیث و سیرت کے بہت سے مآخذ میں در آئے ہیں۔ ❶ بہرحال آیت کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین نے آپؐ کے قتل کی سازش کی اور یہ بھی بعید نہیں کہ انہوں نے گھر کا محاصرہ بھی کیا ہوگا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''ہم ایک دن ابوبکرؓ کے گھر میں سخت دوپہر کے وقت بیٹھے ہوئے تھے تو ایک کہنے والے نے آ کر حضرت ابوبکرؓ سے کہا: وہ ہیں اللہ کے رسول ﷺ، اپنے چہرے کو ڈھانپے ہوئے، ایک ایسی گھڑی میں تشریف لائے ہیں جس میں پہلے کبھی نہیں آئے۔''

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ''آپؐ پر میرے ماں باپ قربان، بخدا! آپ کسی اہم کام کے بغیر اس وقت تشریف نہیں لائے۔''

حضرت عائشہؓ نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اندر آنے کی اجازت چاہی، اجازت دے دی گئی تو آپؐ اندر تشریف لائے اور ابوبکرؓ سے فرمایا: ''اپنے پاس بیٹھے ہوئے افراد کو اٹھا دیجیے۔''

ابوبکرؓ نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ تو آپؐ کے اہل ہی ہیں۔'' ❷ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ہجرت کا حکم دیا گیا ہے۔''

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی رفاقت کا طلب گار ہوں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔''

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسولؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان، ان دو سواریوں میں سے ایک لے لیں۔''

---

❶ اسے ابن سعد نے طبقات ۲۲۹/۱ میں نکالا ہے۔ اس کی سند میں ابومصعب مکی مجہول ہے اور عوین بن عمرو منکر الحدیث ہے اور ابن سعد نے اس کا نام عون بتایا ہے۔ بزار نے اسے اپنی مسند ۲/ق ۲۳۲ میں نکالا ہے۔ اور دیکھیے: کشف الاستار: ۲۹۹/۲، ۳۰۰ اور اس کی سند میں عوین بن عمرو منکر الحدیث ہے اور وہ محدثین کے ہاں ''کچھ بھی نہیں'' ہے۔ اس اکیلے نے یہ روایت بیان کی ہے۔ اس کا شیخ ابومصعب بھی مجہول الحال ہے۔ یہ حدیث معجم کبیر طبرانی: ۴۴۳/۲۰، دلائل نبوت ابونعیم ۲۶۹/۶، ۲۷۰۔ دلائل النبوۃ بیہقی: ۲۱۳/۲، ۲۱۴ اور البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ۱۸۱/۳ میں ہے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس طریق سے نہایت غریب حدیث ہے۔ شرح مواہب لدنیہ زرقانی: ۳۳۱/۱۔ سبل الہدی والرشاد: ۳۳۹/۳، ۳۴۰۔

❷ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیٹی عائشہ کو بیاہ چکے تھے۔

Marfat.com

آپؐ نے فرمایا: ''قیمتاً لوں گا۔'' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم نے جلدی میں ان کا سامان تیار کر دیا اور اسے بطور زادِ راہ ایک تھیلے میں رکھ دیا۔ اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنے کمر بند سے ایک ٹکڑا پھاڑا اور تھیلے کے منہ پر باندھ دیا۔ اس وجہ سے انہیں ''ذات النطاقین'' کا لقب دیا گیا۔''

فرماتی ہیں: ''پھر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ غارِ ثور میں پہنچے اور وہاں تین راتیں چھپے رہے۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ -- ذہین اور چست نوجوان -- رات وہاں گزارتا اور سحری کے وقت اندھیرے میں ہی وہاں سے لوٹ جاتا اور مکہ میں قریش کے ساتھ صبح اسطرح کرتا گویا کہ اس نے رات مکہ میں گزاری ہو۔ اس معاملے میں جو بھی باتیں ہوتیں وہ انھیں اپنے ذہن میں بٹھالیتا اور ان کو رات کے اندھیرے میں دونوں حضرات تک پہنچا دیتا۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہؓ بکریاں چراتا ہوا عشاء سے کچھ دیر بعد پر ان کے پاس پہنچتا اور تازہ دودھ دوہتا، جسے دونوں حضرات پی کر رات آرام سے گزار لیتے۔ یہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت اور گویا کہ بھنا ہوا گوشت تھا۔ وہ رات کے اندھیرے ہی میں بکریوں کو ہانک کر واپس لے جاتا۔ اس نے تین راتیں ایسا ہی کیا۔

رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ نے بنی الدیل میں سے ایک آدمی کو اجرت پر لیا جو بنی عدی بن عدی میں سے ایک ماہر رہنما تھا۔ [1] وہ عاص بن وائل السہمی کا حلیف تھا، جب کہ وہ کفار کے دین پر تھا۔ دونوں سواریاں اس کے سپرد کر دی گئیں جنھیں تیسری رات کی صبح کو غار ثور پر لانے کا طے تھا۔ [2]

دوسری صحیح روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وابوبکرؓ دونوں سوار ہو کر چلے حتی کہ وہ غار ثور پر پہنچے۔ [3] نیز ایک روایت حسن ہے جو بیان کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے غار تک گئے جب کہ مشرکین نے قتل کے ارادے سے آپؐ کا محاصرہ کر رکھا تھا اور حضرت علیؓ نے آپؐ کی چادر اوڑھ لی اور آپؐ کی جگہ سو گئے۔

---

[1] فتح الباری: ۷/ ۲۳۸۔ ابن اسحٰق نے اس کا نام عبداللہ بن ارقط بتایا ہے۔

[2] صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲۳۱، ۲۳۲)

[3] صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲۸۹)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے حصار کو توڑا اور وہ آپؐ کو دیکھ نہ پائے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ ابوبکرؓ کو اطلاع کریں کہ وہ آپؐ سے آ کر ملیں۔ چنانچہ وہ آئے، جب کہ علیؓ سو رہے تھے۔ ابوبکرؓ نے خیال کیا کہ وہ اللہ کے نبیؐ ہیں اور کہا: ''اے نبیؐ اللہ!'' حضرت علیؓ نے کہا: ''وہ تو بیرِ میمون ❶ کی طرف تشریف لے گئے ہیں، آپ ان سے جا کر ملیں۔'' راوی نے کہا: ''چنانچہ ابوبکرؓ چلے گئے اور آپؐ کے ساتھ غار میں داخل ہو گئے۔ حضرت علیؓ کو پتھر مارنے شروع کیے گئے جیسا کہ وہ اللہ کے نبیؐ کو مارے جاتے تھے، اور وہ کراہ رہے تھے۔ انھوں نے اپنے سر کو کپڑے سے لپیٹ رکھا تھا اور پھر صبح تک نہیں کھولا۔ ❷ جب انھوں نے اپنے سر سے کپڑا ہٹایا تو کفار نے کہا: ''تو خسیس ہے، ہم تیرے صاحب کو مارا کرتے تھے، وہ کراہتا نہیں تھا اور تو کراہتا ہے اور یہ ہمیں اچھا نہیں لگا۔'' ❸

غار ثور ہجرت کے لیے واضح طور پر متعین تھی اور رہنما کے ساتھ اس جگہ پر پہنچنے کا وقت مقرر کر دیا گیا تھا، چنانچہ مصطفیٰ ﷺ اور صدیقؓ کا غار کی طرف نکلنا رات میں ہوا۔ ❹

---

❶ یہ منیٰ کے راستے میں واقع تھا۔

❷ ایک ضعیف روایت اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جو رات حضرت علیؓ نے نبیؐ کے بستر پر گزاری تھی، اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علیؓ نے ایک پیتل کا بت توڑا تھا جو کعبہ کے اوپر والے حصہ میں تھا۔ اس روایت کا انحصار نعیم بن حکیم پر ہے۔ یہ ہے تو صدوق مگر اسے وہم ہو جاتا ہے۔ اس جیسا راوی جس روایت کو اکیلا بیان کرے وہ قابل حجت نہیں ہوتی۔ اور اس روایت کو اسی اکیلے نے روایت کیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۸۸/۱۴۔ ۴۸۹۔ مسند احمد: ۸۴/۱۔ نسائی کی خصائص: ۱۳۴، ۱۳۵۔ تہذیب الآثار: ۲۳۷/۳۔ مستدرک حاکم: ۵/۳) یہاں حاکم کے استاد ابوبکر بن محمد بن اسحاق قطیعی ہیں۔ ۳۶۶/۲۔ ۳۶۷۔ امام ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی سند صاف ستھری ہے مگر متن منکر ہے۔ تاریخ بغداد: ۳۰۲/۱۳۔ موضع اوهام الجمع والتفريق: ٢/ ٤٣٢۔ بوصیری کی اتحاف المهرة الخيرة ٩٣ أ۔

❸ مسند احمد: ۲۶/۵، ۲۷ (ط: احمد محمد شاکر) ابن عباس کی حدیث سند حسن کے ساتھ۔ اس میں ابو بلج صدوق ہے۔ شیخ احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح بتایا ہے۔ علامہ ہیثمی کہتے ہیں کہ احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں، سوائے ابو بلج فزاری کے، یہ ثقہ ہے اور کچھ نرم ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۱۹/۹، ۱۲۰) حافظ ابن حجر نے کہا کہ ابو بلج صدوق ہے کبھی کبھار خطا کر جاتا ہے۔ (تقریب: ۶۲۵) اس حدیث کو صرف اسی نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ جس روایت میں یہ اکیلا ہو وہ قابل حجت نہیں ہوتی۔ (مجروحین: ۱۱۲/۳)

❹ اس کی تائید مغازی عروہ، ص ۱۲۸، ۱۲۹ اور مغازی موسیٰ بن عقبہ سے ہوتی ہے۔ طبقات ابن سعد: ۲۲۷/۱ میں واقدی کی بھی یہی روایت ہے۔

Marfat.com

یہ روایت الصحیح میں وارد شدہ ہے متعارض ہونے کے باعث قوی نہیں، لیکن دونوں کے مابین موافقت ممکن ہے۔ کیونکہ الصحیح کی روایت صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر سے سوار ہونے کی صراحت نہیں کرتی اور جب ہم فرض کریں کہ ان کی مصاحبت بئر میمون سے شروع ہوئی تو ان دونوں روایتوں کے مابین موافقت ممکن ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا مال اٹھا کر لے گئے تا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے تصرف میں دے دیں اور ان کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ وہ پانچ یا چھ ہزار درہم تھے۔ ❶

چنانچہ دونوں حضرات غار میں تین رات ٹھہرے۔ مشرکین ان کے نشانات پا پر چل کر غار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے پاؤں دیکھے تو عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر ان میں سے کسی نے اپنی نظر کو نیچے کیا تو ہمیں دیکھ لے گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہیے، ہم دو ہیں اور ہمارے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔'' ❷

اسی کامل یقین اور توکل کی طرف آیت کریمہ کا اشارہ ہے۔

﴿ ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ [التوبۃ:۴۰] (جب وہ (نبی ﷺ) صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا: ''غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے'')

جب قریش ان دونوں حضرات کا کھوج لگانے میں ناکام ہو گئے تو انھوں نے ان کو قتل کرنے والے یا قید کرنے والے کے لیے انعام کا اعلان کیا۔ ❸

ایک کمزور روایت نے نبی ﷺ کے غار سے نکلنے کی ماہ ربیع الاول کی چار راتیں گزرنے پر پیر کی رات کی تعیین کی ہے۔ جب کہ قدید میں تیسرے دن کی دوپہر انھوں نے قیلولہ فرمایا۔ یہ تعیّن روایت کی اسناد کے ضعف کے علاوہ روایت کی صحت میں شک پیدا کرتا

---

❶ مستدرک حاکم: ۳/۵۔ دلائل بیہقی: ۲/۴۸۰ ایسی سند کے ساتھ جس میں یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر اور اسماء کے درمیان انقطاع ہے۔ لیکن یحییٰ نے یہ روایت اپنے باپ عباد سے لی ہے جیسا کہ سیرت ابن ہشام: ۱/۴۸۸ میں ہے اور وہ اپنی دادی اسماء سے روایت کرتا ہے۔ اس لیے یہ سند حسن ہے، پھر یہ ایسی بات ہے جو عام طور پر خاندان میں مشہور ہوتی ہے۔

❷ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/۲۵۷)

❸ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/۲۳۸)

Marfat.com

ہے۔ ❶

چنانچہ دونوں حضرات مدینے کے راستے پر تھے اور انھیں احساس تھا کہ مشرکین ان کی تاک میں ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ''قریش ہماری تاک میں تھے مگر ہم راتوں رات نکل گئے۔'' ❷ وہ ایک معجزہ تھا جو راہ ہجرت میں نبی ﷺ کے لیے رونما ہوا۔ آغاز سفر سے متعلق حضرت ابوبکرؓ کی تحریر ہم پڑھتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ''ہم رات بھر چلتے رہے حتیٰ کہ (اگلے دن) دوپہر کا وقت ہو گیا۔ راستہ خالی تھا اور اس پر چلنے والا کوئی نہ تھا۔ اس دوران ہماری نظر ایک لمبی سایہ دار چٹان پر پڑی جس پر ابھی تک دھوپ نہیں آئی تھی۔ ہم اس کے پاس ٹھہر گئے۔ میں نے چٹان کے سائے میں جگہ ہموار کر کے اس پر چادر بچھادی تا کہ نبی ﷺ نیند فرمالیں۔ پھر میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ نیند فرمائیے اور میں آپؐ کے گردونواح میں پہرہ دیتا ہوں۔'' چنانچہ آپؐ سو گئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے بتایا کہ اس دوران ان کے پاس سے ایک گڈریا گزرا جس سے انھوں نے دودھ حاصل کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھل گئی، آپؐ نے دودھ نوش فرمایا اور پوچھا: ''کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں ہوا؟'' میں نے عرض کیا: ''کیوں نہیں، اے اللہ کے رسولؐ۔'' حضرت ابوبکرؓ نے بتایا: ''چنانچہ سورج ڈھلنے پر ہم روانہ ہو پڑے۔ ہم ایک ہموار زمین میں تھے کہ سراقہ بن جعشم ہمارا تعاقب کر رہا تھا۔'' ❸

رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کی قدید کے مقام پر ام معبد کے خیمے میں اترنے

---

❶ طبقات ابن سعد: ۲۳۲/۱۔ ایک نہایت ہی واہی سند کے ساتھ۔ اس میں عبدالملک بن وہب مذحجی ہے، جس کا اصل نام سلیمان بن عمرو نخعی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ جھوٹ میں مشہور ہے۔ (تاریخ کبیر: ۲۸/۲/۲) نیز ابن ابی حاتم کی جرح وتعدیل ۳۷/۳/۵ پر معلمی یمانی کا حاشیہ دیکھیں۔ اس کی توثیق میں ابن حبان منفرد ہیں۔ (الثقات ۱۰۸/۷) اور سند میں محمد بن بشر بن محمد واسطی ابو احمد عسکری ہے، مگر صحیح بشر بن محمد بن ابان سکری بصری ہے۔ امام بخاری نے اس کا تعارف دیا ہے لیکن جرح یا تعدیل کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ (تاریخ کبیر: ۸۴/۲/۱) ابوزرعہ رازی نے کہا کہ وہ شیخ ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۳۶۴/۲) ابن عدی نے اس کے متعلق سخت جرح کا ذکر کیا ہے۔ (الکامل: ۱۰۹۶/۳، ۱۱۰۰) پھر اس سند کے اعلیٰ حصہ میں بخاری کو اس کے ارسال میں شک ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا آیا کہ حر نے ابو معبد کو پالیا تھا یا نہیں۔ (تاریخ کبیر: ۸۴/۲/۱)

❷ صحیح البخاری (فتح الباری: ۲۵۵/۷).

❸ صحیح مسلم: ۲۳۰۹/۱۴۔ براء بن عازب کی حدیث سے۔

Marfat.com

کی خبر بہت مشہور ہے۔ انھوں نے اس سے ضیافت طلب کی مگر اس نے اپنے ہاں کھانا نہ ہونے کے باعث معذرت کی کیونکہ اس کے پاس صرف ایک کمزور بکری تھی جو دودھ نہ دیتی تھی۔ آپ نے بکری کو پکڑا، اس کے تھنوں کو چھوا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ پھر ایک برتن میں دودھ دوہا حتیٰ کہ جھاگ اس کے اوپر آ گیا۔ چنانچہ سب نے دودھ پیا۔

یہ روایت ہے جس کے کچھ طرق ضعیف اور کمزور ہیں ❶ سوائے ایک طریق کے جسے

---

❶ اسے ابن اسحٰق نے اسنادِ معضل کے ساتھ نکالا ہے، جیسا کہ دلائل نبوت بیہقی ۴۹۳/۲ میں یونس بن بکیر کی روایت سے ہے۔ ابن خزیمہ نے جیسا کہ ابن حجر نے اصابہ میں ذکر کیا ہے مگر میں اس کی سند نہیں جان سکا۔ طبرانی نے معجم کبیر ۵۶/۴ میں ایسی سند سے بیان کیا ہے، جس میں مکرم بن محرز ہے، جس کی توثیق صرف ابن حبان نے کی ہے۔ (الثقات ۲۰۷/۹) ابن ابی حاتم نے اس کے متعلق کوئی جرح تعدیل ذکر نہیں کی۔ (الجرح والتعدیل: ۴۴۳/۸) اور اس میں محرز بن مھدی مجہول الحال ہے۔ ہشام بن خنیس مجہول الحال ہے۔ ہیثمی کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ایسا گروہ ہے جسے میں نہیں جانتا۔ (مجمع الزوائد: ۵۸/۶) طبرانی نے اسے ایک اور طریق سے بیان کیا ہے، جس میں عبدالعزیز بن یحییٰ مدینی ہے، جسے امام بخاری وغیرہ نے کذب کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس میں مجہول لوگ بھی ہیں، جیسا کہ ہیثمی نے کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۲۷۹/۸ اور دیکھیے: میزان الاعتدال: ۶۳۷/۲ اور الضعفاء عقیلی: ۷/۴) ابن سعد نے طبقات: ۲۳۰/۱ میں بالکل واہی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس میں سلیمان بن عمرو نخعی ہے، اس نے اپنے آپ کو عبدالملک بن وھب مذحجی کے نام میں چھپایا ہے۔ یہ کذاب ہے۔ (الکامل لابن عدی: ۱۰۹۶/۳) امام بخاری نے یہ روایت تاریخ کبیر ۸۴/۱/۲ میں بیان کی ہے اس کی سند میں عبدالملک بن وھب مذحجی کذاب ہے۔ (تاریخ کبیر: ۲۸/۲/۲) امام بخاری کو اس کی سند کے انقطاع میں شک ہے۔ اسے بزار نے دو سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ایک سند میں عبدالرحمٰن بن عقبہ مجہول الحال ہے اور یعقوب بن محمد زہری صدوق ہے مگر کثیر الوہم اور ضعفاء سے اکثر روایت کرتا ہے۔ (کشف الاستار: ۳۰۰/۲) اور دوسری سند حسن ہے اور اس کا متن بھی۔ اس کے بارے میں بزار فرماتے ہیں کہ یہ اُمّ معبد کے قصہ کے بارے میں تمام احادیث کی مخالفت کرتی ہے۔ (کشف الاستار: ۳۰۱/۲) اس کے اختلاف متن میں سے یہ بات ہے کہ ''وہ دونوں ابو معبد کے پاس اترے'' اور وہیں پر ابو معبد کے اسلام لانے کا ذکر کیا ہے۔ یہ روایت قیس بن نعمان کی حدیث میں ہے جسے طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کا سیاق مکمل ہے، جیسا کہ ابن حجر نے اصابہ ۵۰۶/۵ میں ذکر کیا ہے۔ امام حاکم نے اسے مستدرک ۹/۳ میں ہشام بن حبیش مجہول الحال کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ اسے قیس بن نعمان ۹،۸/۳ کے طریق سے بیان کیا ہے اور چرواہے کے نام کی تصریح نہیں کی۔

اسے امام بغوی، ابن شاہین اور ابن مندہ نے حزام بن ہشام بن حبیش بن خالد عن ابیہ کے طریق سے بیان کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ سیوطی: ۳۰۹/۱) اسے ابونعیم اصبہانی نے اپنی سند کے ساتھ ہشام بن حبیش کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ (دلائل: ۲۸۲/۲) اسے ابن سید الناس نے ابوبکر شافعی کے طریق سے ایسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے، جس ⇦⇦⇦

Marfat.com

صحابی قیس بن نعمانؓ نے روایت کیا ہے: ''جب رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ چھپتے ہوئے ابومعبد کے ہاں ٹھہرے تو اس نے کہا: ''واللہ! ہمارے پاس کوئی بکری نہیں۔ ہماری بکریاں حاملہ ہیں، لہٰذا ہمارے پاس کوئی دودھ نہیں۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں سمجھتا ہوں -- وہ بکری کیسی ہے؟ وہ اسے آپؐ کے پاس لے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر برکت کی دعا فرمائی، پھر اسے ایک بڑے برتن میں دوہا اور اسے پلایا، پھر سب نے پیا اور ابومعبد نے کہا: ''کیا آپؐ وہ ہیں جس کے بارے میں قریش کا

... میں کدیمی اور عبدالعزیز بن یحییٰ جیسے متہم بالکذب لوگ ہیں۔ (عیون الاثر: ۱/۱۸۸) اور ایک ایسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں ابن اسحٰق عن اسماء بنت ابوبکر ہے، اس لیے یہ سند معضل ہے۔ اور ایک ایسی سند سے بیان کیا ہے جس میں ہشام بن حبیش مجہول الحال ہے۔ ابن سید الناس نے ابوبکر شافعی کی اسانید کے ساتھ ایک اور سند کا اضافہ کیا ہے، جس میں سیف بن عمر تمیمی متروک الحدیث ہے۔ ابن کثیر نے یہ خبر ابن ابولیلیٰ کے طریق سے بیان کی ہے۔ اس میں نہ تو ام معبد کی تصریح ہے اور نہ ہی ابومعبد کی، لہٰذا اس کی سند منقطع ہے۔ جیسا کہ ابن کثیر نے بزار کی روایت کے ساتھ اسے ایسی سند سے بیان کیا ہے جس میں عبدالرحمٰن بن عقبہ ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۸۹) پھر حافظ ابن کثیر نے یہ روایت بیہقی کے واسطے سے بیان کی ہے اور اس کی سند میں عبدالملک بن وہب مذحجی کذاب ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۹۰) حافظ ابن کثیر کا خیال ہے کہ ام معبد کا قصہ کئی طرق سے مروی ہے جو کہ ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۸۸) پھر حافظ ابن حجر نے ذکر فرمایا ہے کہ ابن مندہ نے اس روایت کو عبدالرحمٰن بن عقبہ کے طریق سے بیان کیا ہے۔ (اصابہ: ۶/۱۶۹) اور پہلے گزر چکا ہے کہ یہ مجہول الحال ہے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ ۸/۳۰۶، ۳۰۷ میں یہ ذکر بھی کیا ہے کہ ابن السکن نے اس روایت کو دو طریق سے بیان کیا ہے۔ ایک ابن اشعث حفص بن یحییٰ تمیمی کا ہے اور میں اس سے واقف نہیں ہوں اور دوسرے طریق سے ایسی سند سے بیان کیا ہے جس کے تمام رجال کا ابن حجر نے ذکر نہیں کیا، لیکن ابن السکن کی دونوں روایتوں کا متن دوسری روایات کے متون سے مخالف ہے۔ اسی طرح اس قصہ کو ابن عبدالبر نے استیعاب ۱۹۵۸ میں ایسی سند سے بیان کیا ہے جس میں حکم بن ایوب خزاعی ہے جس کی توثیق صرف ابن حبان نے کی ہے۔ (لسان المیزان: ۱/۴۷۸) اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل ۲/۲۴۵ میں اس کا تذکرہ کیا ہے مگر اس کے بارے میں نہ جرح کی ہے اور نہ ہی تعدیل۔ اور اس میں محمد بن سلیمان بن حکم خزاعی ہے۔ ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر بھی الجرح والتعدیل ۷/۲۶۹ میں کیا ہے مگر نہ جرح کی ہے اور نہ ہی تعدیل۔ لیکن اس سے حدیث لکھنا کم از کم یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کی حدیث معتبر ہے۔ اس میں ایک راوی عبداللہ بن محمد بن عیسیٰ بن حکیم ہے مگر اس کے ترجمہ وتعارف سے میں آگاہ نہیں ہوسکا۔ اس طرح اس کے تمام طرق میں کوئی بھی طریق سخت داغدار علتوں سے خالی نہیں۔ اور یہ اپنے تمام طرق کے باوجود معجزات کے موضوع میں حجت ودلیل کے قابل نہیں ہے۔ لیکن تابعی کبیر عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ اور صحابی جلیل جابر بن عبداللہ کی دو حدیثیں ام معبد کے قصہ کے طرق میں مثالی اور شاندار ہیں۔ یہ دونوں مل جل کر روایت کو حسن لغیرہ بنا دیتی ہیں۔ لیکن یہ دونوں قیس بن نعمان کی حدیث کے مقابلہ میں قوی نہیں جو طیالسی کے طریق سے مروی ہے کیونکہ وہ حسن لذاتہ ہے بلکہ حافظ ابن حجر کے خیال میں وہ صحیح ہے۔

Marfat.com

خیال ہے کہ آپ گمراہ ہیں؟'' آپؐ نے فرمایا: ''وہ ایسا ہی کہتے ہیں۔'' اس نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے۔'' پھر کہا: ''کیا میں آپؐ کے ساتھ آ جاؤں؟'' آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، حتیٰ کہ تو یہ سن لے کہ ہمیں غلبہ حاصل ہو گیا ہے۔'' چنانچہ بعد میں اس نے آپؐ کی اتباع اختیار کی۔ اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے حسی معجزے کی خبر ہے جسے ابو معبد نے دیکھا اور مسلمان ہو گیا۔ ❶

اب ہم سراقہ بن جعشم کی روایت کو لیتے ہیں جو اس تاریخی واقعہ کی تکمیل کرتی ہے اور جس میں نبی ﷺ کے معجزے کی تفاصیل سامنے آتی ہیں۔ سراقہ نے کہا: ''جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے تو قریش نے اس شخص کو سو اونٹنیاں دینے کا اعلان کیا جو آنحضور ﷺ کو ان کے ہاں لوٹا دے۔ اس دوران میں جب کہ میں اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا تو ہمارا ہی ایک شخص آ کر ہم پر کھڑا ہوا اور کہا: ''بخدا! میں نے ابھی ابھی تین افراد کا ایک قافلہ جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہیں۔'' سراقہ نے بتایا: ''میں نے اسے آنکھ کا اشارہ کیا کہ چپ رہ۔'' تب میں نے کہا: ''یہ تو بنو فلاں ہیں، اپنی گمشدہ چیز کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔'' تو اس نے کہا: ''شاید کہ وہی ہوں...'' پھر وہ خاموش ہو گیا۔

سراقہ نے کہا: ''میں تھوڑی دیر ٹھہرا رہا، پھر اٹھا اور اپنے گھر داخل ہوا۔ تب میں نے اپنے گھوڑے کے بارے حکم دیا کہ وہ بطن وادی میں میرے سپرد کیا جائے اور اپنے اسلحہ سے متعلق حکم دیا کہ وہ گھر کے عقب سے میرے حوالے کیا جائے۔ پھر میں نے اپنا ترکش لیا، جس سے میں فال نکالا کرتا تھا۔ ❷ میں نے تیر پر پَر لگایا اور اس کے ساتھ فال نکالی۔ فال وہ نکلی جو

---

❶ اسے بزار نے اسنادِ حسن کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور اس کے بعد کہا ہے کہ اس حدیث کے علاوہ قیس کی کوئی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے علم میں نہیں ہے۔ اور ان الفاظ کے ساتھ بھی صرف انہی سے یہ حدیث آتی ہے اور یہ حدیث اُم معبد کے قصہ میں تمام احادیث کے خلاف ہے۔ (کشف الاستار: ۲/۳۰۱) ھیثمی کا کہنا ہے کہ اسے بزار نے روایت کیا اور اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (۶/۵۸) اور حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے قیس بن نعمان کی حدیث سے سند صحیح کے ساتھ نکالا ہے اور اس کا سیاق بھی مکمل ہے۔ (اصابہ: ۵/۵۰۶)

❷ عربی کے الفاظ قداح، اَزناد، سہام، اقلام اور ازلام ان سب کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ کچھ لکڑی کی چھڑیاں ہوتی تھیں جو قسمت اور نصیب آزمانے کے لیے بنائی جاتی تھیں۔ یہ جسامت میں ایک جیسی ہوتیں، صرف نشان و علامت میں الگ الگ ہوتیں۔ ان کے ذریعے سے مشرک اپنے معبودوں سے مشورہ لیتا تھا۔ (محمود سلیم حوت کی تالیف فی طریق المیثولوجیا عند العرب، ص: ۱۴۲، ۱۴۶)

Marfat.com

مجھے ناپسند تھی، یعنی ''اسے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا''۔ مجھے امید تھی کہ میں آپؐ کو قریش کے پاس لوٹا دوں گا اور سو اونٹنیاں حاصل کر لوں گا۔

چنانچہ میں آپؐ کے تعاقب میں سوار ہو گیا۔ اس دوران میں جب کہ میرا گھوڑا مجھے لے کر تیز دوڑ رہا تھا، پھسلا اور اوندھے منہ گرا اور میں اس سے گر پڑا۔ میں نے کہا: ''یہ کیا ہوا؟ پھر میں نے تیر سے فال نکالی، تو فال وہ نکلی جو مجھے ناپسند تھی مگر نقصان نہ دینے والی تھی۔ لیکن میں نے آپؐ کے تعاقب پر ہی اصرار کیا اور پھر سوار ہو گیا۔ اسی دوران جب کہ میرا گھوڑا مجھے لے کر تیز دوڑ رہا تھا، پھسلا اور اوندھے منہ گرا اور میں اس سے گر پڑا۔ میں نے کہا: یہ کیا ہوا؟ پھر میں نے تیر لیا اور فال نکالی۔ فال وہ نکلی جو ناپسندیدہ مگر بے ضرر تھی۔ اس کے باوجود میں آپؐ کے تعاقب میں سوار ہوا۔ جب مجھے وہ لوگ نظر آئے تو میرا گھوڑا پھسلا، منہ کے بل گرا اور اس کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے اور میں اس سے گر پڑا۔ جب اس نے اپنے پاؤں زمین سے کھینچے تو بگولے کی طرح دھواں اٹھا۔ یہ دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ میں آپؐ کو نہیں پا سکتا اور یہ کہ وہ غالب آنے والے ہیں۔

میں نے ان حضرات کو پکارا اور کہا: ''میں سراقہ بن جعشم ہوں۔ مجھے مہلت دیجیے کہ میں آپؐ سے بات کروں۔ بخدا! آپؐ کو دھوکا نہیں دوں گا اور نہ میری طرف سے آپؐ کو ناپسندیدہ چیز پہنچے گی۔'' رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ سے کہا: ''اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے؟'' ابوبکرؓ نے مجھ سے یہی پوچھا تو میں نے کہا: ''مجھے ایک تحریر دیجیے، وہ آپؐ کے اور میرے درمیان ایک نشانی ہوگی۔'' رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ سے فرمایا: ''اسے تحریر کر دو۔'' انھوں نے ایک ہڈی یا چمڑے کی ٹکڑے یا ٹھیکری پر لکھا اور اسے میری طرف پھینک دیا۔ میں نے اسے لے لیا اور اپنے تھیلے میں رکھ لیا اور لوٹ آیا، خاموشی اختیار کر لی اور اس واقعہ کا کوئی ذکر نہ کیا۔'' پھر اس نے فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ سے ملاقات اور اپنے اسلام لانے کا قصہ بیان کیا۔ [1]

سراقہ نے ایک صحیح روایت میں بیان کیا کہ وہ ان دونوں حضرات کے قریب پہنچا حتی کہ

---

[1] سیرت ابن ہشام: ۱۰۴،۱۰۲/۲۔ اسناد صحیح لغیرہ کے ساتھ۔ کیونکہ ابن اسحٰق کی بخاری میں متابعت کی گئی ہے۔ عقیل نے ان کی متابعت کی۔ (صحیح البخاری جیسا کہ فتح الباری: ۲۳۰/۷، ۲۳۸ میں ہے) ابن حجر نے زہری کی حدیث کا موصول ہونا واضح کیا ہے۔ ۲۴۰/۷۔

Marfat.com

اس نے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کو سنا جب کہ آپؐ کسی طرف متوجہ نہیں تھے اور ابو بکرؓ بار بار مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ سراقہ نے ان دونوں حضرات کو زاد اور کچھ دوسرا سامان پیش کیا لیکن انھوں نے کوئی چیز قبول نہ کی۔ صرف یہ ہدایت کی کہ ہمیں اخفا میں رہنے دو۔ ❶ اور صحیح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دن کے آخر پر نبی ﷺ پر ایمان لانے والا ہو گیا جب کہ آغاز میں وہ آپؐ کا منکر تھا اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے بددعا کی تو اس کو گھوڑے نے گرا دیا۔ ❷ دونوں حضرات راستے میں ملنے والے لوگوں سے بات کرنے میں احتیاط فرماتے۔ جب ابو بکرؓ سے رسول اللہ ﷺ کے بارے پوچھا جاتا تو وہ کہتے: ''یہ شخص مجھے راہ دکھانے والا ہے۔'' سننے والا خیال کرتا کہ اس سے مراد راستہ ہے، حالانکہ اس سے مراد اسلام کی راہ تھی۔ ❸ اس بات کو صحت کا درجہ حاصل ہے کہ وہ واقفِ راہ انھیں ساحلی راستے سے لے کر گیا۔ ❹ ابنؒ اسحاق نے اس راستے کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جسے انھوں نے اختیار کیا۔

ابنؒ اسحاق نے کہا: ''جب عبداللہ بن اریقط انھیں لے کر نکلا تو اس نے مکہ کا نشیبی راستہ اختیار کیا، پھر انھیں ساحل پر لے کر چلا حتی کہ اس نے عسفان کے زیریں راستے کو عبور کیا۔ پھر ان کو امج کے زیریں راستے سے استجاز، خرار، ثنیۃ المرۃ، لقفا، مدلج لقف، مدلج، محاج پھر مرجح، محاج پھر تبطن، مرجح ذی الغضوین، ذی کشر، پھر جداجد، پھر اجرد، پھر ذا اسلم، پھر مدلج تعھن، عبابید، پھر اجاز، پھر فاجہ لے گیا۔

ابنؒ ہشام نے کہا: پھر ان کو عرج لے گیا وہاں انھوں نے بعد دوپہر آرام فرمایا۔ تب رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص اسلم اوس بن حجر نے ایک اونٹ جسے ابن الرداء کہا جاتا تھا پر سوار کر کے مدینہ کی طرف روانہ کیا اور اپنا ایک غلام -- مسعود بن ھنیدہ -- آپؐ کے ساتھ کیا۔ پھر ایک واقفِ راہ نے ان کے ساتھ عرج اور رکوبہ کی داہنی جانب سے ثنیۃ العائر کا راستہ اختیار کیا حتی کہ انھیں بطن رئم اتارا۔ چنانچہ ربیع الاول کی بارہ راتیں گزرنے پر پیر کے دن سخت دھوپ میں جب کہ سورج

---

❶ صحيح البخاري (فتح الباري: ٧/ ٢٣٨، ٢٣٩).

❷ صحيح البخاري (فتح الباري: ٧/ ٢٤٩، ٢٥٠).

❸ صحيح البخاري (فتح الباري: ٧/ ٢٤٩).

❹ صحيح البخاري (فتح الباري: ٧/ ٢٣٢).

Marfat.com

ڈھلنے والا تھا وہ انھیں قبا میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں لے کر پہنچا۔ [1]

مدینہ کے مسلمان مکہ سے رسول اللہ ﷺ کا نکلنا سن چکے تھے۔ وہ ہر صبح مدینہ سے باہر نکل کر آنحضور ﷺ کا انتظار کیا کرتے، حتیٰ کہ جب دھوپ زیادہ تیز ہو جاتی اور کوئی سایہ نہ رہتا تو وہ اپنے گھروں کو پلٹ جاتے، تا آنکہ وہ دن جب آپؐ کے قدم مبارک وہاں پہنچے اور وہ آپؐ کا انتظار کر کے گھروں کو جا چکے تھے۔ ایک یہودی نے آپؐ کو دیکھا تو اس نے ان کو پکار کر بتایا۔ پس وہ اپنا اسلحہ اٹھائے سخت دھوپ میں آپؐ کے استقبال کے لیے نکلے اور آپؐ کو دیکھا، اور ان کی فرحت کی کوئی حد نہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے قبا میں چودہ راتیں قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ [2]

جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا تو آپؐ نے بنی نجار کے زعماء کو بلا بھیجا اور وہ تلواروں کو گلے میں لٹکائے ہوئے آئے۔ [3]

روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کا استقبال کرنے والے انصار پانچ سو کی تعداد میں تھے۔ [4] انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کا احاطہ کر رکھا تھا جب کہ وہ سوار تھے۔ اور وہ مبارک کارواں مدینہ میں داخل ہوا۔ وہاں شور مچ گیا: ''نبی اللہ آئے۔'' ''نبی اللہ آئے۔'' [5] مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور لڑکے بالے راستوں میں پھیل گئے۔ وہ آوازیں دیتے پھرتے تھے: ''اے محمدؐ، اے اللہ کے رسولؐ! اے محمدؐ، اے اللہ کے رسولؐ!'' [6] براء بن عازب صحابیؓ

---

[1] مستدرك حاكم: ۳/ ۸۔ اسنادِ حسن کے ساتھ۔ اس روایت میں ابن اسحٰق نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔ ابن حجر نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس کے دو اور طرق کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ (فتح الباری: ۷/۲۳۸) دیکھیے: سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۹۱، ۴۹۲ بغیر سند کے۔ اور صحیح مسلم ۴/۲۳۱۱ میں ہے کہ ان کا مدینہ میں آنا رات کے وقت تھا۔ ان دونوں باتوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ وہاں رات کو پہنچے اور داخلہ دن کے وقت ہوا۔ (الفتح: ۷/۲۴۴)

[2] صحيح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲۳۹، ۲٦٥) سیرت ابن هشام: ۱/ ٤۹۲۔ سند حسن کے ساتھ۔ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

[3] صحيح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲٦٥).

[4] اسے امام بخاری نے اپنی تالیف التاریخ الصغیر میں بیان کیا ہے، جیسا کہ فتح الباری: ۷/۲۵۱ میں ہے۔ مگر یہ حدیث مطبوعہ کتاب میں نہیں ملی اور اس کی سند صحیح ہے۔

[5] صحيح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲٥۰).

[6] صحيح مسلم: ٤/ ۲۳۱۱.

Marfat.com

-- عینی شاہد -- نے کہا: ''میں نے اہل مدینہ کو کسی چیز سے اتنا خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خوش ہوتے دیکھا۔'' ❶

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جو استقبال کے وقت اس گیت کا اظہار کرتی ہے: (طلع البدر علینا من ثنیات الوداع)، کسی صحیح روایت سے اس کا ثبوت نہیں۔ ❷

رسول اللہ ﷺ چلتے ہوئے آگے بڑھے حتیٰ کہ ابوایوب انصاری کے گھر کے پاس ٹھہرے۔ آپ نے پوچھا: ''گھروں میں سے کس کا گھر زیادہ قریب ہے؟ تو ابوایوب نے کہا: ''میں ہوں اے اللہ کے رسول ﷺ، یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا دروازہ ہے۔'' چنانچہ آپ ان کے گھر پہ اتر پڑے۔ ❸

سیرت کی کتابوں میں وارد ہے کہ انصار کے زعماء رسول اللہ ﷺ کی میزبانی کا شوق رکھتے تھے۔ ان میں سے جو بھی آتا وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاں قیام کی درخواست کرتا۔ آپ ان سے فرما دیتے: ''اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، وہ حکم کی پابند ہے۔''

چنانچہ اس نے ابوایوب کے دروازے پر گھٹنے ٹیک دیے۔ ❹ حضرت ابوایوب کے گھر

---

❶ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲۶۰).

❷ فتح الباری ابن حجر ۷/ ۲۶۱، ۲۶۲۔ زاد المعاد ابن قیم: ۳/ ۵۵۱۔ زرقانی کی شرح مواهب لدنیه: ۱/ ۳۵۹، ۳۶۰.

❸ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲۵۰، ۲۶۵)

❹ سیرت ابن هشام: ۱/ ۴۹۴ بغیر سند کے۔ مغازی موسیٰ بن عقبہ: ۱۸۳/۱ بغیر سند کے۔ ابن عائذ اور سعید بن منصور دونوں نے عطاف بن خالد کے طریق سے اسے بیان کیا ہے۔ یہ صدوق ہے مگر وہمی بھی۔ اس نے صدیق سے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری: ۲۴۶/۷۔ تقریب: ۳۹۳) عطاف اسے صدیق بن موسیٰ عن عبداللہ بن زبیر کے طریق سے روایت کرتا ہے۔ (البدایه والنهایه: ۳/ ۲۰۰) حافظ ابن حجر نے اشارہ فرمایا ہے کہ حاکم نے اسے اسحٰق بن ابوطلحہ عن انس کے طریق سے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری: ۲۴۵/۷) میں نے اسے مطبوعہ مستدرک میں نہیں پایا۔ (اسحٰق ثقہ ہے جیسا کہ تقریب میں ہے) حاکم کی اسناد البدایہ والنہایہ ۱۹۷/۳ میں ہے اور یہ ایک ضعیف سند ہے اس میں ابراہیم بن صرمہ حدیث میں قابل اعتبار بزرگ ہیں اور محمد بن سلیمان اس کا حال معلوم نہیں۔ اسے ابن سعد نے جس سند سے بیان کیا ہے اس میں واقدی ہے۔ (طبقات: ۱/ ۲۳۶، ۲۳۷) ور ایک سند معضل سے روایت کیا ہے۔ (۲۳۷/۱) جیسا کہ البدایہ والنہایہ ۲۰۰/۳ میں ہے اسے بیہقی نے سعید بن منصور سے روایت کیا ہے، اس میں عطاف ابن خالد ہے۔ عبداللہ بن زبیر کی حدیث انس کی حدیث سے تقویت حاصل کر لیتی ہے اور حسن لغیرہ کی طرف ترقی کر جاتی ہے۔

Marfat.com

کی دو منزلیں تھیں۔ ابو ایوب انصاریؓ نے کہا: ”جب رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر پہ اترے تو آپؐ نے نچلی منزل میں قیام فرمایا جب کہ میں اور ام ایوبؓ بالائی منزل میں تھے۔ میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسولؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، مجھے یہ ناپسند ہے اور میں اسے غلط سمجھتا ہوں کہ میں اوپر رہوں اور آپؐ نیچے ہوں۔ آپؐ اوپر تشریف لے چلیے اور ہم اتر کر نیچے آ جاتے ہیں۔“ آپؐ نے فرمایا: ”اے ابو ایوبؓ! ہمارے لیے اور ہمارے ملاقاتیوں کے لیے یہ زیادہ باعث آرام ہے کہ ہم نچلے حصے میں رہیں۔“

ابو ایوبؓ کہتے ہیں کہ ہمارا پانی والا برتن ٹوٹ گیا، میں اور ام ایوبؓ نے اسے مخمل کے ساتھ جس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی دیگر لحاف نہ تھا پانی کو جذب کرنا شروع کر دیا مبادا اس کے قطرے رسول اللہ ﷺ پر پڑیں اور آپؐ کو تکلیف پہنچے۔ [1]

ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو ایوبؓ کے گھر میں آپؐ کا قیام سات ماہ رہا۔ [2]

مہاجرین کی رہائش کے لیے انصار نے قرعہ اندازی کی [3] اور انھیں اپنی ذات پر ترجیح دی تو انھوں نے بہت بڑی مدح حاصل کی، جس نے ان کے ذکر کو آئندہ زمانوں اور آئندہ نسلوں میں ہمیشگی عطا کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ایثار کو قرآن حکیم میں ذکر فرمادیا جسے لوگ پڑھتے ہیں:

---

[1] سیرت ابن ھشام: ۱/ ۴۹۸، ۴۹۹۔ اسنادِ صحیح کے ساتھ۔ مستدرك حاکم: ۳/ ۴٦۰، ۴٦۱۔ اسنادِ صحیح کے ساتھ۔ حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ اسناد امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام ذہبی نے ان سے موافقت کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اشارہ کیا ہے کہ ابو سعید خرکوشی نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں عبدالعزیز بن صہیب عن انس کے طریق سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ (فتح الباری: ۷/ ۲۵۲) خرکوشی کی شرف المصطفیٰ پر برطانیہ کی جامعہ اکستر میں تحقیق کی گئی ہے مگر میں اس سے آگاہ نہیں ہوں۔ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ۱۹۹/۳ میں اس کا ایک اور طریق ملاحظہ کریں۔ یہ طریق ہے افلح مولیٰ ابی ایوب عنه اور اس کی سند صحیح ہے۔

[2] الطبقات الکبریٰ: ۱/ ۲۳۷۔ ضعیف اسناد کے ساتھ۔

[3] صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲٦۴).

Marfat.com

﴿ وَالَّذِيۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالۡاِيۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ يُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَيۡهِمۡ وَلَا يَجِدُوۡنَ فِيۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا وَ يُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ وَلَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ ﴾ [الحشر:۹]

(جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے، وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں)

رسول اللہ ﷺ نے انصار کی بڑی تعریف فرماتے ہوئے کہا ہے: ''اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔'' ❶ مزید فرمایا: ''انصار جس وادی یا گھاٹی میں داخل ہوں گے، میں ان کے ہمراہ ہی ہوں گا۔'' ❷

جب نماز کا وقت ہوتا تو رسول اللہ ﷺ جہاں ہوتے وہیں نماز ادا فرمایا کرتے۔ پھر آپؐ نے بنی نجار کے دو یتیم بچوں کی زمین خریدی ❸ اور اس میں مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اسے ہموار کیا، اس میں موجود کھجوروں کے درخت کاٹے اور مسجد کے قبلہ کی جانب کنکریاں بچھائیں۔ دید کے قابل تھا ان کا وہ سرور جب کہ وہ مسجد کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس کام میں ان کے ساتھ تھے اور ان کی زبانوں پر یہ رجز تھی:

اللهم انه لا خير الا خير الأخرة
فانصر الانصار والمهاجرة ❹

---

❶ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۱۱۲).

❷ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۱۱۰).

❸ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲۶۵).

❹ صحیح البخاری (فتح الباری: ۷/ ۲۶۵).

Marfat.com

اے اللہ! حقیقی خیر تو آخرت ہی کی ہے۔ تو انصار اور مہاجرین کی نصرت فرما۔

مسجد کی پہلی تعمیر کھجور کی شاخوں سے تھی، پھر ہجرت کے چار سال بعد اس کی تعمیر اینٹوں سے کی گئی۔ ❶

ہجرت مہاجرین کے لیے شدید واقعہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بوقتِ ہجرت مکہ کے بازار حزورہ میں کھڑے ہو کر فرمایا: ''اے مکہ! بے شک تو اللہ کی زمین پر سب سے بہتر ہے اور تو اس میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر مجھے نکالا نہ جاتا تو میں تجھے چھوڑ کر ہرگز نہ جاتا۔'' ❷

مکہ سے آنے والے مہاجرین کو آب و ہوا کی ناموافقت کی شدت کا سامنا تھا۔ مدینہ زرعی علاقہ تھا۔ اس کی زمینیں نخلستانوں سے پُر تھیں اور اس کی فضا مکہ کی نسبت زیادہ مرطوب تھی۔ چنانچہ متعدد مہاجرین کو بخار نے آ لیا۔ ابوبکرؓ و بلالؓ انہی میں سے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ جب بخار میں مبتلا ہوئے تو کہہ رہے تھے:

كل امريء مصبح فى اهله
والموت ادنى من شراك نعله

ہر شخص اپنے گھر والوں میں دن گزار رہا ہے (اور ہم اپنے وطن سے دور پڑے ہیں) حالانکہ موت ہر شخص کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔

حضرت بلالؓ کا بخار جب اتر جاتا تو بلند آواز سے یہ کہتے:

الا ليتَ شِعري هل أبيتنَّ ليلةً
بوادٍ و حولي إذخَرٌ وجَليلُ

---

❶ فتح الباري ابن حجر: ٧/ ٢٤٦۔ انھوں نے زبیر بن بکار سے نقل کیا ہے۔

❷ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ (سنن: ٥/ ٧٢٢) اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ اور ابن ماجہ نے اپنی سنن ۲/ ۱۰۳۷ میں حدیث نمبر ۳۱۰۸ کے تحت اسے روایت کیا ہے اور دارمی نے اپنی سنن ۲/ ۲۳۹ میں بیان کیا ہے۔

Marfat.com

وهل أرِدَنْ يوماً مياهَ مِجَنَّةٍ

و هل يَبْدُونَ لي شامةٌ و طَفيلُ

کاش کہ مجھے معلوم ہو جاتا کہ میں کوئی رات وادی میں بسر کرسکوں گا اور میرے گرد اذخر اور جلیل (نامی بوٹیاں) ہوں۔ اور کیا میں کسی روز مجنہ کے چشموں پر بھی جا سکوں گا اور کیا کوہ شامہ و طفیل بھی مجھے نظر آئیں گے؟

(ابن ہشام نے کہا ہے کہ شامہ و طفیل دو پہاڑیوں کے نام ہیں)

چنانچہ حضرت عائشہؓ نے آنحضورﷺ کو اس بارے میں خبر دی تو آپؐ نے دعا کی:

''اے اللہ! مدینہ ہمیں اسی طرح سے محبوب بنادے جس طرح کہ تو نے مکہ کو ہمارے لیے بنایا تھا اس سے بھی زیادہ اور اس کو درست فرمادے۔ اس کے صاع اور مد میں ہمارے لیے برکت فرما۔ اس کے بخار کو جحفہ میں منتقل کردے۔ [1] میرے اصحاب کی ہجرت کو پایہ تکمیل تک پہنچا اور انھیں ان کی ایڑیوں پر واپس نہ پھیر۔'' [2]

مہاجرین نے متعدد مشکلات پر قابو پالیا اور وہ اجنبی سرزمین میں عقیدہ کی خاطر دعوت کے تقاضوں کو پورا کرنے میں لگ گئے، بلکہ ہجرت نبی ﷺ کی نصرت اور ذاتی خیر خواہی کے لیے ہر مسلمان پر واجب ہوگئی۔ حتیٰ کہ مکہ فتح ہوا اور ہجرت تمام ہوئی کیونکہ ہجرت کا سبب اور اس کی مشروعیت، دین کی نصرت اور کفار کے فتنہ کے خوف سے تھی۔

حکم کا انحصار اس کی علت پر ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص کسی جگہ پر اللہ کی عبادت کرنے پر قادر ہو تو باتفاق اہل علم اس پر ہجرت واجب نہیں ہے، ورنہ واجب ہے۔

اسی لیے ماوردیؒ نے کہا ہے: ''اگر کوئی مسلمان کفار کے علاقے میں دین کو غالب کرنے پر قادر ہے تو وہ علاقہ اس کے لیے دارالاسلام بن جاتا ہے اور اس میں اقامت اختیار کرنا اس سے ہجرت کر جانے سے افضل ہے جب کہ وہاں اس کے علاوہ دوسروں کے اسلام میں داخل

---

[1] صحيح البخاري (فتح الباري: ٢٦٢/٧).

[2] صحيح البخاري (فتح الباري: ٢٦٩/٧).

Marfat.com

ہونے کی امید کی جاسکتی ہو۔'' ❶

جب حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں تاریخ مدوّن کی جارہی تھی تو اسلامی تاریخ کی ابتداء ہجرت کی مناسبت سے کی گئی لیکن انھوں نے اس کا آغاز ربیع الاول کے بجائے محرم سے کیا، کیونکہ ہجرت کے ارادہ کی ابتدا محرم سے ہوئی تھی جب کہ بیعت عقبہ ثانیہ ذی الحجہ کے وسط میں واقع ہوئی، اور وہ ہجرت کی تمہید تھی۔ بیعت اور ہجرت کے ارادے کے بعد پہلا طلوع ہونے والا چاند ہلال محرم تھا، لہٰذا مناسب ہوا کہ اسے تاریخ اسلامی کا آغاز قرار دیا جائے۔ ❷

---

❶ فتح الباری ابن حجر: ۲۲۹/۷.

❷ فتح الباری: ۷/ ۲٦۸.

Marfat.com

الفصل الثانی

رسول اللہ ﷺ مدینہ میں

مدنی معاشرے کی خصوصیات
اس کے ابتدائی انتظامات
اور یہود کی جلاوطنی

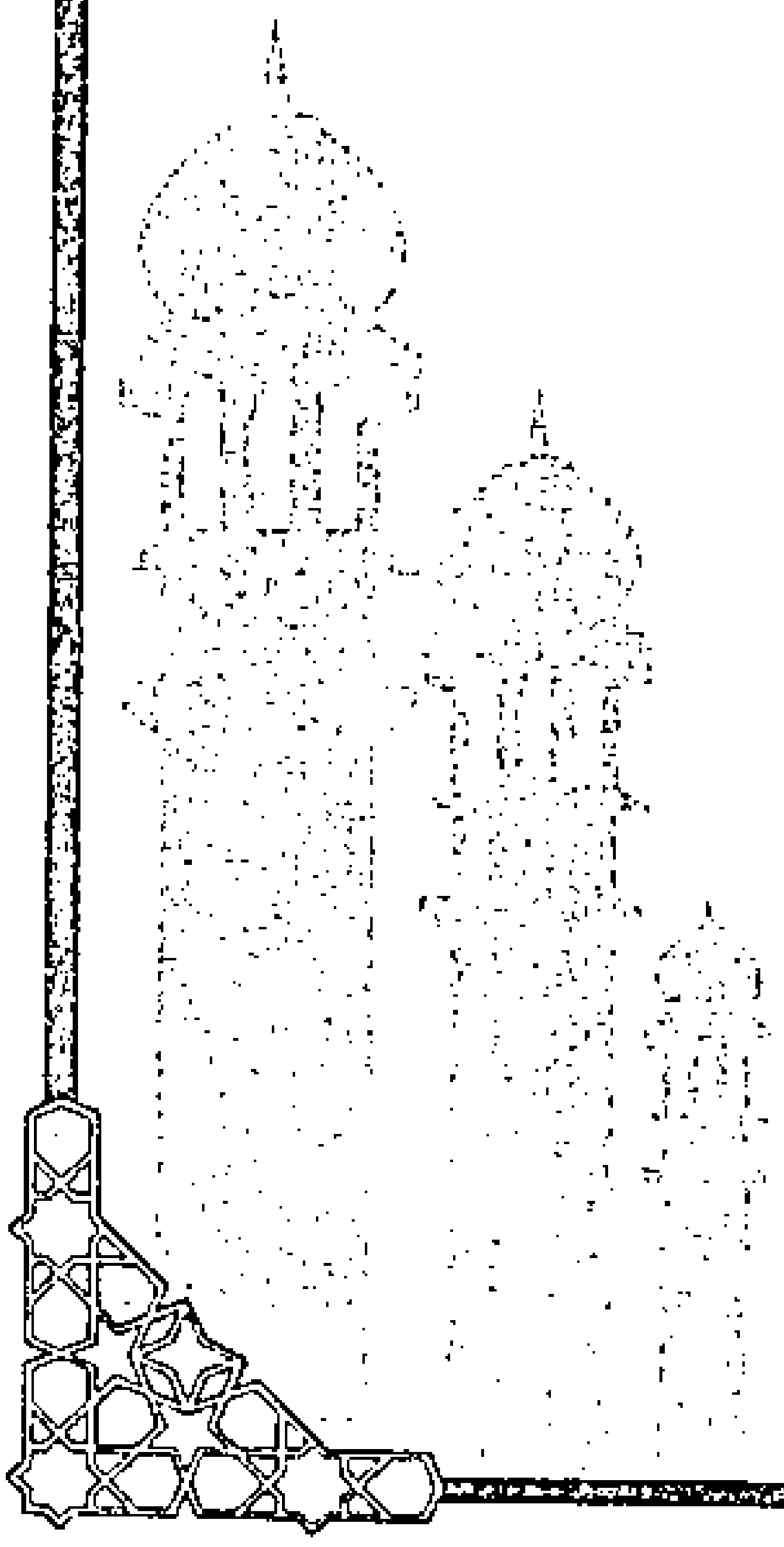

Marfat.com

Marfat.com

ہجرت سے قبل مدنی معاشرہ

''یثرب'' مدینہ منورہ کا پرانا نام تھا۔ ابلتے چشموں والی سرسبز و زرخیز نخلستانی زمین جسے چاروں طرف سے جلی ہوئی کالی چٹانوں (الحرات) نے گھیر رکھا ہے اور ان میں سے اہم 'حرۃ واقم' مشرق میں اور 'حرۃ الوبرۃ' مغرب میں ہے۔ واقم الوبرہ کی نسبت زیادہ زرخیز اور آباد ہے۔ جبل احد اس کے شمال میں اور جبل عیر اس کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ نیز اس میں بہت سی وادیاں ہیں جن میں سے مشہور بطحان، مذینیب، مہزور اور عقیق ہیں اور وہ جنوب سے شمال کی طرف ڈھلوان میں ہیں جب کہ وہ رومہ کی طرف سے آنے والے سیلابوں کے مقام اتصال پر باہم مل جاتی ہیں۔

یثرب نام ابتدائی کتابوں میں وارد ہوا ہے جس سے اس کے قدیم ہونے کا اشارہ ملتا ہے [1] لیکن اس کی تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات اسلام سے تھوڑا عرصہ پہلے کی ہیں اور وہ بھی منتشر ہیں۔ ان کی وضاحت کا آغاز زیادہ تر اس وقت ہوتا ہے جب ہم اسلامی دَور کے قریب ہوتے ہیں۔

یہود

مدینہ منورہ کے یہود اور بالعموم حجاز کے یہودیوں کی اصل -- وہ مقام جہاں سے انھوں نے ہجرت کی اور زمانہ جس میں وہ حجاز میں آئے -- کے بارے میں مختلف آراء ہیں لیکن قوی تر میلان اس طرف ہے کہ ان کی شام سے ہجرت کی ابتدا پہلی اور دوسری صدی عیسوی کے بعد ہوئی جب روم شام اور مصر پر پہلی صدی عیسوی اور یہودیوں اور ان کی ریاست انباط پر دوسری صدی (ق م) میں غلبہ پا چکا تھا۔ جس کے نتیجے میں یہودی ہجرت کر کے جزیرہ نما عرب میں آ گئے جو کہ رومیوں -- جن سے وہ خوفزدہ تھے -- کے تسلط سے دور تھا۔

اس کے علاوہ ۷۰ء میں رومیوں کے خلاف یہودیوں کی بغاوت کی ناکامی کے بعد، جسے بادشاہ تیتوس نے فرو کیا تھا، ان کی حجاز کی طرف ہجرت شدت اختیار کر گئی اور بعض یہودی پناہ گزین یثرب میں پہنچے جب کہ ان کا ایک گروہ دوسری بغاوت کی ناکامی کے بعد بادشاہ ہادریان

---

[1] تاریخ العرب قبل الاسلام جواد علی: ۳/ ۲۹۵۔

Marfat.com

کے زمانے میں ۱۳۲-۱۳۵ء کے درمیان یثرب میں آیا اور انھوں نے مدینہ اور حجاز میں یہودی کالونی کی صورت اختیار کر لی۔ ❶

بنونضیر اور بنوقریظہ یثرب کے علاقے میں اس کی زرخیزی اور شام کی طرف قافلوں کی آمدورفت کے راستوں پر تجارتی مقام کی اہمیت کے باعث بکثرت آنے جانے لگے اور یثرب کے مشرق میں واقم حرۃ میں بس گئے جو سب سے زیادہ زرخیز علاقہ تھا۔ ❷

ہجرت سے قبل یہودی قبائل میں بنوقینقاع بھی مشہور تھے جن کے بارے میں مختلف آراء ہیں کہ آیا وہ عرب تھے اور یہودی ہو گئے یا یہ کہ وہ حجاز کی طرف نکلنے والے یہودیوں میں سے تھے۔ اس اختلاف کا اطلاق یہودیوں کے دوسرے خاندانوں پر بھی ہوتا ہے جن کو قدیم مصادر نے عربی نام دیا ہے اور ان میں سے بنوعکرمہ، بنومحمر، بنوزعورا، بنوشطیبہ، بنوجشم، بنوبہدل، بنوعوف، بنومعاویہ، بنومرید، بنوقصیص اور بنوثعلبہ ہیں۔ ❸

تاریخ نے یہودیوں کی مکمل تعداد کا تذکرہ نہیں کیا لیکن سیرت کی کتابوں نے ہر قبیلہ میں سے جنگجو افراد کی تعداد کا ذکر کیا ہے جو عموماً بالغ مردوں پر مشتمل ہوتے وہ بنوقینقاع میں سے ۷۰۰، بنونضیر میں سے تقریباً اتنے ہی اور بنوقریظہ میں سے ۷۰۰ اور ۹۰۰ کے درمیان تھے ❹ تاہم تینوں یہودی قبیلوں کے جنگجو ۲۰۰۰ سے کچھ زیادہ تھے۔ یہ کم اہمیت کے حامل دیگر یہودی خاندانوں کے علاوہ تھے اور ان سے بھی جو یثرب سے متفرق مقامات میں سکونت پذیر تھے، جن کے بارے میں سمہودی بیان کرتا ہے کہ وہ ۲۰ خاندانوں سے زائد تھے۔ ❺

بلاشبہ مدنی معاشرہ یہودی گرفت میں آ گیا اس سے قبل کہ پورا عربی ڈھانچہ اقتصادی،

---

❶ ڈاکٹر جواد علی کی تالیف "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام: ٦/٥١٣، ٥١٤" (بیروت ١٩٦٨-١٩٧١)۔ ڈاکٹر محمد بیومی مہران کی تالیف "دراسات فی تاریخ العرب القدیم" (جامعہ اسلامیہ امام محمد بن سعود ریاض نے ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷م کو شائع کی) ص ٤٤٨، ٥٥٠.

❷ احمد ابراہیم الشریف کی تصنیف "مکة والمدینة فی الجاهلیة وعهد الرسول" ص: ٢٨٨.

❸ سمہودی کی وفاء الوفا: ١/ ١١٢، ١١٦۔ ابن ہشام کی سیرت: ٢/ ٢٥٩.

❹ سیرت ابن هشام: ٢/ ٤٢٨-٣/٢٥٩ (تحقیق محی الدین عبدالحمید) مزید دیکھیے: احمد ابراہیم الشریف کی کتاب "مکة والمدینة فی الجاهلیة وعهد الرسول"، ص: ٢٩٤.

❺ سمہودی کی وفاء الوفا: ١/ ١١٢.

Marfat.com

سیاسی اور فکری لحاظ سے مکمل طور پر اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتا جب کہ یہودیوں نے اس پر اپنے بعض اثرات قائم کیے نیز وہ خود بھی مدینہ کے گرد و نواح میں موجود عرب قبائل سے متاثر ہوئے۔ یہودیوں نے شام سے یثرب کی طرف پتھر سے تعمیر کا نظریہ منتقل کیا جب کہ اس میں ان کے محلات اور قلعوں کی تعداد ۵۹ تک پہنچ گئی۔ [1] اسی طرح سے وہ زرعی اور صنعتی معلومات اپنے ساتھ لائے جو یثرب کے کھجور، انگور اور انار کے باغات اور غلوں کی پیداوار میں اضافے کا باعث ہوئیں۔ نیز پولٹری اور مویشیوں کی پرورش میں اہتمام ظاہر ہوا اور گھریلو دستکاری کی صنعتیں وجود میں آئیں جنھیں عورتیں گھریلو سامان کی صورت میں تیار کرتیں اور بعض دیگر آلات جو زرعی معاشرے کے لیے ضروری تھے، مہیا کیے گئے۔ چنانچہ یہودی مدینے کے معاشرے پر اثر انداز ہوئے اور خود ان پر بھی اردگرد کے عربوں کے اثرات پڑے، جو عصبیت، سخاوت، شاعری اور اسلحہ کے استعمال کی صورت میں تھے۔ سرکش قبائلی جھگڑوں نے یہودیوں کو واحد دینی گروہ بن کر نہیں رہنے دیا، بلکہ وہ باہم جھگڑتے ہوئے متعدد قبائل بن گئے اور ہجرت مدینہ کے بعد بھی واحد صف بننے میں کامیاب نہ ہو سکے جب انھوں نے جلاوطنی کے واقعات کا سامنا کیا۔

فطری طور پر ان کی معیشت میں سب سے بڑا عمل دخل سود کا لین دین تھا جس کی مہارت یہودیوں نے ہر جگہ حاصل کر لی تھی، اگرچہ مکہ کے تجارتی معاشرے میں بھی سود کا رواج تھا۔

عرب

اوس اور خزرج کے قبیلے یثرب میں آ کر آباد ہوئے۔ لیکن یہودیوں نے پہل کی تھی اور وہ زیادہ زرخیز علاقوں اور میٹھے پانیوں کے مالک بن گئے جس سے اوس اور خزرج یثرب کی چھوڑی ہوئی سکنی زمینوں کی طرف رہنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ دونوں یمن کے بڑے قبیلے ازد سے منسوب تھے جو وہاں سے شمال کی طرف مختلف ادوار میں نکلا اور غالباً ان کی آمد ۲۰۷ء کے دوران تھی جب کہ خزاعہ نے مکہ کی طرف ہجرت کی تھی۔

قبیلہ ازد کی ہجرت کے سبب کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض اسے مارب بند کے ٹوٹنے اور سیل عرم کے واقعہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے واضح کیا

---

[1] السمهودي کی وفاء الوفا: ۱/ ۱۱۶.

Marfat.com

ہے کہ وہ قوم سبا کے لیے سزا تھی جو حق سے روگردانی کے سبب اسے دی گئی، جس کے نتیجے میں وہ مختلف شہروں میں منتشر ہوگئی۔ اس بند کا آخری شگاف ۵۴۲ء میں ابرہہ کے زمانے میں ہوا۔ ❶ بعض مؤرخین بند کے ٹوٹنے کو کم اہمیت دیتے ہیں اور اس کو سیاسی اور اقتصادی انحطاط کے اضطراب کی طرف منسوب کرتے ہیں جو روم کے بحر احمر پر قبضہ کرنے اور اس سے ہندوستان کی تجارت کے منتقل ہونے کے باعث ظاہر ہوا۔ اور مؤرخین کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس سے وہاں کے سارے باشندے متاثر ہوئے، جب کہ ان میں سے سب سے بڑا قبیلہ ازد تھا جو سدّ مآرب کے علاقہ سے باہر سکونت پذیر تھا ❷ اور یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے کہ بند کا ٹوٹ جانا مذکورہ انحطاط کے اسباب میں سے تھا، نیز اس کے نتیجے میں وہ انتشار جو اس کے گرد قوم سبا میں واقع ہوا۔ اور قبیلہ ازد میں سے ہجرت کرنے والے اوس اور خزرج تھے جو یثرب میں جا کر یہود کے پڑوس میں مقیم ہوئے۔ چنانچہ اوس نے بلند علاقہ میں قریظہ اور نضیر کے پڑوس میں سکونت اختیار کی اور خزرج نے مدینہ کے نشیب میں بنوقینقاع کی ہمسائیگی اختیار کی۔ اوس کا علاقہ خزرج کے علاقے سے زیادہ زرخیز تھا جس کی وجہ سے فریقین میں باہم مسابقت اور کشمکش تھی۔ ❸

سدیو نے ان کی ہجرت کی تاریخ ۳۰۰ء مقرر کی ہے اور یثرب میں ان کا تسلط ۴۹۲ء میں متعین کیا ہے۔ ❹ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں اقتصادیات اور آبادی سے متعلق تغیرات واقع ہوئے جو عربوں کے لیے مناسب تھے اور وہ ان کی تعداد اور ان کی خوشحالی میں اضافے کے طور پر ظاہر ہوئے۔ ❺

اوس وخزرج کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا لیکن دونوں قبیلوں کے ۴۰۰۰ مجاہد ۸ھ میں فتح مکہ میں اسلامی لشکر میں شامل ہوئے۔ ❻ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان تغیرات نے

---

❶ ڈاکٹر جواد علی کی تالیف المفصل فی تاریخ العرب: ۲/ ۲۸۵۔
❷ مکۃ والمدینۃ فی الجاھلیۃ وعھد الرسول (احمد ابراہیم) ص ۳۱۵۔ محمد بیومی مہران کی تالیف "دراسات فی تاریخ العرب القدیم" ص: ۴۵۸، ۴۵۹۔
❸ مکۃ والمدینۃ فی الجاھلیۃ وعھد الرسول (احمد ابراہیم) ص ۳۳۷، ۳۴۰۔
❹ پروفیسر سیڈیو کی تالیف "تاریخ العرب العام" ترجمہ عادل زعیتر، ص ۵۱۔
❺ وفاء الوفا سمھودی: ۱/ ۱۲۵، ۱۲۶۔ مکۃ والمدینۃ فی الجاھلیۃ وعھد الرسول، ص: ۳۲۵:
❻ مکۃ والمدینۃ فی الجاھلیۃ وعھد الرسول (احمد ابراہیم) ۳۴۸۔

Marfat.com

یثرب میں ان کے غلبہ کے لیے زمین ہموار کی جب کہ وہاں پر یہود کی سیادت قائم تھی۔ یہود نے اپنے تسلط کو قائم رکھنے کے لیے اوس وخزرج کے عربوں کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اوران کے درمیان دشمنی پیدا کی اور جنگیں بھڑکانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سلسلے کا آخری معرکہ ہجرت سے پانچ سال قبل یوم بعاث تھا، ❶ جس میں اوس نے خزرج کو شکست دی جنھوں نے اپنی قوتوں کی فوقیت کی بنیاد پر ان پر لمبے عرصے سے غلبہ حاصل کر رکھا تھا۔ حتیٰ کہ اوس نے بنونضیر اور بنوقریظہ یہودیوں کو اپنا حلیف بنایا اور انھوں نے اسے بعاث میں غلبہ دلایا۔ لیکن انھوں نے اپنی بربادی کا بڑا خطرہ محسوس کرلیا جو یہودیوں کے لیے یثرب پر تسلط جمانے کی تیاری کی صورت میں تھا۔ لہٰذا انھوں نے باہم مصالحت کی کوشش کی بلکہ فریقین نے خزرج کے ایک شخص عبداللہ بن ابی بن سلول کی بادشاہت کی نامزدگی پر اتفاق بھی کرلیا جو بعاث کے دوران مع اپنے اہل کے غیر جانبدار رہا۔ تاکہ وہ یثرب کا بادشاہ بن جائے، جس سے یوم بعاث کے بعد عربوں کی یہودیوں کے خلاف اپنے دفاع اوران پر اپنی فوقیت حاصل کرنے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

بلاشبہ اوس اور خزرج کے مابین ایام عرب کے واقعات نے کئی بار امن وسلامتی کے ساتھ زندہ رہنے کا شعور اور قوی رغبت پیدا کی۔ اور یہ شعور اپنے ساتھ بھائی چارے اور سلامتی کے احساسات لیے ہوئے یثرب کے اسلام کی طرف پیش قدمی کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہورہا تھا۔ اورام المومنین حضرت عائشہؓ نے جنگوں اور تنازعات کے اثر سے اہل مدینہ کی اسلام کی طرف پیش قدمی کو اپنے ان الفاظ کے ساتھ تعبیر فرمایا: ''یوم بعاث وہ دن تھا جسے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے پیدا فرمایا اور آپؐ نے ہاتھ بڑھا کر اسے تھام لیا، جب کہ ان کے سرکردہ لوگوں کے درمیان افتراق پیدا ہوا اوران کے بڑے قتل اور زخمی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے انھیں اسلام میں داخل ہونے کا پیش خیمہ بنادیا۔ ❷

مدنی معاشرے پر اسلام کا اثر

بلاشبہ ہر تہذیب فکر اور دین کے لیے ایک چھاپ ہوتی ہے جو اس پر لگی ہوتی ہے اور

---

❶ الکامل ابن اثیر: ۱/ ٦٦٠، ٦٦٦، ٦٦٨، ٦٧١، ٦٧٦، ٦٧٨، ٦٨٠.

❷ صحیح البخاری: ٥/ ٤٤، ٥/ ٦٧۔ سیرۃ ابن هشام: ۱/ ۱۸۳.

Marfat.com

رنگ ہوتا ہے جو اس پر چڑھا ہوتا ہے جو اسے ممیّز کر دیتا ہے۔ اور تہذیب جس کے دائرہ کار میں انسان بستے ہیں وہ اس کی امتیازی حیثیت، دوررسی اور جامعیت کی حد تک اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

اور کچھ افکار و اعتقادات اس سے باہم متشابہ ہوتے ہیں اور وہ ماسوائے متعین پہلوؤں کے ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے جیسا کہ موجودہ دنیا میں غالب فلسفوں کا حال ہے۔ اور ایک سے دوسرے کی طرف تغیر انسان کی زندگی میں کامل تبدیلی اور جامع انقلاب نہیں چاہتا، بلکہ وہ اس کے بنیادی عقیدے میں کچھ تغیر پر اکتفا کر لیتا ہے اور دوسرے میں اضافہ کرتا ہے تاکہ جدید اصول کی طرف فکری تغیر مکمل ہو جائے...

یہ تغیر بڑی کوشش کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ روزمرہ کے رویہ و عادات پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لہٰذا زندگی کی واقعیت اس سے متاثر نہیں ہوتی۔

لیکن تغیرات کا یہ اصول اسلامی نظریہ حیات پر اثر انداز نہیں ہوتا کیونکہ اس دین نے روز اول ہی سے فرد و جماعت کی زندگی میں بنیادی انقلاب پیدا کر دیا تھا کہ اس نے افراد کے روزمرہ کے رویہ اور ان کی عادات کو مکمل طور پر بدل دیا تھا۔ نیز کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں ان کے پیمانے، احکام اور نظریات بدل گئے۔ اسی طرح سے معاشرے کی بنیاد بھی واضح صورت کے ساتھ تبدیل ہو گئی، پہلے مظاہر اور صورتیں ناپید ہو گئیں اور جدید نشاناتِ راہ اور مظاہر (Phenomena) واضح ہو گئے۔

وہ تبدیلی جو اسلام نے کی دوررس اور جامع ہے۔ چنانچہ اس نے عقیدہ کے میدان میں محسوس اشیاء مثلاً اصنام و اوثان اور کواکب جنھیں لوگ دیکھتے اور چھوتے ہیں، کی عبادت کو اس اللہ واحد کی عبادت میں بدل دیا ہے جس کی کوئی مثال نہیں اور جسے نگاہیں نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اس کی تمثیل ممکن ہے اور نہ ہی اس کی حقیقت کی معرفت۔ بلکہ وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس نے اپنی ذات کی توصیف اپنی کتاب کریم اور اپنے رسول امین ﷺ کی زبان پر تمثیل و تشبیہ اور نفی و تعطیل کے بغیر کی ہے۔

اور یہ تبدیلی ''بنیادی عقل'' سے جس کا تعامل محسوسات کے ذریعے ''تہذیبی عقل'' کے ساتھ ہے۔ اللہ رب العالمین کے لیے توحید اور تنزیہہ کے فہم سے حاصل ہوتی ہے۔ اسلام نے

Marfat.com

انسان کے روزمرہ کے رویے کو سرے سے ہی بدل دیا۔ چنانچہ اس کا جاہلیت کی حالت سے نکل کر اسلام میں آ جانا ایک بہت بڑا انقلاب ہے۔

عرب اب اپنے معاملات اور اجتماعی تعلقات میں قانونی ضابطوں سے آزاد نہ رہے، بلکہ اپنی زندگی کی جزئیات مثلاً اخلاق و عادات، نیند و بیداری، کھانا اور پینا، نکاح وطلاق، خرید وفروخت وغیرہ میں شریعت کے ضابطوں کے پابند ہو گئے... بلاشبہ عادات انسان پر مسلط رہتی ہیں اور ان سے خلاصی، اور نئی عادات و خصائل قبول کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن اسلام جب اس میں گہرا ایمان پیدا کر دیتا ہے تو اسے جاہلی شخصیت سے، اس کی مکمل علامات سمیت نکال باہر کرتا ہے اور اسلامی شخصیت کو اس کی جملہ خصوصیات کے ساتھ اپنانے پر اسے قادر بنا دیتا ہے، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کی جملہ معاشی و معاشرتی سرگرمیوں کا رخ اسی کی طرف ہو جاتا ہے کیونکہ اسلام میں ہر سرگرمی اور ہر حرکت جس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، عبادت ہے۔ چنانچہ وہ نماز جو دین کا ستون ہے، کی متعین اوقات کے ساتھ دن میں پانچ مرتبہ ادائیگی کا التزام کرتا ہے۔

بلاشبہ نفس انسانی کسل مندی کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ واجبات والتزامات سے گریز کی کوشش کرتا ہے لیکن مسلمان جب اپنا سر اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھکا دیتا ہے تو وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کی پابندی کی ضرورت کی وضاحت فرمائی ہے:

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ [طٰہٰ:۱۳۲]

(اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو)

اور یہی روزے کا معاملہ ہے جس میں انسان کی کھانے پینے کی روزمرہ کی عادات کا توڑ ہے جو قوی ارادے اور عزیمت ایمانی کا محتاج ہوتا ہے...

اور انسان کا اپنے ملکیتی مال سے ایک حصہ ہر سال زکوٰۃ میں ادا کرنا حرص و بخل سے خلاصی کا متقاضی ہے۔ لہٰذا ناگزیر ہے کہ مسلمان کی اللہ کے ساتھ محبت مال کی محبت سے عظیم تر ہو، تاکہ وہ زکوٰۃ نکالے۔ وہ مال کی محبت ہی تھی جس کی وجہ سے حضرت صدیقؓ کی خلافت کے زمانے میں اکثر مرتدین نے اعلان کیا کہ وہ اسلام میں رہنے کے لیے اس صورت میں تیار ہیں جب کہ انھیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ اور جدید امور کا عادی ہونا اور نفس کو اس پر آمادہ کرنے

Marfat.com

کے لیے ایک مسلمان کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ بہت ساری پختہ عادات مثلاً شراب نوشی، جاہلی مناکحت جسے اسلام نے باطل کر دیا تھا اور سود جس پر کہ مکہ وغیرہ کی اقتصادیات کا انحصار تھا، سے خلاصی حاصل کرے۔ مسلمانوں نے اسی طرح کی دیگر عادات سے بھی اللہ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے نجات حاصل کر لی تھی ... ارشاد ربانی نازل ہوا:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾ [المائدہ:۹۰،۹۱]

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمھیں فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمھارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمھیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟)

جب یہ حکم نازل ہوا تو انصار شراب کے مٹکے لے کر گلیوں میں نکلے اور اسے بہا دیا اور کہا: انتهينا ربنا، انتهينا ربنا اے ہمارے رب! ہم باز آئے، اے ہمارے رب! ہم باز آئے، اور شراب نوشی جس کو انھوں نے ترک کر دیا وہ فرد اور معاشرے کی زندگی میں دور رس نتائج پیدا کرنے والی عادت تھی، اور شراب جو انھوں نے بہا دی وہ مال تھا جس کو انھوں نے رب العالمین کے آگے سر تسلیم کرتے ہوئے قربان کر دیا۔

عرب ریاست کے سامنے جھکنے والے نہیں تھے اور سیاسی اور معاشرتی وحدت محض قبیلہ تھا۔ نیز چھوٹی چھوٹی ریاستیں جزیرہ نمائے عرب کے کونے کونے میں اسلام سے قبل لمبے عرصے سے قائم تھیں، وہ مٹ گئیں اور بدویت اور قبائلیت ابھر آئی جس سے عصبیت، تنازعات، کشمکش اور انتشار پورے جزیرہ نما میں پھیل چکا تھا۔

جب اسلام آیا تو ریاست کا مفہوم راسخ ہو گیا اور سارے قبائل اور افراد اس کے ساتھ مربوط ہو گئے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کی ریاست محض نظریہ کی بنیاد پر قائم ہوئی اور اس نے تاریخ میں

Marfat.com

پہلی مرتبہ اسلام کے پرچم تلے جزیرہ نمائے عرب کی وحدت کے ساتھ وسعت پائی۔ اور یہ اس کی تاریخ میں سیاسی انقلاب تھا۔

اس طرح سے اسلام نے مدینہ منورہ میں فرد اور معاشرے کی زندگی میں کامل تبدیلی پیدا کی جب وہ اپنی دوررسی، جامعیت اور اثر انگیزی کی قدرت کے ساتھ ظاہر ہوا حتی کہ زندگی ہر پہلو سے اس کے رنگ میں رنگی گئی۔

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ﴾ [البقرۃ: ۱۳۸]

(کہو: ''اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا؟)

آئندہ مباحث میں ہم اس جامع تغیر کے محرکات تحریر کریں گے۔

اہل مدینہ کی اجتماعیت کی تشکیل میں ہجرت کا اثر

مہاجرین نے مدینہ منورہ کی راہ اختیار کی جبکہ وہاں اسلام کا آغاز ہو چکا تھا...... مسلمانوں کا تعلق آغاز میں قریش کے مختلف خاندانوں سے تھا، پھر ہجرت کا چل چلاؤ ہوا اور جزیرہ کے کونے کونے سے ہر مسلمان پر فرض ہو گیا کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اور یہ معاملہ اسی طرح سے رہا حتی کہ فتح مکہ ۸ھ کے بعد ہجرت بطور فریضہ رک گئی۔

ہجرت ایک عظیم واقعہ ہے اور مسلمانوں کے ہاں ہجری سال کے آغاز کی بڑی وجہ یہ اہم واقعہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے امیر المومنین حضرت عمرؓ نے ہجری تقویم وضع کی۔ چنانچہ ہجرت عقیدہ کی خاطر اخلاص و ایثار کی دلیل تھی۔ مہاجرین نے اپنا وطن، اپنا مال، اپنے اہل و عیال اور اپنے تعلقات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے چھوڑ دیا۔ جب قریش صہیبؓ رومی کے راستے میں اس دلیل کے ساتھ رکاوٹ بنے کہ انھوں نے اپنے اموال مکہ میں کاروبار کے ذریعے جمع کیے ہیں اور وہ مکہ میں آنے سے قبل صاحبِ مال نہ تھے تو انھوں نے اپنا مال ان کے حوالے کیا اور خود ہجرت کی راہ لی۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: ''صہیبؓ نفع میں رہے۔'' [1] مشرکین نے ابو سلمہؓ کو اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ ہجرت کرنے سے روک دیا۔ لیکن یہ صورت انھیں اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑ کر تنہا ہجرت کرنے میں

---

[1] مستدرک حاکم: ۳/ ۳۹۸۔ امام حاکم نے فرمایا کہ یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

Marfat.com

رکاوٹ نہ بنی۔ ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ ہر روز صبح کے وقت ابطح کی طرف نکلا کرتیں اور شام تک رویا کرتیں۔ وہ تقریباً سال بھر اسی حال میں رہیں تا آنکہ انھوں نے اپنے بیٹے کے ساتھ ہجرت کی اور اپنے شوہر سے جا ملیں۔ ❶ چنانچہ ہجرت نہایت مشکل حالات میں ہوئی اور مومنین کے ایمان کی جانچ پرکھ اور ان کے عقیدے کی قوت کا امتحان بھی ہوئی اور نیز ان کی مصلحتوں اور دنیاوی علائق واغراض پر ایمان کے غلبے کی آزمائش تھی۔ ہجرت کے واقعات صحابہؓ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی عمدہ تربیت کا ثبوت تھے۔ چنانچہ اہل ایمان زمین میں اللہ کی نیابت اور اس کی شریعت کے نفاذ اور اس کے حکم کے نفاذ اور اس کی راہ میں جہاد کے اہل بن گئے۔ ان کے سامنے مدینہ منورہ کی ریاست کی تعمیر تھی جب کہ قبل ازیں وہ زمین میں کمزور تھے اور اس خوف میں مبتلا تھے کہ مبادا وہ اچک لیے جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہجرت کے لیے مدینہ کو منتخب فرمایا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح روایت میں ثابت ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''مجھے (خواب میں) تمھارا دارالہجرت دکھایا گیا ہے، مجھے دو آتش فشاں پہاڑوں کے درمیان کھجوروں والی دلدل دکھائی گئی ہے۔'' (متفق علیہ) ❷

رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھ ابوبکرؓ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا اذن ملنے تک اسے مؤخر رکھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ابوبکرؓ مدینہ کی طرف جانے کی تیاری کیے رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا تھا: ''تیار رہیے، امید ہے کہ مجھے اس کا حکم ملے گا۔'' جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو نکلنے کا حکم دیا تو حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور ان کے اہل کے سوا کسی کو خبر نہ تھی۔ اور مشرکین کو مسلمانوں کی ہجرت نے غضبناک کر رکھا تھا۔ چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَ يَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾

[الانفال: ۳۰]

---

❶ دیکھیے: الاصابة: ۸/ ۲۲۲.

❷ صحیح البخاری: ۷/ ۱۸۶۔ صحیح مسلم: ۷/ ۵۷.

Marfat.com

(وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ منکرین حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کردیں یا قتل کرڈالیں یا جلاوطن کردیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے)

چنانچہ وہ دونوں حضرات جبل ثور کی طرف نکلے اور غار میں پناہ لی جب کہ مشرکین نے اس جگہ تک ان کا تعاقب کیا، حتی کہ غار کے دھانے پر ان کے قدم نظر آئے تو صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کے نیچے جھانکے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان دو کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہو۔'' (متفق علیہ) ❶ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو ان سے پلٹا دیا اور وہ آپ ﷺ کی ٹوہ نہ لگا سکے۔ تین روز کے بعد دونوں حضرات (صحرا کو عبور کرتے ہوئے) مدینہ کی طرف نکلے۔ ❷ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۵۳ سال اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ۵۱ سال تھی۔ لیکن ان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑے ہوئے دلوں میں مقصد کے حصول اور رسالت کے اہداف کو حقیقت میں بدلنے کے سوا کوئی دوسرا ہدف نہ تھا۔ پیغامِ اسلام، عبادات اور معاملات کے امور کو منظم کرنے کے لیے نظامِ زندگی کے طور پر عملاً نافذ کرنا تھا۔ لہٰذا ایک خطہ زمین اور ایک امت ناگزیر تھے جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کیے جائیں اور جس نے نازل شدہ قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی قولی، فعلی اور تقریری سنت کے مطابق مدینہ منورہ میں قانون سازی کی تکمیل کی... اور وہ ایک مثالی ریاست کی صورت پیش کرتی ہے --- جو بڑے مثالی معاشرے پر مشتمل تھی --- جب ایسی مثالی ریاست تاریخ انسانی میں ظہور پذیر ہوئی تو ایسی مشعل راہ بن گئی کہ ہر زمانے میں اور ہر مقام پر مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کی اقتدا کریں تاکہ اپنے لیے دونوں جہانوں میں سعادت کا حصول یقینی بنائیں۔ نیز جاہلیت کے ماحول جس نے انھیں ہر جگہ چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، میں ذلت و رسوائی اور زندگی کی تنگیوں سے دور ہو سکیں۔ جن سے نجات کی کوئی صورت نہیں، سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئیں اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کی پیروی کریں۔

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت متاخر رہی تا آنکہ ہجرت کی استطاعت رکھنے

---

❶ صحيح البخاري: ٧/ ٢١٧۔ صحيح مسلم: ٧/ ١٠٩۔

❷ مسند احمد، رقم: ٣٥١۔ اور دیکھیے: البدايه والنهايه ابن كثير: ٣/ ١٨٧، ١٨٨۔

Marfat.com

والے صحابہؓ کی بڑی تعداد جنھوں نے اللہ کے حکم پر لبیک کہا، ہجرت کر گئے اور ہجرت کی ترغیب جاری رہی اور مہاجرین کی فضیلت کا اظہار قرآن حکیم کی آیات کے نزول سے ہوتا رہا۔ نیز ہر جگہ سے نئے مسلمانوں کا ہجرت کے لیے نکلنا جاری رہا۔

مدینہ منورہ میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست اہل ایمان مہاجرین کی ضرورت مند تھی تاکہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ سے اس کی قوت میں اضافہ ہو جب کہ یہود، مشرکین اور منافقین کو اسلامی ریاست ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اور دوسری جانب اس کے گردونواح کے علاقے مشرکین عرب کے تسلط میں تھے۔ قریش اس کی تاک میں لگے ہوئے تھے جن کی نیندیں ہجرت نے اچاٹ کر رکھی تھیں۔ وہ اسلام اور اس کی نوزائیدہ ریاست کے وجود پر کاری ضرب لگانے کے لیے منصوبہ بندی اور تیاری کرتے رہتے تھے۔ اس لیے ہجرت کے بارے میں آیات کا مسلسل نزول جاری تھا اور اس کی فضیلت اور اس کے عظیم اجر کو بیان کیا جا رہا تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو ان کے دشمنوں کی طرف سے پریشان کیے جانے سے حفاظت کا اقتدار کا اور رزق میں وسعت کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّ سَعَةً ؕ وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ... ﴾ [النساء:١٠٠]

(جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور بسر اوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا، اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسولؐ کی طرف ہجرت کے لیے نکلے، پھر راستہ ہی میں اسے موت آ جائے، اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا)

یعنی جو ہجرت کی نیت سے نکلے اور راستے میں ہی فوت ہو جائے تو اس کے لیے اللہ کے ہاں ہجرت ہی کا ثواب ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ [الحج:٥٨]

(اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر قتل کر دیے گئے یا مر گئے، اللہ ان کو

Marfat.com

اچھا رزق دے گا۔ اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے)۔

اس مرحلہ پر اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ وہ کریم اپنی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو عمدہ رزق عطا فرمائے گا، خواہ وہ جہاد میں قتل کیے جائیں یا جہاد کے بغیر اپنے بستروں پر ہی فوت ہو جائیں۔

قرآن کریم نے ہجرت کی استطاعت رکھنے والے مسلمانوں کو مشرکین میں رہنے سے منع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلٰئِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ط قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ط وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَّ لَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ فَأُولٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ط وَ كَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴾

[النساء: ۹۷ تا ۹۹]

(جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔ ہاں جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے، بعید نہیں کہ اللہ انھیں معاف کر دے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے)

اور یہ اس لیے ہے کہ ان کا مشرکین کے ساتھ رہنا، ان کی کثرت میں اضافے کا باعث اور مسلمانوں سے ان کا اپنی صنعتوں اور زراعتوں میں فائدہ اٹھانا ہے، بلکہ بعض اوقات مشرکین نے ان کو اپنے ہمراہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے مجبور کیا، جیسا کہ جنگ بدر میں واقع ہوا۔ اس کے علاوہ انھیں دین سے پھیرنے کے لیے کفار کی طرف سے آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور ان کے اسلامی ریاست سے دور رہنے میں مسلمانوں کو جنگ، مصالح اور کثرت

Marfat.com

تعداد سے متعلق استفادہ کرنے میں ان سے جو محرومی ہوئی وہ مخفی نہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله) [رواہ ابوداود]

جو مشرک کے ساتھ اکٹھا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ سکونت اختیار کر لی تو وہ اسی کی مانند ہے۔

بعض مسلمان اپنی بیویوں اور اولاد کے دباؤ کے تحت مکہ سے ہجرت کرنے میں تاخیر کے مرتکب ہوئے، بعد میں جب ہجرت کی اور ان لوگوں کو دیکھا جنھوں نے ہجرت میں پہل کی تھی کہ انھوں نے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کر لی ہے تو انھوں نے اپنے بیوی بچوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا جو اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کا سبب تھا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ﴾ [التغابن: ۱۴]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمھاری بیویوں اور تمھاری اولادوں میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو) [1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہجرت اسلام کے اولین زمانے میں اسلام قبول کرنے والے ہر شخص پر فرض تھی۔ تا آنکہ ۵ ھ میں غزوہ احزاب واقع ہوا اور اسلامی ریاست کی طاقت کا اظہار ہو گیا کہ وہ جمع شدہ لشکروں کی قوت کے مقابلے میں اپنا دفاع کرنے اور اپنے وجود کی حفاظت پر قادر ہے۔ پھر نئے مہاجرین کی ضرورت نہ رہی۔ چنانچہ اسلامی ریاست کا اقدام دفاع سے حملہ آور ہونے میں بدل گیا اور وہ اسی حقیقت کی تعبیر ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ((اَلْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا))۔ اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور وہ ہم پر حملہ نہ کر پائیں گے۔

اس طرح سے مدینہ اپنے اندر زیادہ تعداد میں بسنے والوں اور غذا اور رہائش کے ضرورت مندوں کے باعث تنگ ہو گیا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خندق کے بعد بعض مہاجرین کو اپنے

[1] یہ حدیث سنن ترمذی ۲۰۲/۴ میں ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ مستدرک حاکم: ۴۹۰/۲ اور امام حاکم نے کہا کہ یہ صحیح سند والی حدیث ہے۔ امام ذہبی نے ان کی تائید کی۔ شیخین نے یہ حدیث بیان نہیں کی۔

Marfat.com

دیس میں جانے کی یہ کہہ کر اجازت فرمائی: ((هجرتكم في رحالكم)) تمھاری ہجرت تمھارے گھروں کی طرف ہے۔ جب مدینہ میں ان کی اقامت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تو ان کا اپنے قبیلوں میں رہنا زیادہ موزوں سمجھا گیا تاکہ وہ مدینہ سے باہر اسلام کی دعوت دیں اور اس کی وسعت و اشاعت کا باعث بنیں۔

لیکن اسے ہجرت سے رک جانے سے متعلق پالیسی اعلان سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ہجرت سے رکنا فتح مکہ کے بعد تھا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد و نية وإذا استنفرتم فانفروا))

(متفق عليه) ❶

"فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، لیکن جہاد اور اس کی نیت باقی ہے۔ لہٰذا جب تمھیں نکلنے کے لیے کہا جائے تو نکلو۔"

چنانچہ اس کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کا فریضہ ساقط ہو گیا البتہ جہاد اور اس کی نیت کا فریضہ مدینہ میں مقیم پر یا کسی دشمن کے اس پر حملہ آور ہونے کی صورت میں بدستور قائم رہا۔ لیکن دارالکفر میں اسلام لانے والے اور اپنے دین کے بارے میں فتنہ سے محفوظ نہ ہونے والے کے لیے ہجرت کا حکم باقی ہے، بشرطیکہ وہ اس کی استطاعت بھی رکھتا ہو۔

ہجرت کے تسلسل نے مدینہ منورہ میں رہنے والوں میں تنوع پیدا کیا اور وہ اوس و خزرج اور یہود تک محدود نہیں رہے بلکہ ان کے ساتھ قریش اور دیگر قبائل کے مہاجرین بھی آ ملے۔ ❷ اور جدید مدنی معاشرہ نے اپنی بنیادوں کو راسخ کر لیا اور اپنی تعمیر کو عقیدے کی بنیاد پر مضبوط کیا، جس نے قبائلی عصبیتوں اور دیگر جملہ روابط پر فوقیت حاصل کر لی اور امت واحدہ کا نظریہ ابھر آیا جس کی وضاحت مدینہ منورہ کے دستور کے عنوان کے تحت کی جائے گی۔ مدینہ کے رہنے والوں کی تقسیم عقیدے کی بنیاد پر ہو گئی اور وہ تین جماعتوں میں بٹ

---

❶ صحيح البخاري: ٣/ ٢٠٠- صحيح مسلم: ٣/ ١٤٨٧.

❷ مہاجرین کی پوری پوری تعداد کا علم ہمارے پاس نہیں ہے لیکن ابن ہشام نے سیرت ۲/۱۱۵،۱۴۴،۳۴۲،۳۴۶ میں اور ابن سعد نے طبقات ۲/۱۲ میں ان کی تعداد کا نام لیا ہے۔ بدر میں تراسی آدمی شریک ہوئے۔ غزوۂ بدر تک مہاجرین کی تعداد اپنے عیال سمیت چار سو سے متجاوز نہیں ہوئی۔

Marfat.com

گئے۔ مؤمنین، منافقین اور یہود۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مدینے میں مہاجرین کی آمد کے باعث معاشی و معاشرتی مشکلات پیدا ہوئیں۔ لہٰذا ان کا سامنا کرنے کے لیے ایک فیصلہ کن اقدام کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مواخات کا نظام نافذ کیا گیا۔

عہد نبوت میں نظام مواخات

اسلام نے تمام مسلمانوں کو باہم بھائی قرار دیا ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ اور ایک دوسرے کی مدد اور حق میں ایک دوسرے کی نصرت واجب قرار دی لیکن اس بحث کا موضوع وہ خاص بھائی چارہ ہے جس نے امت مسلمہ کے باہمی حقوق اور فرائض کے مقابلے میں مخصوص حقوق و فرائض بنائے۔

اور بلاذری [ت ۲۷۶ھ] اشارہ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مسلمانوں کے مابین ہجرت سے قبل حق اور خیر خواہی کی بنیاد پر بھائی چارہ قائم کر دیا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے حمزہؓ اور زیدؓ بن حارثہ، ابوبکرؓ اور عمرؓ، عثمانؓ بن عفان اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف، زبیرؓ بن العوام اور عبداللہؓ بن مسعود، عبیدؓ اللہ بن الحارث اور بلالؓ حبشی، مصعبؓ بن عمیر اور سعدؓ بن ابی وقاص، ابو عبیدؓ اللہ بن الجراح اور سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہ، سعیدؓ بن عمرو بن نفیل اور طلحہؓ بن عبید اللہ اور اپنے اور علیؓ بن ابی طالب کے مابین رشتۂ مواخات قائم کیا۔ ❶

بلاذری پہلے شخص ہیں جنھوں نے مکی نظام اخوت کی طرف اشارہ دیا ہے اور ابن عبدالبرؒ [ت ۴۶۳ھ] نے ان سے نقل کرنے کی صراحت کے بغیر، ❷ نیز ابن سید الناس نے ان دونوں سے نقل کرنے کی صراحت کے بغیر ان دونوں کی متابعت کی۔ ❸ اور حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں جمیع بن عمیرؒ کے طریق سے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ ''رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ اور عمرؓ، طلحہؓ و زبیرؓ، عبدالرحمن بن عوف اور عثمانؓ بن عفان کے مابین مواخات قائم کی۔''

حاکمؒ اور ابن عبدالبرؒ نے بسند حسن ابوشعثاء سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کی

---

❶ انساب الاشراف بلاذری: ۱/ ۲۷۰.

❷ الدرر فی اختصار المغازی والسیر: ۱۰۰.

❸ عیون الاثر: ۱/ ۱۹۹.

Marfat.com

ہے کہ نبی ﷺ نے زبیرؓ اور ابن مسعودؓ کے مابین بھائی چارہ قائم کیا تھا۔'' ❶

ابن قیمؒ اور ابن کثیرؒ کی رائے ہے کہ مکہ میں مواخات کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ چنانچہ ابن قیمؒ کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے مہاجرین کا ایک دوسرے کے ساتھ نظام مواخات قائم کر دیا تھا اور حضرت علیؓ کو اس بارے میں اپنے ساتھ لیا حالانکہ پہلی بات ہی ثابت ہے۔ ❷ کیونکہ اسلام، وطن اور نسلی قرابت کی اخوت کے ہوتے ہوئے مہاجرین کے مابین عقد مواخات کی ضرورت نہ تھی جب کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کی ضرورت تھی۔ ❸ لیکن ابن کثیرؒ نے ذکر کیا ہے کہ بعض علماء ایسے ہیں جو اس مواخات کا اس علت کی بنیاد پر انکار کرتے ہیں جس کا ذکر ابن قیمؒ نے کیا ہے۔ ❹

ابن قیمؒ اور ابن کثیرؒ کی آرا راجح ہیں کہ پہلی سیرت کی مختص کتابیں مکہ کی مواخات کے واقعہ کی طرف کوئی نشاندہی نہیں کرتیں، نیز بلاذری وہ واحد قدیمی مصدر ہیں جنھوں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور خبر کو ''قالوا'' لفظ کے ساتھ سند کے بغیر بیان کیا ہے جس سے روایت کی کمزوری ظاہر ہے۔ نیز خود بلاذری کو ناقدین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اگر مکہ میں

---

❶ فتح الباری ابن حجر: ۷/ ۲۷۱.

❷ یعنی مؤاخات مدینہ۔

❸ زاد المعاد ابن قیم: ۲/ ۷۹۔ ان سے پہلے ان کے شیخ ابن تیمیہ بھی یہ بات کہہ چکے ہیں۔ انھوں نے مہاجرین کے درمیان مؤاخات واقع ہونے کی نفی کی ہے اور خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت علیؓ کے ساتھ مؤاخات کی۔ ان کا کہنا ہے کہ مواخات بعض کی بعض کے ساتھ رفاقت اور ایک دوسرے کی تالیف قلبی کے لیے مشروع کی گئی ہے، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی کے لیے رفاقت و تالیف قلبی کا کوئی معنی نہیں اور نہ ہی کسی مہاجر کی کسی مہاجر کے ساتھ مؤاخات قائم کرنے کا کوئی مطلب ہے۔ (منهاج السنة النبوية ابن تيميه: ٤/ ٩٦، ٩٧) حافظ ابن حجر نے ابن تیمیہ کا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے کہ نص پر غور و فکر کرنے سے یہ بات رد ہو جاتی ہے۔ یہ مؤاخات کی حکمت و فلسفہ سے بے خبری ہے۔ کیونکہ بعض کے مقابلہ میں بعض مہاجرین مال و دولت، خاندان اور قوت و طاقت کے لحاظ سے زیادہ قوی و طاقتور تھے، اسی لیے اعلیٰ و ادنیٰ میں مؤاخات قائم فرمائی، تاکہ ادنیٰ درجے کا آدمی اعلیٰ درجے والے کی رفاقت حاصل کر لے، اور تاکہ اعلیٰ ادنیٰ سے مدد حاصل کر لے۔ اسی معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علیؓ کے ساتھ مؤاخات قائم ہوئی، کیونکہ وہ حضرت علیؓ ہی ہیں جو بعثت سے بھی پہلے بچپن سے لے کر آپ کے ساتھ لگے رہے، زندگی بھر۔ اسی طرح حمزہ اور زید بن حارثہ کی مؤاخات تھی، کیونکہ انھیں کا آزاد کردہ غلام تھا، ان کی اخوت بھی ثابت ہے، حالانکہ وہ دونوں مہاجرین میں سے تھے۔ (الفتح: ۷/ ۲۷۱).

❹ السيرة النبوية ابن كثير: ۲/ ۳۲٤.

Marfat.com

اس مواخات کے وقوع کی صحت کو فرض کرلیا جائے تو وہ بھائی چارہ فریقین کے مابین محض باہمی مدد اور خیر خواہی تک محدود تھا، بغیر اس کے کہ اس کے ذریعے وراثت کے حقوق مرتب ہوتے ہوں۔

مواخات مدینہ

مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کو کئی قسم کی معاشی، معاشرتی اور صحت سے متعلقہ مشکلات کا سامنا تھا۔ بلاشبہ مہاجرین نے اپنے اہل وعیال اور اپنے مال ومنال کا بڑا حصہ مکہ میں چھوڑا تھا۔ نیز ان کی مہارت تجارت میں تھی جس کے قریش عادی تھے جبکہ انھیں زراعت وصنعت میں ملکہ حاصل نہ تھا۔ زراعت وصنعت ہی مدینہ کی اقتصادیات کی بڑی بنیادیں تھیں۔ نیز یہ کہ تجارت سرمایہ کی محتاج ہوتی ہے جب کہ مہاجرین اس جدید معاشرے میں ہونے کے باعث بسہولت ایسا نہ کرسکتے تھے۔ پھر ان کے روزگار اور ان کی رہائش کا بندوبست کرنا ایک مسئلہ تھا جس کا اس نوزائیدہ ریاست کو سامنا تھا۔ نیز جدید معاشرے کے ساتھ مہاجرین کے تعلقات نئے نہیں تھے۔ مہاجرین اپنے اہل وعیال اور احباب کو مکہ چھوڑ آئے تھے ان کی یاد نے انھیں اجنبیت کا احساس دلایا اور ان میں شہر مکہ کے ساتھ انس ومحبت کے جذبات ابھر آئے۔ علاوہ ازیں مکہ کی آب وہوا مدینہ سے مختلف تھی اور مہاجرین کو بخار نے آلیا تھا۔ اس طرح سے مہاجرین کی حالت فوری علاج، وقتی اور استثنائی حل کی محتاج تھی، جب کہ انصار نے ان کی مدد کرنے میں ذرا بھی بخل سے کام نہ لیا بلکہ انھوں نے قربانی اور ایثار کی ایسی مثالیں قائم کیں جن پر اللہ نے آیات نازل کیں جو تا قیامت پڑھی جاتی رہیں گی۔

﴿يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[الحشر:۹]

(اور وہ (انصاری) اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں)

انصار کی جود وسخا کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو پیش کش کی کہ آپؐ ان کے کھجوروں کے باغات کو ان کے اور مہاجرین کے مابین تقسیم فرمادیں کیونکہ ان کی اکثریت کی معیشت کا ذریعہ کھجور ہی تھی۔ تاہم آپؐ نے انصار سے کہا کہ وہ اپنے نخلستانوں کا انتظام سنبھالے

Marfat.com

رہیں اور انھیں اپنے لیے محفوظ رکھیں البتہ مہاجرین کو کھجوروں میں شریک کرلیں۔ ❶ ہمیں معلوم نہیں کہ کھجوروں میں شرکت نصف نصف والے نظام کے مطابق تھی یا یہ کہ اس مرحلہ پر مقصود یہ تھا کہ انصار مہاجرین کی خوراک کا انتظام کریں۔ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ مہاجرین کھیتی باڑی میں مصروف ہو جائیں کیونکہ دعوت و جہاد کی مہمات میں ان کی ضرورت تھی... (نیز مہاجرین زراعت کا کام کرنا جانتے نہ تھے) جیسا کہ آپؐ نے تابیر کی ہدایت فرمائی جس کے نتیجے میں زرعی پیداوار اس حد سے کم ہوگئی جس کا مدینہ ضرورت مند تھا۔ ❷

انصار نے اپنی حدود میں جس قدر خدمت ممکن تھی، آنحضور ﷺ کو پیش کردی اور آپؐ سے عرض کیا: ''اگر آپ چاہیں تو ہمارے گھر ہم سے لے لیں۔'' اس پر آپؐ نے انھیں دعائے خیر دی۔ انصار نے جو زمینیں ان کے لیے دیں اور جو زمینیں کسی کی ملکیت نہ تھیں آپؐ نے ان پر مہاجرین کو گھر بنانے کا حکم دیا۔ ❸

اس کریمانہ طرز عمل نے مہاجرین کے دلوں کو جیت لیا چنانچہ وہ انصار کے جود و سخا کی تعریف میں رطب اللسان رہتے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مہاجرین نے کہا: ''اے اللہ کے رسولؐ! ہم جن لوگوں کے پاس آئے ہیں ہم نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جو قلیل مال میں بھی خیر خواہی کرنے والے ہیں اور کثرت مال میں فراخدلی سے خرچ کرنے والے ہیں۔ انھوں نے ہمیں محنت سے روک دیا اور پیداوار میں شریک بنالیا ہے۔ حتیٰ کہ ہمیں خوف ہے کہ سارے کا سارا اجر وہی لے جائیں گے۔'' تو آپؐ نے فرمایا: ''نہیں جب تک تم ان کی تعریف کرتے رہو گے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو گے، ایسا نہیں ہوگا۔'' ❹

نظام مواخات کے لیے قانون سازی

انصار کے مال خرچ کرنے اور ان کی سخاوت کے باوجود مہاجرین کی کفالت کے لیے

---

❶ صحیح بخاری: ٥/ ٣٩.

❷ صحیح بخاری: ٢/ ٣٢٩.

❸ انساب الاشراف بلاذری: ١/ ٢٧٠.

❹ سنن ترمذی: ٤/ ٦٥٣، حدیث نمبر: ٢٤٨٧۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ مسند احمد: ٣/ ٢٠٠، ٢٠٤۔ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ١/ ٢٠٠۔ السیرۃ النبویۃ ابن کثیر: ٢/ ٣٢٨.

Marfat.com

باعزت معیشت کا نظام قائم کرنا باقی تھا۔ بالخصوص مہاجرین کی عزت نفس اور ان کی منزلت کا تقاضا تھا کہ ان کے مسائل کا حل کس ضابطے اور قانون کے ذریعے ہو تاکہ ان میں یہ احساس نہ پیدا ہو کہ وہ انصار پر بوجھ ہیں۔ چنانچہ نظام مواخات کا قانون بنایا گیا۔ روایات میں اس کی قانون سازی کی تاریخ کے متعلق ہلکا سا اختلاف ہے اور سب اس پر متفق ہیں کہ مواخات ہجرت کے پہلے سال واقع ہوئی جب کہ اختلاف یہ ہے کہ آیا وہ مدینہ میں مسجد کی تعمیر کے بعد واقع ہوئی یا اس کی تعمیر کے دوران۔ ❶ ابن عبدالبرؒ اس کی قانون سازی کی تاریخ ہجرت کے پانچ ماہ بعد بیان کرتے ہیں۔ ❷ ابن سعد کا بیان ہے کہ مواخات ہجرت کے بعد اور غزوہ بدر الکبریٰ سے پہلے وجود میں آئی، ❸ لیکن انھوں نے اس کی حتمی تاریخ متعین نہیں کی۔

روایات کی رو سے اس قانون سازی کا اعلان انسؓ بن مالک کے گھر میں ہوا۔ ❹ اور مواخات مہاجرین وانصار کے مابین ہوئی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین وانصار میں دو دو کے مابین مواخات قائم کی۔ یہ ۴۵ مرد مہاجرین اور ۴۵ مرد انصار پر مشتمل تھی۔ کہا گیا ہے کہ مہاجرین میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ رہا کہ اس کی کسی انصاری کے ساتھ مواخات نہ قائم کی گئی ہو۔ ❺ ذرائع اس بات پر متفق ہیں جو مواخات مدینہ میں قائم ہوئی وہ مہاجرین اور انصار کے مابین تھی۔ لیکن ابن سعد کا بیان ہے کہ مدینہ میں انصار کے ساتھ ساتھ خود مہاجرین کے درمیان بھی باہم مواخات قائم ہوئی۔ مگر انھوں نے دوسری تفصیلات کا ذکر نہیں کیا جو مہاجرین کے اپنے مابین مواخات کی وضاحت کرتی ہوں۔ اور دیگر کتب مصادر نے اس کی طرف کوئی توجہ دی ہے اور نہ اس پر کوئی تبصرہ کیا ہے۔ ❻

اور مواخات کے نظام پر قانون سازی سے بننے والے ہر دو بھائیوں کے مابین

---

❶ الدرر فی اختصار المغازی والسیر ابن عبدالبر ۹۶۔ عیون الاثر: ۱/ ۲۰۰.

❷ الدرر ابن عبدالبر: ۹۶.

❸ طبقات ابن سعد، ج: ۱، قسم: ۲/ ۹.

❹ طبقات ابن سعد، ج ۱، قسم: ۲/ ۹۔ زاد المعاد ابن قیم: ۲/ ۷۹۔ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۱/ ۲۰۰۔ السیرة النبویة ابن کثیر: ۲/ ۳۲٤.

❺ انساب الاشراف بلاذری: ۱/ ۲۷۰۔ طبقات ابن سعد، ج: ۱۔ قسم: ۲/ ۹.

❻ طبقات ابن سعد، ج: ۱، قسم: ۲/ ۹.

Marfat.com

خیر خواہی و دلجوئی کے لیے خاص حقوق مرتب ہوئے اور دلجوئی معین امور تک محدود نہ تھی بلکہ مطلق تھی اور اس سے مراد زندگی کی تکالیف کے مقابلے میں ہر طرح کی معاونت تھی، خواہ وہ مادی امداد یا حمایت تھی، خیر خواہی تھی یا باہمی ملاقاتیں اور محبت تھی۔ نیز نظام مواخات کے تحت دو بھائیوں کے درمیان خونی رشتے کے بغیر توارث قائم کر دیا گیا جس سے ان کے مابین تعلقات خونی اخوت کے معیار سے کہیں زیادہ گہرے اور ارفع و اعلیٰ ہو گئے۔ ❶

انصار کی روحیں اپنے مہاجر بھائیوں کی امداد پر خرچ کرنے سے فرحاں و شاداں تھیں اور بعض روایات نظام مواخات اور اس پر مکمل عمل اور اعلیٰ ایثار کا تصور دلاتی ہیں۔ اس مواخات کے نادر نمونوں میں سے ایک سعدؓ بن ربیع انصاری اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف مہاجر کا واقعہ ہے جب کہ سعدؓ نے ان سے کہا: میرے پاس مال ہے وہ آپ کا اور میرا آدھا آدھا ہوا اور میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو آپ کو پسند ہو میں اسے طلاق دیتا ہوں، عدت پوری ہو جانے کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں۔ انھوں نے کہا: اللہ آپ کے اہل اور مال میں برکت دے، مجھے بازار کا راستہ بتا دیجیے۔'' چنانچہ وہ بازار سے منافع میں مکھن اور پنیر لے کر لوٹے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر زردی کا نشان دیکھا تو فرمایا: ''یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟'' میں نے عرض کیا: ''میں نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا: ''ولیمہ کرو خواہ ایک بکری کے ساتھ۔'' ❷

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مضبوط بھائی چارے اور باہمی ایثار کی ان لازوال و بے مثال تصویروں کے سامنے انسان حیرت زدہ کھڑا رہ جاتا ہے جس کی کوئی مثال ہمیں کسی دوسری قوم کی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔

اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا یہ موقف اپنی عزت نفس، بلند اخلاقی اور اپنے بھائی سے عدم استفادہ نیز ابن ربیعہؓ کے ایثار سے بے پروائی کا نتیجہ نہیں تھا۔۔ بلکہ ماہر تاجر ہونے کے باعث

---

❶ صحیح بخاری: ۳/ ۱۱۹، ۶/ ۵۵، ۵۶، ۸/ ۱۹۰، ۱۹۱۔ صحیح مسلم: ٤/ ۱۹٦۰۔ طبقات ابن سعد، ج: ۱، قسم: ۲/ ۹۔ انساب الاشراف بلاذری: ۱/ ۲۷۰۔ الدرر ابن عبدالبر: ۹٦۔ زاد المعاد ابن قیم: ۲/ ۷۹۔ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۱/ ۲۰۰۔

❷ سنن نسائی: ٦/ ۱۳۷۔

Marfat.com

---وہ اپنی جدید زندگی میں اپنی راہ بنا کر تھوڑی مدت میں کامیاب ہو گئے۔ اور شادی اور مہر میں گٹھلی کے برابر سونا دینے کے قابل ہو گئے۔ ❶ پھر ان کے کام میں برکت دی گئی، ان کی دولت میں اضافہ ہوا اور مسلمانوں کے بڑے اغنیاء میں سے ہو گئے۔ چنانچہ وہ اس ہاتھ والے ہی بن گئے جو دیتا ہے، لیتا نہیں۔

وراثت مواخات کا خاتمہ

انصار اور مہاجرین کے درمیان توارث استثنائی حالات میں معاملے کا ایک وقتی حل تھا جن سے نوزائیدہ ریاست دوچار تھی۔ پھر جب مہاجرین مدینہ کی آب وہوا کے عادی ہو گئے اور وہاں پر انھوں نے روزگار کے طریقے معلوم کر لیے نیز انھیں غزوہ بدر کبریٰ کا مال غنیمت بھی حاصل ہو گیا، جو ان کے لیے کافی تھا تو توارث انسان کی فطرت کے مطابق خونی رشتے کی بنیاد پر اپنے طبعی مقام پر لوٹ گیا اور متآخین کے مابین قرآن کریم کی ہدایت کے تحت ختم کر دیا گیا۔ ❷ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاُولُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ﴾ [الانفال: ۷۵] (مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں) ❸

اس آیت کریمہ نے نظام مواخات کے باعث قانون توارث کو منسوخ کر دیا۔ ابن عباسؓ کی رائے میں آیت: ﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِىَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ﴾ (اور ہم نے ہر اس ترکے کے حق دار مقرر کر دیے ہیں جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں۔) [النساء: ۳۳] نے مواخات کے ساتھ توارث کو منسوخ کر دیا۔ ان کی رائے میں موالی وہ ورثاء ہیں جو خونی رشتہ دار ہیں، جب کہ ﴿ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ (جن سے تمھارے عہد و پیان ہوں) سے مراد وہ مہاجرین تھے جو مواخات کے ذریعے ورثہ پا رہے تھے۔ ان ہی کا بیان ہے کہ نظام مواخات سے صرف وراثت ختم ہوئی ہے لیکن جہاں تک نصرت، مدد اور خیر خواہی کا تعلق

---

❶ صحیح بخاری: ۵/ ۳۹.

❷ طبقات ابن سعد، ج: ۱، قسم: ۲/ ۹۔ انساب الاشراف بلاذری: ۱/ ۲۷۰، ۲۷۱۔ زاد المعاد ابن قیم: ۲/ ۷۹۔ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۱/ ۲۰۰.

❸ اس کی تفسیر کے لیے دیکھیے: فتح القدیر شوکانی: ۲/ ۳۳۰، ۳۳۱۔ اس آیت کا سبب نزول معلوم کرنے کے لیے دیکھیں: مسند الطیالسی: ۲/ ۱۹۔ مجمع الزوائد ھیثمی: ۷/ ۸ اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے رواۃ صحیح کے رجال ہیں۔

Marfat.com

ہے وہ باقی ہے اور یہ ممکن ہے کہ متآخین) کے مابین وراثت کے کسی حصے کے بارے میں وصیت کی جائے [1] جب کہ وصیت کے بغیر وراثت نہیں۔ اور امام نوویؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ انھوں نے کہا ہے: ''جہاں تک وراثت کا تعلق ہے نظام مواخات کی بنیاد پر جمہور علماء کے نزدیک اس کی تنسیخ ہونی چاہیے، لیکن اسلامی بھائی چارہ اور اللہ کی اطاعت پر ایک دوسرے کی معاونت اور دین میں باہم نصرت، نیکی وتقویٰ اور اقامت دین پر تعاون باقی ہے، وہ منسوخ نہیں ہوا۔ [2]

محض ابن سعد عروہ بن زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ متآخین کے مابین توارث اور آیت ﴿ اولو الارحام﴾ کا نزول غزوہ احد کے بعد ہوا، جو شوال ۳ھ میں واقع ہوا۔ [3]

یہ عجیب بات ہے کہ ابن حجر [4] نے الحتات التمیمیؓ اور معاویہؓ بن ابی سفیان کے مابین مواخات کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ الحتاتؓ خلافت معاویہؓ میں فوت ہوئے تو مؤخر الذکر نے اخوت کی بنیاد پر ان کی وراثت حاصل کی، ابن حجرؒ نے اس خبر کی تعلیق پر اکتفا کرتے ہوئے اپنے تعجب کے اظہار کے ساتھ کہ ورثہ پانے والے الحتات کے اپنے بیٹے موجود تھے [5] جب کہ ابن حجرؒ نے مواخات کی بنیاد پر وراثت کے خاتمے کا ذکر نہیں کیا جو کہ ۳ھ میں ختم ہو گیا تھا۔ اس قسم کی روایت درست نہیں ہوتی الا یہ کہ الحتات نے جناب معاویہؓ کے لیے اپنی میراث میں سے کوئی وصیت کی ہوتا کہ وہ اسے حاصل کریں۔

توارث کے بغیر مواخات کا تسلسل

ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کے درمیان بھائی چارے اور دلجوئی، تعاون اور باہمی خیر خواہی کا نظام جاری رکھا بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ متآخین کے درمیان توارث کا

[1] صحیح بخاری: ۳/ ۱۱۹، ۶/ ۵۵، ۵۶، ۸/ ۱۹۰، ۱۹۱۔

[2] صحیح مسلم: ٤/ ١٩٦٠ (حاشیہ)

[3] لباب النقول فی اسباب النزول سیوطی، ص ۲٦۰۔ انھوں نے یہ ابن سعد سے نقل کیا ہے۔ فتح القدیر شوکانی: ۲/ ۳۳۰، ۳۳۱ اور انھوں نے کہا کہ اسے ابن سعد، ابن ابوحاتم اور حاکم نے بیان کیا ہے اور اس نے صحیح قرار دیا ہے اور اسے ابن مردویہ نے روایت کیا۔

[4] ابن حجر نے یہ بات ابن عبدالبر سے نقل کی ہے جو ابن اسحٰق، ابن ہشام اور ابن کلبی پر اعتماد کرتا ہے۔

[5] الاصابہ ابن حجر، قسم: ۲، ص: ۳۰.

Marfat.com

حق قائم ہوتا ہو، نیز روایات وارد ہوئی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپؐ نے ابوالدرداءؓ اور سلمانؓ فارسی کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا ❶ اس کے باوجود کہ سلمانؓ غزوہ احد اور خندق کے درمیان مسلمان ہوئے۔ جس کا واقدی اور بلاذری نے انکار کیا ہے۔ اسی طرح سے ابن کثیرؒ نے جعفرؓ بن ابی طالب کی معاذؓ بن جبل کے ساتھ مواخات کا انکار کیا ہے ❷ کیونکہ حضرت جعفر فتح خیبر ۷ھ کے اوائل میں آئے۔ ❸ اور اسی طرح الحتاتؓ اور معاویہؓ بن ابوسفیان کے درمیان مواخات ہے ❹ کیونکہ معاویہ فتح مکہ کے بعد ۸ھ میں مسلمان ہوئے اور الحتاتؓ مدینہ میں ۹ھ میں تمیم کے وفد میں مدینہ آئے تھے۔ ❺ اگر ہم حق توارث، جو غزوہ بدر کے بعد ختم ہو گیا تھا، کے بغیر مواخات کے تسلسل کا اعتبار کر لیں تو وہ اعتراض اور وہ انکار جس کا مؤرخین نے ان روایات کے بارے میں اظہار کیا ہے، کا جواز باقی نہیں رہتا۔

اور اسی طرح سے جب ہم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات کے واقعہ کو اس کی قانون سازی سے پہلے یا بعد وراثت کے بغیر مان لیا تو یہ اس شبہ کی وضاحت کر دے گا جو ابنؒ اسحاق نے اس میں پیدا کیا ہے۔ جب کہ اس نے متآخین کی فہرست میں نبی ﷺ اور حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ کے درمیان مواخات کی خبر وارد کی ہے حالانکہ وہ سارے کے سارے مہاجر ہیں۔ جب کہ باقی سارے کے سارے نام جو اس کی فہرست میں وارد ہوئے واضح کر رہے ہیں کہ مواخات مہاجرین اور انصار کے درمیان تھی۔ ❻ اور ابن کثیرؒ نے نبی ﷺ کی حضرت علیؓ کے ساتھ اور حضرت حمزہؓ کی حضرت زیدؓ کے ساتھ مواخات پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ اس مواخات کی کوئی حقیقت نہیں ہے سوائے اس کے کہ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کی کسی دوسرے کے ساتھ مواخات کی مصلحت کے خلاف سمجھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کے بچپن سے ہی ان پر خرچ کرتے آئے تھے۔ اور یہ کہ حضرت حمزہؓ کی زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ مواخات اس

---

❶ صحيح بخاری: ٥/ ٨٨، ٣/ ٤٧.

❷ انساب الاشراف بلاذری: ١/ ٢٧١.

❸ السيرة النبوية ابن كثير: ٢/ ٣٢٦.

❹ اصابه ابن حجر، قسم: ٢، ص: ٣٠.

❺ سیرت ابن هشام: ٤/ ٢٢٢.

❻ سيرة ابن هشام: ١/ ٥٠٤، ٥٠٧.

Marfat.com

مصلحت کے ساتھ ہوئی کہ وہ آپؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ لیکن یہ سبب جو ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے قابل قبول نہیں ہے۔ دیگر حوالہ جات نے حمزہؓ بن عبدالمطلب کی مواخات کلثومؓ بن الہدم یا کسی اور سے ذکر کی ہے۔ نیز زیدؓ بن حارثہ کی مواخات اسیدؓ بن حضیر کے ساتھ ذکر کی ہے۔ ❶

اور جہاں تک نبی ﷺ کی حضرت علیؓ کے ساتھ مواخات کے توارث کا مسئلہ ہے تو نبی علیہ السلام کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، نیز یہ کہ بلاذری نے حضرت علیؓ کی سہلؓ بن حنیف کے ساتھ مواخات کا ذکر کیا ہے ❷ اور اسی طرح سے انھوں نے نبی ﷺ اور حضرت علیؓ کے درمیان نیز حمزہؓ اور زیدؓ کے درمیان مکہ میں مواخات کا ذکر کیا ہے۔ ❸

اس کے ساتھ ہماری رسائی یہاں تک ہوتی ہے کہ نبی ﷺ اور حضرت علیؓ کے مابین، حضرت حمزہؓ اور حضرت زیدؓ کے مابین مواخات واقع ہوئی تھی --- تو اس مواخات کا تقاضا باہمی امداد، رحم دلی اور محبت تھا، توارث کے حقوق کے بغیر، اور یہ بھائی چارہ اس وقت وجود میں نہیں آیا جب حضرت انسؓ بن مالک کے گھر میں نظام مواخات کا اعلان کیا گیا تھا۔

اور آخری بات یہ ہے کہ مواخات جو مومنین کے درمیان ہوئی، باقی ہے اور منسوخ نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ حقوق و وراثت منسوخ ہیں۔ ہر زمانے میں اہل ایمان کے اختیار میں ہے کہ وہ باہمی ہمدردی، باہمی استفادہ اور خیرخواہی کے ساتھ بھائی چارہ قائم کریں اور یہ مواخات اہل ایمان کے مابین عمومی اخوت سے زیادہ خصوصی حقوق مرتب کرتی ہے۔

مسلمانوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کا اظہار ان کے اجتماعی اور مکانی تعلقات کو تج دینے پر ہوتا ہے، جب کہ وہ عقیدہ کی مصلحت کا تقاضا ہو۔

باہمی تعلقات کی بنیاد عقیدہ ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ تعلقات جو لوگوں کو آپس میں جمع کرتے ہیں، مختلف ہیں اور لوگ قبائل، خاندانوں، وطنوں اور قومیتوں کی شکلوں میں جمع ہوتے ہیں اور مختلف قوموں سے تعلق

---

❶ سیرة ابن هشام: ١/ ٥٠٤، ٥٠٧.

❷ انساب الاشراف بلاذری: ١/ ٢٧٠.

❸ انساب الاشراف بلاذری: ١/ ٢٧٠۔ نیز حمزہ کی زید کے ساتھ مواخات کی حدیث مسند احمد: ۱/۲۳۰ میں ہے۔

Marfat.com

رکھنے والے ایک جھنڈے تلے مذہب یا مشترکہ مفادات کے باعث جمع ہوتے ہیں اور قرابت، خون اور نسلی رشتہ داری انسانی معاشروں کو تشکیل کرنے والے اولین روابط شمار ہوتے ہیں۔ ظہور اسلام کے وقت انسانی گروہ جزیرہ نمائے عرب اور دیگر مقامات پر قبائل، بلاد فارس میں قومیتوں اور بازنطینی بادشاہت میں مذہبی معاشروں کی صورت میں نظر آرہے تھے۔ اسلام نے انسانوں کے باہم مربوط ومتحد ہونے کے لیے اولین محرک عقیدے کو بنایا ہے اگرچہ اس بنیاد کے تحت لوگوں کے باہم ملنے کے لیے بعض دیگر رشتے بھی مقرر کیے ہیں مثلاً صلہ رحمی، جس کی اسلام نے بہت تاکید کی ہے اور پھر اس پر اجتماعی کفالت اور وراثت کے متعلقہ احکام مرتب کیے ہیں۔ نیز تعلق ہمسائیگی، جس سے پڑوس کے حقوق مرتب ہوتے ہیں اور خاندان کے افراد کے مابین رابطہ جس سے دیتوں کی مشترکہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اور ایک شہر کے باسیوں کے مابین صلہ جن کو اسلام نے ان کے اغنیاء کی زکوٰۃ کا دوسروں کی نسبت زیادہ حق دار بنایا ہے۔ لیکن یہ سارے کے سارے رابطے، رشتے اور تعلقات عقیدہ کے تعلق کے تحت ہونے چاہئیں۔ اور جب یہ روابط عقیدہ کے مخالف ہوں اور اسے ان سے نقصان پہنچتا ہو تو پھر ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ لہٰذا اسلام میں رابطے کی بنیاد عقیدہ ہے جس کی مصلحت کے لیے آدمی اور اس کے باپ، یا اس کے بیٹے یا اس کی بیوی یا اس کے خاندان کے درمیان تفریق بھی ایک تقاضا بن جاتی ہے... چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے باپ--- جو بتوں کی تعظیم کا قائل تھا--- کو معرکہ بدر میں قتل کر دیا تھا۔ اور ابوحذیفہؓ نے اپنے مشرک باپ کو جو قلیب بدر میں پھینکے جانے کے لیے کھینچا جا رہا تھا، دیکھا لیکن اس سے ان کے دل کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ ❶

ابن اسحاق نے کہا: ❷ ''مجھے بنی عبدالدار کے برادر ابن وہبؒ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب قیدیوں کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے انھیں اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔'' ابوعزیر بن عمیر بن ہاشم مصعبؓ بن عمیر کا بھائی قیدیوں میں تھا۔ ابوعزیر نے کہا: ''مصعب بن عمیرؓ میرا بھائی میرے پاس سے گزرا جب کہ انصار

---

❶ سیرة ابن هشام: ۲/ ۷۵.

❷ دیکھیے: البدایه والنهایه ابن کثیر: ۳/ ۳۰۶، ۳۰۷.

Marfat.com

کا ایک شخص مجھے باندھ رہا تھا تو انھوں نے کہا: ''اس کو خوب اچھی طرح سے باندھو اس کی ماں بڑی مالدار ہے، وہ اس کے بدلے میں تمھیں فدیہ دے گی..''

ابن ہشامؒ نے کہا: ''ابوعزیر بدر میں نضر بن حارث کے بعد مشرکین کا علمبردار تھا اور جب اس کے بھائی مصعبؓ نے ابویسر جو اسے قید کر رہا تھا، سے یہ بات کہی تو ابوعزیر نے کہا: ''اے بھائی! یہ ہے میرے ساتھ تمھاری خیرخواہی؟ تو مصعبؓ نے اسے کہا: میرا بھائی تو یہ ہے، تو نہیں۔''

ترمذیؒ نے حسن صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ: ❶ ''ابن ابوعمرؒ نے ہمیں بتایا ہے کہ سفیانؒ نے عمروؒ بن دینار سے خبر دی کہ انھوں نے جابر بن عبداللہؓ کو کہتے ہوئے سنا: ''ہم ایک غزوے میں تھے -- سفیان نے کہا کہ وہ غزوہ بنی المصطلق سمجھا جاتا ہے -- مہاجرین کے ایک آدمی نے انصار کے ایک آدمی کی پیٹھ پر تھپڑ مارا... عبداللہ بن ابی بن سلول نے یہ واقعہ سنا اور کہا: ''کیا انھوں نے ایسا کیا ہے؟ بخدا! جب ہم مدینہ واپس ہوں گے تو معزز لوگ ذلیل لوگوں کو ضرور اس سے نکال دیں گے۔'' اور عمرو کے علاوہ کسی نے کہا ہے: ''تو اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ بن ابی نے اس سے کہا: ''بخدا! تو پلٹ نہیں سکتا حتی کہ تو اقرار کرے کہ تو ذلیل ہے اور رسول اللہ ﷺ معزز ہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا۔''

عبداللہؓ بن عبداللہ بن ابی اپنے باپ کا وفادار اور اس سے بہت ڈرنے والا بیٹا تھا ❷ لیکن اس کے نزدیک عقیدہ کی مصلحت کو ترجیح حاصل تھی۔ لہٰذا جب اس نے اپنے باپ کو مسلمانوں کو تکلیف پہنچاتے ہوئے دیکھا تو نبی ﷺ کو پیش کش کی کہ وہ اس کو قتل کر دے اور اس کے سر کو آپؐ کے پاس لے آئے؟ ❸ قرآن کریم نے اس حقیقت کی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے کے قصے میں وضاحت کی ہے:

﴿ وَ نَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَہۡلِیۡ وَ اِنَّ وَعۡدَکَ الۡحَقُّ وَ اَنۡتَ اَحۡکَمُ الۡحٰکِمِیۡنَ ○ قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ ۚ اِنَّہٗ

---

❶ سنن ترمذی: ۵/ ۹۰، کتاب التفسیر.

❷ مسند حمیدی: ۲/ ۵۲۰.

❸ مجمع الزوائد هیثمی: ۹/ ۳۱۸.

Marfat.com

عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ ؕ فَلَا تَسۡئَلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّيۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ﴾[ہود:۴۵،۴۶]

(نوح نے اپنے رب کو پکارا۔ کہا: ''اے رب، میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔'' جواب میں ارشاد ہوا: ''اے نوح، وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے، وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے۔ لہٰذا تو اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت تو نہیں جانتا، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنا لے)

اس طرح حق سبحانہ وتعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا اگرچہ رشتہ کے لحاظ سے ان کا بیٹا اور ان کے اہل میں سے تھا لیکن جب اس نے حق کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ سے کفر کیا اور اللہ کے نبی علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی پیروی نہیں کی تو وہ ان کے اہل میں شمار نہیں کیا گیا۔ اور قرآن کریم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے کے مابین رشتہ کو منقطع کرنے کی علت کو اپنے اس قول میں بیان کیا ہے ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ﴾ جب قریب ترین رشتے کو عقیدے کے ساتھ متصادم ہونے کے باعث قطع کر دیا گیا تو خون، نسل، وطن اور رنگ کے رشتے تو بدرجہ اولیٰ منقطع کیے جانے کے مستحق ہیں جب وہ عقیدے کی مصلحت سے متصادم ہوں۔

اسلام نے اخوت اور موالات کو صرف مومنین میں مخصوص کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ ﴾[الحجرات:۱۰] مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور مومنین کا کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ سے تعلق منقطع کر دیا گیا خواہ وہ ان کے باپ ہوں، بھائی ہوں یا بیٹے۔ اور مومنین میں سے جو ایسا کرے اس کو ظلم کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنوں اور کافروں کے درمیان دوست داری کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَاِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَى الۡاِيۡمَانِ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ﴾

[التوبۃ:۲۳]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ

Marfat.com

ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ تم میں سے جو ان کو رفیق بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے)

قرآن کریم نے مسلمان کی ساری دنیوی مصلحتیں اور مفادات اور اس کے تعلقات کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ محبت اور عقیدہ کی راہ میں جہاد کو دوسرے پلڑے میں، اور اہل ایمان کو منع کیا ہے، ڈرایا اور دھمکایا ہے اس سے کہ وہ اپنی مصلحتوں اور اجتماعی تعلقات کو عقیدہ کی مصلحت پر ترجیح دیں۔ ارشاد ہوا ہے:

﴿قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ وَاِخۡوَانُکُمۡ وَاَزۡوَاجُکُمۡ وَ عَشِیۡرَتُکُمۡ وَ اَمۡوَالُ ۣاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَ تِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَهَا وَ مَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ﴾[التوبۃ:۲۴]

(اے نبیؐ، کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ، اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی، اور تمھاری بیویاں، اور تمھارے عزیز واقارب، اور تمھارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمھارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے، اور تمھارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمھارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا)

اور سورہ توبہ کی یہ آیات مدینہ منورہ کی نوخیز اسلامی ریاست کے دفاع کے لیے ہجرت پر ابھارتے ہوئے نازل ہوئیں۔۔ اور صحابہؓ کرام عقیدہ کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔۔ انھوں نے اپنے اہل وعیال، اموال اور اپنی پسندیدہ رہائش گاہوں کو چھوڑا اور اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کے لیے ہجرت کی۔

گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ مدنی معاشرہ جسے اسلام نے قائم کیا، اسلام کے ساتھ جوڑنے والے عقیدہ پر مبنی معاشرہ تھا، اور تعلقات کی پہچان صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنین تھے اور یہ تعلقات کی اعلیٰ وارفع قسم ہے جب کہ وہ عقیدے، فکر اور روح کی وحدت کے ساتھ مربوط ہو۔ لہٰذا مومنین ایک دوسرے کے دوست ہیں، ان کے خون یکساں ہیں،

Marfat.com

اور وہ اپنے اقربا کی ذمہ داریوں میں ان کے معاون ہوتے ہیں اور وہ غیروں کے مقابلے میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور یہ وہ معاشرہ ہے جس کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے ہوتے ہیں جو اس سے تعلق قائم کرنا چاہے، خواہ اس کا کوئی رنگ ہو اور خواہ وہ کسی نسل سے ہو بشرطیکہ وہ اپنے جاہلانہ کردار کو ترک کر دے اور اسلامی تشخص کو اپنا لے تو وہ مسلمانوں کے جملہ حقوق کو حاصل کر لیتا ہے۔

مدنی معاشرے کی تعمیر کی بنیاد -- محبت

اسلام نے مدنی معاشرے کو محبت اور مشترک ذمہ داری کی بنیاد پر قائم کیا تھا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

(مثل المؤمنین فی توادھم و تراحمھم و تواصلھم مثل الجسد الواحد اذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسھر والحمی)

''اہل ایمان کی مثال باہمی محبت، رحمدلی اور تعلق خاطر کے لحاظ سے ایک ہی جسم کی مانند ہے کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کا سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' لہٰذا معاشرے کے افراد بڑے ہوں یا چھوٹے، غنی ہوں یا فقیر، حاکم ہوں یا محکوم، کے مابین تعلق کی بنیاد باہمی محبت، ایک دوسرے کے ساتھ رحیمانہ سلوک اور میل جول ہے۔

اسلامی تعلیمات معاشرے میں باہمی محبت پیدا کرنے اور اس کے پھلنے پھولنے میں مددگار ہوتی ہیں۔ حدیث نبوی ہے: (لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه) ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے (مسلم) بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔'' اہل ایمان خودغرضی اور استحصال سے دور رہتے ہیں اور زندگی کی مشکلات کا سامنا کرنے میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ چنانچہ جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت روائی کے لیے کوشاں ہو تو اللہ تعالیٰ اسکی حاجت روائی فرماتا ہے۔ جیسا کہ ترمذیؒ اور امام احمدؒ نے روایت کیا ہے: (واللہ فی عون العبد ما کان

Marfat.com

العبد فی عون اخیه) ''اللہ تعالیٰ اس بندے کا مددگار ہوتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوتا ہے۔''

اور اہل ایمان کے تعلقات باہمی احترام پر قائم ہوتے ہیں۔غنی فقیر کے، حاکم محکوم کے اور طاقتور ضعیف کے مقابلے میں بڑا نہیں بنتا۔(بحسب امریء من الشر ان یحقر اخاہ المسلم)[رواہ امام مسلم]'' کسی شخص کے بُرا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔'' کسی مسلمان اور اس کے بھائی کے درمیان تعلق ختم ہوسکتا ہے یا انھیں ایک گھڑی کا غصہ ایک دوسرے سے الگ کرسکتا ہے لیکن ان کا باہمی انقطاع تین راتوں سے زیادہ جاری نہیں رہتا۔

(لا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاثة ایام)[متفق علیہ]

کسی مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرے۔

محبت کی بنیادیں میل جول اور احسان سے مضبوط ہوتی ہیں۔(تھادوا تحابوا) ''ایک دوسرے کو تحفے دو تا کہ ایک دوسرے سے محبت ہو۔'' اور غنی اپنے اموال کو معاشرے کی خدمت اور ان رخنوں کو پر کرنے کے لیے پیش کرتا ہے جو دولت کی تقسیم کے تفاوت کے سبب اس کی اقتصادی تعمیر میں ظاہر ہوتے ہیں۔لہٰذا وہ زکوٰۃ کو اللہ کی طرف سے عائد کردہ فریضہ کے طور پر نکالتا ہے اور محتاجوں کی اپنے اموال کے ساتھ پرورش کرتا ہے۔حتیٰ کہ وہ اس کے مال کی کثرت پر خوش ہوتے ہیں جب وہ ان کے ساتھ بھلائی، خیر خواہی اور دلجوئی کرتا رہتا ہے۔

امام بخاریؒ نے (کتاب التفسیر ۶: ۳۱ میں) حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی ہے ''ابو طلحہؓ کے مدینے میں دیگر انصار کی نسبت سب سے زیادہ کھجوروں کے باغ تھے۔اور بیرحاء ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ باغ تھا۔وہ مسجد نبوی کے سامنے تھا اور رسول اللہ ﷺ اس میں تشریف لے جاتے اور اس کا عمدہ پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔پھر جب آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾[آل عمران:۹۲]

(تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنھیں تم عزیز رکھتے ہو۔)

Marfat.com

تو ابوطلحہؓ اٹھے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾۔ میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال (بیرحاء) ہے۔ میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں میں اس کے اجر کا امیدوار ہوں اور اسے اللہ کے ہاں جمع کراتا ہوں۔ تو اے اللہ کے رسولؐ! جس طرح اللہ آپ کو سجھائے آپ اس کو استعمال فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ذلك مال رايح) [1] ''یہ صبح وشام اجر دینے والا مال ہے۔'' اور میں نے سن لیا ہے جو تو نے کہا ہے، میری رائے ہے کہ تو اسے اپنے اقربا میں تقسیم کر دے۔ تو ابوطلحہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ چنانچہ انھوں نے اسے اپنے اقربا اور عم زادگان میں تقسیم کر دیا۔ مالدار صحابہؓ سمجھتے تھے کہ جو مال انھوں نے کمایا ہے وہ اس کے امانت دار ہیں (یعنی وہ اسے احکام الٰہی کے مطابق خرچ کرنے کے ذمہ دار ہیں)۔ تو جب کبھی وہ ایسا رخنہ دیکھتے جس کو پُر کرنے سے ریاست عاجز ہو جاتی تو اس کو پُر کرنے میں وہ اپنے اموال خرچ کرتے۔ اور تاریخ میں یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک بہت بڑے قافلے کو جو ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا جن پر گندم، تیل اور کشمش لدے ہوئے تھے، مسلمان فقراء میں تقسیم کر دیا، یہ اس دور کی بات ہے جب حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خلافت کے زمانے میں مدینہ منورہ کو معاشی بدحالی نے آ لیا تھا حالانکہ مدینہ کے مقامی تاجروں نے اصل قیمت پر پانچ گنا منافع کی پیش کش کی تھی مگر انھوں نے کہا: ''مجھے اس سے زیادہ کی پیش کش کی گئی ہے۔'' تو تاجروں نے کہا: ''کس نے آپ کو پیش کش کی ہے، ہم سے پہلے تو آپ کے پاس کوئی بھی نہیں آیا مدینہ کے تاجر ہم ہیں۔'' تو آپ نے فرمایا: ''مجھے اس پر اللہ نے دس گنا کی پیش کش فرمائی ہے۔'' چنانچہ آپ نے یہ سارا مال مدینہ کے مساکین میں تقسیم کر دیا۔

ہمارے سلف صالحین کی سیرتوں میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ لہٰذا کسی طبقاتی احساس اور طبقاتی کشمکش کا اظہار نہیں ہوا اور نہ ہی لوگوں میں اپنی معاشی مفادات کے تحت اپنے اُوپر یا نیچے والوں کے خلاف جنگ کے لیے گروہ بندی ہوئی... اسلامی معاشرہ نہ تو کسی طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہوا اور نہ اس میں غنی کا فقیر، حاکم کا محکوم اور طاقتور کا ضعیف پر بڑائی کا

---

[1] یعنی اس کا اجر صبح اور شام اس کو پہنچے گا۔ (فتح الباری: ۳/۳۲۶)

Marfat.com

اظہار تھا اور نہ ہی اس میں رنگ، نسل اور خون کی بنا پر کسی اختلاف کی بنیاد پڑی۔ پس مسلمان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں، کسی کو کسی پر ماسوائے تقویٰ کے کوئی فضیلت نہیں... اسلامی معاشرے کے دروازے ہر ایک کے لیے کھلے ہوتے ہیں، لہٰذا ترقی وروزگار کے مواقع اس کے افراد کے سامنے یکساں ہوتے ہیں اور اجتماعی تعلقات بھی برابر ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کسی فقیر کو کسی دولت مند عورت سے نکاح کرنے سے روکا جائے یا کسی کمزور کے سامنے ریاست کے اعلیٰ ترین مناصب اور قیادت کے اونچے مراکز تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ ڈالی جاتی ہو۔ اور اسلامی معاشرہ میں کوئی ایسی طبقاتی کشمکش نہیں ہوتی جو فرد کی ترقی اور اس کے عروج تک پہنچنے میں متصادم ہو۔ اگر اسلامی معاشرہ علمی وتہذیبی میدان میں ترقی کرے اور موجودہ انسانیت کی باگ ڈور کو اپنے ہاتھ میں لے لے تو محبت اور باہمی ہمدردی کی بنیاد پر ایسا اسلامی معاشرہ قائم ہوسکتا ہے جس میں اسلام کے زریں اصولوں کے ثمرات نمایاں ہوں اور اس سے بغض، نفرت اور کشمکش کا خاتمہ ہو جائے جس کا نتیجہ بالآخر تباہی ہوتا ہے۔ اور جب مدنی سوسائٹی میں مسلمان اغنیاء کا یہ موقف تھا تو ضعفاء اور فقراء کا موقف کیا ہوگا؟

اغنیاء وفقراء ایک ہی صف کے مجاہد

اغنیاء وفقراء ایک ہی صف میں کھڑے جہاد کرتے تھے، اسلامی عقیدہ نے اپنے معاشرے میں طبقاتی کشمکش کے ظہور کو روک دیا تھا اور اس نے اغنیاء اور فقراء کو بھائی بھائی بنا دیا تھا اور جہاد کے اہداف کے حصول کے لیے انھیں ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا تھا۔ مدنی سوسائٹی کی یہ صورت واضح کرتی ہے کہ سیرت کے زمانے میں مفلوک الحال مسلمان کس حال میں زندگی گزار رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾

[البقرۃ:۲۷۳]

(خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے

Marfat.com

ہیں کہ اپنی ذاتی کسب معاش کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ان کی خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوشحال ہیں۔تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو۔مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگیں۔ان کی اعانت میں۔جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گا)

ابن سعد نے طبقات ❶ میں اپنی اسناد کے ساتھ محمد بن کعب القرضیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ اصحاب صفہ کے بارے میں، جب کہ طبریؒ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ مجاہد اور سدی سے روایت کیا ہے ❷ کہ وہ نادار مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور اب اس کے بعد میں اولین اسلامی معاشرہ میں فقراء کی صورت حال کو پیش کروں گا اور وہ ہیں اصحاب صفہ۔

اہل صفہ

غریب مہاجر

مہاجرین جنھوں نے مشرکین کی زیادتیوں کے باعث اپنے دین کو بچانے کے لیے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اس کے نتیجے میں انھیں مدینہ منورہ میں اپنی معیشت سے متعلق مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

بعض مہاجرین مدینہ میں اپنی آمد پر زراعت کا کام نہیں کر سکتے تھے جب کہ مدینہ کی اقتصادیات میں زراعت کی چھاپ غالب تھی، جس میں مہاجرین کو کوئی مہارت حاصل نہ تھی، کیونکہ مکہ تجارتی مرکز تھا۔نیز ان کے پاس مدینہ میں زرعی زمینیں تھیں اور نہ ہی ان کے پاس مال تھا، وہ اپنے اموال مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔اگرچہ انصار نے اپنی ممکنہ خدمات مہاجرین کو پیش کر دی تھیں لیکن بعض مہاجرین پھر بھی پناہ گاہ کے ضرورت مند تھے۔مہاجرین کا مدینہ کی طرف تانتا بندھا رہا، خاص کر غزوہ خندق سے قبل، ان میں سے بہت سے مدینہ میں مقیم ہونا چاہتے تھے نیز

❶ الطبقات الکبری: ۱/ ۲۵۵.

❷ تفسیر طبری: ۵/ ۲۹۱ (ط۔ محمود محمد شاکر)

Marfat.com

بہت سے وفود باہر سے مدینہ میں آئے، ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنھیں اہل مدینہ میں سے کوئی نہ جانتا تھا۔ چنانچہ یہ اجنبی دائمی پناہ گاہ یا اپنی مدت اقامت تک کے لیے رہائش کے ضرورت مند تھے۔ بلاشبہ نبی ﷺ مقیم فقرا اور آنے والے وفود کی رہائش کے بارے میں فکرمند رہتے تھے۔

صفہ

جب بیت المقدس کے بجائے کعبہ مشرفہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا گیا تو یہ موقع آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی طرف ہجرت سے سولہ مہینے بعد فراہم ہوا، ❶ جبکہ پہلے قبلہ کی دیوار مسجد نبوی کے آخر میں موجود تھی۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ہدایت کی کہ اس پر سایہ کر دیا جائے یا چھت بنا دی جائے۔ لہٰذا اس پر صفہ یا ظلّہ کے نام کا اطلاق کیا گیا۔ ❷ البتہ اس کی اطراف کو ڈھانپنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ ❸

ابن جبیرؒ اپنے سفر میں ذکر کرتے ہیں کہ الصفہ قبا کے آخر میں ایک گھر ہے جو اہل صفہ کا مسکن ہے اور السمہودی نے اس کی تاویل کی ہے کہ اہل صفہ نے بعد میں اس گھر کو اپنا مسکن بنا لیا تھا اس لیے وہ اس طرح سے مشہور ہو گیا۔ یعنی وہ مکان جس کا ابن جبیرؒ نے ذکر کیا کہ اہل صفہ کی وجہ سے اس کا نام صفہ پڑ گیا تھا، اور صفہ کی وجہ سے ان لوگوں کا نام اھل صفہ نہیں پڑا تھا، حالانکہ اہل صفہ اس کے ساتھ منسوب نہیں ہیں کیونکہ ان کی نسبت مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے صفہ سے ہے۔

صفہ کا رقبہ معلوم نہیں لیکن ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں ایک بڑی تعداد سما سکتی تھی

---

❶ التاریخ خلیفہ، ج ۱، ص: ۲۳۔ خلیفہ نے کچھ دوسری روایات نقل کی ہیں جو بتاتی ہیں کہ یہ واقعہ نو ماہ کے بعد یا دس ماہ کے بعد یا سترہ ماہ یا دو سال کے بعد پیش آیا۔ اور صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب التوجہ نحو القبلۃ: ۱/۱۰۴ میں ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ سولہ یا سترہ ماہ کے بعد پیش آیا۔

❷ وفاء الوفا سمہودی: ۱/ ۳۲۱۔ صفہ کا استعمال صرف صفہ مسجد کے لیے ہی نہیں ہوتا، بلکہ مسقّف جگہ کو صفہ کہتے ہیں۔ مدینہ میں مسجد نبوی کے اندر صفۃ النساء بھی تھا۔ (سنن نسائی: ۸/ ۷۷۔ سنن ابو داؤد: ۲/ ٤٤٨) مکہ مکرمہ میں صفہ زمزم بھی تھا۔ (صحیح البخاری: ۲/ ٤٤۔ سنن نسائی: ۳/ ۱۳٥) سی طرح عام گھروں میں سایہ دار جگہ پر بھی صفہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۱/ ۲۱٥).

❸ ایکندورف کی دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ص: ۱۰٥.

Marfat.com

حتیٰ کہ نبی ﷺ نے اسے ایسے ولیمہ کے لیے استعمال فرمایا جس میں تین سو اشخاص شامل تھے اگر چہ ان میں سے کچھ مسجد سے ملحقہ ازواج مطہرات کے حجروں میں سے کسی حجرے میں بیٹھے۔ ❶

ساکنانِ صفہ

صفہ میں سب سے پہلے داخل ہونے والے مہاجرین تھے۔ ❷ اس لیے وہ ان سے منسوب ہے، لہٰذا اسے صفۃ المہاجرین کہا جاتا۔ ❸ اور اسی طرح سے اس میں وہ اجنبی وفود بھی آرہے تھے جو نبی ﷺ کی خدمت میں اپنے اسلام اور آپؐ کی اطاعت کا اعلان کرتے ہوئے آتے۔ ❹ جو شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے آتا اور اس کا کوئی جاننے والا ہوتا تو وہ اس کے ساتھ چلا جاتا اور اگر اس کا کوئی عریف نہ ہوتا تو وہ اصحاب صفہ کے پاس ٹھہر جاتا۔ ❺ حضرت ابو ہریرہؓ صفہ میں رہائش پذیر ہم وطنوں اور باہر سے آنے والوں کے ذمہ دار تھے۔ چنانچہ نبی ﷺ جب انھیں دعوت دینے کا ارادہ فرماتے تو ابو ہریرہؓ کے ذمے لگاتے اور وہ ان کو آپؐ کے ساتھ تعارف کرانے کے لیے بلاتے تا کہ آپؐ کے علم میں آ جائے کہ وہ عبادت ومجاہدے کی رو سے کس منزل ومرتبہ کے لوگ ہیں۔ ❻ مہاجرین اور باہر سے آنے والوں کے ساتھ بعض انصار بھی زہد وفقر کی زندگی کے شوق میں صفہ میں داخل ہو گئے باوجود یکہ وہ اس سے مستغنی تھے اور مدینے میں اپنے گھر بھی رکھتے تھے۔ کعب بن مالک انصاریؓ، ❼ حنظلہؓ بن ابی عامر انصاری

---

❶ صحیح مسلم، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۹۴۔ ❷ وفاء الوفا سمهودی: ۱/ ۳۲۳۔

❸ سنن ابو داؤد، کتاب الحروف: ۲/ ۳۶۱۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب نوم الرجال فی المساجد۔ سنن ابن ماجه، کتاب الصید، باب الضب۔

❺ مسند احمد: ۳/ ۴۸۷۔ حلیه ابو نعیم: ۱/ ۳۳۹، ۳۷۴۔ وفاء الوفا سمهودی: ۱/ ۳۲۳۔ عریف سے مراد نقیب یا امور قبیلہ کا قیم یا جماعت کا ذمہ دار ہے۔ (لسان العرب ماده "عرف")

❻ حلیه ابو نعیم: ۱/ ۳۷۶۔

❼ ابن ابی حاتم، ج ۳، ق ۲، ص ۱۶۰۔ اور دیکھیے: سامی مکی العانی کی تالیف دیوان کعب بن مالک انصاری، ص ۷۷۔ جبکہ مؤلف نے ان کی اہل صفہ کی طرف نسبت کی نفی کی ہے کیونکہ وہ انصاری تھے اور اہل صفہ ہجرت کر کے آنے والے فقراء لوگ تھے۔ لیکن شاید کعب نے فقر وزہد کی زندگی پسند کی ہو اور مدینہ میں اپنا گھر ہونے کے باوجود اہل صفہ کے ساتھ رہنے لگے ہوں۔ ابونعیم نے حلیہ: ۱/۳۵۵، ۳۵۶ میں اہل صفہ میں سے کچھ انصار کے نام لکھے ہیں۔

Marfat.com

(غسیل الملائکہ) اور حارثہ بن نعمان انصاریؓ وغیرھم ان میں سے تھے۔

چونکہ اہل صفہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا نبی ﷺ نے انھیں (الاوفاض) کا نام دیا۔اس نام کے بارے میں یہ سبب بھی بتایا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس ''وفضہ'' تھا اور وہ چھوٹے سے ترکش کی طرح کا ہوتا جس میں کھانا رکھا جاتا۔لیکن پہلا قول معتبر ہے۔ ❶

اہل صفہ کی تعداد اور ان کے نام

وقت کے ساتھ ساتھ اہل صفہ کی تعداد بھی بدلتی رہتی تھی۔جب مدینہ منورہ کی طرف وفود آتے تو ان کی تعداد بڑھ جاتی،اور وہ گھٹ جاتی جب باہر سے آنے والے مسافر کم ہو جاتے۔تاہم ان میں عام طور پر مقیم حضرات ۷۰ کے لگ بھگ ہوتے۔ ❷ بعض اوقات ان کی تعداد بڑھ جاتی حتی کہ حضرت سعد بن عبادہؓ تنہا ان میں ۸۰ افراد کی مہمان نوازی کرتے،علاوہ ان دیگر افراد کے جنھیں صحابہؓ آپس میں تقسیم کر لیتے۔ ❸

السمہودیؒ بیان کرتے ہیں کہ ابونعیمؒ نے ان کے نام ''الحلیہ'' میں لکھے ہیں جو ۱۰۰ سے زائد ہیں ❹ لیکن جن ناموں کا السمہودی نے ذکر کیا ہے وہ تعداد میں صرف ۵۸ ہیں جن میں پانچ کے نام انھوں نے نکال دیے کہ وہ اہل صفہ میں سے نہیں۔صرف ابونعیم نے ہی مشہور اہل صفہ کی طویل فہرست مہیا کی ہے اور انھوں نے جس قدیم حوالہ سے یہ نام حاصل کیے ہیں اس کی وضاحت نہیں کی۔شاید وہ کتاب ہو جسے ابوعبدالرحمٰن السلمی متوفی ۴۱۲ھ نے اہل صفہ کے بارے میں تصنیف کیا۔ ❺ ابونعیمؒ اور دیگر حوالہ جات سے بیان کردہ اہل صفہ کے نام یہ ہیں: ❻

۱۔ ابوہریرہؓ (انھوں نے اپنے آپ کو اہل صفہ سے منسوب کیا) ❼

---

❶ مسند احمد: ٦/ ٣٩١۔ الحلیة ابو نعیم: ١/ ٣٣٩۔ابن منظور کی لسان العرب مادہ (وفض)

❷ الحلیة ابو نعیم: ١/ ٣٣٩، ٣٤١۔ ❸ الحلیة ابو نعیم: ١/ ٣٤١۔

❹ وفاء الوفا سمہودی: ١/ ٣٢١۔

❺ کشف الظنون حاجی خلیفہ: ١/ ٢٨٦۔ اصابہ ابن حجر، قسم: ١/ ٦٠١۔اور اس نے اس کا نام اصحاب الصفة رکھا ہے اور قسم: ٦/ ٥٥٠۔

❻ الحلیة ابو نعیم: ١/ ٣٤٨۔جیسا کہ بعد میں آرہا ہے۔

❼ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب (١)۔ طبقات کبریٰ ابن سعد: ١/ ٢٥٦۔ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ٢/ ٣١٧۔ اصابہ ابن حجر، ترجمہ نمبر: ٥٥٠٥۔

Marfat.com

۲۔ ابوذر غفاریؓ (انھوں نے اپنے آپ کو اہل صفہ سے منسوب کیا) [1]

۳۔ واثلہؓ بن الاسقع [2]

۴۔ قیسؓ بن طہفۃ الغفاری (انھوں نے اپنے آپ کو اہل صفہ سے منسوب کیا) [3]

۵۔ کعبؓ بن مالک انصاری [4]

۶۔ سعیدؓ بن عامر بن حذیم الجمحی

۷۔ سلمانؓ فارسی

۸۔ اسماءؓ بن حارثہ بن سعید اسلمی

۹۔ حنظلہؓ بن ابی عامر انصاری (غسیل الملائکہ)

۱۰۔ حازمؓ بن حرملہ

۱۱۔ حارثہؓ بن نعمان انصاری نجاری

۱۲۔ حذیفہؓ بن اسید ابو سریحہ انصاری

۱۳۔ حذیفہؓ بن یمان مہاجرین میں سے انصار کے حلیف، خود کو ان میں شمار کیا۔

۱۴۔ جاریۃؓ بن جمیل بن شبۃ بن قرط

۱۵۔ جعیلؓ بن سراقہ الضمری

۱۶۔ جرہدؓ بن خویلد (یا ابن رزاخ) اسلمی [5]

۱۷۔ رفاعہؓ ابولبابہ انصاری (بشیر بن عبدالمنذر بنی عمرو بن عوف میں سے)

۱۸۔ عبدؓاللہ ذوالبجادین

۱۹۔ دکینؓ بن سعید مزنی (خثعمی) [6]

---

[1] عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۲/ ۳۱۷۔ طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۵۶.

[2] عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۲/ ۳۱۷.

[3] طبقاتِ کبریٰ ابن سعد: ۱/ ۲۵۶۔ عیون الاثر: ۲/ ۳۱۷۔ اصابہ ابن حجر، ترجمہ نمبر: ۴۳۰۰.

[4] الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم، ج: ۳، ق: ۲، ص: ۱۶۰.

[5] سنن ابو داؤد، کتاب الحمام، باب النھی عن التعرّی: ۲/ ۳۶۳۔ مسند احمد: ۳/ ۴۷۹۔

[6] ابونعیم نے الحلیۃ ۱/۳۶۵ میں کہا ہے کہ ان کے صفہ میں آنے اور رہنے کے متعلق کوئی صحیح حدیث میرے علم میں نہیں ہے۔ اور نہ ہی موصوف نے جزم کے ساتھ ان کی اہل صفہ کی طرف نسبت کی نفی کی ہے۔

Marfat.com

۲۰۔ خبیبؓ بن یساف بن عتبہ
۲۱۔ خریمؓ بن اُوس طائی
۲۲۔ خریمؓ بن فاتک اسدی
۲۳۔ خنیسؓ بن حذافہ سہمی
۲۴۔ خبابؓ بن ارت
۲۵۔ حکمؓ بن عمیر ثمالی
۲۶۔ حرملہؓ بن ایاس (حرملہ بن عبداللہ عنبری)
۲۷۔ زیدؓ بن خطاب
۲۸۔ عبدؓاللہ بن مسعود
۲۹۔ طفاویؓ دوسی
۳۰۔ طلحہؓ بن عمرو نضری
۳۱۔ صفوانؓ بن بیضاء فہری
۳۲۔ صہیبؓ بن سنان رومی
۳۳۔ شدادؓ بن اسید
۳۴۔ شقرانؓ (نبیؐ کے آزاد کردہ غلام)
۳۵۔ سائبؓ بن خلاد
۳۶۔ سالمؓ بن عمیر (اوس بنی ثعلبہ بن عمرو بن عوف سے)
۳۷۔ سالمؓ بن عبید اشجعی ❶
۳۸۔ سفینہؓ (نبیؐ کے آزاد کردہ غلام)
۳۹۔ سالمؓ (ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام)
۴۰۔ ابورزینؓ
۴۱۔ اغرؓ مزنی
۴۲۔ بلالؓ بن رباح

---

❶ امام نسائی نے بھی ان کا تذکرہ اصحاب صفہ میں کیا ہے۔ (فضائل الصحابہ ۵، حدیث نمبر ۸)

Marfat.com

۴۳۔ براءؓ بن مالک انصاری

۴۴۔ ثوبانؓ (نبیؐ کے آزاد کردہ غلام)

۴۵۔ ثابتؓ بن ودیعہ انصاری

۴۶۔ ثقیف بن عمرو بن شمیط اسدی

۴۷۔ سعدؓ بن مالک ابوسعید خدریؓ

۴۸۔ عرباضؓ بن ساریہ [1]

۴۹۔ غرفہؓ ازدی [2]

۵۰۔ عبدالرحمٰنؓ بن قرط [3]

۵۱۔ عبادؓ بن خالد غفاری [4]

ابونعیم نے ان حضرات کے نام بیان کیے ہیں جن کا اہل صفہ میں ذکر کیا جاتا ہے، اور ان کے اہل صفہ ہونے کی نفی کی ہے۔ اور وہ یہ ہیں: [5]

۱۔ سعدؓ بن ابی وقاص (جس نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو صفہ سے منسوب کیا ہے اس نے ان کے اس قول پر انحصار کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ آیت ﴿ولا تطرد الذین ... وجهه﴾ ہمارے بارے نازل ہوئی حالانکہ یہ آیت مکی ہے جیسا کہ ابن کثیرؒ نے کہا ہے۔ وہ اہل صفہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی)

۲۔ حبیبؓ بن زید بن عاصم انصاری نجاری۔ وہ اہل (عقبہ) سے ہیں تصحیف کے باعث (الصفہ) ہوگیا۔

۳۔ ابوایوبؓ انصاری۔ وہ بھی اہل عقبہ میں سے ہیں۔

۴۔ حجاجؓ بن عمرو مازنی انصاری

۵۔ ثابتؓ بن ضحاک انصاری

---

[1] السراج کی حدیثہ، حدیث نمبر: ۷۸۔ اصابہ ابن حجر، ترجمہ: ۵۵۰۵.

[2] اصابہ، ترجمہ نمبر: ۶۹۱۳.

[3] اصابہ، ترجمہ نمبر: ۵۱۹۰.

[4] اصابہ، ترجمہ نمبر: ۴۴۶۳.

[5] ان کے لیے بالترتیب حلیہ دیکھیے: ۱/ ۳۶۸، ۳۵۵، ۳۶۱، ۳۵۷، ۳۵۱.

Marfat.com

علم، عبادت اور جہاد کے لیے اہل صفہ کی یکسوئی

اہل صفہ نے حصول علم کے لیے خود کو وقف کر رکھا تھا۔ وہ مسجد میں ہی بیٹھے رہتے تھے اور فقر و زہد کو اپنا لیا تھا۔ وہ خلوت میں نماز پڑھتے، قرآن کی تلاوت کرتے، اس کی آیات کا ایک دوسرے کو درس دیتے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے۔ ان میں سے بعض لکھنا سیکھتے تھے حتیٰ کہ ان میں سے ایک نے عبادہؓ بن صامت کو اپنی کمان تحفہ میں دے دی تھی کیونکہ وہ ان کو قرآن کی تعلیم دیتے اور لکھنا سکھاتے تھے۔ ❶ ان میں سے بعض مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ جو حدیث کو بکثرت بیان کرنے میں معروف ہیں اور حضرت حذیفہؓ بن یمان جنھوں نے احادیث فتن کا اہتمام کیا، نبی ﷺ سے حدیث کا علم حاصل کرنے اور اسے حفظ کرنے میں مشہور ہو گئے۔ اہل صفہ کے علم و عبادت کے لیے تخلیہ نے انھیں معاشرے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور جہاد میں حصہ لینے سے لاتعلق نہیں رکھا، بلکہ صفوانؓ بن بیضاء، خریمؓ بن فاتک اسدی، خبیبؓ بن یساف، سالمؓ بن عمیر اور حارثہؓ بن نعمان جیسے بعض حضرات جنگ بدر میں شہید ہوئے۔ ❷ حضرت حنظلہ (غسیل الملائکہ) جیسے جنگ احد میں شہید ہوئے ❸ اور جرہدؓ بن خویلد اور ابو سریحہؓ غفاری حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے۔ ❹ ثقفؓ بن عمرو نے خیبر میں شہادت پائی ❺، عبدؓ اللہ ذوالبجادین ❻ نے تبوک میں، سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ اور زیدؓ بن خطاب ❼ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ جی ہاں، اسی طرح سے وہ راتوں میں تارک الدنیا درویش تھے اور دن کے وقت میدانوں کے شہسوار۔

اہل صفہ کے لباس

اہل صفہ کے پاس ایسے لباس نہیں تھے جو انھیں سردی سے بچاتے یا وہ مکمل طور پر ساتر ہوتے اور نہ ہی ان کے پاس اوڑھنے کے لیے چادریں تھیں ❽ اور کسی ایک کے پاس بھی

---

❶ السنن ابو داؤد: ۲/ ۲۳۷۔ السنن ابن ماجه: ۲/ ۷۳۰.

❷ ان کے متعلق دیکھیے ابونعیم کی حلیہ: ۱/ ۳۷۳، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۷۱، ۳۵۶۔ ❸ الحلية: ۱/ ۳۷۵.

❹ الحلية: ۱/ ۳۵۳، ۳۵۵. ❺ الحلية: ۱/ ۳۵۲. ❻ الحلية: ۱/ ۳۶۵.

❼ الحلية: ۱/ ۳۶۷، ۳۷۰. ❽ طبقات كبرىٰ ابن سعد ۱/ ۲۵۵۔ الحلية ابو نعيم ۱/ ۳۷۷۔ عيون الاثر ابن سيد الناس ۲/ ۳۱۷.

Marfat.com

مکمل لباس نہیں تھا۔ ❶ وہ چادر کو گردن میں باندھ لیتے ❷ یا کمر پر ڈال لیتے ❸ یا پہن لیتے۔ ان میں سے کسی کے پاس نصف پنڈلیوں تک ڈھانپنے کے لیے کپڑا ہوتا اور کئی دفعہ وہ گھٹنوں تک بھی نہ پہنچتا۔ بعض کتب میں مذکور ہے کہ وہ ہف تکیہ (عمامہ) ❹ پہنتے اور بعض حنف پہنتے جو یمنی چادر جیسی موٹی روئی سے تیار کردہ ہوا کرتی۔ ❺ لباس مکمل طور پر ساتر نہ ہونے کے باعث کبھی ان کے ستر کھل جاتے اور وہ اس پر شرمندہ ہوتے۔ ❻ ان کے لباس جلدی ہی میلے ہو جاتے کیونکہ صفہ چاروں طرف سے کھلا تھا اور ہوا اور مٹی بلا روک ٹوک آتی حتی کہ ان کی جلدوں کے پسینے میل کچیل اور گرد و غبار کے ساتھ مل کر ان کے جسموں پر تہہ جما دیتے۔ ❼

اہل صفہ کا کھانا

ان کی بڑی خوراک تو کھجور تھی۔ نبی ﷺ ہر دو افراد کے لیے روزانہ کھجور کی ایک مد مہیا فرماتے۔ کھجور کے کھانے سے انھیں شکایت تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ اس نے ان کے پیٹوں کو جلا دیا ہے۔ مگر نبی ﷺ کی استطاعت نہ تھی کہ ان کے کھانے میں اس کے علاوہ کوئی اضافہ فرماتے۔ لہٰذا صبر کی تلقین کرتے اور انھیں دلاسہ دیتے۔ ❽ آپؐ اکثر انھیں اپنے گھر میں کھانا کھلانے کے لیے بلاتے لیکن عمدہ کھانا پیش نہ کر سکتے۔ آپؐ اپنی ذات اور اپنے اہل کے لیے خرچ کو وسعت نہ دے سکتے تھے۔ بعض دفعہ انھیں دودھ پلا دیتے، کبھی جشیشہ (آٹا، گوشت اور کھجور کا پکا ہوا آمیزہ) کھلا دیتے اور کبھی حیسہ (کھجور، آٹے اور گھی کا کھانا) کھلاتے اور کبھی بھنے ہوئے جو کھلاتے۔ ایک دفعہ انھیں ثرید بھی کھانے کو ملا۔ ❾ جب اچھا کھانا میسر نہ آتا تو آپؐ ان سے معذرت

---

❶ الحلیة: ۱/ ۳۴۱.

❷ الحلیة: ۱/ ۳۷۷.

❸ صحیح بخاری: ۱/ ۱۱۴۔ طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۵۵.

❹ مسند احمد: ۴/ ۱۲۸.

❺ مسند احمد: ۳/ ۴۸۷۔ الحلیة ابو نعیم: ۱/ ۳۳۹، ۳۷۴۔ وفاء الوفا: ۱/ ۳۲۳.

❻ الحلیة: ۱/ ۳۴۲. ❼ الحلیة ۱/ ۳۴۱.

❽ مسند احمد: ۳/ ۴۸۷۔ الحلیة ابو نعیم: ۱/ ۳۳۹، ۳۷۴۔ وفاء الوفا سمهودی: ۱/ ۳۲۳.

❾ صحیح بخاری: ۸/۶۸، ۱۱۹۔ مسند احمد: ۲/ ۵۱۵، ۳/ ۴۹۰۔ طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۵۶۔ الحلیة: ۱/ ۳۷۳، ۳۷۴۔ وفاء الوفا سمهودی: ۱/ ۳۲۳.

Marfat.com

کرتے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ان کو جو سے بنا ہوا کھانا پیش کیا اور فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، محمد کے خاندان پر کبھی کوئی ایسی شام نہیں آئی کہ ان کے پاس ایسا کھانا بھی ہو جو تم دیکھ رہے ہو۔'' ❶

ہاں جب ان کی مہمان نوازی غنی صحابہؓ میں سے کسی کے ہاں ہوتی تو انھیں عمدہ کھانا ملتا، اور وہ اکثر ایسا کھلاتے رہتے تھے۔ ❷ لیکن کئی دفعہ انھیں اتنا بھی میسر نہ آتا کہ جس سے جسم و جان کا رشتہ قائم رکھ سکتے۔ اس سے ان کے جسم متاثر ہوتے اور وہ نماز میں بھوک کے باعث گر جاتے حتی کہ اعرابی انھیں مجنون کہتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ منبر اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے مابین گر جایا کرتے، ❸ لیکن طعام کی قلت انھیں لالچی نہ بناتی اور نہ وہ اس پر چھینا جھپٹی کرتے۔

اخوت کے حقوق اور اس کے آداب ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات میں فیصلہ کن ہوتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ کھجور کھانے کے لیے جمع ہوتے اور ان میں سے کوئی دو کھجوریں اکٹھی کھالیتا تو اپنے ساتھیوں سے کہتا: ''میں نے دو کھجوریں اکٹھی کھائی ہیں، آپ بھی دو اکٹھی کھالیں۔'' تاکہ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ نہ کھالے۔ ❹ وہ تھوڑے کھانے اور موٹے کھدر کے کپڑے پر اکتفا کرتے تھے۔ ان کی ارواح علم اور مجاہدہ میں محو ہو کر کمی کا ازالہ کر دیتیں۔ وہ زہد میں اور دنیا کی مرغوبات سے دور رہنے میں اپنی مثال آپ تھے۔

نبی ﷺ اور صحابہؓ کی طرف سے اہل صفہ کی دیکھ بھال

نبی ﷺ خود اہل صفہ کا خیال رکھتے، ان سے ملاقات کرتے، ان کے حال احوال معلوم کرتے، مریضوں کی عیادت فرماتے، ❺ ان کے ساتھ اکثر بیٹھتے، ان کی رہنمائی فرماتے، انھیں دلاسہ دیتے، یا نصیحت کرتے اور واقعات سناتے۔ انھیں قرآن کریم پڑھنے، پھر پڑھانے، اللہ کے ذکر اور آخرت کے شوق کی طرف توجہ دلاتے۔ دنیا کو بنظر حقارت دیکھنے، اس

---

❶ طبقات ابن سعد: ١/ ٢٥٦.

❷ صحیح بخاری، کتاب المواقیت، باب السمر مع الضیف والاھل۔ الحلیة: ١/ ٣٤١۔

❸ الحلیة: ١/ ٣٣٩، ٣٨٧.

❹ الحلیة: ١/ ٣٣٩، ٣٤٠.

❺ الحلیة: ١/ ٣٧٥.

Marfat.com

کے ساز و سامان کے حصول کی خواہش نہ کرنے کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ ❶ صدقہ میں جب کوئی چیز آتی تو انھیں بھجوا دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہ لیتے۔ اگر ہدیہ آتا تو انھیں بھجوا دیتے اور اس میں سے کچھ حصہ خود قبول فرما لیتے۔ ❷ انھیں اکثر اپنی ازواج مطہراتؓ کے گھروں میں سے کسی گھر میں کھانے پر بلا لیتے۔ ❸ ان کے بارے میں ہرگز بے خبر نہ رہتے، ان کی حالت آپ کی آنکھوں کے سامنے رہتی۔

حضرت حسنؓ کی پیدائش پر اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ حسنؓ کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی ان کی طرف صدقہ میں بھیجیں۔ ❹ آپؐ کے پاس کچھ خواتین قید ہو کر آئیں، تو آپ کی پیاری بیٹی فاطمہؓ نے آپؐ سے خادمہ مانگی کیونکہ وہ بہت سے کاموں کی مشقت کے باعث تھک جاتی تھیں تو آپؐ نے انھیں جواب دیا: ”تم دونوں (حضرت فاطمہؓ و علیؓ) کو تو خدمتگار دوں اور اہل صفہ کو بھوکا رہنے دوں؟“ اور آپؐ نے وضاحت فرمائی کہ آپؐ قیدیوں کو فروخت کریں گے اور حاصل شدہ رقم کو اہل صفہ پر خرچ کریں گے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے آپؐ سے مال بھی مانگا ہوگا۔ آپؐ حضرت علیؓ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ان کا بستر چھوٹا ہے اور ان کے لیے ناکافی ہے تو آپؐ نے انھیں دعائیہ کلمات سکھائے اور دونوں پر اہل صفہ کو ترجیح دی اور فرمایا: ”میں اہل صفہ کو چھوڑ کر تمھیں نہیں دوں گا جب کہ ان کے پیٹ بھوک سے سکڑ گئے ہیں۔“ ❺

نبی ﷺ نے صحابہؓ کو اہل صفہ کے لیے صدقہ دینے کی ہدایت فرما رکھی تھی۔ ❻ چنانچہ وہ حسب استطاعت انھیں مال دیتے۔ ❼ غنی لوگ انھیں کھانا بھیجا کرتے، ❽ نیز نبی ﷺ نماز

---

❶ مسند احمد: ٤/ ٨۔ الحلية ابو نعيم: ١/ ٣٤٠، ٣٤١۔ وفاء الوفا سمهودى: ١/ ٣٢٢.

❷ صحيح بخارى، الرقاق، باب (١٤)۔ مسند احمد: ٢/ ٥١٥۔ الحلية ابو نعيم: ١/ ٣٧٧، ٣٣٩۔ وفاء الوفا سمهودى: ١/ ٣٢٢.

❸ صحيح البخارى، الرقاق، باب (١٤) واستيذان باب (١٤)۔ مسند احمد: ٢/ ٥١٥، ٣/ ٤٢٩، ٤٩٠۔ سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب النوم فى المسجد۔ الحلية ابو نعيم: ١/ ٣٣٨، ٣٣٩۔ وفاء الوفا سمهودى: ١/ ٣٢٢، ٣٢٣.

❹ سنن بيهقى: ٩/ ٣٠٤. ❺ مسند احمد: ١/ ٧٩، ١٠٦.

❻ مسند احمد: ٦/ ٣٩١۔ الحلية ابو نعيم: ١/ ٣٩٩.

❼ " حلية: ١/ ٣٤٠. ❽ الحلية: ١/ ٣٧٨.

Marfat.com

عشاء کے بعد اہل صفہ کو صحابہؓ میں تقسیم فرماتے تا کہ وہ ان کے ہاں رات کا کھانا کھالیں۔ آپؐ کا فرمان تھا: ''جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو تو تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے اور اگر چار کا ہو تو پانچویں یا چھٹے کو لے جائے۔'' ❶ اس طرح سے بعض اہل صفہ کو صحابہؓ لے جاتے اور جو باقی رہ جاتے انھیں آپؐ اپنے گھر لے آتے اور اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔'' ❷

معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت ہجرت کی ابتداء میں تھی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مال و دولت عطا فرمائی تو انھیں صحابہؓ کے درمیان تقسیم کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ❸

اہل صفہ کی حالت نے ۷۰ انصار کو متحرک کیا جنھیں قراء کہا جاتا -- اور یہ وہ تھے جو بئر معونہ کے دن شہید کر دیے گئے -- وہ رات کو قرآن پڑھتے، اس پر غور و فکر کرتے اور اسے سیکھتے تھے۔ وہ دن کے وقت پانی لا کر مسجد میں رکھتے، ایندھن جمع کرتے، پھر فروخت کرتے اور اس سے اہل صفہ اور دیگر فقراء کے لیے کھانا خرید لیتے۔ ❹ محمد بن مسلمہؓ انصاری اور انصار کے بعض دیگر حضرات نے نبی ﷺ کو تجویز دی کہ ان میں سے جس کے باغ کی کھجوریں پک جائیں تو اس کے گچھے اہل صفہ کے فقراء کے لیے نکالے۔ ❺ آپؐ نے اس سے اتفاق فرمایا اور دو ستونوں کے درمیان ایک رسی لٹکا دی گئی۔ چنانچہ لوگ تازہ کھجوروں کے گچھے اس پر لٹکا دیتے۔ بعض اوقات بیس یا اس سے بھی زیادہ گچھے جمع ہو جاتے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ان گچھوں کی حفاظت پر مامور تھے۔ ایک دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے باغوں کی کھجوروں کا صدقہ کریں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے پھلوں کو پہنچنے والی بیماری سے بچائے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ ❻

---

❶ صحيح بخاری، كتاب المواقيت، باب السهر مع الضيف والاهل.

❷ حوالہ سابقہ۔ طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۵۵۔ الحلية: ۱/ ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۷۴.

❸ طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۵۵.

❹ صحيح مسلم، كتاب الامارة، حديث نمبر: ۱۴۷۔ مسند احمد: ۳/ ۲۷۰۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۵۱۴.

❺ عربی کا لفظ قِنوٌ آیا ہے۔ اس سے مراد وہ گچھا ہے جس میں عمدہ تر کھجوریں ہوں۔ اس کی جمع اقناء آتی ہے۔ (لسان العرب۔ مادہ ''قنا'')

❻ وفاء الوفا سمہودی: ۱/ ۳۲۴، ۳۲۵.

Marfat.com

نبی ﷺ نے اس شخص کی سرزنش فرمائی جس نے گھٹیا کھجوروں کا گچھا لٹکایا اور فرمایا کہ اس سے بہتر کا صدقہ ہونا چاہیے۔ ❶ سمہودیؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں تقریباً دوسری صدی ہجری تک ان گچھوں کے لٹکانے کا معمول جاری رہا۔ ❷

اصحابِ صفہ کے حق میں نازل ہونے والی آیات

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ﴾ [الشوریٰ:۲۷]

(اگر اللہ اپنے سب بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے، مگر وہ ایک حساب سے جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے، یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان پر نگاہ رکھتا ہے)

طبری اور ابونعیم نے عمرو بن حریث سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ لیکن یہ آیت مکی ہے اس لیے ان کے بارے میں نازل ہونا محال ہے۔ ❸

۲۔ ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾

[البقرۃ:۲۷۳]

(خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسب معاش کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، ان کی

---

❶ وفاء الوفا: ۱/ ۳۲۵.

❷ وفاء الوفا: ۱/ ۳۲۴.

❸ تفسیر طبری (ط۔ مصطفی البابی الحلبی) ج ۲۵، ص ۳۰، الحلیۃ: ۱/ ۳۳۸.

Marfat.com

خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوشحال ہیں۔ تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو۔ مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگیں۔ ان کی اعانت میں جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گا)

ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ ابن کعب القرظیؒ سے منسوب کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ''یہ لوگ اصحاب صفہ تھے۔'' [1] اور طبریؒ نے اپنی اسناد کے ساتھ مجاہدؒ اور سدیؒ سے بیان کیا ہے کہ ''وہ مہاجر فقراء کے بارے میں نازل ہوئی۔'' [2]

۳۔ ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ [الانعام:۵۲]

((اے نبیؐ) جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے ہیں، اور اس کی خوشنودی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں انھیں اپنے سے دور نہ پھینکو)

ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور اہل صفہ کے بارے میں نازل ہونا ممکن نہیں۔ [3] طبریؒ کی بعض روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ [4]

۴۔ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ [الکہف:۲۸]

(اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلبگار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں)

لیکن یہ مکی آیت ہے اور اس کا نزول اہل صفہ کے بارے میں ہونا ممکن نہیں۔

۵۔ ﴿وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ [التوبہ:۹۲]

(اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض کا موقع نہیں ہے جنھوں نے خود آ کر تم سے

---

[1] الطبقات الکبریٰ: ۱/ ۲۵۵.

[2] تفسیر الطبری: ۵/ ۵۹۱ (ط۔ محمود محمد شاکر)

[3] تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۱۳۵.

[4] تفسیر الطبری: ۱۱/ ۳۷۶ (ط: محمود محمد شاکر)

Marfat.com

درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں، اور جب تم نے کہا: کہ میں تمھارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو مجبوراً واپس ہو گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے)

ابن نعیمؒ نے کہا کہ یہ آیت اہل صفہ کے بارے میں نازل ہوئی، ❶ لیکن وہ جملہ روایات جو طبریؒ اور ابن کثیرؒ نے بیان کی ہیں ان سے اس کا عدم ثبوت ظاہر ہوتا ہے اور اغلب یہ ہے کہ یہ آیت بنی مزینہ کے سات رونے والے افراد کے بارے میں نازل ہوئی۔ ❷

اہل صفہ کے مؤرخ

اہل صفہ کے بارے میں سب سے پہلے لکھنے والے محمدؒ بن سعد (م ۲۳۰ھ) ہیں انھوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ واقدی سے لیا ہے۔ اس کے باوجود ہم واقدی کی کتاب مغازی میں ان نصوص کو نہیں پاتے۔ شاید وہ ان کی دوسری کتاب (طبقات) سے لی گئی ہیں جب کہ وہ نایاب ہے ❸ اور ابن سعدؒ نے الطبقات الکبریٰ میں اس سے بہت کچھ نقل کیا ہے۔ ❹

لیکن اصحاب صفہ کے بارے میں میرے علم کے مطابق سب سے پہلے ابوعبدالرحمٰن محمد بن الحسین سلمی نیشاپوری [ت ۴۱۲ھ] نے اپنی کتاب (تاریخ اہل صفہ) میں الگ سے ایک باب باندھا ہے، ❺ وہ کتاب نایاب ہے اور شاید یہ وہی مصدر ہو جس سے ابونعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں اہل صفہ کے بارے میں ایک باب باندھ کر بہت کچھ نقل کیا ہے، مگر اس کے نام کی وضاحت نہیں کی۔ تاہم ایک دوسری جگہ پر اس سے نقل کرنے کی وضاحت کی ہے۔ ❻ انھوں نے بیان کیا ہے کہ وہ معجم کے حروف پر مرتب ہے اور اس میں چند لوگوں کے نام ہیں جنہیں

---

❶ الحلية: ١/ ٣٧١، ٣٧٢.

❷ دیکھیے: تفسیر طبری: ١٤/ ٤٢١، ٤٢٣ (ط: محمود محمد شاکر)، ابن کثیر کی تفسیر: ٢/ ٣٨١، ٣٨٢.

❸ اکرم عمری کی تالیف "بحوث فی تاریخ السنة المشرفة"، ص: ٥٣. ❹ مصدر سابق ص: ٥٦

❺ کشف الظنون حاجی خلیفه: ١/ ٢٨٦۔ لیکن اس نے اس کا نام "تاریخ اهل الصفة" بتایا ہے۔ اور شاید یہ تحریف ہے۔ (دیکھیے: طبقات الصوفية للسلمی پر نورالدین شریبہ کے قلم سے مقدمہ، ج: ١، ص: ٣٤).

❻ الحلية ابو نعیم: ٨/ ٢٥.

Marfat.com

اہل قبلہ کہا جاتا ہے اور اہل صفہ سے ان کی نسبت کسی تحریر کے غلط پڑھنے کا نتیجہ ہے۔ ❶

متاخرین میں سے تقی الدین السبکیؒ [م ۷۵۶ھ] نے ان کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی جس کا نام (التحفة فی الکلام علی اهل الصفة) رکھا۔ ❷ اور شمس الدین سخاویؒ نے ایک رسالہ (رجحان الکفة فی اخبار اهل الصفة) کے عنوان سے لکھا۔ ❸ نیز السمہودی نے ایک مقالہ میں مختلف روایات جمع کیں جو انھوں نے حدیث، تاریخ، جغرافیہ اور لغت کی کتب سے لیں۔

❁ ❁ ❁

اللہ تبارک وتعالیٰ رحم فرمائے راست باز، روزے دار، مجاہدین اور عبادت گزار اصحاب صفہ پر۔ اور سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾ [البقرة:۲۷۳]

(خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسب معاش کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، ان کی خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوشحال ہیں۔ تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو۔ مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگیں)

یہ نمونہ کہاں ہے؟ جس میں جاہلی معاشروں کے حقیر وذلیل فقراء ایسے گروہ بن جاتے ہیں جو کہ چوری، قتل اور مختلف قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں جس سے ان معاشروں کا امن و سکون برباد ہو جاتا ہے... غور کیجیے۔ یہ ہے فرق محمد ﷺ کی تربیت اور جاہلیت کی تربیت کے مابین اور

---

❶ الحلية ابو نعيم: ۱/ ۳۴۷.

❷ ریکندورف کی دائرة المعارف الاسلامیه، ص: ۱۰۶.

❸ یہ بتیس (۳۲) اوراق ہیں۔ ۲۱ سطریں ۱۸×۱۶ سم۔ اس کی ایک جلد جمعیت آسیویہ کلکتہ ھند کی لائبریری میں ہے۔ ۱۳۲۱۔ ف ۱۴۱۴ ،۳۱۴ اس کی ایک فوٹو کاپی ملک عبدالعزیز جدہ کی کلیہ آداب کی لائبریری میں ہے۔

Marfat.com

اللہ کے نظام اور بندوں کے بنائے ہوئے نظام کے درمیان۔

اور اب میں اس مضبوط تعلق کی صورت پیش کرتا ہوں جسے اسلام نے عملی طور پر مدینہ منورہ میں پیدا کر دیا تھا، جس سے اسلامی معاشرے کے روشن ترین اور مکمل ترین پہلو کا اظہار ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ہم یہ واضح کریں گے کہ اسلامی معاشرے میں طبقاتی کشمکش کیوں پیدا نہیں ہوتی اور کیوں غنی اور فقیر ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اسلامی دعوت کے مددگار بنتے ہیں--وہ اہل ایمان کے درمیان اخوت اور باہمی کفالت ہے۔ جیسا کہ مدینہ منورہ کی ریاست کے دستور کی قانون سازی میں ظاہر ہوتی ہے۔

اعلان دستور مدینہ (میثاق مدینہ)

نبی ﷺ نے مدینہ کے رہنے والوں کے مابین تعلقات کو منظم فرمایا اور اس بارے میں ایک تحریر مرتب فرمائی، جسے تاریخی کتب بیان کرتی ہیں اور اس تحریر یا صحیفہ کا ہدف مدینہ میں مختلف جملہ گروہوں کے انتظامات کی وضاحت اور ان کے حقوق اور فرائض کا تعین ہے۔ قدیم حوالہ جات میں اسے کتاب اور صحیفہ کا نام دیا گیا ہے جب کہ جدید تحقیقات میں اسے دستور یا میثاق کا نام دیا جاتا ہے۔

وثیقہ (صحیفہ) کے پیش کرنے والے ذرائع

جدید محققین نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے انتظامات کے مطالعہ میں اس وثیقہ پر اعتماد کیا ہے ❶ لیکن اس پر تحقیقات کی بنیاد رکھنے سے پہلے بہت ضروری ہے کہ معلوم کیا جائے کہ وہ کس حد تک صحیح ہے؟ بالخصوص جب کہ محققین میں سے ایک کی یہ رائے ہے کہ وہ وثیقہ موضوعہ (من گھڑت) ہے۔ ❷ اس کی تاریخی اور قانونی اہمیت کے پیش نظر ناگزیر ہے کہ اس کی قوت اور

---

❶ اس وثیقہ کے بارے میں ہر دو فضلاء ڈاکٹر صالح احمد علی اور ڈاکٹر عبدالعزیز دوری نے بالترتیب اپنی تالیفات " تنظيمات الرسول الادارية فى المدينة " اور " النظم الاسلامية " میں لکھا ہے۔ Sargeant The Constitution of Medina. in Islamic Quarterly. V II, P: 12. کچھ اور لوگوں نے بھی اسی وثیقہ پر اعتماد کیا ہے جن کا تذکرہ استاذ محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب " مجموعة الوثائق السياسية " ص ۳۹، ۴۱ میں کیا ہے۔

❷ اس بات کی طرف استاذ یوسف العش گئے ہیں۔ انھوں نے فلھوزن کی کتاب " الدولة العربية وسقوطها " کے ترجمہ العش میں اپنے حواشی میں سے ایک میں یہ بات کہی ہے۔ (دیکھیے: ص: ۲۰، حاشیہ نمبر: ۹)

Marfat.com

ضعف کے درجے کی وضاحت کے لیے محدثین کے اسلوب ومعیار کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور اس میں تساہل مناسب نہیں ہے، جیسا کہ قصوں اور دیگر تاریخی خبروں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے جس نے کلی طور پر وثیقہ کے الفاظ کو بیان کیا ہے وہ محمدؒ بن اسحاق ہیں لیکن انھوں نے بغیر اسناد کے ذکر کیا ہے [1] اور ابن سید الناس [2] اور ابن کثیرؒ [3] نے ان سے بصراحت بیان کیا ہے۔ لیکن ان دونوں کے ہاں بھی وہ بغیر اسناد کے وارد ہوئے ہیں۔ بیہقیؒ نے ابنؒ اسحاق کے ذکر کردہ وثیقہ کے بارے میں اسناد بیان کی ہیں [4] جس سے مہاجرین و انصار کے مابین تعلقات کا تعین ہوتا ہے جبکہ یہودیوں کے متعلق شرائط کا ذکر نہیں ہے اس لیے یہ یقین کرنا ممکن نہیں ہے کہ انھوں نے بھی اسی طریق سے اسے اخذ کیا ہو۔ اور ابن سیدؒ نے بیان کیا ہے کہ ابن ابی خیثمہؒ [5] نے (الوثیقہ) کے عنوان سے ایک تحریر ان اسناد کے ساتھ وارد کی ہے (ہمیں احمد بن خباب ابوالولید نے، انہوں نے عیسیٰ بن یوسف سے اور انہوں نے کثیر بن عبداللہ بن عمرو المزنی سے اور انہوں نے اپنے باپ اور انہوں نے اپنے دادا سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین ایک تحریر لکھوائی اور اس نے بتایا ہے کہ وہ ابنؒ اسحاق کی بیان کردہ تحریر کے مطابق ہے)۔ [6] لیکن ظاہر ہوتا ہے کہ وثیقہ مذکورہ تاریخ ابن ابی خیثمہؒ کی تحریر سے مفقود ہے کیونکہ جو کچھ ہم تک پہنچا ہے اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی طرح سے ابوعبید القاسم بن سلام کی کتاب الأموال میں دوسری اسناد کے ساتھ وارد ہوا ہے اور وہ اسناد ہیں (مجھ سے یحیٰ بن عبداللہ بن بکیر اور عبداللہ بن سالم نے بیان کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ ہمیں لیث بن سعد نے اور اس کو عقیل بن خالد نے اور اس کو ابن شہاب نے بتایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ تحریر لکھوائی تھی) [7] اور اس نے اسے لکھ لیا۔

---

1. سیرۃ نبوی ابن هشام: ۱/ ۵۰۱، ۵۰۴.
2. عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۱/ ۱۹۷، ۱۹۸.
3. البدایه والنهایه ابن کثیر: ۳/ ۲۲۴، ۲۲۶.
4. السنن الکبریٰ: ۸/ ۱۰۶ "کتاب الدیات"
5. یہ حافظ حجت الاسلام امام احمد بن ابوخیثمہ زہیر بن حرب نسائی، متوفی ۲۷۹ھ ہیں۔ ان کی تاریخ سے "السفر الثالث" ہم تک پہنچی ہے۔ (دیکھیے: اکرم عمری کی "بحوث فی تاریخ السنة المشرفة" ص ۸۷، ۹۰)
6. عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۱/ ۱۹۸.
7. ابوعبید کی الاموال: ۵۱۷.

Marfat.com

اللہ کے نظام اور بندوں کے بنائے ہوئے نظام کے درمیان۔

اور اب میں اس مضبوط تعلق کی صورت پیش کرتا ہوں جسے اسلام نے عملی طور پر مدینہ منورہ میں پیدا کر دیا تھا، جس سے اسلامی معاشرے کے روشن ترین اور مکمل ترین پہلو کا اظہار ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ہم یہ واضح کریں گے کہ اسلامی معاشرے میں طبقاتی کشمکش کیوں پیدا نہیں ہوتی اور کیوں غنی اور فقیر ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اسلامی دعوت کے مددگار بنتے ہیں-- وہ اہل ایمان کے درمیان اخوت اور باہمی کفالت ہے۔ جیسا کہ مدینہ منورہ کی ریاست کے دستور کی قانون سازی میں ظاہر ہوتی ہے۔

اعلان دستور مدینہ (میثاق مدینہ)

نبی ﷺ نے مدینہ کے رہنے والوں کے مابین تعلقات کو منظم فرمایا اور اس بارے میں ایک تحریر مرتب فرمائی، جسے تاریخی کتب بیان کرتی ہیں اور اس تحریر یا صحیفہ کا ہدف مدینہ میں مختلف جملہ گروہوں کے انتظامات کی وضاحت اور ان کے حقوق اور فرائض کا تعین ہے۔ قدیم حوالہ جات میں اسے کتاب اور صحیفہ کا نام دیا گیا ہے جب کہ جدید تحقیقات میں اسے دستور یا میثاق کا نام دیا جاتا ہے۔

وثیقہ (صحیفہ) کے پیش کرنے والے ذرائع

جدید محققین نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے انتظامات کے مطالعہ میں اس وثیقہ پر اعتماد کیا ہے [1] لیکن اس پر تحقیقات کی بنیاد رکھنے سے پہلے بہت ضروری ہے کہ معلوم کیا جائے کہ وہ کس حد تک صحیح ہے؟ بالخصوص جب کہ محققین میں سے ایک کی یہ رائے ہے کہ وہ وثیقہ موضوعہ (من گھڑت) ہے۔ [2] اس کی تاریخی اور قانونی اہمیت کے پیش نظر ناگزیر ہے کہ اس کی قوت اور

---

[1] اس وثیقہ کے بارے میں ہر دو فضلاء ڈاکٹر صالح احمد علی اور ڈاکٹر عبدالعزیز دوری نے بالترتیب اپنی تالیفات " تنظیمات الرسول الادارية فی المدینة " اور " النظم الاسلامیة " میں لکھا ہے۔ Sargeant The Constitution of Medina. in Islamic Quarterly. V II, P: 12. کچھ اور لوگوں نے بھی اسی وثیقہ پر اعتماد کیا ہے جن کا تذکرہ استاذ محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب " مجموعة الوثائق السیاسیة " ص ۳۹، ۴۱ میں کیا ہے۔

[2] اس بات کی طرف استاذ یوسف العش گئے ہیں۔ انھوں نے فلھوزن کی کتاب " الدولة العربیة وسقوطها " کے ترجمۃ العش میں اپنے حواشی میں سے ایک میں یہ بات کہی ہے۔ (دیکھیے: ص: ۲۰، حاشیہ نمبر: ۹)

Marfat.com

ضعف کے درجے کی وضاحت کے لیے محدثین کے اسلوب ومعیار کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور اس میں تساہل مناسب نہیں ہے، جیسا کہ قصوں اور دیگر تاریخی خبروں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے جس نے کلی طور پر وثیقہ کے الفاظ کو بیان کیا ہے وہ محمدؒ بن اسحاق ہیں لیکن انھوں نے بغیر اسناد کے ذکر کیا ہے ❶ اور ابن سید الناس ❷ اور ابن کثیرؒ ❸ نے ان سے بصراحت بیان کیا ہے۔ لیکن ان دونوں کے ہاں بھی وہ بغیر اسناد کے وارد ہوئے ہیں۔ بیہقیؒ نے ابنؒ اسحاق کے ذکر کردہ وثیقہ کے بارے میں اسناد بیان کی ہیں ❹ جس سے مہاجرین و انصار کے مابین تعلقات کا تعین ہوتا ہے جبکہ یہودیوں کے متعلق شرائط کا ذکر نہیں ہے اس لیے یہ یقین کرنا ممکن نہیں ہے کہ انھوں نے بھی اسی طریق سے اسے اخذ کیا ہو۔ اور ابن سیدؒ نے بیان کیا ہے کہ ابن ابی خیثمہؒ ❺ نے (الوثیقہ) کے عنوان سے ایک تحریر ان اسناد کے ساتھ وارد کی ہے (ہمیں احمد بن خباب ابوالولید نے، انہوں نے عیسیٰ بن یوسف سے اور انہوں نے کثیر بن عبداللہ بن عمرو المزنی سے اور انہوں نے اپنے باپ اور انہوں نے اپنے دادا سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین ایک تحریر لکھوائی اور اس نے بتایا ہے کہ وہ ابنؒ اسحاق کی بیان کردہ تحریر کے مطابق ہے)۔ ❻ لیکن ظاہر ہوتا ہے کہ وثیقہ مذکورہ تاریخ ابن ابی خیثمہؒ کی تحریر سے مفقود ہے کیونکہ جو کچھ ہم تک پہنچا ہے اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی طرح سے ابوعبید القاسم بن سلام کی کتاب الاموال میں دوسری اسناد کے ساتھ وارد ہوا ہے اور وہ اسناد ہیں (مجھ سے یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر اور عبداللہ بن سالم نے بیان کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ ہمیں لیث بن سعد نے اور اس کو عقیل بن خالد نے اور اس کو ابن شہاب نے بتایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ تحریر لکھوائی تھی) ❼ اور اس نے اسے لکھ لیا۔

---

❶ سیرة نبوی ابن هشام: ۱/ ۵۰۱، ۵۰٤.

❷ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۱/ ۱۹۷، ۱۹۸.

❸ البدایه والنهایه ابن کثیر: ۳/ ۲۲٤، ۲۲٦.

❹ السنن الکبریٰ: ۸/ ۱۰٦ "کتاب الدیات"

❺ یہ حافظ حجت الاسلام امام احمد بن ابوخیثمہ زہیر بن حرب نسائی، متوفی ۲۷۹ھ ہیں۔ ان کی تاریخ سے "السفر الثالث" ہم تک پہنچی ہے۔ (دیکھیے: اکرم عمری کی" بحوث فی تاریخ السنة المشرفة "ص ۸۷، ۹۰)

❻ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۱/ ۱۹۸.

❼ ابوعبید کی الاموال: ۵۱۷.

Marfat.com

نیز ابن زنجویہؒ کی کتاب اموال میں زہریؒ کے واسطہ سے بھی اس وثیقہ کا ذکر ہوا ہے۔ ❶ یہ وہ اسناد ہیں جن کے ذریعے وثیقہ مذکور اپنی مکمل تاریخ کے ساتھ وارد ہوا ہے اور عبارتوں میں تقدیم و تاخیر یا بعض مفردات یا قلیل شقوں کی کمی بیشی کے اختلاف کے سوا ان ساری روایات میں بڑی مطابقت پائی جاتی ہے۔ اور یہ اختلاف اس کے عمومی مضمون پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

وثیقہ کی صحت کا معیار

متعدد جدید محققین نے وثیقہ پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر اپنی تحقیقات کی بنیاد رکھی ہے جب کہ استاذ یوسف العشؒ کی رائے ہے کہ وثیقہ مذکورہ موضوع ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس کی قانونی اہمیت کے باوجود وہ فقہ کی کتابوں اور کسی صحیح حدیث کی کتاب میں وارد نہیں ہے۔ بلکہ ابنؒ اسحاق نے اسے بغیر اسناد کے روایت کیا ہے اور ان سے ابن سید الناس نے نقل کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ کثیرؒ بن عبداللہ بن عمرو المزنیؒ نے اس تحریر کو اپنے باپ اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے۔ اور ابن حبانؒ البستی نے بیان کیا: کہ کثیر المزنی نے اپنے باپ اور اس نے اپنے دادا سے موضوع تحریر روایت کی ہے، اور کتابوں میں اس کا ذکر تعجب کے ساتھ ہوتا ہے۔'' ❷ اور العشؒ کی رائے ہے کہ ابنؒ اسحاق نے ابن کثیرؒ کی روایات پر اعتماد کیا ہے لیکن اسناد کو حذف کر دیا ہے۔ ❸

استاد العشؒ کا خیال ہے کہ وثیقہ کو ابنؒ اسحاق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔ اور اس کی اسناد ناپید ہیں سوائے اس کے جو ابن سید الناس نے ابن ابی خیثمہؒ سے کثیر المزنی کے طریق سے روایت کیا ہے۔ لیکن ابو عبید القاسم بن سلامؒ نے وثیقہ کو زہریؒ کی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور وہ آزاد سند ہے جس کا کثیر المزنیؒ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس چیز کے پیش نظر کہ ابن

---

❶ ابو عبید کی اسناد کی طرح حمید بن زنجویہ، متوفی ۲۴۷ھ بھی عبداللہ بن صالح کے طریق سے روایت کرتے ہیں۔ (دیکھو: کتاب الاموال لابن زنجویہ تحقیق ڈاکٹر شاکر دیب فیاض، رقم: ۷۵۰)

❷ ابن حبان کی عبارت دیکھیں۔ ابن حجر کی تہذیب التہذیب: ۴۲۲/۸ میں۔

❸ یوسف العش کا حاشیہ نمبر ۹، ص ۲۰ بر کتاب "الدولة العربية وسقوطها" ترجمۃ العش۔

Marfat.com

اسحاق زہریؒ کے سرکردہ تلامیذ میں سے ہیں۔ اس بات کا احتمال ہے کہ انھوں نے وثیقہ کو زہری کے طریق پر وارد کیا ہوا گرچہ بیہقیؒ نے وثیقہ جو مہاجرین اور انصار کے مابین تعلقات کی تعیین کرتا ہے، کا ذکر ابنؒ سعد کی اسناد کے ساتھ کیا ہے جس میں یہود سے متعلق شقیں شامل نہیں۔ اور بالیقین نہیں کہا جا سکتا کہ ابنؒ اسحاق نے یہود سے متعلقہ شقیں اس طریق سے اخذ کیں یا کسی دوسرے طریق سے۔ بیہقیؒ کا کہنا ہے کہ: ''مجھے ابوعبداللہ الحافظ نے خبر دی ہے کہ اس نے ابوالعباس محمد بن یعقوبؒ سے اور اس نے احمد ابن عبدالجبار سے اور اس نے یونس بن بکیر سے اور اس نے ابن اسحاق سے سنا کہ اس نے کہا کہ مجھے عثمان بن محمد بن مغیرہ بن اخنس بن شریق نے بیان کیا ہے کہ میں نے یہ تحریر عمرؓ بن خطاب کی آل سے حاصل کی ہے جو ان کی کتاب صدقہ کے ساتھ منسلک تھی۔'' جب کہ ان اسناد کے ساتھ حدیث کمزور ہے کیونکہ عثمانؒ جذبات میں اسے قبول کرتے ہیں۔

اور اس کی اسناد میں عثمانؒ کی طرح کے دیگر راوی بھی ہیں جن میں ضعف ہے حالانکہ وہ سچا ہے مگر وہم کا شکار ہے۔ یونس بن بکیرؒ غلطی کر جاتا ہے اور عطارؒ ضعیف ہے مگر سیرت کے لیے اسے صحیح سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ضعف کے باوجود ان کی روایات پر اعتماد کرنا صحیح ہے۔ یہ نص اس بنیاد کو ڈھا دیتی ہے جس پر استاد العشؒ نے اپنی رائے استوار کی ہے۔ نیز یہ کہ وثیقہ پر موضوع ہونے کا اس لیے حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ حدیث کی کتابیں مکمل طور پر اسے بیان نہیں کرتیں۔ حدیث کی کتابوں میں بہت سے منتخب حصے وارد ہیں جن کی ایک بڑی تعداد اس کی دفعات پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ تحقیق کے دوران اسے بیان کیا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دستاویز یعنی وثیقہ پر موضوع ہونے کا حکم لگانا ایک مفروضہ ہے تاہم یہ دستاویزات مجموعی طور پر صحیح احادیث کے درجے کو نہیں پہنچتیں کیونکہ ابنؒ اسحاق نے اس روایت کو اپنی سیرت کی کتاب میں اسناد کے بغیر روایت کیا ہے جو اسے کمزور بنا دیتی ہے۔ اور بیہقیؒ نے بھی ابنؒ اسحاق کی سند سے اسے روایت کیا ہے جس کی اسناد میں سعدؒ بن منذر ہے -- اور وہ مقبول ہیں۔ لہٰذا اسے قبول کیا جاتا ہے -- اور ابن ابی خیثمہؒ نے اسے، کثیرؒ بن عبداللہ بن عمرو مزنی کے طریق سے بیان کیا ہے جبکہ وہ موضوعات کے راوی ہیں اور ابوعبید القاسمؒ نے منقطع اسناد سے روایت کیا ہے جو زہریؒ تک رک جاتی ہیں -- اور وہ صغار تابعین میں سے ہیں، اس لیے ان کی مراسیل کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

Marfat.com

لیکن اس دستاویز کی بعض نصوص احادیث کی کتابوں میں متصلہ اسانید کے ساتھ وارد ہوئی ہیں اوران میں سے بعض کو بخاریؒ و مسلمؒ نے ذکر کیا ہے۔لہٰذا یہ نصوص صحیح احادیث ہیں۔ فقہاء نے ان سے دلیل لی ہے اور انھیں احکام کی بنیاد بنایا ہے۔ نیز ان میں سے بعض مسند احمد، سنن ابی داوٗد، ابن ماجہ، اور ترمذی میں وارد ہوئی ہیں اور یہ نصوص دستاویز کی روایات کے علاوہ دیگر اسانید کے طور پر وارد ہوئی ہیں۔ اگرچہ مجموعی طور پر دستاویز احکام شریعت میں بطور ثبوت نہیں لائی جاسکتی سوائے اس کے جو اس میں سے صحیح احادیث کی کتابوں میں وارد ہوا ہے تاہم یہ دستاویز تاریخی تحقیق کی صحیح بنیاد بنتی ہے جسے اس درجے کی صحت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، جس کا احکام شریعت تقاضا کرتے ہیں بالخصوص جب کہ دستاویز متعدد طرق سے وارد ہوئی ہے جس سے وہ زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ نیز زہریؒ سیرت نبوی کی کتابت میں اولین راویوں میں سے بڑے عالم ہیں۔ پھر یہ کہ سیرت کی عام کتابیں اور تاریخ کے مصادر نبی ﷺ کی یہود کے ساتھ امن پسندی اور آنحضور ﷺ اور ان کے درمیان ایک دستاویز کی تحریر کا ثبوت ہیں۔ [1] جیسا کہ وہ مہاجرین وانصار کے درمیان دستاویز کی تحریر کا ثبوت ہیں۔

نیز دستاویز کا اسلوب اس کی اصالت کی غمازی کرتا ہے، اس کی نصوص سادہ اور چھوٹے چھوٹے جملے ہیں اور ترکیب میں غیر واضح ہیں۔ اور اس میں تکرار کی کثرت ہے اور ایسے کلمات اور جملے استعمال کیے گئے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں معروف تھے۔ پھر بعد میں ان کا استعمال گھٹ گیا۔ حتی کہ اس دور کے مطالعہ میں گہری نظر نہ رکھنے والوں کے لیے وہ دھندلا گئیں۔ اس دستاویز میں ایسی نصوص نہیں ہیں جو کسی جماعت یا فرد کی تعریف یا تنقید کرتی ہوں یا کسی کی عزت افزائی یا مذمت کرتی ہوں۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ دستاویز اصلی ہے اور جھوٹ پر مبنی نہیں۔ [2] پھر نبی ﷺ کی دیگر تحریروں کے اسلوب کے ساتھ اس کی بڑی مشابہت بھی اس کی توثیق کرتی ہے۔ [3]

---

[1] انساب الاشراف بلاذری: ۱/ ۲۸٦، ۳۰۸۔ تاریخ طبری: ۲/ ٤٧٩، کتاب البدء والتاریخ مقدسی: ٤/ ۱۷۹۔ ابن حزم کی جوامع السیرۃ، ص: ۹۵۔ مقریزی کی امتاع الاسماع: ۱/ ٤۹۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ٤/ ۱۰۳، ۱۰٤ موسیٰ بن عقبہ سے نقل کرتے ہوئے اور اس میں ہے کہ بنوقریظہ نے وہ صحیفہ پھاڑ دیا تھا، جس میں معاہدہ لکھا ہوا تھا۔ یہ اثر اسناد کے بغیر موسیٰ بن عقبہ پر ہی موقوف ہے۔ لیکن تمام آثار وروایات ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں اور حسن لغیرہ کے درجہ تک جا پہنچتی ہے۔

[2] تنظیمات الرسول الدداریة فی المدینة صالح علی: ٤/ ٥.

[3] کتاب "مجموعة الوثائق السیاسیة" سے موازنہ کیا جائے۔

Marfat.com

تحریر میثاق کی تاریخی حقیقت

راجح یہ ہے کہ معاہدہ دراصل دو وثیقے تھے، پھر مؤرخین نے انھیں جمع کر دیا۔ ایک رسول اللہ ﷺ کا یہود کے ساتھ معاہدہ سے متعلق تھا اور دوسرا مہاجرین وانصار مسلمانوں کے حقوق وفرائض کی وضاحت کرتا تھا۔ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہود کے ساتھ معاہدہ بدر الکبریٰ کے واقعات سے قبل، ❶ اور مہاجرین وانصار کے مابین بدر کے بعد لکھا گیا حوالہ جات سے صراحت ہوتی ہے کہ یہود کے ساتھ معاہدہ آنحضور ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری کے آغاز میں لکھا گیا۔ ابوعبید القاسم بن سلامؒ نے کہا: ''وثیقہ نے رسول اللہ ﷺ کا اسلام کے غلبے اور اس کے طاقتور ہونے اور اہل کتاب پر جزیہ عائد ہونے سے قبل مدینہ منورہ میں تشریف آوری کا ذکر کیا ہے ❷ اور یہ کہ اسلام بدر الکبریٰ کے معرکہ کے بعد غالب اور طاقت ور ہوا اور بلاذری کا کہنا ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آنے پر یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کیا اور اپنے اور ان کے مابین ایک دستاویز تیار کروائی جس میں یہ شرط رکھی کہ یہود آپ کے دشمن کے ساتھ تعلقات استوار نہ کریں گے اور آپ پر حملہ کرنے والوں کے خلاف آپ کی مدد کریں گے، اور اہل ذمہ سے نہ لڑا جائے گا۔ چنانچہ نہ تو آپ سے کوئی لڑا اور نہ کسی نے آپ سے جھگڑا کیا اور نہ ہی آپ نے کوئی سریہ ارسال فرمایا حتی کہ اللہ عزوجل نے حکم نازل فرمایا:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾

[الحج:۳۹]

(اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے)

چنانچہ پہلا سریہ جس کا آپ نے آغاز فرمایا وہ حمزہؓ بن عبدالمطلب کا سریہ تھا۔ ❸

بلاذری وضاحت کرتے ہیں کہ یہود کے ساتھ معاہدہ کی دستاویز پہلے سریہ کے ارسال

---

❶ ڈاکٹر صالح علی اس طرف گئے ہیں کہ وہ بدر کے واقعہ کے بعد تحریر کیا گیا۔ (تنظيمات الرسول الادارية في المدينة، ص: ٦)

❷ الاموال، رقم: ٥١٨.

❸ انساب الاشراف بلاذری: ١/ ٢٨٦.

Marfat.com

سے پہلے لکھی گئی، اور یہ تو معلوم شدہ حقیقت ہے کہ حضرت حمزہؓ کا سریہ رمضان یکم ہجری میں یعنی غزوہ بدر سے ایک سال اور کچھ دن پہلے بھیجا گیا۔ (1) بلاذری ایک دوسری جگہ کہتے ہیں جب کہ وہ غزوہ بنوقینقاع کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں: ''اس کا سبب یہ تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو تمام یہودیوں نے آپؐ کے ساتھ امن پسندی کا مظاہرہ کیا اور آپؐ کے اور ان کے مابین ایک دستاویز مرتب کی گئی۔ پھر جب آپؐ نے بدر میں قریش کو ضرب لگائی اور بڑی غنیمت لے کر مدینہ پہنچے تو یہودیوں نے بغاوت کر دی اور عہد کو توڑ دیا۔'' (2) اس طرح سے بلاذری کو یقین ہو گیا کہ یہودیوں کے ساتھ معاہدہ بدر سے پہلے ہوا تھا۔

طبریؒ کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے بدر سے واپس آ کر مدینہ میں قیام فرمایا۔ آپؐ نے اپنی مدینہ آمد پر یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ آپؐ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر دشمن آپؐ پر حملہ آور ہو تو وہ آپؐ کی مدد کریں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بدر میں مشرکین قریش میں سے بعض قتل کیے تو انھوں نے آپؐ کے خلاف حسد اور سرکشی شروع کر دی اور معاہدہ توڑ ڈالا۔'' (3) اس طرح سے طبریؒ کا بیان تائید کرتا ہے کہ یہودیوں سے مصالحت (معاہدہ) کی دستاویز آپؐ کی مدینہ میں آمد پر غزوہ بدر سے پہلے لکھی گئی تھی۔

جو کچھ سنن ابی داؤد میں وارد ہوا ہے (4) اور وہ ان کا قول ہے--- کعب بن اشرف کے قتل اور یہود و مشرکین کا اس بارے میں آپؐ سے شکوہ کے بعد نبیؐ نے انھیں دعوت دی کہ آپؐ کے، عامۃ المسلمین کے، اور ان کے مابین معاہدہ لکھ لیا جائے تا کہ اس کے مطابق اس میں منع کردہ چیزوں سے باز رہا جائے۔ چنانچہ نبیؐ نے اپنے، مسلمان عوام اور ان کے مابین ایک دستاویز لکھی اور جیسا کہ یہ معلوم ہے کہ کعب بن اشرف کا قتل بدر الکبریٰ کے بعد ہوا تو اس صورت

---

(1) دیکھیے: تاریخ طبری: ۲/ ۴۰۲۔ واقدی سے منقول ہے مگر ابن اسحٰق کا خیال ہے کہ عبیدہ بن حارث کا سریہ حمزہ کے سریہ سے مقدم ہے۔ وہ ان دونوں کے اوقات کے قریب قریب ہونے کی وضاحت کرتے ہیں۔ یہ ہجرت کے بعد دوسرے سال ربیع الاوّل میں ہے۔ یہ دونوں (واقدی اور ابن اسحٰق) پہلے سریوں کے بدر سے قبل بھیجنے پر متفق ہیں اور اس بحث میں یہ بہت اہم چیز ہے۔ (دیکھیے: سیرت نبوی ابن ھشام: ۱/ ۵۹۵).

(2) انساب الاشراف بلاذری: ۱/ ۳۰۸.

(3) تاریخ الرسل والملوك طبری: ۴۷۹.

(4) سنن ابو داؤد: ۳/ ۲.

Marfat.com

حال میں ضروری ہے کہ ہم اس کے اور دیگر تاریخی روایات کے مابین مطابقت پیدا کریں۔ کیونکہ یہ مؤرخین کی بیان کردہ روایات کی نسبت محدثین کی شرائط کے زیادہ قریب ہے۔ تاہم ان کے مابین موافقت ہمارے لیے ممکن ہے اور جملہ تاریخی روایات کو ساقط کرنے کا کوئی سبب نہیں جب کہ کعب بن اشرف کے قتل کے بعد دستاویز کو تاکید اُدہرائے جانے یا اس کی تجدید کیے جانے میں کوئی چیز مانع نہیں تاکہ یہود و مشرکین کے دلوں میں اطمینان (طمانیت) لوٹ آئے جو اس واقعہ سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔

بیہقیؒ نے اس روایت کو ابوداؤدؒ کی اسناد کے علاوہ روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے اسے بنت الحارث کے گھر میں پھلدار کھجور کے درخت کے نیچے لکھوایا تھا اور یہ صحیفہ آپؐ کے بعد حضرت علیؓ کے پاس رہا۔'' ❶

جہاں تک مہاجرین و انصار کے درمیان وثیقہ کا تعلق ہے وہ یہود کے ساتھ معاہدہ کے وثیقہ کے بعد ۲ھ میں لکھا گیا۔ طبریؒ نے ۲ھ کے واقعات میں بیان کیا ہے کہ (کہا جاتا ہے کہ اس سن میں رسول اللہ ﷺ نے دیتوں کا وثیقہ (المعاقل) لکھوایا اور وہ آپؐ کی تلوار کے ساتھ لٹکا رہتا، ❷ جس کا نام ذوالفقار تھا جو آپؐ کو غزوہ بدر میں غنیمت میں ملی تھی ❸ اور یہ مہاجرین و انصار کے مابین وثیقہ کی نصوص تھیں جیسا کہ ابنؒ سعد کی روایت واضح کرتی ہے: ''ہمیں عبداللہ بن موسیٰ نے اور ان کو اسرائیل نے اور اسرائیل کو جابر نے اور جابر کو عامر نے خبر دی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار ذوالفقار کی میان میں لکھا ہوا دیکھا: (مومنین پر دیت واجب ہے اور اسلام میں کسی کو محتاج نہیں چھوڑا جاتا۔ اور کافر کے بدلے میں مسلمانوں کو قتل نہیں کیا جاتا)۔ ❹ حضرت علیؓ نے اس تلوار کو سنبھال کر رکھا جس میں وہ دستاویز تھی۔ ان سے اس صحیفہ کے بارے میں ایک مرتبہ ابوجحیفہؒ ❺ اور دوسری مرتبہ اشترؒ ❻ نے سوال کیا تو آپؓ نے ان

---

❶ سنن بیہقی: ۹/ ۱۸۳۔

❷ تاریخ الرسل والملوك طبری: ۲/ ٤٨٦۔ نیز دیکھیے: امتاع الاسماع مقریزی: ۱/ ۱۰۷۔

❸ مسند احمد: ۱/ ۲۱۷۔ طبقات ابن سعد، ج: ۲، قسم: ۱/ ۱۷۔ طبری! ۲/ ٤٧٨۔ تاریخ اسلام ذہبی! ۱/ ۲۹۰۔

❹ طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۷۲۔

❺ صحیح بخاری: ۹/ ١٤۔ صحیح ترمذی: ۱۸۲/٦۔ سنن ابن ماجہ: ۲/ ۸۸۷۔ مسند احمد: ۷۹۱۔

❻ مسند احمد: ۱/ ۱۱۹۔ ۱۲۲۔

Marfat.com

دونوں پوچھنے والوں کو اس کے معنی یا اس کی عبارت کے بارے میں کچھ بتایا۔ نیز آپؓ نے اپنے ایک خطبہ میں مختصراً بیان کیا کہ اس میں کیا ہے؟ ❶

اسی بارے میں آپؓ کا قول ہے: ''ہم نے نبی ﷺ سے قرآن اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے کے سوا کچھ نہیں لکھا۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ کی حرمت عائر سے لے کر فلاں جگہ تک ہے۔ جس کسی نے فتنہ بپا کیا اور کسی فتنہ جو کو پناہ دی تو اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ اس سے نہ تو بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ فدیہ۔ پس مسلمانوں کی ذمہ داری دیت کی ہے، اس کے لیے ان کے قریبی کوشش کریں گے، اور جو کسی مسلمان سے بے وفائی کرے اس پر اللہ، فرشتوں اور جملہ انسانوں کی لعنت ہے۔ اس سے نہ قبول کیا جائے گا کوئی فدیہ اور نہ کوئی بدلہ۔ اور جو مسلمانوں کی رضا مندی کے بغیر ان کا حکمران بنا اس پر اللہ، ملائکہ اور سب انسانوں کی لعنت ہے، قبول نہ کیا جائے گا اس سے فدیہ اور نہ بدلہ۔'' ❷

نیز فرمایا کہ اس صحیفہ میں زخموں کے قصاص کے لیے مطلوب اونٹوں کی عمروں کا ذکر ہے۔'' ❸ اور ایک مرتبہ اضافہ فرمایا: ''خبردار کافر کے بدلے میں مومن کو قتل نہ کیا جائے اور نہ جس کو پناہ دی گئی ہے اسے پناہ کے دوران میں۔ ❹ نیز فرمایا کہ اس میں دیت اور رہائی کا ذکر ہے۔'' ❺ حضرت علیؓ کے اصحابؓ نے مذکورہ صحیفہ میں پڑھا: ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینے کو دو حروں کے درمیان حرم قرار دیتا ہوں۔ اس میں بے چینی نہیں پیدا کی جائے گی اور نہ ہی اس کے شکار کو ڈرایا جائے گا۔ گری پڑی چیز کو اٹھایا نہ جائے گا، مگر جو اس کا اعلان کرے۔ یہاں سے کوئی درخت نہ کاٹا جائے گا سوائے اس کے جو اپنے اونٹ کو چارہ ڈالے۔ اور

---

❶ صحیح بخاری: ۲/ ۲۹۶.

❷ صحیح بخاری (مطبوعه لیدن) ۲/ ۲۹۸، ۲۹۸۹، ۲/ ۲۹۶۔ سنن ابو داؤد: ۲/ ۴۸۸۔ مسند احمد: ۱/ ۱۱۹، ۱۲۲، ۳/ ۲۴۲.

❸ صحیح بخاری ۲/۲۹۶۔ سنن ابن ماجه ۲/۸۸۲۔

❹ مسند احمد: ۱/ ۱۱۹۔ امام احمد نے اس حدیث کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ "ان النبی قضی ان لا یقتل مسلم بکافر "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ کسی مسلم کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ (مسند: ۲/۱۷۸) حدیث کے دوسرے طرق کے متعلق دیکھیے: سنن ابن ماجه: ۲/ ۸۸۲۔ صحیح بخاری: ۹/ ۱۴، ۱۶ (ط: مصطفی البابی الحلبی) صحیح ترمذی شرح ابن عربی: ۶/ ۱۸۲.

❺ صحیح بخاری ۹/ ۱۴ (ط۔ مصطفی بابی حلبی) مسند احمد: ۱/ ۷۹۔ نیل الاوطار شوکانی: ۷/ ۱۰.

Marfat.com

نہ ہی اس میں جنگ کے لیے ہتھیار اٹھائے جائیں گے۔'' ❶

یہ بات واضح ہے کہ یہ منتخب حصے بڑی حد تک وثیقہ کی نص سے مطابقت رکھتے ہیں نیز اس میں مسلمان مہاجرین اور انصار سے متعلقہ ایک دوسرے کے بارے میں جملہ ذمہ داریوں کا ذکر ہے۔ لیکن ان میں یہود کے معاہدہ سے متعلقہ دفعات کا کوئی اشارہ نہیں ہے، جس سے یہ واضح ہے کہ وثیقہ ایک نہیں بلکہ دو ہیں اور جو صحیفہ نبی کریم ﷺ کی تلوار کے ساتھ لٹکا رہتا تھا اور پھر وہ حضرت علیؓ کے پاس آ گیا وہ محض مہاجرین وانصار سے متعلقہ تحریر تھی۔

یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ کچھ ایسی نصوص ہیں جو ''مہاجرین وانصار کے مابین دستاویز'' سے مطابقت رکھتی ہیں۔ لیکن دوسری دستاویز کے ساتھ منسوب ہیں جنھیں نبی ﷺ نے تحریر کروایا تھا جس طرح کہ عمرو بن حزمؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کی طرف ایک مکتوب ارسال فرمایا جس میں یہ تحریر تھا: ''جس نے واضح طور پر کسی مومن کو ظلماً قتل کیا اسے اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا الا یہ کہ مقتول کے ورثاء کو راضی کر لیا جائے'' ❷ اور یہ تحریر وثیقہ کے لکھے جانے کے بعد بھیجی گئی۔

بعض روایات سے وضاحت ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے روز فرمایا: ''کافر کے بدلے میں مومن کو قتل نہیں کیا جائے گا'' ❸ لیکن یہ نصوص جو مذکورہ وثیقہ کے لکھے جانے کے بعد کے وقتوں کا تعین کرتی ہیں اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وثیقہ مذکورہ ان تحریروں کا مجموعہ ہے جو مختلف وقتوں میں لکھی گئیں پھر انھیں الوثیقہ میں مدغم کر دیا گیا، ❹ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے

---

❶ مسند احمد: ۱/ ۱۱۹، ۴/ ۱۴۱ اور صحیح مسلم مع شرح نووی: ۹/ ۱۳۶ میں جابرؓ کی حدیث ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: ((انی احرم بین لابتی المدینة ان یقطع عضاهها او یقتل صیدها))''میں مدینہ کی دو چٹانوں کے درمیان کا حصہ محترم ٹھہراتا ہوں نہ اس کا درخت کاٹا جائے گا اور نہ ہی اس کا شکار مارا جائے گا۔'' دولت اموی کے صدر میں اہل مدینہ کے ہاں ایک چمڑے کی دستاویز میں یہ تحریر محفوظ تھی جس میں نبیؐ نے مدینہ کی حرمت کا بنص صریح حکم دیا تھا۔ (مسند احمد: ۴/ ۱۴۱۔ تقیید العلم خطیب بغدادی، ص: ۷۲).

❷ نیل الاوطار شوکانی: ۷/ ۶۱۔ اور دیکھیے: مجموعة الوثائق السیاسیة: ۱۸۶۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حکم نبیؐ کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے جو آپؐ نے اپنے حاکم یمن عمرو بن حزم کے لیے لکھوائی تھی۔

❸ نیل الاوطار شوکانی: ۷/ ۱۰.

❹ Sarjcant نے اپنے مقالہ The Constitution of Madina میں یہی رائے اختیار کی ہے۔

Marfat.com

کہ رسول اللہ ﷺ نے وثیقہ کی بعض دفعات کا بعد والی تحریروں میں ذکر فرمایا ہو۔ اور دیتوں پر مشتمل صحیفہ میں یہودیوں سے متعلق نصوص کا نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ یہودیوں سے متعلقہ وثیقہ مہاجرین وانصار کے مابین دیتوں کے متعلقہ وثیقہ سے الگ ایک مستقل وثیقہ ہے۔ اور حضرت انسؓ بن مالک کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے مابین دوستانہ معاہدہ انسؓ بن مالک کے گھر میں کروایا۔'' ❶ جب کہ حضرت انسؓ نے یہودیوں کی وہاں حلف میں موجودگی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے مابین دستاویز لکھوائی تاکہ وہ اپنی دیتوں کو سمجھ لیں اور لوگوں کے مابین اچھے اور مروج طریقے کے مطابق اپنے قیدی کا فدیہ دیں۔'' ❷ اور اسی طرح سے عمرو بن شعیبؒ کی اپنے والد اور ان کی اپنے دادا سے روایت ہے: ''نبی ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین دستاویز لکھوائی۔ تاکہ وہ اپنی دیتوں کو سمجھ لیں اور مسلمانوں کے مابین روایت اور مروج طریقے کے مطابق اپنے قیدی کا فدیہ دیں۔'' ❸ اور اس میں یہودیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ اس سے جس چیز کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ بیہقیؒ نے مہاجرین وانصار کے متعلق جن دفعات کا ذکر ابن اسحاقؒ کی سند کی بنیاد پر کیا ہے اور اس میں یہودیوں سے متعلق کوئی اشارہ نہیں ہے اور یہ اُسی کے مطابق ہے جس کی ابن ہشامؒ نے ابن اسحاقؒ سے روایت کی ہے۔

اس طرح سے جن روایات کا میں نے ذکر کیا ہے، ان سے واضح ہوتا ہے کہ دراصل دو وثیقے ہیں جن میں سے ایک یہودیوں کے ساتھ معاہدہ سے متعلق ہے جو واقعہ بدر اولیٰ سے پہلے نبی ﷺ کے مدینہ تشریف آوری کے وقت لکھا گیا اور دوسرا مہاجرین وانصار کے مابین معاہدے اور ان سے متعلقہ ذمہ داریوں کے تعین کے ساتھ بدر کے بعد لکھا گیا لیکن مؤرخین نے دونوں وثیقوں کو اکٹھا کرلیا۔

---

❶ البدایہ والنهایہ ابن کثیر: ۳/ ۲۲٤ اور ابن کثیر نے کہا ہے کہ اسے امام احمد، بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

❷ مسائل من الایصال ابن حزم (محلی کے آخر میں مطبوع) ۱۲/ ٤٠٧.

❸ مسند احمد: ۳/ ۳۷۱، ۲/ ۲٠٤ اور انہی سے ابن کثیر نے البدایہ والنهایہ: ۳/ ۲۲٤ میں بیان کیا۔

Marfat.com

مہاجرین، انصار اور یہود کے مابین رسول اللہ ﷺ کی تحریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وثیقہ کا متن ❶

۱۔ یہ تحریر محمد النبیؐ (رسول اللہ) کی قریش اور اہل یثرب کے مومنین و مسلمین، ان کی پیروی کرنے والوں، ان کے ساتھ آ کر ملنے والوں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والوں کے مابین ہے:

۲۔ یہ دوسرے لوگوں سے الگ امت واحدہ ہیں۔

۳۔ قریش مہاجرین اپنے دستور کے مطابق باہمی دیتیں ادا کریں گے اور اہل ایمان کے درمیان نیکی وانصاف کے طریق سے قیدی کا فدیہ ادا کریں گے۔

۴۔ بنی عوف اپنے دستور کے مطابق باہمی دیتیں ادا کریں گے اور اہل ایمان کے درمیان نیکی وانصاف کے طریق سے قیدی کا فدیہ ادا کریں گے۔

۵۔ بنو حارث (بن خزرج) اپنے دستور کے مطابق باہمی دیتیں ادا کریں گے اور اہل ایمان کے درمیان نیکی وانصاف کے طریق سے قیدی کا فدیہ ادا کریں گے۔

۶۔ بنو ساعدہ اپنے دستور کے مطابق باہمی دیتیں ادا کریں گے اور اہل ایمان کے درمیان نیکی وانصاف کے طریق سے قیدی کا فدیہ ادا کریں گے۔

۷۔ بنو جشم اپنے دستور کے مطابق باہمی دیتیں ادا کریں گے اور اہل ایمان کے درمیان نیکی وانصاف کے طریق سے قیدی کا فدیہ ادا کریں گے۔

۸۔ بنو نجار اپنے دستور کے مطابق باہمی دیتیں ادا کریں گے اور اہل ایمان کے درمیان نیکی وانصاف کے طریق سے قیدی کا فدیہ ادا کریں گے۔

۹۔ بنو عمرو بن عوف اپنے دستور کے مطابق باہمی دیتیں ادا کریں گے اور اہل ایمان کے درمیان نیکی وانصاف کے طریق سے قیدی کا فدیہ ادا کریں گے۔

---

❶ میں نے اسے "مجموعة الوثائق السياسية" سے نقل کیا ہے۔ کیوں کہ اس نے تمام روایات کا باہم موازنہ کیا ہے اور حاشیہ میں تمام اختلافات کو بیان کیا ہے۔ (ص: ۴۱، ۴۷)

Marfat.com

۱۰۔ بنونبیت اپنے دستور کے مطابق باہمی دیتیں ادا کریں گے اور اہل ایمان کے درمیان نیکی وانصاف کے طریق سے قیدی کا فدیہ ادا کریں گے۔

۱۱۔ بنواوس اپنے دستور کے مطابق باہمی دیتیں ادا کریں گے اور اہل ایمان کے درمیان نیکی وانصاف کے طریق سے قیدی کا فدیہ ادا کریں گے۔

۱۲۔ (الف) یہ کہ مومنین آپس میں کسی محتاج کو بے سہارا نہ چھوڑیں گے۔اس کا فدیہ اور دیت معروف طریقے سے ادا کریں گے۔

(ب) کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے آزاد کردہ شخص کو اور اس کی مرضی کے خلاف حلیف کے طور پر استعمال نہیں کرے گا۔

۱۳۔ تمام متقی مسلمان ہر سرکش، ظلم وزیادتی اور گناہ وعصیان اور فساد کرنے والے کے خلاف محاذ قائم کریں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴۔ اور کوئی مومن کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی کافر کو مسلمان کے مقابلے میں مدد دی جائے گی۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ کا عہد اور پناہ ایک ہی ہے، کوئی ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے اور مومن کافروں کے مقابلے میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

۱۶۔ جو یہودی ہمارے تابع ہیں انھیں ہماری مدد اور خیر خواہی حاصل ہوگی، ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔

۱۷۔ تمام مومنوں کی صلح ایک ہی ہوگی، جنگ میں کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو نظر انداز کر کے صلح نہ کرے گا جب تک کہ وہ سب کے لیے یکساں عدل وانصاف پر مبنی نہ ہو۔

۱۸۔ مدینہ پر حملہ ہوگا تو دونوں فریق ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوں گے۔

۱۹۔ مسلمان شہداء کے خاندانوں کی خیر خواہی اور کفالت کریں گے۔

۲۰۔ (الف) بلاشبہ مومنین عمدہ ہدایت اور صراط مستقیم پر قائم ہیں۔

(ب) کوئی معاہد مشرک قریش کے جان و مال کو پناہ نہ دے گا اور نہ وہ مومن کے خلاف حائل ہوگا۔

۲۱۔ جو شخص کسی مسلمان کو ناحق مار ڈالے تو اس پر قصاص لازم ہے سوائے اس صورت کے کہ

Marfat.com

مقتول کے وارث (دیت یا معاف کرنے پر) راضی ہو جائیں۔ اور تمام مسلمان اس قاتل کے خلاف ہوں گے اور سب کے لیے اس پر عمل درآمد کرانا لازم ہوگا۔

۲۲۔ کسی مسلمان کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور اس صحیفہ کے مندرجات کا اقرار کرتا ہو، جائز نہیں کہ وہ کسی فتنہ جو کی مدد کرے یا اس کو پناہ دے۔ جو اس کی مدد کرے گا یا اس کو پناہ دے گا اس پر قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہوگا۔ نہ اس کی توبہ قبول ہوگی اور نہ اس سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔

۲۳۔ صحیفہ کے مندرجات کے بارے میں جو بھی اختلاف تم کرو گے اس کے فیصلے کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

۲۴۔ یہود جب تک محارب رہیں گے، مسلمانوں کے ساتھ جنگی اخراجات برداشت کریں گے۔

۲۵۔ بنوعوف کے یہودی بھی مسلمانوں کے ہمراہ ایک جماعت ہوں گے۔ یہود کو مذہبی آزادی ہوگی اور مسلمان اپنے دین کے پابند ہوں گے۔ ان کے حمایتی ہوں یا وہ خود۔ البتہ ظالم اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے اپنی ذات اور اپنے گھر والوں کی ہلاکت کا ہی موجب ہوں گے۔

۲۶۔ بنونجار کے یہود کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو بنوعوف کے یہود کے ہیں۔

۲۷۔ بنوحارث کے یہود کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو بنوعوف کے یہود کے ہیں۔

۲۸۔ بنوساعدہ کے یہود کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو بنی عوف کے یہود کے ہیں۔

۲۹۔ بنوجشم کے یہود کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو بنوعوف کے یہود کے ہیں۔

۳۰۔ بنواوس کے یہود کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو بنوعوف کے یہود کے ہیں۔

۳۱۔ بنوثعلبہ کے یہود کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو بنوعوف کے یہود کے ہیں، ظلم و گناہ کے مرتکب کے سوا کیونکہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو ہی ہلاک کرے گا۔

۳۲۔ جفنہ بنوثعلبہ کی شاخ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو خود انھیں حاصل ہیں۔

۳۳۔ بنوشطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے، جو بنوعوف کے یہودیوں کو۔ وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔

۳۴۔ ثعلبہ کے آزاد کردہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو خود انھیں حاصل ہیں۔

Marfat.com

۳۵۔ یہود کے قبائل کی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو خود انھیں حاصل ہیں۔

۳۶۔ (الف) ان میں سے کوئی بھی محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہ نکلے گا۔

(ب) زخم کا بدلہ لینے میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی۔ جو شخص خونریزی کرے تو ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہوگی۔ بجز اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا، اور خدا اس کے ساتھ ہے۔

۳۷۔ (الف) یہودی اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچ کے۔ جو کوئی اس صحیفہ پر عمل کرنے والوں سے جنگ کرے گا اس کے خلاف وہ سب متحد ہوں گے۔ ان کے آپس کے تعلقات خیر خواہی، نیکی اور وفاداری پر ہوں گے۔ اور وہ عہد شکنی نہ کریں گے۔

(ب) کوئی شخص اپنے حلیف کے جرم کی وجہ سے مجرم نہ ہوگا۔ مظلوم کی مدد اور نصرت کی جائے گی۔

۳۸۔ یہودی اس وقت تک مسلمانوں کے ساتھ خرچ کرتے رہیں گے جب تک وہ جنگ میں شریک رہیں گے۔

۳۹۔ اس صحیفہ کے فریقوں کے لیے یثرب اور اس کی وادی مقدس و محترم ہے۔

۴۰۔ پناہ گزین سے بھی پناہ دہندہ کی طرح برتاؤ ہوگا۔ نہ وہ ضرر رساں ہوگا اور نہ وہ گناہ کرے گا۔

۴۱۔ کسی خاتون کو اس کے خاندان کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔

۴۲۔ اہل معاہدہ میں کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو، جس سے فساد برپا ہونے کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس دستاویز میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کو اس پر زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفاداری پسند ہے۔

۴۳۔ قریش اور ان کے حامیوں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۴۴۔ یثرب پر حملہ آور ہونے والوں کے خلاف دونوں (مسلمانوں اور یہودیوں) پر ایک دوسرے کی امداد و نصرت لازم ہوگی۔

۴۵۔ (الف) مسلمان کسی دشمن سے صلح کریں گے تو یہود بھی اس کے پابند ہوں گے۔ اگر یہود کسی سے مصالحت کریں گے تو مسلمان بھی اس کے پابند ہوں گے لیکن دین کے بارے

Marfat.com

میں جنگ اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

(ب) تمام لوگوں پر شہر کے اس حصے کی حفاظت ضروری ہوگی جو ان کی جانب ہوگا۔

۴۶۔ اوس کے یہودیوں کو اصل ہوں یا موالی، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس نوشتے کے ماننے والوں کو حاصل ہیں (اچھا برتاؤ، احسان اور وفاداری ہوگی نہ کہ عہد شکنی) ہر شخص اپنے کیے کا خمیازہ بھگتے گا۔ اللہ اس کی حمایت فرمائے گا جو اس صحیفے کا وفادار ہوگا۔

۴۷۔ اس صحیفہ کی شرائط میں صرف ظالم اور گناہ گار ہی حائل ہوگا، جو شخص مدینہ سے باہر جائے گا وہ بھی امن میں ہوگا اور جو مدینے میں رہے گا اس کو بھی امن ملے گا، سوائے ظالم اور مجرم کے۔

اللہ تعالیٰ محافظ ہے اس شخص کا جو نیکوکار اور متقی ہو اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

وثیقہ کا تجزیہ

میں نے وثیقہ کے تجزیہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ دو وثیقہ جات ہیں تو ان کی وضاحت اسی صورت میں ہوگی کہ یہود سے متعلق دفعات کو دیگر دفعات سے الگ کرتے ہوئے وضاحت کی جائے جو ان کے حقوق وواجبات کا تعین کرتی ہیں۔

میں اپنی بات کا یہود سے متعلقہ دفعات سے آغاز کرتا ہوں کیونکہ ان سے معاہدہ پہلے ہوا تھا باوجود اس کے کہ وہ وثیقہ کی مدات کے تسلسل کی نسبت سے بعد میں ذکر ہے، جب کہ مہاجرین وانصار کے متعلق وثیقہ ثانیہ کی دفعات پہلے وارد شدہ ہیں۔

یہود کے ساتھ معاہدہ سے متعلق وثیقہ

یہود کے ساتھ معاہدہ کی دستاویز دفعہ نمبر ۲۴ تا ۴۷ پر مشتمل ہے۔ جس سے یہ نشاندہی ہوتی ہے کہ ہر دو وثیقہ جات کی دفعات ایک دوسرے میں شامل نہیں ہیں۔ بلکہ ہر وثیقہ کی دفعات کا ذکر یکجا اور تسلسل سے کیا گیا ہے۔ اس قول کے ساتھ مہاجرین اور انصار کے وثیقہ میں دفعہ نمبر ۱۶ کا وارد ہونا کوئی تعارض پیدا نہیں کرتا جب کہ وہ یہود سے متعلق ہے جو مسلمانوں کو یہودی

Marfat.com

معاہدین کے ساتھ عدل کی تاکید کرتی ہے اور وہ اس سے مشروط نہیں کہ وہ یہود کے ساتھ معاہدہ کے وثیقہ کی دفعات میں شامل ہوں۔

وثیقہ کی دفعہ ۲۴ دلالت کرتی ہے کہ مدینہ سے متعلق دفاعی جنگ کے اخراجات میں یہودیوں پر ان کی قسط کی ادائیگی واجب تھی اور یہ کہ یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ میں شرکت تک خرچ کرتے رہیں گے۔

ابوعبید القاسم بن سلامؒ کی رائے ہے کہ یہودوں کی مالی ذمہ داریاں محض دفاعی جنگ تک محدود نہ تھیں بلکہ یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ بھی کرتے تھے۔ ابوعبیدؒ نے کہا: ''ہماری رائے ہے کہ یہود کا حصہ نکالا جاتا تھا جب وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس شرط پر جنگ کرتے تھے کہ وہ خرچ کی ادائیگی کریں گے ورنہ مسلمانوں کے غنائم میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوتا۔ [1]

ابوعبیدؒ نے ذکر کیا ہے کہ ''ہمیں عبدالرحمٰن بن مہدی نے سفیان سے اور اس نے یزید بن جابر سے اور اس نے زہریؒ سے بیان کیا ہے: ''یہود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر لڑتے تھے تو غنیمت میں سے انھیں حصہ دیا جاتا تھا۔'' [2] اور یہ حدیث زہریؒ کی مراسیل میں سے ہے۔ اس کو ثبوت میں پیش نہیں کیا جاتا، اور دوسری احادیث میں نبی ﷺ کے ساتھ غزوات میں یہودیوں کی شرکت ثابت ہے اور یہ اضافہ ہے اس پر جو کچھ کہ پہلے گزر چکا ہے۔

۱۔ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودِ بنو قینقاع سے مدد طلب کی تھی، جو حسن بن عمارہؒ کے طریق سے وارد ہوئی ہے اور ابو یوسفؒ [3] اور بیہقیؒ نے اس کی تخریج کی ہے اور بیہقیؒ نے کہا ہے کہ حسن بن عمارہؒ متروک ہے۔'' [4] اور باوجود اس کے کہ حسن بن عمارہ کے ضعف پر اتفاق نہیں کیا گیا۔ لیکن اکثر ماہر محدثین اسے ضعیف قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ سہیلیؒ نے اس پر اجماع کی بات کی ہے۔ [5]

۲۔ حدیث: ''رسول اللہ ﷺ نے ان یہودیوں کو جو آپؐ کے ساتھ مل کر لڑے (غنیمت میں) حصے دار بنایا۔'' ترمذیؒ نے اسے زہریؒ کے طریق سے مرسلاً روایت کیا ہے [6] اور کہا ہے

---

[1] الاموال ابو عبید، ص: ۲۹۶.
[2] الاموال ابو عبید، ص: ۲۹۶.
[3] الرد علی سیر الاوزاعی ابو یوسف، ص: ۴۰.
[4] سنن بیهقی: ۵۳/۹.
[5] تهذیب التهذیب: ۲/ ۳۰۴، ۳۰۸.
[6] سنن ترمذی: ۷/ ۴۹.

Marfat.com

کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ زہری کی مراسیل کو بطور حجت نہیں لیا جاتا۔

۳۔ حدیث: رسول اللہ ﷺ یہود کے ساتھ مل کر جنگ کرتے تھے۔" ❶ یہ زہریؒ کی مراسیل میں سے ہے۔اس کے ساتھ احتجاج نہیں کیا جاتا۔

۴۔ حدیث: "رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے مل کر جنگ کی۔" اس کی بیہقیؒ نے تخریج کی ❷ اور کہا ہے کہ یہ منقطع ہے اور یہ بھی زہریؒ کی مراسیل میں سے ہے۔

۵۔ حدیث: رسول اللہ ﷺ مدینہ کے دس یہودیوں کے ساتھ نکلے اور ان کے ساتھ مل کر خیبر پر حملہ کیا۔" واقدی نے اسے روایت کیا ہے ❸ اور وہ متروک ہے۔اس سے بیہقیؒ ❹ اور زیلعیؒ نے روایت کی ہے۔ ❺

۶۔ حدیث: یہ کہ نبی ﷺ کے ساتھ مل کر بعض جنگوں میں یہودیوں نے قتال کیا اور وہ مسلمانوں کے ساتھ حصہ دار بنے۔ اسے خطیب بغدادیؒ ❻ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے لیکن اس کی اسناد ضعیف ہیں اور اس میں سے بعض راوی ساقط ہیں۔

اور اسی طرح سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگوں میں یہود کے اشتراک سے متعلقہ روایت شدہ احادیث ضعیف ہیں۔

اور ایسی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جو نبی ﷺ کی مسلمانوں کے ساتھ جنگوں میں یہودیوں کی شرکت سے ممانعت پر دلالت کرتی ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ابو عبداللہ الحاکمؒ ❼ نے ابو حمید الساعدی سے ایک روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

---

❶ نصب الراية زيلعی: ۳/ ۴۲۲. ❷ سنن بیہقی: ۹/ ۵۳.

❸ کتاب المغازی واقدی: ۲/۶۸۴.

❹ سنن بیہقی: ۹/ ۵۳ اور کہا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

❺ نصب الرایہ زیلعی: ۳/ ۴۲۲.

❻ تاریخ بغداد خطیب: ۴/ ۱۶۰۔ خطیب نے اس کی سند یوں بیان کی ہے۔ اخبرنی الحسن بن علی بن عبداللہ المقرئ حدثنا احمد بن الفرج الوراق حدثنا ابوبکر احمد بن (الردین) قال: قُرئ علیٰ رزق اللہ بن موسیٰ وانا اسمع قال حدثنا سفیان بن عیینة عن یزید بن یزید بن جابر عن ابی هریرة۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یزید بن یزید بن جابر کی ابو ہریرہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ یزید ۷۷ھ کی حدود میں پیدا ہوا جبکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۵۷ھ میں وفات پا گئے تھے۔

❼ مستدرك علی الصحيحين للحاكم: ۲/ ۱۲۲.

Marfat.com

''رسول اللہ ﷺ ثنیۃ الوداع سے آگے نکلے تو ایک جماعت دیکھی، فرمایا: ''یہ کون ہیں؟'' تو لوگوں نے بتایا: بنوقینقاع ہیں اور وہ عبداللہؓ بن سلام کا خاندان ہے تو آپؐ نے فرمایا: کیا وہ مسلمان ہوئے ہیں؟ لوگوں نے کہا: نہیں بلکہ وہ اپنے دین پر ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: ان سے کہو کہ واپس ہو جائیں، ہم مشرکین سے مدد حاصل نہیں کرتے۔''

حاکمؒ نے ایک دوسری حدیث کے راوی سے روایت کی ہے جس کے الفاظ ہیں: ''ہم مشرکین کے خلاف مشرکین سے مدد حاصل نہیں کرتے۔'' اور حاکمؒ نے کہا ہے: ''اس کی اسناد صحیح ہیں۔'' لیکن انھوں نے ان دونوں احایث کی تخریج نہیں کی۔ حالانکہ انھوں نے حدیث کو بیان کیا ہے کہ وہ غزوہ احد تھا اور حاکمؒ کی روایت ہے کہ وہ غزوات میں سے کوئی تھا مگر غزوہ کی تعیین نہیں کی۔ ❶ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ غزوہ احد کی تعیین غلط ہے کیونکہ بنی قینقاع احد سے ایک سال قبل جلاوطن کر دیے گئے تھے۔ اور بیہقیؒ نے حاکمؒ کے طریق سے بھی ابوحمید الساعدیؓ سے اس کی روایت کی ہے، ❷ اور واقدی اور ابنؒ سعد نے روایت کی ہے کہ وہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے حلیف تھے اور یہ کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اہل شرک کے خلاف اہل شرک کی مدد نہ مانگو۔'' ❸

۲۔ ابنؒ اسحاق ❹ اور امام سحنونؒ ❺ اور ابنؒ قیم ❻ سب نے زہریؒ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ ''احد کے دن انصار نے کہا: ہم کیوں نہ اپنے یہودی حلیفوں سے مدد لیں؟ جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں ان سے مدد لینے کی کوئی حاجت نہیں۔''

پہلی حدیث کی اسناد دیگر کے مقابلے میں صحیح تر ہے، لیکن اس میں سعدؒ بن المنذر ہے اور وہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک مقبول ہے۔ مگر اس سے ملنے کے ساتھ ہی حجت قائم ہوتی ہے لیکن یہ رائے جس وجہ سے قابل ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ وثیقہ کے متن میں یہود کے جنگی اخراجات میں شراکت سے متعلق جو کچھ درج ہے وہ مدینہ سے متعلق دفاعی جنگ کی حد تک محدود ہے۔ اور غالباً دفعہ ۴۴ اس کی وضاحت کرتی ہے ''یثرب پر حملہ کی صورت میں دونوں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

---

❶ نصب الرایہ زیلعی: ۳/ ۴۲۳۔ ❷ سنن بیہقی: ۹/ ۳۷۔
❸ کتاب المغازی واقدی: ۱/ ۲۱۵، ۲۱۶۔ طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۷۔
❹ سیرت ابن ہشام: ۲/ ۶۴۔ ❺ المدونۃ الکبریٰ مالک بن انس: ۳/ ۴۰۔
❻ زاد المعاد ابن قیم: ۲/ ۹۲۔

Marfat.com

کعب بن مالک انصاریؓ نے کہا: ''جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے مشرکین اور یہود آپؐ اور آپؐ کے اصحاب کو شدید ایذا پہنچایا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس پر صبر اور ان سے درگزر کی ہدایت فرمائی اور ان کے بارے میں آیت ﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ﴾[البقرۃ:۱۰۹] (اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمھیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹا لے جائیں۔) نازل فرمائی۔ ❶

حاکمؒ کی روایت میں ہے: آخر کس لیے بعض یہودی مسلمانوں کی نصرت کے لیے نکلے۔ یہ صورت تو اسلام کے آنے سے قبل اوس وخزرج اور یہودیوں کے مابین عہد و پیمان کی طرف لوٹتی ہے اور غالباً یہودیوں کا ارادہ تھا کہ وہ ان معاہدات کی تصدیق اور اپنے سابقہ حلیفوں کے ساتھ تعلقات کی تقویت چاہتے تھے تاکہ وہ اس تعلق سے مسلمانوں میں محاذ آرائی کی صورت پیدا کریں، انھیں نیچا دکھائیں اور ان کی صفوں میں نفاق پیدا کریں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان کے تعاون کو رد فرما کر ان پر راہ مسدود کر دی جب تک کہ وہ کفر پر قائم رہیں۔ اوس وخزرج اور یہودیوں کے مابین قدیم معاہدات کے اثر کے باقی رہنے کی وضاحت احد کے دن نبی ﷺ کے ساتھ انصار کے قول (کیا ہم اپنے یہودی حلیفوں سے مدد نہ لیں؟) سے ہوتی ہے۔ نیز وہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی بنو قینقاع جو اس کی قوم خزرج کے حلیف تھے کے حق میں سفارش سے واضح ہے۔ اور اس سے بھی کہ اوس کے بعض افراد کی اپنے حلیف یہودی بنی قریظہ کو قتل سے بچانے کی کوشش تھی۔ جب کہ وہ نبی ﷺ کے حکم پر قلعوں سے نیچے اتر آئے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے سعدؓ بن معاذ کو حکم بنایا اور انھوں نے ان کے قتل کا فیصلہ کیا۔ اس طرح سے حضرت سعدؓ نے ان کے ساتھ اپنے حلف کی براءت کر لی جیسا کہ اس سے قبل عبادہؓ بن صامت (جو قبیلہ خزرج کے بنوعوف میں سے تھے) نے بنی قینقاع سے جب وہ رسول اللہ کے خلاف لڑے، براءت کا اظہار کر لیا تھا۔

وثیقہ کی دفعات ۲۵۔۳۵ اوس وخزرج میں سے متهودین (یہودی بننے والوں) کے

---

❶ یہ روایت سنن ابوداؤد ۳؍۴۰۱ میں ہے۔ اسباب النزول واحدی ۱۲۹ ایک ایسی سند کے ساتھ جسے ابن حجر نے حسن قرار دیا ہے۔ (العجاب ق ۳۸ أ)

Marfat.com

تعلق کی تعیین کرتی ہیں اور دفعات نے انھیں عرب خاندانوں سے منسوب کیا ہے اور ان کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کا اقرار کیا ہے ''یہود بنی عوف مومنین کے ساتھ ایک امت ہیں اور کتاب اموال میں (امة من المؤمنين) کی عبارت وارد ہوئی ہے جس بارے میں عبید یہ کہتا ہے: ''اس سے مراد ان (یہودیوں) کی طرف سے خرچے کی ادائیگی کے ساتھ مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں نصرت و معاونت ہے جو ان پر بطور شرط عائد تھی، لیکن جہاں تک دین کا معاملہ ہے اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ کیا تم اس شق پر غور نہیں کرتے ہو جس نے واضح کر دیا تھا کہ یہودیوں کے لیے اپنا دین اور مومنین کے لیے اپنا دین۔'' ❶ لیکن ابن اسحاق نے کہا ہے (مع المؤمنين) سے مراد وسیع الظرفی کا اظہار ہے اور کتاب الاموال میں وہ غالباً مصحف (Misread) ہے۔

ابن عباسؓ نے اوس اور خزرج کے بعض لوگوں کا یہودیوں کے قبائل میں شامل ہونے کا سبب واضح کیا ہے: ''انصار کی جس عورت کی اولاد زندہ نہ رہتی وہ نذر مان لیتی کہ اگر اس کا بیٹا زندہ رہا تو وہ اس کو یہودی بنائے گی۔ جب بنونضیر کو مدینہ سے نکالا گیا تو ان میں انصار کے بیٹے بھی تھے جو یہودی تھے، لہٰذا انصار نے کہا ہم اپنے بیٹوں کو نہیں جانے دیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿لا اكراه فى الدين﴾۔ ❷

دفعہ نمبر ۲۵ یہودیوں کی دینی آزادی کی ضامن ہے جب کہ جرائم کا مرتکب خود ہی اس کا جواب دہ ہے۔ لہٰذا مجرم اپنی سزا پائے گا اگر چہ وہ فریق معاہدہ میں سے ہو۔ یہ صحیفہ (لا يحول الكتاب دون ظالم ولا آثم)۔

وثیقہ کی دفعہ نمبر ۴۳ نے یہودیوں کو قریش کو پناہ دینے یا ان کی نصرت کرنے سے منع کیا ہے۔ نیز نبی ﷺ کا ہدف قریش کی تجارت میں رکاوٹ ڈالنا تھا جس کا راستہ مدینے کی غربی جانب سے شام کی طرف جاتا تھا۔ اس معاہدے کے ذریعے ناگزیر تھا کہ قریش کی تجارت کو یہودیوں کا پناہ دینا ان کے اور مسلمانوں کے درمیان مخالفت پیدا کر دے گا۔ نیز دفعہ ۳۶ (الف)

---

❶ الاموال ابو عبيد، ص: ۲۹۶۔

❷ سنن ابو داؤد ۱۳۲/۳، تفسیر طبری ۱۵/۳، اسباب النزول واحدی ۷۷ اس کی سند صحیح ہے۔

Marfat.com

میں یہودیوں کو رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر مدینہ سے نکلنے سے روک دیا تھا اور یہ ان کی سرگرمیوں پر پابندی تھی۔ غالباً اس کا مقصد بدرجہ اولیٰ یہ تھا کہ انھیں مدینہ سے باہر قبائل کی جنگوں میں شرکت جیسی فوجی سرگرمیوں سے روک رکھا جائے [1] جن سے مدینہ کا امن اور اس کی اقتصادیات متاثر ہوتی ہوں۔ نیز یہودی مدینہ کی اسلامی ریاست کے شہری ہونے کی حیثیت سے نظام عام کے پابند رہیں۔ اسی طرح سے وثیقہ کی دفعہ ۴۲ کی رو سے یہودیوں کو اعتراف تھا کہ مدینہ کے یہودیوں سمیت تمام باشندوں پر مدینے کی ریاست کو اعلیٰ عدالتی اختیارات حاصل ہوں گے، مگر یہودیوں کے لیے اسلامی عدالت کی طرف رجوع کو کبھی لازم نہ کیا، سوائے اس صورت میں جب کہ ان کے اور مسلمانوں کے مابین کوئی تنازع واقع ہو جاتا۔ ان کے خصوصی مقدمات اور ان کے ذاتی مسائل تورات کی طرف فیصلہ کے لیے پیش کیے جاتے اور ان کے علماء فیصلہ کرتے۔ اگر وہ اپنی مرضی کے ساتھ نبی ﷺ سے فیصلہ کرانا چاہتے تو قرآن کریم نے نبی ﷺ کو اختیار دے رکھا تھا کہ آپ ان کی ثالثی قبول فرمائیں یا اسے ان کے علما کی طرف لوٹا دیں۔ ﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ۚ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ [2] (اگر یہ تمھارے پاس (اپنے مقدمات لے کر آئیں) تو تمھیں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہو ان کا فیصلہ کرو ورنہ انکار کر دو۔ انکار کر دو تو یہ تمھارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، اور فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔) [المائدہ:۴۲] بلاشبہ ان کا نبی ﷺ کی طرف فیصلے کے لیے آنا ان کے عاجز رہ جانے تک موخر رہا نیز یہ کہ سورہ المائدہ اسی دور میں نازل ہوئی۔

وہ مقدمات جن کا یہودی رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کروانا چاہتے وہ بنونضیر اور بنوقریظہ کے درمیان مقتولوں کی دیت کا اختلاف تھا۔ بنی نضیر بنوقریظہ کی نسبت طاقت ور تھے لہٰذا ان کے مقتولوں کی دیت دگنی عائد کی جاتی۔ پھر جب مدینہ میں اسلام کا غلبہ ہو گیا تو بنوقریظہ کو دگنی دیت

---

[1] رسالات نبویہ میں عبدالمنعم خاں اسی طرف گئے ہیں جیسا کہ انھوں نے ڈاکٹر صالح علی کے اُن محاضرات سے نقل کیا ہے جو قلمی ہیں اور ابھی تک شائع نہیں ہوئے۔ تنظیمات الرسول الاداریة فی المدینة، ڈاکٹر صالح احمد علی، ص ۱۶۔

[2] سيرة الرسول عزّه دروزه: ۲/ ۱۴۸.

Marfat.com

دینے سے روک دیا گیا اور دیت میں مساوات قائم کی گئی۔ چنانچہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿ وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ﴾ [المائدہ: ۴۵] (1) (تورات میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ (جان کے بدلے جان)۔

وثیقہ کی دفعہ ۴۵ کی رو سے مسلمانوں کے حلیف اور یہودیوں کے حلیف جو دیگر قبائل سے تھے، کو شامل کرنے کے لیے معاہدہ میں وسعت پیدا ہوئی جب کہ اس دفعہ نے ہر فریق پر دوسرے فریق کے حلیفوں سے مصالحت کی شرط عائد کر دی۔ لیکن مسلمانوں نے قریش کو اس سے مستثنٰی رکھا کیونکہ وہ ان کے ساتھ حالت جنگ میں تھے۔

دفعہ ۳۹ کے بموجب مدینہ کو حرم قرار دیا گیا "اس صحیفہ کے متعلقین کے لیے مدینہ محترم ہے" اور حرم کی بے حرمتی نہیں کی جاتی، اس کا شکار نہیں مارا جاتا اس کا درخت نہیں کاٹا جاتا۔ مدینے کا حرم شرقی حرہ سے غربی حرہ کے درمیان اور شمال میں جبل (ثور) اور جنوب میں جبل عیر کے درمیان ہے اور وادی عتیق حرم میں داخل ہے۔ (2) اس طرح سے اس دفعہ نے اندرونی امن قائم کر دیا اور داخلی جنگوں کو اس نے روک دیا۔

مہاجرین اور انصار کے درمیان حلف کی دستاویز

اس دستاویز کا آغاز باہم حلیف بننے والے فریقوں کے تعارف سے یوں ہوتا ہے:

"قریش اور اہل یثرب کے مومنین و مسلمین کے درمیان اور جو ان کے بعد ان سے آ کر ملیں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں" مومنین اور مسلمین کے درمیان امتیاز واضح ہے کیونکہ یہ معروف ہے کہ مومن وہ ہے جس نے زبان سے ایمان کا اقرار کیا اور دل سے تصدیق کی، اور مسلمان وہ ہے جو احکام اسلام کے آگے سرنگوں ہوا اور اس کے فرائض کی ادائیگی کی۔ ان دو قسموں میں امتیاز صرف یثرب میں غزوہ بدر کبریٰ کے بعد نفاق کے ظہور کے ساتھ ہوا جب کہ مہاجرین میں کوئی ایسا مسلمان نہ تھا جو اپنے دل کی تصدیق کے ساتھ مومن نہ ہو۔ دفعہ نمبر ۲ سے واضح ہوتا ہے کہ "وہ دوسرے انسانوں سے الگ ایک امت واحدہ ہیں۔" امت جو اپنے افراد کو عقیدہ کے ساتھ مضبوط

---

(1) اسے امام احمد نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے، سند حسن کے ساتھ۔ (الفتح الربانی: ۱۸/ ۱۳۰).

(2) دیکھیے: الوثائق السیاسیۃ محمد حمید اللہ، ص: ٤٤١، ٤٤٢۔ صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱۳۶/۹.

Marfat.com

کرتی ہے نہ کہ خونی رشتے کے ساتھ۔ چنانچہ عقیدہ ان کے شعور، ان کے افکار، ان کے قبلہ اور ان کے رخ کو متحد کر دیتا ہے۔ ان کا باہمی تعلق اللہ کے لیے ہے نہ کہ قبیلہ کے لیے۔ ان کے مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہوتے ہیں نہ کہ رسم ورواج کے تحت۔ وہ اس پہلو سے بقیہ انسانوں سے مکمل طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ (من دون الناس) اور یہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی تفصیل ہے جس میں یہودی یا دیگر حلیف شامل نہیں ہیں۔ بلاشبہ دینی جماعت کا امتیاز ایک امر مقصود ہے جس کا ہدف اپنی ذات میں زیادہ سے زیادہ تعلقات واعتزاز ہے، جس کی وضاحت قبلے کے امتیاز اور کعبے کی طرف اس کے رخ سے ہوتی ہے، اس کے بعد کہ اس کا رخ سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف تھا۔ ❶

نبی ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو بہت سے معاملات میں دوسروں سے ممیّز کیا۔ آپ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ اس سے آپ کا مقصد یہود کے طریقہ کار کی مخالفت ہے۔ اور اس کی ایک مثال یہ ہے کہ یہود خف (جوتے کا تسمہ باندھنا) کو نہ ملاتے مگر نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ خف کو ملایا کریں۔ یہودی سفید بالوں کو نہ رنگتے لہٰذا مسلمان اپنے سر کے بالوں کو مہندی اور خضاب سے رنگیں۔ یہودی عاشورے کا روزہ رکھتے، نبی ﷺ بھی یہ روزہ رکھتے لیکن آخری عمر میں آپ نے یہودیوں کے طریقہ کار کی مخالفت میں اس کے ساتھ ایک دن قبل یا بعد کا بھی روزہ رکھنے کا عزم فرمایا۔ پھر نبی ﷺ نے مسلمانوں کو دیگر غیر مسلموں کی مخالفت اور ان سے ممیّز کرنے کے لیے اصول وضع فرما دیا۔ "من تشبه بقوم فهو منهم" جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ اسی میں شمار ہوگا۔

"لا تشبهوا باليهود" یہود کی مشابہت نہ اختیار کرو۔ اس سلسلے کی بہت سی احادیث ہیں جو مسلمانوں کو دوسروں سے ممیّز ہونے اور دوسروں پر ان کی بالاتری کے معانی دیتی ہیں۔ بلاشبہ دوسروں کے ساتھ مشابہت اور ان کی تقلید اپنی ذات کے اعتزاز اور کفار پر تفوق کے منافی ہے۔ ❷ لیکن یہ امتیاز اور تفوق مسلمانوں اور دوسروں کے درمیان قطع تعلق اور رکاوٹ کی شکل اختیار نہیں کرتا کیونکہ اسلامی اجتماعیت کے دروازے کھلے ہیں، وہ وسعت کو

---

❶ تاریخ خلیفہ: ۲۳، ۲۴۔ سیرة ابن هشام: ۱/ ۵۵۰۔

❷ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں اس معنی کے متعلق واضح تصور دیا ہے۔

Marfat.com

قبول کرتی ہے اور جو بھی اس کی آئیڈیالوجی کو قبول کر لے وہ اسے اپنے اندر سمو لیتی ہے۔

وثیقہ کی دفعات ۳۔۱۱ قبائلی ڈھانچوں کا ذکر کرتی ہیں اور مہاجرین کو ان کی تعداد کی قلت کے پیش نظر ایک ہی گروہ شمار کرتی ہیں۔ لیکن انھوں نے انصار کو ان کے قبیلوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور خاندانوں کے ذکر سے مراد انسانوں کے درمیان ربط کی بنیاد اول نہیں ہے اور نہ ہی اس سے مراد قبائلی اور خاندانی عصبیت کی بقا ہے کیونکہ اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ ''لیس منا من دعا الی عصبیة'' [1] (عصبیت کی طرف دعوت دینے والا ہم میں سے نہیں)۔ ان سے صرف معاشرتی تعاون میں استفادہ کیا جاتا ہے۔ اسلام نے اپنے متبعین کے مابین رابطے کی پہلی بنیاد عقیدے کو بنایا ہے۔ اگرچہ وہ دیگر رابطوں کا بھی اعتراف کرتا ہے مگر ان کا درجہ رابطہ عقیدہ کے تحت ہے۔ جو افراد معاشرہ کی خدمت کرتے ہیں اور اجتماعی کفالت کی تعمیر میں حصہ دار بنتے ہیں ان کی مثال ایک ہی خاندان کے افراد کے مابین خصوصی تعلقات کی ہے اور وہ حقوق و فرائض ہیں جو ان کے باپوں، ان کے بیٹوں اور ان کی ماؤں پر عائد ہوتے ہیں۔ نیز وہ حقوق و فرائض جو ان پر باہمی ضمانت دیتوں کی ادائیگی، اسیروں کی رہائی، ان کے محتاجوں کی اعانت اور ایک ہی محلّہ کے افراد سے متعلق مرتب ہوتے ہیں: '' ما زال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه '' جبریل علیہ السلام ہمسایے کے بارے میں مجھے وصیت کرتے ہی رہے حتی کہ میں نے سمجھا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے۔ اور ایک ہی آبادی کے افراد کے بارے میں فرمایا:

'' ایما اهل عرصة اصبح فیهم امرؤ جائعًا فقد برئت منهم ذمة الله تبارك و تعالی '' (اہل احاطہ جنھوں نے اس حال میں صبح کی کہ ان میں سے کوئی رات بھر بھوکا رہا تو ان سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذمہ اٹھ گیا) ایک ہی شہر کے رہنے والوں کے مالوں کی زکوٰۃ اس شہر کے اہالیان کی حاجت براری کی تکمیل کے بعد ہی باہر جا سکتی ہے۔ اس طرح سے اسلام نے چھوٹی چھوٹی معاشرتی اکائیوں کو اجتماعی کفالت کے اہتمام کا ذمہ دار قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ بڑے بڑے خلا پر کیے ہیں۔ پھر آخر میں ریاست آتی ہے جو ان خلاؤں کو پر کر دیتی ہے جن کو پر کرنے سے افراد عاجز رہ جاتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صورت ریاست کے کندھوں سے ایک

---

[1] سنن ابو داؤد: ۵۱۲۱۔

Marfat.com

ایسا بڑا بوجھ اتار دیتی ہے جدید ریاستیں جس کے زیر بار ہوتی ہیں۔

اس طرح سے خاندانی روابط کے قیام سے مقصود اجتماعی کفالت کا استفادہ ہے۔ لیکن ظلم میں نہ تو ایک دوسرے کی کوئی مدد ہے اور نہ عصبیت۔ اس کے ساتھ اسلام نے قبائلی روابط اور ان سے استفادہ کے رخ کو عظیم تر مقاصد کی طرف موڑ دیا ہے۔

اجتماعی کفالت کے لیے خاندان پر لازم ہے کہ وہ مستحق افراد کا تعین کرے۔ اسی ضمن میں یہ بھی ہے کہ اگر خاندان کا کوئی فرد کسی کو سہواً قتل کر دے تو اس قتل کی دیت کی ادائیگی افراد خاندان کی باہمی ذمہ داری ہے اور یہ طریق کار جاہلیت میں متعارف تھا اور وثیقہ نے اسے برقرار رکھا کیونکہ اس میں باہمی تعاون ہے۔ ''علی ربعتهم يتعاقلون بينهم...'' یعنی دیتوں کے احکام میں مروجہ طریقہ قائم رہے گا [۱۱] اور اسی طرح خاندان اپنے قیدی افراد کے فدیہ بالمال کے لیے ان کا تعین کرے گا۔ ''وهم يفدون عانيهم--أي الأسير-- بالمعروف'' (اور وہ معروف طریقے سے اپنے اسیر کا فدیہ ادا کریں گے)۔

نیز وثیقہ سے مشترکہ ذمہ داری کی تائید ہوتی ہے کہ مدینہ کے معاشرہ میں عدل وامن کو بروئے کار لانے کے لیے سارے باشندوں کو ذمہ دار قرار دیا۔ اس ذمہ داری کی بڑی اہمیت تھی کیونکہ نبی ﷺ نے مجرموں کے سراغ لگانے اور انھیں سزا دینے کے لیے کوئی منظم پولیس فورس تشکیل نہ دی تھی۔ جرائم کی سزا بطور حدود اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہے، لہٰذا ان کا نفاذ مومنین کا دینی فریضہ ہے۔ ان احکام کو تقدس حاصل ہے اور اس وجہ سے انسان کو فطری غلبہ بھی حاصل ہے اور وہ بعض لوگوں کے دلوں میں سرکشی کی رغبت کے پیدا ہونے اور اس کی خلاف ورزی سے روکتا ہے، جیسا کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے بارے میں ہوتا ہے۔ اہل ایمان کے کردار کا واضح اظہار دفعہ نمبر ۱۳ سے ہوتا ہے۔ جس کے الفاظ ہیں: ''متقی اہل ایمان سب مل کر اس باغی جو ان میں دسیعہ، ظالم، گناہ و سرکشی اختیار کرے اور مومنین میں بگاڑ پیدا کرنا چاہے، پر گرفت مضبوط کریں اگر چہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہو۔ دفعہ ۱۳ اہل ایمان پر بھروسہ کرتی ہے کہ وہ باغیوں، سرکشوں، مفسدوں اور راشیوں کا ہاتھ پکڑیں گے۔ اور متعلقہ دفعہ میں دسیعہ سے مراد ہے

[۱۱] الاموال ابو عبيد، ص: ۲۹۴۔ النهاية في غريب الحديث والاثر ابن اثير: ۲/ ۲۷۹۔ مزید دیکھیے: قسطلانی کی مواہب لدنیہ کی زرقانی مالکی کی شرح: ۴/۱۶۸۔

Marfat.com

کہ جو ناحق عطیہ (رشوت) کا مطالبہ کرتا ہو ❶ اور اس ذمہ داری کا متقین کے ساتھ مختص ہونا اس لیے ہے کہ وہ دوسروں کے سوا اپنے کمال ایمان کی وجہ سے شریعت کے نفاذ کے زیادہ حریص ہوتے ہیں اور اس لیے کہ کوئی شخص اصلاً تو ایمان سے متصف ہوتا ہے لیکن بعض اوقات حرام اور سرکشی کا ارتکاب کرتا ہے اور حدود کی خلاف ورزی کر لیتا ہے تو اسے اس سے روک دیا جاتا ہے۔ ❷

اور وثیقہ کی دفعہ ۲۱ کا متن یوں ہے ''ومن اعتبط مومنًا قتلاً عن بينة فانه قود به''یعنی جس نے بلاقصور وجرم کسی کو قتل کیا تو اس کا قتل واجب ہے کیونکہ قاتل سے بدلہ لیا جاتا ہے، اور وہ قتل کیا جاتا ہے سوائے اس صورت کے کہ مقتول کے ورثا قصاص کے بجائے دیت لینا اختیار کر لیں یا ان کی طرف سے اسے معاف کر دیا جائے۔ ❸ اور مقتول کے ورثا کا قتل یا دیت کا اختیار کر لینا برابر ہے کیونکہ مومنین سب کے سب -- قاتل کے ورثاء سمیت -- قاتل پر فیصلے کے نفاذ میں معاون ہوتے ہیں اور اس کی حمایت نہیں کرتے خواہ ان کی قرابت کسی بھی درجے میں ہو جب کہ'' لا يحل لمؤمن اقربما فى هذا الصحيفة وامن بالله واليوم الاخر ان ينصر محدثا اويؤويه ، وإن من نصره، او آواه فان عليه لعنة الله وغضبه يوم القيامة ، ولا يؤخذ منه صرف و لا عدل ''کسی مومن کے لیے جس نے اس صحیفے کے مندرجات کا اقرار کیا ہے اور وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مجرم کی مدد کرے یا اسے پناہ دے اور اگر اس نے اس کی مدد کی یا اسے پناہ دی تو اس پر قیامت کے دن تک کے لیے اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہے۔ نہ تو اس سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ بدلہ۔'' اور مجرم وہ ہے جس نے اللہ عزّ وجلّ کی حدود میں سے کسی حد کو توڑا، اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس پر حد کے نفاذ میں رکاوٹ بنے، اور جس نے اس کو پناہ دی اس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہے۔ اور مجرمین کی نصرت پر اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور نہ فدیہ۔ ❹

---

❶ النهاية فى غريب الحديث والاثر ابن اثیر: ۲/ ۱۱۷۔ مواہب لدنیہ کی شرح زرقانی: ۴/ ۱۶۸۔

❷ شرح زرقانی علی المواهب اللدنية للقسطلانی: ۴/ ۱۶۸.

❸ النهاية فى غريب الحديث والاثر ابن اثیر: ۳/ ۴۲۴۔ مواہب لدنیہ کی شرح زرقانی: ۴/ ۱۶۸، ۱۶۹۔ نیل الاوطار شوکانی: ۷/ ۶۱.

❹ الاموال ابو عبید، ص: ۲۹۶.

Marfat.com

اہل ایمان کے مابین اجتماعی کفالت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے میں سے محتاج کی مدد کریں ❶ (یعنی جو قرضے کے زیر بار ہو)۔ اگر وہ قیدی ہو تو اس کا فدیہ دیا جائے اگر اس نے کوئی سہواً جرم کیا ہو تو اس کی طرف سے دیت دی جائے جیسا کہ دفعہ نمبر ۱۱ یہ ذمہ داری عائد کرتی ہے۔ اور ابن سعد کی رائے میں محتاج وہ ہے جس کا لوگوں میں کوئی ولی معلوم نہ ہو ❷ اور ظاہر ہے کہ ولایت کا تعلق دیتوں وغیرہ میں تعاون مرتب کرتا ہے اور اگر وہ کسی خاندان سے نسلی طور پر یا ولایت کے تعلق سے منسوب نہ ہو تو جملہ مومنین اس کے اولیاء ہیں اور اس کی مدد ان پر واجب ہے۔ اور اگر اس نے کوئی جرم کیا تو اس کے جرم کا کفارہ بیت المال پر ہے کیونکہ اس کے جرم کا کفارہ ادا کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

دفعہ ۱۲ (ب) نظریہ تحالف بیان کرتی ہے لیکن وہ کسی آقا کے ولایت کے حقوق جو اس کے غلاموں کو آزاد کرانے والوں پر عائد ہوتے ہیں، سے تجاوز کی اجازت نہیں دیتی۔ اور کسی کے لیے ان کے آقا کی اجازت کے بغیر غلاموں کو حلیف بنانا جائز نہیں۔

اور حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے پرانے حلیفوں کو برقرار رکھا اور نئے حلیف بنانے کی ممانعت کر دی اور حدیث کے الفاظ ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ فتح کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اے لوگو! جو حلف جاہلیت میں تھا، اسلام نے اس کو پختہ کرنے کے علاوہ اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا اور اسلام میں کوئی حلف نہیں ہے۔'' ❸

وثیقہ کی دفعہ ۱۴ ظاہر کرتی ہے کہ مومنین کو کافروں پر فوقیت حاصل ہے: ''کافر کے بدلے میں مومن کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ مومن کے برخلاف کافر کی مدد کی جائے گی۔'' یہ اس حقیقت پر دلیل ہے کہ کافر کا خون مومن کے خون کے برابر نہیں ہے اور مومنین کے درمیان باہمی ربط اور دوستانہ تعلقات کی پختگی ہے، جب کہ کفار کے ساتھ پرانی دوستی اور محبت کے تعلقات کے

---

❶ سیرت نبوی ابن هشام: ۱/ ۵۰۲۔ الاموال ابو عبید، ص: ۲۹۴۔ النهایه ابن اثیر: ۳/ ۴۲۴.

❷ طبقات ابن سعد: ۱/ ۴۸۶.

❸ اسے احمد نے مسند میں روایت کیا ہے: ۱/ ۱۸۰، ۲/ ۲۱۵۔ ترمذی نے بھی روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ دیکھیے: صحیح الترمذی بشرح ابی العربی المالکی: ۷/ ۸۳.

Marfat.com

انقطاع کی تاکید ہے۔

وثیقہ کی دفعہ ۱۷ واضح کرتی ہے: ''تمام مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی، جنگ میں کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو نظر انداز کر کے صلح نہ کرے سوائے اس کہ وہ سب کے لیے یکساں عدل وانصاف پر مبنی ہو۔'' پس جنگ اور صلح کے اعلان کی ذمہ داری افراد پر نہیں، بلکہ اس کے ذمہ دار نبی ﷺ ہیں۔ لہٰذا جب آپ جنگ کا اعلان کریں تو سارے مسلمان دشمن کے خلاف حالت جنگ میں ہو جائیں گے اور کسی فرد کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اس کی خلاف ورزی کرے کیونکہ وہ اہل ایمان کی عمومی مصلحت کے ساتھ مربوط ہے۔ ❶ اسی طرح سے جنگ کا بوجھ کسی ایک خاندان پر نہیں پڑے گا بلکہ جہاد تمام مومنوں پر فرض ہے اور وہ غزوات اور سرایا میں باری باری نکلیں گے۔ ❷ (دفعہ ۱۸)

دفعہ ۱۵ اس پناہ کے اصول کا اقرار کرتی ہے جو اسلام سے قبل معروف تھا۔ اور ہر مسلمان کا یہ حق قرار دیا کہ وہ پناہ دے سکتا ہے نیز وہ اپنی پناہ کی حفاظت کرے گا۔ اس طرح سے ولایت صرف مومنین کے درمیان ہی ہوگی اور ولایت کا تقاضا محبت اور نصرت ہے۔ اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کافر کو دوست بنائے: ﴿ والمؤمنون بعضهم اولياء بعض ﴾ (مومن ایک دوسرے کے ساتھی ہیں)، ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ﴾ [المائدہ:۵۱] (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے) ﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ... ﴾ [آل عمران:۲۸] (مومنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور یار و مددگار ہرگز نہ بنائیں)

دفعہ ۲۱ اوس اور خزرج جو ابھی تک شرک پر باقی ہیں انھیں قریش کو پناہ دینے، ان کے ساتھ تجارت کرنے یا مسلمانوں کی قریش سے محاذ آرائی میں قریش کا ساتھ دینے سے منع کرتی ہے۔ نبی ﷺ قریش کی تجارت میں رکاوٹ ڈالنے کی حکمت عملی اختیار کرنے میں بہت پر عزم تھے، بلاشبہ اوس وخزرج کے خاندانوں میں مسلمان غالب اکثریت رکھتے تھے لہٰذا اپنے خاندان کے

---

❶ قسطلانی کی مواهب لدنیه پر شرح زرقانی ۱۶۸/۴

❷ النهاية في غريب الحديث ابن اثير ۲۶۷/۳، مواهب لدنیه کی شرح زرقانی ۱۶۸/۴

Marfat.com

مشرک افراد کی نسبت سے بھی وہی اس دفعہ پر عمل درآمد کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ التزام یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے سے بھی قبل ہو گیا تھا۔ وثیقہ میں اس نص کا تکرار اس بات کی تائید کرتا ہے کہ وہ دو الگ الگ وثیقے تھے جنھیں ملا دیا گیا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور مہاجرین اور انصار کے مابین معاہدہ کے وثیقہ میں مسلمانوں کے حلیف یہودیوں کے کسی معاملہ کو معاہدہ کی تحریر کے موقع پر ان کی غیر حاضری کے باوجود معروف طریقے اور عدل کے ساتھ نیز انھیں اشتعال دلائے اور ایذا پہنچائے بغیر لکھے جانے میں کوئی چیز مانع نہ تھی۔ بلکہ یہ چیز اسلامی سیاست کی اخلاقی قدروں کے ثبوت کی دلیل ہے اس لیے کہ اسلامی سیاست منافقت کے ساتھ پیٹھ پیچھے خنجر گھونپنے سے واقف ہی نہیں۔ [دفعہ ۱۶]

مہاجرین اور انصار کے مابین حلف سے متعلقہ میثاق کی آخری دفعہ ۲۳ ہے وثیقہ کی دفعات کے اختتام پر دفعہ نمبر ۲۴ قرار دیتی ہے کہ نبی ﷺ ہی مدینہ میں مسلمانوں کے مابین واقع ہونے والے جملہ اختلافات میں واحد مرجع ہیں: ''اور یہ کہ جس چیز کے بارے میں تمھارے درمیان اختلاف ہوا اسے اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔''

یہود مدینہ کی معاہدہ شکنی اور ان کی جلاوطنی

رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا، انھوں نے اس کا پاس نہ کیا بلکہ جلد ہی اسے توڑ دیا، اور جس چیز کو اس میں طے کیا گیا تھا اس کے تقاضوں کو پورا نہ کر کے بے وفائی کی اور اپنی ذمہ داری پوری نہ کی، بلکہ انھوں نے دشمنی کا رویہ اختیار کر لیا۔ ذیل میں مدینہ منورہ سے ان کی جلاوطنی کے واقعات اور اس کی راہ ہموار کرنے والے محرکات و اسباب کا ذکر ہے۔

بنو قینقاع کی جلاوطنی [1]

غزوہ کی تاریخ

مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر کبریٰ کے بعد واقع ہوا۔ البتہ زہریؒ نے

[1] اس عنوان کے متعلق روایات کے ادوار میں سے صحیح حدیث کے انتخاب کے لیے میں نے اس مقالہ سے استفادہ کیا ہے جو میری ہی نگرانی میں شیخ اکرم حسین علی نے "مرويات يهود المدينة" کے عنوان سے جامعہ اسلامیہ سے اعلیٰ تعلیم میں ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے تیار کیا ہے۔ یہ رسالہ نہایت ہی مفید ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر زیور طبع سے آراستہ ہو جائے۔ تاریخ طبری: ۲/ ۴۷۹، ۴۸۰۔ المغازی واقدی: ۱/ ۱۷۶۔ طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۸، ۲۹.

Marfat.com

اس کی تاریخ کا ذکر کیا ہے کہ وہ شوال ۲ھ میں ہوا، اور واقدی نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ وہ نصف شوال کو ہفتے کے دن ہوا۔ ❶

غزوہ کا سبب

سیرت کی کتابیں اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ بنو قینقاع کے یہودیوں نے مسلمانوں کی بدر میں فتح پر غصے اور حسد کا اظہار کیا اور وہ علی الاعلان دشمنی کی حد تک پہنچ گئے۔

اس دور میں رونما ہونے والے بعض واقعات ان کی جلاوطنی کے اسباب کی بہتر عکاسی کرتے ہیں اور ان میں سے ایک یہ تھا کہ نبی ﷺ نے فتح بدر کے بعد ارادہ فرمایا کہ ان کو جمع کریں اور نصیحت کریں۔ چنانچہ آپؐ نے انھیں بنو قینقاع کے بازار میں جمع کیا اور فرمایا: ''اے گروہ یہود! صلح کی طرف آؤ اس سے پہلے کہ تم پر وہی وقت آئے جو قریش پر آچکا۔''

انھوں نے کہا: ''اے محمد! آپ اس دھوکے میں نہ رہیے کہ آپ نے قریش کے کچھ افراد کو قتل کر دیا جو ناتجربہ کار تھے اور لڑائی سے نابلد تھے۔ اگر ہمارے ساتھ آپ کی جنگ ہوئی تو آپ کو پتا چل جائے گا کہ ہم کیسے لوگ ہیں اور ہم جیسوں سے آپ کو واسطہ نہیں پڑا۔'' اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ان کے جواب میں کیا دھمکی تھی! باوجود اس کے کہ انھوں نے معاہدہ کی رو سے آنحضور ﷺ کی حاکمیت کو تسلیم کر رکھا تھا۔

یہ روایت ابن اسحاق کے طریق سے وارد ہوئی ہے ❷ اور حافظ ابن حجرؒ نے اسے حسن کہا ہے ❸ لیکن اس کی سند میں محمد بن محمد زید بن ثابت کا غلام ہے جس پر خود حافظ نے مجہول ہونے کا حکم لگایا ہے۔ ❹

جب ہم نے ابن حجرؒ کا اس روایت کا حسن ہونا قبول کر لیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بنو قینقاع کی جلاوطنی ان کے قبول اسلام سے انکار کی بنا پر ہے اور اس مرحلہ میں مسلمانوں نے ان

---

❶ تاریخ طبری: ۲/ ۴۷۹، ۴۸۰۔ مغازی واقدی: ۱/ ۱۷۶۔ طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۸، ۲۹.

❷ سیرت ابن ھشام: ۲۹۴۔ سنن ابو داؤد: ۳/ ۴۰۲، ۴۰۳.

❸ فتح الباری: ۷/ ۳۳۲.

❹ التقریب: ۲/ ۲۰۵.

Marfat.com

کے ساتھ صلح سے رہنا قبول کر رکھا تھا اور نبی ﷺ کسی یہودی پر مدینہ منورہ میں رہنے کے لیے اسلام میں داخل ہونے کی شرط نہیں لگاتے تھے بلکہ معاہدے کی نصوص ❶ یہودیوں کو مدینہ منورہ میں مذہبی آزادی دینے کی تاکید کرتی ہیں۔ جلاوطنی کا سبب ان کے دشمنی کے اظہار سے ہوتا ہے جو مدینہ منورہ میں امن میں خلل تک جا پہنچی تھی۔ ایک روایت میں یہ بھی وارد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی نے بنوقینقاع کے بازار میں ایک مسلمان عورت کے تہبند کے کونے کو گرہ دے دی جب وہ اٹھی تو برہنہ ہوگئی اور وہ چیخی۔ اس پر ایک مسلمان اٹھا اور اس نے اس یہودی کو قتل کر دیا، تو یہودی اس مسلمان پر پل پڑے اور اسے شہید کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اہل اسلام کو یہودیوں کے خلاف مدد کے لیے پکارا، مسلمانوں کو بہت رنج پہنچا لہٰذا ان کے اور بنوقینقاع کے درمیان جھگڑا و فساد برپا ہوگیا۔

اس روایت کی اسناد ضعیف ہیں۔ ابنؒ ہشام اور عبدؒاللہ بن جعفر المخرمی کے درمیان انقطاع ہے اور پھر یہ ایک چھوٹی عمر کے غیر معروف تابعی ابوعون پر موقوف ہے۔ لیکن تاریخی پہلو سے اسے اختیار کیا جا سکتا ہے اور سیرت کے بڑے ماخذ ❷ نے اسے بیان کیا ہے اور وہ ان واقعات کے سلسلے کا تصور دلاتی ہے جو بنوقینقاع کی جلاوطنی پر منتج ہوئے۔

ان کی جلاوطنی کا سبب ان کا اسلام میں داخل ہونے سے انکار نہیں بلکہ اس کا حقیقی سبب امن میں خلل اندازی اور ان کی علی الاعلان جارحیت تھی، جس سے نبی ﷺ کو یقین ہوگیا کہ ان کے ساتھ امن و سلامتی کے ساتھ رہنا ناممکن ہے۔

محاصرہ

بنوقینقاع کی جلاوطنی کی خبر درست ہے۔ ❸ ابنؒ اسحاق نے عاصم بن عمر بن قتادہؒ اور واقدی سے اسناد کے بغیر روایت کے ساتھ بنوقینقاع کے محاصرہ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ مؤرخین اور سیرت نگاروں نے ان سے اتفاق کیا ہے باوجودیکہ ان تفصیلات کی صحت فن حدیث

❶ "اعلان دستور المدينة" کی طرف رجوع کریں۔

❷ سیرة ابن هشام: ۲/ ۵۶۱۔ المغازی واقدی: ۱/ ۱۷۶، ۱۷۷۔ البدايه والنهايه ابن كثير: ۴/ ۳، ۴۔ عيون الاثر ابن سيّد الناس: ۱/ ۲۹۵.

❸ صحيح بخاری: ۳/ ۱۱.

Marfat.com

کی رو سے ثابت نہیں لیکن یہ وہ خبر ہے جس سے محدثین کے ہاں اس کی نقل میں نرمی اختیار کی جاتی ہے، نیز تاریخی تنقید کے مناہج کے مطابق اس پر اعتماد کیا جاتا ہے، جو اسے اسناد اور صحت کے ساتھ مشروط نہیں کرتے اور تاریخی تحقیقات میں ان روایات سے چشم پوشی عقل میں آنے والی بات نہیں سوائے اس کے کہ ان کا تعلق عقیدہ سے ہو یا شریعت سے۔ کیونکہ عقیدہ و شریعت کے بارے میں صرف ان صحیح اور حسن روایات پر اعتماد کیا جاتا ہے جو حجت ہوں۔ روایات میں بنوقینقاع کے محاصرہ کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں کہ وہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے حلیف تھے، وہ آہن گر تھے اور یہودیوں میں سے سب سے زیادہ دلیر تھے۔ جب انھوں نے واضح طور پر نفرت اور عداوت کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور نبی ﷺ کو ان کی خیانت کا خدشہ ہوا تو آپؐ نے مدینہ پر ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ سفید پرچم باندھا اور اسے حمزہؓ بن عبدالمطلب کے سپرد کیا اور پندرہ راتوں کے لیے ذیقعد کے پہلے چاند تک ان کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ ان کے لیے نا قابل برداشت ہو گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے اس فیصلے کے مطابق کہ "ان کے اموال رسول اللہ ﷺ کے لیے اور ان کی عورتیں اور اولاد ان ہی کے لیے ہوں گے" اپنے قلعوں سے اتر آئے۔ چنانچہ آپؐ کے حکم کے مطابق انھیں باندھ دیا گیا، پھر ان کے بارے میں ان کے حلیف عبداللہ بن ابی نے رسول اللہ ﷺ سے گفت و شنید کی اور اس بارے میں اصرار کرتے ہوئے کہا: "۴۰۰ غیر مسلح اور ۳۰۰ مسلح افراد نے میری ہر طرح حفاظت کی اور آپؐ ان سب کو ایک ہی دن میں مار دینا چاہتے ہیں۔" آپؐ نے جواب دیا: "وہ تمھارے ہوئے۔" [1] اور انھیں حکم دیا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں۔ چنانچہ عبادہؓ بن صامت نے ان کی جلاوطنی کی نگرانی کی۔

وہ اذرعات چلے گئے، ان کے اموال کو قبضہ میں لینے کا انتظام محمدؓ بن مسلمہ انصاری نے کیا اور رسول اللہ ﷺ کے لیے خمس نکال لینے کے بعد باقی مال تمام صحابہؓ میں تقسیم کر دیا گیا۔ [2]

بنوقینقاع کی جلاوطنی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا:

---

[1] عبداللہ بن ابی کے الفاظ ابن اسحٰق نے عاصم بن عمر سے موقوف ذکر کیے ہیں۔ (ابن ہشام کی سیرت: ۲/۵۶۲، ۵۶۳) عاصم صغار تابعین سے ہیں۔ محدثین کی اصطلاح کے مطابق حدیث ضعیف ہے۔ اس قسم کی خبروں میں تساہل جائز ہے۔ اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ اس سے بنوقینقاع کے جنگجو افراد کی تعداد معلوم ہوتی ہے۔

[2] المغازی واقدی: ۱/ ۱۷۶، ۱۷۷۔ طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۹.

Marfat.com

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ○ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ﴾ [آل عمران:۱۲،۱۳] [1]

(پس اے نبیؐ!) جن لوگوں نے تمہاری دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، ان سے کہہ دو کہ قریب ہے وہ وقت، جب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور جہنم بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ تمھارے لیے ان دو گروہوں میں ایک نشان عبرت ہے، جو (بدر میں) ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔

اور اہل تفسیر نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عبداللہ بن ابی کی بنو قینقاع یہودیوں کی نصرت کے بارے میں نازل ہوا:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ ؕ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

[المائدہ:۵۱] [2]

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظالموں کو اپنی راہنمائی سے محروم کر دیتا ہے)

---

[1] سنن ابو داؤد: ۳/ ۴۰۲، ۴۰۳۔ فتح الباری ابن حجر: ۷/ ۳۳۲۔ حافظ نے ابن اسحٰق کی سند پر حسن کا حکم لگایا ہے حالانکہ اس میں محمد بن ابو محمد مولیٰ زید بن ثابت ہے جسے خود حافظ نے تقریب میں مجہول قرار دیا ہے۔ صرف ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ ابوداؤد کی سند بھی محمد بن ابو محمد کے طریق ہی سے ہے۔

[2] طبری نے تفسیر: ۶/ ۲۷۴، ۲۷۵ میں اس کا سبب نزول بیان کیا ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر ۲/۶۷، ۶۹ میں اس کے نزول کا سبب بیان کیا ہے۔ روایت کی سند میں ضعف ہے کیونکہ عطیہ بن سعد اس کی سند کے رجال میں سے صدوق ہے مگر اکثر خطا کرتا ہے اور تدلیس کرتا ہے، سماع کی صراحت نہیں کرتا۔ لیکن ابن اسحٰق نے اس بارے میں ایک مرسل روایت بھی وارد کی ہے، جیسا کہ ابن مردویہ نے روایت کی ہے۔ بسا اوقات ایسی روایات ایک دوسرے کے ذریعہ قوی ہو جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

اور اسی موقع پر عبادہؓ بن صامت نے اپنے یہودی حلیفوں سے اللہ کے دین اور اس کے رسولؐ کی نصرت کے طور پر براءت کا اظہار کیا۔

اور کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! یہودیوں کی بڑی تعداد کے ساتھ میری تعلق داری ہے، میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے یہودیوں کے ساتھ تعلق سے براءت کا اظہار کرتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کو اپنا دوست بناتا ہوں۔" کتنا بڑا فرق ہے عبداللہ بن ابی جس کے سینے میں نفاق رچ بس گیا تھا اور عبادہؓ بن صامت کے درمیان جنھیں نبی ﷺ کی تربیت نے کندن بنا دیا تھا اور انھیں جاہلی عصبیت، خواہشات نفس اور ذاتی مفادات سے بالاتر کر دیا تھا۔ انھوں نے عقیدہ کی مصلحت کو پیش نظر رکھا اور اسے اپنے مخصوص مفادات پر ترجیح دی چنانچہ وہ ایک ذمہ دار اور باشعور مومن کا نمونہ تھے۔

کعب بن اشرف کا قتل

جمہور علماء کی رائے ہے کہ کعب بن اشرف کا قتل غزوہ بدر کے بعد اور غزوہ بنی نضیر سے پہلے ہوا۔ واقدی نے اس کا تعین باریک بینی سے کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ ہجرت نبویہ کے ۲۵ مہینے گزرنے پر ۳ ہجری میں ربیع الاول کی چودھویں رات واقع ہوا۔ [1] کعب بن اشرف کا باپ عرب قبیلہ طے سے تھا اور اس کی ماں عقیلہ بنت ابی الحقیق بنی نضیر میں سے تھی جن کا اشرف اتحادی تھا اور اس نے انھی میں شادی کی۔ کعب شاعر تھا اور اسلام کے ساتھ دشمنی رکھتا تھا۔ [2] بدر میں مسلمانوں کی فتح نے اسے غصہ دلایا اور اس سے وہ بہت سیخ پا ہو رہا تھا۔ چنانچہ وہ مکہ گیا، نبی ﷺ کی ہجو کرتا اور قریش کو آپؐ کے خلاف ابھارتا [3] نیز بدر میں مشرکین کے مقتولوں پر انھیں رلاتا۔ پھر وہ مدینہ واپس آیا اور مسلمانوں کی عورتوں کا عشقیہ شعروں میں ذکر کرتا، [4] لہٰذا نبی کریم ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔

---

[1] مغازی واقدی: ۱/ ۱۸٤.

[2] دیکھیے: سیرت ابن هشام: ۲/ ٥٦٤_ فتح الباری ابن حجر: ۷/ ۳۳۷.

[3] سنن ابو داؤد: ۳/ ٤۰۲_ دلائل النبوة بیهقی: ۳/ ۱۹۷.

[4] سیرة ابن هشام: ۲/ ٥٦٤، ٥٦٥ اس کی سند ضعیف ہے اور ایک چھوٹی عمر کے تابعی پر موقوف ہے لیکن ایسی روایات میں تساہل جائز ہے اور دوسری صحیح روایات اس کی تائید کرتی ہیں۔

Marfat.com

امام بخاریؒ نے اس کے قتل کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محمدؓ بن مسلمہ انصاری نے نبی ﷺ کے اس ارشاد کے نفاذ کی تیاری شروع کر دی اور نبی ﷺ سے اس بارے میں کعب کے خلاف چال چلنے کی اجازت مانگی جو آپؐ نے دے دی، کیونکہ کعب نے جنگجویانہ رویہ اختیار کر لیا تھا، اور اس کے خون کا کوئی قصاص تھا نہ فدیہ۔ چنانچہ محمدؓ بن مسلمہ کعب کے پاس گیا اور اس سے رسول اللہ ﷺ کو دینے کے لیے کھجوریں بطور قرض مانگیں، بظاہر آپؐ کے خلاف اس شکایت کے ساتھ کہ آپؐ نے انھیں اس کا مکلف بنا رکھا ہے۔ کعب نے ان سے رہن کے طور پر عورتوں یا بیٹوں کا مطالبہ کیا، مگر محمدؓ بن مسلمہ نے اس سے معذرت کی کہ وہ تو ان کے لیے عار کا باعث ہے اور پیش کش کی کہ وہ اس کے پاس اسلحہ رہن رکھ دیتے ہیں۔ کعب نے اس سے اتفاق کیا۔ چنانچہ محمدؓ بن مسلمہ رات کو اپنے ایک دوسرے ساتھی ابو نائلہؓ کے ساتھ جو کعب کا رضاعی بھائی تھا، کے ساتھ آئے۔ ان کے ساتھ تین دیگر صحابہؓ بھی تھے۔ انھوں نے کعب کو آواز دی، وہ ان کے پاس آیا اور ساتھ چل پڑا۔ انھوں نے اس کے بالوں کی خوشبو سونگھنے کی خواہش کا اظہار کیا کہ سر نیچے کرے تاکہ ہم خوشبو سونگھ سکیں اس طرح اپنی تلواروں کے ساتھ اس پر وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ تاہم ان کی تلواروں سے ان کا اپنا ایک رفیق بھی زخمی ہو گیا۔ ❶

یہودیوں نے اس کے قتل کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان پر کعب سے صادر ہونے والی عداوت اور ہجو کی وضاحت فرمائی۔ اس کے نتیجے میں یہودی اور باقی مشرکین اپنے بارے میں خوفزدہ ہو گئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کرنے کی انھیں دعوت دی اور ایک عمومی صحیفہ لکھا گیا جس کو ابوداؤد کی ایسی روایت بیان کرتی ہے جس سے دلیل لی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس کے شواہد ہیں اور اس سے اتفاق کیا گیا ہے۔ ❷

لگتا ہے کہ صحیفہ کی یہ تحریر اس معاہدہ کی تاکید کے طور پر تھی جو بدر کے واقعہ سے پہلے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان لکھا گیا تھا اس کے بعد کہ کعب بن اشرف کے قتل نے یہودیوں کے درمیان خوف پیدا کر دیا۔ ابن اشرف کے قتل کو بظاہر معاہدے کی خلاف ورزی سے

---

❶ صحیح بخاری: ٥/ ٢٥، ٢٦.

❷ سنن ابو داؤد: ٣/ ٤٠٢۔ دلائل نبوت بیہقی: ٢/ ٤٦٢، ٤٦٤۔ مجمع الزوائد ہیثمی: ٦/ ١٩٥، ١٩٦۔ السیرۃ ابن اسحق: ١٩٩، ٢٠٠۔ سند حسن سے۔

Marfat.com

موسوم کیا جا سکتا ہے لیکن ہر صاحب نظر و بصیرت شخص سمجھتا ہے کہ ابن اشرف اس صحیفہ کی رو سے فریق معاہدہ تھا جس کے یہود بنی نضیر دوسروں کے ساتھ مکلف تھے، اور یہ کہ اس نے نبی ﷺ کی ہجو کی۔ حالانکہ آپؐ ابن اشرف کی نسبت سے ریاست کے سربراہ تھے اور اس کا مسلمانوں کے دشمنوں اور ان کے مقتولوں کے ورثاء کے ساتھ اظہار محبت اور انھیں مسلمانوں کے خلاف مشتعل کرنا نقضِ عہد تھا۔ اس نے جنگجویانہ رویہ اختیار کر لیا تھا۔ لہٰذا اس کے خون کا نہ کوئی قصاص تھا اور نہ دیت۔ اور جہاں تک اس کو درجہ بدرجہ اعتماد دلانے اور دھوکے کے ساتھ قتل کرنے کا تعلق ہے تو جنگی دشمن کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے اور اس کا اہتمام رسول اللہ ﷺ کے حکم سے کیا گیا تھا، [1]

لیکن رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر سے کعب بن اشرف کے جرم پر کوئی مواخذہ نہیں کیا اور اس کی غداری کی سزا میں اس کے قتل پر اکتفا کر لیا۔ پھر آپؐ نے ان کے ساتھ معاہدہ کی تجدید کی۔ لیکن ظاہر ہوتا ہے کہ کعب کے قتل کا ان کے دلوں پر گہرا اثر ہوا اور معاہدہ کی تجدید کے باوجود وہ اسلام کے خلاف چالیں چلتے رہے۔ کیونکہ خوف انھیں تجدید معاہدہ کی طرف کھینچ لایا تھا حالانکہ وہ اس بارے میں نیک نیت نہیں تھے جیسا کہ درج ذیل واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔

بنو نضیر کی جلاوطنی

غزوہ بنو نضیر کی تاریخ

صحیح اسناد کے ساتھ دو روایتیں وارد ہوئی ہیں جو واضح کرتی ہیں کہ غزوہ بنی نضیر غزوہ بدر الکبریٰ کے بعد تھا۔ پہلی حدیث امام زہریؒ نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ: ''مجھے عبدالرحمن بن عبداللہ بن کعب بن مالکؓ نے نبیؐ کے ایک صحابیؓ سے خبر دی۔'' [2]

دوسری روایت جناب عروہؓ نے حضرت عائشہؓ سے بیان کی ہے۔ [3] اس کے باوجود کہ بیہقیؒ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا ذکر غیر محفوظ ہے لیکن ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور مجھے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زیادہ ثقہ اور مقبول روایات کی قسم میں سے ہے۔ اور بیہقی کے سوا کسی نے اس

---

[1] مشكل الآثار طحاوى: ١/ ٧٨، ٧٩.

[2] المصنف عبدالرزاق: ٥/ ٣٥٧۔ سنن ابو داؤد: ٢/ ١٣٩، ١٤٠، كتاب الخراج والفئى والامارة.

[3] مستدرك حاكم: ٢/ ٤٨٣، كتاب التفسير.

Marfat.com

میں علتِ ارسال کا ذکر نہیں کیا ہے، جیسا کہ عروہؒ کی مرسلہ روایت ہے کہ وہ بدر سے چھے ماہ گزرنے پر ہوا تھا۔ [1]

اور بیہقیؒ نے حضرت عروہؒ سے ایک دوسری روایت نقل کی ہے کہ وہ محرم ۳ ہجری میں تھا [2] اور یہ پہلی روایت کے مطابق ہے کیونکہ غزوہ بدر ۱۷ رمضان ۲ھ کو تھا۔ یہ موسیٰ بن عقبہ سے بھی نقل کیا جاتا ہے۔ [3] جناب عروہؒ بڑے تابعی ہیں اور موسیٰؒ چھوٹے۔ ان دونوں حضرات تک جانے والے سلسلہ اسناد میں کچھ راویوں کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ روایت حسن کے مرتبہ تک قوی ہوتی۔

لیکن ابنِ اسحاق نے بیان کیا ہے کہ وہ غزوہ ۴ ہجری میں ہوا۔ [4] واقدی اور ابن سعد نے اسناد کے بغیر بیان کیا ہے کہ وہ ہجرت کے ۳۷ مہینے گزرنے پر ربیع الاول کے مہینے میں ہوا [5] اور ابن ہشام نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ [6] متعدد اصحاب سیرت نے غزوہ کی تاریخ کی تعیین میں ابن اسحاق سے اتفاق کیا ہے اور ابن قیمؒ نے بالیقین یہ کہا ہے کہ زہری کا وہم ہے یا ان سے غلطی ہوئی کہ انھوں نے کہا کہ وہ بدر کے چھے ماہ بعد ہوا۔ انھیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ واقعہ احد کے بعد تھا اور اس کو جمہور اہل سیر و مغازی ترجیح دیتے ہیں۔ [7] ابن حجرؒ کی رائے ہے کہ عبدالرحمٰنؒ بن عبداللہ بن کعب نے جو کہا ہے وہ فن حدیث کی صحت کی رو سے ابن اسحاق کی روایت سے زیادہ قوی ہے، لیکن اس کی یہ بھی رائے ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا سبب قبیلہ بنو عامر کے دو مقتولوں کی دیت کے قصے سے متعلق ہے تو ہمیں ابنؒ اسحاق کے قول کو لے لینا چاہیے کہ بئر معونہ کا واقعہ احد کے بعد تھا اور اس پر اتفاق کیا گیا ہے۔ [8] اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ

---

[1] مصنف عبدالرزاق: ۵/ ۳۵۷.

[2] دلائل النبوت بیہقی: ۳/ ۴۴۶، ۴۵۰۔ دلائل النبوۃ ابو نعیم: ۳/ ۱۷۶، ۱۷۷.

[3] حوالہ سابق۔

[4] سیرت ابن ہشام: ۳/ ۶۸۳۔ صحیح بخاری: ۳/ ۱۱۔ امام بخاری نے ابن اسحٰق سے تعلیقاً بیان کیا۔

[5] مغازی واقدی: ۱/ ۳۶۳۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۵۷.

[6] سیرۃ ابن ہشام: ۳/ ۶۸۳.

[7] زاد المعاد ابن قیم: ۲/ ۱۱۰.

[8] فتح الباری: ۶/ ۳۸۸، ۳۸۹.

Marfat.com

قَوۡمٌ اَنۡ یَّبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَهُمۡ فَکَفَّ اَیۡدِیَهُمۡ عَنۡکُمۡ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾ [المائدہ:۱۱] (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے (ابھی حال میں) تم پر کیا ہے جب کہ ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے ان کے ہاتھ تم پر اٹھنے سے روک دیے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ ایمان رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے) کی تفسیر میں صحابہؓ کے اقوال روایت کیے جاتے ہیں کہ وہ یہود بنی نضیر کے معاملے میں نازل ہوا: جب کہ انھوں نے نبی ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے فضل سے بچا لیا۔ لیکن ان روایات میں ضعف ہے تاہم ان کو ملانے سے ان کے مجموعے کے ساتھ درست طور پر دلیل لانا ممکن ہو جاتا ہے، [1] نیز یہ ابنؒ اسحاق کی رائے کو تقویت دیتی ہے۔ لیکن یہ سوال لاینحل رہتا ہے کہ بنی نضیر کا غزوہ کب ہوا؟ اس کے باوجود ابن حجرؒ کے ہاں صحیح دلیل کا رجحان ہے اور اس نے قبیلہ عامر کے دو مقتولوں کے قصے کو اس غزوہ سے تعلق کے ثبوت کے ساتھ ابن اسحاق کی روایت کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن انھوں نے اس معاملے میں قطعی رائے کا بالجزم اظہار نہیں کیا۔ ان روایات کی وضاحت سے ان کے ضعف کے باوجود ابنؒ اسحاق کے قول کی تائید ظاہر ہوتی ہے، اور وہی سبب ہے ابنؒ حزم کی غیر یقینی کا یعنی وہ تاریخی روایات کے ساتھ حدیث کی اصطلاح کے قواعد کی تطبیق میں نرمی کا مسلک ہے اور وہ موضوع اور اصحاب مغازی کے اقوال کے مطابق ہے۔

غزوہ بنی نضیر کا سبب

ماخذ و مراجع اس غزوے کے دو اسباب بیان کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے شہید کرنے کی دو کوششوں کی صورتوں میں سامنے آتے ہیں۔ پہلا سبب: غزوہ بدر الکبریٰ کے بعد بنو نضیر کی رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش، اور ماخذ نے دو کوششیں رقم کی ہیں۔

---

[1] ان کی اسانید دیکھیں۔ تفسیر طبری: ۶/۱۴۶، ۱۴۷۔ کچھ اسانید یزید بن رومان پر موقوف ہیں۔ کچھ میں محمد بن حمید رازی کا ضعف اور سلمہ بن فضل برشی کی کثرتِ خطا ہے۔ دلائل النبوہ، ص ۱۷۶، ۱۷۷ ایسی اسانید کے ساتھ جن میں ضعف ہے اور وہ ابن عباس اور عروہ تک جاتی ہیں۔ دلائل النبوۃ بیہقی! ۳/۴۴۶، ۴۴۸ اس کی دونوں اسناد عروہ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ تک موقوف ہیں۔ اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر ۳/۳۱ میں ابن اسحٰق، مجاہد اور عکرمہ سے نقل کیا ہے۔

Marfat.com

پہلی کوشش: قریش کا ان کی طرف خط و کتابت اور انھیں دھمکی دینا کہ اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ نہ کریں گے، وہ ان کے ساتھ جنگ کریں گے۔ چنانچہ بنو نضیر نے ان کا مطالبہ تسلیم کرلیا اور عازم بغاوت ہوگئے۔ انھوں نے نبی ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپؐ اپنے ۳۰ اصحاب کو مدینہ کے مرکزی مقام پر نکالیں اور قرار دیا کہ وہ اتنے ہی افراد اپنے علماء میں سے لائیں گے تاکہ وہ آپؐ کی بات کو سنیں۔ اگر وہ آپؐ کی تصدیق کردیں تو یہودی آپؐ پر ایمان لے آئیں گے۔ جب وہ باہم نزدیک ہوئے تو یہودیوں نے تجویز دی کہ نبیؐ اور آپؐ کے تین اصحاب اُدھر سے اور ان کے تین علماء اِدھر سے جمع ہوں، اگر آپؐ ان کو مطمئن کر دیں تو بنو نضیر ایمان لے آئیں گے۔ یہ تینوں یہودی خنجروں سے مسلح تھے اور ان کی ایک عورت نے اپنے ایک مسلمان بھائی کو اس سے مطلع کر دیا، جس نے نبیؐ کو خبر کر دی۔ آپ ﷺ لوٹ آئے اور ان کا مقابلہ نہیں کیا۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا محاصرہ کرکے ان سے قتال کیا۔ نتیجتاً اس شرط کے ساتھ کہ وہ ماسوائے اسلحہ کے اپنا سارا سامان اونٹوں پر لاد کر لے جائیں گے، قلعوں سے اتر آئے۔ انھوں نے اپنا سامان لاد لیا حتیٰ کہ اپنے گھروں کے دروازے بھی۔ اس روایت کی اسناد ثقہ ہیں تاہم صحابیؓ کا نام نامعلوم ہے۔ مگر اس سے کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ [1]

دوسری کوشش کو ابنؒ اسحاق نے روایت کیا ہے اور دیگر بڑے سیرت نگاروں نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ بنو نضیر کی طرف تشریف لے گئے تاکہ ان سے بئر معونہ کے حادثہ کے بعد دو معاہد افراد جنھیں عمروؓ بن امیہ الضمری نے سہواً قتل کر دیا تھا، کی دیت کے لیے مدد لیں۔ نبی ﷺ بنو نضیر کی ایک دیوار کی اوٹ میں تشریف فرما ہوئے تو انھوں نے آپؐ پر پتھر پھینک کر آپؐ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا، مگر وحی الٰہی نے آپؐ کو اس سے مطلع کر دیا۔ لہٰذا آپؐ جلدی سے وہاں سے اٹھ کر مدینہ تشریف لے گئے اور آپؐ نے ان کے محاصرے کا حکم دیا، جس کے نتیجے میں وہ چھ راتوں کے محاصرے کے بعد صلح کی شرط پر اترے۔ شرط یہ تھی کہ وہ جو بوجھ اٹھالیں، ان کا ہوگا۔ [2] یہ روایت یزید بن رومانؒ پر موقوف ہے اور وہ

---

[1] مصنف عبدالرزاق: ۵/۳۵۹، ۳۶۰۔ دیکھو: فتح الباری: ۷/۳۳۱۔ سنن ابو داود: ۲/ ۱۳۹، ۱۴۰، کتاب الخراج والفئ والامارة۔ مستدرك حاكم: ۲/ ۴۸۳، كتاب التفسير.

[2] السيرة ابن اسحق: ۳/ ۱۹۱.

Marfat.com

صغار تابعین میں سے ہیں لیکن یہ روایت عروہؒ بن زبیر، موسیٰ بنؒ عقبہ کی مغازی میں وارد شدہ روایت کی مطابقت سے تقویت حاصل کر لیتی ہے ❶ جب کہ موسیٰ بنؒ عقبہ صاحب المغازی نے اس میں اضافہ کیا ہے، جس کا ذکر ابنؒ اسحاق نے کیا ہے کہ بنو نضیر قریش کے جاسوس تھے اور انھیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر ابھارتے اور انھیں خفیہ باتوں کی نشاندہی کرتے رہتے۔ ❷

باوجود اس کے کہ عبدالرزاقؒ کی روایت سند کے لحاظ سے ابنؒ اسحاق کی روایت سے قوی تر ہے لیکن مؤخر الذکر کو سیرت نگاروں نے قبول کیا ہے اور دونوں روایتیں مسلمانوں کے محاصرے کو بنی نضیر کے رسول اللہ ﷺ کو دھوکے کے ساتھ شہید کرنے کی کوشش کی اطلاع دیتی ہیں۔ لیکن موسیٰؒ کی روایت نے اس وقت کی تعیین نہیں کی جس میں یہودی مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے، قریش کو ابھارنے اور انھیں معلومات پہنچانے جیسی حرکتیں کرتے تھے۔ یہ بات مشہور ہے کہ انھوں نے مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر ابھارا جس کے نتیجے میں غزوہ احد واقع ہوا اور یہ کہ انھوں نے ابوسفیان کی مدینہ کے گرد و نواح کی مہم جوئی میں مدد کی، جو احد کے بعد غزوہ سویق پر منتج ہوئی اور جس میں مسلمانوں نے ابوسفیان کو بھگا دیا۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ وہ اشعار جنھیں کعب بن اشرف نضری نے قریش کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارنے کے لیے گائے، شاید موسیٰؒ کی روایت میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ ہوسکتا ہے جو اس نے بیان کیا ہے وہ مسلمانوں اور بنی نضیر کے مابین خرابی تعلقات کی طرف اشارہ ہو۔ اور وہ اشعار اس دھوکے کی کوشش پر اختتام پذیر ہوئے جو کہ جلد ہی ان کے محاصرے کا سبب بنا جس کے پیچھے معاندانہ سرگرمیوں کا ایک سلسلہ تھا۔

نبی ﷺ کا بنی نضیر کو جلاوطنی کا نوٹس

نبی ﷺ کے بنی نضیر کو جلاوطنی کے نوٹس کے بارے میں فن حدیث کی رو سے کوئی صحیح روایت نہیں، لیکن ان کی جلاوطنی عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کردہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ❸ جہاں تک نوٹس کا تعلق ہے اس کا ذکر واقدی اور ابنؒ سعد نے بغیر اسناد کے کیا ہے، اور

---

❶ فتح الباری ابن حجر: ۷/ ۳۳۱. ❷ فتح الباری ابن حجر: ۷/ ۳۳۲.

❸ صحیح بخاری: ۱۱/۳۔ صحیح مسلم: ۵/ ۱۵۹.

Marfat.com

اس میں یہودیوں سے دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جانے کو کہا گیا ہے، اور یہ بھی کہ جو اس کے بعد وہاں دیکھا گیا اس کی گردن ماردی جائے گی۔ چنانچہ انھوں نے نکلنے کی تیاری شروع کر دی، لیکن عبداللہ بن ابی نے انھیں سرکشی اور مدینے سے نہ نکلنے کی ترغیب دی اور ان سے مدد کا وعدہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی سرکشی کا اعلان کر دیا، جس پر مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ ❶ جناب عروہ بن زبیرؓ اور موسیٰ بن عقبہ پر موقوف سندوں کے ساتھ دو روایتیں راویوں کے ذکر کے بغیر وارد ہیں جو بنی نضیر کی جلاوطنی کے حکم یا نوٹس کی خبر دیتی ہیں ❷ اور سیرت کی بڑی کتابوں نے اسناد کے بغیر حکم یا نوٹس کی خبر درج کی ہے ❸ اور باوجود اس کے منافقین کے موقف کا اندراج صرف ضعیف روایات کے ساتھ ہے جن کی بنیاد پر حجت قائم نہیں ہوتی لیکن اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے جو سورۃ الحشر میں وارد ہے اور یہ صحیح طریق سے ثابت ہے کہ وہ سورت بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ ❹

بنو نضیر کا محاصرہ اور ان کی جلاوطنی کا معاہدہ

یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا محاصرہ کیا اور ان سے فرمایا: ''تم میرے ساتھ امن سے نہیں رہ سکتے سوائے اس معاہدے کے جو تم میرے ساتھ کرو۔ لیکن انھوں نے کوئی عہد دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اس دن آپؐ مسلمانوں کے ساتھ ان کے خلاف

---

❶ مغازی واقدی: ١/ ٣٦٣، ٣٧٠۔ اور واقدی متروک الحدیث ہے۔ سیرت ابن هشام ابن اسحق: ٣/ ٦٨٢۔ بغیر سند کے۔ طبقات ابن سعد: ٣/ ٥٧، ٥٨ بغیر سند کے۔ دلائل النبوة بيهقی: ٣/ ٤٤٦، ٤٥٠ ایسی دو اسناد کے ساتھ جن میں چار مجہول الحال راوی ہیں۔

❷ دلائل النبوة بيهقی: ٣/ ٤٤٦، ٤٤٨۔ دلائل النبوة ابو نعیم: ٣/ ١٧٦، ١٧٧۔ اور ان دونوں کی اسناد میں ابو جعفر محمد بن عبداللہ بغدادی اور ابو علاثہ محمد بن عمرو بن خالد اور محمد بن عبداللہ بن عتاب ہیں، ان کے تراجم مجھے نہیں مل سکے۔ دونوں اسناد کے باقی راوی قابل حجت لوگوں میں سے ہیں۔ خطیب نے قاسم بن عبداللہ بن مغیرہ پر بھروسہ کیا ہے۔ (تاریخ بغداد: ١٢/ ٤٣٣).

❸ تاریخ طبری: ٣/ ٣٣٤، ٣٣٥۔ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ٣/ ٤٨۔ البدایہ والنهایہ ابن کثیر: ٣/ ٤٥.

❹ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ٢/ ٤٩۔ تفسیر ابن کثیر: ٤/ ٣٣٠، لباب النقول فی اسباب النزول سیوطی: ٢١٤.

Marfat.com

لڑے، پھر آپؐ نے سواریوں اور لشکروں کے ساتھ اگلی صبح بنوقریظہ کے ہاں پڑاؤ کیا اور بنو نضیر کو پیچھے چھوڑ دیا۔ آپؐ نے بنوقریظہ کو معاہدے کی دعوت دی اور انھوں نے آپؐ کے ساتھ معاہدہ کرلیا تو آپ وہاں سے لوٹے اور اگلی صبح لشکر سمیت بنونضیر پر حملہ کیا۔ آپؐ نے ان کے ساتھ جنگ کی حتی کہ انہوں نے جلاوطنی کی شرط منظور کرلی، نیز اس شرط کے ساتھ کہ ہتھیاروں کے سوا وہ اپنے اونٹ اور جو مال و متاع اٹھا سکیں، لے جائیں۔ چنانچہ بنونضیر نے اپنا مال و متاع اور گھروں کے دروازوں تک اونٹوں پر لاد لیے۔ وہ اپنے گھروں کو برباد کرتے اور انھیں گراتے رہے اور انھیں کوئی لکڑی بھی ملی تو اسے اٹھا لیا۔ ❶ قرآن ❷ وحدیث ❸ کی نص سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے محاصرے کے دوران بنونضیر کے کھجوروں کے بعض درخت جلائے اور انھیں کاٹا۔

جلاوطنی کے معاہدہ نے یہودیوں کے خون کی حفاظت اور ان کا اپنے گھروں سے نکلنا قرار دیا۔ نیز ان کو اجازت دی کہ اسلحہ مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیں، اس کے سوا اپنے اونٹ جو مال و متاع اٹھا لیں، لے جائیں۔ ان صحیح روایات کو جمع کیا جا سکتا ہے جو ان کا شام کی طرف جلاوطن ہونا بیان کرتی ہیں۔ ❹ ابن سعد کے بیان ❺ سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا رخ خیبر کی طرف تھا۔ اس لیے کہ حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع وغیرھم جیسے ان کے علماء خیبر کی طرف گئے اور ان کا ایک بڑا حصہ شام کو چلا گیا۔ ابن سعدؒ کی اسناد کے بغیر روایت ضعیف ہے لیکن قوی مرویات کے ساتھ ثابت شدہ ملحقہ واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔ مثلاً غزوہ خیبر میں ان کے ساتھ جنگ، کنانہ کا قتل، حضرت صفیہؓ کی اسیری اور سلام بن ابی الحقیق کی خبر۔ ان کو اس قول کے ساتھ جمع کیا جا سکتا ہے کہ ان میں سے بعض شام کی طرف نکل گئے اور کچھ خیبر میں

---

❶ مصنف عبدالرزاق: ٥/ ٣٥٨، ٣٦١۔ سنن ابو داؤد: ٣/ ٤٠٤، ٤٠٧۔ دلائل النبوة بیهقی: ٣/ ٤٤٦، ٤٤٨ اور دیکھیے: فتح الباری: ٧/ ٣٣١.

❷ سورۂ حشر کی آیت ۵: ﴿ مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ ﴾

❸ صحیح البخاری: ٣/ ١١، ١٤٣۔ سنن ابو داؤد: ٣/ ٣٦۔ سنن ترمذی مع تحفة الاحوذی: ٥/ ١٥٧، ١٥٨۔ سنن ابن ماجه: ٣/ ٩٤٨، ٩٤٩.

❹ مصنف عبدالرزاق: ٥/ ٣٥٨، ٣٦١.

❺ طبقات ابن سعد: ٣/ ٥٨.

Marfat.com

ٹھہر گئے۔ ابن اسحٰق نے یہی کہا ہے۔ (1) بنونضیر میں سے دو افراد نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ اپنے اموال پر قابض رہے، وہ یامین بن عمر بن کعب اور ابو سعد بن وہب تھے۔ (2)

بنونضیر کے اموال اور ان کے کھجوروں کے باغ قرآن کی ہدایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص تھے: (3) ''آپ اس میں سے اپنے اہل کو سال بھر کا خرچ دیتے اور جو بچ رہتا اسے آپ اللہ کی راہ میں جہاد کی تیاری کے لیے اسلحہ اور گھوڑوں پر خرچ فرماتے۔'' (4) ان کی زمین کو نبی ﷺ نے مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور انصار میں سے صرف دو افراد سہل بن حنیف اور ابو دجانہ سماک بن خرشہ کو اس میں سے ان کی تنگ دستی کے باعث عطا فرمایا۔ (5)

بنونضیر کی جلاوطنی مدینہ میں یہود اور منافقین کی شکست و ریخت پر منتج ہوئی جب کہ بنو قریظہ نے بنونضیر کے محاصرہ کے دوران مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کی تجدید کی اور یوں رغبت سے اس معاہدہ کا احترام کیا، تا آنکہ غزوہ احزاب کا موقع آ گیا۔ منافقین نے بنونضیر کے ساتھ کیے ہوئے مدد کے وعدے کو پورا نہ کیا اور یہودیوں پر واضح ہو گیا کہ ان پر اعتماد ان کے کسی کام نہیں آئے گا۔ بنی نضیر سے خلاصی پانے کے بعد اسلام مضبوط ہو گیا۔ ان کی زمینوں کی تقسیم سے مہاجرین کو فائدہ پہنچا جن کی رہائش اور معاش کا انحصار انصار کی زمینوں اور گھروں پر تھا۔

بنونضیر کا مشرکین کو اشتعال دلانا

یہودِ بنی نضیر کے دلوں میں مسلسل نفرت کے جذبات کام کر رہے تھے جن سے انھیں

---

(1) سیرت ابن هشام: ۳/ ۶۸۳ بغیر سند کے اور دلائل النبوة ۳/ ۴۴۶، ۴۴۹ کی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ اس کی دو اسناد عروہ اور موسیٰ بن عقبہ تک ہیں۔ ان اسانید میں ایسے رواۃ ہیں جن کے حالات سے آگاہی نہیں ہو سکی۔

(2) سیرت ابن هشام: ۳/ ۶۸۳۔ عبداللہ بن ابوبکر تک اپنی سند سے بیان کیا۔

(3) سورۂ حشر کی آیت نمبر ۶: ﴿ وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ سورۂ حشر بنونضیر کے معاملہ میں نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری: ۳/ ۱۴۱۔ صحیح مسلم: ۸/ ۳۴۵).

(4) صحیح بخاری: ۳/ ۱۴۳۔ شافعی نے سنن میں بیان کیا۔ (بدائع السنن ساعاتی: ۳/ ۱۱۰)

(5) مصنف عبدالرزاق: ۵/ ۳۵۸، ۳۶۱۔ سنن ابو داؤد: ۳/ ۴۰۴، ۴۰۷۔ مزید دیکھیے: الفتح ابن حجر: ۷/ ۳۳۱۔ سیرت ابن هشام: ۳/ ۶۸۳، ۶۸۴.

Marfat.com

قریش کے مشرکین اور دیگر لشکروں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے کی تحریک ملی کہ وہ غزوہ خندق کے موقع پر مدینہ پر حملہ آور ہوں۔ کچھ روایات ارسال، انقطاع یا راویوں میں سے کسی ایک کے نامعلوم ہونے کے باعث ❶ ضعف کے ساتھ وارد ہوئی ہیں لیکن ان کے مجموعے کے ساتھ حجت قائم ہوتی ہے اور ایک دوسری کے ساتھ تقویت حاصل کرتی ہیں۔ وہ عروہ بن زبیرؓ، عاصمؒ بن عمر بن قتادہ، عبداللہؒ بن ابی بکر بن حزم، سعیدؒ بن مسیب اور موسیٰ بنؒ عقبہ تک رسائی حاصل کر لیتی ہیں جب کہ ان میں سے بعض نے بنونضیر میں سے ان افراد کے نام بیان کیے ہیں جو مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کو برانگیخت کرنے والے تھے۔ ابنؒ اسحاق نے سلام بن ابی الحقیق نضری اور کنانہ بن ابی الحقیق نضری اور حیی بن اخطب نضری کا نام لیا ہے۔ ❷

غزوہ بنی قریظہ

تاریخ غزوہ

غزوہ بنی قریظہ ۵ ہجری میں ❸ ذیقعد کے آخر اور ذی الحجہ کے اوائل میں غزوہ خندق (جو قتادہؒ، عروہؒ بن زبیر، ابنؒ اسحاق اور عبدؒالرزاق کے بقول ۵ھ کے شوال میں ہوا) کے بعد ہوا۔ ❹ امام مالکؒ اور موسیٰ بنؒ عقبہ کی رائے ہے کہ غزوہ خندق ۴ھ میں ہوا اور ایسا ہی ابن حزم نے کہا ہے اور ہر سہ حضرات نے عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ انھوں نے خود کو نبی ﷺ کے سامنے احد کے دن پیش کیا جب کہ وہ ۱۴ سال کے تھے اور آپؐ نے انھیں اجازت نہیں دی اور خندق کے دن پیش کیا جب کہ وہ ۱۵ سال کے تھے تو آپؐ نے انھیں اجازت دے دی۔ ❺

---

❶ سیرت ابن هشام: ۳/ ۷۰۰، ۷۰۱۔ مصنف عبدالرزاق: ۵/ ۳٦۸، ۳۷۳۔ ابن سعد کی طبقات: ۳/ ٦۵، ٦٦۔ فتح الباری ابن حجر: ۷/ ٤۱۲، ٤۱۳۔

❷ سیرت ابن هشام: ۳/ ۷۰۰، ۷۰۱۔

❸ طبقات ابن سعد: ۳/ ٤۷۔ سیرة ابن هشام: ۳/ ۷۱۵۔ تاریخ الرسل والملوك: ۳/ ۵۹۳۔ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۳/ ٦۸۔

❹ مصنف عبدالرزاق: ۵/ ۳٦۷۔ سیرت ابن هشام: ۳/ ٦۹۹۔ هیثمی: ٤۳/٦ اور ہیثمی نے اسے طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔

❺ صحیح بخاری: ۳/ ۳۳، ۷۳۔ نیز امام مالک کا قول بھی دیکھیں۔

Marfat.com

بیہقیؒ نے ہر دو اقوال کے جمع کا امکان ظاہر کیا اور کہا: ''حقیقت میں ان کے مابین کوئی تضاد نہیں، اس لیے کہ ان سے مراد ۴ سال گزرنے کے بعد اور پانچویں کی تکمیل سے پہلے۔'' اور امام زہریؒ نے صراحت کی ہے کہ غزوہ خندق، غزوہ احد کے دو سال بعد تھا۔ اس میں کوئی تضاد نہیں کہ غزوہ احد شوال ۳ھ میں ہوا سوائے ایک قول کے کہ وہ ہجرت کے سال کے بعد آنے والے سال میں یکم محرم کو ہوا۔ اور بیہقیؒ کے کہنے کے مطابق ربیع الاول سال ہجرت سے اس کے آخر تک باقی مہینوں کو متعین نہیں کیا جا سکتا اور یعقوبؒ بن سفیان الفسوی نے یہی کہا ہے اور صراحت کی ہے کہ بدر پہلے، احد دوسرے سال، بدر موعد شعبان ۳ھ میں اور خندق شوال ۴ھ میں واقع ہوا جب کہ یہ قول جمہور کے خلاف ہے۔ اور مشہور یہ کہ حضرت عمرؓ نے محرم کی پہلی تاریخ کو سن ہجری مقرر فرمایا اور امام مالکؒ کی رائے ہے کہ سن ہجری ربیع الاول سے شروع ہوا۔

چنانچہ ہر سہ اقوال مذکور ہیں۔ جمہور کا قول صحیح ہے کہ غزوہ احد شوال ۳ھ میں ہوا اور غزوہ خندق شوال ۵ھ میں ہوا۔ لیکن جہاں تک ابن عمرؓ کی حدیث کا تعلق ہے اس کا جواب علماء کی ایک جماعت نے دیا ہے اور بیہقی بھی انہی میں سے ہیں، کہ انھوں نے خود کو احد کے دن پیش کیا جب کہ وہ چودہویں سال کے اوائل میں تھے اور یوم خندق وہ پندرہویں سال کے اخیر میں تھے۔ اور یہ بات معقول ہے کیونکہ جب مشرکین احد سے لوٹے تو انھوں نے مسلمانوں سے آنے والے سال میں بدر میں ٹکرانے کا فیصلہ کیا جو واقع نہ ہوا۔ چنانچہ کہا کہ یہ عقل میں آنے والی بات نہیں ہے کہ وہ دو مہینے بعد مدینے کے محاصرے کے لیے آئیں۔ ❶

غزوہ کا سبب

غزوہ کا سبب وہ عہد شکنی ہے جو بنو قریظہ نے کی جب کہ انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا جیسا کہ بعد میں مذکور طرق کے مجموعے کے ساتھ بدلائل ثابت ہے۔ ان کی عہد شکنی حی بن اخطب النضری کی برانگیخت سے تھی ❷ جب کہ مسلمانوں پر بڑا سخت اور خطرناک

---

❶ البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ٤/ ٩٣، ٩٤۔ السیرة النبویة: ٣/ ١٨٠، ١٨١۔ زاد المعاد ابن قیم: ٣٨٨، ٣٨٩۔ فتح الباری ابن حجر: ٧/ ٣٩٣.

❷ عبدالرزاق نے اسے مراسیل سعید بن مسیب سے وارد کیا ہے اور یہ صحیح ترین مرسل روایت ہے۔ متابعت کی وجہ سے یہ ایک اچھی روایت ہے اور قابل حجت ہے۔ (مصنف: ٥/ ٣٦٨، ٣٧٣) ابونعیم نے بھی دلائل النبوة: ٢/ ١٨٢ میں سعید کی مراسیل میں روایت کیا ہے۔

Marfat.com

وقت آپڑا تھا جن کا دس ہزار جنگجو لشکریوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ اور یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے زبیرؓ بن العوام ❶ کو بنو قریظہ کی صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا، ان کے بعد آپؐ نے سعدؓ بن معاذ، سعدؓ بن عبادہ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن رواحہؓ اور خواتؓ بن جبیر کو بھیجا ❷ کہ وہ اس خبر کی صحت معلوم کریں جو بنو قریظہ کی عہد شکنی کے بارے میں پھیل چکی تھی۔ ان حضرات نے آ کر اس خبر کی تصدیق کی اور یہ معاملہ مسلمانوں پر بہت گراں ہوا۔

ابنؒ اسحاق نے بنو قریظہ کی غداری اور عہد شکنی کی تفصیل بیان کی ہے اور سیرت نگاروں نے بغیر اسناد کے اسے بصراحت بیان کیا ہے۔ ❸ موسیٰ بن عقبہؒ نے بھی بغیر اسناد کے ذکر کیا ہے کہ بنو قریظہ نے حیی بن اخطب سے مطالبہ کیا کہ اشراف قریش اور غطفان کے نوے افراد ان کے پاس بطور رہن بھجوائے تاکہ وہ مسلمانوں پر شکست طاری ہونے سے پہلے چلے نہ جائیں۔ حیی نے اس سے اتفاق کیا، اس پر انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ معاہدہ شکنی کا اعلان کر دیا۔ ❹

نبی ﷺ کی خندق سے واپسی اور اسلحہ اتار کر رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنو قریظہ سے قتال کرنے کا حکم دیا۔ ❺ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو قریظہ کی طرف رخ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپؐ نے اپنے اصحابؓ کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو ان کے قلعوں کو متزلزل کرنے اور ان کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لیے بھیجا ہے۔ ❻ آنحضور ﷺ نے صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ ان میں سے ہر ایک نماز عصر بنو قریظہ کے ہاں ہی جا کر پڑھے جیسا کہ بخاریؒ کی روایت میں ہے ❼ یا فرمایا کہ ظہر کی نماز جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے۔ ❽

---

❶ صحیح البخاری: ۳/ ۳۰۶۔ صحیح مسلم: ۱۳۸/۷.

❷ سیرت ابن هشام: ۳/ ۷۰۶ بغیر سند کے۔

❸ مغازی واقدی: ۳/ ۴۵۴، ۴۵۹۔ تاریخ الرسل والملوك: ۳/ ۵۷۰، ۵۷۳۔ جوامع السیرة ابن حزم: ۱۸۷، ۱۸۸۔ الدرر ابن عبدالبر: ۱۸۱، ۱۸۳۔ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۳/ ۵۹، ۶۰۔ البدایه والنهایه ابن کثیر: ۴/ ۱۰۳، ۱۰۴۔

❹ البدایه والنهایه ابن کثیر: ۴/ ۱۰۳، ۱۰۴.

❺ صحیح بخاری: ۳/ ۲۴۔ مسند احمد: ۶/ ۵۶، ۱۳۱، ۲۸۰.

❻ صحیح بخاری: ۳/ ۲۴، ۱۴۴.

❼ صحیح بخاری: ۳/ ۳۴.

❽ صحیح مسلم: ۵/ ۱۶۳.

Marfat.com

عصر کا وقت آن پہنچا جب کہ ان میں سے بعض راستے میں تھے، لہٰذا ان میں سے بعض نے نماز پڑھ لی اور بعض نے مؤخر کر لی۔ نبی ﷺ نے ہر دو فریق کے اجتہاد کو اپنے حکم کی مراد کے مطابق قرار دیا۔ جس نے مؤخر کیا اس نے اسے عشاء کے بعد پڑھا جیسا کہ ابن اسحاق نے وضاحت کی ہے۔ ❶

علماء نے بخاری و مسلم کی دونوں روایتوں کو اس احتمال کے ساتھ جمع کیا ہے کہ بعض صحابہؓ نے نبی ﷺ کے حکم سے پہلے ظہر پڑھ لی ہوگی اور بعض نے نہیں پڑھی ہوگی تو آپؐ نے حکم دیا کہ جس نے نہیں پڑھی وہ ظہر نہ پڑھے اور جس نے پڑھ لی ہے وہ عصر نہ پڑھے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یکے بعد دیگرے دو گروہ گئے ہوں اور پہلے گروہ کو ظہر کے بارے میں حکم دیا ہو اور دوسرے کو عصر کے بارے میں۔ ❷

نبی ﷺ خود بھی بنو قریظہ کی طرف نکلے اور مدینہ پر عبداللہؓ ابن ام مکتوم کو نائب مقرر فرمایا، ❸ اگر چہ یہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں لیکن یہ ان روایات میں سے ہے جنھیں قبول کرنے میں نرمی اختیار کی جاتی ہے۔

مرسلہ آثار وارد ہوئے ہیں جو ایک دوسرے سے تقویت حاصل کرتے ہوئے حسن لغیرہ کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے ہراول دستہ میں حضرت علیؓ کو اپنے پرچم کے ساتھ بھیجا۔ ❹

ابن سعدؒ مجاہدین کی تعداد اور ان کی سواریوں کے بیان میں منفرد ہیں اور کہا ہے کہ وہ ۳۰۰۰ افراد تھے اور ان کے پاس ۳۶ گھوڑے تھے۔ ❺

بنو قریظہ کے محاصرہ کی مدت کے بارے میں روایات مختلف ہیں کہ آیا وہ ایک مہینہ

---

❶ سیرت ابن هشام: ۳/ ۷۱۶، ۷۱۷۔ یہ روایت معبد بن کعب بن مالک کی مراسیل میں سے ہے۔ یہ مرسل مقبول ہے اور راوی تیسرے طبقہ میں سے ہیں۔

❷ فتح الباری ابن حجر: ۷/ ۴۰۸، ۴۰۹.

❸ السیرة ابن هشام: ۳/ ۷۱۶۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۷۴۔ دونوں نے ہی بغیر سند کے بیان کیا۔

❹ سیرة ابن هشام: ۳/ ۷۱۶، ۷۱۷۔ فتح الباری: ۷/ ۴۱۳.

❺ طبقات ابن سعد: ۳/ ۷۴۔ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۳/ ۶۸ بغیر سند کے۔

Marfat.com

تھی ❶ پچیس دن ❷ یا پندرہ دن ❸ یا دس راتوں سے کچھ زیادہ، ❹ اور قوی تر دلائل واضح کرتے ہیں کہ پچیس راتیں تھیں۔ مغازی کی بڑی کتابیں ابنؒ سعد کی روایت سے اتفاق کرتے ہوئے یہی مدت بیان کرتی ہیں۔ ❺

محاصرے کی کامیابی اور بنوقریظہ کا انجام

جب محاصرہ سخت ہو گیا اور بنوقریظہ عظیم آزمائش میں مبتلا ہو گئے تو انھوں نے ہتھیار ڈالنے اور قلعوں سے اترنے کا ارادہ کیا تا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں فیصلہ فرمائیں جب کہ ابولبابہؓ بن عبدالمنذر صحابی سے جو ان کے حلیف تھے، مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ تمھیں قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن وہ اس مشورہ پر نادم ہوئے اور اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا تا آنکہ ان کی توبہ قبول ہوئی۔ ❻

تاہم بنوقریظہ نے سعدؓ بن معاذ کے حکم پر اترنا شروع کر دیا اس لیے کہ وہ نبی ﷺ اور بنوقریظہ کے مابین حکم مقرر ہوئے تھے۔ بنوقریظہ کا خیال تھا کہ وہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کریں گے کیونکہ بنوقریظہ اور ان کی قوم قبیلہ عوف باہم حلیف تھے۔

حضرت سعدؓ کو سوار کر کے لایا گیا کیونکہ وہ زخمی تھے۔ ان کے بازو میں خندق کے دن تیر لگا تھا۔ انھوں نے فیصلہ دیا کہ بنوقریظہ کے جنگجو قتل کر دیے جائیں، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کے اموال تقسیم کر لیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس فیصلے کو قبول کر لیا اور فرمایا: ''سعدؓ! تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔'' ❼ اس طرح سے سعدؓ بن معاذ نے

---

❶ تاریخ الرسل والملوك: ۲/ ۵۸۳. راوی کو شک ہے کہ ایک مہینہ تھا یا ۲۵ دن تھے۔

❷ فتح ربانی لترتیب مسند احمد: ۲۱/ ۸۱، ۸۳۔ اس کے تمام رواۃ قابل حجت ہیں۔ تاریخ الرسل والملوك: ۲/ ۵۸۳۔ مجمع الزوائد هیثمی: ٦/ ۱۳٦، ۱۳۸.

❸ طبقات ابن سعد: ۳/ ۷٤ بغیر اسناد کے۔

❹ البدایه والنهایه ابن کثیر: ٤/ ۱۱۸، ۱۱۹۔ فتح الباری: ۷/ ٤۱۳ نے موسیٰ بن عقبہ عن زہری مرسل بیان کیا ہے۔

❺ تاریخ الرسل والملوك ۲/ ۵۸۳۔ ابن حزم کی جوامع السیرة: ۱۹۳۔ الدرر ابن عبدالبر: ۱۸۹۔ عیون الاثر ابن سیّد الناس: ۲/ ٦۹.

❻ فتح ربانی لترتیب مسند احمد: ۲۱/ ۸۱، ۸۳۔ اسناد حسن کے ساتھ۔

❼ صحیح بخاری ۲/ ۱۲۰، ۳/ ۲٤۔۲۵، صحیح مسلم ۵/ ۱٦۰۔۱٦۱

Marfat.com

بنوقریظہ کے ساتھ حلف سے براءت کی۔اور قبیلہ اوس کے دلوں میں اس سے کوئی میل نہ آئی باوجودیکہ کہ وہ بنوقریظہ کے حلیف تھے، اور انھوں نے اپنے عہد کو اسلام کے ساتھ کرلیا۔ان کے سردار سعدؓ نے ہی تو بنوقریظہ کے بارے میں فیصلہ دیا۔بنوقریظہ کے ۴۰۰ لڑنے والوں کے خلاف فیصلہ نافذ ہوا، ❶ البتہ ان کے ۱۳ افراد اسلام میں داخل ہونے کے باعث بچ گئے۔ ❷ انھوں نے اپنے آپ کو اور اپنے مالوں کو بچالیا اور ان میں سے دیگر ۳ نے بھی نجات پالی کیونکہ ان کو بعض صحابہؓ نے امان دے دی تھی، یا یہ کہ انھوں نے محاصرے کے دوران معاہدے کے ساتھ اپنی وفا کا اظہار کیا۔اس بارے میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں لیکن وہ اس درجے تک نہیں پہنچ پاتیں کہ ان کو بطور حجت پیش کیا جائے۔بنوقریظہ کے قیدیوں کو بنت الحارث کے گھر محبوس کیا گیا تھا۔ ❸ پھر مدینہ کے بازار میں قتل کے فیصلے پر عمل کیا گیا جہاں کھائیاں کھودی گئیں تھیں، انھیں وہاں گروہوں کی شکل میں لا کر قتل کیا گیا۔ ❹ ان کی عورتوں میں سے سوائے ایک کے کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ ❺ اس عورت نے خلادؓ بن سوید صحابی کو چکی کا پاٹ اوپر سے پھینک کر شہید کردیا تھا۔

نابالغ لڑکوں کو رہا کردیا گیا۔ ❻ بنوقریظہ پر قتل کا فیصلہ نافذ ہونے کے بعد ان کے اموال اور ان کے بچے مسلمانوں میں تقسیم کرنے کا اصول وضع کیا گیا۔ ❼ مغازی کی کتابوں میں ان کے اموال اور بچوں کو تقسیم کرنے کی کیفیت تفصیل سے بیان کی گئی ہے، لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے وہ روایات اس درجہ تک نہیں پہنچ پاتیں کہ ان کے ساتھ حجت قائم

---

❶ مسند احمد ۳/۳۵۰ اسناد حسن کے ساتھ۔ابن حجر نے الفتح ۷/۴۱۴ میں تعداد کے بارے میں چار سو سے لے کر نو سو افراد کا ذکر کیا ہے۔اور پھر ان میں باہم تطبیق یوں دی ہے کہ اضافے سے مراد بنوقریظہ کے اتباع وموالی ہیں۔

❷ صحیح البخاری: ۳/ ۱۱۔ صحیح مسلم: ۵/ ۱۵۹ اور وہ تین آدمی یہ تھے: ثعلبہ بن سعید، اسید ابن سعید، اور اسد بن عبید۔

❸ یہ روایت ابن اسحٰق کی ہے۔(سیرت ابن ہشام: ۳/۲۱، ۷) مگر عروہ نے بیان کیا ہے کہ وہ اسامہ بن زید کا گھر تھا۔ان دونوں باتوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ قیدیوں کی کثرت کی وجہ سے دونوں گھروں میں رکھے گئے تھے۔

❹ مسند احمد: ۳/ ۳۵۰۔ ترمذی کی سنن: ٤/ ١٤٤، ١٤٥۔

❺ سیرت ابن هشام: ۳/ ۷۲۲۔ مسند احمد: ٦/ ۲۷۷۔ سنن ابو داؤد: ۲/ ۵۰ سند حسن ہے۔

❻ سیرت ابن هشام: ۳/ ۷۲٤۔ طبقات ابن سعد: ۲/ ۷٦، ۷۷۔

❼ صحیح بخاری ۳/ ۱۱، صحیح مسلم ۵/ ۱۵۹

Marfat.com

ہو سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے ریحانہ بنت عمرو بن خنافہ کو قیدیوں میں سے اپنے لیے منتخب فرمایا: یہ ابن اسحاق، ابن سعد اور ان کے علاوہ بہت سوں کا قول ہے۔ نیز واقدی اور ان کے ساتھ اتفاق کرنے والوں نے کہا ہے کہ آنحضور ﷺ نے انھیں اپنی زوجیت میں لے لیا تھا، لیکن پہلی روایت زیادہ راجح ہے۔

بعض معاصر مؤرخین کا بنو قریظہ کی سزا سے متعلقہ روایات کی نفی اور انھیں کمزور قرار دینے کی طرف میلان ہے، [1] اس خیال کے ساتھ کہ ان کا اثبات انسانی احساسات کو مجروح کرتا ہے اور صیہونیت کے پروپیگنڈے کا کام دیتا ہے حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے بڑے ثقہ اسلامی حوالہ جات اس واقعہ کو ثابت کرتے ہیں اور بنو قریظہ کی سزا کوئی سخت سزا نہیں تھی۔ وہ تو محض اس بڑی خیانت کا بدلہ تھا جس کا انھوں نے ارتکاب کیا تھا جب انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی اور ان کے ساتھ معاہدہ کی خلاف ورزی کی حالانکہ وہ اس معاہدہ کی رو سے جو انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ کر رکھا تھا مدینہ منورہ کے دفاع میں ان کے ساتھ شریک ہونے کے پابند تھے۔

دشمنوں کے ساتھ مل کر ہم وطنوں کی غداری کی پاداش میں ریاستیں ہمیشہ سے قتل کا فیصلہ کرتی آئی ہیں حتی کہ موجودہ دور میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

بنو قریظہ کی سزا ان کے عمل کے مطابق ہی تھی جب انھوں نے اپنی خیانت کے ساتھ مسلمانوں کے قتل، ان کے اموال لوٹے جانے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے بدلے میں انھیں پوری پوری سزا ملنی چاہیے تھی۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ تاریخی حقائق سے نظر چرائی جائے اور صحیح روایات کی تکذیب کی جائے۔

---

[1] دیکھیے: قطر میں ہونے والی عالمی سیرت کانفرنس کے مباحث کے ضمن میں ڈاکٹر ولید عرفات کی بحث۔

Marfat.com

فتح خیبر ❶ اور حجاز میں یہودیوں کے بقیہ گڑھ

خیبر ریگستان کے درمیان ایک زرعی خطہ ہے جو مدینہ منورہ کے شمال میں ۱۶۵ کلومیٹر ❷ کے فاصلے پر اور سطح سمندر سے قریباً ۸۵۰ میٹر بلندی پر ہے۔ وہ حرۃ بن سلیم ❸ کے بعد دنیائے عرب کا سب سے زیادہ ریشم پیدا کرنے والا علاقہ ہے۔ خیبر اپنی زمین کی زرخیزی اور پانیوں کی فراوانی کے باعث ممتاز اور نخلستانوں کی کثرت کے ساتھ مشہور ہے۔

غلہ اور پھلوں کی پیداوار اس کے علاوہ ہے۔ لہٰذا یہ اپنی زرخیزی، اپنے استحکام اور مردم خیزی سے متصف قریہ حجاز تھا۔ وہاں ایک بازار تھا جو سوق النطاۃ کہلاتا اور جس کا نگران قبیلہ غطفان تھا، خیبر جن کی اراضیات پر مشتمل سمجھا جاتا تھا۔ ❹ اُس کی اِس اقتصادی حیثیت کے پیشِ نظر اس میں متعدد تاجر اور صنعت کاروں نے سکونت اختیار کر لی۔ وہاں صرافہ کا خاصا کاروبار تھا۔ فتح سے پہلے اس میں عرب اور یہود ملے جلے رہتے تھے اور مدینہ سے یہودیوں کی جلاوطنی کے بعد وہاں یہودیوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ ❺

بنی نضیر کے زعماء کے وہاں پہنچنے سے پہلے خیبر کے یہودیوں کی مسلمانوں کے ساتھ کوئی دشمنی نہ تھی۔ یہ اپنے گھروں سے نکالے جانے کے بعد شدید ذہنی کرب میں مبتلا تھے جب کہ جلاوطنی ان کی شکست وریخت کے لیے کافی نہ تھی کیونکہ انھوں نے مدینہ کو اس حال میں چھوڑا تھا کہ ان کی عورتیں، ان کے بیٹے اور ان کے اموال ان کے ساتھ تھے اور ان کے ساتھ گویّے تھے جو دف اور مزامیر بجا رہے تھے۔ وہ اس زیب وزینت اور فخر ومباہات سے نکلے کہ اس زمانے

---

❶ میں نے اس مبحث میں روایات کے حصر اور ان میں سے صحیح کے انتخاب کے لیے اس مقالہ سے استفادہ کیا ہے جو شیخ عوض احمد شھری نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے تیار کیا ہے۔ اس کا عنوان ہی ''مرویات غزوۂ خیبر'' ہے۔ اس کے لیے قائم تحقیق کمیٹی کا میں بھی ممبر تھا۔ یہ ایک نہایت مفید رسالہ ہے کاش کہ تنقیح کے بعد شائع ہو جائے۔

❷ مدینہ سے خیبر کا یہ فاصلہ مسفلت کے راستہ سے ہے۔ یہ اس راستے کے علاوہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر جانے کے لیے منتخب کیا تھا۔

❸ دیکھیے: موسوعہ عربیہ میسرہ ۷۷۰، حمد الجاسر کی تالیف فی شمال غرب الجزیہ: ۲۱۷۔

❹ فی شمال غرب الجزیرۃ حمد جاسر: ۲۳۶، ۲۳۷.

❺ فی شمال غرب الجزیرۃ حمد جاسر: ۲۳۸، ۲۳۹.

Marfat.com

میں کسی قبیلے میں اس کی مثال نہ تھی۔ ❶ بنو نضیر کے زیادہ نمایاں زعما میں سے جو خیبر میں پہنچے، سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق اور حی بن اخطب تھے۔ جب وہ وہاں اترے تو اہل خیبر ان کے اطاعت گزار بن گئے۔ ❷

ان زعماء کا خیبر کے یہودیوں سے متعلق خیال تھا کہ مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے ان کے خلاف کشمکش اور محاذ آرائی کی طرف انھیں کھینچ لے جائیں گے۔ انھیں اپنے سینے میں مخفی عداوت اور مدینے میں اپنے گھروں میں واپسی کی قوی رغبت، بہت بے کل رکھتی تھی۔

اور پہلا مضبوط تحرک غزوہ احزاب کا واقعہ تھا جب کہ خیبر نے بنی نضیر کی سربراہی میں مسلمانوں کے خلاف بڑا کردار ادا کیا۔ بنو نضیر مسلمانوں کے خلاف قریش اور اعراب کا جم غفیر چڑھا لائے، اس بارے میں اپنے اموال خرچ کیے اور انھوں نے بنو قریظہ کو نبی ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے معاہدہ کو توڑنے اور دشمن اسلام گروہوں کے ساتھ تعاون پر ابھارنے کی کامیاب کوشش کی۔ ❸

جب اللہ تعالیٰ نے ان لشکروں کو مدینہ سے خائب و خاسر دفع کر دیا تو رسول اللہ ﷺ کو خیبر کے کردار کی درستی کی فکر پیدا ہوئی۔ جو مسلمانوں کے خلاف بڑے خطرات کا سرغنہ بن چکا تھا۔

ابن اسحاق نے اسناد کے ساتھ، جن میں مجہول راوی ہیں، بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس ایک خط ارسال فرمایا جس میں انھیں اسلام کی دعوت دی اور انھیں ان کی کتابوں میں آپ کی بعثت سے متعلق جو کچھ تھا، کی طرف توجہ دلائی۔ ❹ مگر یہودیوں نے

---

❶ سیرت ابن هشام: ۳/ ۲۷۲.

❷ سیرت ابن هشام: ۳/ ۲۷۲.

❸ سیرت ابن هشام: ۳/ ۲۵۳۔ تمام ائمہ سیرت سے ان کی اپنی اپنی اسناد کے ساتھ یہ بات نقل کی گئی ہے۔ ان اسانید میں مجہول راوی ہیں اور علت ارسال کی بنا پر معلول بھی ہیں مگر اس قسم کی اخبار کے لیے تساہل برتنا درست ہے اور انھیں قبول کرنے کے لیے احادیث کے درجہ صحت تک پہنچنے کی شرط نہیں لگائی جاتی۔

❹ سیرت ابن هشام: ۲/ ۱۹۵.

Marfat.com

آپ ﷺ کی دعوت کو اپنی فطرت کے مطابق ٹھکرا دیا اور انھوں نے لشکروں کے جمع ہونے کی تائید میں جو کیا تھا اس پر کسی ندامت کا اظہار نہ کیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عزم کر لیا کہ ان زعماء جنھوں نے آپ ؐ کے خلاف ان لشکروں کی تائید کی تھی، کا کام تمام کیا جائے۔ ان میں سے سلام بن ابی الحقیق تھا جس کا قتل رسول اللہ ﷺ نے عبدؓاللہ بن عتیک کے سپرد کیا تھا، جنھوں نے اپنے انصاری ساتھیوں کے ساتھ مل کر اسے قتل کیا۔

امام بخاریؒ نے اس کے قتل کے قصے کو تفصیل سے بیان کیا ہے جب کہ عبدؓاللہ بن عتیک نے اس کے گھر جو قلعے میں تھا، میں داخل ہونے کے لیے چال چلی کہ جب وہ اپنے پہرے داروں اور ساتھیوں کے ساتھ تھا، اس کے باوجود انھوں نے اسے اس کی خواب گاہ میں قتل کیا۔ [1] اس سے عبدؓاللہ کی دل جمعی، عالی ہمتی اور اپنے عقیدے کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کی استعداد پر دلالت ہوتی ہے۔ لیکن صرف بعض زعما کا قصہ تمام کرنا مسلمانوں سے خطرے کے ازالہ کے لیے کافی نہ تھا۔

حدیبیہ کا معاہدہ جو مسلمانوں اور قریش کے مابین ۶ ھ کو ہوا تھا، نے مسلمانوں کو فتح خیبر کے لیے فارغ ہونے کا موقع فراہم کیا اور بہت سے مفسرین کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خیبر کی فتح اور بہت سے غنائم پر قابض ہونے کا وعدہ سورہ الفتح میں فرمایا جو حدیبیہ سے واپسی پر راستے میں نازل ہوئی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا۝ وَّ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ یَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ وَّ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا﴾

[الفتح:۱۸تا۲۱]

(اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔

[1] فتح الباری، کتاب المغازی، باب قتل ابی رافع: ۷/ ۳٤۰.

Marfat.com

ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی، اور بہت سا سامان غنیمت انھیں عطا کر دیا، جسے وہ (عنقریب) حاصل کریں گے۔ اللہ زبردست اور حکیم ہے۔ اللہ تم سے بکثرت اموال غنیمت کا وعدہ کرتا ہے جنھیں تم حاصل کرو گے۔ فوری طور پر تو یہ فتح اس نے تمھیں عطا کر دی اور لوگوں کے ہاتھ تمھارے خلاف اٹھنے سے روک دیئے، تا کہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی بن جائے اور اللہ سیدھے راستے کی طرف تمھیں ہدایت بخشے۔ اس کے علاوہ دوسری اور غنائم کا بھی وہ تم سے وعدہ کرتا ہے جن پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے ہو اور اللہ نے ان کو گھیر رکھا ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے)

تاریخِ غزوہ

ابن اسحاق کی رائے کہ غزوہ خیبر محرم ۷ھ میں اور واقدی کی رائے ہے کہ وہ صفر یا ربیع الاول ۷ھ میں حدیبیہ سے ذوالحج ۶ھ مدینہ واپس آنے کے بعد ہوا[1] اور امام زہری اور امام مالک کی رائے ہے کہ وہ محرم ۶ھ میں ہوا۔[2] مؤرخین نے تاریخ کی تعیین میں ان راویوں سے اتفاق کیا ہے۔ لہٰذا اس کے باعث ان کے اقوال میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ ابن اسحاق اور واقدی کے درمیان کم از کم تین مہینوں کا اختلاف ہے۔ نیز ان دونوں اور امام زہری اور امام مالک کے درمیان اختلاف کا مرجع پہلے سن ہجری کی ابتدا کا اختلاف ہے۔ لہٰذا ان میں سے جس نے ربیع الاول سے پہلے گزرنے والے مہینوں کو شمار کر لیا جب کہ وہ ہجرت کا مہینہ ہے، تو اس نے سیرت کے زمانے کے واقعات کی تاریخوں میں ایک سال کا اضافہ کر لیا اور جس نے اسے نظر انداز کر دیا اور ربیع الاول کو تقویم کا آغاز شمار کر لیا تو اس نے واقعات کی تاریخوں سے ایک سال کو ساقط کر دیا۔ اور اس معاملے پر غور لازم ہے کہ سیرت نگاروں کے مابین کسی واقعہ کی تاریخ میں ایک سال کا فرق ہو۔ حافظ ابن حجر نے ابن اسحاق کے قول کو واقدی کے قول پر ترجیح دی ہے۔[3]

---

[1] سیرت ابن هشام: ۲/ ۱۳۰۔ المغازی واقدی: ۲/ ٦٣٤.

[2] تاریخ مدینة دمشق ابن عساکر: ۱/ ۳۳.

[3] الفتح: ۷/ ٤٦٤.

Marfat.com

خیبر کی طرف روانگی

مسلمان جب نبی ﷺ کی قیادت میں خیبر کی طرف جا رہے تھے اور بلند آواز کے ساتھ تکبیر اور تہلیل کہہ رہے تھے تو آپؐ نے انھیں اپنی جانوں کے ساتھ نرمی کی ہدایت فرمائی: تم لوگ اس کو پکار رہے ہو جو سمیع ہے، جو قریب ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے۔'' ❶ یہ کیفیت لشکر اسلام پر غالب جذبۂ جہاد، اس کی قوت ایمان اور اس کی اعلیٰ جنگی سپرٹ (Morale) اور جذبہ جہاد پر دلالت کرتی ہے جب کہ اس کا رخ ان قلعوں کی طرف تھا جو اسلحہ، سامان خورد ونوش اور دیگر ضروریات کے ساتھ جنگجوؤں سے پُر تھے۔ لیکن کیا یہ سب کچھ اہل ایمان کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے جب کہ پیش نظر اعلیٰ وارفع اہداف ہوں؟

خیبر کی طرف راستہ جو رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمایا، اس کی تعیین میں واقدی کی وضاحت منفرد ہے کیوں کہ وہ ان راستوں اور مقامات سے جن میں سیرت کے زمانے میں واقعات ہوئے، سے واقف تھے۔ وہ ان راستوں پر چلتے اور ان مقامات پر جاتے اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کیا کرتے اور ان پر بذات خود جا ٹھہرتے۔ انھوں نے واضح کیا ہے کہ نبی ﷺ مدینے سے نکلے اور آپؐ نے ثنیۃ الوداع کا راستہ لیا۔ پھر زغابہ پھر نقمی، پھر مستناخ، پھر وطۃ، پھر عصر، پھر صہبا، پھر خرصہ، پھر شق اور نطاۃ کے درمیان راستہ اختیار کیا۔ پھر منزلہ اور پھر رجیع پہنچے جہاں سے آپؐ فتح خیبر کے لیے روانہ ہوئے۔ ❷ اور یہ چیز پیش نظر رہے کہ رجیع خیبر کے شمال مشرق میں ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کا اس سے ارادہ یہ تھا کہ آپؐ خیبر کو شام اور غطفان میں اس کے حلیفوں سے انھیں کاٹ دیں۔

فتح خیبر کا بیان

نبی ﷺ نے النطاۃ سے آغاز فرمایا اور اس کے دو قلعے ناعم اور صعب مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوئے، پھر شق کے دو قلعے ابی اور نزار فتح ہوئے۔ نطاۃ اور شق کے علاقے خیبر سے شمال

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر: ۷/ ۴۷۰.

❷ المغازی واقدی: ۲/ ۶۳۹.

Marfat.com

مشرق میں ہیں۔ پھر کتیبہ فتح کیا گیا اور اس کا بڑا مضبوط قلعہ القموص قبضے میں آیا وہ ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا، پھر الوطیح فتح ہوا، پھر منطقہ السلالم اور اس کے دو قلعے فتح کیے گئے۔ واقدی نے خیبر کے علاقوں کی سلسلہ وار فتوحات کو بیان کیا ہے۔ ❶

ابن اسحاق کا بیان واقدی سے تقدیم و تاخیر میں مختلف ہے۔ وہ واقدی سے متفق ہیں کہ فتح کا آغاز قلعہ ناعم علاقہ نطاۃ سے ہوا لیکن قلعہ القموص کی قلعہ الصعب پر فتح کی تقدیم سے اختلاف کرتے ہیں۔ ❷

اور صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ خیبر میں فجر کی پو پھوٹنے پر پہنچے اور نماز فجر اس کے قریب ادا فرمائی۔ پھر طلوع آفتاب کے بعد حملہ آور ہوئے۔ یہودی کسان جو اپنے کاموں کے لیے اپنے مویشیوں، کلہاڑیوں اور ٹوکریوں کے ساتھ نکل رہے تھے، مسلمانوں کو وہاں پا کر ڈر گئے اور کہنے لگے: محمدؐ ہیں اور لشکر!! چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا: ”برباد ہوا خیبر۔ جب ہم کسی قوم کے ہاں اترتے ہیں تو وہ دن ان کے لیے بہت برا ہوتا ہے جنھیں متنبہ کیا گیا تھا۔“ ❸

یہودیوں نے اپنے قلعوں میں پناہ لے لی اور مسلمانوں نے قلعہ ناعم کا محاصرہ کر لیا۔ قبیلہ غطفان نے خیبر کے یہودیوں کی مدد کی کوشش کی کیونکہ وہ ان کے حلیف تھے لیکن وہ جنگ میں شریک نہ ہوئے اور ڈر گئے کہ مبادا مسلمان ان کے علاقے پر حملہ آور ہو جائیں۔ واقدی نے غطفان کے خیبر کے قلعوں تک پہنچنا بتایا ہے۔ لیکن ابن اسحاق بالیقین کہتے ہیں کہ وہ خیبر تک پہنچنے سے پہلے ہی اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور واقدی اس روایت میں منفرد ہیں کہ نبی ﷺ نے غطفان کو خیبر کی ایک سال کی کھجور ان کے واپس ہونے کے بدلے میں دینے کی پیش کش کی اور یہ کہ انھوں نے اس سے انکار کر دیا۔ لیکن یہ روایت واقدی کے ضعف اور تنہا انہی کی روایت کے باعث قابل اعتماد نہیں۔ ❹

---

❶ المغازی واقدی: ۲/ ۶۳۹.

❷ سیرة ابن هشام: ۳/ ۴۳۸.

❸ صحیح بخاری، کتاب الصلاة: ۱/ ۴۷۸، کتاب الاذان: ۲/ ۸۹۔ صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب غزوة خیبر: ۳/ ۴۲۶.

❹ مغازی واقدی: ۲/ ۶۵۰۔ سیرت ابن هشام: ۳/ ۴۳۸.

Marfat.com

پہلے دو دنوں میں ناعم کے محاصرے میں حضرت ابوبکرؓ پرچم بردار تھے، لیکن انھیں فتح حاصل نہیں ہوئی اور لوگوں کو شدت اور مشقت کا سامنا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کل میں ایسے شخص کو پرچم دوں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ وہ فتح پا کر ہی لوٹے گا۔'' اس پر مسلمانوں کے دل خوش ہو گئے۔ جب اگلے روز رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر پڑھ لی تو حضرت علیؓ کو بلایا اور پرچم ان کے سپرد کیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے تیسرے دن پرچم کو ہاتھ میں لیا اور ان کے ہاتھوں فتح ہوئی [1] اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ سے پہلے پرچم بردار حضرت ابوبکرؓ نہیں حضرت عمرؓ تھے اور یہ روایت ضعیف ہے جس کا مدار میمون بصریؒ پر ہے اور وہ ضعیف ہیں۔ [2] ایک اور روایت ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؓ تین دن یکے بعد دیگرے پرچم کو اٹھاتے رہے۔ یہ ضعیف روایت ہے اس کے راوی بریدہؓ بن سفیان ہیں جو ضعیف راوی ہیں۔ [3]

نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ یہود خیبر کو اسلام کی دعوت دیں اور انھیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر کیا حق ہے اور ان سے کہا کہ بخدا! اگر اللہ تعالیٰ تیرے ذریعے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ [4] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو خیبر کے غنائم کی کوئی طمع نہ تھی بلکہ آپ کا مقصد عقیدہ توحید کی اشاعت تھی اور اس کی راہ سے رکاوٹوں کا دور کرنا تھا۔

حضرت علیؓ نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا: ''اے اللہ کے رسولؐ! میں ان لوگوں کے ساتھ کس چیز پر جنگ کروں؟'' آپؐ نے فرمایا: ''ان کے ساتھ جنگ کرو حتی کہ وہ گواہی دیں

---

[1] مسند احمد: ٥/ ٣٥٣۔ مستدرك حاكم: ٣/ ٣٧۔ مجمع الزوائد: ٦/ ١٥٠۔ امام حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی و ہیثمی ہر دو نے اس کی تائید کی ہے۔

[2] مسند احمد: ٥/ ٣٥٨۔ كشف الاستار عن زوائد مسند البزار هيثمي: ٢/ ٣٣٨۔ طبري: ٣/ ١١، ١٢۔ تقريب التهذيب: ٢/ ٢٩٢.

[3] سيرة ابن هشام: ٣/ ٤٤٥۔ تاريخ طبري: ٢/ ٣٠٠۔ مستدرك حاكم: ٢/ ٣٧ اور دیکھیے: تهذيب التهذيب: ١/ ٤٣٣۔ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (مجمع الزوائد: ٩/ ١٢٤) اور بزار نے بھی (سيرة ابن كثير: ٣/ ٣٥٥) ایک اور طریق سے روایت کیا ہے، جس میں حکیم بن جبیر ہے جو کہ ضعیف ہے جیسا کہ تقريب التهذيب: ١/ ١٩٢ میں ہے۔

[4] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة: ٤/ ١٨٧٢.

Marfat.com

کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ جب وہ ایسا کرلیں تو تم سے اپنی جانیں اور مال بچالیں گے سوائے اس کے کہ جو ان کا حق ہے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔'' ❶

قلعہ ناعم کے محاصرے میں محمودؓ بن مسلمہ انصاری شہید ہوگئے۔ جب مرحب نے ان پر چکی کا پاٹ قلعہ کے اوپر سے گرایا۔ ❷ پھر مرحب کا حضرت علیؓ نے تلوار سے مقابلہ کیا اور اسے قتل کردیا۔ ❸ مرحب یہود کا بہادر آدمی تھا، اس کے قتل سے ان کے دلوں پر گہرا اثر ہوا اور متعدد روایات وارد ہوئی ہیں کہ حضرت علیؓ نے قلعہ ناعم کے بہت بڑے دروازے کو ڈھال بنالیا، اس کے بعد کہ جب یہودی نے ان کے ہاتھ سے ان کی ڈھال کو گرادیا۔ وہ سب روایات ضعیف ہیں، ❹ ان روایات کی تردید سے حضرت علیؓ اور ان کی شجاعت کی نفی نہیں ہوتی، اس بارے میں جو ثابت شدہ ہے وہی ان کے لیے بہت ہے۔

قلعہ ناعم کو فتح ہونے میں ۱۰ دن صرف ہوئے۔ ❺ اس کے بعد مسلمان نطاۃ میں صعب بن معاذ کے قلعے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں ۵۰۰ جنگجو تھے، خورد ونوش کا سامان اور دیگر مال و متاع تھا۔ مسلمان قلتِ طعام کے باعث تنگی میں تھے۔ اس کی فتح کے موقع پر حبابؓ بن المنذر نے جھنڈا اٹھا رکھا تھا، وہ سخت آزمائش سے دوچار ہوئے، یہود نے سخت مقابلہ کیا اور فتح میں تین دن لگ گئے۔ پھر مسلمانوں نے قلعہ زبیر کی پناہ گاہ کو فتح کیا، وہ نطاۃ کے قلعوں میں سے آخری تھا۔ اس میں ناعم اور سعد کے قلعوں سے مفرور اور یہود کے دیگر قلعوں سے بچ جانے والے جمع ہو گئے تھے، وہ قلعہ بڑا مضبوط اور بلند و بالا تھا۔ مسلمانوں نے اُن کی طرف جانے والی پانی کی ترسیل کاٹ دی تو وہ مجبور ہوکر لڑنے کے لیے اتر آئے۔ ان میں سے ۱۰ مارے گئے اور تین دن کے محاصرے کے بعد قلعہ فتح ہوگیا۔ اور مسلمان اہل نطاۃ جو یہودیوں میں سب سے زیادہ سخت

---

❶ شرح نووی علیٰ مسلم: ۱۵ / ۱۷۷.

❷ سیرۃ ابن ھشام: ۳/ ۴۳۸۔ مغازی الواقدی: ۲/ ۶۴۵.

❸ صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر، باب غزوۃ ذی قرد: ۳/۱۴۳۳.

❹ الفتح الربانی ساعاتی: ۲۱/ ۱۲۰۔ سیرت ابن ھشام: ۳/ ۴۴۶۔ سیرۃ ابن کثیر: ۳/ ۳۵۹۔ اصابہ لابن حجر: ۲/ ۵۰۹.

❺ مغازی واقدی: ۲/ ۶۵۷.

Marfat.com

لوگ تھے، سے فارغ ہوکر رجیع سے منزلہ کی طرف چل دیے۔

بلاشبہ کہ اہل نطاۃ کی شکست کے بعد ان کی خوراک اور سامان کے ہاتھ لگنے سے مسلمانوں کی پوزیشن بہت مضبوط ہوگئی اور نطاۃ کے مرعوب کن سقوط سے خیبر کے دیگر یہودیوں پر ہیبت طاری ہوگئی۔

پھر مسلمان علاقہ شق کی طرف متوجہ ہوئے، جب کہ وہ کئی قلعوں پر مشتمل تھا، جن میں سے ابی اور نزار کے قلعے تھے۔ مسلمانوں نے قلعہ ابی کی فتح سے آغاز کیا اور قلعہ کے آگے ایک ایک کر کے لڑائیاں جاری رہیں۔ اس میں کچھ جنگجو لوگ بھی کام آئے۔ پھر مسلمان قلعہ پر چڑھ گئے اور وہاں پر کھانے کی اشیاء اور دیگر سامان پر قبضہ کر لیا۔ بعض جنگجو یہودی قلعہ نزار کی طرف منتقل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور اس میں قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں سے تیروں اور پتھروں کے ساتھ لڑے، پھر مسلمانوں کے محاصرہ کے سامنے ان کی مزاحمت کمزور پڑ گئی حتی کہ قلعہ فتح ہو گیا۔ باقی ماندہ اہل شق اپنی پناہ گاہوں سے خیبر کے جنوب مغرب میں منطقہ کتیبہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور مضبوط قلعہ القموص میں جا کر پناہ لی۔ ان میں سے بعض مع اپنے اہل کے الوطیح اور سلالم کے قلعوں میں پناہ گزین ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا ۱۴ دن تک محاصرہ کیا۔ حتی کہ وہ جنگ کے بغیر صلح کے طالب ہوئے۔ اس طرح سے نزار کا قلعہ آخری مقام تھا جہاں جنگ ہوئی۔ اس کے بعد یہودیوں کی مزاحمت ختم ہوگئی اور انھوں نے اپنے قلعوں میں پناہ لینے پر اکتفا کرلیا اور صلح کی درخواست کے ساتھ مستقلاً وہیں مقیم ہوگئے۔

صعب و زبیر دو قلعوں اور شق و کتیبہ کے دو علاقوں کی فتح کے قصوں کی روایت واقدی نے کی ہے [1] جو ان علاقوں کی فتح کے واقعات واضح طور پر پیش کرنے میں منفرد ہیں۔ اور وہ محدثین کے ہاں اپنے ضعف کے باوجود کثیر معلومات رکھنے والے راوی ہیں۔ لیکن اس قسم کی خبروں میں تساہل کیا جاتا ہے۔

مگر جہاں تک ابن اسحاق کی روایات کا تعلق ہے فتح خیبر کی صورت حال کے بیان میں وہ الجھی ہوئی ہیں۔ اور جب ان کی خیبر کے قلعوں کے محل وقوع کے ساتھ مطابقت کی جاتی ہے تو گہری نظر سے دیکھنے میں ناقص نظر آتی ہیں۔

---

[1] مغازی واقدی: ۲، ۲۵۹، ۶۷۰.

Marfat.com

صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ جنگ کی تو آپؐ نے ان کے نخلستانوں اور اراضیات پر فتح پائی اور انھیں اپنے قلعوں پر پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے آپؐ کے ساتھ اس شرط پر صلح کر لی کہ سونا، چاندی واسلحہ اور زرہیں آپ کی ہوئیں، اور ان کے لیے وہ جوان کے اونٹ اٹھالیں اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کو چھپائیں گے اور نہ غائب کریں گے۔ اور اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کے لیے کوئی عہد و پیمان باقی نہ رہے گا۔ لیکن انھوں نے حی بن اخطب کی چمڑے کی مشک غائب کر دی جب کہ وہ خیبر سے پہلے قتل ہو چکا تھا۔ وہ اسے بنی نضیر کی جلاوطنی کے وقت اٹھا لایا تھا اور اس میں اس کی کمائی ہوئی دولت تھی۔ چنانچہ آپؐ نے سعیہ ❶ (حیی کے چچا) سے پوچھا: ''حیی بن اخطب کی چرمی مشک کہاں ہے؟'' اس نے کہا: ''اسے جنگیں اور دوسرے اخراجات کھا گئے۔ لیکن مسلمانوں نے اس مشک کو پا لیا۔ اس پر ابی الحقیق کے دونوں بیٹے قتل کر دیے گئے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا۔ ❷

ابن اسحاقؒ نے اسناد کے بغیر بیان کیا ہے کہ وہ خزانہ جس نے چھپایا اور جس سے پوچھا گیا وہ کنانہ بن ربیع ❸ تھا اور ابن سعد نے کہا ہے کہ وہ کنانہ اور اس کا بھائی ربیع تھا۔ ❹ ابن سعد کی سند میں محمد عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بہت سچے راوی ہیں لیکن حافظہ میں بہت کمزور۔ ❺

اور یہ ثابت ہے کہ قلعہ القموص کے یہودیوں نے نبی ﷺ سے صلح کی درخواست کی لیکن عہد شکنی کی تو آپؐ نے ان کے اموال قبضہ میں لے لیے۔

الوطیح اور سلالم کے دونوں قلعوں والوں کو نطاۃ، شق اور قموص کے سقوط کے بعد جب یقین ہو گیا کہ مزاحمت بے سود ہے تو انھوں نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ آپؐ انھیں جلاوطن کر دیں اور قتل نہ کریں جسے آپؐ نے منظور فرما لیا۔ ❻

اس طرح سے سارا خیبر مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا اور خیبر کے شمال میں اہل فدک

---

❶ سعیہ حی بن اخطب کا چچا تھا۔ (عون المعبود: ۸ / ۲٤۱).

❷ سنن ابو داؤد، کتاب الخراج والامارة والفيء، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر: ۳ / ٤۰۸.

❸ سیرت ابن هشام: ۳ / ٤٤۹.

❹ طبقات ابن سعد: ۲ / ۱۱۲.

❺ تقریب التهذیب: ۲ / ۱۸٤.

❻ سیرة ابن هشام: ۳۲ / ٤٤۹.

Marfat.com

نے بلاتاخیر صلح کی درخواست کی کہ آپؐ انھیں جلاوطن کر دیں اور قتل نہ کریں۔ وہ آپؐ کے لیے اپنے اموال چھوڑ دیں گے۔ آپؐ نے ان کی درخواست سے اتفاق فرما لیا[1] چنانچہ فدک خالصتاً رسول اللہ ﷺ کے لیے ہو گیا کیونکہ اس پر گھوڑے دوڑائے گئے اور نہ اونٹ۔ اس کے بعد مسلمانوں نے وادی القریٰ کا محاصرہ کیا۔ وہ خیبر اور تیماء لیالی کے درمیان بستیوں کا مجموعہ تھا۔[2] انھوں نے ہتھیار ڈال دیے تو مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مال آیا جب کہ زمینوں اور نخلستانوں کو انھوں نے یہودیوں کے پاس چھوڑ دیا اور انھیں ان پر خیبر کی طرح سے عامل بنایا نیز تیماء کی بستی والوں نے بھی خیبر اور وادی قریٰ کی طرح مصالحت کر لی۔[3] اسی طرح سے یہودیوں کے سارے قلعے مسلمانوں کے آگے ڈھیر ہو گئے۔ الوطیح اور السلالم قلعوں اور اہل فدک کی طرف سے صلح کی درخواست کو ابن اسحاق نے منقطع سند کے ساتھ بیان کیا ہے جو شرعی مقاصد کے لیے حجت کے طور پر پیش نہیں کی جا سکتی لیکن تاریخی واقعات کے بیان کے لیے درست ہے۔ جبکہ عبدؒاللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم کی روایت مغازی کے علم کے لیے مشہور ہے۔

خیبر کے معرکوں میں ۹۳ یہودی مرد قتل ہوئے[4] اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ ان قیدیوں میں ام المومنین صفیہؓ بنت حیی بن اخطب بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو رہا فرما دیا اور ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔[5]

ابنؒ اسحاق کے بیان کے مطابق ان معرکوں میں ۲۰ مسلمان شہید ہوئے۔[6] واقدی کا بیان ہے کہ وہ ۱۵ تھے۔[7] یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہودیوں کی ذلت کا سامان تھا کہ وہ بڑے بڑے مضبوط قلعوں میں اپنا دفاع کر رہے تھے لیکن ان کے مقتولوں کی تعداد مسلمان جو کھلے میدانوں میں ان پر حملہ آور تھے کے شہداء سے کہیں زیادہ تھی۔ اور یہ روایت درست ہے کہ ایک یہودی عورت نے بھنی ہوئی بکری آپؐ کو ہدیۃً پیش کی جس میں زہر کی ملاوٹ تھی اور زہر کا زیادہ

---

[1] سیرة ابن ھشام: ۳۲/ ۴۴۹.
[2] تاریخ خلیفه ۸۵ (ابن اسحٰق سے نقل کرتے ہوئے)
[3] زاد المعاد ابن قیم: ۱/ ۴۰۵.
[4] مغازی واقدی: ۲/ ۶۹۹.
[5] صحیح مسلم، کتاب النکاح: ۲/ ۱۰۴۵.
[6] سیرة ابن ھشام: ۲/ ۸۰۴، ۸۰۵۔ ان کے ناموں کی فہرست دی ہے۔
[7] مغازی واقدی: ۲/ ۷۰۰.

Marfat.com

اثر بکری کی دستی میں تھا کیونکہ اس نے معلوم کر لیا تھا کہ آنحضور ﷺ دستی کو پسند فرماتے ہیں۔ جب آپؐ نے دستی میں سے کھایا تو آپؐ کو احساس ہو گیا کہ وہ زہر آلود ہے تو آپؐ نے وہ لقمہ تھوک دیا۔ اس عورت نے اس جرم کا اعتراف کر لیا، لیکن اس وقت اسے سزا نہیں دی گئی [1] مگر بعد میں جب بشرؓ بن معرور اس زہر کے اثر سے فوت ہو گئے، جنھوں نے اسے کھانے کے ساتھ نگل لیا تھا تو اس عورت کو قتل کر دیا گیا۔ [2]

اور جو چیز خیبر کی فتح میں معاون بنی وہ مسلمانوں کا صلح حدیبیہ کے بعد یہود خیبر کی طرف جنگ کے لیے یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہونا تھا، بغیر اس کے کہ قریش یہودیوں کی مدد کو آتے۔ نیز قبیلہ غطفان نے خیبر کے یہودیوں کو مایوس کیا، جب کہ وہ ان کے حلیف تھے۔ انھوں نے اپنے گھروں پر مسلمانوں کے حملے کے خوف سے ان کی کوئی مدد نہ کی۔ مسلمانوں کی یہود خیبر پر فتح کی خبر قریش کے لیے غم وغصہ لے کر آئی۔ [3] وہ ایسا معاملہ تھا جس کی انھیں توقع نہ تھی کیونکہ خیبر میں یہودیوں کے مضبوط قلعے، گڑھیاں اور کثیر تعداد میں جنگجو تھے جو پوری طرح مسلح تھے۔ چنانچہ خیبر کی فتح کی خبر دیگر عرب قبیلوں میں پھیل گئی جس نے انھیں دہشت زدہ کر دیا اور فتح سے مایوس کر کے عداوت سے روک دیا۔ وہ امن وسلامتی اور مصالحت کی طرف جھک گئے۔ چنانچہ اشاعت اسلام کے نئے آفاق وا ہو گئے۔

عہد نبوی میں یہود خیبر کو جلاوطن نہ کیا جانا

یہ درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو خیبر میں رہنے کی اجازت دے دی تا کہ وہ کھیتی باڑی کریں، اس پر اپنا مال خرچ کریں اور پیداوار میں ان کا نصف حصہ ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ مسلمانوں کو حق حاصل رہے گا کہ جب چاہیں انھیں وہاں سے نکال دیں۔ جب کہ یہودیوں نے نبی ﷺ کو پیش کش کرنے میں پہل کی تھی کہ ہم آپؐ کی نسبت زمین کے امور میں زیادہ ماہر ہیں تو آنحضور ﷺ نے ان سے اتفاق کیا حالانکہ آپؐ نے ان کے اخراج

---

[1] صحیح بخاری: ۵/ ۱۷۶۔ صحیح مسلم: ۷/ ۱۴، ۱۵۔

[2] مستدرك حاكم: ۳/ ۲۲۰۔ سيرة ابن هشام: ۲/ ۲۴۰، ۲۴۱۔

[3] مسند احمد: ۳/ ۱۳۸۔ موارد الظمآن: ۴۱۳۔

Marfat.com

کا فیصلہ کرلیا تھا۔ [1]

آپ کا انھیں جلاوطن کرنے کا ارادہ اس بات کی دلیل ہے کہ پورے کا پورا خیبر قوت کے ساتھ فتح ہوا۔ اس لیے جس نے ان میں سے صلح کی، اس نے اپنے خون کو اور اپنے آپ کو جلاوطنی سے بچانے کے لیے صلح کی۔

چنانچہ وہ خیبر میں مقیم رہے اور رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے پیداوار کا اندازہ لگانے اور مسلمانوں کا حصہ وصول کرنے کے لیے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو بھیجتے۔ ایک مرتبہ آپ ؐ نے عبدؓاللہ بن رواحہ کو بھیجا۔ انھوں نے کھجوروں کا ۲۰،۰۰۰ وسق کا تخمینہ لگایا اور یہودیوں کو اپنے اندازے کے مطابق اسے لینے یا اسے چھوڑ دینے کا اختیار دیا۔ چنانچہ انھوں نے ان کے انصاف سے حیرت زدہ ہو کر کہا: یہ حق ہے اور اسی کے ساتھ زمین و آسمان قائم ہیں اور ہم آپ کے کہنے کے مطابق اسے لینے پر رضامند ہیں۔ [2]

لیکن ایک اور صحیح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ۴۰،۰۰۰ وسق کھجوروں کا تخمینہ لگایا اور ۲۰،۰۰۰ وسق کھجوریں یہودیوں نے لے لیں اور ۲۰،۰۰۰ وسق کھجوریں مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ [3] ان دونوں صحیح روایات کے درمیان تطبیق ممکن ہے۔ کیونکہ چالیس ہزار وسق سے مراد یہود اور مسلمان دونوں کا حصہ ہے اور ۲۰ ہزار سے مراد دونوں میں سے ایک کا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب معاملة النبی اهل خیبر: ۴۹۶/۷۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب المساقاة والمعاملة بجزء من التمر والزرع: ۳/ ۱۱۸۶، ۱۱۸۷۔ سنن ابو داؤد، کتاب البیوع، باب فی المساقاة: ۳/ ۶۹۷ اور یہ سنن ابو داؤد، کتاب الخراج، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر: ۳/ ۴۱۲ کی روایت سے متعارض نہیں ہے۔ جس میں یہ ہے کہ جب تمام اموال نبیؐ اور مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے جبکہ ان پر کام کرنے والے عمال آپ کو میسر نہ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلایا اور ان سے معاملہ طے کیا۔ ان دونوں احادیث میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ عرض پیش کی اور آپ نے ان کی درخواست پر غور و فکر کیا اور آپ کو مسلمانوں کی مصلحت اسی بات میں نظر آئی، لہٰذا آپ نے انھیں بلایا اور ان سے یہ معاملہ طے فرمایا۔

[2] الفتح الربانی فی ترتیب مسند احمد: ۲۱/ ۱۲۵. اور یہ صحیح حدیث ہے۔

[3] سنن ابو داؤد، کتاب البیوع، باب الخرص: ۳/ ۷۰۰۔ الاموال ابو عبید: ۱۹۸۔ ایک وسق: ۶۰ صاع اور ایک صاع چار مد اور ایک مد ۵۴۳ گرام۔

Marfat.com

فتح خیبر کا اثر

بلاشبہ فتح خیبر مسلمانوں کے لیے خیر کثیر ثابت ہوئی اور اس نے ان کی اقتصادی حالت کو دائمی سالانہ قسط کے ملنے سے مضبوط کر دیا حتی حضرت عائشہؓ نے فتح خیبر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اب ہم کھجوروں سے سیر ہوتے ہیں۔'' اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: ''ہمیں شکم سیری حاصل نہ تھی تا آنکہ ہم نے خیبر کو فتح کیا۔'' ❶

یہ اقوال بلاشبہ فتح خیبر سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی مضبوطی کی وضاحت کے لیے کافی ہیں اور ان سے فتح خیبر سے قبل کی معاشی حالت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ نیز فتح خیبر سے پہلے ان کی ضروریات کی شدت کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے ہاں ہر غنیمت کے مقابلے میں خیبر کے یہودیوں کے اسلام لانے کو ترجیح حاصل تھی جیسا کہ آنحضور ﷺ کی حضرت علیؓ کو کی ہوئی وصیت سے واضح ہے۔ اس لیے صلح سے قبل آپ ؐ یہودیوں کے خاتمے یا انھیں جلاوطن کرنے کی طرف راغب نہ تھے۔ اس لیے آپ ؐ نے صلح کو قبول فرمالیا جب کہ القموص، الوطیح، اور السلالم کے قلعوں کے یہودیوں نے آپ ؐ کے سامنے اس کی پیش کش کی۔ جیسا کہ آپ ؐ نے صلح، جس کے بموجب یہودیوں کی خیبر سے جلاوطنی طے ہوگئی تھی، کے بعد ان کی یہ درخواست قبول فرمائی کہ انھیں خیبر میں رہنے دیا جائے۔ یہ سب کچھ آپ ؐ کی فیاضی اور عدل وانصاف پر دلالت کرتا ہے۔ نیز اس صورت نے اسلامی ریاست کے لیے بڑے اقتصادی اور عسکری مفادات یقینی بنا دیے جب کہ مسلمانوں کی عسکری قوت محفوظ ہوگئی اور مسلمان جزیرۃ العرب کی وحدت کو اسلامی پرچم کے تحت لانے کے لیے جہاد مسلسل کی طرف متوجہ ہوئے اور محض کاشتکار بن کر نہ بیٹھ گئے کہ زمین کی اصلاح کے دائمی عمل کے محتاج ہوتے جس سے زراعت اور نخلستانوں کی نگرانی ان کی عسکری قوت کے خاتمے کا باعث بن جاتی ہے۔ اس طرح یہودی کسانوں کی مہارت اور ان کی قوت کاشت سے زرعی پیداوار کے معیار کو برقرار رکھنے کا فائدہ بھی حاصل ہوگیا۔ کیونکہ وہ زمین اور اس کی زراعت میں مہارت رکھتے تھے۔ اس سے مسلمانوں کو پیداوار کا خاصہ حصہ میسر آیا جسے فوجی مہموں کی تیاری اور دیگر اخراجات ریاست میں صرف کیا گیا۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر: ۷/ ٤٩٥.

Marfat.com

مسلمانوں نے منقولہ اموال کو قبضہ میں لے لیا جس سے کوئی مسلمان تقسیم اور خمس نکالنے سے پہلے اپنے طعام کی ضرورت کو پورا کر سکتا تھا کیونکہ اس کی قلت تھی۔ [1] واقدی کے بیان کے برخلاف جو اس کی کثرت کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ایک مہینے یا اس سے زائد عرصہ کے لیے ان کے کھانے اور چوپایوں کو چارہ ڈالنے کے لیے کافی تھا۔ [2]

غنائم کی تقسیم کی کیفیت

قرآن حکیم کی آیت کریمہ یہ وضاحت کرتی ہوئی نازل ہوئی کہ خیبر کے غنائم ان مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں جو حدیبیہ میں شریک تھے اور ان میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [الفتح:۱۵] [3]

(جب تم مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے لگو گے تو یہ پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ تم سے ضرور کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان کو بدل دیں۔ ان سے صاف کہہ دینا کہ ''تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ پہلے ہی یہ فرما چکا ہے۔'' یہ کہیں گے کہ ''نہیں، بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کر رہے ہو۔'' (حالانکہ بات حسد کی نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ صحیح بات کو کم ہی سمجھتے ہیں۔)

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ قحط وغیرہ مصائب اور وفود کے لیے اور دوسرا حصہ اہل حدیبیہ کے لیے۔ چنانچہ جملہ حصوں کی تعداد ۳۶ تک پہنچ گئی [4]

---

[1] الفتح الربانی بترتیب مسند امام احمد: ۲۱/ ۱۲۵۔ سنن ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب النهی عن النهي اذا كان فی الطعام قلة فی ارض العدو: ۳/ ۱۵۱۔ مستدرک حاکم: ۲/ ۱۳۴.

[2] مغازی واقدی: ۲/ ۶۶۵.

[3] دیکھیے: تفسیر طبری: ۲۶/ ۵۰.

[4] مرویات غزوۂ خیبر عوض الشهری، ص: ۱۹۵.

Marfat.com

جن میں سے ۱۸ حصے اہل حدیبیہ پر تقسیم کیے۔ وہ لشکر ۱۵۰۰ افراد پر مشتمل تھا جن میں سے ۳۰۰ گھڑ سوار تھے۔ گھڑ سوار کو دو حصے دیے گئے اور پیدل کو ایک حصہ۔ ❶

حدیبیہ میں بیعت کرنے والے اصحاب میں سے خیبر میں کوئی بھی غیر حاضر نہ تھا سوائے جابرؓ بن عبداللہ کے۔ اس کے باوجود انھیں موجود صحابہؓ کے برابر حصہ دیا گیا۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے جو ابنؒ اسحاق کے طریق سے اسناد کے بغیر وارد ہے۔ ❷

اور یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے اہل سفینہ، جو فتح خیبر کے بعد مدینہ واپس آئے، کو خیبر کے غنائم میں سے دیا۔ وہ جعفرؓ بن ابی طالب کی قیادت میں ۵۲ یا ۵۳ افراد تھے۔ ان کے علاوہ فتح خیبر میں شرکت نہ کرنے والوں میں سے کسی کو حصہ نہیں دیا گیا۔ ❸ اور غالباً ان کے استثناء کا باعث ان کے عذر کی بنیاد پر حدیبیہ میں عدم شرکت تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ حدیبیہ میں شریک ہوتے اور غالباً غنائم کے مستحق حضرات نے انھیں حصہ دینے پر رضامندی کا اظہار کیا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور دوس قبیلہ والوں کو غنیمت کے مستحقین کی رضامندی کے ساتھ حصہ دیا گیا جب کہ وہ فتح خیبر کے بعد آئے اور انھوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ ❹

مجاہدین کی مثالیں

ایک اعرابی کے بارے میں صحیح روایت وارد ہے کہ فتح خیبر میں شریک تھا۔ معرکہ کے دوران نبی ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ غنیمت میں سے اسے حصہ دیں اور وہ اس وقت موجود نہ تھا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اسے اس کا حصہ دیا گیا۔ وہ اسے لے کر نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: ''میں نے آپ کا ساتھ اس لیے نہیں دیا تھا، بلکہ اس لیے کہ مجھے یہاں مارا جائے (اور اس نے اپنے حلق کی طرف تیر کے ساتھ اشارہ کیا) اور جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تو نے

---

❶ سنن ابو داؤد، کتاب الخراج والفیئ والامارة، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر: ۳/ ۴۱۳۔ مستدرك حاکم: ۲/ ۱۳۱۔ اسے حاکم نے صحیح کہا اور ذہبی نے تائید کی۔

❷ سیرة ابن هشام ۳/ ۴۶۷.

❸ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس: ۶/ ۲۳۷۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة: ۴/ ۱۹۴۶.

❹ تاریخ المدینة عمر بن شبه: ۱۰۵.

Marfat.com

سچ کہا ہے اللہ تعالیٰ تجھے سچا بنا دے گا۔"

صحابہؓ نے کچھ دیر کے بعد دشمن سے قتال کیا تو اسے اٹھا کر لایا گیا۔ اسے اسی جگہ تیر لگا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے جبّے کے ساتھ کفن دیا، اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لیے دعا فرمائی۔ آپ کی دعا کے الفاظ تھے: اے اللہ! یہ تیرا بندہ تیری راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلا، اسے شہید کیا گیا اور میں اس پر گواہ ہوں۔" ❶

یہ روایت قوی شاہد ہے کہ ایمان نے اعرابی کو کیسی روحانی رفعت عطا کی کہ جو جاہلیت میں لڑنے جھگڑنے اور چھینا جھپٹی کا عادی تھا، وہ اس مقام پر پہنچا کہ جنت کے سوا اپنے جہاد کی کوئی قیمت وصول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وہ اصحابؓ جو انتخاب زمانہ تھے، کے سینوں میں ایمان کا کیا مقام ہوگا؟ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے یہودیوں کے علاقوں کو زمین اور مال کے لالچ میں فتح کیا؟ کیا یہ ان پر تہمت لگائی جا سکتی ہے کہ دینی تعصب نے انھیں یہودیوں کو جلاوطن کرنے پر راغب کیا، حالانکہ انھوں نے ان کو قتال سے قبل اسلام کی دعوت دی اور محاصرہ کے بعد انھیں امان دینا قبول کر لیا اور ان کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد انھیں خیبر میں رہنے دیا۔ اور وہ عبداللہ بن سہل انصاریؓ کے قتل کے باوجود وہاں رہے۔ جب انھوں نے قتل کے الزام کی تردید میں قسم اٹھالی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے شہید صحابیؓ کی دیت ادا فرما دی اور ان کے قتل کے فیصلہ میں قسم کا قانون نافذ کیا۔ آنحضور ﷺ نے یہودیوں کو خیبر میں رہنے کی اجازت دی اور وہ ٹھہر گئے تا آنکہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ان کی طرف سے عداوت و بغض و عناد ظاہر ہوا اور انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہاتھ پاؤں توڑ دیے جب کہ وہ خیبر میں اپنے حصے کے باغ میں سوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے انھیں جلاوطن کر دیا اور ان کی کھجوروں کی قیمت مال اونٹوں، بے سدھائی اونٹنیوں، پالانوں اور مہاروں کی صورت میں ادا فرمائی۔ مسلمانوں نے خیبر کے غنائم میں سے ان کی زمین پر بھی قبضہ کر لیا اور اسے آزادانہ استعمال کرنے لگے۔

---

❶ مصنف عبدالرزاق: ٥/ ٢٧٦.

Marfat.com

اس طرح سے حجاز میں یہود کا عسکری اور اقتصادی کردار ختم ہوا اور مسلمان مشرک عرب قبائل کو زیر نگیں لانے اور جزیرۂ عرب کو اسلامی پرچم کے تحت متحد کرنے کے عظیم کام کے لیے فارغ ہو گئے۔

Marfat.com

الفصل الثالث

مشرکین کے خلاف جہاد

Marfat.com

Marfat.com

احکامِ جہاد

''جہاد'' اسلام کی ایک قانونی اصطلاح ہے جس کے معنی ہیں ایک عادلانہ نظام کے قیام کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا، وہ عادلانہ نظام جو شریعت کے ضوابط کو سربلند رکھے اور اس روئے زمین پر اسلام کے مقاصد کو پورا کرے۔ مکی عہد میں جہاد کو قانونی حیثیت نہیں دی گئی تھی۔ اُس مرحلے میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ نہ تو مشرک اور بت پرست طاقتوں کے مدِ مقابل آئیں اور نہ ان کے خلاف ہتھیار اُٹھائیں۔ اُس زمانے میں جس حکمت عملی کے ذریعے مسلمانوں کی رہنمائی کی گئی، وہ یہ تھی:

﴿ كُفُّوٓا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ۚ ﴾

''اپنے ہاتھوں کو تھامے رکھو اور نمازوں کی پابندی کرو۔'' (النساء:۷۷)

مسلمانوں نے اس رہنما اصول پر عمل کیا، جب کہ اسلام کی دعوت ابھی تازہ تھی۔ اس وقت دعوتِ اسلامی کی مثال اس ننھے پودے کی سی تھی جسے پانی کی ضرورت تھی اور جڑ پکڑنے اور تند و تیز ہواؤں کا مقابلہ کرنے کے لیے اسے غذا فراہم کرنے کی شدید احتیاج تھی۔ اگر اس وقت مسلمان مشرکوں کے مقابلے میں تلوار اٹھا لیتے تو مشرکینِ مکہ اسلام کے اس پودے کو شروع ہی سے جڑ سے اکھاڑ پھینکتے اور تباہ و برباد کر دیتے۔ اس وقت حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ مسلمان صبر و تحمل اور بردباری کے ساتھ مشرکینِ مکہ کے مظالم اور ایذا رسانی کو برداشت کریں اور اپنی تمام تر توجہ عقائد کی پختگی، عبادت و ریاضت، اصلاحِ باطن اور دوسروں کو اسلام کی دعوت دینے میں صرف کریں، تاکہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔ مسلمان اپنی روز مرہ زندگی میں مشرکوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے، ان کا کوئی ایسا باقاعدہ مرکز نہیں تھا کہ وہ قبولِ اسلام کے بعد اس سے وابستہ ہوتے، لیکن دارالارقم اور چند

Marfat.com

دیگر مقامات ایسے تھے، جہاں جمع ہو کر وہ اسلام کی تعلیمات حاصل کیا کرتے تھے۔ اگر اس زمانے میں جہاد کو ضروری قرار دے دیا جاتا تو ہر گھر میں جہاں کوئی نہ کوئی مسلمان ہوتا، ایک کشمکش برپا ہو جاتی۔ جب مسلمانوں نے مدینے کو ہجرت کی تو انصار نے مکمل مدد اور تعاون کا ہاتھ بڑھایا اور مسلمانوں کے ہاتھ ایک ایسا خطۂ زمین آ گیا، جہاں مکمل طور پر ان کا حکم چلتا تھا تو اس وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جہاد کے احکام جاری فرمائے اور (اس کی باقاعدہ تنظیم و تشکیل کی گئی۔) سب سے پہلے اپنے دفاع کی اجازت دی گئی:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ٥ ﴾

''(اب لڑنے کی) ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے، اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔'' (الحج:۳۹) [1]

درج ذیل آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی جانوں اور عقیدہ کے دفاع کی خاطر بھی ہتھیار اُٹھا سکتے ہیں:

﴿ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ٥ ﴾

''اور (بے تکلف) تم لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو (نقضِ عہد کر کے) تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور (از خود) حدِ (معاہدہ) سے مت نکلو۔ واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔''

(البقرہ:۱۹۰)

احکام جہاد کا یہ دوسرا مرحلہ تھا۔ اس لحاظ سے جہاد تاریخ انسانی کی دیگر جنگوں کے مقابلے میں ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ کیونکہ ان لڑائیوں کا مقصد ایسی جماعتوں اور افراد کے سیاسی اور اقتصادی اہداف کا حصول ہے جو دنیا میں بڑا بننا چاہتے ہیں۔ (جہاد کا

[1] سببِ نزول کے لیے دیکھیے: احمد ابن حنبل، مسند احمد، ۷:۱۲۲۔ مزید دیکھیے: ابن قیم، زاد المعاد، ۲:۵۸۔

Marfat.com

سمح نظر ایسی جماعتوں اور افراد کے سیاسی اور اقتصادی اہداف کا حصول ہے۔ جو دنیا میں بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔)

جہاد کا واحد مقصد حق وانصاف اور نظامِ رحمت کا قیام ہے اور جہاد کو ان اعلیٰ مقاصد کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ (یہی وہ نصب العین ہے) جو جہاد کو دیگر اقسام کی تمام جنگوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ قرآنِ کریم کے مطابق:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ ﴾

"جو لوگ (پکے) ایمان دار ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں، وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔" (النساء: ۷۶)

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

"اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کے راستے میں جنگ کرو، ان سے لڑو جو اللہ سے کفر کرتے ہیں۔ اور جب جنگی مہمات پر روانہ ہوں تو نہ ڈاکے ڈالو، نہ عہد شکنی کرو، نہ مثلہ کرو اور نہ معصوم بچوں کو قتل ہی کرو۔" ❶

اس کے بعد تیسرے مرحلے کا آغاز ہوا۔ اس مرحلے میں مسلمانوں کو مشرکوں کے ساتھ جنگ کرنے اور ابتدائی قدم اٹھالینے کا حکم دیا گیا۔ اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کی توسیع واشاعت میں آسانی اور سہولت پیدا ہو جائے اور اس کے راستے میں جو مشرک یا بت پرست طاقتیں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کریں، ان کی رکاوٹوں کو دور کیا جائے اور دنیا میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ اس طرح کوئی یہ جرأت نہ کرسکے گا کہ کسی مومن پر ظلم کرے، یا اسے اپنے عقیدے سے دستبرداری پر مجبور کرے، خواہ وہ کہیں بھی رہتا ہو۔ قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے اس حکم کا صاف پتہ چلتا ہے:

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾

---

❶ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث روایت کی ہے۔ ۲: ۱۳۵۷۔

Marfat.com

''اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فسادِ عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے۔'' (الانفال:۳۹)

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ ﴾

''جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو (طبعاً) گراں (معلوم ہوتا) ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو۔''

(البقرہ:۲۱۶)

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○ ﴾

''اہل کتاب جو نہ اللہ پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر، اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے، اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں، ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کر لیں۔'' (التوبہ:۲۹)

جہاد اسلام کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ایک ہے۔ یہ اس عظیم مقصد کی نشان دہی کرتا ہے جس کے حصول کے لیے مسلمان جدوجہد کرتے ہیں، یعنی دنیا کے ہر حصے میں لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی آزادی حاصل ہو۔ اس آزادی کی مکمل حمایت اور نو مسلموں کے تحفظ کے لیے سیاسی اور عسکری قوت حاصل کی جائے، البتہ انفرادی سطح پر اسلام کی نشر و اشاعت میں طاقت اور جبر کے استعمال کی اجازت نہیں دی گئی:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۚ ﴾

''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔'' (البقرہ:۲۵۶)

اسلام کی توسیع، استحکام اور دنیا بھر میں اس کے ماننے والوں کی حفاظت کی خاطر یہ

Marfat.com

ضروری ہے کہ اسلام کو دنیا کی تمام سیاسی اور عسکری قوتوں پر بالادستی حاصل ہو، بالخصوص اس دنیا میں جہاں ۱۴ سو برس پہلے اسلام کا ظہور ہوا تھا۔ اس زمانے کی حکومتیں اپنے باشندوں کو قبولِ اسلام سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کرتی تھیں۔ مکے میں قریش نے مسلمانوں پر مظالم کی انتہا کر دی تھی، اسی طرح ایران اور روم کی حکومتوں نے بھی جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں پر شام اور مصر میں تشدد کا رویہ اختیار کیا ہوا تھا۔ اسلامی نصوص سے یہ امر ثابت ہے کہ احکامِ جہاد کا قانونی اجراء کوئی عارضی امر نہیں، بلکہ یہ ایک مستقل مذہبی فریضہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مقدس ہے:

”جہاد کی فرضیت قیامت تک برقرار رہے گی۔ اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے نہ تو راہِ خدا میں جنگ کی اور نہ جہاد کے لیے اپنی خواہش ہی ظاہر کی، تو وہ شخص ایک منافق کی موت مرا۔ اور جہاد فرض کفایہ ہے لیکن ایک مسلمان ملک پر حملہ کی صورت میں سب پر دفاع کرنا واجب ہے۔“ ❶

کتب فقہ میں قوانینِ جہاد کے لیے اسی طرح ابواب مختص کیے گئے ہیں جس طرح نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ کے لیے کیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ بات بہ خوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جہادِ امت مسلمہ کے ذمے ایک مستقل فریضہ ہے، بالکل اسی طرح جس طرح اسلام کے دیگر فرائض اور ارکان ہیں۔ جہاد وہ چیز ہے جس نے امت مسلمہ کی متفرق جماعتوں کو باہم متحد کیا اور ان کی تمام تر صلاحیتوں اور قوتوں کو دشمن سے مقابلے پر مرکوز کیا۔ مسلم افواج دنیا کے جس علاقے میں بھی گئیں، انھوں نے انسان کو غیر اللہ کی غلامی سے نجات دلانے، انسانوں کے درمیان برابری اور مساوات پیدا کرنے اور رنگ و نسل سے بے نیاز ہو کر انسان کی عزت و تکریم کرنے کی دعوت دی۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کے دل تلوار کے ذریعے نہیں جیتے گئے، بلکہ جس چیز نے ان کے قلوب کو پگھلا کر رکھ دیا، وہ یہی اعلیٰ انسانی اصول اور اقدار ہیں۔ اسلام کی عظیم الشان توسیع اور بے مثال فتوحات کے پیچھے یہی راز

---

❶ مسلم بن حجاج، صحیح، ۳: ۱۵۱۷۔

Marfat.com

کارفرما ہے۔

بعض محققین، جنھوں نے ان فتوحات (انسانوں کو آزادی دلانے کی مہمات جو اسلام کی توسیع کا سبب بنیں) کا مطالعہ کیا ہے، انھوں نے اسلام کی اس تیز رفتار اور کامیاب توسیع کی متعدد وجوہ پیش کی ہیں۔ کیتانی اور دیگر مستشرقین کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے کچھ معاشی مقاصد تھے جن کی بنا پر یہ توسیع عمل میں آئی۔ وہ اپنے خیال کی بنیاد اس دعوے پر رکھتے ہیں کہ جزیرہ نمائے عرب میں شدید خشک سالی کی وجہ سے قحط کی صورت پیدا ہوگئی تھی۔ اس وجہ سے جزیرہ نما کے اردگرد سے انسانوں کے سیلاب نے ''ہلال خصیب'' (Fertile Crescent) کی جانب نقلِ مکانی کی۔ اس میں لوگوں کو معاشی آسودگی نظر آتی تھی، اور یہ کہ فتوحات کی حیثیت بھی عام جنگوں ہی کی طرح تھی۔ اگر غیر جانبداری کے ساتھ تاریخی حقائق کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بہ خوبی واضح ہوجاتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں نہ تو کوئی موسمی تبدیلیاں واقع ہوئی تھیں اور نہ اس کے معاشی حالات ہی میں کوئی بڑی تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ عرب قبائل نے اس وقت تک ''ہلال خصیب'' کی طرف اتنی بڑی تعداد میں نقل مکانی نہیں کی تھی جب تک اسلام کا مکمل احیاء نہیں ہوگیا تھا، اور وہ اسلام کے جھنڈے تلے متحد نہیں ہوئے تھے، نیز ان میں اسلام کے اصولوں کا پوری طرح شعور اور احساس بیدار نہیں ہوگیا تھا۔

جب ہم ان مکتوبات کا مطالعہ کرتے ہیں جو خلفائے اسلام اور فاتحین نے ایک دوسرے کو لکھے تھے، اور ان فتوحات کے بارے میں جو روایات ہم تک پہنچی ہیں، ان کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان مجاہدین پر ان کے عقیدے اور نظریۂ حیات کی مکمل گرفت تھی اور یہی وہ چیز تھی جس نے ان کی صفوں میں نظم وضبط اور استحکام پیدا کردیا تھا۔ مسلم افواج کے سپہ سالار سے ایک عام سپاہی تک ہر شخص اعلیٰ انسانی اصولوں سے سرشار ہوکر انسانیت کو سیدھی راہ دکھانے کے سچے اور پرخلوص جذبے سے معمور تھا، اگرچہ بعض سپاہیوں کے لیے غنیمت بھی رغبت کی وجہ تھی اور اس رغبت کی بنا پر جنگ میں حصہ لینے والوں

Marfat.com

کی تعداد میں، خاص طور پر بدوؤں کا اضافہ ہوجاتا تھا، تاہم امرائے لشکر جو فتوحات کی منصوبہ بندی کرتے تھے، ان کا جذبہ چند بدو سپاہیوں کے انفرادی رویے سے متاثر نہیں ہوسکتا تھا۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ سپہ سالارانِ لشکر اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح آگاہ تھے اور انھیں بجالانے کے شائق تھے، اور ان کا یہ جذبہ مالِ غنیمت کے حصول پر سبقت لے گیا تھا۔

مسلم فاتحین نے جن علاقوں کو آزاد کرایا، ان کے باشندوں پر عائد محاصل میں خاطر خواہ کمی کی، انھوں نے کسی کے ذاتی مال اور اسباب پر قبضہ نہیں کیا اور اقتصادی نظام کو جوں کا توں برقرار رکھا۔ ان کا رویہ اس بات کا ترجمان تھا کہ وہ ایک مثبت اور تعمیری رہنمائی کے جذبے سے سرشار ہیں۔[۱۸]

توسیع اسلام کے بارے میں ایک اور توجیہ یہ پیش کی جاتی ہے۔ اور اس کی بنیاد کچھ سیاسی عوامل پر رکھی گئی ہے۔ اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ ارتداد کی تحریک کا فوری قلع قمع کرنے کے خواہش مند تھے اور ہر اس سازش کا قلع قمع کردینا چاہتے تھے جو ملت اسلامیہ کو پارہ پارہ کرنے کے لیے کی جائے۔ ان کی اس خواہش نے انھیں اس امر پر مجبور کیا کہ وہ اپنی طاقت کا رخ توسیع اسلام کی جانب موڑ دیں، اور امت کی صفوں میں داخلی اتحاد کو قائم رکھیں، بصورت دیگر زبردست مشکلات اور اختلافات جنم لیتے۔ اگر چہ اس توجیہ کے ذریعے ایک مثبت پہلو سامنے آتا ہے اور جہاد کو قانونی حیثیت دینے کی جو حکمت کارفرما ہے، وہ بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے، تاہم اس بات کی پوری طرح وضاحت نہیں ہوتی کہ وہ کون سی قوت تھی جو اسلام کی توسیع کا سبب بنی۔ ارتداد کے فتنے نے عرب کے بدوؤں میں جنم لیا اور اس کے بیشتر مسائل اور نزاعات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں پیش آئے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق نے اس فتنے پر پوری طرح قابو پالیا اور آپ مرتدین کو مکمل طور پر ریاست کے زیرنگیں لے آئے تو آپ نے اس کی ممانعت کردی کہ وہ کسی فوجی مہم میں حصہ لیں اور سزا کے طور پر ان کے ہتھیار بھی ان سے

Marfat.com

اتر والیے۔ آپ نے یہ قدم اس لیے اٹھایا کہ ان کی وفاداری مشکوک ہوگئی تھی اور ان کا طرزِ عمل اسلامی شخصیت کی صحیح عکاسی نہیں کر رہا تھا۔ اس وجہ سے اب وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ آزاد کردہ علاقوں کے باشندوں کے سامنے اسلام کے صحیح نمونے کے طور پر آسکیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فوج کی تیاری میں صرف شہر کے لوگوں (مکہ، مدینہ اور طائف) پر اکتفا کیا جن کے اندر اسلامی عقائد اور اصولوں کے اثرات پوری طرح راسخ تھے۔ اس کے علاوہ امارت کے منصب کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ محض ان حضرات کا انتخاب فرماتے تھے جنھیں صحبت رسول ﷺ کا شرف حاصل تھا۔

فتوحات کے جواز کی ایک تیسری توجیہ یہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ فتوحات اصلاً دفاعی نوعیت کی تھیں اور مسلم افواج نے طاقت کا استعمال محض دفاع کے طور پر اس وقت کیا، جب اسلامی ریاست اپنے زور آور دشمنوں کے نرغے میں تھی۔ زیادہ تر عرب اور دوسرے مسلمان مؤرخین نے یہ توجیہ اختیار کی ہے۔ اس طرح وہ عدم جنگ کے ان تصورات کو تسلیم کر لیتے ہیں جن کا بیسویں صدی میں زیادہ چرچا ہوا۔ یہ نظریات جنگ اور اس کے نتیجے میں تہذیبوں کی تباہی، قتل و غارت اور انسانوں کے گھر سے بے گھر ہو جانے جیسے واقعات سے انسانی نفرت کا نتیجہ ہیں۔ یہ مؤرخ دراصل ان بین الاقوامی تنظیموں سے شدید طور پر متاثر ہیں جو قوموں کے متنازعہ معاملات میں مصالحت کرانے، عالمی سطح پر امن قائم رکھنے، اور جنگ کے بجائے مذاکرات پر زور دے کر بین الاقوامی مسائل حل کرنے میں کوشاں ہیں۔

موجودہ دور کے حالات کے پیش نظر فتوحات کا ذکر کرنے والے بہت سے مصنّفین نے ایک معذرت خواہانہ سوچ پیدا کر لی ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے تصورِ جہاد کو دورِ جدید کے خیالات سے ہم آہنگ کیا جائے۔ اس معذرت خواہانہ رویے کے کچھ نفسیاتی اور ذہنی اسباب ہیں جن میں سے ایک بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمان اہل علم کی اکثریت پر مغربی ثقافتی افکار کا غلبہ ہے۔ اس غلبے کی وجہ مغرب کی وہ فکری یورش ہے جس نے مسلمانوں کے اندر مغرب کے مقابلے میں احساس کمتری کو جنم دیا ہے۔ اس سے ان کے اندر یہ رجحان پیدا

Marfat.com

ہوگیا ہے کہ وہ ہر اس چیز کا جواز پیش کریں جو مغربی تہذیب کی روح اور اس کے فکری اور نفسیاتی تصورات سے متصادم ہے۔ اس افسوس ناک رویے کا ایک قوی سبب یہ بھی ہے کہ اس قسم کے لوگ جہاد اور اس کے اغراض و مقاصد کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بہت سے مسلمان واضح طور پر یہ بات نہیں سمجھ سکے کہ جہاد کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ لوگوں کو جبراً اسلامی عقائد کا پیرو کار بنایا جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو دور کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے میدان صاف کیا جائے، خواہ اس کے لیے دنیا میں موجود سیاسی طاقتوں کو کمزور یا نیست و نابود ہی کیوں نہ کرنا پڑے، تاکہ مسلمانوں کو دنیا میں بالا دستی حاصل ہو اور وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں ہونے والے مظالم کی روک تھام کر سکیں۔

سب سے پہلے مستشرقین نے اپنی تحریروں میں جہاد کے خلاف غلط بیانی سے کام لیا اور حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے ہی سب سے پہلے جہاد کا تعلق اس تصور کے ساتھ جوڑا کہ یہ لوگوں پر زبردستی عقائد ٹھونسنے کی ایک کوشش ہے۔ جہاد کی صحیح تصویر کشی کے لیے سب سے پہلے اس تعلق کو توڑنا پڑے گا۔ قرآنِ کریم میں، بغیر کسی شک وشبہ کے واضح طور پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ لوگوں کو مکمل طور پر یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے لیے اسلام کا راستہ منتخب کریں، یا عیسائی اور یہودی رہنا پسند کریں، چاہے وہ اسلامی معاشرے میں رہتے ہوں، یا ان علاقوں میں جہاں اسلامی ریاست کا اقتدار قائم ہے۔ اس آزادی کی مثالیں قرآنی آیات سے ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ مستند تاریخی واقعات میں بھی جابجا نظر آتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ماتحت قوموں نے اس آزادی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا جو اسلام نے انھیں ایرانی اور بازنطینی تسلط سے دلائی تھی۔ مصر میں قبطیوں اور شام میں یعقوبیوں نے اس وقت اپنی بھرپور خوشی کا اظہار کیا، جب اسلام نے مذہبی آزادی کا اعلان کیا۔ اگر مذہبی آزادی کا یہ اعلان اخلاص پر مبنی نہ ہوتا تو تمام مذہبی اقلیتیں مسلم معاشرے میں جذب ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھتیں، اور اس طرح زندہ نہ ہوتیں جیسے یہ

Marfat.com

غیر مسلم اقلیتیں آج موجود ہیں، جب کہ اسلام کو ظہور پذیر ہوئے چودہ صدیوں سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔

توسیع اسلام کا اگر تاریخی اعتبار سے جائزہ لیا جائے۔ تو یہی بات حقیقت بن کر سامنے آتی ہے کہ عہد نبوی ﷺ سے ہی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہورہے ہیں۔ اور یہی توسیع حالت امن میں بنسبت حالت جنگ کے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہونے والوں کی تعداد، صلح سے قبل دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔ اور عہد رسول ﷺ میں تبلیغی اسفار کا سلسلہ دشوار گزار اور پرخطر علاقوں کی طرف جاری رہا۔ اور مسلمانوں کی فوجی وسیاسی انحطاط کے وقت سے لے کر آج تک توسیع اسلام کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔

فتوحات کو محض دفاعی حیثیت دینا ایک معذرت خواہانہ رویہ ہے جو اس قابل نہیں ہے کہ اس پر دلائل پیش کیے جائیں اور کوئی سنجیدہ بحث کی جائے۔ کیا اندلس اور ماوراء النہر کے لوگوں نے مسلمانوں پر فتح حاصل کرنے کے لیے مسلم سرحدیں عبور کی تھیں؟ کیا یہ سرحدوں کی محض حفاظت کا نتیجہ تھا کہ مسلمان تین براعظموں ایشیا، یورپ اور افریقہ کے وسط تک پہنچ گئے، جہاں جزیرہ نمائے عرب سے دُور پرخطر واقعات اور فیصلہ کن جنگیں واقع ہوئیں۔ ان جنگوں میں فرانس کے جنوب میں پوئٹیر کے مقام پر ٹورس کی جنگ، جزیرہ کریٹ اور جنوبی اٹلی کی فتح، ماوراء النہر میں دریائے تالاس پر تیراز کی جنگ اور ویانا کا محاصرہ شامل ہے۔

فتوحات کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ جہاد مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے جو انھوں نے ادا کیا، (اور جس میں شرکت کو) رسول اللہ ﷺ نے اسلام کا بلند ترین مرتبہ قرار دیا ہے۔

Marfat.com

جہاد کا آغاز

جہاد کے سلسلے میں سب سے پہلے جو غزوات اور سرایا انجام پائے، وہ مدینے کے مغربی سمت میں واقع مقامات کے خلاف تھے۔ ان غزوات اور سرایا کے تین مقاصد تھے:

(۱) شام کی طرف جانے والے قریش کے تجارتی قافلوں کے راستوں کو روکنا۔ یہ مکے کی مبنی بر تجارت اقتصادی نظام پر ایک زبردست وار تھا۔

(۲) قرب و جوار کے دیگر قبائل کے ساتھ امن کے معاہدے کرنا، تاکہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان لڑائی کی صورت میں ان قبائل کی حمایت، یا کم از کم غیر جانبداری کی ضمانت حاصل ہو جائے۔

یہ منصوبہ بندی بے حد اہمیت کی حامل تھی اور اس منصوبہ بندی کی تکمیل مسلمانوں کے لیے ایک بڑی کامیابی کی علامت تھی، کیوں کہ یہ قبائل ابتدا میں قریش کے ہمنوا تھے۔ اس کا سبب ان کے اور قریش کے درمیان قدیم حلیفانہ معاہدے تھے، جنھیں قرآن نے ''ایلاف'' (حفاظتی اقدامات اور تحفظ کے معاہدے) کا نام دیا ہے۔ ان معاہدوں کے ذریعے قریش نے شام اور یمن کے ساتھ اپنی تجارت محفوظ بنالی تھی۔ اس کے علاوہ ان قبائل کو قریش کے ساتھ ایک خاص تعلق اس لیے بھی تھا کہ قریش کعبے کے متولی تھے اور عرب کے تمام لوگ طوافِ کعبہ اور وہاں موجود اپنے بتوں کی عبادت کرنے مکے آیا کرتے تھے۔ قریش اور ان قبائل کے عقائد مشترک تھے، اس لیے وہ اسلام دشمنی میں متحد تھے۔ اس پس منظر میں مسلمانوں کے لیے اس مرحلے پر یقیناً یہ ایک بہت بڑی فتح تھی کہ وہ ان قبائل کے ساتھ امن کے معاہدے طے کرنے اور قریش کے ساتھ تصادم کی صورت میں ان کی غیر جانبداری کی یقین دہانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

Marfat.com

(۳) یہودیوں اور مشرکوں پر یہ ثابت کرنا کہ مدینے میں مسلمانوں کو کتنی قوت حاصل ہے، نیز اس امر کا اظہار کہ مسلمانوں کی بالادستی صرف مدینے تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اب مسلمان اپنے اطراف کے علاقوں پر بھی نہ صرف اپنا تسلط قائم کر رہے ہیں، بلکہ مختلف قبائل کے مفادات اور تعلقات پر بھی اثر انداز ہو رہے ہیں۔

پہلا غزوہ غزوۃ الأبواء ❶ تھا جسے غزوۂ وُدّان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ دو ملحقہ علاقے ہیں جن کا درمیانی فاصلہ چھ یا سات میل ہے۔ الأبواء مدینے سے تقریباً چودہ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس غزوے کے دوران میں کوئی جنگ نہیں لڑی گئی، لیکن بنوضمرہ (جن کا تعلق قبیلہ کنانہ سے تھا) کے ساتھ امن کا ایک معاہدہ کیا گیا۔ یہ غزوہ ہجرت کے دوسرے برس ۱۲ صفر کو پیش آیا۔ ❷ مدائنی کی روایت کے مطابق فوج نے ربیع الاوّل کا مہینہ شروع ہونے تک مدینے کے باہر پڑاؤ ڈالے رکھا، اس کے بعد مجاہدین واپس آئے۔ ❸

عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے الابواء سے ایک مہم (سریہ) روانہ فرمائی جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث کو اس مہم کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔ ❹ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ یہ سریہ مدینہ واپسی کے بعد سیف البحر کی طرف روانہ کیا گیا تھا، نیز ایک اور سریہ بھی جو تیس افراد پر مشتمل تھا اور اس کی امارت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو سپرد کی گئی تھی، مدینہ واپسی کے بعد، سیف البحر کی طرف بھیجا گیا تھا جس کا مقصد قریش کے قافلے کا راستہ روکنا تھا، لیکن یہ دونوں سرایا قریش کے ساتھ جنگ میں ملوث نہیں ہوئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو یہ معاملہ پیش آیا کہ قبائل نے جن کے

---

❶ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں، جو زید بن ارقم سے مروی ہے، یہ ذکر ملتا ہے کہ غزوۂ عشیرہ پہلا غزوہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس روایت کو ابن اسحٰق کی روایت کے ساتھ اس طرح تطبیق دی ہے کہ زید بن ارقم کی مراد یہ ہے کہ پہلا غزوہ جس میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کی، وہ عشیرہ ہے۔ البدایۃ والنہایۃ، ۳: ۲۴۶

❷ خلیفہ بن خیاط، تاریخ، ص: ۵۶

❸ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۷: ۲۷۹۔ خلیفہ، تاریخ، ۵۶۔ ابن اسحٰق کی روایت سے ماخوذ ہے، جو بغیر سند کے ہے۔

❹ ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۲۷۹۔

Marfat.com

دونوں فریقوں کے ساتھ امن کے معاہدے تھے، فریقین کو جنگ کرنے سے باز رکھا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ صورت پیش آئی کہ مسلمانوں اور قریش دونوں کے درمیان محض تیروں کا تبادلہ ہوا۔ ❶

بلاشبہ ان سرایا کا پہلا مقصد قریش کی تجارت کے لیے خطرہ پیدا کر دینا تھا، یہ پہلی دھمکی تھی جو قریش کو اس لیے دی گئی تھی کہ اگر وہ اسلام کے خلاف اپنے سخت مخالفانہ رویے سے باز نہ آئے تو ان کی تجارت سخت خطرے میں پڑ جائے گی۔ ربیع الثانی [۲ ھ] کے مہینے میں بھی مسلمانوں نے تجارتی راستوں (کو پرخطر بنانے کے لیے) اپنی مہم جاری رکھی۔ ینبوع کے نزدیک رضویٰ کے مقام پر غزوۂ بواط پیش آیا جس میں دو سو مجاہدین نے قریش کے ایک تجارتی قافلے کا راستہ روکا۔ اس کے بعد جمادی الاولیٰ میں (ینبوع کے مقام پر) غزوۂ عشیرہ پیش آیا۔ ان دونوں غزوات یعنی رضویٰ اور عشیرہ میں کوئی جنگی کارروائی نہیں کی گئی، بلکہ عشیرہ کے ❷ مقام پر جمادی الاخریٰ کے مہینے میں بنو مدلج کے ساتھ امن کا ایک معاہدہ طے پا گیا۔ غزوۂ عشیرہ کے فوراً بعد کرز بن جابر الفہری مدینے کے مضافات میں وارد ہوا اور کچھ اونٹ اور مویشی چرا کر لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے نواحی علاقے سفوان تک اس کا پیچھا کیا، اس لیے اس مہم کو پہلا غزوۂ بدر قرار دیا جاتا ہے۔ کرز فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور اپنا تعاقب کرنے والوں کے ہاتھ نہ لگ سکا، ❸ لیکن اس واقعے سے مسلمانوں میں اس ضرورت کا احساس مزید شدت اختیار کر گیا کہ انھیں اپنے ہمسایہ قبائل سے پرامن بنیادوں پر تعلقات استوار کرنے کی اشد ضرورت ہے، تاکہ یہ مہمات جاری رکھی جا سکیں۔ مسلمانوں نے قریش کے صرف انھی قافلوں کو روکنے پر اکتفا نہیں کیا جو شام کے ساتھ تجارت کرتے تھے، بلکہ مسلمان ان تجارتی راستوں میں بھی حائل ہوئے جو یمن کی

---

❶ خلیفہ، تاریخ، ص: ۶۱۔۶۲۔ ابو محمد عبدالملک بن ہشام الحمیری، السیرۃ النبویۃ، ۱: ۵۹۱۔۵۹۲۔ ابن اسحٰق کی ایک روایت سے جو بغیر سند کے ہے۔ اموی، مغازی، یہ بھی بغیر سند کے ہے جیسا کہ فتح الباری میں ذکر ہے، ۷: ۲۷۹۔

❷ خلیفہ، تاریخ، ۵۷۔ ابن اسحٰق سے بغیر سند کے منقول ہے۔ ❸ ایضاً

Marfat.com

طرف جاتے تھے۔ ماہ رجب کے اختتام پر، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کی قیادت میں آٹھ مہاجرین پر مشتمل ایک سریہ نخلہ کے علاقے کی طرف روانہ کیا گیا جو مکہ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس سریہ کا مقصد محض یہ تھا کہ قریش کی سرگرمیوں کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل کی جائیں، لیکن ان مہاجرین نے قریش کے ایک تجارتی قافلے کو راستے میں روک لیا، قافلے کے سربراہ کو قتل کر دیا اور قافلے کے سامان پر قبضہ کر کے اور اس میں شامل دو افراد کو قیدی بنا کر مدینے [1] لے آئے۔ چوں کہ یہ واقعہ مقدس مہینے کے دوران میں پیش آیا تھا، اس لیے مشرکینِ مکہ نے اس بارے میں بہت شور و غوغا کیا کہ مسلمانوں نے ایک مقدس مہینے کی حرمت کو پامال کیا ہے۔ اس واقعے کا دیہاتیوں اور شہریوں دونوں پر گہرا اثر ہوا۔ اس واقعے سے ایک ایسی روایت کو توڑ دیا گیا تھا جو عرب میں ظہورِ اسلام سے مدتوں پہلے سے رائج اور راسخ تھی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش بھی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے کہ اس قدیم روایت کی خلاف ورزی کس قدر تشویش ناک ہے، لیکن انھوں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد ہی لڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جب وہ مدینہ واپس آئے، اور مالِ غنیمت رسولِ اکرم ﷺ کے سپرد کرنا چاہا، تو آپ ﷺ نے اس غنیمت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

”میں نے تمھیں مقدس مہینے کے دوران میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا، قریش نے ہر طرف یہ باتیں پھیلائی ہوئی ہیں کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں نے مقدس مہینے کی حرمت پامال کی ہے، انھوں نے اس ماہ میں خون ریزی کی، مال و دولت پر قبضہ کیا اور لوگوں کو قیدی بنایا ہے۔“

اس واقعے کے بعد قرآنی آیات نازل ہوئیں جن میں یہ وضاحت کی گئی تھی کہ مسلمانوں کی کارروائی درست اور بجا تھی۔ ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت بھی وصول فرمایا اور دونوں قیدیوں کا فدیہ قبول کر کے انھیں قریش کے

---

[1] ایضاً، ص: ۶۳۔ عروہ سے مروی ”حسن“ درجے کی ”مرسل“ روایت ہے۔

Marfat.com

حوالے کر دیا۔

قرآنِ کریم کی متعلقہ آیت یہ ہے:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ [البقرة: ٢١٧]

''لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ ان میں خاص طور پر قتال کرنا جرم عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے، ان کو اس سے خارج کر دینا عظیم تر جرائم ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک فتنہ پردازی کرنا قتل سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔''

اس آیت میں صاف طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف قریش کی ظالمانہ سرگرمیوں اور مسلمانوں کو مکے سے نکال باہر کرنے کا ظالمانہ عمل اس فعل سے کہیں زیادہ برا ہے جو مسلمانوں سے ایک محترم مہینے میں جنگ کرنے کی شکل میں سرزد ہوا، [1] تاہم آیت کا ابتدائی حصہ ''محترم مہینے'' کے تقدس کی تصدیق کرتا ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قریش نے مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں کیوں ان روایات اور اقدار کا خیال نہیں

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ، ۱: ۵۹۔ ۶۰۔ عروہ کی ''مرسل'' احادیث سے۔ ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۱۲، ۵۸۔ ۵۹۔ (ایک صحیح سند کے ساتھ جس کا سلسلہ عروہ سے جا کر ملتا ہے۔) اس قسم کی چند ملتی جلتی روایات طبرانی میں بھی پائی جاتی ہیں جن میں سے کچھ ''حسن'' درجے کی سند کے ساتھ ہیں اور کچھ دیگر اسناد کے ساتھ۔ (دیکھیے: الاصابۃ، ۳: ۲۷۸، ابن کثیر، ۳: ۲۵۱ اور ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۶۶۔ ۶۷)۔ جب راویوں کے تمام سلسلوں کو یک جا کیا جاتا ہے تو حدیث صحیح لغیرہ قرار پاتی ہے۔

Marfat.com

رکھا، تاکہ ان کے اس دعوے میں کچھ وزن ہوتا جس کے تحت وہ خود کو محترم مقامات کے محافظ اور مقدس روایات کے امین کہتے تھے؟

ممکن ہے، بعض افراد کے دل میں غلطی سے یہ شک پیدا ہو کہ مسلمانوں کا مشرکین کے قافلوں کا راستہ روکنا قزاقی اور رہزنی کے مترادف تھا۔ ان کے اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ مسلمان قریش کے ساتھ مسلسل حالت جنگ میں تھے اور انھوں نے قریش کو کمزور کرنے کے جتنے بھی اقدامات کیے، خواہ وہ کسی بھی میدان میں ہوں، وہ دراصل حالت جنگ کی ایک اشد اور اہم ضرورت تھے۔ ان کے اس اقدام کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ جب انھوں نے مکہ سے ہجرت کی تھی تو قریش نے ان کی تمام دولت پر قبضہ کرلیا تھا۔ دور جدید میں بھی اس عمل کو جائز سمجھا جاتا ہے کہ دورانِ جنگ دشمن کے انسانی اور اقتصادی وسائل پر کاری ضرب لگائی جائے۔

رجب کے مہینے میں ایک اور اہم واقعہ رونما ہوا، افادیت کے پیش نظر اس کا ذکر ضروری ہے۔ اس واقعے کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک امتیازی مقام عطا ہوا، اور نماز میں انھیں مستقل طور پر ایک نئی سمت کی جانب موڑ دیا گیا۔ یہ تحویل قبلہ کا واقعہ ہے، یعنی بیت المقدس کی جگہ کعبہ شریف کو مسلمانوں کو قبلہ قرار دیا گیا۔

Marfat.com

تحویل قبلہ

ہجرت سے پہلے، رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی جانب چہرہ کر کے اس طرح نماز ادا کیا کرتے تھے کہ کعبہ آپ ﷺ کے اور بیت المقدس کے درمیان رہتا تھا۔ اس بات کا ذکر ایک روایت میں ہے جس کی سند ''صحیح'' ہے اور اس سند کا سلسلہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس [1] سے جا کر مل جاتا ہے۔ چند اہل علم نے یہ خیال پیش کیا ہے کہ مکے میں آپ ﷺ کعبے کی طرف رخ کر کے نماز ادا کیا کرتے تھے اور جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینے تشریف لائے تو وہاں آپ ﷺ بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے نماز ادا کرنے لگے۔ حافظ ابوعمر بن عبدالبر قرطبی کا رجحان دوسری رائے کی جانب ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس رائے پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے:

> ''یہ ایک کمزور اور ضعیف روایت ہے۔ اگر اسے درست مان لیا جائے تو پھر تنسیخ کی دو روایات ہونی چاہئیں۔'' [2]

پہلی روایت اس لحاظ سے زیادہ مستند ہے کہ یہ اپنے اندر دونوں بیانات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ حاکم اور دیگر محققین نے بھی اسے ''صحیح'' مانا ہے۔ [3]

سعید بن میّب نے واضح طور پر یہ بیان کیا ہے کہ ہجرت سے تین سال پہلے بھی انصار بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ [4]

---

1. محمد بن سعد، طبقات، ۱: ۲۴۳۔ حاکم اور چند دیگر حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے تصدیق کی ہے۔ بخاری نے اس موضوع سے متعلق اپنے باب میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ جب مسلمان کعبے میں نماز ادا کرتے تھے تو بیت المقدس کی جانب رخ کرتے تھے۔ ابن حجر، فتح الباری: ۱/ ۹۵۔۹۶۔
2. ابن حجر، فتح الباری، ۱: ۷۹۔
3. ایضاً، ۱: ۶۹۔
4. طبری ابوجعفر محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، ۲: ۴۔ ایک ''حسن'' سند کے ساتھ اگرچہ یہ قتادہ سے ⇦⇦⇦

Marfat.com

جب رسول اللہ ﷺ نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ ۱۶ ماہ تک بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ ❶ ہجرت کے دوسرے سال، رجب کے وسط میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ حکم ہوا کہ نماز کے دوران میں آپ اپنا رخ کعبے کی طرف کر لیں، جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا قبلہ تھا۔ سعید بن مسیب تحویل قبلہ کا زمانہ معرکۂ بدر سے دو ماہ قبل کا قرار دیتے ہیں۔ ❷ اس طرح ایک محتاط اندازے کے مطابق تحویلِ قبلہ کی صحیح تاریخ ۱۷ رجب ۲ھ ہے۔ محققین کی اکثریت کا خیال ہے کہ یہ واقعہ وسطِ رجب میں پیش آیا۔ اس طرح ان کے ہاں دو روز کم ہو جاتے ہیں۔ ❸ ابن اسحٰق کے مطابق تحویل قبلہ کی تاریخ رسول اللہ ﷺ کی مدینے تشریف آوری کے کوئی ۱۷ ماہ بعد رجب کی کوئی تاریخ ہے۔ ❹ اس سلسلے میں وہ ایک غیر متواتر ''شاذ'' روایت بھی نقل کرتے ہیں جس کی رو سے تحویلِ قبلہ کا واقعہ ہجرت کے ۱۸ ماہ بعد شعبان میں پیش آیا تھا۔ ❺

⇦⇦⇦ ''معنعن'' ہے جو ''مدلس'' ہیں۔ ابن مدینی نے ان کی روایات کو جو سعید بن مسیب سے مروی ہیں، کمزور قرار دیا ہے، جب کہ انھیں زبانی بھی نقل نہ کیا گیا ہو، جیسا کہ قتادہ کی سوانح کے متعلق تہذیب التہذیب میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ مفسرین میں سے طبری نے سعید بن مسیب سے ملتی جلتی رائے پیش کی ہے۔ (طبری، تفسیر، ۲:۵) پڑھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ ابن مسیب نے بجائے ثلث سنوات (تین سال) کے ثلث حجج (تین سال) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

❶ متعدد صحابہؓ نے اسے روایت کیا ہے۔ ان صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: معاذ بن جبلؓ، انس بن مالکؓ اور براءؓ بن عازب۔ سعید بن مسیب نے اسے ''مرسل'' سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ وہ سندیں جو ان صحابہ کرامؓ سے جا کر ملتی ہیں، ''صحیح'' ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱/۲۷۴) اور مسلم نے اس کی تصدیق کی ہے، لیکن بخاری کی روایت میں ''۱۶ یا ۱۷ ماہ'' کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری (ابن حجر، فتح الباری، ۱: ۹۵)۔ اس بارے میں وہ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

❷ خلیفہ، تاریخ، ۶۴۔ ابن سعد، طبقات، ۱: ۲۴۲۔ اس کی سند ''صحیح'' ہے، لیکن ''مرسل'' ہے اور سعید بن مسیب کی ''مرسل'' قوی ہیں۔ مزید دیکھیے: طبری، تفسیر، ۲: ۳۔

❸ ابن حجر، فتح الباری ۱/ ۹۷ ان کا اعتماد اس بات پر ہے کہ ہجرت کا واقعہ ربیع الاوّل میں ہوا انھوں نے اس پر ۱۶ ماہ کا اضافہ کر لیا اس لحاظ سے تحویل قبلہ رجب کے وسط میں بنتا ہے، یہی رائے جمہور کی ہے۔

❹ خلیفہ، تاریخ، ص ۶۴، (۶۴) بغیر سند کے۔ ❺ ابن ہشام، سریۃ، ص ۶۴۔ بغیر سند کے۔

Marfat.com

، واقدی نے جو تاریخ متعین کی ہے، وہ ہجرت کے ۱۷ ماہ بعد وسط رجب ہے۔ ❶ ان کے علاوہ کچھ غیر متواتر روایات اور بھی ہیں، مثال کے طور پر، موسیٰ بن عقبہ پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ تحویلِ قبلہ جمادی الاخریٰ میں ہوئی۔ کچھ دوسرے مصنفین نے مختلف تاریخوں کا ذکر کیا ہے جن کے مطابق ہجرت کے ۱۳ ماہ بعد، ۱۹ ماہ بعد، ۲۰ ماہ بعد، ۲ ماہ بعد ❷ اور دو سال بعد قبلہ تبدیل ہوا۔ ❸

اگر ہم غیر متواتر روایات کو نظر انداز کر دیں تو ۱۶ اور ۱۷ ماہ کی روایات میں جو تضاد پایا جاتا ہے، اسے ہم اس طرح رفع کر سکتے ہیں کہ دونوں آراء کو باہم ملا دیا جائے۔ وہ لوگ جن کی رائے یہ ہے کہ تحویلِ قبلہ ہجرت کے ۱۶ ماہ بعد ہوئی، وہ دراصل اس مہینے کو جس میں حضور ﷺ مدینے تشریف لائے اور اس مہینے کو جس میں تحویلِ قبلہ ہوئی، ملا کر ایک ہی شمار کرتے ہیں اور اضافی دنوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور وہ لوگ جن کا خیال یہ ہے کہ تحویل قبلہ ۱۷ ماہ بعد ہوئی، وہ ان دونوں مہینوں کو شمار کرتے ہیں۔ [اس کے علاوہ] کچھ محققین نے تاریخ کے تعین میں تأمل کیا ہے۔ ❹

واقعہ یہ ہے کہ یہودی جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک معاہدۂ امن کیا تھا، اس بات سے بے حد خوش تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں تشریف آوری کے بعد بھی بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انھوں نے اس بات سے فائدہ اٹھا کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ: ''محمد ﷺ ہم سے اختلاف کرنے کے باوجود ہمارے ہی قبلے کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔'' ❺ اور غالباً یہ روایت

---

❶ ابن سعد، طبقات، ۱: ۲۴۲۔ ان کا کہنا ہے کہ واقدی ''متروک'' ہیں۔

❷ ابن حجر، فتح الباری، ۱: ۹۷؛ طبری، تفسیر، ۲: ۳۔۴؛ خلیفہ، تاریخ، ص: ۶۴۔ ان کی سند میں عثمان بن سعد کاتب شامل ہیں جو ''ضعیف'' ہیں۔

❸ حسن بصری کی ''مرسل'' احادیث سے، جو ''ضعیف'' ہیں۔ خلیفہ بن خیاط، تاریخ، ص: ۶۵۔

❹ ابن حجر، فتح الباری، ۱: ۹۶۔

❺ طبری، تفسیر، ۲: ۲۰۔

Marfat.com

درست ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ نیا مذہب سمتِ قبلہ میں ان کی پیروی کر رہا ہے اور یہ کہ اس مذہب نے ان کی کچھ روایات اور مذہبی رسوم کو بھی اختیار کر رکھا ہے۔ ان کی غالباً یہ خواہش ہوگی کہ نیا مذہب ان کے تابع فرمان ہو کر رہے۔ کچھ مصنفین نے یہ کہا ہے کہ ہجرت کے پہلے سال بیت المقدس کو اس لیے قبلہ قرار دیا گیا تاکہ یہودیوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جا سکے۔ [1] لیکن ایسا بالکل درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہجرت سے قبل مکے میں مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور ہجرت کے بعد بھی انھوں نے یہ عمل جاری رکھا۔

رسول اللہ ﷺ [اس سلسلے میں] وحی کے منتظر رہتے تھے اور آپؐ اپنا رخ کعبے کی طرف موڑنے کے آرزو مند تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ حضرت ابراہیم ﷺ کے قبلے کی جانب مڑ جائیں، کیوں کہ یہی وہ پہلا گھر ہے جو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ مسلمان کا قبلہ علیحدہ ہو اور یہودی پروپیگنڈا دم توڑ دے۔ آپ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی خواہش پوری کر دی:

﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ﴾

''ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، اس لیے ہم آپ کو اس قبلے کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لیے آپ کی مرضی ہے۔ پھر اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کیا کیجیے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو، اپنے چہروں کو اسی کی طرف کیا کرو۔'' (البقرہ:۱۴۴)

---

[1] اس سے متعلق روایات طبری میں نقل کی گئی ہیں۔ تفسیر، ۲:۴۔ یہ روایات محمد بن حمید رازی کے واسطے سے نقل کی گئی ہیں جو ''ضعیف'' ہیں اور مثنیٰ بن ابراہیم آملی کے واسطے سے جو ''مجہول'' ہیں۔

Marfat.com

پہلی نماز جو رسول اللہ ﷺ نے کعبے کی طرف چہرہ کر کے ادا کی، وہ ظہر کی نماز تھی جو بنوسلمہ کے محلے میں ادا کی گئی تھی، لیکن مسجد نبوی میں جو پہلی نماز کعبے کی طرف رخ کر کے ادا کی گئی، وہ عصر کی تھی اور اہل قبا نے اس ضمن میں جو پہلی نماز پڑھی وہ فجر کی تھی کیوں کہ تحویل قبلہ کی خبر انھیں اس وقت ملی۔ جوں جوں لوگوں کو قبلہ تبدیل ہونے کی خبر ملتی گئی، اسی حساب سے نمازوں میں رخ تبدیل ہوتا گیا۔ ❶ قبلے کی تبدیلی سے یہودی بے حد افسردہ اور پریشان ہوئے۔ غم و غصہ کی حالت میں انھوں نے مختلف قسم کی افواہیں پھیلانا شروع کر دیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آیات نازل کیں جن میں ان کے تمام دعووں کی تردید کی گئی، مثال کے طور پر ان کے اس دعوے کے جواب میں کہ نیکی تو فقط یہ ہے کہ نماز میں بیت المقدس ہی کی جانب رخ کیا جائے، قرآن کریم کی درج ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ ﴾

(البقرة: ۱۷۷)

”نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اس کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے۔“

اور جب انھوں نے تحویل قبلہ کے اسباب کے بارے میں طرح طرح کے سوالات شروع کیے تو اللہ نے اپنے نبی کو یہ جواب سکھایا:

﴿ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (البقرة: ۱٤۲)

”اب تو بے وقوف لوگ ضرور ہی کہیں گے کہ ان [مسلمانوں] کو ان کے قبلے

---

❶ ابن حجر، فتح الباری، ۱:۹۷۔

Marfat.com

سے جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس نے بدل دیا؟ آپؐ فرما دیجیے کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں جس کو اللہ ہی چاہیں سیدھا طریق بتلا دیتے ہیں۔'' ❶

قرآنِ کریم میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ قبلے کی تبدیلی، یعنی بیت المقدس کے بجائے کعبے کی طرف رخ کرنا، دراصل مومنوں کے لیے ایک امتحان تھا جس سے ان کے ایمان کا اندازہ لگایا گیا اور یہ بھی دیکھا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانے میں کتنے مستعد ہیں:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌO ﴾

(البقرة: ١٤٣)

''اور یہ قبلے کا بدلنا (منحرف لوگوں پر) بڑا ثقیل ہوا، (ہاں)، مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع اور (ناقص) کر دیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا رخ اگر قبلۂ اوّل (بیت المقدس) سے پھیرا، تو یہ ایک آزمائش تھی۔ آزمائش کی یہ بات اس وقت زیادہ واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے جب ہم ان روایات کا مطالعہ کرتے ہیں، جن سے تحویلِ قبلہ کے بعد سامنے آنے والے تاثرات کا اندازہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دین کے بارے میں سخت الجھن کا شکار ہیں، اسی لیے ان کے قبلے کی طرف پلٹ گئے ہیں۔ منافقین نے مسلمانوں کے درمیان یہ افواہیں پھیلانا شروع

❶ طبری، تفسیر: ۱/۲-۱۔

Marfat.com

کر دیں کہ: ''آخر کیا وجہ ہے کہ محمد ﷺ ہمیں کبھی ایک جانب موڑتے ہیں اور کبھی دوسری جانب؟'' اور مومن اس مخمصے کا شکار ہو گئے کہ جو نمازیں انھوں نے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے ادا کی ہیں، وہ قبول نہیں ہوں گی۔ ❶ قرآن کریم کی یہ آیت اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ جس شخص نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور تحویلِ قبلہ سے پہلے ہی وفات پا گیا، اور اس نے ایک مرتبہ بھی کعبے کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھی، اس کی نمازیں اکارت نہیں گئیں۔ تقریباً دس صحابہ کرامؓ ایسے تھے جنھوں نے اس حالت میں وفات پائی کہ وہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے تھے، بالکل اسی طرح جس طرح وہ صحابہ کرامؓ جو حیات تھے، کعبے کی طرف رخ کر کے اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کر رہے تھے۔ ❷

---

❶ ایضاً، ۲/۱۱۔۱۲۔

❷ ابن سعد، طبقات، ۱/۲۴۳۔ ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ۔ ابن حجر، فتح الباری: ۱/۹۸، طبری، تفسیر: ۲/۱۷۔

Marfat.com

بدر کا عظیم الشان معرکہ

اگرچہ مسلمان شام کو جانے والے تجارتی راستوں کو [قریش کے لیے] پرخطر بنا دینے میں کامیاب ہو گئے تھے، لیکن ابھی تک انھوں نے قریش کے کسی تجارتی قافلے کے ساتھ کوئی فیصلہ کن جنگ نہیں کی تھی، اس لیے قریش ان راستوں پر مسلح دستوں کی حفاظت میں بدستور اپنے تجارتی قافلے روانہ کرتے رہے۔ مسلمان ان قافلوں کی آمد و رفت کا پوری طرح جائزہ لے رہے تھے، جب انھوں نے سنا کہ قریش کا ایک بڑا تجارتی قافلہ شام سے لوٹنے والا ہے، تو انھوں نے اس امر کی تصدیق کی غرض سے اپنے سپاہی روانہ کر دیے۔ معلوم ہوا کہ یہ قافلہ ابوسفیان صخر بن حرب کی کمان میں ہے اور بے پناہ مال و اسباب کے ساتھ قریشِ مکہ کی طرف جا رہا ہے۔ اس قافلے کی حفاظت پر کوئی تیس یا چالیس افراد مامور ہیں۔ [1] رسول اللہ ﷺ نے مزید تحقیقات کے لیے حضرت بسبس رضی اللہ عنہ ابن عمرو کو روانہ فرمایا اور ان کی واپسی کے بعد آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر قافلے کا سامنا کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مہم پر نکلنے میں نہایت عجلت سے کام لیا اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پاس موجود تھے، انھی کو ساتھ لے جانے پر اکتفا کیا۔ آپ نے اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انتظار میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا جو شہر کے بالائی علاقوں میں مقیم تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ قافلہ ہاتھ سے نکل جائے۔ [2]

---

[1] علی بن احمد بن سعد بن حزم، جوامع السیرۃ، ص: ۱۰۷۔ اس مال کی قدر و قیمت کا اندازہ پچاس ہزار دینار لگایا گیا تھا اور وہ اپنی تجارت میں ہر دینار کے عوض ایک دینار کمایا کرتے تھے۔ واقدی، مغازی، ۱: ۲۰۰، بلاذری، انساب الاشراف: ۱/۳۱۲۔

[2] مسلم، صحیح، حدیث: ۱۱۵۷۔ اس حدیث میں ''بسبس'' کے بجائے ''بسیسہ'' نام کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابن حجر کا کہنا ہے کہ صحیح نام ''بسبس'' ہے۔ اصابۃ: ۱/۱۵۱۔

Marfat.com

یہی وجہ کہ بدر کے مقام پر مسلمان آبادی کی بھرپور عسکری قوت کی نمائندگی نہ ہوسکی۔ مسلمان دراصل قافلہ روکنے کے ارادے سے نکلے تھے اور انھیں اس بات کا قطعاً علم نہ تھا کہ انھیں قریشی فوج کا سامنا کرنا پڑے گا حضرت عکرمہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عدیؓ بن زغباء اور حضرت بسبسؓ بن عمرو کو اس غرض سے بدر کی طرف روانہ کیا تھا کہ قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کی جاسکیں اور وہ دونوں قافلے کے بارے میں خبریں حاصل کر کے لوٹ آئے تھے۔ ❶ صحیح مسلم میں بھی اس روایت کی تائید کی گئی ہے کہ حضرت بسبسؓ کو اس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ کسی خاص مقصد کے لیے مسلمان دشمن کی جاسوسی اور اس کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے لیے مناسب طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔

جب مسلمان بدر کی جانب روانہ ہوئے تو ان کی کل تعداد ۳۱۹ تھی، ❷ جن میں ایک سو مہاجرین اور باقی انصار تھے یہ حضرت زبیرؓ بن عوام کی روایت ہے اور وہ خود اس مہم میں شریک تھے، تاہم حضرت براء بن عازب، جنھیں رسول اللہ ﷺ نے کم عمری کی بناء پر جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی، کا کہنا ہے کہ مہاجرین کی تعداد ساٹھ سے زیادہ تھی اور انصار ۲۴۰ سے متجاوز تھے۔ ❸ متعلقہ مآخذ میں ۳۴۰ صحابہ کرامؓ کے نام ملتے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ مختلف روایات میں اس حوالے سے تضاد پایا جاتا ہے کہ کس نے اس مہم میں حصہ لیا تھا۔ ❹ اور رسول اللہ ﷺ نے حذیفہ بن یمان اور ان کے والد کو غزوۂ بدر میں عدمِ شرکت کی اجازت دی تھی۔ کیوں کہ ان دونوں نے قریش کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا عہد و پیمان کیا تھا۔

---

❶ ابن سعد، طبقات: ۴۲/۲۔ یہ روایت، ایک ''صحیح مرسل'' سند کے ساتھ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ تک جاتی ہے۔

❷ شرح النووی علی صحیح مسلم: ۸/۱۲۔ بخاری نے اپنی روایت میں کہا ہے: ''۳۱۳ اور ۳۱۹ کے درمیان''۔ ابن حجر، فتح الباری: ۲۹۰/۷۔۲۹۲۔

❸ ایضاً: ۲۹۰/۷، ۲۹۷، ۳۲۴، ۳۲۶۔

❹ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۴/۳۔ مزید دیکھیے: علیمی، مرویات غزوۃ بدر، ص: ۳۶۵، ۴۱۹۔

Marfat.com

مسلمانوں کا لشکر ابھی راستے ہی میں تھا کہ ایک مشرک آ کر ملا۔ اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کرنا چاہتا ہے، کیوں کہ اسلامی لشکر میں اس کے اپنے لوگ موجود ہیں جو مسلمان ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو یہ کہہ کر واپس فرما دیا کہ: ''میں کبھی کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا۔'' اس شخص نے ایک بار پھر کوشش کی، مگر رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ اس کی مدد لینے سے انکار فرما دیا۔ مشرک نے اسی موقع پر اسلام قبول کر لیا اور اسلامی لشکر میں شامل ہو گیا۔ ❶ یہ واقعہ اس لحاظ سے بے حد اہمیت کا حامل ہے کہ اسلام کی پہلی جنگ نظریے کے ساتھ وابستگی اور نصب العین کی وفاداری کی بنیاد پر لڑی گئی تھی۔

مسلمان مجاہدین کے پاس صرف ۷۰ اونٹ تھے جن پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ ❷ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب ایک ہی اونٹ کی سواری میں باہم شریک تھے۔ حضرت ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو مسلسل سواری کا موقع دیں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو اور میں اللہ تعالیٰ کے اجر کا تم سے کم مستحق نہیں ہوں۔'' ❸ یہ طرزِ عمل اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ سالارِ اعظم اور عام سپاہی دونوں جہاد میں مساوی سطح پر شریک ہیں، اخلاص کی دولت سے مالا مال، رضائے الٰہی اور اجرِ آخرت کے یکساں طلب گار ہیں۔ وہ سپاہی کیسے مشقت برداشت نہ کرتے جن کا سالارِ اعظم ایسا کرنے میں سب سے آگے ہو، اور اپنے سپاہیوں کو اپنے سے زیادہ مشقت میں نہ دیکھ سکتا ہو، حالانکہ وہ خود ۵۵ برس کی خوردگی میں ہو!

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اس کام پر مامور فرمایا کہ وہ آپ ﷺ

---

❶ ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شریف نووی، شرح صحیح مسلم: ۱۲/ ۱۹۸۔

❷ البدایۃ والنہایۃ: ۲/ ۲۶۰۔ ابن اسحٰق سے بغیر سند کے مروی ہے۔ ابن حزم، جوامع السیرۃ، ص: ۱۰۸۔

❸ احمد، مسند: ۱/ ۴۱۱۔ ایسی سند کے ساتھ جو حاکم کے قول کے مطابق مسلم کی شرائط پر ''صحیح'' اترتی ہے۔ (مستدرک: ۲/ ۳۰) ہیثمی کہتے ہیں: ''احمد اور بزار نے اسے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عاصم بن بہدلہ شامل ہیں جن کی احادیث ''حسن'' ہیں، لیکن احمد کی سند میں باقی ماندہ اصحاب ''صحیح'' ہیں۔'' (مجمع الزوائد: ۶/ ۶۹)

Marfat.com

کی غیر حاضری میں مدینے میں امامت کے فرائض انجام دیں۔ بعدازاں آپ ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو روحاء سے مدینے واپس بھیج دیا اور انھیں مدینے کا امیر مقرر کیا۔ روحاء، مدینے سے ۴۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ ❶ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے قیادت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، جو سفر اور حضر، امن اور جنگ ہر حالت میں ضروری ہے۔

جب ابوسفیان نے یہ سنا کہ مسلمان قافلے پر قبضہ کرنے کی غرض سے مدینے سے باہر نکل آئے ہیں تو اس نے اپنے لیے ساحلی راستے کا انتخاب کیا اور ضمضم بن عمرو الغفاری کو مکہ روانہ کر دیا، تاکہ وہ اہل مکہ کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی دعوت دے۔ جب قریش کو یہ خبر ملی تو وہ فوری طور پر روانگی کے لیے تیار ہو گئے تاکہ اپنے قافلے کا دفاع کر سکیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک شخص نے قریش کو جنگ کرنے کے لیے بلایا اور مکہ میں ابوقبیس پہاڑ کی چوٹی سے ایک چٹان نیچے پھینکی۔ چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور یہ ٹکڑے قریش کے ہر گھر میں جا پڑے۔ یہ خواب ابوجہل اور عباس کے درمیان ایک مسئلہ بنا ہوا تھا جو اس وقت حل ہوا، جب ضمضم مکہ پہنچا اور قافلے کا پیغام پہنچایا۔ ❷

یہ خبر سن کر قریش کے ہوش اڑ گئے، کیوں کہ ماضی میں مسلمانوں نے قریش کو متنبہ کرنے کے لیے جتنے تجارتی قافلوں کا راستہ روکا تھا، ان سب کے ساتھ معمولی جھڑپیں ہوئی تھیں، لیکن اس مرتبہ مسلمانوں نے قافلے پر مکمل طور پر قبضہ کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ اس

---

❶ البدایۃ والنہایۃ: ۲/۲۶۰۔ ابن اسحٰق نے بغیر سند کے نقل کیا ہے۔ حاکم، المستدرك: ۳/۶۳۲۔ اس کی سند میں ابن لہیعہ شامل ہیں جو ''صدوق'' ہیں، لیکن وہ اپنی کتاب کے نذر آتش ہو جانے کے بعد حواس باختہ ہو گئے تھے۔ (ابن حجر، تقریب) مجھے ابوجعفر بغدادی اور ابو علاثہ محمد بن عمرو بن خالد کی سوانح دستیاب نہیں ہو سکیں۔ ذہبی نے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔

❷ حاکم نیشاپوری، مستدرک: ۳/۱۹۔ ایک کمزور سند کے ساتھ جو ابن عباسؓ تک جاتی ہے۔ البدایۃ والنہایۃ: ۳/۲۵۷۔ ابن اسحٰق سے ایک ''حسن'' سند کے ساتھ جو عروہ تک جاتی ہے، لیکن ''مرسل'' ہے۔ اس کے علاوہ چند دیگر روایات ہیں جو مختلف کمزوریوں سے خالی نہیں ہیں، لیکن ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ واقعہ ''صحیح'' ہے۔ (اصابۃ: ۴/۳۴۷، مجمع الزوائد: ۶/۷۲)

Marfat.com

بات کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا مسلمانوں سے یہ فرمان تھا:

''یہ قریش کے اونٹ ہیں جو سامان سے لدے پھندے آ رہے ہیں، انھیں راستے ہی میں جا لو، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ غنیمت کے طور پر تمھیں یہ عطا کر دے۔'' ❶

قریش نے نہایت تیزی کے ساتھ اپنی تمام افواج کو جمع کر کے حرکت کی، حتی کہ ان کا کوئی گھڑ سوار یا پیدل ایسا نہیں بچا تھا جو پیچھے رہ گیا ہو، سوائے ابولہب کے، کہ اس نے اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو روانہ کر دیا تھا۔ قریش کے درمیان غیظ و غضب کی اس لیے ایک لہر دوڑی ہوئی تھی کہ پیش آمدہ صورتِ حال کو وہ اپنی توہین کے مترادف سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ عرب میں انھیں جو مقام حاصل ہے، اسے بری طرح للکارا گیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ مسلمانوں کے اقدام کو اپنے اقتصادی مفادات پر ایک کاری ضرب گردانتے تھے۔ اس نازک صورتِ حال میں اگر ان کے کسی فرد نے جنگ میں شرکت سے ذرہ برابر بھی پس و پیش کی تو اسے اس قدر سخت لعنت ملامت کا نشانہ بنایا گیا کہ وہ مقابلے پر نکلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ ❷

یہ ایک مستند روایت ہے کہ قریشی فوج کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ ❸ ابن اسحق نے بغیر کسی سند کے یہ ذکر کیا ہے کہ قریشی فوج میں ۹۵۰ جنگجو تھے جن میں دو سو گھڑ سوار تھے۔ فوج کے ساتھ گلوکاروں کی ایک جماعت بھی شریک تھی جو ڈھول پیٹتی جا رہی تھی اور مسلمانوں کے خلاف توہین آمیز گیتوں کا راگ الاپ رہی تھی۔ ❹

فوج کو خوراک مہیا کرنے کے سلسلے میں الاموی کسی سند کے بغیر یہ بات نقل کرتے ہیں کہ امرائے قریش فوج کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے کسی روز ۹ اور کسی روز ۱۰

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ: ۶۱/۲۔ ابن اسحق سے ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ جو ابن عباسؓ تک جاتی ہے۔

❷ ابن حجر، فتح الباری: ۲۸۳/۷۔

❸ نووی، شرح صحیح مسلم: ۸۴/۱۲۔

❹ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۶۰/۳۔

Marfat.com

اونٹ ذبح کیا کرتے تھے۔ ❶

قریش کی فوج میں سے بنوزہرہ نے راستے ہی میں علیحدگی اختیار کرلی اور مکہ لوٹ گئے۔اس کا سبب یہ تھا کہ اخنس بن شُریق نے جب یہ سنا کہ ابوسفیان کا قافلہ بحفاظت فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہے تو اس نے بنوزہرہ کو مکے واپس جانے کا مشورہ دیا۔ وہ لوگ اس وقت جحفہ کے مقام پر تھے جو رابغ کے مشرق میں واقع ہے اور اس جگہ سے وہ پلٹ گئے۔ ❷ لیکن قریش کی فوج کے بڑے حصے نے پیش قدمی کی اور بدر کے مقام تک آ گئے۔ اب ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ اپنے تجارتی قافلے کو مسلمانوں کی زد سے بچائیں، بلکہ اب ان کا یہ مطمح نظر تھا کہ مسلمانوں کو تجارتی راستوں میں دخل اندازی سے روکیں اور انھیں اس کی سخت سزا دیں تاکہ عربوں پر قریش کی طاقت اور بالادستی کی دھاک بیٹھ جائے۔ مسلمانوں نے قریش کے کچھ کارندوں کو بدر کے چشمے پر گرفتار کرلیا اور انھیں قیدی بنا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان قیدیوں سے دشمن کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرلیں، یعنی فوج کی تعداد کتنی ہے، اس نے کہاں پڑاؤ ڈالا ہے اور ان کے سپہ سالار کون لوگ ہیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے یہ بھی دریافت فرمالیا کہ ہر روز کی خوراک کے لیے کل کتنے اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ نتیجہ اخذ فرمایا کہ لوگوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے، کیوں کہ ایک اونٹنی اور اس کا بچہ ایک سو افراد کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ❸

کچھ مسلمان ایسے تھے جو قافلے کے بچ کر نکل جانے پر خوش نہیں تھے اور ان کی یہ مرضی نہیں تھی کہ قریش کی فوج کا مقابلہ کیا جائے۔ ان کے خیال میں مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے تھے۔ قرآنِ کریم کی درج ذیل آیات سے ان کے اس رویے کی تصویر کشی

---

❶ ایضاً۔

❷ ابن ہشام، سیرۃ: ۲/۳۰، طبری، تاریخ الرسل والملوک: ۲/ ۴۴۳۔

❸ احمد، مسند: ۲/۱۹۳۔ ۹۴۸۔ مسند احمد بن حنبل کے شارح احمد شاکر کا کہنا ہے کہ: ''اس کی سند ''صحیح'' ہے۔'' ہیثمی کا کہنا ہے کہ: ''احمد کے افراد ''صحیح'' ہیں، سوائے حارثہ بن مضرب کے جو ثقہ ہیں۔'' (مجمع الزوائد: ۶/۷۶)

Marfat.com

ہوتی ہے:

﴿ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

''جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر (اوربستی سے) مصلحت کے ساتھ آپ کو (بدر کی طرف) روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔ وہ اس مصلحت میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہوگیا تھا، آپ ﷺ سے اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لیے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ تمھارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمھارے ہاتھ آجائے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کردے اور ان کافروں کی بنیاد کو قطع کردے۔'' (الانفال، آیت: ۵ تا ۷)

بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر انصار نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اپنے ملک میں ہر قیمت پر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کریں گے، لیکن ان کے عہد میں یہ بات شامل نہیں تھی کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ مدینے سے باہر جا کر بھی لڑیں گے۔ یہی سبب تھا کہ غزوۂ بدر سے پہلے جو مہم پیش آئی، اس میں صرف مہاجر مسلمان ہی شریک تھے۔

چوں کہ بدر کے موقع پر انصار نہ صرف موجود تھے، بلکہ ان کی تعداد مہاجرین سے تجاوز کرگئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس نئی صورتِ حال کے بارے میں ان کا عندیہ لینا چاہا۔ آپ ﷺ نے اس مقصد کے لیے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک عمومی مشورہ کیا، لیکن اصلاً

Marfat.com

آپ ﷺ خصوصی طور پر انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے۔ ابن اسحٰق نے ''صحیح'' سند کے ساتھ اس مشاورت کے بارے میں روایت کیا ہے:

''جب رسول اللہ ﷺ تک یہ خبریں پہنچیں کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت کی خاطر مقابلے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اس بارے میں بتایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بہت اچھی گفتگو کی۔ اس کے بعد مقداد رضی اللہ عنہ بن عمرو اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور بولنا شروع کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ جائیے جہاں بھی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو جانے کا حکم دیتا ہے اور ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم اور تمھارا خدا جا کر لڑو، ہم گھر میں بیٹھے ہیں، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اور آپ کا خدا لڑیں گے، اور ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ لڑیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ﷺ ہمیں برک الغماد تک لے جائیں گے، تب بھی ہم آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ پورے عزم اور جذبے سے مقابلہ کریں گے، تاوقت یہ کہ آپ ﷺ فتح پالیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر مقداد رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: ''لوگو! مجھے مشورہ دو۔'' آپ ﷺ کا اشارہ انصار کی طرف تھا، کیوں کہ ایک تو ان کی اکثریت تھی، دوسرے یہ کہ جب انھوں نے عقبہ میں وفاداری کا عہد کیا تھا تو اس میں صاف طور پر یہ کہا تھا کہ جب تک حضور ﷺ ان کے علاقے سے باہر ہوں گے، ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا کوئی ذمہ نہیں ہوگا، لیکن جب آپ ﷺ ان کے علاقے میں موجود ہوں گے، اس وقت وہ آپ ﷺ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنے بیوی بچوں کی کرتے ہیں۔ اس

Marfat.com

پس منظر میں رسول اللہ ﷺ کا خیال تھا کہ انصار آپ ﷺ کی مدد کے اسی وقت پابند ہیں جب مدینے کی حدود کے اندر دشمن آپ ﷺ کے مدمقابل آئے، اور اگر آپ ﷺ کو مدینے سے باہر جا کر دشمن کا مقابلہ کرنا پڑے تو پھر انصار کے لیے آپ ﷺ کا ساتھ دینا ضروری نہیں، مگر جب آپ ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے تو سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی تصدیق کر دی تو سعد رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوئے: ''ہم آپ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ جو کچھ آپ ﷺ لے کر آئے ہیں، وہ حق ہے اور ہم نے آپ ﷺ سے یہ عہد کیا ہے کہ آپ ﷺ سے جو کچھ سنیں گے، اس کی فوری اطاعت کریں گے، اس لیے آپ ﷺ جہاں بھی جانا چاہتے ہیں، جائیں، ہم آپ ﷺ کا ساتھ دیں گے۔ خدا کی قسم! اگر آپ ﷺ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم سمندر کا سینہ چیر کر دوسری طرف نکل جائیں تو ہم ایسا ہی کریں گے، اور اگر آپ سمندر میں کود پڑیں تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہی چھلانگ لگا دیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم آپ ﷺ کے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہیں۔ ہمیں جنگ کا تجربہ بھی ہے اور مقابلے کا اعتماد بھی حاصل ہے، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعے سے آپ ﷺ کو وہ دکھا دے جس سے آپ مسرور ہوں، آپ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے ہمیں ساتھ لے کر چلیے۔'' سعد رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا اور آپ کو بہت زیادہ اطمینان کا احساس ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''آگے بڑھو اور خوش ہو جاؤ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ دشمن کے دونوں گروہوں میں سے کسی ایک پر مجھے قابو عطا فرمائے گا۔ خدا کی قسم! اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے

Marfat.com

میں دشمن کو زمین پر پڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔'' ❶

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے سپاہیوں کی اطاعت اور شجاعت کا اندازہ کر لیا کہ وہ سب کے سب لڑنے کے لیے کمربستہ اور اسلام کی خاطر قربانی دینے کے جذبے سے سرشار ہیں تو آپ ﷺ نے فوج کو منظم کرنا شروع کیا۔ آپ ﷺ نے سفید رنگ کا ایک علم حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کے سپرد کیا اور سیاہ رنگ کے دو علم حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے حوالے کیے اور حضرت قیس رضی اللہ عنہ بن ابی صعصعہ کو عقبی دستے پر مامور کیا۔ ❷

دوسری طرف قریش کی فوج میں اس وقت اختلافات پیدا ہو گئے، جب عتبہ بن ربیعہ نے مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہونے سے انکار کرتے ہوئے واپس جانے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ فریقین کے درمیان قتل و غارت گری سے احتراز کرنا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان کچھ ایسے لوگ موجود تھے جن کی آپس میں رشتہ داری تھی اور خون کا رشتہ قائم تھا، تاہم ابوجہل لڑنے پر تلا ہوا تھا اور آخرکار اسی کی رائے غالب رہی۔ ❸ مشرکوں نے مسلمانوں کی صحیح تعداد معلوم کرنے کے لیے اپنا ایک جاسوس روانہ کیا۔ ❹ ابوجہل رسول اللہ ﷺ کے خلاف مسلسل ان الفاظ میں دہائی دیتا رہا:

---

❶ الفریڈ گیوم، ص: ۲۹۳۔۲۹۴، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳/۲۶۲۔۲۶۳۔ ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ ابن اسحٰق کی روایت ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: ''اس سے ملتی جلتی متعدد روایات موجود ہیں جن میں بخاری، نسائی اور احمد کی روایات بھی شامل ہیں۔'' ابن کثیر اس بارے میں بخاری اور امام احمد کی روایات کا حوالہ دیتے ہیں کہ مقداد بن اسود نے کیا کہا۔ (فتح الباری: ۷/۲۸۷)، مسند احمد: ۵/۲۵۹، حدیث: ۳۶۹۸ از احمد شاکر۔

❷ ایضاً، ۳: ۲۶۰۔ بغیر سند کے ابن اسحٰق سے۔ ابن قیم، زاد المعاد فی هدی خیر العباد: ۲/۸۵۔

❸ طبری، تاریخ: ۲/۴۲۴، ۴۲۵، ۴۴۳۔ ''حسن'' سند کے ساتھ مروی ہے۔

❹ البدایۃ والنہایۃ: ۲/۲۶۹۔ ابن اسحٰق سے ''جید سند'' کے ساتھ مروی ہے۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ اسحٰق بن یسار کے شیوخ میں صحابہ شامل ہوں۔ اگر یہ بات درست ہو تو پھر یہ حدیث ''صحیح'' ہے، کیوں کہ کسی صحابیؓ سے ناواقفیت کوئی مسئلہ نہیں ہے، بالخصوص اگر بہت سے صحابہ موجود ہوں۔

Marfat.com

''اے خدا! ہم میں سے جو فریق بھی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نامہربان ہو، ہم میں سے اُس پر وہ مسلط کردے جو ہمیں نہیں جانتے، تو کل اسے تباہ و برباد کردے۔''

یہ اس کی التجا تھی جو وہ اپنی کامیابی کے لیے کر رہا تھا اور قرآنِ کریم نے اسے مندرجہ ذیل قرآنی آیت سے محفوظ کیا ہے:

﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَ كُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ ﴾

''اور اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمھارے سامنے آموجود ہوا۔ اور اگر باز آجاؤ تو یہ تمھارے لیے نہایت خوب ہے اور اگر تم پھر وہی کام کروگے تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمھاری جمعیت تمھارے ذرا بھی کام نہ آئے گی، گو کتنی زیادہ ہو۔ اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔'' (الانفال:۱۹) ❶

مسلمانوں کی فوج بدر کے مقام پر پہنچی اور مشرکوں کے آنے سے قبل ہی اس نے اپنے لیے ایک موزوں جگہ کا انتخاب کرلیا۔ ایک ایسے سلسلۂ سند سے جو ''حسن'' ہے اور جس کا سلسلہ عروہ سے جا کر ملتا ہے، ہم تک یہ روایت پہنچی ہے۔ اس کے برعکس ایک ''مرسل'' روایت کے مطابق حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ بدر کے میدان میں اس طرح پڑاؤ ڈالیں کہ پانی کے چشمے پشت پر ہوں تاکہ مشرکین ان چشموں کو استعمال نہ کرسکیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تجویز قبول فرمالی تھی۔ ❷ اگرچہ یہ روایت

---

❶ حاکم، مستدرک: ۲/ ۳۲۸، طبری، تفسیر: ۱۳/۴۵۴۔ دونوں ''صحیح'' سند کے ساتھ ہیں اور عبداللہ بن ابی صعیر اذری جو صغار صحابہ میں سے ہیں، کی حدیث ہے۔ یہ بات ثابت شدہ نہیں ہے کہ انھوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، لیکن صحابہ کی ''مرسل'' علت قادحہ نہیں ہیں، کیوں کہ تمام صحابہ کرامؓ عدول ہیں۔

❷ ابن حجر، الإصابة فی معرفة الصحابة: ۱/۳۰۲۔ یہ روایت ابن اسحٰق کی ہے جن کا کہنا ہے کہ انھوں ⇐

Marfat.com

کمزور ہے، تاہم مشاورت کا اصول قرآنِ کریم کے متن اور سیرت کے واقعات سے ثابت شدہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ اکثر و بیشتر ان معاملات میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے جن میں نہ تو وحی کی رہنمائی حاصل تھی اور نہ سنت ہی میں اس کا کوئی طریقِ کار (بذریعۂ وحی) واضح کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ ایسا اس لیے کیا کرتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمومی مسائل پر غور و خوض کرنے کے بھی عادی ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ انھیں یہ تعلیم بھی دیتے تھے کہ ان کے اندر احساسِ ذمہ داری زیادہ سے زیادہ اجاگر ہو جائے۔ اس طرزِ عمل سے آپ ﷺ کا مقصد یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مشاورت کا دستور رائج کرنے کا جو حکم دیا ہے، وہ حکم بھی نافذ العمل ہو جائے اور اس بارے میں امت کی تعلیم و تربیت ہو جائے کہ وہ اس حکم پر کس طرح عمل درآمد کیا کرے۔

ایک صحیح روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے بدر کے مقام پر، جب مشرک فوج ان کے بالمقابل تھی، رمضان کی سترھویں شب کس طرح گزاری:

> ''اس رات ہم سب سو رہے تھے سوائے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے۔ آپ ﷺ ایک درخت کے قریب کھڑے ہو کر نماز اور دعا میں مشغول رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اسی دوران میں تھوڑی سی بارش بھی ہوئی اور ہم لوگ درختوں کے نیچے پناہ لینے کے لیے دوڑے۔ کچھ لوگوں نے چمڑے کے ٹکڑوں سے اپنے کو ڈھانپا، لیکن رسول اللہ ﷺ پوری رات اپنے رب کے ساتھ راز و نیاز میں مصروف رہے۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے بار بار یہ الفاظ نکلتے تھے: '' اے اللہ! اگر آج یہ مختصر جماعت نیست و نابود ہو گئی تو پھر

⇐⇐ انھوں نے اسے سنا ہے۔ مستدرک میں حاکم کی ایک روایت ہے۔ (۲: ۴۲۶، ۴۲۷) جس کی سند میں ایسے افراد شامل ہیں جن کے حالات ہمیں دستیاب نہ ہو سکے، تاہم ذہبی کا کہنا ہے کہ یہ ''منکر'' حدیث ہے۔ ابن ہشام نے ابن اسحٰق کے حوالے سے ایسی سند کے ساتھ اس روایت کا ذکر کیا ہے جس میں ابہام ہے۔ اگر ''مبہم'' کے بارے میں معلوم ہوتا تو سند، ''حسن'' ہوتی۔

Marfat.com

تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔'' جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی: ''اللہ کے بندو! نماز کے لیے آؤ۔'' لوگ درختوں کے نیچے سے اُٹھ کر اور چمڑے کی چادریں پھینک کر نماز کے لیے جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم سب کو نماز پڑھائی اور جنگ کے لیے ہمارے حوصلے بلند فرمائے۔ ❶

ایک ضعیف روایت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جنگ کی تیاری اور سپاہیوں کو مختلف مقامات پر تعینات کرنے کا کام رات کو کیا گیا تھا۔ ❷ قرآنِ کریم کی ایک آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس روز بدر کے مقام پر بارش ہوئی تھی:

﴿ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝ ﴾

''اس وقت کو یاد کرو، جب اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، اپنی طرف سے چین دینے کے لیے اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا، تاکہ اس پانی کے ذریعے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسے کو دفع کر دے اور تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمھارے پاؤں جما دے۔'' (الانفال:۱۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ فوج رات بھر مکمل آرام کرے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ پوری رات ان کی حفاظت کی خاطر جاگتے رہے۔ ۱۷ رمضان کی صبح رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوج کو، جو لڑنے کے لیے بالکل تیار اور تازہ دم تھی، مختلف صفوں

---

❶ احمد، مسند، ''صحیح'' سند کے ساتھ۔ (الفتح الربانی: ۳۰/۲۱۔۳۲)

❷ تحفۃ الاحوذی: ۳۲۴/۵، ۳۲۵۔ ترمذی کی سند میں محمد بن حمید رازی شامل ہیں جو ''ضعیف'' ہے اور سلمہ بن فضل الابرش شامل ہے جو ''صدوق'' ہے، لیکن ابن حجر نے تقریب میں ذکر کیا ہے کہ کثرت سے غلطیاں کرتا ہے۔ یہ روایت اتنی مضبوط نہیں ہے کہ امام احمد کی روایت کا مقابلہ کر سکے۔

Marfat.com

میں ترتیب دیا۔ ❶ یہ جنگ کا ایک نیا طریقہ تھا جو عربوں کے اس عام طریقۂ جنگ سے مختلف تھا، جس میں حملہ کر کے پیچھے ہٹنا ہوتا ہے۔ مشرکین نے اس موقع پر بھی وہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ صفوں کی ترتیب کے اس طریقے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے مقتولین کی تعداد بہت کم رہی۔ اس طرح مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کو جس قلتِ تعداد کا سامنا تھا، اس کا کچھ نہ کچھ تدارک ہوگیا۔ اس جدید طرزِ جنگ میں ایک بڑا فائدہ یہ پوشیدہ تھا کہ پوری فوج ہمہ وقت سپہ سالار کے مکمل اختیار اور نگرانی میں رہی جس سے وہ فوج کے عقبی دستے کو محفوظ رکھنے میں کامیاب رہا، کیوں کہ سپہ سالار ناگہانی اور اتفاقی حالات میں کام آنے والی فوج کو ہمیشہ عقب میں رکھتا ہے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک چبوترہ بنایا گیا تھا، جہاں سے آپ نے جنگ کی نگرانی فرمائی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ ❸ کی تجویز پر یہ محفوظ چبوترہ بنایا گیا تھا جو یہ بات ثابت کرتا ہے کہ دورانِ جنگ میں سپہ سالار کے لیے حفاظتی اقدامات کرنے کی کیا اہمیت ہے۔

جب مشرکوں کی فوج مسلمانوں کی جانب بڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوج کو یہ ہدایت جاری فرمائی: ''جب تک میں حکم نہ دوں، تم میں سے کوئی حملہ نہ کرے۔'' مشرکوں نے پیش قدمی کی اور رسول اللہ ﷺ نے قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَسَارِعُوٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾

''اور دوڑو مغفرت کی طرف جو تمھارے پروردگار کی جانب سے ہو اور جنت کی طرف جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین وہ تیار کی گئی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے۔'' (آل عمران:۱۳۳)

---

❶ احمد، مسند، صحیح سند کے ساتھ۔ (۵: ۴۲۰) ہیثمی، مجمع الزوائد: ۶/ ۵۷۔ ''صحیح'' سند کے ساتھ امام احمد کی روایت ہے۔

❷ محمود شسیت خطاب، الرسول القائد، ص: ۷۸، ۷۹۔

❸ ابن حجر، فتح الباری: ۷/ ۲۸۷۔ بخاری کی روایت ہے۔

Marfat.com

جب حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو دریافت کیا: ''یا رسول اللہ! کیا جنت کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ''ہاں''۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بے ساختہ بولے: ''کیا خوب ہے اور کیا عمدہ ہے۔'' رسول اللہ نے دریافت فرمایا: ''تم نے کس بناء پر ان تاثرات کا اظہار کیا ہے؟'' حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! صرف اس بنا پر کہ یہ میری شدید خواہش ہے کہ میں اہل جنت کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا شمار اہل جنت میں ہے۔'' حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اپنے ترکش میں سے کچھ کھجوریں نکال کر کھانے لگے، پھر خود ہی بولے: ''اگر میں ان کھجوروں کے ختم ہونے تک بھی زندہ رہوں تو یقیناً یہ ایک لمبی مدت ہے۔'' یہ خیال آتے ہی ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور قریش کے خلاف لڑنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ [1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے روز رسول اللہ ﷺ مسلسل دعا اور مناجات میں مصروف رہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بدر کے روز رسول اللہ ﷺ نے مشرک فوج پر نظر ڈالی۔ وہ ایک ہزار لوگ تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد محض ۳۱۹ تھی۔ رسول اللہ ﷺ قبلہ رخ ہو گئے، اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے آگے پھیلا دیے اور ان الفاظ میں اپنے رب کے حضور التجا کی:

> ''مالک! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے، اسے پورا فرما اور مجھے وہ عطا کر جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ مالک! اگر آج تو نے مسلمانوں کے اس قلیل گروہ کو ختم کر دیا تو پھر قیامت تک اس زمین پر تیری پرستش نہ ہوگی۔''

رسول اللہ ﷺ اس کیفیت میں اپنے رب کو پکارتے رہے، آپ ﷺ کا چہرہ قبلے کی جانب تھا اور ہاتھ پھیلے ہوئے تھے، اسی حالت میں آپ ﷺ کی چادر مبارک بھی آپ ﷺ کے کندھوں سے پھسل کر نیچے جا گری، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، آپ ﷺ کی چادر نیچے

---

[1] مسلم، صحیح (شرح از محمد فؤاد عبدالباقی)، ۳: ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، حدیث نمبر: ۱۹۰۱۔

Marfat.com

سے اٹھائی اور اسے دوبارہ آپ ﷺ کے شانوں پر پھیلا دیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پشت کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو گلے لگایا اور عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور بہت الحاح و زاری کی ہے، اللہ تعالیٰ یقیناً وہ وعدہ پورا فرمائے گا جو اس نے آپ سے کیا ہے۔''

اس کے بعد قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ ﴾

''اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمھاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے۔'' (الانفال:۹)

اور آپ کی کمک کے لیے فرشتے بھیجے گئے۔ ❶ رسول اللہ ﷺ اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے اور فرمایا:

﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ ﴾

''عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پھر پیٹھ دکھا کر بھاگے گی۔'' ❷

(القمر:۴۵)

رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس لڑائی میں حصہ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''بدر کے روز ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پناہ لیتے تھے، وہ ہم میں سے دشمن کے سب سے زیادہ قریب تھے اور اس روز آپ ﷺ ان لوگوں میں بہادر ترین شخص تھے جو وہاں موجود تھے۔'' ❸

---

❶ نووی، شرح صحیح مسلم: ۱۲/۸۴، ۸۵۔

❷ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ابن حجر، فتح الباری: ۷/۲۸۷۔

❸ احمد، مسند: ۲/۲۲۸۔ احمد شاکر کا کہنا ہے کہ یہ ''صحیح'' ہے۔

Marfat.com

لڑائی کا آغاز انفرادی مقابلے سے ہوا۔ سب سے پہلے عتبہ بن ربیعہ اپنے بیٹے ولید اور اپنے بھائی شیبہ کے ساتھ سامنے آیا اور اس نے مسلمان فوج کو للکارا۔ انصار کے چند نوجوان مقابلے کے لیے آئے۔ تو مشرکین نے یہ کہہ کر مقابلے سے انکار کردیا کہ وہ اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے لڑنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کو حکم دیا کہ وہ مقابلے میں نکلیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کا کام تمام کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو قتل کیا اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ولید کے ساتھ مقابلہ کیا جس کے نتیجے میں دونوں زخمی ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے آئے اور ولید کو قتل کیا اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو واپس اپنے ٹھکانے پر لے گئے۔ ❶

اس انفرادی مقابلے نے قریش کو بری طرح متاثر کیا اور انھوں نے عام حملہ کردیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ تیروں سے مشرکین کا مقابلہ کریں۔ تیروں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کے لیے آپ ﷺ نے یہ ہدایت جاری فرمائی کہ: ''جب دشمن بالکل نزدیک آجائے، اس وقت اسے اپنے تیر کا نشانہ بناؤ اور اپنے تیروں کو کفایت شعاری کے ساتھ استعمال کرو۔'' ❷ عروہ اور قتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف کچھ کنکریاں پھینکیں اور اس قرآنی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت مستند ہے: ❸

﴿ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ ﴾

---

❶ ابوداؤد، سنن: ۴/۴۹۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ ''صحیح'' ہے۔ (فتح الباری: ۷/۲۹۸)

❷ ابن حجر، فتح الباری: ۷/۳۰۶۔ بخاری کی روایت ہے۔

❸ طبری، تفسیر: ۱۳/۴۴۲، ۴۴۳۔ دو ''صحیح'' سندوں کے ساتھ روایت ہے جن کا سلسلہ عروہ اور قتادہ سے جا کر ملتا ہے، لیکن دونوں ''مرسل'' ہیں۔ دونوں ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں، کیوں کہ اگر ایک ''مرسل'' حدیث کی مختلف اسناد ہوں تو وہ زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

''اور آپ ﷺ نے خاک کی وہ مٹھی نہیں پھینکی، لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی تا کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب بدلہ دے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔'' (الانفال:۱۷)

دونوں طرف سے فوجیں جنگ میں کود پڑیں اور مشرکوں کے بڑے بڑے سردار مارے گئے جن میں ابوجہل عمرو بن ہشام بھی شامل تھے، جسے رسول اللہ ﷺ نے ''اس قوم کا فرعون'' ❶ قرار دیا تھا۔ اسے حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ یہ دونو جوان صحابی تھے جو ابوجہل کو نہ پہچانتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں ان کی راہ نمائی فرمائی اور ابوجہل کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔ نوجوان صحابیوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ابوجہل کو قتل کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ دونوں لڑکوں نے اسے زخمی کیا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ ❷

ایک اور مشرک سردار جو اس لڑائی میں مارا گیا، وہ اُمیہ بن خلف تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسے اور اس کے بیٹے علی کو جنگ کے اختتام پر قیدی بنالیا تھا، مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اُمیہ کو جالیا۔ یہ وہی امیہ تھا جس نے مکہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اوپر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسے دیکھتے ہی پکار اُٹھے: ''اُمیہ بن خلف، کافر اعظم! اب میں زندہ رہوں گا یا یہ رہے گا۔'' انھوں نے مدد کے لیے انصار کو پکارا اور ان سب نے مل کر امیہ اور اس کے بیٹے کو ٹھکانے لگا دیا۔ ❸

قرآنِ کریم اور حدیث کی رو سے یہ حقیقت مسلّمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے معرکے

---

❶ ہیثمی، مجمع الزوائد، طبرانی کے حوالے سے، جن کا کہنا ہے کہ: ''ان کے افراد صحیح ہیں سوائے محمد بن وہب بن ابو کریمہ کے جو تقریب کے بیان کے مطابق ''ثقہ'' یا ''صدوق'' ہیں۔ ۶:۲۱۶۔

❷ ابن حجر، فتح الباری: ۲۹۳، ۲۹۶، ۳۲۱، مسلم، شرح النووی: ۱۲/۱۵۹، ۱۶۰۔

❸ ابن حجر، فتح الباری: ۴/۴۸۰۔ بخاری کی روایت ہے۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳/۲۸۶۔ ''صحیح'' سند کے ساتھ ابن اسحٰق کی روایت ہے۔

Marfat.com

میں مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتے بھیجے اور ''صحیح'' روایات بھی اس امر کی تائید کرتی ہیں کہ بدر کے میدان میں فرشتوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کی۔ متعلقہ قرآنی آیات یہ ہیں:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ o اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ o بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ o وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ o ﴾

''اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو بدر میں منصور فرمایا، حالاں کہ تم بے سروسامان تھے۔ سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم شکر گزار رہو، جب کہ آپ ﷺ مسلمانوں سے یوں فرما رہے تھے کہ کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمھارا رب تمھاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو اتارے جائیں گے۔ ہاں، کیوں نہیں اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آ پہنچیں گے تو تمھارا رب تمھاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے، جو ایک خاص وضع بنائے ہوئے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لیے کی کہ تمھارے لیے بشارت ہو اور تاکہ تمھارے دلوں کو قرار ہو جائے اور نصرت صرف اللہ کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکیم ہیں۔''

(آل عمران: ۱۲۳ تا ۱۲۶)

ایک دوسرے مقام پر کہا گیا ہے:

﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ o وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ

Marfat.com

﴿ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ ﴾

''اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمھاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لیے کی کہ بشارت ہو اور تمھارے دلوں کو قرار آ جائے اور نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکمت والا ہے۔'' (الانفال:۹،۱۰)

اس سے پہلی آیت میں کہا گیا ہے:

﴿ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○ ﴾

'' جب آپ ﷺ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمھارا ساتھی ہوں، سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ۔ میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں، سو تم (کفار کی) گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔''

(الانفال:۱۲)

آیت بالا میں لفظ ﴿ اضربوا ﴾ (کاری ضرب لگاؤ) فرشتوں کی طرف بھی منسوب کیا جا سکتا ہے، لیکن طبری نے اسے مومنوں کی طرف خطاب قرار دیا ہے اور یہ وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے مومنوں کو تعلیم دی ہے کہ دشمن پر کیسے ضرب لگائی جائے۔ [1] حدیث درج ذیل ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں:

''اس روز ایک مسلمان کسی کافر کا تعاقب کر رہا تھا۔ یکا یک اس نے ایک ایسی آواز سنی جیسے کسی نے کافر کو کوڑے کے ذریعے زور سے مارا ہو پھر اسے کسی سوار کی آواز آئی: ''آگے بڑھو حیزوم! [2] مسلمان نے جب کافر پر نظر ڈالی تو

---

[1] طبری، تفسیر: ۱۳/۴۳۰۔ [2] فرشتے کے گھوڑے کا نام۔

Marfat.com

وہ پشت کے بل زمین پر بے حس وحرکت پڑا تھا۔ مسلمان نے جب اس پر غور سے نظر ڈالی تو دیکھا کہ اس کی ناک پر زخم کا نشان ہے اور چہرے کا گوشت اس بری طرح پھٹ گیا ہے جیسے کسی نے نہایت طاقت سے چہرے کے اوپر کوڑا رسید کیا ہو، اس کے چہرے کا رنگ مکمل طور پر سبزی مائل ہو چکا تھا۔ ایک انصاری صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم سچ کہتے ہو، یہ ایک مدد تھی جو تیسرے آسمان سے آئی تھی۔ ❶

ایک انصاری صحابی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو گرفتار کرلیا اور رسول اللہ کی خدمت میں لے کر آئے۔ قیدی نے کہا: ''یا رسول اللہ! خدا کی قسم! مجھے اس شخص نے گرفتار نہیں کیا، بلکہ مجھے ایک ایسے شخص نے گرفتار کیا ہے جو گنجا تھا، ❷ لیکن بے حد وجیہہ چہرے کا مالک تھا اور چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا۔ وہ مجھے اس وقت یہاں لوگوں کے درمیان نظر نہیں آ رہا ہے۔'' انصاری صحابی نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اسے میں نے گرفتار کیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے جواباً فرمایا: ''خاموش رہو! اللہ تعالیٰ نے ایک معزز اور مکرم فرشتے کے ذریعے تمھاری مدد کی ہے۔'' ❸

اموی کی مغازی میں یہ حدیث ہے، جس کی سند ''حسن'' ہے:

''جب رسول اللہ ﷺ اپنے خیمے میں تشریف فرما تھے تو آپ ﷺ کو تھوڑی دیر کے لیے اونگھ آ گئی۔ جب آپ ﷺ کی آنکھ کھلی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر! خوش ہو جاؤ، تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آ گئی ہے۔ یہ جبریل ہیں، عمامہ باندھے ہوئے ہیں اور اپنے گھوڑے کی لگامیں پکڑے ہوئے ہیں، گرد کا ایک بادل ان کے اوپر چھایا ہوا ہے، خدا کی مدد اور

---

❶ شرح النووي علی مسلم ۱۲/۸۵۔۸۶۔

❷ النهاية ۱/۲۸۴۔ ❸ احمد، مسند: ۲/۱۹۴۔ احمد شاکر کا کہنا ہے کہ ''اس کی سند صحیح ہے۔'' ہیثمی کہتے ہیں: ''اس کے افراد صحیح ہیں سوائے حارثہ بن مضرب کے کہ وہ ثقہ ہیں۔'' (مجمع الزوائد: ۶/۷۵، ۷۶)۔

Marfat.com

کمک تمھارے لیے آن پہنچی ہے۔'' ❶

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا:

''اہل بدر کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم انھیں تمام مسلمانوں میں بہترین سمجھتے ہیں (یا اس سے ملتا جلتا تأثر ظاہر کیا)۔''

جبریل علیہ السلام نے عرض کیا:

''اور اسی طرح ہم بھی ان فرشتوں کو بہترین گردانتے ہیں جنھوں نے بدر کے موقع پر معاونت کی۔'' ❷

غزوۂ بدر میں فرشتوں کی شرکت کے بارے میں یہ ''صحیح'' روایات ہیں۔ سبکی نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ جبریل علیہ السلام، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تن تنہا مشرکوں کو تباہ و برباد کر سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ بہت سے فرشتے آئیں۔ ان کے خیال میں ایسا اس لیے کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے ہی جنگ کا عمل پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ فرشتوں کو صرف ان کی مدد اور فوج کی کمک کے طور پر بھیجا گیا تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے اسباب کا جو سلسلہ رکھا ہے، اسے بھی برقرار رکھا۔ تمام اسباب کے پیچھے اللہ ہی کی قوت کارفرما ہے اور وہی ہر کام بہتر جانتا ہے۔ ❸

بعض مسلمان مصنفین کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں کی شرکت کا حوالہ دینے سے گریز کریں۔ اس قسم کا گریز مادہ پرستانہ سوچ کی علامت ہے جو صرف محسوسات پر یقین رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ فرشتوں پر بھی یقین رکھا جائے۔

---

❶ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۸۴/۳۔ البانی نے غزالی کی فقہ السیرۃ کی شرح میں اسے ''حسن'' قرار دیا ہے۔

❷ ابن حجر، فتح الباری: ۳۱۱/۷، ۳۱۲۔

❸ ایضاً: ۳۱۳/۷۔ سبکی کے تبصرے سے اسلام کے اس تصور کی وضاحت ہوتی ہے کہ حصولِ مقاصد کے لیے فطرت کے اصولوں اور معاشرتی قوانین کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے انسانی کوشش پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اس تبصرے سے اسلام کا واضح تصور اور اس کی گہری بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

Marfat.com

غزوۂ بدر میں مشرک دھڑا دھڑ گرنے شروع ہوگئے یہاں تک کہ ۷۰ مشرک مارے گئے اور ۷۰ ہی گرفتار ہوئے۔ ❶ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ شروع ہونے سے قبل ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نام لے کر بتا دیا تھا کہ فلاں شخص اس مقام پر گرے گا، اور فلاں شخص اس مقام پر۔ ان سب کی موت اسی طرح واقع ہوئی جس طرح آپ ﷺ نے نشان دہی فرمادی تھی۔ ❷ آہستہ آہستہ مشرکین نے میدانِ جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا اور بڑی تعداد میں مالِ غنیمت چھوڑ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ مشرکین کی لاشوں کو بدر کے گڑھوں میں ایک ساتھ دفن کر دیا جائے۔ آپ نے تین روز بدر میں قیام فرمایا اور مسلمان شہداء کی تدفین فرمائی۔ شہداء کی تعداد چودہ تھی جن کے نام متعلقہ مآخذ میں موجود ہیں۔ ❸ ابن حجر نے الإصابة ❹ میں دو ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ متعلقہ مآخذ میں یہ ذکر موجود نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان شہداء کی نمازِ جنازہ ادا کی یا نہیں۔ آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ شہداء کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔ تمام شہداء کو بدر کے میدان ہی میں دفن کر دیا گیا اور کسی ایک کو بھی اس غرض سے وہاں سے نہ لایا گیا کہ اسے مدینے میں دفن کیا جائے گا۔

بدر میں قیام کے تیسرے روز، رسول اللہ ﷺ ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے جس میں قریش کے چوبیس سرداروں کی لاشیں ایک ساتھ دفن کی گئی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان سرداروں میں سے ایک ایک کو ان کے اپنے ناموں اور ان کے باپوں کے ناموں کے ساتھ پکارا اور ان سے یوں مخاطب ہوئے: ''کیا تم اللہ اور اس کے رسول کے (اس طرح) فرماں بردار بن کر خوش ہو؟ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ جتنے وعدے کیے تھے وہ سب پورے ہوئے!'' یہ خطاب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! آپ ان

---

❶ نووی، شرح صحیح مسلم: ۱۲/۸۶، ۸۷۔

❷ احمد، مسند: ۱/۲۳۲۔ یہ سندِ ''صحیح'' ۔

❸ ابن ہشام، سیرۃ: ۲/۲۴۸، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳/۳۲۷۔

❹ ابن حجر، الاصابۃ: ۳/۳۲۸، ۶۰۸۔ وہ نام یہ ہیں: معاذ بن حارث، ہلال بن معلّٰی بن لوذان۔

Marfat.com

سے کلام کرتے ہیں جن کے اندر جان ہی نہیں ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اسے یہ اسی طرح سن رہے ہیں جس طرح تم سن رہے ہو!''

قتادہ رضی اللہ عنہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ زندگی دی تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سرزنش سن سکیں اور شرمندگی اور ندامت محسوس کر کے ذلت والے عذاب میں گرفتار ہوں۔'' ❶

غزوۂ بدر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کے قافلے کا پیچھا کرنے کا قصد نہیں کیا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ دشمن کے دو گروہوں میں سے ایک پر آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی فوج پر آپ ﷺ کو فتح دے کر اپنا وعدہ پورا فرما دیا تھا۔ ❷

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ مشورہ دیا کہ ان مشرکوں کی زندگیوں کا تحفظ کیا جائے جو معرکۂ بدر میں بادل ناخواستہ شریک ہوئے اور اب انھیں قوم کی ملامت کا خوف تھا۔ ان میں سے کچھ وہ تھے جنھوں نے مکے میں مسلمانوں کی مدد کی تھی۔ ان میں سے جن لوگوں کے نام حضور ﷺ نے گنوائے، وہ عباس بن عبدالمطلب اور ابوالبختری بن ہشام تھے۔ ❸ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان دونوں افراد کو گرفتار کر لیا جائے، لیکن انھیں قتل نہ کیا جائے۔ ❹ عباس بن عبدالمطلب کو قیدی بنا لیا گیا، لیکن ابوالبختری نے لڑنے پر اصرار کیا تھا، اور وہ قتل ہو گیا۔ ❺

---

❶ ابن حجر، فتح الباری: ۳۰۰/۸۔ بخاری کی ایک روایت ہے۔

❷ احمد، مسند: ۳۲۰/۳، ۳۱۳، ۵:۵۔ ایسی سند کے ساتھ جس کے بارے میں احمد شاکر کا کہنا ہے کہ وہ ''صحیح'' ہے۔ ابن کثیر اسے ''جید'' قرار دیتے ہیں اور ترمذی ''حسن'' بتاتے ہیں۔ (ابن کثیر، تفسیر: ۲۸۸/۲، تحفۃ الاحوذی: ۴۷۱/۸)۔

❸ اس شخص کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے مکے میں مسلمانوں کے ساتھ معاشرتی مقاطعے کا معاہدہ توڑا تھا اور ان لوگوں نے مسلمانوں پر تشدد کرنے میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۲۸۵/۳)۔

❹ احمد، مسند: ۷۶/۲، ۷۷۔ بہ سندِ ''صحیح'' جیسا کہ احمد شاکر کا خیال ہے۔

❺ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۸۵/۳، ابن ہشام، سیرۃ: ۶۹/۲، ۷۱۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں مشورہ کیا کہ قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے اور اپنی رائے کی وضاحت کرتے ہوئے عرض کیا: ''فدیے کی جو رقم وصول ہوگی، وہ کفار کے مقابلے میں ہمارے کام آئے گی، اور جہاں تک ان قیدیوں کا تعلق ہے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں قبولِ اسلام کی توفیق عطا فرما دے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا اور عرض کیا: ''یہ کفر کے سردار ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو ترجیح دی کہ ان سے فدیہ لے لیا جائے، مگر اس کے بعد مندرجہ ذیل قرآنی آیات نازل ہوئیں جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید کی گئی تھی:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

''نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کرلیں۔ تم تو دنیا کا اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا حکمت والا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے، اس کے بارے میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی، سو جو کچھ تم نے لیا ہے، اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ۔'' [1] (الانفال: ٦٧ تا ٦٩)

ان آیات میں سردارانِ کفر کو قتل کرنے کے بجائے ان سے فدیہ لینے پر زجر و توبیخ کی گئی ہے، لیکن یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ جو کچھ وصول کیا جا چکا ہے، وہ جائز اور حلال ہے،

---

[1] شرح نووی علی صحیح مسلم: ١٢/ ٨٦، ٨٧۔

Marfat.com

لیکن یہ پابندی اسلام کے ابتدائی زمانے تک ہی محدود تھی، بعد میں امیر کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ قیدیوں کو قتل کر دے، یا ان سے فدیہ لے کر انھیں رہا کر دے، یا انھیں بغیر کسی فدیے کے رہا کر دے، سوائے عورتوں اور بچوں کے، کیوں کہ انھیں قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ ❶

مختلف قیدیوں کا فدیہ مختلف تھا۔ وہ قیدی جو صاحب ثروت تھے، انھوں نے چار ہزار درہم ادا کیے۔ ❷ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابو العاص بن ربیع کا فدیہ ایک ہار کی شکل میں ادا کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے قیدی شوہر کو رہا کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کا احترام کرتے ہوئے وہ ہار بھی واپس کر دیا۔ ❸ اگر کسی قیدی کے پاس فدیہ ادا کرنے کے لیے رقم نہیں تھی تو اس کا یہ فدیہ قرار دیا گیا کہ وہ انصار کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے گا۔ ❹ مسلمانوں کو مال و دولت کی زیادہ پروا نہیں تھی، بلکہ ان کی کوشش یہ تھی کہ دشمن کے حوصلے پست ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان قیدیوں کی رہائی کی بات کرتا تو میں ان تمام قیدیوں کو (بغیر کسی فدیے کے) اس کے حوالے کر دیتا۔'' ❺

انصار چاہتے تھے کہ عباس بن عبدالمطلب کو فدیے سے مستثنیٰ قرار دے دیں، کیوں کہ عباس رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے اور ان کی دادی ان کے اپنے لوگوں میں سے تھیں، مگر رسول اللہ ﷺ نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ: ''ان کے فدیے میں سے ایک درہم بھی کم نہیں کیا جائے گا۔'' ❻ اس معاشرے میں جانبداری کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا تھا، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا کے معاملے میں بھی ایسا سوچنا محال تھا۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے

---

❶ ابن قدامہ مقدسی، المغنی: ۳۷۲/۸، ۳۷۴۔

❷ ہیثمی، مجمع الزوائد: ۹۰/۶۔ وہ کہتے ہیں کہ ''طبرانی نے اسے بیان کیا ہے اور ان کی سند کے افراد ثقہ ہیں۔

❸ احمد، مسند، ایک ''جید'' سند کے ساتھ۔ (فتح الباری: ۱۰۰/۱۴)۔

❹ ایضاً، ایسی سند کے ساتھ جس میں ابی بن عاصم شامل ہیں جو ''صدوق'' ہیں، لیکن غلطیاں بہت کرتے ہیں اور اصرار زیادہ کرتے ہیں۔ مسند: ۴۸/۴۔

❺ ابن حجر، فتح الباری: ۳۲۱/۷۔ بخاری کی ایک روایت ہے۔

❻ ایضاً، ۳۲۱/۷۔ بخاری کی ایک روایت ہے۔

Marfat.com

فیصلے کے آگے سب برابر تھے، اس حقیقت کے باوجود کہ عباس نے رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دی کہ وہ اسلام پر یقین رکھتے ہیں اور بدر کے معرکے میں بادلِ ناخواستہ شریک ہوئے تھے۔ ❶ عباس نے اپنے فدیے کے طور پر ایک سو اوقیہ سونا ادا کیا تھا۔ عقیل بن ابی طالب نے اسّی (۸۰) اوقیہ اور بعض قیدیوں نے صرف چالیس اوقیہ سونا ادا کیا۔ ❷

مالِ غنیمت کے معاملے میں اس لیے اختلافات پیدا ہوئے کہ اس وقت تک اس کی تقسیم قانونی طور پر منضبط نہیں ہوئی تھی۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت روایت کرتے ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کے ارادے سے نکلے اور میں بدر کے موقع پر آپؐ کے ہمراہ موجود تھا۔ جنگ شروع ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے دشمن کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ کچھ مسلمانوں نے دشمن کا تعاقب کیا، کچھ نے غنیمت لوٹنے پر توجہ دی اور کچھ مسلمان ایسے تھے جو مسلسل رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے پہرہ دے رہے تھے تاکہ دشمن کہیں موقع پاکر آپ ﷺ پر حملہ نہ کردے۔ جب رات پڑنے پر تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہوئے تو جن لوگوں نے مالِ غنیمت اکٹھا کیا تھا، انھوں نے کہا: ''غنیمت پر صرف ہمارا حق ہے، کیوں کہ اسے ہم ہی نے اکٹھا کیا ہے۔'' جن لوگوں نے دشمن کا تعاقب کیا تھا، وہ بولے: ''اس پر ہمارا حق زیادہ ہے، کیوں کہ ہم ہی نے دشمن کو دور تک مار بھگایا ہے۔'' اور وہ اصحاب جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کررہے تھے، کہنے لگے: ''غنیمت پر سب سے زیادہ ہمارا حق بنتا ہے۔ ہمیں یہ خدشہ تھا کہ دشمن پلٹ کر اچانک حملہ نہ کردے، اس لیے ہم رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنے کے لیے مستعد کھڑے تھے۔'' اس کے بعد مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ﴾ (الانفال: ۱)

---

❶ طبری، تفسیر: ۱۴/ ۷۳۔ بہ سندِ ''حسن''۔

❷ ابن حجر، فتح الباری: ۷/ ۳۲۲۔ ابونعیم کی کتاب الاوائل سے بہ سندِ ''حسن'' جیسا کہ حافظ ابن حجر کا بیان ہے۔

Marfat.com

''یہ لوگ آپ ﷺ سے اموالِ غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں، آپ ﷺ فرما دیجیے کہ یہ اموالِ غنیمت اللہ اور رسول کے ہیں، سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیا۔ ❶ ''صحیح'' روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس) خود رکھا اور بقیہ فوج میں تقسیم کر دیا۔ ❷ پانچویں حصے یا خمس کے متعلق آیت بھی انھی آیات کے ساتھ نازل ہوئی جن کا تعلق غزوۂ بدر سے ہے:

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ﴾

''اور اس بات کو جان لو کہ جو شے بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور آپ ﷺ کے قرابت والوں کا ہے اور یتیموں، غریبوں اور مسافروں کا ہے......'' ❸

(الانفال: ۴۱)

کم و بیش نو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے جو غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کر سکے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں غنیمت میں سے کچھ حصہ عنایت فرمایا۔ ان میں سے چند ایک صحابہ وہ تھے جنھیں مدینے میں مختلف کاموں پر مامور کیا گیا تھا، کچھ وہ تھے جو بدر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں زخمی ہو گئے تھے اور بقیہ لوگوں کو دیگر خصوصی اسباب کی بنا پر مال غنیمت میں شریک کیا گیا۔ انھی آخر الذکر لوگوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بھی شامل تھے۔ ان کی اہلیہ، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا صاحب فراش تھیں اور حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان

---

❶ احمد نے اسے ''صحیح'' سند کے ساتھ بیان کیا۔ (الفتح الربانی: ۱۴/۴۳/۷) نیز دیکھیے: (النبا کی شرح)

❷ ابن حجر، فتح الباری: ۷/۳۱۶۔ بخاری کی ایک روایت سے۔

❸ دیکھیے: ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳/۳۰۲، ۳۰۳۔

Marfat.com

کی دیکھ بھال کی خاطر مدینے ہی میں ٹھہرنے کا مشورہ دیا تھا۔ ❶ جونہی مالِ غنیمت کی تقسیم کے متعلق آسمانی فیصلہ صادر ہوا، لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور تمام اختلافات رفع ہو گئے۔ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ آ جاتا تھا تو ان لوگوں کا ہمیشہ یہی طرز عمل ہوتا تھا۔ مدینہ واپس آتے وقت، صفراء کے مقام پر مالِ غنیمت کی تقسیم عمل میں آئی۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما مسلم فوج سے پہلے ہی مدینہ پہنچ گئے اور انھوں نے اہل شہر کو فتح کی خوشخبری سنائی تھی۔ مسلمانوں کو اس خبر سے بے پناہ خوشی ہوئی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انھیں یہ خدشہ لاحق تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خبر غلط ہو۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! میں نے اس خبر پر اس وقت تک یقین نہ کیا تھا، جب تک میں نے اپنی آنکھوں سے قیدی نہیں دیکھ لیے۔'' ❷ ہر شخص پر حیرت اور خوشی کا غلبہ تھا۔ کیا واقعی قریش کو شکست ہو گئی ہے؟ ان کے سردار گرفتار ہو گئے ہیں؟ ان کے غرور کا بت ٹوٹ چکا ہے اور کیا واقعی ان کے خداؤں اور ان کے عقائد کا باطل ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا ہے؟ یہ وہ سوالات تھے جو حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ لوگوں کی زبان پر تھے۔ اسی حیرت کے عالم میں رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ حضرت سودہؓ کی نظر ابویزید سہیل بن عمرو پر پڑی جس کے ہاتھ ایک رسی سے اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے بے ساختہ کہا: ''ابویزید! تم نے اتنی جلدی ہتھیار ڈال دیے، تمھیں تو عزت کی موت مرنا چاہیے تھا۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اضطراب پیدا کر رہی ہو؟'' حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، جب میں نے ابویزید کو اس حال میں دیکھا تو اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکی اور وہ کچھ کہہ بیٹھی جو آپ نے سنا ہے۔'' ❸

مدینہ واپس جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ دو قیدیوں کو قتل

---

❶ علیمی، مرویات غزوۃ بدر، ص: ۴۲۰، ۴۲۴۔ ❷ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳۰۵/۳۔

❸ ابن ہشام، سیرۃ: ۳۳۵/۲، بہ سندِ ''صحیح''۔

Marfat.com

کر دیا جائے۔ یہ دو قیدی نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط تھے۔ ❶ ان دونوں نے مکہ میں مسلمانوں پر بے حد مظالم کیے تھے اور انھیں اللہ اور اس کے رسول سے دلی نفرت تھی۔ وہ کفر کے سرداروں میں سے تھے اور جنگ کے مجرم تھے۔ انھیں سزائے موت اس لیے دی گئی کہ ظالموں کو عبرت ناک سبق سکھایا جا سکے۔ عقبہ اپنا تمام غرور اور تکبر بھول کر چلا اُٹھا: ''اے اللہ! کے رسول! کون میرے بچوں کی دیکھ بھال کرے گا؟'' رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ''(جہنم کی) آگ۔'' ❷ کیا عقبہ وہ دن بھول گیا تھا جب اس نے اونٹ کی اوجھڑی لا کر رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک پر رکھ دی تھی، جب کہ آپ ﷺ سجدے کی حالت میں تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دوڑی ہوئی آئی تھیں اور آپ ﷺ کے اوپر سے اوجھڑی ہٹائی تھی۔ ❸

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ قیدیوں کے ساتھ از حد حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آئیں۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس نصیحت پر اس شدت سے عمل کیا کہ ابوعزیز جو اپنے بھائی حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر اور ایک انصاری شخص کے پاس قید تھا، بیان کرتا ہے کہ جب کھانے کا وقت آتا تو وہ دونوں صاحب مجھے روٹی کھلایا کرتے تھے (جو کھانے کا ایک اہم اور قابل قدر حصہ ہوتا تھا)، اور خود کھجوروں پر گزارا کر لیتے تھے۔ گھر میں، اگر جو کی روٹی بھی میسر ہوتی تو وہ ابوعزیز کو پیش کر دی جاتی تھی۔ ابوعزیز نے مزید کہا: ''مجھے اس بات سے شرم آنے لگی کہ میں روزانہ روٹی کھا لیتا ہوں اور میرے مالک کھجور پر گزارا کرتے ہیں، چنانچہ میں نے روٹی واپس کرنے کی کوشش کی، مگر

---

❶ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳۰۵/۳۔

❷ ہیثمی، مجمع الزوائد: ۸۹/۶۔ وہ کہتے ہیں کہ ''طبرانی نے اسے الکبیر اور الاوسط میں بیان کیا ہے۔ اس کی سند کے افراد صحیح ہیں۔'' ابوداود نے بھی بہ سندِ ''حسن'' سنن میں روایت کیا ہے۔ (۵۵:۲)۔

❸ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳۶۶/۳، بہ سندِ ''حسن'' جس کا سلسلہ شعبی سے جا کر ملتا ہے، لیکن یہ ''مرسل'' ہے۔

Marfat.com

انھوں نے لینے سے انکار کر دیا۔'' [1] یہ طرزِ عمل اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلام میں قیدیوں کے نگران کو چاہیے کہ اپنے قیدی کو اچھے سے اچھا کھلانے کی کوشش کرے۔ اس قسم کی مثالیں دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں ہمیں نظر نہیں آئیں گی۔

اگرچہ بدر ایک مختصر معرکہ تھا، تاہم اسلام کی تاریخ میں یہ ایک اہم موڑ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم میں اس معرکے کو ''یومِ فرقان'' کا نام دیا گیا ہے، یعنی حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنے والا دن۔ اس معرکے میں اسلام نے عظیم الشان کامیابی حاصل کی اور مومنوں کے دلوں میں دین نے تمام دنیاوی مفادات، جذبات اور تعلقات کے مقابلے میں برتری حاصل کر لی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے انصار نے اعلان کیا تھا کہ عقیدے کے ساتھ ان کی وابستگی محض اس تحریری معاہدے تک محدود نہیں ہے جو انھوں نے عقبہ کے مقام پر دوسری بیعت کرتے ہوئے کیا تھا۔ وہ تابع فرمان سپاہی ہیں اور بلا کسی حدود و قیود کے دین کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار اور مستعد ہیں۔ جنگ کا آغاز ہوا تو مہاجرین نے دیکھا کہ ان کا سامنا اپنے ہی عزیز و اقارب سے ہے۔ بیٹا باپ کے مقابلے میں ہے تو بھائی بھائی کے خلاف صف آرا ہے، لیکن یہ خونی رشتے انھیں جہاد سے باز نہ رکھ سکے، کیوں کہ عقیدے کا مفاد دیگر تمام تر مفادات اور تعلقات پر بازی لے گیا تھا۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھوں نے اس معرکے میں حصہ لیا، انھیں عز و شرف کا اعلیٰ مقام عطا ہوا اور ''اصحابِ بدر'' کے نام سے پکارے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں، اصحابِ بدر کا مرتبہ سب سے اونچا قرار دیا اور ریاست کی طرف سے ان کے لیے سب سے زیادہ وظائف مقرر کیے۔ سوانح کی کتب میں سب سے پہلے انھی بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ لکھا جاتا ہے۔ انھیں زندگی میں بہترین بدلہ عطا ہوا اور بعد کے تمام ادوار میں ان کا اعزاز و اکرام مسلّم رہا۔

رسول اللہ ﷺ کے مستند اقوال سے اصحابِ بدر کے فضائل اور جنت میں ان کے اعلیٰ مقام کا پتہ چلتا ہے:

---

[1] ایضاً: ۳/۳۰۶، ۳۰۷۔

Marfat.com

''بدر کے روز حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، (اس وقت) وہ نوجوان تھے۔ ان کی والدہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ جانتے ہیں کہ حارثہ مجھے کتنا عزیز تھا۔ اگر وہ جنت میں ہے تو میں اس کی جدائی برداشت کرلوں گی اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اجر کی امید رکھوں گی، لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی صورت ہے تو پھر آپ بتائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے! کیا تم اپنے حواس میں ہو؟ کیا تم سمجھتی ہو کہ جنت صرف ایک ہی ہے؟ یاد رکھو! جنت کے بے شمار درجات ہیں اور تمھارا بیٹا جنت کے سب سے بلند ترین مقام پر ہے۔'' ❶

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی اس لحاظ سے اہم ہے۔ انھوں نے قریش کو اطلاع دی تھی کہ مسلمان مکہ فتح کرنے کی غرض سے آرہے ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ کہتے ہوئے معاف کردیا: ''ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کردے جنھوں نے غزوۂ بدر میں حصہ لیا اور ان کے حق میں یہ فیصلہ فرمادے، جو چاہو سو کرو، جنت اب تمھاری ہے اور میں نے تمھارے تمام گناہ بخش دیے ہیں۔'' ❷ جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے خادم نے حضور ﷺ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! حاطب یقیناً دوزخ میں داخل ہوں گے۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''بالکل غلط! وہ کبھی دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے، کیوں کہ وہ بدر اور حدیبیہ دونوں جگہ شریک رہے ہیں۔'' ❸

غزوۂ بدر کے جو نتائج برآمد ہوئے، انھوں نے مکہ و مدینہ اور جزیرہ نمائے عرب کے بقیہ علاقوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ مدینے میں مسلمانوں کو یہودیوں اور دوسرے

---

❶ ابن حجر، فتح الباری: ۷/۳۰۴، حدیث نمبر: ۳۹۸۲۔

❷ ایضاً: ۷/۳۰۴، ۳۰۵۔

❸ نووی، شرح صحیح مسلم: ۱۶/۵۵۔

Marfat.com

مشرکوں پر برتری حاصل ہوگئی۔ یہودیوں پر سخت مایوسی طاری ہوئی، ان کی نفرت میں اضافہ ہوا اور ان کی نفرت بعد میں کھلی جارحیت کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ مسلمانوں کی اس غیر متوقع کامیابی کو دیکھ کر یہودی غصے سے پیچ و تاب کھانے لگے، انھیں اپنے اقوال اور افعال پر قابو نہ رہا اور ان کا ہیجان انگیز اضطراب اور صدمہ وقتاً فوقتاً ظاہر ہونے لگا۔ ان کی سرکشی اور جارحیت اتنی بڑھ گئی کہ بالآخر وہ مدینے سے بنوقینقاع کی جلاوطنی کا سبب بنی۔

بہت سے لوگ ایسے تھے جو اس واقعے کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کا مقصد محض اپنا مفاد حاصل کرنا تھا، کیوں کہ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اب مسلمانوں کو بالادستی حاصل ہو رہی ہے۔ یہ منافق تھے جنھوں نے ظاہری طور پر تو قبولِ اسلام کا اعلان کر دیا تھا، لیکن دل سے کفر پر قائم تھے۔ ان منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبَي بن سلول تھا۔

قریش مکہ کے لیے اس صورتِ حال پر یقین کرنا بے حد مشکل تھا، ان کے تمام سردار اور چوٹی کے لوگ مارے گئے تھے۔ ایک ''مرسل'' روایت سے پتہ چلتا ہے کہ قریش نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ ممانعت کر دی تھی کہ کسی مرنے والے پر نہ تو رویا جائے اور نہ نوحہ ہی کیا جائے۔ یہ بندش اس لیے لگائی گئی تھی کہ مسلمان ان کے مصائب پر خوشی محسوس نہ کریں، [1] لیکن وہ اپنے مرنے والوں کا انتقام لینے کا پوری طرح عزم کیے ہوئے تھے۔ انھوں نے عمیر بن وہب الجمحی کو یہ منصوبہ دے کر مدینے روانہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دے۔ صفوان بن امیہ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر بدلے میں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تو اس کے اہل خانہ کی دیکھ بھال اور ذمہ داری صفوان کے سر ہوگی۔ عمیر ایک تلوار لے کر مدینہ جا پہنچا۔ جب وہ مسجد نبوی کے قریب جا کر اترا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسے گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اس سے استفسار فرمایا: ''عمیر! کیسے آنا ہوا؟'' عمیر نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ: ۲/۳۴۰۔

Marfat.com

کہا کہ وہ قیدی چھڑانے کی غرض سے آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی آمد کا اصل مقصد بتاتے ہوئے اسے یہ بھی بتایا کہ اس کے اور صفوان کے درمیان کیا بات طے ہوئی تھی۔ یہ سن کر عمیر نے اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ مکہ جا کر وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ ❶ آپ نے اجازت عطا فرما دی۔ اپنے مرنے والوں کا انتقام لینے کے لیے قریش نے دو مسلمان قیدی خریدے جنھیں رجیع کے واقعے میں گرفتار کیا گیا تھا اور ان دونوں کو قتل کر دیا۔ یہ دو قیدی خبیب اور زید بن الدثنہ تھے۔ ❷

---

❶ ابن حجر، الاصابۃ: ۳۶/۳۔ ایک ''مرسل'' حدیث سے جسے عروہ بن زبیر اور زہری نے بیان کیا ہے۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ زہری نے اسے عروہ سے بیان کیا ہو اور آغاز میں دونوں اسناد ایک ہی ہوں، لیکن اس سے ''مرسل'' کو تقویت نہیں ملتی۔

❷ ابن حجر، فتح الباری: ۳۰۸/۷۔ بخاری کی ایک روایت ہے۔

Marfat.com

بدر کے بعد کی مہمات

غزوۂ قرقرۃ الکُدر

مسلمانوں نے قریش کا جو اقتصادی محاصرہ کیا تھا، اسے برقرار رکھنے پر مسلسل اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ کچھ قبائل ایسے تھے جنھیں قریش کی تجارت سے متعدد فوائد حاصل ہوئے تھے، ان قبائل نے مسلمانوں کے خلاف فوج جمع کرنا شروع کردی، مثال کے طور پر بنوسلیم اور غطفان قرقرۃ الکدر کے مقام پر جمع ہوگئے۔ یہ ایک چشمہ تھا جس کا تعلق بنوسلیم سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ فوج لے کر روانہ ہوئے۔ انھوں نے جب یہ سنا کہ رسول اللہ ﷺ فوج لے کر آرہے ہیں تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے چشمے پر حملہ کیا تو وہاں صرف اونٹ تھے۔ آپ ﷺ تین روز وہاں مقیم رہے، اس کے بعد آپ ﷺ واپس مدینے تشریف لے آئے۔ [1] اور ابن سعد نے بغیر کسی سند کے روایت کیا ہے کہ مال غنیمت میں ۵۰۰ اونٹ شامل تھے اور ان کے جنگجوؤں کی تعداد ۲۰۰ تھی۔ [2]

غزوۂ سَوِیق

ابوسفیان غزوۂ بدر کے بعد انتقامی کارروائی کے طور پر ۲۰۰ سوار لے کر مکہ سے نہایت خفیہ طور پر روانہ ہوا اور مدینے کے مضافات میں بنونضیر کے علاقے میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ اس کے بعد اس نے مدینہ کی العُریض نامی وادی پر حملہ کیا جو حرۂ واقم کے کنارے واقع تھی۔ اس نے دو افراد کو قتل کیا، کھجور کے کچھ درخت جلائے اور واپس مکہ فرار ہوگیا۔ مسلمانوں نے قرقرۃ الکدر تک اس کا تعاقب کیا، لیکن اسے پکڑ نہ سکے، البتہ انھیں راستے میں سویق (ایک

---

1. ابن اسحٰق، سیرۃ ابن ہشام: ۴۲۱/۲، بلاسند۔
2. ابن سعد، طبقات: ۳۱/۲۔

Marfat.com

قسم کا کھانا) پڑا ہوا ملا جسے وہ اپنے ساتھ لیتے آئے۔ مشرکوں نے جب دیکھا کہ مسلمان ان کا تعاقب کر رہے ہیں تو وہ اپنے ساتھ لائے ہوئے کھانے کو راستے میں گراتے ہوئے فرار ہوئے تا کہ ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور جلدی فرار ہونا ممکن اور آسان ہو جائے۔ یہی سبب ہے کہ اس مہم کو غزوۂ سویق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ❶

غزوۂ ذُو اَمر

غزوۂ سویق ہجرت کے تیسرے سال ذوالحجہ میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کے ایک ماہ بعد رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف قبیلہ غطفان کے افراد کے خلاف پیش قدمی کی جو ذوامر کے مقام پر جمع ہو گئے تھے، مگر وہ آپ ﷺ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی فرار ہو گئے اور لڑائی کی نوبت ہی نہ آئی۔ آپ ﷺ نے صفر کے مہینے کے دوران میں ان کے علاقے میں قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس تشریف لائے۔ اسے غزوۂ ذوامر کا نام دیا جاتا ہے۔ ❷ واقدی اور ابن سعد مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو ذوامر کے چشمے پر جمع ہوئے تھے، ان کا تعلق بنو ثعلبہ سے تھا جو غطفان کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ اس غزوے میں مسلمان فوج ۴۵۰ جوانوں پر مشتمل تھی۔ اس غزوے کی تاریخ کے متعلق ابن اسحٰق کی رائے مختلف ہے۔ ان کی روایت کے مطابق جمعرات ۱۲ ربیع الاوّل ۳ ھ کو مسلمان فوج ذوامر کی طرف روانہ ہوئی تھی۔ ❸

غزوۂ بحران

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بحران کی طرف فُرُع نام کے ایک مقام پر مہم لے کر روانہ ہوئے جو مکہ اور شام کے درمیان تجارتی شاہراہ پر واقع تھا۔ اس غزوے میں بھی کوئی لڑائی عمل میں نہ آئی۔ ❹ واقدی کا بیان ہے کہ اس مہم کے دوران میں رسول اللہ ﷺ

---

❶ ابن اسحٰق، بہ سندِ "صحیح" جس کا سلسلہ عبداللہ بن کعب بن مالک سے جا کر ملتا ہے، لیکن یہ "مرسل" ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۴۴۲/۲، ۴۴۳، ابن سعد، طبقات: ۳۰/۲، بلا سند)۔

❷ ابن اسحٰق، سیرۃ ابن ہشام: ۴۲۵/۲، بلا سند۔

❸ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴/۲، ابن سعد، طبقات: ۳۴/۲۔ ❹ ابن اسحٰق، سیرۃ ابن ہشام: ۴۲۵/۲، بلا سند

Marfat.com

دس روز مدینے سے باہر رہے۔ ❶ ابن سعد کا بیان ہے کہ مسلمان فوج کی تعداد ۳۰۰ کے قریب تھی۔ ❷

غزوۃ القَرَدہ

قریش نے مسلمانوں کے اقتصادی حصار سے بچ کر نجد کی طرف جانے والے تجارتی راستہ کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔ ابوسفیان اور قریش کے دیگر تاجر ایک قافلہ لے کر اس نئے راستے پر نکلے۔ یہ قافلہ چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ لے کر جارہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر روانہ کیا۔ انھوں نے القرَدہ نامی ایک چشمے پر اس قافلے کو جالیا تھا۔ قریش انھیں دیکھتے ہی فرار ہوگئے اور پورا سامان مالِ غنیمت کے طور پر چھوڑ گئے۔ یہ واقعہ بدر کے عظیم الشان معرکے کے چھ ماہ بعد پیش آیا تھا۔ ❸ ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سو سپاہی تھے۔ قریش کے قافلے کے ساتھ چاندی کا جو ذخیرہ تھا اس کا وزن تیس ہزار سکوں (درہم) کے مساوی تھا جس کی مقدار ایک ہزار درہم کے برابر تھی۔ ❹ اس مہم کا یہ اثر ہوا کہ قریش کی وہ منصوبہ بندی خاک میں مل گئی جو انھوں نے نئی تجارتی شاہراہ دریافت کرنے کے لیے کی تھی۔ اس طرح مسلمانوں نے قریش کا جو اقتصادی محاصرہ کیا ہوا تھا، وہ مزید مستحکم ہوگیا اور مکے کی اقتصادیات پر جو سراسر تجارتی بنیادوں پر استوار تھی، اس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ قریش کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ تھا کہ وہ اپنی معاشی زندگی اور اپنی ساکھ بچانے کے لیے کوئی فیصلہ کن قدم اُٹھائیں۔

---

❶ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴/۳۔

❷ ابن سعد، طبقات: ۳۵/۲، بلاسند۔

❸ ابن اسحٰق، سیرۃ ابن ہشام: ۴۲۹/۲، ۴۳۰، بلاسند، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴/۵۔

❹ ابن سعد، طبقات: ۳۶/۲، بلاسند۔

Marfat.com

غزوۂ اُحد

اُحد اس پہاڑ کا نام ہے جس کے دامن میں یہ غزوہ پیش آیا، اس لیے اس غزوے کو غزوۂ اُحد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی بلندی ۱۲۸ میٹر تھی جب کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ اب اس کی بلندی ۱۲۱ میٹر بتائی جاتی ہے، یہ پہاڑ مسجد نبوی کے بابِ مجیدی سے مدینے کے شمال کی جانب ساڑھے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ پہاڑ سرخ پتھر کا ہے اور اس کی متعدد چوٹیاں ہیں۔ اس کے جنوب میں ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جس کا نام عینین ہے۔ غزوۂ اُحد کے بعد اس پہاڑ کو جبل الرماۃ (تیراندازوں کا پہاڑ) کا نام دے دیا گیا۔ دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک وادی ہے جس کا نام وادی قناۃ ہے۔

غزوۂ بدر کو ابھی ایک سال اور ایک ماہ بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ قریش نے مدینے پر حملہ کرنے کی غرض سے مہم روانہ کردی، جس کے نتیجے میں غزوۂ اُحد واقع ہوا۔ اُن کے پیشِ نظر اس مہم کا ایک مقصد تو مقتولینِ بدر کا انتقام لینا تھا، دوسرا مقصد یہ تھا کہ شام کو جانے والے تجارتی راستے پر سے مسلمانوں کا تسلط ختم کردیا جائے، اور تیسرا مقصد یہ تھا کہ بدر کے موقع پر ذلت آمیز شکست کھانے سے قریش کے وقار کو جو ٹھیس پہنچی تھی اور عربوں میں ان کی جو کمزوری ظاہر ہوئی تھی، اس کا تدارک کیا جائے۔ سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ غزوۂ اُحد شوال ۳ ھ میں واقع ہوا، لیکن وہ کوئی متعین تاریخ بتانے سے قاصر ہیں۔ اس بارے میں جو معروف ترین روایات پائی جاتی ہیں، ان کی رو سے یہ غزوہ شوال کے وسط میں سنیچر کے روز میں پیش آیا تھا۔ [1]

---

[1] غزوۂ اُحد کی روایت خلیفہ بن خیاط سے زہری اور یزید بن رومان کے حوالے سے ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس کے کچھ راوی "مجہول" ہیں۔ (خلیفہ، تاریخ: ۹۷) طبری نے عکرمہ کے حوالے سے ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں حسین بن عبداللہ ہاشمی شامل ہیں اور یہ "ضعیف" ہیں۔ (طبری، تفسیر: ۳۹۹/۷) یہ روایت اپنی کمزوریوں کے باوجود اپنے مضمون میں درست اور قوی ہے۔

Marfat.com

ابن اسحٰق اپنے چند اساتذہ کی سند پر روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں شکست کھانے کے فوراً بعد ہی قریش مکہ نے اس معرکے کے لیے زور شور سے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ انھوں نے اس تجارتی قافلے کو جو مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ کر نکل گیا تھا ❶ اور اس سے حاصل ہونے والے تمام منافع کو فوج کی تیاری کے لیے مختص کر دیا تھا۔ ❷ ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ قریشی فوج میں آٹھ خواتین شامل تھیں (ابن اسحٰق نے ان خواتین کے نام بھی دیے ہیں)، جب کہ واقدی کا خیال ہے کہ ان خواتین کی تعداد ۱۴ تھی اور واقدی نے ان تمام خواتین کے نام جمع کیے ہیں۔ ❸ قریشی فوج تین ہزار افراد پر مشتمل تھی جن میں دو سو گھوڑ سوار تھے۔ سواروں کے اس دستے پر دائیں جانب خالد بن ولید اور بائیں جانب عکرمہ بن ابی جہل متعین کیے گئے تھے۔ ❹ فوج کے ساتھ سات سو جوان زرہیں پہنے ہوئے تھے۔ ❺

مشرکوں کی فوج میں قبیلۂ قریش کے علاوہ قبیلہ کنانہ اور قبیلہ تہامہ کے لوگ بھی شامل تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو قریش کے پیروکار تھے۔ ❻ مسلمانوں کو اس بات کا علم تھا کہ قریش مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آرہے ہیں۔ اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ نے ایک خواب دیکھا۔ انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں اور وحی کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا یہ خواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنایا:

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ: ۱/۳۔ ابن اسحٰق کے شیوخ ایسے راویوں کو شامل کرتے ہیں جو ''ثقہ'' ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان راویوں کو بھی جگہ دیتے ہیں جو ''ضعیف'' ہیں۔ انہوں نے ان تمام روایات کو کسی امتیاز کے بغیر جمع کر دیا ہے۔ کچھ راوی ایسے ہیں جو کم تر درجے کے تابعی ہیں اور ان کی ''مرسل'' اور ''ضعیف'' دونوں قسم کی روایات ہیں لیکن اس قسم کی روایات کو عام طور پر قبول کرلیا جاتا ہے۔

❷ واقدی، محمد بن عمر، مغازی، ۱: ۲۰۰

❸ ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۶، (بلاسند): واقدی، مغازی، ۱۵۸۔ واقدی ''ضعیف'' ہیں۔

❹ ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۸۔۱۲، ابن اسحاق کی ایک روایت ہے بغیر سند کے۔ طبری، تاریخ ۳: ۵۰۴، واقدی کی ایک روایت ہے۔ اس مسئلے کے متعلق کوئی ''صحیح'' روایت موجود نہیں ہے۔ یہ روایات اخباریوں کی ہیں جنھیں اس قسم کی تفصیلات سے دلچسپی ہوتی ہے۔

❺ طبری، تاریخ، ۳: ۵۰۴، واقدی کی ایک روایت ہے۔

❻ ابن اسحاق، (بلاسند): ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۴: واقدی، مغازی، ۱: ۱۰۱

Marfat.com

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک تلوار لہرائی اور وہ درمیان سے ٹوٹ گئی۔ یاد رکھو! یہ اس بات کی علامت ہے کہ غزوۂ اُحد کے روز مسلمانوں کو کچھ نقصان اُٹھانا پڑے گا، پھر میں نے دوبارہ تلوار لہرائی تو پہلے سے کہیں زیادہ اچھی حالت میں ہوگئی۔ یاد رکھو! یہ فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے جسے اللہ تعالیٰ بہت جلد سامنے لانے والا ہے اور میں نے مویشی دیکھے (جنھیں ذبح کیا جا رہا تھا)، لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو اجر ملنے والا ہے، وہ دنیوی منافع سے بہت بہتر ہے۔ یاد رکھو! ان مویشیوں سے مراد غزوۂ اُحد کے مومن ہیں [جو شہید ہوگئے]۔'' ❶ رسول اللہ ﷺ نے اس خواب کی یہ تعبیر فرمائی کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شکست کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان کی بڑی تعداد شہید ہوگی۔ ❷ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں، اس زرہ کو میں نے مدینے سے تعبیر کیا۔'' ❸

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کہ آیا انھیں مدینہ میں رہ کر اپنی پوزیشن مستحکم کرنا چاہیے یا مدینہ سے باہر نکل کر قریش کا مقابلہ کرنا چاہیے؟ مدینہ شہر اپنی عمارتوں کی کثرت کی وجہ سے ایک قلعے کی مانند تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک محفوظ پناہ گاہ میں ہوں۔'' ❹ انصار کے کچھ لوگوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں تو یہ بات اچھی نہیں لگے گی کہ ہم مدینے کی گلیوں میں مارے جائیں۔ ہم نے تو زمانۂ جاہلیت میں بھی کسی کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ مدینہ میں ہم پر حملہ کرے، اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے

---

❶ امام بخاری کی روایت ہے (فتح الباری، ۷:۳۷۴)۔

❷ امام احمد کی روایت ہے (الفتح الربانی، ۲۱:۵۰۔ ساعاتی کا کہنا ہے کہ اس کی سند ''صحیح'' ہے)۔ مزید ملاحظہ کیجیے: الفتح الربانی میں دیگر روایات، ۲۱:۵؛ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ۲:۴۵۔ دونوں روایات ایک ایسی سند کے ساتھ ہیں جس میں ''ثقہ'' افراد شامل ہیں اور ابوزبیر کا ''عنعنہ'' بھی شامل ہے، جو ''مدلس'' ہے۔

❸ ایضاً۔ ❹ عبدالرزاق صنعانی، المصنف، ۵:۳۶۳۔

Marfat.com

ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا ہے تو ہم کیسے اس بات کو پسند کر سکتے ہیں، اس لیے ہم آپ کو یہی مشورہ دیتے ہیں کہ مدینہ سے باہر جا کر قریشی افواج کا سامنا کریں۔ (اور ہم مدینے سے باہر نکل کر جنگ کریں گے۔)'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ اب لوگوں نے انصار کو ملامت کرنا شروع کر دیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک تجویز پیش کی اور تم ہو کہ اس سے مختلف رائے دے رہے ہو! لوگوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اے حمزہ! تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور عرض کرو کہ آپ ﷺ جیسے چاہیں ویسے کریں۔'' حضرت حمزہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! لوگ ایک دوسرے کو ملامت کر رہے ہیں اور سب نے مل کر اب یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ معاملہ آپ ﷺ پر چھوڑ دیا جائے۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ایک پیغمبر جنگی لباس زیب تن کر لیتا ہے تو اس وقت تک اسے وہ لباس نہیں اتارنا چاہیے، جب تک جنگ نہ کر لے۔'' [1]

اس واقعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایسی تربیت فرمائی تھی کہ جب ان سے مشورہ کیا جاتا تو وہ اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کرتے تھے، خواہ ان کی رائے رسول اللہ ﷺ کی ذاتی رائے سے کتنی ہی مختلف ہو۔ آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ آپ ﷺ ان تمام معاملات میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کھل کر مشورہ کیا کرتے تھے جن کے بارے میں وحی کی رہنمائی حاصل نہیں ہوتی تھی۔ اس مشاورت سے رسول اللہ ﷺ کے پیشِ نظر یہ مقصد تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کے عام مسائل پر غور و خوض کرنے اور ان سے کماحقہٗ عہدہ براء ہونے کی تربیت حاصل کریں۔ وہ مشورہ قطعاً سود مند نہیں ہوتا جس

---

[1] طبری، تفسیر، ۷:۲۷۲، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ روایت کا سلسلہ قتادہ سے ملتا ہے اور ''مرسل'' ہے۔ امام احمد نے سلسلۂ سند کو جابر سے ابو زبیر کے واسطے سے مکمل کیا ہے، لیکن اس میں ابو زبیر کا ''عنعنہ'' شامل ہے جو ''مدلس'' ہیں۔ بیہقی کی روایت کو ابن عباس کی ایک ''حسن'' سند کے ذریعے سے تقویت ملتی ہے۔ جب تمام سلسلے آ کر ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں تو وہ حدیث ''صحیح'' ہو جاتی ہے۔ فقہ السیرۃ میں البانی کی بھی یہی رائے ہے۔

Marfat.com

میں اظہار رائے کی آزادی حاصل نہ ہو۔ اگر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر مسئلے کے استنباط میں غلطی کی، یا وہ کسی درست نتیجے پر پہنچنے میں ناکام رہا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کبھی مورد الزام نہیں ٹھہرایا۔ ایک رہنما اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو مشورے میں شریک رکھے۔ قرآنِ کریم میں مشورے (شوریٰ) کے اصول کو اپنانے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ آپ ﷺ اس حکم پر عمل درآمد کریں:

﴿ ..... وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ ﴾

''......اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے، پھر جب آپؐ رائے پختہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیجیے۔'' (آل عمران۳:۱۵۹)

یہاں ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سیاسی شعور کتنا بیدار تھا۔ اگرچہ انھیں اپنی رائے کے اظہار کا پورا پورا حق حاصل تھا، لیکن انھیں یہ حق نہیں تھا کہ وہ اپنے رہبر کے اوپر اپنی رائے مسلط کریں۔ ان کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ کھل کر اپنی رائے پیش کردیں۔ اس کے بعد اپنے رہبر و رہنما کو مکمل آزادی دیں کہ وہ جس رائے کو بہتر سمجھے، اسی کو اختیار کرلے۔ جونہی انھوں نے محسوس کیا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ پر باہر نکل کر جنگ کرنے کے لیے دباؤ ڈالا ہے اور یہ کہ ان کے زور دینے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ایسا کرنے پر تیار ہوگئے ہیں تو وہ فوراً آپ ﷺ کے پاس پہنچے اور معذرت خواہ ہوئے، لیکن اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں کامیاب قیادت کے ایک زرّیں اصول کی تعلیم دی، اور وہ اصول یہ ہے کہ ایک قائد جب کوئی فیصلہ کرلے اور اس پر عمل درآمد شروع کردے تو پھر اسے ڈگمگانا نہیں چاہیے، کیوں کہ یہ طرزِ عمل لوگوں کے اعتماد کو متزلزل کردیتا ہے اور اس کے ماننے والے الجھن میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ وہ لوگ جو شہر سے باہر جاکر جنگ کرنے کے حامی تھے، وہ دشمن کا سامنا

Marfat.com

کر کے اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرنے کے جذبے سے سرشار تھے۔ اس رائے کا دوسرا محرک یہ تھا کہ جن لوگوں کو غزوۂ بدر میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا، ان کی شدید خواہش تھی کہ وہ بھی اسی قسم کی جنگ میں حصہ لیں۔

رسول اللہ ﷺ کی رائے یہ تھی کہ مدینے کے اندر رہ کر جنگ کی جائے۔ آپ ﷺ کے ساتھ بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہ ایسے تھے جو آپ ﷺ کی اس رائے سے متفق تھے۔ ان حضرات نے یہ رائے اس بنیاد پر پیش کی تھی کہ اس صورت میں مدینے کی قلعہ نما حیثیت سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے، نیز اس صورت میں دفاع کرنے والوں کا نقصان کم سے کم ہوگا، جب کہ حملہ کرنے والوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا ممکن ہوگا۔ دوسرا اہم فائدہ یہ تھا کہ مدینے کی پوری آبادی کی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا تھا، حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو لڑنے کے قابل نہیں تھے، یعنی عورتیں اور بچے بھی کسی نہ کسی کام آ سکتے تھے۔

[اس معرکے میں] ایک سیاہ عَلَم [1] اور تین جھنڈے بلند کیے گئے۔ پہلا جھنڈا مہاجرین کا تھا جسے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر اُٹھائے ہوئے تھے۔ جب وہ شہید ہو گئے تو اس جھنڈے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ ابی طالب نے اٹھا لیا۔ دوسرا جھنڈا قبیلہ اوس کا تھا اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور تیسرا جھنڈا قبیلہ خزرج کا تھا اور اسے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ [2] تھامے ہوئے تھے۔ ان جھنڈوں کے نیچے جو فوج جمع تھی وہ ایک ہزار افراد پر مشتمل تھی جن میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی شامل تھے جو مسلمان ہونے کا صرف زبانی دعویٰ کرتے تھے۔ فوج میں صرف دو گھوڑے اور ایک سو افراد زرہیں پہنے ہوئے تھے۔ [3]

---

1. خلیفہ بن خیاط، تاریخ، ص ۶۷، ایک مرسل ''حسن'' سند کے ساتھ جو پیچھے جا کر سعید بن میتب سے جا ملتی ہے؟ اور سعید بن میتب کی مرسل احادیث قوی ہیں۔
2. واقدی، مغازی، ۱:۲۲۳، مزید دیکھیے: ابن عبد البر، الاستیعاب، ۳:۴۵۰۔ جھنڈوں کے بارے میں کوئی ''صحیح'' روایت موجود نہیں ہے۔
3. طبری، تاریخ، ۳:۵۰۴، ابن سعد، طبقات، ۳:۴۴

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے اس روز دو زرہیں زیب تن فرمائیں، [1] اس کے باوجود کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کی حفاظت فرمائیں گے اور دشمن آپ کو قتل نہیں کر سکے گا، لیکن اپنے اس عمل سے آپ ﷺ امت کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ ہر قسم کی صورتِ حال میں مادی ذرائع اور اسباب کو اختیار کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا کرنا چاہیے۔

مسلمان افواج حرۃ الشرقیہ [2] کی مغربی جانب سے اُحد کی طرف روانہ ہوئیں۔ اس جگہ پر عبداللہ بن اُبَی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت جو سب کے سب منافق تھے، مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر واپس ہو گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ مشرکوں کے ساتھ قتال کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے اس فیصلے پر بھی اعتراض کیا جو آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے سلسلے میں فرمایا تھا اور کہا: ''آپ ﷺ نے دوسروں کی بات مانی اور میری بات نہیں مانی۔'' [3]

واقدی لکھتے ہیں کہ منافقین شیخین کے مقام پر الگ ہوئے اور یہ علاقہ اُحد کے قریب ہی ہے۔ [4] قرآن اس واقعے کے ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ منافقوں کی جماعت کے علیحدہ ہو جانے میں اللہ تعالیٰ کی یہ مصلحت پنہاں تھی کہ مسلم افواج میں سے کھوٹا اور کھرا الگ الگ ہو جائے، مسلمانوں کی صفیں منافقوں کے اثر سے بالکل پاک صاف ہو جائیں اور ان کی صفوں میں کوئی جھوٹ اور پست ہمتی پھیلانے کی کوشش نہ کرے:

﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ﴾

---

[1] حاکم، المستدرک، ۳: ۲۵۔ ذہبی ان سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہ بیان ''صحیح'' ہے۔

[2] یہ علاقہ آج کل ملعب التعلیم کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں وہاں شہ سواری کے مقابلے منعقد کیے جاتے تھے (عیاشی، المدینة بین الماضی والحاضر، ص: ۳۹۶، بلادی، معجم المعالم الجغرافیه فی السیرة النبویة، ص ۱۷۰)۔

[3] ابن اسحٰق (سیرۃ، ابن ہشام، ۳: ۸۔ ۱۲، بغیر سند کے)

[4] بخاری، صحیح، (فتح الباری، ۶: ۱۶۲)

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتے جس پر تم اب ہو جب تک کہ ناپاک کو پاک سے ممیّز نہ فرما دیں۔'' (آل عمران ۳:۱۷۹)

مزید فرمایا گیا:

﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝ ﴾

''اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ وہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے، سو اللہ تعالیٰ کی مشیّت سے ہوئی اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو بھی دیکھ لیں اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لیں جنھوں نے نفاق کا برتاؤ کیا اور ان سے یوں کہا گیا کہ آؤ! اللہ کی راہ میں لڑنا یا دشمن کا دفعیہ بن جانا۔ وہ بولے کہ اگر ہم کوئی ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمھارے ساتھ ہو لیتے۔ یہ منافقین اس روز کفر سے نزدیک تر ہو گئے بہ نسبت اس حالت کے کہ وہ ایمان سے نزدیک تھے۔ یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔'' (آل عمران: ۱۶۶، ۱۶۷)

ابن اسحٰق نے اپنے استاد کے حوالے سے ایک ''مرسل'' روایت میں یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن حزام نے منافقوں کو مسلمانوں سے علیحدہ ہونے اور واپس ہو جانے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی، لیکن انھوں نے وہی بات کہی جس کا ذکر اوپر کی آیت میں کیا گیا ہے۔ ان کی بات سن کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن حزام نے کہا:

''اللہ تعالیٰ تم پر لعنت کرے! تم اللہ کے دشمن ہو اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تم سے

Marfat.com

بے نیاز کر دے گا۔'' ❶

مسلمانوں میں دو جماعتیں تھیں جو کچھ دیر کے لیے منافقین کے زیر اثر آ گئیں اور ان کے دلوں میں بھی مدینے واپسی کا خیال پیدا ہوا، لیکن انھوں نے جلد ہی اللہ تعالیٰ کی مدد سے اپنی اس کمزوری پر قابو پالیا اور مسلمانوں کے ساتھ رہ کر جنگ میں حصہ لیا۔ یہ بنوسلمہ اور بنوحارثہ تھے جن کا تعلق بالترتیب خزرج اور اوس سے تھا۔ ❷ قرآن نے ان دونوں جماعتوں کے طرزِ عمل کی اس طرح نقشہ کشی کی ہے:

﴿ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَ اللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ﴾

''پھر تم کیا ہوا کہ ان منافقوں کے باب میں تم دو گروہ ہو گئے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اُلٹا پھیر دیا ان کے (بد) عمل کے سبب۔'' (النساء:۸۸)

اور منافقین کے طرزِ عمل کے حوالہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو رائے تھیں۔ پہلی رائے کے مطابق جن منافقین نے واپس لوٹ کر مسلمانوں کو شرمندہ کیا ان کو قتل کرنا چاہیے۔ جب کہ دوسری رائے رکھنے والوں کا خیال تھا کہ ان کا قتل ٹھیک نہیں ہے اور دونوں گروہوں کی رائے کو قرآنِ کریم نے اسی آیت میں بیان فرمایا ہے:

﴿ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

''جب تم میں سے دو جماعتوں نے دل میں خیال کیا کہ ہمت ہار دیں اور اللہ تعالیٰ تو ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا۔'' (آل عمران:۱۲۲)

مسلم فوج نے شیخین میں پڑاؤ ڈالا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے فوج کا معائنہ کیا اور ان تمام لڑکوں کو جو چودہ سال یا اس سے کم عمر کے تھے، مدینے واپس بھیج دیا۔ صرف دو لڑکوں کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی، جن میں سے ایک حضرت رافع رضی اللہ عنہ بن

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ: ۳/۹۔

❷ صحیح بخاری، ابن حجر، فتح الباری: ۷/۳۵۷، ۸/۲۲۵، مسلم، صحیح: ۲/۲۰۲، ابن ہشام، سیرۃ: ۳/۶۷۔

Marfat.com

خندق تھے اور دوسرے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بن جندب۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ وہ بہترین تیرانداز ہیں اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ کو یہ پتا چلا کہ وہ رافع رضی اللہ عنہ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ ❶ جن لڑکوں کو مدینے واپس بھیجا گیا، ان کی تعداد ۱۴ تھی اور ابن سیّد الناس نے ان سب کے نام لکھے ہیں۔ ❷ ایک اور مستند روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے بھی انہی لڑکوں میں شامل تھے۔ ❸ یہ نوعمر لڑکے جس جذبے اور ولولے کے ساتھ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے چلے تھے، وہ حیران کن ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے تھے، کسی آمرانہ قیادت نے انھیں اس فوج میں جبراً بھرتی نہیں کیا تھا۔ یہ تھے رسول اللہ ﷺ کے طریقۂ تعلیم و تربیت کے نمایاں خدوخال اور آپ کے پیدا کردہ جذبۂ ایمانی کی دلکش تصویریں!

اب مسلم فوج نے میدانِ جنگ کی طرف پیش قدمی کی اور رسول اللہ ﷺ نے ایک محتاط اور موزوں منصوبہ بندی کے مطابق اپنی فوج کو اُحد کے میدان میں اتارا۔ آپ ﷺ نے فوج کی صفوں کو اس طرح ترتیب دیا کہ جبلِ اُحد ان کی پشت پر اور مدینہ ان کے سامنے تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو پچاس تیراندازوں کے ایک دستے کے ساتھ عینین نامی پہاڑ کی چوٹی پر متعین کیا۔ یہ پہاڑ جبلِ اُحد کے بالکل مخالف سمت پر واقع تھا۔ اس پہاڑی درّے پر دستہ متعین کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان فوج کو مشرکوں کے کسی اچانک اور غیر متوقع حملے سے بچایا جائے۔ آپ ﷺ نے اس دستے کو پرزور الفاظ میں یہ تاکید کی کہ وہ اس جگہ کو مستقل سنبھالے رکھیں اور یہاں سے بالکل نہ ہلیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم یہ دیکھو کہ ہمارے اوپر گدھ اتر آئے ہیں، پھر بھی تم اپنی جگہ ہرگز

❶ ابن اسحٰق، سیرۃ ابن ہشام: ۳/۱۱، واقدی، مغازی: ۱/۱۰۹، ابن حزم، جوامع السیرۃ، ص: ۱۵۹۔ اس مسئلے کے متعلق کوئی ''صحیح'' روایات نہیں ملتیں۔ اس میں بہت بڑا فرق ہے کہ کسی روایت کو حدیث کے نقطۂ نظر سے ''صحیح'' قرار دیا جائے، یا اسے مسترد کیا جائے۔ ❷ عیون الأثر: ۲/۷۔

❸ بخاری نے بیان کیا۔ ابن حجر، فتح الباری: ۵/۲۷۶، مسلم، صحیح: ۲/۱۴۲۔

Marfat.com

نہ چھوڑنا اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم نے دشمن پر قابو پالیا ہے، پھر بھی اس جگہ کو مت چھوڑنا۔'' ❶
اس طرح مسلمانوں نے اونچے مقامات پر قبضہ کرلیا، اور وادی قریشی فوج کے لیے چھوڑ دی۔ قریشی فوج نے اس طرح پیش قدمی کی تھی کہ مدینہ اس کی پشت پر اور جبل اُحد اس کے سامنے تھا۔

کچھ روایات جو حدیث کے نقطۂ نگاہ سے کمزور سمجھی جاتی ہیں، اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ دونوں فوجوں کے مقابلے میں اُترنے سے پہلے ایک انفرادی مقابلہ ہوا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور طلحہ بن عثمان کے درمیان تھا۔ طلحہ مشرکوں کا علم بردار تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ ❷ ان روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابو عامر الفاسق (راہب) جو اوس کا ایک سردار تھا اور مشرکوں کے ساتھ شریک ہونے کی خاطر مدینہ چھوڑ کر چلا گیا تھا، اس نے قبیلۂ اوس پر زور ڈالا کہ وہ بھی اس کے ساتھ مشرکوں کی فوج میں شامل ہو جائے، لیکن قبیلے والوں نے ایسا کرنے سے سختی سے انکار کر دیا۔ ❸

دونوں فوجوں کے درمیان لڑائی شدت اختیار کرگئی۔ مسلمانوں نے عظیم الشان شجاعت اور جواں مردی کا مظاہرہ کیا۔ مشرک اپنے مقامات کی طرف پسپا ہونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک تلوار بلند کی اور دریافت فرمایا: ''تم میں سے کون اس تلوار کو لینا پسند کرے گا؟'' بہت سے مسلمانوں نے بیک وقت آپ ﷺ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے تلوار لینے کی خواہش ظاہر کی۔ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ دریافت فرمایا: ''تم میں سے کون ایسا ہے جو اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لے؟'' اب لوگوں کے ہاتھ پیچھے ہٹ گئے اور وہ سوچنے لگے۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میں اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ

---

❶ بخاری، صحیح (فتح الباری: ۶/۱۶۲)

❷ طبری، ایسی سند کے ساتھ جو "صحیح" ہے، لیکن سدی کی "مرسل" احادیث میں سے ایک ہے۔ (تفسیر: ۶/۲۸۱)

❸ ابن ہشام، سیرۃ: ۳/۱۳، واقدی، مغازی: ۱/۲۲۳۔ عاصم بن عمر بن قتادہ کی ایک روایت سے جنھوں نے سند شامل نہیں کی۔

Marfat.com

لوں گا۔'' پھرانھوں نے یہ تلوار لی اور اس سے مشرکوں پر کامیاب حملے کیے۔ ❶

سبا بن عبدالعزیٰ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو مقابلے کی دعوت دی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے دلیرانہ مقابلہ کرتے ہوئے سبا بن عبدالعزیٰ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہوجائے تو جبیر اسے آزاد کردے گا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جبیر کے ماموں طیعمہ بن عدی کو بدر کے موقع پر ہلاک کیا تھا۔ وحشی ایک چٹان کی اوٹ میں ہوکر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف گھات لگائے ہوئے بیٹھا تھا اور جونہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے نیزے کی زد میں آئے، اس نے تاک کر نیزہ مارا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا۔ ❷ کیا وحشی یا اس جیسے کتنے ہی لوگ اس بات کی جرأت کرسکتے تھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سامنے آئیں اور مردوں کی طرح مقابلہ کریں!

لڑائی کے پہلے ہی مرحلے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان میں سے ایک حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر تھے جو ایک داعی بھی تھے اور اسلامی فوج کے علم بردار بھی تھے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ہجرت کی اور ہم اللہ کی رضا کے طلبگار تھے۔ اللہ کے ہاں ہمارا اجر طے شدہ اور یقینی ہے، لیکن ہم میں سے کچھ لوگ اس حالت میں دنیا سے چلے گئے کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی میں ہجرت کے ثمرات سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کا تعلق بھی انہی لوگوں میں سے ہے۔ اُنھیں اُحد کے روز شہید کیا گیا اور انھوں نے پیچھے کچھ نہیں چھوڑا، سوائے ایک چادر کے جس میں انھیں کفن دیا گیا۔ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اگر ہم ان کا سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے اور اگر پاؤں ڈھانکنے کی کوشش

---

❶ مسلم، صحیح: ۲/۳۸۴۔

❷ بخاری نے وحشی ہی کی ایک حدیث سے روایت کیا۔ (ابن حجر، فتح الباری: ۷/۳۷۵)

Marfat.com

کرتے تو سر کھل جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان کا سر چادر سے ڈھک دو اور پیروں کے اوپر اِذخر (ایک پودا) کے پتے رکھ دو، یا (یہ فرمایا کہ) پیروں کے اوپر اِذخر ڈال دو۔'' ❶

جب حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر شہید ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے علم تھاما۔ ❷

اس قرآنی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ کے اس مرحلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مشرکین پر مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو رہا تھا:

﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ﴾

''اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا تھا، جس وقت کہ تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔'' (آل عمران: ۱۵۲)

درّے پر متعین تیر اندازوں نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان فوج نے دشمن پر قابو پالیا ہے تو انھوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جبیر سے کہا: ''ہمارے ساتھی جیت گئے ہیں، اب یہاں کس لیے کھڑے ہو! آؤ ہم بھی چل کر مالِ غنیمت سمیٹیں!'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جبیر نے کہا: ''کیا تم بھول گئے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کیا تاکید کی تھی؟'' لیکن انھوں نے ایک نہ سنی اور بولے: ''خدا کی قسم! ہم تو ان لوگوں کے پاس جا رہے ہیں اور غنیمت میں سے اپنا حصہ وصول کریں گے۔'' ❸ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جبیر کے ساتھی غنیمت کی خاطر وہاں سے چلے گئے۔

سدّی نے ایک ''مرسل'' روایت میں وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ جب تیر انداز وہ پہاڑی درّہ چھوڑ کر چلے گئے جہاں انھیں تعینات کیا گیا تھا تو یہ واقعہ پیش آیا۔ خالد بن

---

❶ بخاری کی روایت ہے۔ ابن حجر، فتح الباری: ۳۷۵/۷۔ اِذخر ایک قسم کی گھاس ہے جو اپنی خوشگوار خوشبو کے لیے مشہور ہے، جو خشک ہونے پر سفید ہو جاتی ہے۔ (المصباح: ۲۴۵/۱)

❷ خلیفہ، تاریخ، ص: ۶۷، سعید بن مسیب کی ''مراسیل'' میں سے ایک ہے۔ سعید بن مسیب کی ''مراسیل'' قوی ہیں۔

❸ بخاری کی ایک روایت ہے۔ (ابن حجر، فتح الباری: ۱۶۲/۶)

Marfat.com

ولید نے موقع پا کر مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا اور مشرک پشت کی طرف سے ان کے اوپر ٹوٹ پڑے۔ میدانِ جنگ سے بھاگتے ہوئے مشرکوں نے جب یہ منظر دیکھا تو انھوں نے بھی پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ❶ اب مسلمان دونوں طرف سے گھر کر دشمن کے نرغے میں پھنس گئے۔ مسلمانوں کی ترتیب بگڑ گئی، ان کی صفیں اُلٹ گئیں اور انھوں نے کسی منصوبہ بندی کے بغیر لڑنا شروع کر دیا، حتی کہ اس ابتر صورتِ حال میں وہ دوست اور دشمن میں تمیز نہ کر سکے اور انھوں نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ کو جو ایک معمّر شخص تھے، شہید کر دیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر بلبلا اُٹھے اور چیخ کر بولے: ''یہ میرے والد ہیں!'' لیکن لوگ ان کا کام تمام کر چکے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے لاچار ہو کر کہا: ''اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو معاف کرے، وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔'' ❷

اب مسلمانوں کی طاقت وقوت اور ان کا جذبہ اور ولولہ کوئی کام نہیں دے رہا تھا، وہ انتہائی بدنظمی اور بے ترتیبی کے ساتھ لڑ رہے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بے شمار مسلمان شہید ہو ہو کر میدانِ جنگ میں گرتے گئے۔ اسی ہنگامے میں مسلمان رسول اللہ ﷺ سے بھی بچھڑ گئے اور کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے۔ ❸

مسلمانوں کا سخت جانی اور مالی نقصان ہو چکا تھا اور بہت سے لوگ میدانِ جنگ سے نکل گئے تھے۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو ہتھیار چھوڑ کر زمین پر بیٹھ گئے ❹ اور بہت سے لوگوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں تو اب زندگی پر

---

❶ البدایۃ والنہایۃ: ۲۳/۴۔
❷ حاکم، المستدرک: ۲۰۲/۳۔ اگرچہ مسلم نے اسے روایت نہیں کیا، لیکن اس کی شرائط کے مطابق یہ ایک ''صحیح'' حدیث ہے۔ ذہبی نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے۔ احمد، مسند: ۲۶۰۹/۴۔ (مرتبہ محمد احمد شاکر)
❸ ابن حجر، فتح الباری: ۳۶۱/۷، بخاری کی ایک روایت ہے۔
❹ چند مسلمانوں کے میدانِ جنگ کے کنارے پر بیٹھنے کے متعلق دیکھیے: ابن ہشام، سیرۃ: ۳۳/۳، طبری، تفسیر: ۲۵۶/۷۔

Marfat.com

موت کو ترجیح دینا چاہیے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن نضر بھی انہی لوگوں میں شامل تھے۔ یہ وہ صحابی رضی اللہ عنہ رسول ہیں جو غزوۂ بدر میں حصہ نہیں لے سکے تھے اور انھیں اس بات کا بہت ملال تھا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے انھیں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کسی جنگ میں شرکت کا موقع عطا فرمایا تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کو دکھائیں گے کہ وہ کس طرح اس کے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں۔

جب انھوں نے چند مسلمانوں کو اضطراب کے عالم میں اُحد کے میدان میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو پکار کر بولے: ''کس قدر مسحور کن ہے جنت کی خوشبو اور یہ کتنی قریب ہے!'' یہ کہہ کر جو انھوں نے لڑنا شروع کیا تو اس وقت تک ہاتھ نہ روکا جب تک شہید نہیں ہو گئے۔ ان کے جسم پر ۸۰ سے زیادہ زخم پائے گئے جو تیروں، خنجروں اور مختلف قسم کے ہتھیاروں سے لگے تھے۔ زخموں سے چور چور اس جسم کی شناخت میں مشکل پیش آئی تو ان کی بہن حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہا بنت نضر کو بلایا گیا جنھوں نے اپنے بھائی کو انگلیوں کی پوروں کی مدد سے پہچانا۔ قرآنِ کریم کی یہ آیات اسی قسم کے مجاہدین کی شان میں نازل ہوئی ہیں:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

''ان مومنین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا، اس میں سچے اترے، پھر بعض تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض ان میں مشتاق ہیں اور انھوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔'' [1]

(الاحزاب: ۳۳/۲۳)

جنگ کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ

---

[1] عبداللہ بن مبارک کتاب الجہاد، ص: ۶۳، بخاری (ابن حجر، فتح الباری: ۲۷۴/۷، ۵۱۷/۸)۔ یہ جاننے کے لیے یہ آیت حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، دیکھیے: حاکم، مستدرک: ۲۰۰/۳، ان کا کہنا ہے کہ یہ حدیث اپنی سند میں ''صحیح'' ہے، اگرچہ بخاری اور مسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔ ذہبی نے بھی حاکم کی اس بات سے اتفاق کیا ہے۔

Marfat.com

بن نضر کی تلاش میں بھیجا۔ وہ شہداء کے درمیان پڑے ہوئے پائے گئے اور ان کے اندر زندگی کی تھوڑی سی رمق موجود تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے سلام کا جواب دینے کے علاوہ جو الفاظ ان کی زبان سے نکلے، وہ یہ تھے:

''مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے! میرے انصاری ساتھیوں کو میرا یہ پیغام دینا کہ زندگی کی آخری چنگاری تک رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کریں، اگر آپ ﷺ کی ذات کو کوئی نقصان پہنچا اور تم میں سے کسی ایک کے اندر بھی زندگی کی رمق موجود ہوئی تو پھر اللہ کے ہاں تمھارا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا۔''

یہ پیغام دے کر ان کی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ (1) کس قدر عظیم ہے یہ آخری وصیت اور کتنی مضبوط ہے عہد کی پاسداری جسے موت کی سختی اور زخموں کا کرب بھی متاثر نہ کرسکا!

قرآنِ کریم نے ان لوگوں کا ذکر بھی کیا ہے جنھوں نے اس روز میدانِ جنگ سے پیٹھ موڑ لی تھی، مگر اللہ نے انھیں معاف کیا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ ﴾

''یقیناً تم میں جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں، اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی، ان کے بعض اعمال کے سبب سے اور یقینی سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرما دیا۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑا مغفرت کرنے والا ہے، بڑے حلم والا ہے۔'' (آل عمران: ۱۵۵)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میدانِ جنگ سے مسلمانوں کے ہٹ جانے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے حوصلے اسی وقت پست ہوگئے تھے، جب انھوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ شہید

---

(1) ابن اسحٰق کی ایک روایت ہے جس کی سند میں ''ثقہ'' افراد شامل ہیں۔ (مجمع البحرین: ۲/۲۳۹، شرح المواہب: ۲/۴۴)

Marfat.com

کر دیے گئے۔ ❶ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں تو انھوں نے اسی وقت مسلمانوں کو پکار کر یہ خوشخبری سنائی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں خاموش رہنے کا حکم دیا تاکہ مشرک یہ خبر نہ سننے پائیں۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کے گرد مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت ایسی تھی جو مسلسل مقابلے پر ڈٹی رہی۔ رسول اللہ ﷺ میدانِ جنگ میں چٹان کی طرح جمے ہوئے تھے اور ان واقعات نے بھی آپ ﷺ کے اوپر پریشانی کے کوئی اثرات پیدا نہیں کیے۔ ہر مشکل صورتِ حال میں آپ کا یہی طرزِ عمل ہوتا تھا۔ اس موقع پر آپ نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی، جیسا کہ قرآن نے ہمیں خبر دی ہے:

﴿ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ ﴾

''وہ وقت یاد کرو جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول تمھارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے۔'' ❸

(آل عمران:۱۵۳)

کچھ مشرک رسول اللہ ﷺ کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔ اس وقت جو صحابہ آپ ﷺ کے قریب موجود تھے، ان کی تعداد نو تھی، ان میں سے سات انصاری اور دو مہاجر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ان مشرکوں کو پیچھے دھکیلے گا، وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔'' انصاری صحابی ایک ایک کر کے آگے بڑھتے گئے اور رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کا دفاع کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کرتے گئے، یہاں تک کہ سب شہید ہو گئے۔ ❹ اس کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ جواں مردی سے لڑے، وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف

---

❶ ابن جوزی، زاد المصیر فی علم التفسیر: ۱/ ۴۸۳۔

❷ حاکم، مستدرک: ۲۰۱/۳۔ وہ کہتے ہیں: ''یہ ایک ایسی حدیث ہے جو اپنی سند کے اعتبار سے ''صحیح'' ہے، اگرچہ بخاری اور مسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔'' ذہبی نے حاکم سے اتفاق کیا ہے۔

❸ طبری، تفسیر: ۳۰۱/۷، ۳۰۲۔

❹ صحیح مسلم بشرح النووی: ۱۴۶/۱۲۔

Marfat.com

آنے والی تیروں کی بوچھاڑ کو اپنے ہاتھ پر روکتے رہے، یہاں تک کہ ان کا ہاتھ بالکل ناکارہ ہوگیا۔ ❶ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے ان کی جگہ لے لی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک مشاق تیرانداز تھے۔ رسول اللہ ﷺ انھیں تیر پکڑاتے جارہے تھے اور فرمارہے تھے: ''لو نشانہ لگاؤ اور تیر چلاؤ! میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں!'' ❷ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی تیر چلا کر رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک بلند کر کے دشمن کا جائزہ لیا تو حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''آپ اپنا سر نہ اُٹھائیں، ایسا نہ ہو کہ دشمن کا کوئی تیر آپ کو زخمی کردے، اس کے بجائے اگر میری گردن کام آجائے تو زیادہ بہتر ہے۔'' ایک شخص تیروں سے بھرا ہوا ترکش لے کر قریب سے گزرا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ''اس میں سے کچھ تیر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دو۔'' ❸ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی جنگی صلاحیتوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی للکار مشرکوں کو امدادی فوج سے بھی زیادہ دہلا دیتی ہے۔'' ❹

اس کے باوجود کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غیر معمولی شجاعت اور بے جگری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا تھا، لیکن پھر بھی آپ ﷺ زخمی ہوگئے۔ ایک دانت مبارک شہید ہوگیا اور چہرۂ مبارک پر ایک گہرا زخم آیا جس کی وجہ سے چہرہ خون آلود ہوگیا۔ آپ خون صاف کررہے تھے اور زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے: ''وہ قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جو اپنے نبی ﷺ کے چہرے کو خون آلود کردے، حالاں کہ وہ انھیں اسلام کی دعوت دے رہا ہے۔'' اس بارے میں قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ ۝ ﴾

---

❶ بخاری کی ایک روایت سے۔ ❷ ایضاً، ۷/۳۵۸۔ ❸ ایضاً، ۷/۳۶۱۔

❹ احمد نے جس سند کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کے افراد ''ثقہ'' ہیں۔ (الفتح الربانی: ۲۲/۵۸۹)۔

Marfat.com

''آپ ﷺ کو کوئی دخل نہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان پر یا تو متوجہ ہو جائے اور یا ان کو کوئی سزا دے دے، کیوں کہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں۔'' ❶

(آل عمران: ۱۲۸)

رسول اللہ ﷺ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ جو قوم اپنے نبی کو اس طرح زخمی کر دے، اس کا ہدایت یاب ہونا بعید از مکان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت کے ذریعے اپنے نبی ﷺ کو بتایا کہ اگر اللہ انھیں ہدایت دینا چاہے تو اس کے لیے یہ ناممکن نہیں ہے۔ اب ان کے قبولِ اسلام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی امیدیں تازہ ہو گئیں اور آپ ﷺ نے یہ دعا کرنا شروع کر دی: ''اے اللہ! میری قوم کے لوگوں کو ہدایت دے، کیوں کہ وہ نہیں جانتے۔'' ❷

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی کمر کو ڈھال بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔ ان کی کمر تیروں سے چھلنی ہو گئی اور ان کی ایک آنکھ بھی زخمی ہوئی جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ٹھیک کر دیا اور وہ پہلے سے بھی بہتر ہو گئی۔ ❸

ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اگر میں شہید ہو جاؤں تو میرا مقام کہاں ہوگا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں۔'' صحابی کے ہاتھ میں چند کھجوریں تھیں، انھیں ایک طرف ڈال کر جنگ کے میدان میں کود پڑے اور شہید ہو گئے۔ ❹

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''اے اللہ! میں یہ دعا کرتا ہوں کہ کل جب میں دشمن سے میدانِ جنگ میں ملوں تو وہ مجھے قتل کر دے، پھر میرے پیٹ

---

❶ صحیح مسلم: ۱۴۹/۲، ابن ہشام، سیرۃ: ۲۹/۳، بخاری، ابن حجر، فتح الباری: ۳۶۵/۷۔

❷ مسلم، صحیح: ۱۴۹/۲۔

❸ ابن اسحٰق نے عاصم بن عمر بن قتادہ کی ''مرسل'' حدیث سے نقل کیا ہے۔ یہ بیان کسی ''صحیح'' سند سے ثابت نہیں ہے، لیکن سیرت کی کتب میں بغیر سند کے یا ''مرسل'' اسناد کے ساتھ ہی معروف ہے۔ (ابن ہشام، سیرۃ: ۳۳/۳، واقدی، مغازی: ۲۴۲/۱، البدایۃ والنہایۃ: ۲۳/۳)۔

❹ صحیح بخاری (فتح الباری: ۳۵۴/۷)، مسلم، صحیح: ۱۵۴/۲۔ یہ غیر معروف شخص عمیر بن حمام کے علاوہ کوئی اور تھا، عمیر بدر میں شہید ہو چکے تھے۔

Marfat.com

کو چیر پھاڑ کر میرا مثلہ کر دے، پھر جب میں تجھ سے ملوں تو تو مجھ سے سوال کرے 'یہ کیا ہوا ہے؟' اور میں کہوں کہ یہ سب تیری خاطر ہوا ہے۔'' جب مسلمانوں کا دشمن سے میدانِ جنگ میں آمنا سامنا ہوا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور مشرکوں نے ان کی لاش کا مثلہ کیا۔ اس طرح ان کی دعا قبول ہو گئی۔ ①

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن جموح ایک صحابی رسول تھے جن کی ٹانگ میں لنگ تھا۔ ان کے اپاہج پن کی وجہ سے انھیں جہاد سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا، لیکن انھوں نے اپنے چار بیٹوں کے ساتھ جنگ میں حصہ لینے پر اصرار کیا، کیوں کہ وہ شہادت کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ''اگر آج میں مارا جاؤں تو آپ ﷺ کا کیا خیال ہے کہ میں اپنی اس لنگڑی ٹانگ کے ساتھ جنت میں داخل ہو سکتا ہوں؟'' رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''یقیناً!'' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر اس نے چاہا تو آج میں اپنی اس لنگڑی ٹانگ کے ساتھ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔'' اس کے بعد لڑائی میں حصہ لیا اور شہید ہو گئے۔ ②

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بن ابی عامر نے جنابت کی حالت میں شہادت پائی۔ غزوۂ اُحد سے ایک دن پہلے ہی ان کی شادی ہوئی تھی اور جونہی انھیں جہاد کی خبر ملی، وہ غسل کیے بغیر ہی میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''تمھارے ساتھی کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔'' ③

---

① حاکم، المستدرک: ۳/۱۹۹، سعید بن میسب کی مراسیل سے۔ حاکم کا کہنا ہے کہ ''یہ حدیث شیخین (بخاری اور مسلم) کی شرائط کے مطابق ''صحیح'' ہے، اگرچہ یہ 'مرسل' ہے۔'' ذہبی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ''مرسل صحیح'' ہے۔ میری رائے میں سعید بن میسب کی روایت کی ہوئی ''مرسل'' احادیث قوی ہیں۔

② ابن مبارک، کتاب الجہاد، ۶۹۔ عکرمہ اور ابن اسحٰق کی ''مرسل'' حدیث سے، ان کے والد سے اور بنوسلمہ کے دو شیوخ سے (ابن ہشام، سیرۃ: ۳/۴۴)۔ جملہ بیانات کی اسناد مختلف ہیں اور یہ ایک دوسرے کو قوی کر دیتی ہیں۔

③ حاکم، المستدرک: ۳/۲۰۴۔ وہ کہتے ہیں ''مسلم کی شرائط کے مطابق یہ ''صحیح'' ہے۔'' ذہبی نے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ البانی کہتے ہیں ''حدیث صرف ''حسن'' ہے۔'' جب مسلم نے اسے ابن اسحٰق سے روایت کیا تو اسے صرف تابعات میں شامل کیا۔ ابن عساکر کے پاس بھی ایک اسی قسم کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں: ⇦⇦⇦

Marfat.com

شہدائے اُحد میں مُخیرِیق بھی شامل ہیں جو ایک یہودی عالم تھے اور قبیلہ بنو نضیر سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی تمام دولت رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوگی اور آپ ﷺ نے ان کی یہ وصیت قبول فرمالی تھی۔ ❶

دو معمر افراد ایسے تھے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے خواتین اور بچوں کے ساتھ قلعے میں رہنے کا حکم دیا تھا، لیکن انھوں نے اصرار کیا کہ وہ جنگ میں حصہ لینا چاہتے ہیں تاکہ شہادت کی نعمت سے سرفراز ہوں۔ ان میں سے ایک کا نام حضرت یمان رضی اللہ عنہ تھا اور یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان کے والد تھے، اور دوسرے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن وقش تھے۔ دونوں میدانِ جنگ میں شہید ہوگئے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو مشرکوں نے شہید کیا، لیکن حضرت یمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں ہی کے ہاتھوں شہید ہوگئے، کیوں کہ مسلمان انھیں پہچان نہ سکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا خون بہا ادا کیا، لیکن ان کے صاحبزادے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ رقم صدقہ کردی۔ ان کے اس عمل سے رسول اللہ ﷺ کے دل میں ان کی منزلت مزید بڑھ گئی۔ ❷

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن اقیش کو اسلام سے شدید نفرت تھی، لیکن وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کے لیے میدان کی طرف بڑھے تو لوگوں نے انھیں روکا، لیکن انھوں نے جواب دیا: ”میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔“ انھیں شدید زخمی حالت میں اپنے اہل

⇐⇐⇐ ”یہ ایک ”حسن“ ہے۔“ جب مسلم نے اسے ابن اسحٰق سے روایت کیا تو اسے صرف تابعات میں شامل کیا۔ ابن عساکر کے پاس بھی ایک اسی قسم کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں ”یہ ایک ”حسن صحیح“ روایت ہے۔“ (الاحادیث الصحیحۃ: ۳۶/۴، حدیث: ۳۲۶)۔

❶ ابن ہشام، سیرۃ: ۱۴۸/۲، ۱۵۲۔ ایسی کوئی ”صحیح“ حدیث نہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ مُخَیرِیق نے اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن ابن اسحٰق اور واقدی نے بغیر سند کے اس کے قبولِ اسلام کا ذکر کیا ہے اور اس کی تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ ابن حجر نے ان کی سوانح کا ذکر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذیل میں کیا ہے۔ (الاصابۃ: ۵۷/۶)۔ مُخیریق کی اس دولت وثروت کے لیے دیکھیے: ابن سعد، طبقات: ۵۰۱/۱، ترکۃ النبی، ص: ۷۸)

❷ ابن ہشام سیرۃ: ۴۰/۴، حاکم المستدرک: ۲۰۲/۲۔ وہ کہتے ہیں: ”مسلم کی شرائط کے مطابق یہ ایک ”صحیح“ حدیث ہے، اگرچہ انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔“ ذہبی حاکم کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں۔

Marfat.com

خانہ کے پاس لایا گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ ان کے قریب آئے اور ان کی بہن سے کہا: ''ان سے پوچھو کہ یہ اپنی قوم کا نام بلند کرنے کے لیے لڑ رہے تھے، یا اللہ کی خاطر؟'' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ اور اس کے رسول کی خاطر۔'' اس کے بعد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہوگئے۔ یہ وہ صحابی تھے جنھوں نے ایک دفعہ بھی نماز نہیں پڑھی تھی، لیکن وہ جنت میں داخل ہوگئے۔ ❶

ایک مستند روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص ❷ کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ بہت بہادری سے لڑا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''وہ اہلِ جہنم میں سے ہے۔'' کیوں کہ اس کی لڑائی اللہ تعالیٰ کی خاطر نہیں تھی، بلکہ وہ اپنے قبیلے کی حمیت کے لیے لڑا تھا اور جب اس کے زخموں نے اسے زیادہ تکلیف دینا شروع کی تو اس نے ایک تیر مار کر اپنے آپ کو ختم کر لیا۔

ان دونوں روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد میں نیت کی کس قدر اہمیت ہے! جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو، وہی دراصل اللہ کی خاطر لڑتا ہے، لیکن جو شخص اس کے علاوہ کسی بھی سبب سے لڑتا ہے، خواہ وہ سبب انسان کی نظر میں کتنا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو، ایسے شخص کو جان دے دینے پر بھی شہید نہیں کہا جا سکتا۔ ❸

مسلمان فوج کے ساتھ چند خواتین بھی غزوۂ اُحد میں شامل تھیں۔ ان خواتین میں سے ایک کا نام حضرت امّ عمارہ رضی اللہ عنہا نسیبہ بنت کعب المازنیّہ ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے مشرکوں سے جنگ کی اور متعدد زخم کھائے۔ ❹ حضرت

---

❶ ابو داؤد، سنن: ۱۹/۲، حاکم، المستدرک: ۲۸/۳۔

❷ ابن اسحٰق نے اس شخص کا نام قزمان بتایا ہے اور واقدی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ (ابن ہشام سیرۃ: ۴/۳، واقدی مغازی: ۲۶۳/۱)

❸ هيثمي المقصد العلي. ابو يعلي. هيثمي نے کہا: ''اس کے راوی ''صحیح'' ہیں۔''

❹ ابن ہشام، سیرۃ: ۳۲/۳، ایک منقطع سند کے ساتھ۔ واقدی، مغازی: ۲۶۸/۱۔ وہ بہت کمزور ہے۔

Marfat.com

حمنہ رضی اللہ عنہا بنت جحش الاسدیہ نے پیاسوں کو پانی پلایا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔ ❶ مستند روایت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا پانی کے کنستر بھر بھر کر لاتیں اور مسلمانوں کی پیاس بجھاتی رہیں۔ ❷

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی مستند ذرائع سے پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں کے پیچھے ہٹنے کے بعد انھوں نے زخمیوں کی خبر گیری کی۔ ❸ ان روایات کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ضرورت محسوس کی جائے تو خواتین کو اس بات کی اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ زخمیوں کی دیکھ بھال اور ابتدائی طبی امداد فراہم کرنے کا فریضہ انجام دیں، بشرطیکہ ان کی موجودگی وہاں کسی فتنے کا سبب نہ بنے اور بے حجابی کا اظہار نہ ہو۔ اگر دشمن ان پر حملہ کرے تو وہ اپنے دفاع میں لڑنے کا بھی حق رکھتی ہیں، اس حقیقت کے باوجود کہ جہاد صرف مردوں پر فرض ہے، لیکن اگر دشمن مسلم علاقے پر حملہ کر دے تو مردوں اور عورتوں کی یہ مشترک ذمہ داری ہے کہ وہ دشمن کا مقابلہ کریں۔

[اُحد میں] رسول اللہ ﷺ کے زخمی ہونے اور مسلمانوں کے زخم کھانے کے باوجود لڑائی اس وقت تک جاری رہی، جب تک دونوں فوجیں تھک کر چور نہ ہو گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کچھ پیچھے ہٹ کر اُحد کی وادیوں کی طرف تشریف لے گئے اور مسلمانوں نے بھی آپ کی پیروی کی۔ آپ ایک ڈھلوان چٹان پر چڑھ گئے جہاں سے مشرکین کو پیچھے دھکیلنا زیادہ آسان تھا۔

یہ امر مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے دفاع کی خاطر جبریل اور میکائیل علیہما السلام کو بھیجا تھا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا ❹، تاہم اس بارے میں کوئی صحیح روایت دستیاب نہیں ہوتی جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ فرشتوں نے

---

❶ ہیثمی، مجمع الزوائد: ۲۹۲/۹۔ ہیثمی کہتے ہیں کہ "طبرانی نے اسے بیان کیا اور اس کی سند "حسن" ہے۔"

❷ ابن حجر، فتح الباری: ۳۶۶/۷۔ ❸ فتح الباری: ۷۸/۶، نووی، شرح صحیح مسلم: ۱۸۹/۱۲۔

❹ بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری: ۳۵۸/۷، ۲۸۲/۱۰)، مسلم، صحیح: ۳۲۱/۲۔

Marfat.com

کسی اور شکل میں بھی لڑائی میں حصہ لیا، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد کرے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ تین شرائط پر مبنی تھا: ''صبر (یعنی ثابت قدم رہنا)، تقویٰ (یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھنا) اور یہ کہ دشمن ان کے اوپر چڑھ دوڑے۔ یہ تین شرائط پوری نہ ہوئی اس لیے امداد نہ ہوئی۔ ❶

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ○ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ○ ﴾

''یاد کرو جب تم مومنین سے کہہ رہے تھے کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمھارا رب تمھاری مدد کرے، تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو اتارے جائیں گے۔ ہاں، کیوں نہیں اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آ پہنچیں گے تو تمھارا رب تمھاری مدد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو کہ ایک خاص وضع بنائے ہوئے ہوں گے۔'' (آل عمران: ۱۲۴، ۱۲۵)

جنگ میں جو صورتِ حال پیش آئی تھی، اس کے سبب مسلمانوں پر سخت مایوسی کا عالم طاری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اوپر ایک اونگھ طاری کر دی۔ تھوڑی دیر کے لیے ان کی آنکھ لگ گئی۔ اس کے بعد جب وہ جاگے تو خوف اور مایوسی کی حالت ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ اعتماد اور یقین نے لے لی تھی۔ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جن کے اوپر اونگھ طاری ہوگئی تھی۔ اسی دوران میں میری تلوار کئی مرتبہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گری، تلوار بار بار گرتی اور بار بار میں اٹھا لیتا۔'' ❷ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَ

❶ ابن کثیر، تفسیر: ۳۲۳/۷۔ ❷ بخاری، صحیح، (فتح الباری: ۳۶۵/۷)

Marfat.com

طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ﴾

''پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر چین بھیجا، یعنی اونگھ، کہ تم میں سے ایک جماعت پر تو اس کا غلبہ ہوا اور ایک جماعت وہ تھی کہ ان کو اپنی جان ہی کی فکر پڑی ہوئی تھی، وہ لوگ اللہ کے ساتھ خلاف واقعہ خیالات کر رہے تھے جو کہ محض حماقت کا خیال تھا۔ وہ یوں کہہ رہے تھے کہ کیا ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے۔'' (آل عمران:۱۵۴)

یہ گروہ جو صرف اپنے بارے میں سوچ رہا تھا اور مسلمانوں کی ناکامی اور اسلام کے مستقبل سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا، دراصل منافقوں کا گروہ تھا۔ قرآنِ کریم نے ایک منافق کے الفاظ نقل کیے ہیں:

﴿ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ﴾

''کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کچھ اختیار چلتا تو ہم یہاں مقتول نہ ہوتے۔'' [1]

(آل عمران:۱۵۴)

واقعہ یہ ہے کہ اونگھ کے ایک مختصر جھونکے نے مسلمانوں کو نئے سرے سے تازہ دم کر دیا تھا اور وہ اپنی قوت بحال کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ کچھ مشرکوں نے ان کا پیچھا کیا جن میں اُبی بن خلف الجُمحی بھی تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی قسم کھائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے اوپر نیزے سے وار کیا جس سے وہ زخمی ہو گیا، اور اسی حالت میں اپنے ساتھیوں کی طرف واپس چلا گیا۔ اُحد سے واپس جاتے ہوئے راستے ہی میں مر گیا۔ [2]

مشرکین مکہ کو اب یہ امید باقی نہیں رہی تھی کہ وہ اس جنگ میں فیصلہ کن فتح حاصل کر سکیں گے، جنگ کی طوالت اور مسلمانوں کے ہمت نہ ہارنے کی وجہ ان میں مزید برداشت

---

[1] طبری، تفسیر: ۳۲۳/۷، ابن کثیر، تفسیر: ۴۱۸/۱۔

[2] طبری، تفسیر ۲۵۴/۷، تاریخ ۲۳/۴ سدی سے مرسل۔ ابن سعد: طبقات ۴۶/۲ سعید بن مسیب سے مرسل اور ان کی مراسیل قوی ہیں۔ ابن ہشام، سیرت ۳۵/۳، واقدی، مغازی ۲۵۲/۱۔

Marfat.com

کا مادہ ختم ہو چکا تھا اور وہ تھکن سے چور ہو چکے تھے۔ انھوں نے اُحد کی گھاٹیوں میں مسلمانوں کا تعاقب کرنے کا ارادہ ترک کر دیا، لیکن ابوسفیان مسلمانوں کی تلاش میں اس چٹان تک جا پہنچا جس کے اوپر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ اس نے نیچے سے آواز لگائی: کیا محمد (ﷺ) لوگوں کے درمیان موجود ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا جائے۔ ابوسفیان نے دوبارہ آواز لگائی: ''کیا ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا [ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ] یہاں موجود ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ اشارہ فرمایا: ''اس کی بات کا جواب نہ دیا جائے۔'' ابوسفیان نے ایک تیسری آواز لگائی: ''کیا خطاب کا بیٹا [عمر رضی اللہ عنہ] موجود ہے؟'' لیکن کوئی جواب نہ پا کر وہ خود ہی بڑبڑایا: ''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ تمام لوگ مر چکے ہیں۔ اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔'' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش نہ رہ سکے اور بول اُٹھے: ''او دشمنِ خدا! تو غلط سمجھ رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو باقی رکھا ہوا ہے جن سے تو ناخوش ہے۔'' ابوسفیان نے نعرہ لگایا: ''ہبل زندہ باد!'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اسے جواب دو۔ صحابہ رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: ''کیا جواب دیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کہو کہ اللہ ہمارا مولا ہے اور تمھارا کوئی مولا نہیں۔'' ابوسفیان نے جواباً کہا: ''ہمارے پاس عزیٰ (بت) ہے اور تمھارے پاس کوئی عزیٰ نہیں ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اسے جواب دو۔ انھوں نے پوچھا: ''کیا جواب دیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کہو! اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمھارا کوئی مددگار نہیں ہے۔'' ابوسفیان نے کہا: ''آج ہم نے بدر کے نقصان کا بدلہ لے لیا، اور جنگ میں فتح کبھی ایک فریق کے مقدر میں ہوتی ہے اور کبھی دوسرے کے۔ تم دیکھو گے کہ تمھارے کچھ مقتولین کا مثلہ کیا گیا ہے، مگر نہ میں نے اس عمل پر کسی کو اکسایا اور نہ مجھے اس کا افسوس ہے۔'' [1]

ایک اور روایت میں یہ ذکر ملتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہمارے مقتولین جنت

---

[1] بخاری کی روایت۔ (فتح الباری: ۳۴۹/۷)

Marfat.com

ہیں اور تمھارے دوزخ میں ہیں۔'' ❶ شروع میں جب مسلمانوں نے ابوسفیان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو پہلے اس نے اسے اپنی توہین خیال کیا، لیکن بعد میں وہ فخر اور غرور سے اکڑ گیا، اس لیے مسلمانوں نے اصل صورتِ حال اس پر واضح کر دی اور نڈر ہو کر جواب دیا۔ ابن اسحٰق اور واقدی اس پر متفق ہیں کہ ابوسفیان نے مسلمانوں کو یہ فیصلہ سنایا کہ آئندہ برس میدانِ جنگ میں ملاقات ہو گی جسے مسلمانوں نے تسلیم کر لیا۔ ❷

ابن اسحٰق اور سدی ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا کہ قریش کی نقل و حرکت کس سمت میں ہے، آیا وہ مدینے پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یا مکہ واپس جا رہے ہیں۔ ❸ واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کو جاسوسی کی اس مہم پر روانہ فرمایا تھا۔ ❹ ان دونوں روایات میں سے پہلی روایت زیادہ قابل اعتماد ہے۔ بہر حال، قریش مکہ واپس ہو گئے۔ وہ مطمئن تھے کہ ان کے انتقام کی آگ بجھ چکی ہے۔ اب انھیں کسی فیصلہ کن فتح کی خواہش باقی نہیں رہی تھی، کیوں کہ اس کی خاطر اُنھیں اُحد کی وادیوں میں مسلمانوں کا تعاقب کرنا پڑتا یا مدینہ پر حملہ کرنا پڑتا۔

جونہی قریش واپس روانہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے شہداء کی تدفین کا حکم جاری فرمادیا۔ شہداء کی تعداد ۷۰ تھی ❺ اور کوئی مسلمان گرفتار نہیں ہوا۔ قریش کے ۲۲ آدمی

---

❶ احمد، مسند: ۲۰۹/۴، ۱۸۱/۶، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ۔

❷ ابن ہشام، سیرۃ: ۴۹/۳، واقدی، مغازی: ۲۹۷/۱۔

❸ ابن ہشام، سیرۃ: ۴۹/۳، طبری، تفسیر: ۳۱۹/۷۔ ❹ واقدی، مغازی: ۲۹۸/۱۔

❺ ابن اسحٰق نے ان میں سے ۶۵ کے نام گنوائے ہیں اور ابن ہشام نے ان میں پانچ ناموں کا مزید اضافہ کیا ہے۔ (ابن ہشام، سیرۃ: ۱۰۲/۳) دیگر شہداء جن کے ناموں کا ذکر ابن اسحٰق نے نہیں کیا، ان کے نام سیرت کی کتب میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سوانحی کتب میں دستیاب ہیں۔ یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ ابن اسحٰق کی فہرست پر جن ناموں کا اضافہ کیا گیا ہے اور کل تعداد ۷۴ بنتی ہے، وہ اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ (مغازی: ۳۰۰/۱) صحیح بخاری میں مذکور انس اور براء کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شہداء کی تعداد ۷۰ تھی۔ (فتح الباری: ۳۴۹/۷، ۳۷۴)

Marfat.com

مارے گئے جن کے نام ابن اسحٰق نے نقل کیے ہیں۔ ❶ ابوعزہ نامی شاعر مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا، اس کی گردن مار دی گئی، کیوں کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدعہدی کی تھی۔ ابوعزہ کو بدر کے موقع پر گرفتار کیا گیا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس پر احسان کرتے ہوئے اسے رہا کر دیا تھا اور اس نے یہ کہا تھا کہ وہ کبھی رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود وہ دوبارہ دشمن بن کر آیا اور اُحد کی جنگ میں شریک ہوا۔ ❷

ایک صحیح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک کفن میں دو دو شہیدوں کو دفن کرایا، اور وہ لوگ جو قرآن کا علم زیادہ رکھتے تھے، انھیں پہلے دفن کیا گیا۔ آپ ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ شہداء کو اسی حالت میں دفن کر دیا جائے کہ ان کے جسم خون میں لت پت ہوں، نہ انھیں غسل دیا جائے اور نہ ان کی نمازِ جنازہ ہی ادا کی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حشر کے روز میں ان کے اوپر گواہ بنوں گا۔'' ❸

چند روایات ایسی ہیں جن میں یہ ذکر ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے اُحد کی نمازِ جنازہ ادا کی، لیکن یہ روایات اتنی صحیح نہیں ہیں کہ اس حدیث کے مقابلے پر لائی جاسکیں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ ادا نہیں کی۔ ان روایات کو بہت زیادہ تنقید کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ ❹ رسول اللہ ﷺ نے دو دو اور تین تین شہیدوں کو ایک ہی قبر میں دفن کروایا۔ ❺ کچھ شہداء ایسے بھی تھے جنھیں ان کے اہلِ خانہ مدینے لے

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ: ۱۰۶/۳۔ واقدی کہتے ہیں کہ ۲۷ افراد مارے گئے تھے۔ (مغازی: ۳۰۷/۱)، اور ابن سعد کا کہنا ہے کہ مرنے والوں کی تعداد ۲۳ تھی۔ (طبقات: ۴۲/۲)

❷ ابن ہشام، سیرۃ: ۶۳/۳، ابن کثیر، سیرۃ: ۱۰۴/۳۔ اس روایت کے بارے میں کوئی ''صحیح'' حدیث نہیں ہے۔

❸ بخاری (فتح الباری: ۲۰۹/۳، ۳۷۴/۷) دیکھیے: ایک اور صحابی سے ابوداؤد کی روایت جس کے تمام افراد ''ثقہ'' ہیں۔ (سنن: ۱۷۴/۲)

❹ ابن اسحٰق، سیرۃ ابن ہشام: ۵۳/۳، احمد مسند، ۱۹۱/۶، ابوداؤد، سنن ۱۹۶/۳، المراسیل، ص: ۴۶۔

❺ ترمذی، سنن (تحفۃ الاحوذی، ۵: ۳۷۱)۔ وہ کہتے ہیں ''یہ ایک حسن صحیح حدیث ہے۔'' ابن ہشام، سیرۃ ۳: ۵۴۔ ۵۵۔

Marfat.com

گئے اور وہاں لے جا کر دفن کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ شہداء کو اسی مقام پر دفن کر دیا جائے جہاں انھوں نے شہادت پائی۔ [1]

جب آپ شہداء کی تدفین سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صفوں کی شکل میں ترتیب دیا اور اپنے مالک حقیقی کے حضور یوں دعا گو ہوئے: [2]

''میرے مالک! تمام تعریفوں کی مستحق تیری ذات ہے۔ جو تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا، جسے تو بھٹکا دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے تو ہدایت دے، اسے کوئی بھٹکا نہیں سکتا، جس شے کو تو روک لے، اسے کوئی دینے پر قدرت نہیں رکھتا اور جس چیز کو تو دینے کا ارادہ کرے، اسے کوئی روکنے پر قادر نہیں۔ کوئی شخص اس کے پاس نہیں پھٹک سکتا جسے تو قریب کر لے۔ اے ہمارے مالک! ہم پر اپنی رحمت، نعمت، مودّت اور عنایت نازل فرما۔ اے ہمارے مالک! میں تجھ سے وہ مہربانی طلب کرتا ہوں جو ہمیشہ رہنے والی، غیر متغیر اور کبھی نہ ختم ہونے والی ہو۔ مالک! میں تجھ سے غربت کے وقت تیری نعمت اور خوف کے وقت تیرا امن طلب کرتا ہوں۔ اے ہمارے مالک! میں اس برائی سے بھی تیری پناہ طلب کرتا ہوں جو تو نے ہمارے مقدر میں لکھ دی ہے، اور اس برائی سے بھی تیری پناہ میں آتا ہوں جسے تو نے ہم سے روک لیا ہے۔ اے ہمارے آقا! ہمیں ایمان سے محبت کرنے والا اور کفر، بے انصافی اور سرکشی سے نفرت کرنے والا بنا دے اور ہمیں سیدھے راستے پر چلا دے۔ اے ہمارے مالک! ہمیں اسلام کی حالت میں موت عطا فرما اور اسلام ہی کی حالت میں دوبارہ اُٹھا کر کھڑا کر دے اور بغیر کسی ندامت اور تکلیف کے ہمارا شمار صالحین میں فرما دے۔

---

[1] ابوداود، سنن، ۳: ۲۰۲؛ ترمذی (تحفۃ الاحوذی، ۵: ۲۷۹)۔ ترمذی کہتے ہیں: ''یہ ایک حسن صحیح ہے۔'' احمد، مسند احمد، مسند، ایک صحیح سند کے ساتھ (الفتح الربانی، ۸: ۱۴۹) [2] حاکم، المستدرک، ۳: ۲۳

Marfat.com

> اے مالک! ان کافروں سے جنگ کر جو تیرے نبی کا مقابلہ کرتے ہیں اور لوگوں کو سیدھے راستے پر چلنے سے روکتے ہیں اور اپنی طرف سے انھیں سزا دے۔ مالک! ان کافروں سے جنگ فرما جنھیں تیری کتاب دی گئی، لیکن انھوں نے اسے مسترد کر دیا۔ اے تمام مخلوقات کے معبود!''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

حضور ﷺ کے دل میں ہمیشہ شہدائے اُحد کی یاد تازہ رہی۔ آپ ﷺ خواہش کیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ بھی ان لوگوں کے ساتھ شہادت کے عظیم الشان مقام پر فائز ہوتے۔ جب بھی شہدائے اُحد کا ذکر آتا تو آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''خدا کی قسم! میری آرزو ہے کہ میں بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ کی ڈھلوان پر چھوڑ دیا جاتا۔'' ❶

جب بھی مجاہدین کی بہادری کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آتا، آپ ﷺ ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی تلوار دیتے ہوئے کہا: ''یہ میری تلوار آج میرے بہت کام آئی ہے۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم بہت اچھا لڑے ہو تو تمھارے ساتھ سہل بن حنیف، ابو دجانہ، عاصم بن ثابت الأقلح اور حارث الصمہ رضی اللہ عنہم کے کارنامے بھی بہت زبردست ہیں۔'' ❷

خواتین اور بچوں نے جب یہ دیکھا کہ اسلامی فوج مدینہ واپس پہنچ گئی ہے تو وہ اپنے باپوں اور شوہروں کی تلاش میں مدینے سے باہر نکل آئے۔ جب حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا بنت جحش کو بتایا گیا کہ ان کے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش اور ان کے ماموں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب شہید ہو گئے ہیں تو انھوں نے بلند آواز سے یہ کہا: ''بے شک ہم اللہ کے ہیں

---

❶ احمد، مسند، (الفتح الربانی، ۲۱: ۵۸۔ ایک ''حسن'' سند کے ساتھ)

❷ حاکم، المستدرك، ۳: ۲۴۔ وہ کہتے ہیں: ''بخاری کی شرائط کے مطابق یہ ایک ''صحیح'' حدیث ہے، اگرچہ انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔'' ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ ھیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۱۲۳۔ وہ کہتے ہیں: ''طـ[illegible] نے اسے بیان کیا اور اس کے افراد صحیح ہیں۔''

Marfat.com

اور اسی کی طرف ہمیں واپس لوٹنا ہے۔'' اس کے بعد ان دونوں شہیدوں کے لیے دعائے مغفرت کی۔ اس کے بعد انھیں بتایا گیا کہ ان کے شوہر حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بھی اس لڑائی میں کام آگئے ہیں تو انھوں نے ایک چیخ ماری اور گریہ وزاری کرنے لگیں۔ یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس خاتون کے دل میں شوہر کا ایک خصوصی مقام تھا، تم نے دیکھا کہ بھائی اور ماموں کی موت پر اس نے صبر وضبط سے کام لیا، لیکن شوہر کی موت کا سن کر وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکی۔'' ❶

رسول اللہ ﷺ بنو دینار کی ایک خاتون کے قریب سے گزرے جس کا شوہر، باپ اور بھائی شہید ہو چکے تھے۔ جب اسے ان سب لوگوں کی شہادت کی اطلاع ملی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی خیریت دریافت کی۔ اسے یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے کرم سے رسول اللہ ﷺ بالکل خیریت سے ہیں، تو اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کو دیکھنا چاہتی ہے اور اپنی آنکھوں سے آپ ﷺ کا دیدار کرنے کے بعد بولی: ''آپ ﷺ کی موجودگی میں ہر مصیبت ہیچ ہے۔'' ❷

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس عظیم الشان اجر کی خوشخبری سنائی جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے شہداء کو عطا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو کی صاحبزادی سے فرمایا: ''تم کیوں رو رہی ہو؟ فرشتوں نے انھیں اپنے پروں کے سائے میں لیا ہوا ہے اور اس وقت تک لیے رہیں گے، جب تک وہ جنت میں اپنے مقام تک نہ پہنچ جائیں۔'' ❸

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی آوازیں سنیں جو اپنے اپنے مردوں پر نوحہ کر رہے تھے اور رو رہے تھے تو آپ ﷺ نے افسردگی کے عالم میں فرمایا: ''حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے

---

❶ ابن اسحٰق اپنے والد کے ساتھ، بنو سلمہ کے مجہول شیوخ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن ماجہ، سنن، ۱:۵۰۷۔ اس کی سند میں عبداللہ بن عمر العمری شامل ہیں جنھیں کمزور سمجھا جاتا ہے۔

❷ ابن اسحٰق (سیرۃ ابن ہشام، ۳:۵۷۱)، ایک ایسی سند کے ساتھ جس میں عبدالواحد بن ابی عون مدنی شامل ہیں جو 'صدوق' ہیں، لیکن غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

❸ مسلم، صحیح، ۳:۳۸۵

Marfat.com

اوپر کوئی رونے والا نہیں ہے۔'' یہ سن کر چند انصاری عورتوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر نوحہ کرنا شروع کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی آوازیں سنیں تو آپ (ﷺ) ان کے پاس تشریف لائے اور نہایت نرمی سے گفتگو فرماتے ہوئے اس بات کی سختی سے ہدایت کی کہ بلند آواز سے نہ رویا جائے۔ ❶ اسی وقت سے مُردوں پر بلند آواز سے رونا ہمیشہ کے لیے حرام ہو گیا، لیکن غم اور صدمے کی شدت میں آنسو بہانے کی اجازت کو باقی رکھا گیا۔

شہدائے اُحد کے بارے میں یہ قرآنی آیت نازل ہوئی:

﴿ وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ۙ﴾ (آل عمران: ۱۶۹)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے، انھیں مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں۔ اپنے پروردگار کے مقرب ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے۔'' ❷

جمہور علماء کی رائے ہے کہ شہداء واقعتہً زندہ ہیں اور ان کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں اُڑتی پھرتی ہیں، انھیں جنت کا رزق دیا جاتا ہے جس سے وہ کھاتی ہیں اور آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ ❸ اس کے علاوہ قرآنِ کریم کی چند دیگر آیات بھی اس موقع پر نازل ہوئیں جن کے ذریعے مسلمانوں کو تسلی دی گئی اور اس طرح ان کے ذہنوں سے اُحد کے اثرات کو محو کیا گیا:

﴿ وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝﴾

''اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔'' (آل عمران: ۱۳۹)

---

❶ احمد، مسند، ۷: ۹۸۔ ابن کثیر کہتے ہیں: ''مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔'' احمد شاکر کہتے ہیں: ''اس کی سند ''صحیح'' ہے۔'' حاکم، (المستدرك، ۱: ۳۸۱) کہتے ہیں کہ ''مسلم کی شرائط کے مطابق یہ صحیح ہے۔'' ذہبی نے ان کی اس بات سے اتفاق کیا ہے، ابن سعد، طبقات، ۳: ۱۶

❷ احمد، مسند، ۴: ۱۲۳۳ ابو داؤد، سنن، ص ۳۱۵، حاکم، المستدرك، ۳: ۸۸۔ وہ کہتے ہیں ''مسلم کی شرائط کے مطابق یہ صحیح ہے۔'' ذہبی نے حاکم سے اتفاق کیا ہے۔

❸ شوکانی، فتح القدیر، ۱: ۳۹۹

Marfat.com

مزید ارشاد ہوا:

﴿ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ ﴾

''اگر تم کو زخم پہنچ جائے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ہم ان ایام کو ان لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں۔'' (آل عمران: ۱۴۰)

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾

''ہاں کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے، حالاں کہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو، اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہے۔'' (آل عمران: ۱۴۲)

مدینے میں مسلمانوں کو یہودیوں کا سامنا کرنا تھا جو مسلمانوں کی اس ناکامی پر خوشی سے پھولے نہیں سمارہے تھے، اور ان کے علاوہ شہر میں منافق بھی موجود تھے، ان سے بھی نمٹنا تھا، جو مسلسل جھوٹی افواہیں اڑانے میں سرگرم عمل تھے۔ تیسرا مسئلہ جو مسلمانوں کو درپیش تھا، وہ یہ تھا کہ مدینہ کے مضافات میں بسنے والے مشرک بدو مدینہ کی دولت کی طرف مستقل للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان تمام مسائل کے ساتھ ساتھ یہ امکان بھی موجود تھا کہ اگر قریش کو یہ خیال آ گیا کہ وہ مسلمانوں کو مکمل طور پر تباہ کر کے اپنی فتح مکمل کرلیں تو عین ممکن ہے کہ وہ لوٹ کر مدینے پر حملہ کردیں۔ اس خطرے کے پیش نظر مسلمانوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ وہ اپنی طاقت کو جلد از جلد بحال کر کے اپنی حیثیت کو مستحکم کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فوج کو حکم دیا کہ وہ حمراء الاسد تک قریشی فوج کا تعاقب کریں۔ یہ حکم فوج کے اسی حصہ کو دیا گیا جو اُحد کے میدان میں موجود تھی۔ [1] اگرچہ وہ زخموں سے چور تھی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاوہ کسی اور کو اس

[1] مکے کی طرف جانے والی شاہراہ پر یہ مدینے سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ (ابن ہشام، ⇦⇦⇦

Marfat.com

فوجی عمل میں شرکت کی اجازت نہ دی۔ سب سے پہلے ۷۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پیش قدمی کے لیے تیار ہوئے اور اس کے بعد پوری فوج تیار ہوگئی۔ آخر میں ۶۳۰ افراد تھے جو اس مقصد کے لیے کمر بستہ ہوگئے۔

اسلامی لشکر نے قریش کا تعاقب کرنے کے لیے جس مستعدی کا مظاہرہ کیا، اس کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ قرآنی آیت نازل فرمائی:

﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (آل عمران: ۱۷۲)

''جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے کہنے کو قبول کرلیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا۔ ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں، ان کے لیے ثواب عظیم ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عروہ سے فرمایا:

''تمھارے والد زبیر رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل تھے، (جنھوں نے جنگِ اُحد کے روز اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہا تھا) جس روز اللہ کے رسول ﷺ کو اُحد کے میدان میں مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جب مشرکین مکہ اُحد سے روانہ ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ کو یہ خدشہ پیدا ہوا کہ ممکن ہے وہ لوٹ آئیں، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ان کے تعاقب میں نکلے گا؟'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اس مقصد کے لیے پوری فوج میں سے ۷۰ افراد کا انتخاب کیا۔'' [1]

ابن اسحٰق نے کسی سند کا حوالہ دیے بغیر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین روز، یعنی سوموار، منگل اور بدھ کے روز حمراء الاسد میں قیام فرمایا۔ معبد الخزاعی مسلم افواج کے قریب سے گزرا اور روحاء کے مقام پر ابوسفیان اور دوسرے مشرک سرداروں سے ملاقات

⇦⇦⇦ سیرۃ، ۲:۱۰۲، معجم ما استعجم للبکري، ۲:۶۸ ۴۔ معجم البلدان، ۲:۳۰۱)۔ بلادی کہتے ہیں: ''یہ مدینے کے جنوب میں ۲۰ کلومیٹر پر واقع ہے۔'' (معجم المعالم الجغرافیه، ص ۱۰۵)

[1] بخاری کی ایک روایت ہے۔ (فتح الباری: ۷/۳۷۳)

Marfat.com

کی۔ وہ واپس آنے اور مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کے درپے تھے، لیکن معبد نے ان کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے انھیں یہ خبر دی کہ مسلمان ان کا تعاقب کرتے ہوئے حمراء الاسد تک پہنچ چکے ہیں، اس کے ساتھ مشرکین کو مکہ واپس جانے کا مشورہ دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس پیش قدمی کے گوناگوں فوائد حاصل ہوئے جو انھوں نے حمراء الاسد تک کی تھی، اور وہ مقصد بھی پورا ہو گیا تھا جس کی خاطر یہ مہم انجام پائی تھی۔ وہ مقصد یہ تھا کہ قریشی فوج اور بدوؤں پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے کہ اُحد میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا، اس کے باوجود مسلمانوں میں مدافعت کی بھرپور اہلیت موجود ہے اور یہ کہ جب مسلمان مدینہ سے باہر نکل کر عسکری کارروائی کی طاقت رکھتے ہیں تو مدینے کے اندر رہ کر یہودیوں اور منافقوں سے مقابلے کی قوت ان میں کہیں زیادہ ہے۔

غزوۂ اُحد کے بعد پیش آنے والی مہمات

غزوۂ اُحد کا ایک نتیجہ یہ نکلا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف مدینہ کے نواحی علاقوں میں بسنے والے بدوؤں کی جرأت میں اضافہ ہو گیا۔ ان کی یہ جرأت اس طرح ظاہر ہوئی کہ بنو اسد کی افواج طُلیحہ الاسدی اور اس کے بھائی سُلیمہ کی سرکردگی میں نجد میں جمع ہو گئیں اور بنو ہذیل کی افواج خالد بن سفیان الہذلی کی سربراہی میں عرفات میں جمع ہوئیں۔ یہ لوگ دولت کے لالچ میں مدینے پر حملہ کرنے کے متمنی تھے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کفر اور الحاد پر مبنی اپنے مذہب کی حمایت میں کھڑے ہوں اور قریش کو بھی اپنے اس عمل سے یہ باور کرا دیں کہ ان کے ساتھ ان کے حلیفانہ تعلقات کس قدر گہرے ہیں۔ یہ واقعہ محرم ۴ھ میں پیش آیا۔ [1]

اس سے پہلے کہ صورتِ حال قابو سے باہر ہوتی، مسلمانوں نے فوری کارروائی کی اور رسول اللہ ﷺ نے سلمہ ابن عبدالاسد کو ۱۵۰ افراد کے ہمراہ طلیحہ الاسدی کی طرف روانہ کیا۔ اس کے لوگوں کو جب مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے اور خوف زدہ

---

[1] ابن سعد، طبقات: ۲/ ۵۰، ابن قیم، زاد المعاد، ۲: ۱۲۱۔

Marfat.com

ہو کر منتشر ہو گئے، اور اپنے اونٹ اور مویشی مسلمانوں کے لیے چھوڑ گئے۔ ❶

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انیس الجہنی کو خالد بن سفیان الہذلی کی طرف روانہ کیا۔ عبداللہ نے بطن عرنہ ❷ (میں جو عرفات کے نزدیک ایک مشہور وادی ہے) خالد بن سفیان کو قتل کیا اور اس کے مویشیوں پر قبضہ کر لیا۔

قبیلہ ہذیل نے ابن سفیان الہذلی کے قتل کا انتقام لینے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ دہی اور غداری کا معاملہ کیا۔ واقعہ یوں ہے کہ صفر ۴ھ ❸ میں دو مضری قبائل عضال اور قارہ کا ایک وفد مدینہ آیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ اپنے چند ساتھیوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ وہ ہمیں اسلام کی تعلیم دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ❹ کو ان کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ ابن اسحٰق کا کہنا ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد چھ تھی، مگر موسیٰ بن عقبہ لکھتے ہیں کہ وہ سات صحابہ کرامؓ تھے اور موسیٰ نے ان کے نام بھی گنوائے ہیں اور یہ کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بن ثابت الاقلح کو اس وفد کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔ جب یہ لوگ عسفان اور مکہ کے درمیان ایک مقام پر پہنچے تو بنو ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کے تقریباً ۲۰۰ حملہ آوروں نے انھیں گھیر کر ان پر حملہ کر دیا۔ وفد کے تمام ارکان نے ایک بلند مقام پر پناہ لے لی۔ بدوؤں نے انھیں اس بات کی ضمانت دی کہ انھیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بن ثابت نے یہ سن کر فرمایا: ''میں کسی ''کافر'' کی ضمانت پر نیچے نہیں آؤں گا۔'' اب مسلمانوں نے لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے چھ ساتھی شہید ہو گئے اور تین لوگ بچ گئے۔ ایک مرتبہ پھر بدوؤں نے انھیں یہ ضمانت دی کہ ان کی زندگی محفوظ ہے اور وہ لوگ ان کی ضمانت قبول کرتے ہوئے

---

❶ ابن سعد، طبقات، ۲: ۵۰

❷ احمد، مسند، ۳: ۴۹۶۔ ایک ''حسن'' سند کے ساتھ اور ابن اسحٰق نے سند میں صاف طور پر سماع کا ذکر کیا ہے۔ ابو داؤد، سنن، ۱: ۲۸۷۔ ابن حجر کہتے ہیں: ''اس کی سند حسن ہے۔'' (الفتح الربانی، ۲: ۴۳۷)

❸ ابن حزم کہتے ہیں: ''ماہ صفر کے نصف میں۔'' (جوامع السیرۃ، ص ۱۷۶)

❹ بخاری، صحیح، ۵: ۴۰

Marfat.com

نیچے اتر آئے، لیکن جونہی وہ لوگ نیچے آئے، بدوؤں نے ایک بار پھر غداری کا ثبوت دیتے ہوئے ان کو وعدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے باندھ لیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن طارق نے مدافعت کی کوشش کی تو وہ شہید کر دیے گئے۔ وفد کے آخری دو ارکان حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما تھے، بدو انھیں لے کر مکہ آ گئے اور انھیں قریش کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو بنو حارث بن عامر بن نوفل نے اس لیے خرید لیا کہ وہ انھیں حارث کے انتقام میں قتل کرنا چاہتا تھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث کو بدر کے موقع پر قتل کیا تھا۔ ان لوگوں نے کچھ عرصہ تک حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قیدی بنا کر رکھا اور پھر متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ انھیں سولی دی جائے۔ اس موقع پر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث کی ایک بیٹی سے استرا طلب کیا تاکہ غیر ضروری بالوں کی صفائی کر سکیں۔ اس خاتون کو یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ کب اس کا چھوٹا بچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور جا کر ان کی گود میں بیٹھ گیا۔ استرا دینے کے بعد جونہی اس نے بچے کو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے گھٹنے پر بیٹھے ہوئے دیکھا، وہ سخت خوف زدہ ہو گئی اور اسے یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ انتقاماً اس کے بچے کو قتل کر دیں گے۔ جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو خاتون کی پریشانی کا احساس ہوا تو انھوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''کیا تمھیں یہ خدشہ ہے کہ میں تمھارے بچے کو قتل کر دوں گا؟ میں ایسا کبھی نہیں کروں گا، ان شاء اللہ۔'' بعد میں اس خاتون نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''میں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر قیدی کبھی نہیں دیکھا، ایک مرتبہ میں نے اسے انگور کے خوشے میں سے انگور کھاتے ہوئے دیکھا، حالاں کہ اس زمانے میں مکہ میں کوئی پھل بھی میسر نہیں تھا اور خبیب رضی اللہ عنہ آہنی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا خاص عطا کردہ رزق تھا جو وہ کھا رہا تھا۔'' جب لوگ انھیں سولی دینے کے ارادے سے حرمِ مکہ سے باہر لے کر چلے تو انھوں نے کہا: ''مجھے دو رکعت نماز ادا کرنے کی اجازت دے دو۔'' نماز کے بعد انھوں نے لوگوں سے کہا: ''اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے کہ میں موت سے ڈرتا ہوں تو میں اپنی نماز کو طویل کرتا۔'' حضرت خبیب رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تختۂ دار

Marfat.com

پر جانے سے پہلے دوگانہ ادا کرنے کی روایت قائم کی۔ اس کے بعد کہا: اے اللہ! انھیں شمار کر لے اور پھر یہ اشعار پڑھے:

ما أُبالي جين أُقتل مسلمًا　　على أي شق كان للّٰه مصرعي
وذلك فى ذات الإله وإن يشأ　　يبارك على أوصال شلوٍ مُمزّعٍ

''جب میں اسلام کی حالت میں شہادت حاصل کر رہا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے کہ یہ موت اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاطر ہے۔ اگر اس نے چاہا تو وہ میرے اعضائے بریدہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا۔''

اس کے بعد انھیں شہید کر دیا گیا۔ ❶

حضرت زید بن دِثنَہ کو صفوان بن امیہ نے خرید لیا تھا اور وہ انھیں اپنے باپ اُمیہ بن خلف کے انتقام میں قتل کرنا چاہتا تھا جو بدر کے موقع پر مارا گیا تھا۔ حضرت زید بن دثنہ کے قتل سے پہلے ابوسفیان نے ان سے دریافت کیا: ''زید! میں تمھیں خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو گے کہ اس وقت تمھاری جگہ محمد (ﷺ) ہمارے پاس ہوں اور ہم ان کا سر قلم کر دیں اور تم اپنے خاندان کے ساتھ آرام سے رہو؟'' زیدؓ نے جواب دیا: ''خدا کی قسم! میں تو یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ محمد ﷺ میری جگہ پر ہوں اور انھیں ایک کانٹا بھی چبھے، جب کہ میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ بیٹھا رہوں۔'' ابوسفیان نے حیرت اور تعجب سے کہا: ''میں نے کبھی ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس کے ساتھی اس سے اتنی محبت کرتے ہوں، جیسے محمد (ﷺ) کے ساتھی اس کے ساتھ کرتے ہیں۔'' ❷

واقدی کا خیال ہے کہ قبیلہ ہذیل نے عضل اور قارۃ کے ساتھ مل کر یہ سازش تیار کی

---

❶ بخاری، صحیح، ۵: ۴۰۔۴۱ (مطبوعہ استنبول)، احمد، مسند، ۲: ۳۱۰، ۳۱۱، ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۱۶۵، ۱۶۷، عاصم بن عمرو بن قتادہ کی ایک ''مرسل'' روایت سے۔

❷ ابن اسحٰق نے اپنے استاد عاصم بن عمرو بن قتادہ کی ایک ''مرسل'' حدیث سے بیان کیا ہے۔ ابن اسحٰق کا واضح بیان ہے کہ انھوں نے اسے اپنے استاد سے سنا ہے، (سماع) لیکن یہ حدیث پھر بھی ''مرسل'' ہے۔ (ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۱۶۰)

Marfat.com

تھی۔ ❶ اس واقعے کو واقعۂ رجیع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ رجیع اس چشمے کا نام ہے جس کے نزدیک یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ رجیع کے مقام پر پیش آنے والے اس افسوس ناک واقعے کے باوجود مسلمانوں نے بدوؤں میں اسلام کی نشر و اشاعت کی خاطر وفود بھیجنے کا سلسلہ ترک نہیں کیا۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ انھیں ہر قسم کے خطرات کے باوجود اسلام کا پیغام عام کرنا ہے۔

جب ابو براء عامر بن مالک، جسے ''نیزوں سے کھیلنے والا'' کہا جاتا تھا، مدینہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت پیش کی۔ اس نے فوراً تو اسلام قبول نہیں کیا، لیکن وہ اسلام سے اتنا دور بھی نہ تھا۔ اس نے وفد کو تحفظ دینے کا وعدہ کیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجد کی طرف روانہ کرنے کی خواہش رکھتے تھے تاکہ اس علاقے کے بدوؤں کو اسلام کی دعوت دی جا سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے صفر ۴ھ ❷ میں حضرت منذر رضی اللہ عنہ بن عمرو الخزرجی ❸ کی سربراہی میں ایک وفد روانہ فرمایا۔ ان کے ہمراہ ۷۰ قرائے کرام تھے۔ ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ کل ۴۰ تھے۔ جب یہ لوگ بئر معونہ کے مقام پر پہنچے جو نجد میں مدینہ سے ۱۶۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے ❹ تو عامر بن طفیل نے ان لوگوں کے ساتھ غداری کی اور حضرت حرام رضی اللہ عنہ بن مِلحان کو قتل کرا دیا جنھیں عامر کے پاس سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس نے

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۵۰۔

❷ ابن حزم نے بئر معونہ کی جو تاریخ بیان کی ہے، وہ ماہ صفر کے اختتام سے ۲۰ روز قبل کی ہے۔ (جوامع السیرۃ، ۱۸۰) انھوں نے اس کی تاریخ واقعۂ رجیع سے پہلے کی بیان کی ہے۔ ان کا بیان یہ ہے کہ رجیع کا واقعہ صفر کے وسط میں پیش آیا۔ اگرچہ انھوں نے ابن اسحٰق کا اتباع کرتے ہوئے واقعۂ رجیع کو بئر معونہ کے واقعے سے قبل جگہ دی ہے۔

❸ ابن اسحٰق نے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور مغیرہ بن عبدالرحمٰن مخزومی کی ''مرسل'' روایت سے لیا ہے، یہ دونوں اصحاب ''ثقہ'' ہیں۔ (خلیفہ بن خیاط، تاریخ، ص ۷۶، ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۱۷۴) موسیٰ بن عقبہ نے اسے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک کی ایک ''مرسل'' روایت سے بیان کیا اور طبری نے اسے کعب بن مالک کی ایک حدیث سے بیان کیا ہے۔ (تاریخ الامم والملوک، ۲: ۳۰۔۳۱)

❹ یاقوت، معجم البلدان، ۵: ۱۵۹، لیکن انھوں نے اس فاصلہ کا اندازہ چار مراحل میں لگایا ہے اور ہر مرحلہ ۴۰ کلومیٹر ہے۔

Marfat.com

ایک شخص کو حکم دیا کہ حضرت حرام رضی اللہ عنہ بن ملحان کی پشت میں خنجر گھونپ دے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے یہ مہلک وار سہتے ہی نعرہ بلند کیا: ''ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا!'' رِعل اور ذکوان کے بدوؤں نے ان قرّائے کرام کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ وہ لوگ اس وقت تک اپنے دفاع میں لڑتے رہے، جب تک ان سب نے ایک ایک کر کے جامِ شہادت نوش نہیں کرلیا۔ ان میں سے صرف حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ الضمرّی زندہ بچے جو سب سے پیچھے تھے۔ وہ واپس مدینے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر دی، اور رسول اللہ ﷺ رِعل اور ذکوان کے خلاف ایک ماہ تک نماز فجر میں بددعا کرتے رہے۔ اسی زمانے میں نماز میں دشمن کے خلاف قنوت پڑھنے کا آغاز ہوا۔ یہ ۷۰ قرائے کرام بہترین مسلمان تھے، دن بھر لکڑیاں جمع کرتے تھے اور انھیں فروخت کر کے ان کی آمدنی اہل صفہ کو صدقہ کر دیا کرتے تھے اور رات کو ایک جگہ جمع ہوکر قرآنِ کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ❶

اس طرح مسلمانوں کو صفر ۴ھ میں اپنے ۸۰ بہترین مبلغین اور داعیانِ کرام سے ہاتھ دھونے پڑے۔ بدوؤں کے صحرائی علاقے میں اسلام کی نشر و اشاعت نہ آسان تھی اور نہ محفوظ، بلکہ یہ کام خطرات سے پُر اور موت کے منہ میں جانے سے عبارت تھا، لیکن اس کے باوجود مسلمان مبلغین کو اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا میں پھیلانے سے کوئی چیز باز نہ رکھ سکی۔

مسلمانوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی متبادل نہیں تھا کہ بدوؤں کو ان کی غداری کا سبق سکھائیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ جمادی الاولیٰ ۴ھ میں ایک فوج لے کر بنولحیان کی طرف روانہ ہوئے۔ (جنھوں نے رجیع کے مقام پر قرائے کرام کو شہید کیا تھا۔) بدوؤں کو جب اسلامی لشکر کی آمد کا علم ہوا تو وہ پہاڑی پر منتشر ہوگئے۔ یہ مدائنی کی روایت ہے۔ ❷

---

❶ بخاری، صحیح، ۵: ۴۱، ۴۴۔ یہ احادیث کی وہ تعداد ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے ہیں۔ ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۳۸۶، ۳۸۷۔

❷ خلیفہ بن خیاط، تاریخ، ص ۷۷۔ علی بن محمد مدائنی کی ایک روایت ہے۔

Marfat.com

ابن اسحق کی روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے چھٹے سال پیش آیا [1]، لیکن ممکن ہے کہ یہ دو مختلف واقعات ہوں۔

غزوۂ بدر الموعد

ذی قعد چار ھ میں رسول اللہ ﷺ پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دس گھوڑ سواروں کے ہمراہ ایک مہم پر روانہ ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے علم اُٹھایا ہوا تھا۔ یہ مہم اس وعدے کے مطابق ترتیب دی گئی تھی جو قریش کے سردار ابوسفیان نے غزوۂ اُحد کے موقع پر کیا تھا۔ اس مہم کا مقصد یہ تھا کہ اس وعدے کی روشنی میں قریش کی آمد کا انتظار کیا جائے۔ مسلمانوں نے بدر کے مقام پر قریش کے انتظار میں آٹھ دن تک پڑاؤ ڈالے رکھا، لیکن قریش وہاں نہ پہنچے۔ ابوسفیان دو ہزار افراد اور ۵۰ گھوڑ سواروں کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلا تھا، لیکن یہ لوگ جب مرّا الظہران پہنچے جو مکہ سے چالیس میل کے فاصلے پر ہے تو وہاں سے یہ بہانہ بنا کر واپس چلے گئے کہ ان دنوں خشک سالی ہے۔ ان کی وعدہ شکنی کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کی حیثیت مستحکم ہوگئی اور رعب و دبدبہ میں اضافہ ہوا۔ [2]

مسلمانوں نے حجاز اور نجد کے مختلف علاقوں میں مہمات روانہ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا تاکہ بدوؤں کو اچھی طرح سبق سکھایا جاسکے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ایک مہم لے کر نجد میں طے اور اسد کے علاقوں کی سمت روانہ ہوئے، لیکن بدو ان کی آمد کی خبر سن کر پہاڑوں میں روپوش ہوگئے اور لڑائی پیش نہ آئی۔ [3]

ربیع الاوّل ۵ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے دومۃ الجندل کی طرف ایک ہزار مجاہدین پر مشتمل فوج کی رہنمائی فرمائی۔ آپ نے یہ خبر سنی تھی کہ وہاں مشرکین کی ایک تعداد مسلمانوں

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ، ۳:۲۲۱، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴:۸۱۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲:۵۹، ابن قیم، زاد المعاد، ۲:۱۲۰، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴:۸۷۔

[3] خلیفہ بن خیاط، تاریخ، ص ۷۷، ۷۸، مدائنی کی ایک روایت سے بغیر سند کے۔ یہ واقعہ ہجرت کے پانچویں سال کا ہے۔

Marfat.com

کے خلاف جمع ہوگئی ہے، لیکن ان مشرکوں کو جب مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ وہاں سے تتر بتر ہوگئے۔ مسلمانوں نے اس علاقے میں چند روز قیام کیا اور مختلف سرایا روانہ کیے، لیکن کسی جگہ بھی لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ مسلمان فوج مدینے کی جانب واپس ہوئی اور راستے میں عیینہ بن حصن الفزاری کے ساتھ امن کا معاہدہ طے کیا۔ ❶

نازل شدہ دستور کی تاریخ:

بلاذری کے قول کے مطابق ۴ ھ میں شراب حرام ہوئی۔ ❷

ذوالقعدہ ۴ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ اور اس شادی کے موقعہ پر فرضیت حجاب کا حکم نازل ہوا۔ اور حافظ ابن حجر نے حکم حجاب کی تاریخ کے ضمن میں مختلف اقوال کو جمع کر کے ان کا خلاصہ یوں بیان فرمایا ہے:

''علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ تاریخ ذوالقعدہ ۳ ھ ہے۔ اور یہی قول ابوعبیدۃ کا بھی ہے، جب کہ دوسرے علما کے مطابق یہ تاریخ ۴ ھ ہے۔ اور اسی کو دمیاطی نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ۵ ھ ہے۔'' ❸

۳ ھ کی تاریخ اس لحاظ سے صحیح نہیں ہے کہ اُحد کے چند ہفتے بعد مسلمانوں کا غزوۂ بنو مصطلق کے لیے جانا ناقابل فہم ہے۔ کیوں کہ ان کے زخم ابھی تک مندمل نہیں ہوئے تھے اور غزوۂ اُحد ۳ ھ ماہ شوال کے وسط میں پیش آیا۔ ۵ ھ کی تاریخ بھی ناممکن ہے۔ کیوں کہ واقعہ افک شعبان ۵ ھ میں ہوا تھا۔ اور ذوالقعدہ ۵ ھ کی تاریخ اس کے بعد آتی ہے۔ اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ نزول حجاب کا حکم واقعہ افک سے پہلے کا ہے۔

اس لیے ۴ ھ کی تاریخ ہی صحیح باقی رہ جاتی ہے۔

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۲۱۳۔ ابن اسحٰق کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دومہ نہیں پہنچے تھے۔ ابن قیم، زاد المعاد، ۱۲۵/۲

❷ انساب الاشراف ۲/۱/۲۷

❸ فتح الباری ۴۶۲/۸

Marfat.com

غزوۂ بنو مصطلق (المُریسیع)

بنو مصطلق خزاعہ کے یمنی ❶ ازدی قبیلے کی ایک شاخ تھے۔ یہ لوگ قدید ❷ اور عسفان ❸ کی بستیوں میں رہتے تھے جو مکہ اور مدینہ کو ملانے والے راستے پر واقع تھیں۔ قدید مکہ سے ۱۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر اور عسفان ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھی اور یہ دونوں بستیاں ایک دوسرے سے ۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر تھیں۔ قبیلہ خزاعہ کی بستیاں مدینہ سے مکہ جانے والی شاہراہ پر مرّ الظهران اور ابواء کے درمیان پھیلی ہوئی تھیں۔ مرّ الظهران مکہ سے ۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر، اور ابواء (مستورہ سے تین کلومیٹر مشرقی جانب) ❹ مکہ سے ۲۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ❺ اس طرح بنو مصطلق کے مساکن خزاعی علاقے کے بالکل درمیان میں تھے۔ قریش اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والی کشمکش میں بنو مصطلق کا کردار بہت اہم رہا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ قبیلہ خزاعہ کا رویہ ہمیشہ بہت پرامن اور دوستانہ رہا، غالباً اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ انصار کے ساتھ خزاعہ کا رشتہ قرابت تھا، نیز ان کے درمیان امن کا معاہدہ قائم تھا، ❻ اگرچہ قریش کے ساتھ بھی خزاعہ کے تعلقات حلیفانہ

---

❶ قلشندی، ابو العباس احمد ابن علی، قلائد الجمان فی التعریف بقبائل عرب الزمان، ص: ۹۳۔ عمرو بن عامر انصار (اوس اور خزرج) کے اجداد میں جدّ ثانی اور بنو مصطلق کے اجداد میں جدّ رابع تھے۔ ان کی شخصیت میں انصار اور بنو مصطلق کے سلسلۂ نسب کے اشتراک کے لیے ملاحظہ کیجیے: خلیفہ بن خیاط، تاریخ، ص: ۶۷، ص: ۱۰۷۔

❷ حربی، ابو اسحٰق ابراہیم بن اسحٰق بن ابراہیم، کتاب المناسك واماكن طرق الحج ومعالم الجزيرة، ص: ۴۵۸، ۴۶۰۔ ❸ ایضاً، ص: ۴۶۳۔

❹ عبد اللہ آل بسام، تیسیر العلام شرح عمدة الاحکام: ۱/۵۸۴۔

❺ ابراہیم قُریبی، مرویات غزوة بنو المصطلق، ص: ۵۴۔ ۵۸۔

❻ معبد الخزاعی کے طرزِ عمل کا حوالہ سامنے رکھیے جب اس نے قریش کو غزوۂ اُحد کے بعد واپس نہ جانے اور مدینہ پر حملہ نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

Marfat.com

تھے۔ [واضح رہے کہ] قریش کو شام جانے والی تجارتی شاہراہ سے دلچسپی تھی۔ خزاعہ کے علاقے میں شرک و بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ ایک مشہور و معروف بت منات قدید میں ایک پہاڑ کے اوپر بنا ہوا تھا، اس پہاڑ کا نام مشلل تھا۔ مزید براں یہ علاقہ مدینہ کے مقابلہ میں مکہ سے زیادہ نزدیک تھا۔

غالباً یہی وہ اسباب ہیں جو قبیلہ خزاعہ میں عموماً اور بنومصطلق میں خصوصاً اسلام کی اشاعت میں مانع ہوئے۔ تجارتی شاہراہ پر آباد ہونے کی وجہ سے انھیں جو حیثیت حاصل تھی، اس کے علاوہ انھیں اس چیز نے بھی جذباتی اور مادی طور پر فائدہ پہنچایا کہ بت منات کے علاقے میں نصب تھا اور عرب اس بت کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔

اسلام کے خلاف بنومصطلق کا پہلا جارحانہ اقدام یہ تھا کہ انھوں نے اُحد کے موقع پر قریشی فوج میں احابیش کے ساتھ شرکت کی۔ [1] غزوۂ اُحد کا جو نتیجہ سامنے آیا، اسے دیکھنے کے بعد بنومصطلق بھی مدینہ کے گرد بسنے والے دیگر قبائل کی طرح مسلمانوں کے خلاف زیادہ نڈر اور بے باک ہو کر سامنے آگئے۔ غالباً اُنھیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ انھوں نے اُحد کے موقع پر جو کردار ادا کیا تھا، اب مسلمان اس کا انتقام لیں گے۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ تجارتی شاہراہ قریش کے لیے بلاخوف و خطر کھلی رہے، کیوں کہ اس میں ان کا اپنا مفاد بھی پنہاں تھا۔ اس پس منظر میں ان لوگوں نے حارث بن اَبی ضرار کی سرکردگی میں مسلمانوں کے خلاف ایک مہم کی تیاری شروع کر دی، اس مقصد کے لیے افراد اور ہتھیار جمع کرنے لگے اور قرب و جوار کے قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ بن حصیب اسلمی کو تمام حالات دریافت کرنے کی غرض سے روانہ کیا۔ انھوں نے وہاں جا کر یہ تاثر دیا کہ وہ ان کی مدد کرنے آئے ہیں۔ اس طرح انھوں نے یہ پتا لگا لیا کہ بنومصطلق مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ کو

---

[1] ابن ھشام، سیرۃ، ۲:۶۱؛ واقدی، مغازی، ۱:۲۰۰۔

Marfat.com

اس سازش سے مطلع کیا۔ ❶

راجح رائے کے مطابق پیر، ۲ شعبان ۵ ھ کو رسول اللہ ﷺ فوج لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور بنو مصطلق کے علاقے کا رخ کیا۔ یہ موسیٰ بن عقبہ کی ''صحیح'' روایت ہے، جسے انھوں نے زہری اور عروہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ ❷ ابومعشر سندھی، واقدی اور ابن سعد ❸ نے موسیٰ بن عقبہ کی پیروی کی ہے، اور متاخرین میں سے ابن قیم اور ذہبی نے بھی، لیکن ❹ ابن اسحٰق کا خیال ہے کہ یہ واقعہ شعبان ٦ ھ میں پیش آیا۔ ان کا یہ بیان بخاری اور مسلم کی ان روایات سے میل نہیں کھاتا جن کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے بنو مصطلق کی مہم میں حصہ لیا تھا، جب کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ بنو قریظہ کے خلاف مہم میں شہید ہوئے تھے اور یہ مہم خندق کے فوراً بعد پیش آئی تھی، ❺ اس لیے یہ غزوہ خندق سے پہلے ہی پیش آیا تھا۔

اس بارے میں کوئی ''صحیح'' روایات موجود نہیں کہ مدینہ سے بنو مصطلق کی جانب جو

---

❶ ابن سعد، طبقات، ۲: ٦۳۔ انھوں نے کتاب کے آغاز میں اور اس جلد کے شروع میں سند درج کی ہے۔ اس صفحے پر انھوں نے اس بات کا حوالہ قَالُوا (انھوں نے کہا) کے لفظ سے دیا ہے۔ یہ واقدی، ابومعشر سندھی اور موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے ہے اور ان کی احادیث باہم مل گئی ہیں۔ سندوں کا یہ ارتباط غیر یقینی اور غیر قطعی ہے، کیوں کہ جب کمزور اور ''ثقہ'' راوی ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں تو صحیح اور غلط کو علیحدہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ واقدی، مغازی، ۱: ۴۰۴، ۴۰۵۔

❷ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۱۵٦، ۳۰: ۲۴۲، بیہقی، السنن الکبریٰ، ۵۴، ۹۔ اس کی سند میں ابن لہیعۃ شامل ہیں، جن کی کتابیں نذرِ آتش ہونے کی وجہ سے ان کی تحریرات منتشر ہیں۔ یہاں روایت عبادلہ کے ذریعے نہیں ہے۔ سند میں محمد بن فلیح بھی شامل ہیں جو ''صدوق'' ہیں، لیکن بعض اوقات غیر واضح ہو جاتے ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ کے اقوال حاکم، ابوسعید عبداللہ بن محمد نیشاپوری اور بیہقی نے الدلائل میں روایت کیے ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ سے بخاری کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے چوتھے سال پیش آیا، لیکن یہ قلم کی لغزش ہے۔ دیکھیے: ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۴۳۰۔

❸ ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۴۳۰، واقدی، مغازی، ۱: ۴۰۴، ابن سعد، طبقات، ۲: ٦۳۔

❹ ابن قیم، زاد المعاد، ۳: ۱۲۵، ذہبی، تاریخ اسلام، ۲: ۲۷۵۔

❺ مسلم، صحیح، ۸: ۱۱۵، ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۴۷۱، ۴۷۲۔

Marfat.com

فوج روانہ ہوئی، اس کی صحیح تعداد کتنی تھی، لیکن ذہبی کا کہنا ہے کہ اس میں سات سو مجاہدین شامل تھے۔ [1] واقدی کا بیان ہے کہ اس فوج میں ۳۰ گھوڑ سوار شامل تھے جن میں ۱۰ مہاجر اور ۲۰ انصار تھے۔ [2]

بنو مصطلق کے علاقے میں قدید کے مقام پر مُریسیع نامی پانی کے چشمے پر جو واقعہ پیش آیا، اس کے متعلق دو اہم روایات پائی جاتی ہیں۔ بخاری اور مسلم دونوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے، جو اس واقعے کے چشم دید گواہ تھے کہ رسول اللہ نے بنو مصطلق پر اچانک حملہ کیا تھا اور انھیں بے خبری کے عالم میں اس وقت جا لیا تھا، جب وہ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے مردوں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ ان جنگی قیدیوں میں سے جس قیدی خاتون کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے حصے میں لیا، وہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ [3] صحیح مسلم کے الفاظ اس طرح ہیں:

> ''میں نے نافع کو خط لکھا اور ان سے یہ دریافت کیا کہ جنگ کا آغاز کرنے سے پہلے دشمن کو دعوتِ اسلام دینے کی بابت مجھے کچھ بتائیں۔ انھوں نے مجھے جواباً لکھا کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی یہی سنت رہی تھی، لیکن آپ ﷺ نے بنو مصطلق پر اچانک حملہ کیا تھا اور انھیں بے خبری میں جا پکڑا تھا......'' [4]

مسلم کی روایت سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہوتی ہے کہ بنو مصطلق پر بلا کسی تنبیہ کے حملہ کیا گیا، [5] کیوں کہ رسول اللہ ﷺ انھیں پہلے ہی دعوتِ اسلام دے چکے تھے۔ انھیں اسی وقت سے مسلمانوں کے خلاف حالت جنگ میں سمجھا جا رہا تھا، جب انھوں نے قریش

---

[1] ذہبی، تاریخ اسلام، ۱: ۲۳۰۔ [2] واقدی، مغازی، ۱: ۴۰۴۔
[3] صحیح بخاری، ۳: ۱۲۹، یہ الفاظ ان کے اپنے ہیں۔ [4] مسلم، صحیح، ۵: ۱۳۹۔
[5] واقدی کو اختلاف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کو حکم دیا کہ وہ بنو مصطلق کو پکاریں اور انھیں اسلام کی دعوت دیں، لیکن واقدی کی روایات پر سوال اٹھایا جا سکتا ہے، کیوں کہ وہ واحد شخص ہیں جو ان کا ذکر کرتے ہیں۔ واقدی، مغازی، ۱: ۴۰۴، ۴۰۷۔

Marfat.com

کے ساتھ مل کر جنگِ اُحد میں حصہ لیا تھا اور اب وہ مسلمانوں پر جنگ مسلّط کرنے کے لیے اپنی فوجوں کو حرکت میں لا رہے تھے۔ اس اچانک حملے سے وہ خوفزدہ ہو گئے اور زیادہ دیر تک مدافعت نہ کر سکے۔ بخاری اور مسلم کی روایات سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انھوں نے مدافعت کی، لیکن ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ مُریسیع نامی چشمے پر معمولی سی جھڑپ ہوئی تھی جس کے بعد بنو مصطلق میں بھگدڑ مچ گئی اور انھیں شکست فاش ہوئی، ان کے مردوں کی ایک تعداد ماری گئی اور مسلمانوں نے ان کی عورتوں، بچوں اور مال پر قبضہ کر کے آپس میں تقسیم کر لیا۔ ❶

اس بارے میں کوئی ''صحیح'' روایات موجود نہیں کہ ان کے مقتولین اور قیدیوں کی کل تعداد کتنی تھی اور ان کی دولت جو مسلمانوں کے قبضے میں آئی، اس کی کیا مقدار تھی، البتہ ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ بنو مصطلق کے سو خاندانوں کو آزاد کیا گیا تھا۔ ❷ واقدی نے لکھا ہے کہ بنو مصطلق کے دس افراد کو قتل کیا گیا تھا اور باقی لوگوں کو قید کر لیا گیا تھا اور یہ کہ: ''ان میں سے کسی ایک کے بھی فرار ہونے کی نوبت نہیں آئی۔'' ❸ انھوں نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ جو مالِ غنیمت لگا، وہ ایک ہزار اونٹوں اور پانچ ہزار بھیڑوں پر مشتمل تھا، اور دو سو خاندانوں کو قیدی بنایا گیا تھا۔ ❹ ایک روایت یہ بھی ہے کہ قیدیوں کی تعداد سات سو سے زیادہ تھی۔ ❺

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۲۹۰، ۲۹۳۔ ان کے تین اساتذہ کے ''مراسیل'' سے جو ''ثقہ'' ہیں۔ انھوں نے ان روایات کے درمیان امتیاز نہیں کیا اور یہی چیز ان کی تقویت کا سبب بنی ہوگی، بلکہ انھوں نے آپس میں ایک دوسری کو ملایا اور ان کے درمیان مطابقت پیدا کی۔

❷ ایضاً، ۲: ۲۹۴، ۶۴۳، ابن اسحٰق، سیرۃ، ۱: ۲۴۵، ایسی سند کے ساتھ جس کے افراد ''ثقہ'' ہیں۔

❸ غالباً ان کی مراد ان لوگوں سے ہے جو میدانِ جنگ میں موجود رہے تھے، کیوں کہ ان کا سردار حارث بن اَبی ضرار قیدی نہیں بنایا گیا تھا۔

❹ واقدی، مغازی، ۱: ۲۶، ابن سعد، طبقات، ۲: ۶۴۔ ''دو سو خاندان''، یعنی ہر خاتون اپنی جگہ ایک خاندان تھی، اور اس کے اہلِ خاندان اس کے ہمراہ تھے۔ اس خیال یا روایت کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ ۷۰۰ سے زائد افراد تھے۔

❺ زرقانی، محمد بن عبدالباقی بن یوسف، شرح مواہب اللدنیہ، ۳: ۲۴۵۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ تقریباً ایک ماہ مدینہ سے باہر رہنے کے بعد رمضان المبارک کے اوائل میں مدینہ واپس تشریف لائے۔ [1]

مریسیع کے مقام پر منافقوں نے مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہو کر کھلم کھلا اپنی اس نفرت کا اظہار کیا جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رکھتے تھے۔ بنو مصطلق کے مقابلے میں جب مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی تو منافقوں کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور وہ اس دن کی تمنا کرنے لگے جب مسلمانوں کو شکست ہو اور ان کے غصے کی آگ ٹھنڈی پڑے۔ مریسیع میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابی کے بعد منافقوں نے مہاجرین اور انصار کے درمیان قبائلی عصبیت کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی، لیکن ان کی یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔ اس ناکامی کے بعد انھوں نے ایک اور چال چلی اور رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اہل خانہ کو تکلیف پہنچانے کی خاطر ایک بہتان گھڑا جو واقعۂ افک کے نام سے مشہور ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم منافقوں کی اس پہلی سازش کے چشم دید گواہ ہیں اور اس واقعے میں ان کا اپنا کردار اہم رہا ہے۔ اس بارے میں ان کی روایت یہ ہے:

> ''میں ایک غزوے میں شریک تھا۔ [2] میں نے عبداللہ بن اُبی کو یہ کہتے سنا: ''ان لوگوں پر خرچ مت کرو جو رسولِ خدا کے ساتھ ہیں تاکہ وہ انھیں چھوڑ کر تتر بتر ہو جائیں اور جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو جو ہم میں معزز ترین ہوگا، وہ ان کے ذلیل ترین کو نکال باہر کرے گا۔'' میں نے یہ بات سن کر اپنے چچا، یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے [3] ذکر کر دی اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس بات

---

[1] واقدی، مغازی، ۱:۴۰۴۔

[2] دیگر روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ غزوۂ بنو مصطلق تھا۔ (دیکھیے: احمد، مسند، ۳:۲۹۲، ۲۹۳، ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ۔ فتح الباری، ۸:۶۶۹۔ اضافی مواد کے ساتھ مستخرج اسماعیلی؛ ترمذی، سنن، ۵:۹۰۔ وہ کہتے ہیں: ''یہ ایک حسن صحیح حدیث ہے۔)

[3] ''میرے چچا'' سے ان کی مراد سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ ہیں۔ یہ خزرج کے سردار تھے، اور ان کے ⇦⇦⇦

Marfat.com

سے مطلع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً مجھے طلب فرمایا اور میں نے آپ کے سامنے پورا واقعہ نقل کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا اور ان سے اس بارے میں استفسار کیا۔ انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ انھوں نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی۔ اب رسول اللہ نے ان کی بات مان لی اور میری بات کو رَدّ کر دیا۔ اس پر میں اتنا افسردہ اور پریشان ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں پریشانی کے عالم میں گھر میں بند ہو کر رہ گیا اور میرے چچا نے بھی مجھے سرزنش کرتے ہوئے کہا: ''کیا تم چاہتے تھے کہ اللہ کے رسول (ﷺ) تمھاری بات کو جھوٹ سمجھ کر تمھیں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھیں!'' آخر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے وہ سورۃ نازل فرمائی جس کا آغاز اس آیت سے ہوتا ہے:

﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ﴾

''جب منافق تمھارے پاس آئیں۔'' ❶ (المنافقون 1:)

رسول اللہ ﷺ نے فوراً مجھے بلا بھیجا، یہ سورۃ تلاوت فرمائی اور فرمایا: ''زید! اللہ تعالیٰ نے تمھارے بیان کی تصدیق کر دی ہے۔'' ❷

اس واقعے کے ایک اور چشم دید گواہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ ہیں۔ انھوں نے بھی یہ واقعہ بیان کیا ہے جو مُریسیع کے چشمے پر پیش آیا تھا اور جس کے ذریعے منافقوں نے تعصب کو ہوا دے کر مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ کہتے ہیں: ''ہم ایک مہم پر تھے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو دھکا دیا۔ انصاری نے دہائی دی 'اے انصار! آؤ اور میری مدد کرو۔' یہ سن کر مہاجر نے بھی آواز لگائی 'مہاجرو! میری مدد کرو۔'

⇦⇦ حقیقی چچا نہیں تھے۔ ''عمر'' سے ان کی مراد عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب ہیں۔ ابن حجر، فتح الباری، ۸:۶۴۵۔

❶ یہ سورۃ غزوے سے واپسی کے دوران میں نازل ہوئی۔ ترمذی، سنن، ۵:۸۸، ''یہ ایک حسن صحیح حدیث ہے۔''

❷ صحیح بخاری، ۴:۱۲۶، ۱۲۷، مسلم، صحیح، ۸:۱۱۹۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آوازیں سنیں تو فرمایا: ''تم اس چیز کو کیوں ہوا دے رہے ہو جس کا تعلق جاہلیت سے ہے۔'لوگوں نے آپ ﷺ کو حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا: ''یا رسول اللہ (ﷺ) ایک مہاجر نے ایک انصاری کو دھکا دیا ہے۔'' عبداللہ بن اُبی کو جب اس واقعے کی خبر ہوئی تو بولا: ''اچھا! یہ لوگ اب اتنا آگے بڑھ گئے ہیں! خدا کی قسم! جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو ہم میں جو سب سے معزز ہے، وہ اسے نکال باہر کرے گا جو ان میں سب سے زیادہ ذلیل ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ الفاظ سنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا '' مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں منع کیا اور فرمایا: ''میں نہیں چاہتا کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کروا رہے ہیں۔'' جب مہاجر پہلے پہل مدینہ آئے تو انصار کی تعداد ان سے زیادہ تھی، لیکن بعد میں مہاجرین کی تعداد بڑھ گئی۔ ❶

کچھ قوی روایات ایسی ہیں ❷ جو مندرجہ بالا روایت سے متضاد ہیں۔ ان روایات کے مطابق عبداللہ بن اُبی نے غزوۂ تبوک کے دوران میں یہ بات کہی تھی، لیکن یہ ایک غلط خیال ہے۔ ''صحیح'' روایت یہ ہے کہ عبداللہ بن اُبی نے تبوک کی مہم میں حصہ نہیں لیا تھا۔ ❸

رسول اللہ ﷺ نے یہ حقیقت پوری طرح واضح فرما دی کہ عصبیت کا تعلق جاہلیت سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، اگر وہ ظالم ہے تو اسے ظلم کرنے سے روکو اور اب یہی اس کی مدد ہے اگر وہ مظلوم ہے تو اسے ظلم سے بچاؤ۔'' ❹ رسول اللہ ﷺ نے حق اور انصاف کے حصول کے لیے باہمی تعاون کو ایک شرط قرار دیا اور اس کلمے کے جاہلی مفہوم کو کالعدم قرار دیا کہ ''اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔''

رسول اللہ ﷺ شدت سے اس بات کے خواہاں تھے کہ دیگر قبائل میں مسلمانوں کی

---

❶ صحیح بخاری، ۴:۱۴۶:۶، ۱۲۸، مسلم، صحیح، ۸:۱۹۔
❷ ترمذی، سنن، ۵:۸۹، بخاری، صحیح بخاری، ۶:۱۲۷۔
❸ ابن کثیر، تفسیر، ۴:۳۶۹، ابن حجر، فتح الباری، ۸:۶۴۴۔
❹ مسلم، صحیح، ۸:۱۹۔

Marfat.com

نیک نامی داغدار نہ ہونے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی کو سزا دینے سے گریز کیا۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ تمام قبائل اسلام کے قریب آئیں اور اس قسم کی تمام افواہوں کا سدِ باب کیا جائے جو انھیں اسلام سے دور کر سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس صورتِ حال سے نمٹنے کی خاطر صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا کہ اپنے اصحاب سے اس سلسلے میں گفت وشنید فرمائیں، بلکہ ایک عملی اقدام یہ فرمایا کہ آپ اپنے لوگوں کے ساتھ دن بھر سفر کرتے رہے، حتی کہ رات چھا گئی اور پھر پوری رات سفر کرتے ہوئے صبح کر دی۔ صبح کو پھر بلا توقف سفر شروع کیا۔ جب سورج کی تمازت نے لوگوں کو بالکل تھکا دیا تو آپ ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ لوگ اتنے تھکے ہوئے تھے کہ زمین پر سر رکھتے ہی سو گئے۔ ایسا کرنے سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے ذہن عبداللہ بن اُبی کی ان باتوں کی طرف مبذول نہ ہوں جو اس نے مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کے لیے کی تھیں۔

اس واقعے کے بعد عبداللہ بن اُبی کا مقام اس کے بہی خواہوں کی نظروں میں بھی گر گیا اور انھوں نے اسے اس کی غلطیوں پر ملامت کرنا شروع کر دی۔ ❶ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی، لیکن آپ ﷺ نے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ ”نہیں! تم اس کے ساتھ نیکی کرو اور جب اس کے ساتھ بیٹھو تو حسنِ سلوک کا معاملہ کرو۔“ ❷ جب لوگ مدینہ پہنچے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا اور کہا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دیں گے، تم شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے عبداللہ بن اُبی مدینہ

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۲۹۰، ۲۹۳، ابن اسحٰق سے، نیز ان کے تین اساتذہ سے بطور ”مرسل“ مروی ہے۔ عروہ بن زبیر کی ”مراسیل“ میں سے ایک ”مرسل جید حدیث“ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (فتح الباری، ۸: ۶۴۹) صحیحین میں بھی یہی معنی دیے گئے ہیں۔ (بخاری ۶: ۱۲۷، مسلم، ۸: ۱۱۹)

❷ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۹: ۲۳۰، بزار کی ایک روایت سے۔ ان کا کہنا ہے کہ ”اس کے افراد ثقہ ہیں۔“ ”عروہ کی ”مراسیل“ سے طبرانی کی روایت بھی ملاحظہ کیجیے۔ ہیثمی نے کہا: ”اس کے افراد صحیح ہیں۔“

Marfat.com

میں داخل ہوا۔ ❶ اگر چہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے ساتھ نہایت عزت اور احترام کے ساتھ پیش آتے تھے اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرتے تھے، لیکن اس حسنِ سلوک کے باوجود انھوں نے عبداللہ بن اُبی کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ ❷ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ایمان میں بے حد مخلص اور ہر قسم کے جاہلی تعصب سے پاک تھے، حالاں کہ ان کی نسل کے لوگوں میں اس قسم کے اثرات بہت نمایاں تھے۔ اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں پر کتنے گہرے اثرات چھوڑے تھے اور ان کے اندر کتنی واضح تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں کہ ان کے معیارات اور پیمانے یکسر بدل گئے تھے۔

جب منافقین کی یہ کوشش، جو انھوں نے مسلمانوں کے درمیان تعصب پیدا کرنے کے لیے کی تھی، ناکام ہوگئی تو وہ غصے سے بے قابو ہوگئے۔ اب انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ (ﷺ) کے اہل خانہ کو تکلیف دینے کے لیے ایک اور موقع تلاش کر لیا۔ [اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ] جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ بنو مصطلق کے لیے روانہ ہوئے تو امّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ اس وقت خواتین کے لیے پردے کے احکام نازل ہو چکے تھے، غزوے سے واپسی پر جب مسلمان مدینہ شہر کے نزدیک پہنچ چکے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اونٹ سے اتریں اور رفعِ حاجت کی غرض سے جنگل میں تشریف لے گئیں۔ جس وقت اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر واپس آئیں تو انھوں نے محسوس کیا کہ ان کا ہار جنگل میں کہیں گر گیا ہے، وہ ہار کی تلاش میں واپس جنگل کی طرف چلی گئیں۔ اسی اثناء میں قافلے کی روانگی کا وقت آ گیا اور لوگوں نے ان کے ہودج کو اٹھا کر اونٹ کے اوپر رکھ دیا۔ کسی نے یہ خیال نہیں کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہودج میں موجود نہیں ہیں، کیوں کہ وہ ہلکی پھلکی سی تھیں۔ قافلہ مدینہ کی جانب رواں دواں ہوگیا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنا ہار لے کر واپس آئیں تو انھوں نے دیکھا کہ قافلہ جا چکا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی جگہ انتظار کرنا مناسب سمجھا۔ اسی دوران میں حضور ﷺ کے ایک

---

❶ ترمذی، سنن، ۵: ۹۰۔ انھوں نے کہا، ''یہ ایک حسن صحیح حدیث ہے۔'' ❷ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۲۹۳۔

Marfat.com

نہایت قریبی صحابی حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بن معطل وہاں سے گزرے۔ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر سوار کرایا اور مدینہ لے آئے۔ جس وقت وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لے کر مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ بھی مدینہ پہنچ چکے تھے۔ منافقوں نے اس واقعے کے متعلق بے شمار جھوٹ گھڑ لیے۔ ان کے سردار عبداللہ بن اُبی نے حضرت مسطح بن اثاثہ، حضرت حسان بن ثابت اور حضرت حمنہ رضی اللہ عنہم بنت جحش کو اپنا ہم نوا بنالیا۔ اس طرح اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ پر تہمت لگادی گئی۔

منافقین کے ان بے بنیاد الزامات کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کو بے حد اذیت پہنچی۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مسجد میں جمع کیا اور وہاں یہ اعلان فرمایا کہ آپ کو اپنی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اپنے صحابی حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بن معطل پر پورا اعتماد ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کھڑے ہوئے اور یہ اعلان کیا کہ اگر ان کے قبیلے اوس کا کوئی شخص بھی یہ غلط افواہ پھیلائے گا، وہ اسے قتل کردیں گے۔ یہ سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے بارے میں کچھ تنقیدی کلمات کہے کیونکہ عبداللہ بن ابی قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا جس کی وجہ سے قریب تھا کہ اوس اور خزرج کے درمیان جھگڑا ہوجاتا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں ٹھنڈا کر کے معاملہ رفع دفع کردیا۔

اس دوران میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار پڑ گئیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے والد کے گھر جانے کی اجازت مانگی، آپ ﷺ نے انھیں اجازت دے دی۔ والد کے گھر آکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ ان کے اوپر کتنا بڑا بہتان لگایا گیا ہے، تو ان کی راتوں کی نیند اڑ گئی۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے پوری امید تھی کہ وہ وحی کے ذریعے اپنے نبی پر ان کی بے گناہی کو ثابت کردے گا، لیکن ایک ماہ گزر گیا اور وحی نازل نہ ہوئی۔ اس تمام عرصے میں رسول اللہ ﷺ شدید ذہنی اذیت میں مبتلا رہے۔ منافق آپ ﷺ کے عزت و وقار پر حملے کرنے میں مصروف رہے اور آپ ﷺ کی اہلیہ کو بدنام کر کے آپ ﷺ کو سخت تکلیف پہنچا رہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ شدت سے آمدِ وحی کے منتظر تھے اور

Marfat.com

اس کی انتہائی ضرورت محسوس کر رہے تھے تاکہ ایک طرف آپ کو ذہنی سکون حاصل ہو اور دوسری طرف منافقوں کا منہ بند ہو، نیز اپنی محبوب ترین بیوی اور ان کے والد کا دفاع کر سکیں جو آپ ﷺ کو سب سے زیادہ عزیز تھے۔ اس کے بعد یہ قرآنی آیات نازل ہوئیں:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ○ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ○ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ○ یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ وَیُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ○ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ ﴾

''جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے، وہ تمھارے میں سے ایک گروہ ہے۔ تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمھارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا، گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس میں

Marfat.com

سب سے بڑا حصہ لیا، اس کو سخت سزا ہوگی۔ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔ یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ سو جس صورت میں یہ لوگ گواہ نہیں لائے تو بس اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا کرم وفضل نہ ہوتا، دنیا میں اور آخرت میں تو جس شغل میں تم پڑے تھے، اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا، جب تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے، حالاں کہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے اور تم نے جب اسے سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیب نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں۔ معاذ اللہ! یہ تو بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا، اگر تم ایمان والے ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں سزائے دردناک ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق اور بڑا رحیم ہے۔ (تو تم بھی اس وعید سے نہ بچتے۔)'' (النور: ۱۱ تا ۲۰)

اس واقعے سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ایک عزیز حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی مالی مدد کیا کرتے تھے، اس واقعہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ اب وہ اس کی کبھی مدد نہیں کریں گے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا

Marfat.com

﴿ تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾

''اور جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں، وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں ...... کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے قصور معاف کر دے۔'' (النور: ۲۲)

آیتِ بالا کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی مالی امداد کرنا شروع کر دی۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے ان تین افراد نے اس بہتان کو پھیلانے میں حصہ لیا، جن کا ذکر اس سے پہلے کیا گیا ہے، لیکن اس بہتان تراشی میں کلیدی کردار منافقوں نے عبداللہ بن اُبی بن سلول کی سربراہی میں ادا کیا۔ ان تین افراد کا خاص طور پر ذکر اس لیے کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمان تھے اور انھیں منافقوں کے پھیلائے ہوئے جال میں نہ پھنسنا چاہیے تھا۔ قرآن کریم کی اس آیت میں ان تین افراد پر تنقید کی گئی ہے:

﴿ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

''جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔'' (النور: ۱۲)

مؤمنین کو اہل بیت النبی کے بہترین کردار اور نیک بختی پر کامل یقین تھا۔ مثال کے طور پر، جب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے منافقوں کی پھیلائی ہوئی یہ افواہ سنی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں۔ معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے۔'' سورۃ نور کی آیت نمبر بارہ اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ، حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا پر حدِ

Marfat.com

قذف جاری فرمائی۔ ❶ آپ ﷺ نے عبداللہ بن اُبی بن سلول کو کوئی سزا نہ دی، حالاں کہ اس نے جھوٹ اور بہتان کے پھیلانے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ غالبًا اس کی وجہ یہ ہے کہ سزا سے جرائم کی تلافی ہو جاتی ہے اور عبداللہ بن اُبی ان افراد میں سے ایک تھا جن کے لیے اللہ نے آخرت میں سخت سزا تیار کر رکھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس منافقِ اعظم نے اس الزام کی تشہیر اس انداز سے کی تھی کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت موجود نہیں تھا۔ اس نے مسلمانوں کی موجودگی میں اس بہتان کے بارے میں کبھی ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ ❷ چند کمزور روایات سے پتا چلتا ہے کہ اسے بھی سزا دی گئی تھی۔ ❸

حقیقت یہ ہے کہ اس واقعے نے اوس اور خزرج کے درمیان تعصب کے شعلوں کو تقریباً دوبارہ بھڑکا دیا تھا۔ دونوں قبائل کے سردار مسجد نبوی میں غصے سے جھگڑنے لگے اور منافقوں کا یہی مقصد تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو آپس میں لڑا دیں اور ان کی یک جہتی کو پارہ پارہ کر دیں، سرداروں کے اوپر سے ان کا اعتماد ختم ہو جائے اور ان کے درمیان فتنے کی آگ بھڑک اُٹھے، لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انھیں اس نقصان سے محفوظ رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں سرداروں کو ٹھنڈا کر کے ان کے اتحاد کو قائم رکھا اور وہ اس مشکل امتحان میں کامیاب ہوئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صبر وتحمل اور توکل کی جس کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا، اس کے انعام کے طور پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآنی آیات نازل فرمائیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل کی گئی ہے، یہ آیات ہر دور میں مسلمانوں کی زبانوں پر بطورِ عبادت جاری رہیں گی۔

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ واپسی کے فوراً بعد حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث آپ

---

❶ ہیثمی، مجمع الزوائد، 9: 230، بزار کی ایک روایت سے ''حسن'' سند کے ساتھ۔ بیہقی، سنن، 8: 250، ''حسن'' سند کے ساتھ۔ ❷ ابن قیم، زاد المعاد، 2: 127، 128۔

❸ ہیثمی، مجمع الزوائد، 8: 237، 240، ابن حجر، فتح الباری، 8: 479، 481۔

Marfat.com

کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ درخواست کی کہ وہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس سے آزاد ہونا چاہتی ہیں اور اس سلسلے میں ان کی مدد کی جائے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا غنیمت کے طور پر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس کے حصے میں آئی تھیں۔ انھوں نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے اپنی آزادی کا معاملہ کیا تھا۔ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ انھیں اپنی قوم میں ایک اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا باقی ماندہ فدیہ ادا کر کے ان سے شادی کر لی۔ جب لوگوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی ہے تو سب نے اپنے قیدیوں کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ ''اب یہ رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔'' اس طرح ایک سو خاندان آزاد ہو گئے، اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لیے بہت بڑی رحمت بن گئیں۔ [1] ان کا فدیہ ان کا مہر قرار پایا۔

بعد میں حارث رضی اللہ عنہ بن اَبی ضرار مدینہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو اختیار ہے، اگر وہ ساتھ رہنا چاہیں تو ساتھ رہیں اور اگر واپس جانا چاہیں تو واپس چلی جائیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن اَبی ضرار نے اپنی قوم سمیت اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کے صدقات کا ذمہ دار بنا دیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی شادی اور ان کے قبیلے کی رہائی کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ ان کے دلوں میں اسلام کے لیے نرم گوشہ پیدا ہوا اور جہاد اور اطاعتِ خدا اور رسول ﷺ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ کی جانب سے مقرر کردہ عاملِ زکوٰۃ کو ان لوگوں کے پاس پہنچنے میں تاخیر ہو گئی، تو حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن اَبی ضرار اور ان کی قوم کو سخت پریشانی ہوئی اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے کا ارادہ کیا تاکہ اس تاخیر کی وجہ معلوم کریں۔ ہوا یوں کہ رسول اللہ ﷺ

[1] ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۲۹۴، ۶۴۵، ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ۔ ابو داؤد، سنن، ۲: ۳۴۷۔

Marfat.com

نے حضرت ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے روانہ کیا، لیکن راستے میں حضرت ولید رضی اللہ عنہ پر سخت خوف طاری ہوا، واپس مدینہ پلٹ گئے اور جا کر یہ بیان کیا کہ ان لوگوں نے نہ صرف انھیں زکوٰۃ ادا نہیں کی، بلکہ وہ ان کے قتل کے درپے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی طرف ایک مہم روانہ فرما دی، حضرت حارث رضی اللہ عنہ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور قسم کھا کر عرض کیا کہ ان کی تو حضرت ولید رضی اللہ عنہ سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ اس موقع پر قرآنِ مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴾

”اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر تمھیں پچھتانا پڑے۔“ (الحجرات:٦)

ابن کثیر کا کہنا ہے کہ اس آیت کے سببِ نزول کے بارے میں یہ روایت سب سے زیادہ مستحکم ہے۔ ❶ حضرت ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا اور یہ واقعہ ان کے قبولِ اسلام کے بعد کا ہے۔ ❷ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنومصطلق کے دلوں میں اسلام جڑ پکڑ چکا تھا اور ان کے خلاف مہم جوئی کے چند ہی برس کے اندر اندر ان کے عقائد مضبوط اور ایمان راسخ ہو گیا تھا۔

اس مہم کے نتیجے میں متعدد احکام مرتب ہوئے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ جن لوگوں کو اسلام کا پیغام دیا جا چکا ہو [اور وہ اسلام نہ لائے ہوں] ان پر اچانک اور بے خبری میں حملہ کرنے کی اجازت دی گئی، لیکن اگر کسی قوم تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا تو جنگ کے آغاز سے پہلے انھیں اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے۔

۲۔ اس بات کی اجازت دی گئی کہ کسی قیدی خاتون کی رہائی کو اس کا مہر قرار دیا جا سکتا

---

❶ شوکانی، فتح القدیر، ۵: ۶۰، ۶۲۔ ❷ ابن حجر، الاصابہ، ۲: ۵۱۶۔

Marfat.com

ہے، جیسا کہ اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا اور اس طرح غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت صفیہ بن حیي بن اخطب رضی اللہ عنہا کا مہر اسی طرح ادا کیا۔ ❶

۳۔ اس بات کی بھی اجازت دی گئی کہ کوئی شخص سفر پر کسی ایک بیوی کو ساتھ لے جانا چاہے تو ان کے درمیان قرعہ ڈال سکتا ہے، چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر قرعہ اندازی کی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام پر قرعہ نکلا اور آپ ﷺ انھیں اپنے ہمراہ لے کر گئے۔ ❷ واقدی نے لکھا ہے کہ اس موقع پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں، مگر یہ درست نہیں ہے۔ ❸ اس غزوے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمراہی سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ فوجی مہمات میں خواتین کو ساتھ جانے کی اجازت ہے۔ اس سے قبل غزوۂ اُحد کے باب میں اس اجازت اور اس کی شرائط پر بحث کی جا چکی ہے۔

۴۔ بہتان تراشی کرنے والوں کے لیے حدِ قذف جاری کی گئی۔

۵۔ عربوں کو جنگی قیدی بنانے کی اجازت دی گئی، جیسا کہ اس غزوے میں عربوں کو قیدی بنایا گیا تھا۔ علماء کی اکثریت اس رائے کی حامل ہے۔ ❹

تمام علمائے اسلام بلا استثناء اس بات پر متفق ہیں کہ قرآنِ کریم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین یا تنقیص کرتا ہے، وہ بالاتفاق کافر ہے، کیوں کہ وہ قرآن کے خلاف بات کرتا ہے۔ ❺

اس مہم کے دوران میں عزل کا قانون بھی معلوم ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسولؐ اللہ

---

❶ بخاری ۷/۷، مسلم ۴/۱۴۶۔ ❷ ابن ہشام، سیرت ۲/۲۹۷، ہیثمی، مجمع الزوائد ۹/۲۳۰۔

❸ واقدی، مغازی ۲/۴۲۶۔ بزار نے حسن اسناد سے روایت کیا ہے جیسا کہ ہیثمی اور سیوطی نے ذکر کیا ہے۔ الدرالمنثور ۵/۲۷، دیکھیے بخاری ۴/۲۷، فتح الباری ۶/۷۸

❹ ابن حجر، فتح الباری، ۵: ۱۷۰، شافعی، ابوعبداللہ محمد بن ادریس، کتاب الام، ۴: ۱۸۶، مجد الدین ابن تیمیہ، منتقی الاخبار، ۸: ۴۔ (نیل الاوطار کے ساتھ شائع شدہ)

❺ ابن کثیر، تفسیر، ۳: ۲۷۶، نووی، شرح صحیح مسلم، ۵: ۶۴۳۔

Marfat.com

سے عزل کی بابت دریافت کیا اور آپ ﷺ نے انھیں اجازت دیتے ہوئے فرمایا: ''آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسا نہ کرو، کیوں کہ روزِ قیامت تک جس روح کا اس دنیا میں آنا مقدر ہو چکا ہے، وہ ہر حال میں آ کر رہے گی۔'' ❶ علماء کی اکثریت کا خیال ہے کہ عزل آزاد بیوی کے ساتھ جائز ہے، بشرطیکہ اس کی مرضی سے کیا جائے۔ ❷

واقعۂ افک میں رسول اللہ ﷺ کی بشریت کا پوری طرح اظہار ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی پر منافقوں کی بہتان تراشی دیکھ کر حد سے زیادہ متاثر تھے، اس کے باوجود کہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد سے شدید تعلق اور بے حد محبت تھی، نہ تو آپ ﷺ معاملے کی تہہ تک پہنچ سکے اور نہ اپنی خواہش سے وحی ہی لا سکے جو آپ ﷺ کی آزمائش کے لیے ایک ماہ تک رکی رہی۔ اگر وحی آپ ﷺ کے ذہن کی اختراع ہوتی تو اس میں ہرگز اتنی تاخیر واقع نہ ہوتی اور آپ ﷺ اتنے طویل عرصے تک شدید ذہنی دباؤ کا شکار نہ رہتے، بلکہ جن اسباب نے آپ ﷺ کو پریشان اور بے چین کیا ہوا تھا، وہ بہت جلد ختم ہو جاتے اور اس سنگین مسئلے کا کوئی وجود ہی نہ رہتا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض ایک بشر تھے جیسا کہ قرآنِ کریم نے اعلان کیا ہے:

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ ﴾

''آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں۔ میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے......'' (الکہف: ۱۱۰)

آپ ﷺ کو نہ تو وحی پر کوئی اختیار حاصل تھا اور نہ آپ ﷺ اس کو جلدی لانے یا اس پر اضافہ کرنے کی کوئی استطاعت ہی رکھتے تھے:

﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ ﴾

---

❶ صحیح بخاری ۳:۱۲۹، ۵:۹۶، ۷:۲۹، ۸:۱۰۴۔

❷ طحاوی، ابوغفار احمد ابن محمد ابن سلمہ، معانی الآثار، ۳:۳۰، ۳۵۔ محمد بن علی شوکانی، نیل الاوطار، ۶:۲۲۲، ۲۲۴۔

Marfat.com

''اور اگر یہ ہمارے ذمے کچھ باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے، پھر ہم ان کی رگِ جاں کاٹ ڈالتے، پھر تم میں کوئی ان کو اس سے بچانے والا بھی نہ ہوتا۔'' (الحاقہ: ۴۴ تا ۴۷)

واقعہ یہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں مختلف مقامات پر مسلمانوں کی فوجی نقل و حرکت، بدر الموعد پر ان کا قریش کو للکارنا اور تجارتی شاہراہوں پر قبضے کے ذریعے مکہ کی اقتصادیات پر مسلسل دباؤ ڈالنا، وہ عوامل تھے جنھوں نے مشرکین کو اس پر مجبور کیا کہ وہ مدینہ کے یہودیوں سے اتحاد کرلیں۔ یہودیوں کے قبائل بنو قینقاع اور بنو نضیر کو بعد میں مسلمانوں نے جلاوطن کر دیا۔ بنو قریظہ اگرچہ یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے کا احترام کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی تھی اور وہ کسی بھی وقت مسلمانوں پر حملہ کرنے اور ان سے انتقام لینے کے شدید متمنی تھے جیسا کہ غزوۂ احزاب کے واقعے سے ظاہر ہوا۔

Marfat.com

غزوۂ خندق (احزاب)

غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب شوال ۵ھ میں پیش آیا۔ اہل علم کی اکثریت کی یہی رائے ہے جن میں ابن اسحٰق، واقدی اور ان کے بعد آنے والے بہت سے حضرات شامل ہیں۔ ❶ زہری، مالک بن انس اور موسیٰ بن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ یہ غزوہ ۴ھ میں پیش آیا۔ ❷ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں آراء میں کوئی تضاد نہیں۔ وہ اصحاب جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ ۴ھ کا ہے، وہ ہجرت کے بعد محرم کے مہینے سے تاریخ کا آغاز کرتے ہیں اور اس سے پہلے گزرنے والے مہینوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس طرح ان کے خیال میں بدر کا معرکہ ہجرت کے پہلے سال، اُحد کا دوسرے سال اور خندق کا معرکہ ہجرت کے چوتھے سال پیش آیا۔ یہ رائے ان اہل علم کی اکثریتی رائے سے متعارض ہے جو ہجری سال کے محرم سے تاریخ کا شمار کرتے ہیں ❸۔ یہی وجہ ہے کہ مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ غزوۂ خندق ہجرت کے پانچویں سال پیش آیا۔ ابن حزم واحد شخص ہیں جو یہ لکھتے ہیں کہ غزوۂ خندق غزوۂ اُحد کے صرف ایک سال بعد پیش آیا۔ ❹ انھوں نے اپنی رائے کی بنیاد اس حدیث پر رکھی ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ بیان ہے کہ غزوۂ اُحد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں میدانِ جنگ سے واپس کر دیا تھا، کیوں کہ ان کی عمر صرف ۱۴ سال تھی اور غزوۂ خندق کے روز انھیں جنگ کرنے کی اجازت اس لیے مرحمت فرما دی تھی کہ اس وقت ان کی عمر ۱۵ سال تھی۔ ❺ بیہقی، ابن قیم، ذہبی اور ابنِ حجر نے یہ وضاحت کی ہے کہ

---

❶ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۹۳، واقدی، مغازی، ۲: ۴۰۰۔

❷ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۹۳، صحیح بخاری، ۵: ۴۴۔ یہاں وہ موسیٰ بن عقبہ کی روایت نقل کرتے ہیں۔ فسوی، یوسف بن سفیان، المعرفۃ والتاریخ، ۳: ۲۵۸۔

❸ ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۳۹۳

❹ ابن حزم، جوامع السیرۃ، ۱۸۵

❺ صحیح بخاری، ۵: ۸۹۔

Marfat.com

غزوۂ اُحد کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی عمر کے چودھویں سال میں داخل ہوئے تھے اور غزوۂ خندق کے موقع پر وہ پورے پندرہ سال کے ہو کر سولھویں برس میں داخل ہونے والے تھے۔ (1) یہ وضاحت سیرت نگاروں میں سے اکثریت کی رائے سے مطابقت رکھتی ہے۔

غزوۂ احزاب مسلمانوں اور قریش کے درمیان پہلے سے چلے آنے والے فوجی تصادم کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس موقع پر دونوں جانب سے کھلم کھلا اعلانِ جنگ کیا گیا اور لڑائی کے لیے مزید کوئی بڑے اسباب بیان کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی، تاہم اس لڑائی کے چند فوری محرکات بھی تھے جن کی وضاحت ضروری ہے۔

(پہلا محرک تو یہ تھا) قریش کو اُحد کے موقع پر اپنے مقصد کے حصول میں ناکامی ہوئی تھی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ تجارتی راستوں کو مسلمانوں سے محفوظ اور مامون کر دیں۔ (دوسرا محرک یہ تھا کہ) اگرچہ اُحد کے موقع پر انھوں نے مسلمانوں کو بھاری جانی نقصان پہنچایا تھا، اس کے باوجود وہ نہ تو مسلمانوں کو پوری طرح تباہ و برباد کرنے میں کامیاب ہو سکے تھے اور نہ مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت کر سکے۔ (تیسرا محرک یہ تھا کہ) تجارتی راستے، ان کے لیے بدستور خطرات سے پُر تھے۔

مسلمانوں نے اپنی مہمات اور لشکر کشی کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا، جب تک اُحد کے منفی اثرات مدینہ اور قریب کے علاقے سے معدوم نہیں ہو گئے۔ اب قریش نے مسلمانوں کے خلاف زبردست جنگی تیاریاں شروع کر دیں، وہ ہر قیمت پر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے اور ان کا مقصد مسلمانوں کو مکمل طور پر نیست و نابود کرنا تھا۔ قریش میں اتنی طاقت اور قوت نہیں تھی کہ وہ تنہا یہ مہم سر کر لیتے، لہٰذا انھوں نے مسلمانوں پر جنگ مسلط کرنے کی غرض سے دیگر قبائل کے ساتھ اتحاد قائم کرنا شروع کر دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو مدینہ سے جلاوطن کیا تو قریش کے لیے یہ کام مزید آسان ہو گیا۔

---

(1) بیہقی، دلائل النبوۃ، ۱۲۲-ب، ابن حجر، فتح الباری، ۵:۲۷۸۔

Marfat.com

م اور غصے سے پیچ وتاب کھاتے ہوئے یہودی سرداروں کی ایک تعداد خیبر میں جمع ہوگئی اور ہاں سے انھوں نے قریش اور دیگر قبائل کے ساتھ رابطے قائم کرنا شروع کر دیے، تا کہ سلمانوں سے انتقام لینے اور اپنے وطن اور اپنی جائیداد کی طرف لوٹنے کا بندوبست کر سکیں۔ ان یہودی سرداروں نے قریش کے پاس ایک وفد روانہ کیا جس میں سلام بن ابی حقیق النضری اور حیی بن اخطب النضری شامل تھے۔ اس وفد نے قریش کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ وفد کے ارکان نے قریش کو یہ بھی یقین دلایا کہ وہ جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے، اور اس بات کا برملا اظہار کیا کہ شرک اسلام سے بہتر ہے۔ اس بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ○ ﴾

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے۔ وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہِ راست پر ہیں۔'' (النساء:۵۱)

مکہ سے یہودیوں کا یہ قافلہ نجد روانہ ہو گیا جہاں اس نے قبیلہ غطفان سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیں گے۔ اس طرح بنو نضیر کے یہودیوں کی کوششوں کے نتیجے میں ایک قبائلی اتحاد وجود میں آ گیا۔ ❶ موسیٰ بن عقبہ لکھتے ہیں کہ یہودی وفد نے قبیلہ غطفان کو خیبر کی فصلوں کا نصف حصہ دینے کا بھی وعدہ کیا تھا، تا کہ اس الحاق میں شرکت کے لیے ان کے حوصلے بلند ہو جائیں۔ ❷

قریشی فوج اور ان کے اتحادی مرّالظہران کے مقام پر جمع ہوئے جو مکہ سے ۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اسی جگہ بنو سلیم، ❸ کنانہ، تہامہ اور احابیش میں ان کے اتحادی

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۳:۲۱۴، ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ جس کا سلسلہ عروہ تک جاتا ہے، لیکن یہ ان کی ''مرسل'' احادیث میں سے ایک ہے۔

❷ ابن حجر، فتح الباری، ۷:۳۹۳

❸ موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے بغیر کسی سند کے۔

Marfat.com

بھی آ کر اس لشکر میں شامل ہو گئے۔ اب فوج نے مدینہ کی جانب پیش قدمی شروع کی۔ ان لوگوں نے رُومہ میں مجتمع الاسیال کے مقام پر جو جرف اور زغابہ کے درمیان ہے، پڑاؤ ڈالا۔ غطفان اور بنو اسد نے اُحد کے نزدیک ذنب نقمیٰ پر قیام کیا۔ ❶ سیوطی نے ان تمام نجدی قبائل کے نام درج کیے ہیں جو اس اتحاد میں شریک تھے۔ ان میں سے زیادہ تر قبیلہ غطفان کی مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں: غطفان، بنو سلیم، بنو اسد، فزارہ، اشجع اور بنو مرہ۔

جونہی مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ مختلف قبائل اکٹھے ہو کر ہمارے خلاف جنگ کرنے آ رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فوراً صحابہ کرامؓ سے اس سلسلے میں مشورہ کیا کہ اس نئی صورتِ حال سے کس طرح نمٹا جائے۔ یہ آپ ﷺ کا طریقۂ تربیت تھا جس کے ذریعے آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی تالیف قلب کرتے اور مشاورت کی اہمیت اجاگر کرتے تھے کہ بعد میں آنے والے قائدین اور حکمران ایسے معاملات میں مشاورت کر لیا کریں جن کے بارے میں وحی نازل نہیں ہوئی، چاہے وہ جنگی معاملات ہوں یا دیگر جزوی طور ہوں ❷ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اس طرح آپ ان کی تربیت فرمایا کرتے تھے کہ ریاست اور معاشرے کو پیش آمدہ مسائل میں غور و فکر کیا کریں اور ان مسائل کا بہترین حل تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ آپ کے اسی طریقۂ کار کی بدولت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں ممتاز ترین رہنما اور تجربہ کار سیاست دان وجود میں آئے جنھوں نے امت کے عام مسائل میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور ان کے حل کرنے میں بھرپور حصہ لیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جو تجویز پیش کی کہ مدینہ کے شمال میں ایک خندق ❸ کھودی جائے تاکہ حرّۃ واقم اور حرّۃ الوبرۃ کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے۔ مدینہ کی یہی ایک سمت ایسی تھی جس میں سے داخل ہونا آسان تھا اور حملہ ہو سکتا تھا۔ باقی

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۲۱۹، ۲۲۰۔ ابن اسحٰق کی روایت سے بغیر سند کے۔ انھوں نے موسیٰ بن عقبہ سے ایک روایت میں بنو اسد کا ذکر کیا۔ (فتح الباری، ۷: ۳۹۳) ❷ ابن تیمیہ، السیاسیة الشرعیة، ص: ۱۳۴

❸ قدیم ترین مصنف جس نے بغیر سند کے اس کا حوالہ دیا ہے، وہ ابو معشر السندھی (متوفی ۱۷۱ھ) ہیں (فتح الباری، ۷: ۳۹۳)۔ واقدی، مغازی، ۲: ۴۴۵ (بغیر سند کے)، ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۲۲۴۔

Marfat.com

آبادی ایک قلعے جیسی تھی، عمارتوں اور درختوں نے اسے باہم جوڑ رکھا تھا اور یہ دشوار گزار اور ناہموار زمین (حرۃ) سے گھری ہوئی تھی جس سے اونٹوں اور پیدل فوج کا گزرنا تقریباً ناممکن تھا۔ ❶

مدینہ کے دفاع کے لیے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جو منصوبہ پیش کیا، اس پر کسی نے اعتراض کیا نہ کسی نے مخالفت کی۔ اولاً اتحادی قبائل تعداد میں بہت زیادہ تھے، ثانیاً لوگوں کے ذہن میں اُحد کا واقعہ ابھی تازہ تھا۔ خندق کا مقصد ایک ایسی رکاوٹ تیار کرنا تھا جو مسلمانوں اور حملہ آوروں کے درمیان براہِ راست جنگ کو روک سکے اور مدینہ پر حملے میں بھی مانع ہو۔ اس خندق کی وجہ سے مسلمانوں کی دفاعی حیثیت مستحکم ہوگئی، کیوں کہ اب وہ خندق کے پیچھے سے تیر اندازی کر کے دشمن کو بھاری نقصان پہنچا سکتے تھے۔

مسلمانوں نے خندق کی کھدائی کا کام شروع کر دیا۔ یہ خندق مشرق کی جانب بنو حارثہ کے نزدیک عجم الشیخین سے مغرب میں مذاد تک پھیلی ہوئی تھی۔ ❷ یہ خندق پانچ ہزار ذراع (ہاتھ) لمبی، نو ذراع چوڑی اور اس کی گہرائی مختلف مقامات پر سات سے دس ذراع تک تھی۔ ہر دس افراد پر مشتمل جماعت نے تقریباً چالیس ذراع خندق کھودی۔ ❸ مشرق میں قلعہ راتج سے قلعہ ذباب تک کھدائی کا کام مہاجرین نے اپنے ذمہ لیا اور مغرب کی سمت میں قلعہ ذباب سے جبل عابد تک کی کھدائی انصار کو سونپی گئی تھی۔ ❹

اس حقیقت کے باوجود کہ موسمِ سرما کے دن تھے اور مدینہ میں قحط پڑا ہوا تھا، کھدائی کا کام بہت جلد مکمل ہوگیا۔ ❺ فوج کی خوراک محض جو کی ایک قلیل مقدار پر مشتمل تھی جسے تیل

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۶۶، ۶۷۔

❷ اس کے متعلق کوئی روایت ایسی نہیں ہے جو حدیث کے نقطۂ نظر سے صحیح ثابت ہو، لیکن چند کمزور روایات (آثار) نقل کی گئی ہیں جنھیں ان موضوعات میں قابل غور گردانا جاسکتا ہے۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۱۳۰، طبری، تفسیر، ۲۱: ۳۳، ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۳۹۷۔ ❸ ایضاً۔

❹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۶۶، ۶۷، سفارینی، محمد بن احمد نابلوسی، ثلاثیات مسند احمد، ۱: ۱۹۹، ۲۰۰۔

❺ صحیح بخاری، ۵: ۴۵، ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۳۹۵۔

Marfat.com

لگا ہوا تھا اور زیادہ وقت گزرنے کی وجہ سے اس میں بساند پیدا ہوگئی تھی۔ بھوک کی شدت تھی کہ لوگ بدمزہ ذائقے اور ناگوار بو کے باوجود اس سے پیٹ بھر لیتے تھے۔ ❶ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ انھیں کھجوروں کے سوا کوئی چیز کھانے کو نہیں ملتی تھی۔ ❷ اور ایسا وقت بھی گزرا کہ انھوں نے لگاتار تین دن بغیر کچھ کھائے گزارا کیا، ❸ تاہم یہ ایمان کی حدت تھی جس نے سردی اور بھوک کے تمام اثرات کو ختم کر کے رکھ دیا اور مسلمانوں نے اپنے کندھوں پر مٹی ڈھونے کا کام بڑی جانفشانی سے انجام دیا۔ مسلمانوں کی اس جماعت میں وہ بڑے بڑے تاجر اور سردار بھی شامل تھے جو اس قسم کے کام کرنے کے عادی نہ تھے، لیکن سب نے ایک دوسرے کے شانہ بشانہ مساوی بنیادوں پر زمین کھودنے اور مٹی ڈھونے کا کام انجام دیا، جوش اور جذبات کا عجیب وغریب عالم تھا، کام کرتے جاتے تھے اور شوق کے عالم میں گنگناتے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ یہ کٹھن کام کرنے میں شریک تھے۔ آپ ﷺ اپنے حصے کی خندق کھودتے تھے اور مٹی پھینک کر آتے تھے۔ آپ ﷺ کا جسم گرد وغبار سے اٹا ہوا تھا اور بھوک کی شدت سے آپ ﷺ نے اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ ❹ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب بھی کھدائی کے دوران میں کسی سخت چٹان کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے مدد کی درخواست کرتے۔ آپ کدال لیتے اور چٹان کو پاش پاش کر دیتے۔ ❺ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اشعار گنگنانے میں بھی شریک رہتے تھے اور اللہ کے حضور یہ مناجات کرتے تھے:

> ''اے اللہ! اگر تو ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم نہ ہدایت یافتہ ہوتے اور نہ صدقہ خیرات ہی کرتے، اور نہ ہم نماز ادا کرنے کے قابل ہوتے۔ اے اللہ! اپنے

---

❶ ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۳۹۲، ۳۹۳، بخاری کے ایک ''صحیح'' متن سے۔

❷ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۹۹۔ ان کا کہنا ہے کہ ابن اسحٰق نے اسے بیان کیا ہے، مگر یہ منقطع ہے۔

❸ ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۳۹۵، صحیح بخاری سے۔

❹ صحیح بخاری، ۵: ۴۷، مسلم، صحیح، ۳: ۱۶۳۹، ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۳۹۵۔

❺ صحیح بخاری، ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۳۹۵۔

Marfat.com

کرم سے ہم پر سکینت نازل فرمادے! اور جب دشمن سے ہمارا سامنا ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ! دشمن نے ہم پر بہت زیادتی کی ہے اور جب وہ ہمیں ایذاء دینے کا ارادہ کرے تو ہمیں مضبوط رکھنا۔''

آخری الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ اپنی آواز کو بلند فرمالیتے تھے۔ ❶

مسلمان، جب خندق کی کھدائی اور مٹی کی ڈھلائی کا کام انجام دے رہے تھے، ان کے لبوں پر یہ الفاظ جاری ہوتے تھے: ''ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد (ﷺ) کے ساتھ اسلام پر قائم رہنے کا عہد کیا ہے۔ ہم اس وقت تک اس عہد کو نباہیں گے جب تک ہمارے جسم میں زندگی کی آخری رمق موجود ہے۔''

ان کے اس فداکارانہ جذبے کے جواب میں رسول اللہ ﷺ اپنے جذبات کا یوں اظہار فرماتے تھے: ''اے اللہ! اصل خیر و بھلائی تو آخرت ہی ہے، انصار اور مہاجرین پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرما!''

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ جذبات کے اس تبادلے میں رسول اللہ ﷺ پہل فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کا جواب دیتے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ نے محض الفاظ کے ذریعے ہی اپنے ساتھیوں کے جذبے کو نہیں ابھارا، بلکہ عملی طور پر بنفسِ نفیس ان کے ساتھ کام میں شریک رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔ ان کی سرگرمی عروج پر پہنچ گئی اور طویل و عریض خندق کی کھدائی کا کام صرف چھ روز میں مکمل ہو گیا، ❸ یعنی اتحادی لشکر کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی دفاعی منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔

خندق کی کھدائی کے دوران میں رسول اللہ ﷺ کے کئی معجزے ظاہر ہوئے، جن

---

❶ ایضاً، ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۳۹۹۔

❷ صحیح بخاری، ۵: ۴۷۔

❸ علی بن عبداللہ سمہودی، وفاء الوفاء، ۴: ۱۲۰۸، ۱۲۰۹۔

Marfat.com

میں سے ایک خوراک کی مقدار میں اضافے کا معجزہ تھا۔ [اس معجزے کی تفصیل یہ ہے کہ] ایک دن حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ نے یہ محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے شدید بھوک کے آثار ہویدا ہیں۔ وہ فوراً اپنی اہلیہ کے پاس گئے اور ان سے کھانا تیار کرنے کے لیے کہا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہی بکری تھی جسے انھوں نے ذبح کیا اور ان کی اہلیہ نے کچھ گیہوں پیس کر ایک چھوٹے سے برتن میں ڈالے۔ جب کھانا تیار ہوگیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو خاموشی سے کھانے کی دعوت دی، کیوں کہ کھانا قلیل مقدار میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سارے ساتھیوں کو بلایا اور کھانے میں برکت کے لیے دعا کی اور تمام لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھالیا، اس کے بعد بھی اس برتن میں کھانا وافر مقدار میں موجود تھا جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے بھی کھایا اور بچا ہوا دوسروں کو بھی دیا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کا ایک اور معجزہ یہ تھا کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کھدائی میں مصروف تھے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں مستقبل کے ایک واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا: ''تم ایک باغی گروہ کے ہاتھوں قتل ہو گے۔'' اور یہ واقعہ اس طرح پورا ہوا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر جنگِ صفین میں شہید ہوئے۔ ❷

کھدائی کے دوران میں ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک ایسی سخت چٹان آگئی جسے وہ کوشش کے باوجود نہ توڑ سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس چٹان پر تین مرتبہ کاری ضرب لگائی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ پہلی ضرب کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے نعرہ بلند کیا: ''اللہ اکبر''، اور فرمایا: ''مجھے شام کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں، خدا کی قسم! مجھے اس کا سرخ محل صاف نظر آ رہا ہے۔'' دوسری ضرب کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! مجھے سلطنت فارس کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں اور میں مدائن کے سفید محلات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں پھر تیسری ضرب کے ساتھ، آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! مجھے

❶ صحیح بخاری، ۵:۴۶، مسلم، صحیح، ۳:۱۶۱۰۔ ❷ مسلم، صحیح، ۴:۲۲۳۵۔

Marfat.com

یمن کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں اور خدا کی قسم! جس جگہ میں کھڑا ہوں، یہاں سے اس وقت صنعاء کے دروازے مجھے نظر آ رہے ہیں۔ ❶

یہ وہ موقع تھا جب مسلمان خندق کھود رہے تھے، بھوک اور سردی کی شدت انھیں پریشان کیے ہوئے تھی۔ اس عالم میں آپ ﷺ نے انھیں یہ بشارت دی کہ وہ دنیا کے کون کون سے ممالک فتح کریں گے۔ اس بارے میں قرآنِ کریم نے مومنوں کا یہ قول نقل کیا ہے:

﴿ هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ ﴾

''یہ وہی ہے جس کی ہمیں اللہ اور رسول ﷺ نے خبر دی تھی اور اللہ اور رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان اور اطاعت میں اور ترقی ہوگئی۔''

(الاحزاب:۲۲)

منافقوں نے اس خوش خبری کا تمسخر آمیز انداز میں ذکر کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا:

﴿ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ﴾

'' اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ نہایت پُرفریب اور بے بنیاد وعدے کیے ہیں۔'' (الاحزاب:۱۲)

منافقوں کا رویہ نہایت بزدلانہ تھا، وہ جھوٹی افواہیں پھیلانے میں سرگرم رہتے اور مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ بعض ضعیف روایات میں منافقین

---

❶ احمد اور نسائی کی روایت سے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ان کی سندیں ''حسن'' ہیں اور حضرت براء بن عازب تک جاتی تھیں جو عینی شاہد تھے۔ (فتح الباری، ۷: ۳۹۷) طبرانی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ (المعجم الکبیر، ۱۱: ۳۷۶) ہیثمی کہتے ہیں: ''اس کے افراد صحیح ہیں، سوائے عبداللہ بن احمد اور نعیم عنبری کے۔'' (مجمع الزوائد: ۶: ۱۳۱) عبداللہ بن احمد بن حنبل ''ثقہ'' ہیں، لیکن ہمیں نعیم کی سوانح دستیاب نہیں ہو سکی۔ دیکھیے: احمد، مسند، ۴: ۳۰۳، ان کی سند میں میمون بصری شامل ہیں، جو ''ضعیف'' ہیں، لیکن حافظ ابن حجر اس سند کو ''حسن'' سمجھتے ہیں۔

Marfat.com

کے اس رویہ کی تصور کشی کی گئی ہے لیکن ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ قرآنِ کریم نے منافقوں کے اس طرزِ عمل کی مکمل تصویر کشی کی ہے:

﴿ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ○ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ○ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ○ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ○ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِالْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَبِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَبِكُمْ رَحْمَةً وَ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ○ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا وَ لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ○ ﴾

''اور جب کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے، یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے، اور جب کہ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو!

Marfat.com

تمھارے لیے ٹھہرنے کا موقع نہیں، سو لوٹ چلو۔ اور بعض لوگ ان میں سے اجازت مانگتے تھے، کہتے تھے ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالاں کہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں۔ یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں۔ اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے ان پر کوئی آ گھسے، پھر ان سے فساد کی درخواست کی جائے تو یہ اس کو منظور کرلیں اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں۔ حالاں کہ یہی لوگ پہلے خدا سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی بازپرس ہوگی۔ آپ ﷺ فرمادیجیے کہ تم کو بھاگنا کچھ نافع نہیں ہوسکتا۔ اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس حالت میں بجز تھوڑے دنوں کے اور زیادہ متمتع نہیں ہوسکتے۔ یہ بھی فرمادیجیے کہ وہ کون ہے جو تم کو خدا سے بچاسکے، اگر وہ تمھارے ساتھ برائی کرنا چاہے، یا وہ کون ہے جو خدا کے فضل کو تم سے روک سکے اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے، اور خدا کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے بھائیوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ اور لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں تمھارے حق میں بخیلی لیے ہوئے، سو جب خوف پیش آتا ہے تو ان کو دیکھتے ہو کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔ پھر جب وہ خوف دور ہوجاتا ہے تو تم کو تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں، مال حرص لیے ہوئے۔ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو ان کے تمام اعمال اللہ نے بے کار کر رکھے ہیں اور یہ بات اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ لشکر گئے نہیں، اور اگر یہ لشکر آجائیں تو پھر یہی پسند کریں کہ کاش ہم دیہاتیوں میں باہر جا رہے ہیں کہ تمھاری خبریں پوچھتے رہیں اور اگر تم ہی میں رہیں، تب بھی کچھ یوں ہی سا لڑیں۔'' (الاحزاب: ۱۲ تا ۲۰)

Marfat.com

ان آیات میں منافقت اور اس سے پھیلنے والے اثرات جیسے بزدلی، بے چینی اور توکل کی کمی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سخت ترین حالات اور آزمائش کے اوقات میں منافقین اللہ تعالیٰ کی ذات میں پناہ لینے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے لیے گستاخانہ کلمات کا استعمال کرتے تھے۔ منافقت سے وہ نہ صرف اپنے عقیدے کو فاسد کرتے تھے، بلکہ جھوٹی افواہیں پھیلا کر دوسروں کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ اجازت لے لی تھی کہ انھیں خندق کی کھدائی کے کام سے فارغ رکھا جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے یہ بودا عذر پیش کیا تھا کہ ان کے گھر کھلے اور غیر محفوظ ہیں اور انھیں دشمن سے خطرہ ہے، اس لیے وہ میدانِ جنگ میں حاضر نہیں رہ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی کمزوری کے سبب اور اس خوف کی بناء پر جو ان کے اوپر شدت سے طاری تھا، وہ موت سے فرار حاصل کرنا چاہتے تھے، یہاں تک کہ منافقوں نے مومنوں کو بھی اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ مورچے چھوڑ کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں اور اپنے ایمان کا جو زبانی اقرار انھوں نے کیا تھا اور اسلام سے وفاداری کا جو عہد باندھا تھا، اس کی معمولی سی پاسداری کی بھی پروا نہ کی۔

منافقوں کی تمام تر مزاحمت، قحط کی سختی اور سردی کی شدت کے باوجود مسلمان اپنے مقصد کی دھن میں لگے رہے اور دفاعِ مدینہ کا جو خاکہ ان کے ذہنوں میں تھا، اسے بہت جلد عملی شکل میں ڈھال دیا۔ جب خندق تیار ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے تمام خواتین اور بچوں کو فارع نامی قلعے میں محفوظ فرما دیا۔ [1] یہ بنو حارثہ کا قلعہ تھا[2] جو مسلمانوں کا مضبوط ترین قلعہ سمجھا جاتا تھا۔

---

[1] مسلم، صحیح، ۴:۱۸۷۹۔ [2] طبرانی نے روایت کیا (ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۱۳۳)۔ انھوں نے کہا: ''اس کے افراد ثقہ نہیں۔'' اس میں طبرانی کے شیخ اور ان کے شیخ شامل ہیں، لیکن ان کی سوانح ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی۔ اسی طرح ہریر انصاری اس میں شامل ہیں جو ''مقبول'' ہیں، چناں چہ سند ''ضعیف'' ہے، لیکن یہ قلعے کے بیان سے متعلق ہے، اس لیے اس کو ذرا نرمی کے ساتھ پرکھا جا سکتا ہے۔ ابن اسحٰق نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (طبری، تاریخ الرسل والملوک، ۲: ۵۷۰۔۵۷۱)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ اس کی پشت، شہر کے اندر ❶ واقع سلع نامی پہاڑ کی جانب تھی اور خندق مشرکوں اور ان کے درمیان تھی، مشرکوں نے رومہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا جو جرف، غابہ اور نقمیٰ کے درمیان واقع ہے۔ ❷

مشرکوں کی تعداد مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ ان کی فوج میں دس ہزار جنگجو شامل تھے۔ ❸ ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ قریش، احابیش اور ان کے ساتھ جو عرب شامل تھے، ان سب کی تعداد مل کر چار ہزار بنتی ہے۔ ان کی فوج میں تین سو گھوڑے اور پندرہ سو اونٹ بھی تھے۔ بعد ازاں مرّ الظهران کے مقام پر بنو سلیم بھی مشرکین کی فوج میں شامل ہو گئے تھے جن کی تعداد سات سو کے لگ بھگ تھی۔ ❹

ابن جوزی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ قبیلہ فزارہ ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا اور قبیلہ اشجع اور بنو مُرہ دونوں کی تعداد چار سو تھی۔ ❺ ان سب کو ملا کر کل تعداد چھ ہزار پانچ سو ہو گئی، اور بقیہ تعداد بنو اسد اور غطفان نے پوری کی۔ اس طرح قریشی فوج دس ہزار کے جمّ غفیر پر مشتمل تھی۔

ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ مسلمان فوج میں مجاہدین کی تعداد تین ہزار کے قریب تھی۔ ❻ سیرت نگاروں کی اکثریت نے ابن اسحٰق کے اس بیان سے اتفاق کیا ہے، تاہم ابن حزم وثوق کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ مجاہدین صرف نو سو تھے۔ ❼ وہ اپنی رائے کی بنیاد اس حقیقت پر رکھتے ہیں کہ اُحد کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد سات سو کے قریب تھی، اور ان کا

---

❶ مجد الدین محمد بن یعقوب ستارینی، شرح ثلاثیات مسند احمد، ۱: ۱۹۹، ۲۰۰، ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۲۲۰، فیروز آبادی، المغانم المطابة، ص: ۱۳۴۔ اس سے ابن اسحٰق کے لفظ زغابہ کی تردید نہیں ہوتی جو انھوں نے غابہ کی جگہ استعمال کیا ہے۔ اس لیے کہ غابہ، زغابہ کے شمال میں واقع ہے اور اس سے بہت قریب ہے۔ (ابن ہشام، سیرۃ، ۲۳: ۲۱۵)

❷ طبری، تفسیر، ۲۱: ۱۲۹، ۱۳۰، عروہ اور دیگر کی ''مرسل'' روایت سے۔

❸ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۲۱۶، بغیر سند کے، طبری، تفسیر، ۱۲: ۱۲۹، ۱۳۰۔ عروہ اور دوسروں کی ''مرسل'' سے۔ ابن حجر، فتح الباری، ۳: ۳۹۳ ابن اسحٰق اور ان کی سندوں سے۔

❹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۶۶۔

❺ ابن جوزی، وفاء الوفا باخبار المصطفیٰ، ص: ۲۹۲۔

❻ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۲۲۰، بغیر سند کے۔

❼ ابن حزم، جوامع السیرۃ، ص: ۱۸۷۔

Marfat.com

کہنا یہ ہے کہ غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق کا درمیانی زمانہ صرف ایک سال ہے اور اس قلیل مدت میں مسلمان مجاہدین کی تعداد تین ہزار تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

ابن حزم کی یہ رائے جو انھوں نے اتنے یقین کے ساتھ پیش کی ہے، صحیح نہیں ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کے مکان پر دعوت میں شرکت کی، ان کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی جیسا کہ ایک ''صحیح'' حدیث میں صراحت کی گئی ہے۔ وہ لوگ جو مدینہ کی حفاظت کی خاطر گشت پر خود نکلا کرتے تھے، ان کی تعداد پانچ سو کے قریب تھی۔ [1] پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ فوج کی کل تعداد صرف نو سو افراد پر مشتمل ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اُحد اور خندق کا درمیانی زمانہ دو سال کا ہے اور اس مدت کے دوران میں ان نوعمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد جوان ہو چکی تھی جو اپنی نوعمری کے سبب اُحد میں شرکت نہیں کر سکتی تھی۔ علاوہ ازیں بڑے پیمانے پر مسلمانوں کی دعوتی اور تبلیغی سرگرمیاں جاری تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تھی کہ لوگ عام طور پر مسلمان ہونے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آ جاتے تھے، اس لیے اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ مسلم فوج کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے یہ محسوس کیا کہ متحدہ قبائل کی ایک بڑی تعداد مقابلے کے لیے تیار ہے تو آپ ﷺ نے مدینہ سے دباؤ کم کرنے کی خاطر غطفان سے امن کا ایک معاہدہ کرنے کا ارادہ فرمایا اور یہ طے کیا کہ انھیں ہر سال مدینہ کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ دیا کریں گے، لیکن جب آپ ﷺ نے اس سلسلے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ سے جو قبیلہ اوس کے سردار تھے، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ سے جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے، مشورہ کیا تو انھوں نے عرض کیا: ''نہیں یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم ہم زمانۂ جاہلیت میں بھی ان لوگوں سے کبھی دب کر نہیں رہے، اور اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعے عزت عطا فرمائی ہے تو ہم کیوں کر ایسا کر سکتے ہیں؟'' طبرانی کی روایت کے مطابق انھوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے؟ اگر ایسا

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۶۷۔

Marfat.com

ہے تو پھر ہم اس کے حکم کی اطاعت کریں گے، اور اگر یہ حکم عالمِ بالا سے نہیں آیا، بلکہ یہ آپ ﷺ کی خواہش اور رائے ہے تو پھر ہم آپ ﷺ کی رائے ہی کی پیروی کریں گے، اگر آپ ﷺ محض ہماری بقا کی خاطر یہ اقدام کر رہے ہیں تو ہم آپ ﷺ کو مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ ہم اور وہ ہمیشہ ماضی میں برابر رہے ہیں، وہ کبھی ہماری فصلوں کا کوئی حصہ ہم سے لینے میں کامیاب نہ ہوسکے، سوائے اس کے کہ یا تو ہم نے ان کے ہاتھ فروخت کیا، یا جب ان کا کوئی فرد ہمارے ہاں مہمان کی حیثیت سے آیا تو ہم نے اس کی ضیافت کی۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حارث غطفانی سے گفت وشنید کا ارادہ ترک کر دیا جو بدوؤں کا نمائندہ تھا اور بنومُرّہ کا سردار تھا۔ ❶

مسلمانوں کے لیے صورتِ حال اس وقت مزید خراب ہوگئی، جب انھیں معلوم ہوا کہ ان کے یہودی حلیفوں، یعنی بنوقریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے اور عین وقت پر ان کے ساتھ غداری کی ہے۔ بنوقریظہ کا علاقہ عوالی میں تھا جو مدینہ کے جنوب مشرق میں وادی مہزور میں ہے۔ ان کی بستی کا محل وقوع ایسا تھا کہ وہ مسلمانوں پر عقب سے بآسانی حملہ کر سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام کو بنوقریظہ کی جانب روانہ کیا تاکہ دشمن کے حالات معلوم کیے جاسکیں۔ جب وہ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے ماں اور باپ تم پر فدا ہوں۔ ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر ہیں۔'' ❷ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کو بنی

---

❶ ھیثمی، کشف الاستار، ۱:۳۳۲۔ بزار نے ''حسن'' سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ طبرانی نے بھی اسے ایک ''حسن'' سند کے ساتھ ذکر کیا ہے جس میں محمد بن عمرو لیثی شامل ہیں، یہ ''صدوق'' ہیں، لیکن غلطیاں کرتے ہیں اور دونوں روایات ان پر اعتماد کرتی ہیں۔ طبرانی کے متن میں دونوں سعد، یعنی حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کا ذکر ملتا ہے اور ان دونوں کے متعلق روایات متفق ہیں۔ وہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ، سعد رضی اللہ عنہ بن خیثمہ اور سعد رضی اللہ عنہ بن مسعود کا بھی ذکر کرتے ہیں، لیکن یہ ایک غلطی کا ارتکاب ہے۔ ابن ربیع اُحد میں اور ابن خیثمہ بدر کے موقع پر شہید ہو چکے تھے، تاہم اگر روایت صحیح ہے، تو اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ابن مسعود سے مشورہ کیا گیا تھا۔ (الاصابۃ، ۲:۳۶)

❷ ابن حجر، فتح الباری، ۶:۵۲، ۷:۸۹، بخاری کے متن سے۔

Marfat.com

قریظہ کی طرف روانہ کیا۔ وہاں جا کر انھیں معلوم ہوا کہ بنوقریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے اور معاہدے کی دستاویز کو چاک کر دیا ہے، لیکن قبیلۂ بنی سعنہ اس معاہدہ شکنی میں شامل نہیں تھے، وہ قلعے سے باہر آئے اور معاہدہ برقرار رکھنے کی خاطر مسلمانوں سے جا ملے۔ بنوقریظہ کی معاہدہ شکنی دراصل حیی بن اخطب کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اس نے کعب بن اسد پر زور ڈالا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا معاہدہ توڑ دیں۔ اس نے کعب بن اسد کو اتحادی قبائل کی طاقت سے مرعوب کر دیا اور یہ امید بھی بندھائی کہ اتحادی فوجیں مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی پوری اہلیت رکھتی ہیں۔ اس یقین دہانی کے بعد حیی بن اخطب نے کعب بن اسد سے یہ وعدہ بھی کیا کہ اتحادی فوجیں مدینہ سے روانہ ہوگئیں تو وہ اس کے ساتھ اس کے قلعے میں داخل ہو جائے گا۔ (اور جو آفت کعب بن اسد اور اس کے لوگوں کے اوپر پڑے گی، حیی بن اخطب اس میں برابر کا شریک ہوگا۔) اب بنوقریظہ نے باقاعدہ طور پر یہ اعلان کر دیا کہ ان کی طرف سے یہ معاہدہ توڑا جا رہا ہے۔ یہ خبر جلد ہی مسلمانوں میں پھیل گئی اور مسلمانوں کو یہ خوف لاحق ہوا کہ ان کی عورتیں اور بچے بنوقریظہ کی طرف سے کسی خطرے میں نہ گھر جائیں۔ ❶

مسلمانوں پر آزمائش کی جو گھڑی آئی، اسے قرآنِ کریم نے اس طرح بیان کیا ہے:

﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ ﴾

''کہ وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور جب کہ آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان لیا

---

❶ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۱۰۳۔ محمد بن اسحٰق اور موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے بغیر سندوں کے۔ بنوقریظہ کی غداری ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

Marfat.com

گیا اور سخت زلزلے ڈالے گئے۔'' (الاحزاب: ۱۰، ۱۱)

اتحادی قبائل اوپر کی طرف سے مسلمانوں پر چڑھے آرہے تھے، بنو قریظہ نیچے سے برسرِ پیکار تھے اور منافق مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں باطل خیالات کو ہوا دے رہے تھے۔ یہ ایک ایسی صورتِ حال تھی جس نے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ ایک کڑی آزمائش میں گرفتار تھے، لیکن مضبوط عقیدہ اور بہترین تربیت یہ دو ایسے عوامل تھے جن کی وجہ سے مسلمانوں نے نہایت عزم اور استقلال کے ساتھ ان تمام خطرات کا سامنا کیا۔

مدینہ کی حفاظت کے لیے گشتی عملہ تعینات کر دیا گیا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا بن اسلم الاوسی کو دو سو افراد کے ایک دستے کا امیر مقرر کیا گیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو تین سو افراد کے دستے کی امارت سپرد کی گئی۔ یہ حفاظتی دستے شہر کے گرد گشت کرتے اور بلند آواز سے نعرۂ تکبیر بلند کرتے تھے۔ گشت کا مقصد یہ تھا کہ بنو قریظہ اس بات سے خبردار ہو جائیں کہ مسلمان وہاں موجود ہیں اور چوکس بھی ہیں، تاکہ وہ قلعے میں موجود مسلمان عورتوں اور بچوں کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت بھی نہ کر سکیں۔ ❶

جب قریش نے خندق کھدی ہوئی دیکھی تو وہ حیرت سے انگشتِ بدنداں رہ گئے، اور جب انھوں نے اسے عبور کرنے کی کوشش کی تو سخت منہ کی کھائی۔ جب بھی وہ خندق کے قریب آتے، مسلمان ان کے اوپر تیروں کی بارش کر دیتے۔ محاصرے نے شدت اختیار کر لی جو ۲۴ روز تک جاری رہا۔ ❷ اس دوران میں کوئی باقاعدہ لڑائی نہیں ہوئی، بلکہ صرف تیروں کا تبادلہ ہوا۔ قتادہ کا کہنا ہے کہ یہ محاصرہ ایک ماہ جاری رہا ❸ اور موسیٰ بن عقبہ کا

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۶۷، بغیر سند کے۔

❷ ایضاً، ۲: ۷۳۔ ایسی سند کے ساتھ جس کے افراد ''ثقہ'' ہیں۔ سعید بن مسیب کی ''مراسیل'' سے جو مضبوط شمار ہوتی ہیں۔ یہ مضبوط ترین روایت ہے جو اس محاصرے کے متعلق بیان کی گئی ہے۔ ابن اسحق نے ۲۰ طاق راتوں کا خیال ظاہر کیا ہے، لیکن انھوں نے کوئی پی تلی تعداد نہیں بتائی۔ ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۲۲۴۔

❸ طبری، تفسیر، ۲۱: ۱۲۸۔ ایک ''حسن'' سند کے ساتھ، لیکن یہ قتادہ کی ''مراسیل'' میں سے ہے اور ابن قیم نے اسے اختیار کیا ہے۔ (زاد المعاد، ۲: ۱۳۱)۔

Marfat.com

بیان ہے کہ یہ محاصرہ ۲۰ روز پر محیط تھا۔ ❶

ابن اسحٰق اور ابن سعد نے کسی سند کے بغیر کچھ روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ چند مشرکین خندق عبور کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ان مصنفین نے ان میں سے پانچ کے نام بھی نقل کیے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ قریش کا قوی ترین شہ سوار عمرو بن عبدود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی حملے میں اس کا کام تمام کردیا۔ دوسرا مشرک نوفل مخزومی تھا، اسے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور باقی تین مشرکین فرار ہوگئے، جنھوں نے اپنے خیموں میں جا کر پناہ لی، ❷ تاہم اس کے باوجود مشرکین کے حملے وقتاً فوقتاً ہوتے رہے، حتیٰ کہ کئی روز تک رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نمازِ عصر بروقت ادا نہ کرسکے اور انھوں نے سورج غروب ہونے کے بعد نمازِ عصر ادا کی۔ اس وقت صلاۃ الخوف کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ ❸ یہ حکم بعد میں غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر نازل ہوا۔ ❹

محاصرے کی طوالت کے باوجود صرف آٹھ مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ❺ ان میں سے ایک حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ تھے جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ ان کے بازو میں گہرا زخم آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے مسجد میں ایک خیمہ نصب کرادیا تھا تاکہ آپ ﷺ آسانی کے ساتھ ان کے پاس آمد و رفت رکھ سکیں۔ جب بنو قریظہ کے خلاف مہم کا آغاز ہوا، اس زمانے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے زخم سے بہت زیادہ خون بہہ گیا، اور غزوہ بنی قریظہ کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔ ❻ وہ ایک عظیم المرتبت صحابی

---

❶ ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۳۹۳، بغیر سند کے۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۲۲۴، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۶۸۔ طبری نے عمرو بن عبدوُد کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کو زُہری کی ''مراسیل'' سے روایت کیا ہے۔ زُہری کی ''مراسیل'' کمزور ہیں اور عکرمہ کی ''مرسل'' سند کے ساتھ جس کے افراد ''ثقہ'' ہیں۔ (تاریخ الامم والملوک، ۳: ۴۸، کنز العمال، ۱۰: ۴۵۵) اس واقعے کو حدیث کے نقطۂ نظر سے ''صحیح'' ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ لڑائی کا مشاہدہ ہزاروں لڑنے والوں نے کیا ہوگا اور اس قسم کی روایات مشہور و معروف ہوں گی۔

❸ ابن حجر، فتح الباری، ۲: ۶۸، ۷۲، ۱۲۳، ۴۳۳۴، ۵: ۹۲۔

❹ ایضاً، ۷: ۴۲۱، ۴۲۴۔

❺ ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۲۵۳۔

❻ صحیح بخاری، ۵: ۵۱۔

Marfat.com

تھے اور غیر معمولی صفات کے حامل تھے۔ انھوں نے اسلام کے راستے میں بے شمار قربانیاں دی تھیں۔ ❶ مشرکوں کے چار افراد مارے گئے۔ غزوۂ خندق وہ غزوہ ہے جس میں سب سے کم جانی نقصان ہوا، حالاں کہ دونوں طرف فوجوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، لیکن فریقین کے درمیان خندق حائل رہی اور دو بدو لڑائی کی نوبت نہ آئی۔

محاصرے کی طوالت کے باعث اتحادیوں کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تمام اتحادی افواج ایک مقصد پر قائم نہیں تھیں۔ قریش مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنا چاہتے تھے، تاکہ ان کے لیے تجارتی راستے کھل جائیں اور وہ مسلمانوں سے انتقام بھی لے لیں۔ بدو فوری طور پر فتح کے خواہاں تھے، تاکہ مدینہ پر قبضہ کرسکیں اور یہودی معاہدہ توڑنے کے باوجود لڑائی میں حصہ لینے میں متردد تھے۔ وہ اس بات سے خائف تھے کہ اگر کسی وقت اتحادی فوجیں محاصرہ ختم کر کے واپس روانہ ہوگئیں تو وہ مدینہ میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تنہا رہ جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جنگ میں حصہ لینے سے پہلے قریش سے یہ مطالبہ کیا کہ چند لوگوں کو ان کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ انھیں یرغمال بنا کر رکھ سکیں۔

ابن اسحق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی نے بعض روایات نقل کی ہیں جن سے حضرت نعیم بن مسعود غطفانی کے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ انھیں اسلام قبول کیے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور قریش، یہودی اور بدو سب کے سب اس حقیقت سے ناآشنا تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اتحادی قبائل کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف شکوک و شبہات کے بیج بونا شروع کر دیے۔ انھوں نے یہودیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ قریش سے یرغمال کا مطالبہ کریں، ایسا نہ ہو کہ قریش یکدم محاصرہ ختم کر دیں اور یہودیوں کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس کے بعد وہ قریش کے پاس گئے اور

---

❶ ان کی وفات سے عرش ہل گیا اور جنت میں ان کے رومال ریشم سے بہتر ہیں۔ (بخاری، صحیح، مناقب الانصار، ۱۲، مسلم، صحیح ۴: ۱۹۱۵، ۱۹۱۶)

Marfat.com

انھیں بتایا کہ یہودی تم لوگوں سے یرغمالیوں کا مطالبہ اس لیے کر رہے ہیں کہ انھیں مسلمانوں کے حوالے کر دیں اور اس طرح اپنی معاہدہ شکنی کا تدارک کر سکیں۔ یہ روایات فن حدیث کے نقطۂ نگاہ سے تو ثابت نہیں ہوتیں، تاہم کتب سیر میں معروف ہیں [1] اور شرعی اصول سیاسیات سے اس لیے متعارض نہیں ہیں کہ جنگ چال چلنے اور جل دینے سے عبارت ہے۔ [2]

محاصرے کی طوالت اور تند و تیز اور سرد ہواؤں کے باعث اتحادیوں کے جذبے ماند پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یوں مدد فرمائی کہ ہوا کا رخ مشرقی جانب تھا، [3] جس کی شدت سے مشرکین کے خیمے اکھڑ گئے، دیگچیاں الٹ گئیں، چولھوں کی آگ بجھ گئی اور ان کی خورجیاں ریت میں دب گئیں۔ ابوسفیان نے گھبرا کر لشکر کو روانگی کا حکم دے دیا اور اس جنگ میں بھاری اخراجات اور مشقت کے سوا کچھ ان کے ہاتھ نہ آیا۔ قرآنِ کریم کا بیان ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱذْكُرُوا نِعْمَةَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو، جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے۔ پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال کو دیکھتے تھے۔'' (الاحزاب:۹)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اس واقعے کے چشم دید گواہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اتحادیوں کی صورتِ حال معلوم کرنے کی غرض سے ان کی طرف روانہ کیا تھا۔ ان کا بیان ہے:

''غزوۂ احزاب کے موقع پر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ ایک رات

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ ۲: ۲۲۹، ۲۳۰۔ ابن اسحٰق کی روایت سے بغیر سند کے۔ واقدی، مغازی، ۲: ۴۸۵، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۱۱۳۔ [2] صحیح بخاری، الجہاد، ۱۵۷، مسلم، صحیح، الجہاد ۱۸۔

[3] صحیح بخاری، ۵: ۴۷، مسلم، صحیح، ۲: ۲۱۷۔

Marfat.com

سخت سردی کی لہر اور تند ہواؤں نے ہمیں گھیر لیا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''سنو! جو شخص اس وقت دشمن کی طرف جائے گا اور دشمن کی خبریں معلوم کر کے مجھ تک پہنچائے گا، وہ قیامت کے روز میرے ساتھ ہوگا۔'' ہم سب لوگ خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات کو دو مرتبہ دہرایا، مگر مجمع پر خاموشی چھائی رہی۔ تیسری بار آپ ﷺ نے فرمایا: ''حذیفہ اٹھو! اور دشمن کی خبریں لا کر مجھے دو۔'' جب آپ ﷺ نے میرا نام لے کر پکارا تو اب میرے پاس تعمیل حکم کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ آپ ﷺ نے مزید ہدایات دیتے ہوئے فرمایا: ''جاؤ! اور دشمن کی خبریں لے کر میرے پاس آؤ، لیکن ایسا کوئی قدم نہ اُٹھانا جو انھیں میرے خلاف مشتعل کر دے۔'' جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے روانہ ہوا تو مجھے اپنا جسم اتنا گرم محسوس ہو رہا تھا جیسے میں گرم حمام میں ہوں۔ اسی حالت میں، میں دشمن کے علاقے میں پہنچ گیا۔ میں نے ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ آگ تاپ رہا تھا، میں نے تیر کمان میں رکھا اور اسے نشانہ بنانے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے: ''کوئی ایسا قدم نہ اُٹھانا جس سے وہ میرے خلاف مشتعل ہو جائیں۔'' اگر میں نے وہ تیر چلا دیا ہوتا تو ابوسفیان یقیناً زخمی ہو جاتا، لیکن میں وہاں سے پلٹ گیا اور اسی کیفیت میں گرمی کی تپش محسوس کرتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور دشمن کے بارے میں تمام خبریں آپ ﷺ کو پہنچا دیں۔ جب میرا کام مکمل ہو گیا تو مجھے سردی لگنا شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مجھے سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے دیکھا تو اپنا ایک کمبل مجھے اوڑھا دیا۔ یہ کمبل رسول اللہ ﷺ کی ضرورت سے زائد تھا اور آپ ﷺ نماز ادا کرتے وقت اسے اوڑھا کرتے تھے۔ میں کمبل

Marfat.com

اوڑھ کر صبح تک سوتا رہا۔ صبح کو رسول اللہ ﷺ نے مجھے جگایا اور فرمایا: ''اے گھوڑے بیچ کر سونے والے! اُٹھ جا۔'' ❶

بزار کی روایت یہ ہے کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے تو عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! لوگ ابوسفیان سے علیحدہ ہو کر منتشر ہو گئے ہیں، صرف ایک مختصر سا گروہ ہے جو ابوسفیان کے ساتھ ہے۔ وہ لوگ مل کر آگ جلانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بھی اتنی ہی شدید سردی میں گرفتار کر رکھا ہے، جتنی میں ہم لوگ گرفتار ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اُمید لگائے ہوئے ہیں اور انھیں کوئی امید نہیں۔'' ❷

موسم کی شدت کی وجہ سے اتحادی افواج میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ مدینہ سے فرار ہو گئیں اور مسلمانوں نے سکھ کا سانس لیا۔

﴿ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ ﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرا ہوا لوٹا دیا، کیوں کہ ان کی کچھ بھی مراد پوری نہ ہوئی اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے کافی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا زبردست ہے۔'' (الاحزاب:۲۵)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی وہ دعا قبول فرمائی جو آپ ﷺ نے محاصرے کے دوران میں کی تھی: ''اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے اور جلد حساب لینے والے! لشکروں کو شکست سے دوچار کر دیجیے۔ اے ہمارے مالک! انھیں شکست فاش دیجیے اور ان کے اوپر لرزہ طاری کر دیجیے۔'' ❸ اگرچہ اتحادی قبائل نے اس جنگ میں اپنی بھرپور قوت کا مظاہرہ کیا تھا، لیکن ان کی ناکامی کے جو اہم نتائج نکلے، ان کا اظہار کرتے ہوئے

❶ مسلم، صحیح، ۳: ۱۴۱۴، ۱۴۱۵۔ ❷ ہیثمی، کشف الاستار، ۲: ۳۳۵، ۳۳۶۔
❸ مسلم، صحیح، ۳: ۱۳۶۳۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''اب ہم ان پر حملہ کریں گے اور وہ کبھی ہمارے اوپر حملہ کرنے کے قابل نہ ہوسکیں گے اور ہم ان کے علاقے میں جا کر ان سے جنگ کریں گے۔'' ❶ آپ کے اس ارشاد مبارک سے پتہ چلتا ہے کہ اس جنگ کے ساتھ ہی مسلمانوں کی جنگی حکمت عملی میں تبدیلی آئی اور بجائے دفاعی جنگ لڑنے کے اب حملہ کرنے میں پہل کرنے کے قابل ہوگئے۔ اب حق و باطل کا میدانِ کارزار مدینہ اور اس کے گردونواح سے مکہ اور طائف اور اس کے بعد تبوک منتقل ہونے والا تھا جو مسلمانوں کے مرکز، یعنی مدینہ سے بہت زیادہ فاصلے پر تھا۔

غزوۂ خندق کے بعد پیش آنے والی مہمات

خبط یا سیف البحر کی مہم

اتحادی قبائل کو جس ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا، مسلمانوں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور قریش کی اقتصادیات پر اپنا شکنجہ سخت تر کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کی سربراہی میں تین سو افراد پر مشتمل ایک دستہ ساحل سمندر کی جانب روانہ کیا۔ اس دستے نے قریشی قافلے کے انتظار میں وہاں پڑاؤ ڈالا۔ پڑاؤ کے دوران میں انھیں شدید بھوک کا سامنا کرنا پڑا اور وہ ایک کانٹے دار صحرائی درخت، جسے خبط کہتے ہیں، کے پتے کھانے پر مجبور ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دستے کو جیش الخبط کا نام دیا گیا، یعنی خبط کھانے والی فوج۔ انھوں نے پہلے تو کھانے کے لیے اونٹ ذبح کرنا شروع کیے، لیکن پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا، کیوں کہ اونٹ جنگ میں کام آتے تھے۔ اس اثناء میں ایک عظیم الجثہ وہیل مچھلی سمندر کے کنارے آ لگی، مسلمان فوج نے اس کا گوشت تقریباً دو ہفتے تک کھایا۔ جب مسلمان مدینہ واپس آئے تو اس مچھلی کا گوشت بھی ساتھ لیتے آئے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی

❶ صحیح بخاری، ۵:۴۸۔

Marfat.com

اس میں سے تناول فرمایا۔ ❶

غالبًا یہ آخری لشکر کشی تھی جو مکہ کی تجارت کو دھمکانے کی خاطر کی گئی تھی۔ بعد میں معاہدۂ حدیبیہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس قسم کے سرایا کا سلسلہ ختم کر دیا گیا تھا، لیکن اس وقت تک مکہ کی تجارت بالکل تباہ ہو چکی تھی۔ ابوسفیان نے اس حقیقت سے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا: ''اس جنگ نے ہمارے اوپر ایک کاری ضرب لگائی ہے۔'' ❷

---

❶ بخاری اور مسلم (زاد المعاد، ۲: ۱۵۸۸)۔ ابن قیم نے ابن سید الناس کی اس غلطی کی نشان دہی کی ہے کہ یہ سریہ رجب ۸ ھ کو روانہ کیا گیا تھا، حالاں کہ محترم مہینوں کے دوران میں نہ کوئی غزوہ پیش آتا تھا اور نہ کوئی سریہ ہی روانہ کیا جاتا تھا۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے مسلمانوں نے قریشی قافلوں کا راستہ روکنا چھوڑ دیا تھا۔ سریۃ الخبط یقیناً معاہدۂ صلح سے قبل اور غزوۂ خندق کے فوراً بعد پیش آیا ہوگا جیسا کہ میں نے لکھا ہے۔

❷ ابن حجر (فتح الباری، ۱: ۳۴، ۸: ۷۹) نے ایک اور امکان کا ذکر کیا ہے کہ وہ قافلے پر قبضہ کرنے کی غرض سے نہیں، بلکہ اسے جہینہ سے بچانے کے لیے باہر گئے۔ ہم اس امکان کو قبول نہیں کرتے، کیوں کہ جہینہ اس سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ معاہدے میں شریک تھے۔ اسلام قبول کرنے سے قبل وہ قریشی قافلوں کو روکا نہیں کرتے تھے، بلکہ مسلمانوں اور قریش دونوں کے ساتھ ان کے اچھے تعلقات تھے اور طرفین کے ساتھ ان کے مفادات وابستہ تھے۔ (دیکھیے: احمد، مسند، ۱: ۷۸، ابن ہشام، سیرۃ، ۱: ۵۹۵) حافظ ابن حجر نے وضاحت کرتے ہیں کہ یہ واقعہ فتح مکہ سے کچھ ہی پہلے کا ہے۔ (فتح الباری، ۸: ۷۹)

Marfat.com

صلح حدیبیہ

حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جو مکہ کے شمال مغرب میں ۲۲ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آج کل اس کو الشمیسی کا نام دیا گیا ہے، یہی حدیبیہ کے باغات اور مسجدِ رضوان کی جائے وقوع ہے۔ (1) حدیبیہ کی سرحدیں ایک طرف سے حدودِ حرم سے ملتی ہیں، لیکن اس کا اکثر حصہ حرم سے باہر ہے، جسے حِلّ کہا جاتا ہے۔ اس غزوے کو حدیبیہ کا نام اس لیے دیا گیا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں قریش نے مسلمانوں کو شہر مکہ میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ (2)

رسول اللہ ﷺ، ذوالقعدہ ۶ ھ کے اوائل میں، پیر کے روز حدیبیہ کی جانب روانہ ہوئے۔ (3) اس سفر کا مقصد عمرہ ادا کرنا تھا، (4) نیز ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں خانۂ کعبہ کے لیے جو سچے جذبات موجزن ہیں اور اس کے لیے تقدس و احترام کے جو احساسات پائے جاتے ہیں، ان کا کھل کر اظہار ہو جائے اور قریش کی اس غلط بیانی کا توڑ بھی ہو جائے کہ مسلمانوں کے دلوں میں کعبے کا احترام موجود نہیں ہے اور مسلمان کعبے کی حرمت کو تسلیم نہیں کرتے۔

مسلمانوں کے اس اقدام نے جزیرہ نمائے عرب پر ان کی قوت و شوکت کی دھاک

---

(1) بلدی، عتیق بن غیث، نسب حرب، ص: ۳۵۰۔

(2) ابن قیم، زاد المعاد، ۳: ۳۸۰۔

(3) بیہقی، دلائل النبوۃ، ۲: ۲۱۲۔ یعقوب بن سفیان کی روایت سے ایک ''حسن'' سند کے ساتھ مروی ہے، لیکن یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام نافع کی ''مراسیل'' میں سے ہے۔ اس تاریخ پر یہ تمام علمائے کرام متفق ہیں: نووی، المجموع، ۷: ۷۸، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۱۶۴، ابن حجر، التلخیص الحبیر، ۴: ۹۰۔ پہلے علماء جنھوں نے واضح طور اس دن کو پیر لکھا ہے، وہ واقدی اور ان کے شاگرد ابن سعد ہیں۔ واقدی، مغازی، ۲: ۵۷۳، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۲۹۵۔

(4) صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۱۷۷۸)

Marfat.com

بٹھادی، بالخصوص اتحادیوں کے ناپاک عزائم کی ناکامی کے بعد اس دھاک میں مزید اضافہ ہوگیا۔ قریش نے جب مسلمانوں کو شہر مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ ادا کرنے سے روکا تو انھیں اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ وہ ایک غیر معمولی قدم اٹھا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی سے اس بات کی توقع تھی کہ قریش نہ صرف آپ ﷺ کا راستہ روکیں گے، بلکہ لڑنے سے بھی گریز نہ کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اپنے ہمراہ لے کر نکلنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے صحرائی بدوؤں کو بھی طلب کیا تھا اور انھیں دعوت دی تھی، لیکن وہ آخر وقت تک نہ آئے اور رسول اللہ ﷺ انصار اور مہاجرین کو اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوگئے۔ قرآنِ کریم نے بدوؤں کے کمزور رویے کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں کیا ہے:

﴿ سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَا اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا وَّزُیِّنَ ذٰلِكَ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ۝ ﴾

”جو دیہاتی پیچھے رہ گئے، وہ عنقریب آپ سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور عیال نے فرصت نہ لینے دی، سو ہمارے لیے معافی کی دعا کر دیجیے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ وہ کون ہے جو خدا کے سامنے تمھارے لیے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو، اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے، بلکہ اللہ تعالیٰ تمھارے سب اعمال پر مطلع ہے۔“ (الفتح: ۱۱، ۱۲)

مجاہد کا بیان ہے کہ قرآنی آیات میں جن دو قبائل کا حوالہ دیا گیا ہے وہ مدینہ کے

Marfat.com

رہنے والے جہینہ اور مزینہ تھے۔ ❶ مسلمانوں کو اس بات کا قوی امکان تھا کہ قریش ان کا مقابلہ کریں گے، اس لیے مسلمانوں نے اپنے ساتھ ہتھیار لے لیے تھے اور پیش آمدہ صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ ❷ اس سے واقدی کے اس بیان کی تردید ہوتی ہے کہ مسلمان اپنے ساتھ ہتھیار لے کر نہیں گئے تھے۔ ❸

حدیبیہ کے اس سفر میں مسلمانوں کی تعداد چودہ سو کے قریب تھی۔ متعدد ایسے صحابہ کرامؓ نے یہ تعداد ذکر کی ہے۔ جو خود حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے، ان راوی صحابہ کے نام یہ ہیں: حضرت جابر بن عبداللہ، براء بن عازب، معقل بن یسار، سلمہ بن اکوع ❹ اور مسیّب بن حزن رضی اللہ عنہم۔ ❺ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں کہا ہے کہ وہ پندرہ سو تھے۔ ❻ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن اوفی کا کہنا ہے کہ ان کی تعداد تیرہ سو تھی، جبکہ پانچ چشم دید گواہوں کا اتفاق ہے کہ تعداد چودہ سو تھی، ❼ اسی وجہ سے یہ روایت سب سے زیادہ مستند قرار پاتی ہے، تاہم مختلف روایات کے درمیان جو تعارض پایا جاتا ہے، وہ اتنا زیادہ نہیں ہے اور ان میں مطابقت پیدا کی جا سکتی ہے۔

مسلمانوں نے ذوالحلیفہ میں نماز ادا کی اور عمرے کے لیے احرام زیبِ تن کیے۔ ❽

---

❶ طبری، تفسیر، ۲۶: ۷۷، ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ مروی روایت جو مجاہد تک جاتی ہے اور ''مرسل'' ہے۔

❷ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۴۱۷۹)

❸ واقدی، مغازی، ۲: ۵۷۳۔

❹ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۴۱۵۱)، مسلم، صحیح، کتاب الامارۃ، ص ۷۶، کتاب الجہاد والسیر، ص ۱۳۲۔

❺ یحییٰ بن معین، تاریخ، ۱: ۳۲۱، بیہقی، دلائل النبوۃ، ۲: حصہ ۲: ۴۔ اس میں قتادہ کا ''عنعنہ'' شامل ہے، لیکن اس سے روایت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، کیوں کہ اس کی اصل صحیح میں ہے۔

❻ بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۱۴۵۳، ۳۵۷۶)، مسلم، صحیح، کتاب الامارۃ، ص ۷۳۔

❼ مسلم، صحیح، کتاب الامارۃ، ص ۷۵۔

❽ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۱۶۹۴، ۱۶۹۵)۔ اس سے غزوے سے قبل میقات کی حدود کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

قربانی کے لیے ان کے پاس ستر جانور تھے۔ ❶ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بسر رضی اللہ عنہ بن سفیان الخزاعی الکعبی ❷ کو جاسوس کی حیثیت سے مکہ روانہ کیا۔

جب مسلمان روحاء کے مقام پر پہنچے جو مدینہ سے ۷۳ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو (جو حالت احرام میں نہیں تھے)، غیقہ کی طرف روانہ کیا جو بحیرۂ احمر کے ساحل پر واقع ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے ہمراہ صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی روانہ کی، کیوں کہ آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ وہاں مشرکوں کی ایک تعداد موجود ہے۔ آپ کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ کہیں وہ مسلمانوں پر اچانک حملہ آور نہ ہو جائیں۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جماعت کے لیے ایک زیبرے کا شکار کیا۔ جماعت کے لوگوں کو شکار کرنے کی اجازت نہیں تھی، کیوں کہ وہ حالت احرام میں تھے، لیکن وہ اس کے کھانے میں شریک ہو گئے۔ بعد میں انھیں اس امر میں شک ہونے لگا کہ آیا یہ کھانا ان کے لیے حلال تھا یا نہیں؟ پھر جب ان کی رسول اللہ ﷺ سے سقیا (مدینہ سے ۱۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع مقام) میں ملاقات ہوئی تو انھوں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں استفسار کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کے اس گوشت کھانے کو درست قرار دیا، بشرطیکہ انھوں نے شکار میں حصہ نہ لیا ہو۔ ❸

---

❶ احمد، مسند، ۴: ۳۲۳۔ ''حسن'' سند کے ساتھ روایت ہے۔ ابن اسحٰق نے سیرۃ ابن ہشام (۳: ۳۰۸) میں صاف طور پر سماع بیان کیا ہے۔

❷ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۴۱۷۹)، احمد، مسند، ۴: ۳۲۳، ایسی سند کے ساتھ جس کے افراد ''ثقہ'' ہیں اور جس میں ابن اسحٰق کا ''عنعنہ'' شامل ہے۔ انھوں نے یہ بات واضح کی ہے کہ انھوں نے تحدیث کا اصول استعمال کیا، نیز سیرۃ ابن ہشام، ۳: ۳۰۸۔

❸ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۹۲۴)۔ بزار نے ایک ''حسن'' سند کے ساتھ روایت کیا کہ زیبرے کے شکار کا واقعہ عسفان میں پیش آیا۔ یہ واقعہ صحیح سے متضاد ہے اور اس حقیقت سے بھی متضاد ہے کہ ابوقتادہ کو صدقات جمع کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ محمد زکریا کاندھلوی نے مطابقت پیدا کرنے کی جو کوشش کی ہے، وہ کامیاب نہیں؟ کیوں کہ تضاد اتنا زیادہ واضح ہے کہ دو روایتوں میں سے کسی ایک کو مسترد کرنے کی ضرورت ہے۔ (دیکھیے: اوجز المسالک الی موطا امام مالک، ۶: ۳۵۲)

Marfat.com

مسلمانوں نے اپنا سفر جاری رکھا، یہاں تک کہ وہ عسفان پہنچ گئے جو مکہ سے ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ حضرت بسر رضی اللہ عنہ بن سفیان الکعبی نے مسلمانوں کو یہ خبریں پہنچا دی تھیں کہ قریش کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہو گئی ہے اور انھوں نے اس مقصد کے لیے ایک فوج جمع کر لی ہے تاکہ مسلمانوں کو مکہ شہر میں داخل ہونے سے روکا جا سکے۔ خالد بن ولید ایک رسالے کے ہمراہ بطور ہراول دستہ کراع الغمیم تک نکل آئے تھے جو مکہ سے ۶۴ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے اس سلسلے میں مشورہ فرمایا کہ آیا انھیں ان لوگوں کے علاقے پر حملہ کرنا چاہیے یا نہیں، جنھوں نے قریش کی مکمل حمایت کا ثبوت دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! مجھے مشورہ دو! کیا تم مجھے یہ رائے دیتے ہو کہ جو لوگ بھی ہمیں خانۂ کعبہ میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کریں، ہم ان کے خاندانوں اور ان کی اولاد کو تباہ کر دیں۔ اگر وہ ہمارے پاس امن کی خاطر آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ایک جاسوس کو نقصان پہنچائے گا، یا ہم انھیں خراب حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھیں گے۔ '' یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ (ﷺ) زیارتِ کعبہ کے ارادے سے یہاں آئے ہیں اور آپ (ﷺ) کسی کے ساتھ جنگ کرنا یا کسی کو قتل کرنا نہیں چاہتے، لہٰذا خانۂ کعبہ کی طرف بڑھیے اور جو شخص بھی ہمیں اس کام سے روکنے کی کوشش کرے گا، ہم اس سے لڑیں گے۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''پھر اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو!'' [1] رسول اللہ ﷺ اکثر و بیشتر اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

عسفان کے مقام پر مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ مشرکوں کا دستہ ان کے قریب ہی موجود ہے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صلوٰۃ الخوف (خوف کے وقت

[1] صحیح بخاری، (فتح الباری، حدیث ۴۱۷۹) انھوں نے عسفان کے بجائے غدیر الاشطاط کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن یہ اس سے متصل ہی ہے۔ ابن حجر، فتح الباری، ۵: ۳۳۴۔ اس حصے سے قطع نظر جس میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ''حسن'' سند کے ساتھ مسند احمد میں موجود ہے۔ (۴: ۳۲۳)۔ ابن اسحٰق کا واضح بیان ہے کہ انھوں نے اس کا سماع کیا ہے۔ کراع الغمیم کے محل وقوع کے لیے دیکھیے: معجم المعالم الجغرافیة، ص ۲۴۶۔

Marfat.com

کی نماز) کی امامت کرائی۔ ❶ یہ پہلا موقع تھا جب رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ الخوف ادا کی۔ ❷ یہ رائے ان لوگوں کی ہے جن کے خیال میں غزوۂ ذات الرقاع خیبر کے بعد پیش آیا، اور یہی رائے مستند ہے۔ ❸ یہ رائے ابن اسحٰق، واقدی اور اس معاملے میں ان کی تائید کرنے والوں کی رائے سے مختلف ہے۔ ❹ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فتح خیبر سے پہلے نہیں، بلکہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوۂ ذات الرقاع ❺ میں حصہ لیا تھا، اس لیے یہ غزوہ لازمی طور پر فتح خیبر کے بعد پیش آیا ہوگا۔ صلوٰۃ الخوف کا پہلا واقعہ لازمی طور پر حدیبیہ میں عسفان کے مقام پر ہی پیش آیا ہوگا، کیوں کہ اس کے فوراً بعد ہی معاہدۂ حدیبیہ عمل میں آ گیا اور اس کے بعد فتح مکہ تک مکہ اور اس کے گرد ونواح میں کوئی جنگ نہیں لڑی گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے ثنیۃ المرار کے پار ایک مشکل راستے کا انتخاب فرمایا۔ ثنیۃ المرار حدیبیہ میں ایک نشیبی علاقے کا نام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس پہاڑ پر چڑھے گا (آپ ﷺ کی مراد مرار نامی پہاڑ سے تھی)، اس کے گناہ اس طرح معاف

---

❶ ابوداؤد، معالم السنن، کتاب الصلوٰۃ، ص ۲۱۵۔ حاکم نے اسے بیان کیا اور ذہبی نے اسے ''صحیح'' سمجھا ہے اور حاکم کے ساتھ متفق ہیں۔ (مستدرک: ۳: ۳۳۸) بیہقی اور ابن کثیر نے اس کو ''صحیح'' سمجھا ہے۔ (بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۲۵۷، ابن کثیر، تفسیر، ۱: ۵۴۸) ابن حجر اس کے متعلق کہتے ہیں: ''سند جید ہے۔'' (الاصابۃ، ۷: ۲۹۴) لیکن حدیث میں کسی خاص غزوے کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ ابن حجر کا خیال ہے کہ غالباً یہ غزوۂ حدیبیہ تھا۔ (فتح الباری، ۷: ۴۲۳) اس خیال کو مزید تقویت اس حقیقت سے بھی ملتی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید یہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ عسفان کے نزدیک تھے اور عسفان غزوۂ حدیبیہ میں تھا۔

❷ حافظ محمد حکمی، مرویات غزوہ الحدیبیہ، ص ۱۱۵، ۱۳۳۔

❸ ابن حجر، فتح الباری، حدیث، ۴۱۲۵، ۴۱۲۸، ابن قیم، زاد المعاد، ۳: ۲۵۳، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۸۳، ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۴۱۹، ۴۲۰۔

❹ ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۲۰۳، ۲۰۴، واقدی، مغازی، ۱: ۳۹۶۔

❺ ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۴۱۲۹، ۴۲۳۳، ابوداؤد، سنن معالم السنن، کتاب الصلوٰۃ، ص ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، احمد، مسند، ۲: ۳۴۵، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ۔

Marfat.com

کیے جائیں گے، جس طرح بنی اسرائیل کے معاف کیے گئے تھے۔'' جو لوگ سب سے پہلے اس پہاڑ پر چڑھے، وہ بنو خزرج کے شہ سوار تھے۔ ❶

رسول اللہ ﷺ جنگ سے بچنا چاہتے تھے، اس لیے آپ نے خالد بن ولید اور ان کے دستے سے احتراز کی خاطر اپنی فوج کا راستہ تبدیل کر دیا۔ جب خالد کو یہ معلوم ہوا تو وہ مکہ واپس چلے گئے۔ قریش اپنی فوج لے کر نکلے اور بلدح ❷ میں مسلمانوں سے پہلے پانی کے ایک چشمے پر خیمہ زن ہو گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ پہنچے تو آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خیال ظاہر کیا کہ اب یہ اونٹنی نہیں اُٹھے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس اونٹنی نے نہ تو چلنے سے انکار کیا ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہی ہے، البتہ جس ہستی نے ہاتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، اس ہستی نے اسے اپنی جگہ پر روکا ہوا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! کعبے کے اس تقدس اور حرمت کے سلسلے میں جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے، آج قریش مجھ سے جو مطالبہ کریں گے، میں اسے قبول کروں گا۔'' ❸ پھر آپ ﷺ نے اپنی سمت سفر تبدیل فرما دی اور مکہ میں داخل ہونے کے بجائے حدیبیہ کے بعید ترین مقام پر تشریف لے گئے اور ایک کنویں کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ کنویں میں پانی کی کمی کی وجہ سے مسلمانوں نے پیاس کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش

---

❶ مسلم، صحیح، کتاب صفات المنافقین و احکامھم، ص۱۲۔

❷ بلدح مکہ کی ایک وادی کا نام ہے جو وادی العشر سے شروع ہوتی ہے اور الظاہر (جس نام سے یہ جگہ آج کل معروف ہے) سے گزرتی ہوئی مر الظھران پر ختم ہوتی ہے۔ مرّ الظھران حدیبیہ کے شمال میں واقع ہے۔ (بلادی، معجم المعالم الجغرافیہ، ص۴۹) قریش کا بلدح جانا کسی ''صحیح'' سند سے ثابت نہیں ہے، لیکن اسے بیہقی کی دلائل النبوۃ میں روایت کیا گیا ہے، (۲:۲۱۹، ۲۲۰) اور یہ عروہ کی ''مرسل'' روایت سے ایک کمزور سند کے ساتھ آئی ہے۔ واقدی (مغازی، ۲:۵۸۲) اور ابن سعد (الطبقات الکبری، ۲:۹۵) نے اسے ذکر کیا ہے۔

❸ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، ۵:۳۲۹، حدیث ۲۷۳۱) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی کے لیے دعا فرمائی اور کنویں میں اپنا لعاب ڈالا۔ (صحیح بخاری، ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۳۵۷۷) کیوں نہ ہم دونوں اعمال میں یہ کہہ کر مطابقت پیدا کر دیں کہ آپ ﷺ نے دونوں کام کیے۔

Marfat.com

سے ایک تیر نکالا اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ اسے کنویں میں رکھ دیا جائے۔ تیر کا رکھنا تھا کہ کنویں میں زور شور کے ساتھ پانی اُبلنے لگا اور اس وقت تک نہ تھما، جب تک سب نے اپنی پیاس نہ بجھالی۔ [1] یہ رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ تھا جو اس مہم کے دوران میں پیش آیا۔

رسول اللہ ﷺ قریش کی بقاء چاہتے تھے، کیوں کہ آپ ﷺ کو یہ امید تھی کہ اگر یہ مسلمان ہوگئے تو اسلام کے لیے بہترین سرمایہ ثابت ہوں گے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''لوگ دھاتوں کی مانند ہیں، ان میں جو زمانۂ جاہلیت میں بہترین تھے، وہ حالت اسلام میں بھی بہترین ثابت ہوں گے، بشرط یہ کہ اسلام کو اچھی طرح سمجھ لیں۔'' اہل عرب میں قبیلۂ قریش کے لوگ سب سے زیادہ فصیح البیان اور ذہین وفطین سمجھے جاتے تھے اور معاشرے میں اعلیٰ مقام و مرتبہ رکھتے تھے، اور زندگی کے گوناگوں تجربات کے حامل تھے۔ ان کے قبولِ اسلام کے نقطۂ نگاہ سے انھیں باقی رکھنے کی جو حکمت عملی اپنائی گئی تھی، اس سے اسلامی ریاست اور اسلام کے پیغام کو کثیر فوائد حاصل ہونے کی توقع تھی، بعد کے حالات نے ثابت کردیا کہ یہ توقعات بالکل درست تھیں۔ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات قریش کی ہٹ دھرمی اور اس حقیقت سے پریشان ہوجایا کرتے تھے کہ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف مسلسل جنگیں برپا کرکے اپنے آپ کو تھکا مارا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''افسوس ہے قریش پر! جنگ نے انھیں کھوکھلا کرکے رکھ دیا ہے۔ ان کا کیا نقصان تھا، اگر وہ مجھے اور اہل عرب کو تنہا چھوڑ دیتے کہ ہم جو راستہ چاہیں اختیار کریں۔ اگر وہ مجھے قتل کردیں (جیسا کہ ان کی شدید خواہش ہے)، تو ان کی مراد پوری ہوجائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر فتح نصیب فرمائے، پھر وہ حلقۂ اسلام میں جوق در جوق داخل ہوں یہ بھی ان کے لیے اچھا ہے۔ اگر وہ یہ نہیں کرتے، تو جب تک ان کے پاس طاقت ہے، وہ جنگ کریں۔ قریش اب کس سوچ میں ہیں؟ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مجھے جس کام پر مامور کیا ہے، میں اس

---

[1] ایضاً۔

Marfat.com

کی خاطر لڑنے سے اس وقت تک ہرگز باز نہ آؤں گا، جب تک اللہ تعالیٰ فتح یاب نہ کردے، یا پھر میں اس راستے میں مارا جاؤں۔'' ❶

رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعدد نمائندے اور غیر جانبدار اصحاب کو قریش کے پاس بھیجا جنھوں نے قریش کو یہ یقین دہانی کرائی کہ رسول اللہ ﷺ کسی جنگ کے ارادے سے تشریف نہیں لائے، بلکہ آپ ﷺ کا مقصد محض خانۂ کعبہ کی زیارت اور طواف ہے۔ بُدَیل بن ورقاء الخزاعی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ پر یہ بات واضح کردی کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے بدیل پر اپنا موقف واضح کردیا اور بدیل نے آپ ﷺ کا موقف قریش تک پہنچا دیا۔ ❷
قریش نے رسول اللہ ﷺ کا موقف جاننے کے باوجود واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ ''ہوسکتا ہے کہ وہ جنگ کے ارادے سے نہ آئے ہوں، مگر خدا کی قسم! وہ ہماری مرضی کے بغیر مکہ میں داخل نہیں ہوسکتے اور نہ ہم کبھی عربوں کو یہ کہنے کا موقع دیں گے کہ ہم نے انھیں داخلے کی اجازت دے دی تھی۔'' ❸

اس موقع پر مسلمانوں کو بہر صورت سیاسی برتری حاصل ہونا تھی، خواہ وہ شہر میں داخل ہوتے اور عرب اس بارے میں چہ میگوئیاں کرتے اور خواہ وہ نہ داخل ہوتے۔ اہل عرب پر یہ حقیقت کھل جاتی کہ جو لوگ کعبے کا ادب و احترام کا اظہار کرنے جاتے ہیں، قریش انھیں محروم واپس کردیتے ہیں اور قریش کے اس دعوے کی بھی قلعی کھل جاتی کہ مسلمان کعبے کا احترام نہیں کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش کے پاس پے در پے قاصد بھیجے اور بار باران پر یہ ارادہ ظاہر کیا کہ آپ ﷺ کا مقصد محض کعبۃ اللّٰہ کی زیارت اور طواف ہے۔ آپ ﷺ کے

---

❶ احمد، مسند، ۴: ۳۲۳، ''حسن'' سند کے ساتھ۔ ابن اسحٰق نے واضح طور پر تحدیث کا ذکر کیا ہے۔ سیرۃ ابن ہشام، ۳: ۳۰۸۔

❷ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۲۷۳۱، ۲۷۳۲

❸ احمد، مسند، ۴: ۳۲۴، ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۳۰۸۔ اس روایت کی سند ''حسن'' ہے۔

Marfat.com

قاصدوں میں سے ایک حضرت خراش رضی اللہ عنہ بن امیہ الخزاعی بھی تھے جنھیں قریش نے قتل کر دیا ہوتا، اگر احابیش اس میں رکاوٹ نہ بنے ہوتے۔ ❶ آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کو بھی سفیر بنا کر بھیجنا چاہتے تھے، لیکن بعد میں آپ ﷺ نے اپنی رائے تبدیل فرمالی اور اس کام کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کا انتخاب فرمایا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں قریش کے خلاف غیر معمولی جذبات موجزن تھے اور آپ ﷺ نے یہ محسوس کیا کہ قریش بھی اس حقیقت سے واقف ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے لوگ، یعنی بنو عدی بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیں گے، ❷ چناں چہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قریش کی جانب روانہ ہو گئے اور ابان بن سعید بن العاص نے انھیں اس وقت تک امان دی، جب تک انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا پیغام نہیں پہنچا دیا۔ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ چاہیں تو خانۂ کعبہ کا طواف کر سکتے ہیں، لیکن انھوں نے حضور ﷺ سے پہلے طواف کرنا پسند نہیں کیا اور انکار کر دیا۔ قریش نے انھیں کچھ عرصہ اپنے ہاں نظر بند رکھا جس سے ان کی واپسی میں تاخیر ہو گئی اور مسلمانوں نے سمجھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے۔ ❸ رسول اللہ ﷺ نے اپنے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو دعوت دی کہ وہ آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر وفاداری کا عہد (بیعت) کریں، چناں چہ سب نے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ یہ بیعت ایک خاردار درخت کے سائے میں لی گئی۔ جد بن قیس واحد شخص تھا جو اس بیعت میں شامل نہیں تھا، ❹ کیونکہ وہ منافق تھا اور یہ ایک ایسا عہد تھا جسے موت تک نباہنا تھا۔ ❺ دیگر روایات کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات پر قسم کھائی کہ اگر انھیں اہل مکہ سے مقابلہ کرنا پڑا تو وہ میدانِ جنگ سے منہ نہ موڑیں گے، لیکن ان کی قسم میں یہ بات شامل نہیں تھی کہ وہ جنگ

---

❶ ایضاً۔ ❷ ایضاً۔

❸ احمد، مسند، ۴: ۳۲۴، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔

❹ مسلم، صحیح، کتاب الامارۃ، ص: ۶۹۱، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کی حدیث سے جو کہ ایک عینی شاہد تھے۔

❺ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۴۱۶۹)، مسلم، صحیح، کتاب الامارۃ، ۸۱۔

Marfat.com

میں اپنی جان کی بازی لگا دیں گے، ❶ تاہم ان روایات میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا، کیوں کہ بیعت سے یہی مراد تھی کہ وہ میدانِ جنگ سے رخ نہ موڑیں گے۔ ❷ جو صحابی سب سے پہلے آگے بڑھے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی، وہ حضرت ابوسنان رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن وہب الاسدی تھے۔ ❸ اس کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے یکے بعد دیگرے بیعت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے طرزِ عمل کو سراہا اور وفاداری کا عہد کرنے پر ان کی توصیف ان الفاظ میں فرمائی: ''تم لوگ دنیا کے بہترین لوگ ❹ ہو اور ان شاء اللہ وہ تمام لوگ جنھوں نے اس درخت کے نیچے عہد کیا ہے (اصحاب الشجرہ) دوزخ کی آگ سے محفوظ اور مامون رہیں گے۔'' ❺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے نظر بند کر لیا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا اور فرمایا: ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے''، پھر آپ ﷺ نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ساتھ ملایا اور فرمایا: ''یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔'' ❻ اس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا شمار بھی ان اصحاب میں ہو گیا جنھوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وفاداری کا عہد کیا تھا، لیکن اس بیعت کے فوراً ہی بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں سے آ ملے۔ اس بیعت کو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے، یعنی رضامندی کی بیعت۔

قریش نے مسلمانوں سے گفت و شنید کرنے کی غرض سے اپنے متعدد نمائندے روانہ کیے۔ ان کا سب سے پہلا نمائندہ عروہ بن مسعود الثقفی تھا۔ اس نے یہ مشاہدہ کیا کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کا بے انتہاء اعزاز اور اکرام کرتے ہیں، آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کا اظہار کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کے ہمہ وقت مشتاق رہتے ہیں۔ جب وہ قریش کے پاس واپس گیا تو بولا: ''اے میری قوم! میں نے بادشاہوں کے

---

❶ مسلم، صحیح، کتاب الامارۃ، ۶۷، ۶۸، ۷۶، صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۲۹۵۷)۔
❷ ابن حجر، فتح الباری، ۶: ۱۱۸۔ ❸ ابن حجر، الاصابۃ، ۱۱: ۱۷۱۔
❹ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۴۱۵۴) ❺ مسلم، صحیح، کتاب فضائل الصحابہ، ۱۶۳۔
❻ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۳۶۹۸)

Marfat.com

دربار بھی دیکھے ہیں، میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی گیا ہوں، لیکن خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایسا بادشاہ کوئی نہیں دیکھا جس کے ساتھی اس کی اتنی زیادہ عزت کرتے ہوں جتنی محمد (ﷺ) کے ساتھی ان کی عزت کرتے ہیں۔'' ❶

اس کے بعد قریش نے احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ الکنانی کو روانہ کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے آتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ قربانی کے اونٹ باہر نکالیں اور ان پر تلبیہ پڑھیں، کیوں کہ حلیس بن علقمہ ان لوگوں میں سے تھا جو ایسی چیزوں کو بڑی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جب حلیس نے یہ منظر دیکھا تو قریش کے پاس لوٹ گیا اور ان سے کہنے لگا: ''میں ان کے اونٹ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں جن کے گلے میں قلادے پڑے ہوئے ہیں اور وہ قربانی کے لیے تیار ہیں، میری رائے میں ان لوگوں کو زیارتِ کعبہ سے روکنا مناسب نہیں ہے۔'' ❷ قریش نے اس کی بات کے جواب میں کہا: ''تم بدو ہو اور جاہل مطلق بھی، تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم یہیں بیٹھ جاؤ۔'' ❸ اس کے بعد قریش نے مکرز بن حفص کو روانہ کیا اور اس کے پیچھے سہیل بن عمرو آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سہیل کو آتے دیکھ کر پر اُمید لہجے میں فرمایا: ''سہیل کا آنا تمھارے لیے خوش آئند ہے، اب تمام معاملات آسان ہو جائیں گے، ❹ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دشمن صلح چاہتے ہیں، اسی لیے انھوں نے سہیل کو روانہ کیا ہے۔'' قریش نے سہیل پر لازم کیا تھا کہ جو معاہدہ بھی طے پائے، اس میں یہ شرط ضرور ہونا چاہیے کہ مسلمان امسال عمرہ کیے بغیر لوٹ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طویل گفت وشنید ہوتی رہی، یہاں تک کہ وہ معاہدہ طے پا گیا جسے صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ❺

---

❶ ایضاً، حدیث ۲۷۳۱-۲۷۳۲۔ مزید دیکھیے: احمد، مسند، ۴: ۳۲۴، ابن اسحٰق کی روایت سے ''حسن'' سند کے ساتھ۔

❷ ایضاً، فتح الباری، حدیث ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ ❸ احمد، مسند، ۴: ۳۲۴، ''حسن'' سند کے ساتھ۔

❹ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۲۷۳۱، ۲۷۳۲) ❺ ایضاً۔

Marfat.com

معاہدے کو جب تحریری شکل دی جا رہی تھی، اس وقت اس کے ابتدایئے کے بارے میں چند اختلافات پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ اس معاہدے میں اسلامی رنگ کی جھلک نمایاں ہو، لیکن سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب معاہدے کی دستاویز قلم بند کر رہے تھے۔ ❶ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں لکھوانا شروع کیا اور ان سے فرمایا کہ ''لکھو: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحیم ہے۔)'' تو سہیل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: ''خدا کی قسم! میں کسی رحمٰن کو نہیں جانتا، بلکہ یوں لکھو: باسمك اللهم. (اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ۔) جیسا تم لوگ پہلے لکھا کرتے تھے۔'' مسلمانوں نے یہ سنتے ہی زور دے کر کہا کہ ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ کچھ نہیں لکھیں گے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی: ''لکھو:'' باسمك اللهم.'' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مزید املا کراتے ہوئے فرمایا: ''لکھو! یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ (ﷺ) نے اتفاق کیا ہے۔'' سہیل نے دوبارہ مداخلت کرتے ہوئے کہا: ''خدا کی قسم! اگر ہم نے آپ ﷺ کو اللہ کا رسول مان لیا ہوتا تو ہم نہ تو آپ (ﷺ) کو زیارتِ کعبہ سے روکتے اور نہ آپ (ﷺ) سے کبھی جنگ ہی کرتے، بہتر ہے کہ آپ (ﷺ) محمد بن عبداللہ لکھیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں، چاہے تم مجھے مانو یا نہ مانو۔'' پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ محمد بن عبداللہ ہی لکھیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''ہمیں زیارت اور طواف کی اجازت دی جائے۔'' سہیل نے جواب دیا: ''خدا کی قسم! تم لوگ اس سال مکہ شہر میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے، ہاں! البتہ آئندہ برس داخلے کی اجازت ہوگی۔'' اس بات کو بھی معاہدے کی ایک شق کے طور پر قلم بند کر دیا گیا۔

سہیل بن عمرو نے مزید کہا کہ تم لوگوں کو آئندہ برس مکہ شہر میں داخل ہونے کی اجازت

---

❶ عبدالرزاق، المصنّف، ۵: ۳۴۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ''صحیح'' سند کے ساتھ اور زہری کی ایک اور ''مرسل'' روایت ہے۔

Marfat.com

بھی اس شرط پر دی جائے گی کہ ہمارے پاس سے جو شخص بھی فرار ہو کر تمھارے پاس جائے گا، خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، تم اسے ہمیں واپس کرنے کے پابند ہو گے۔ مسلمانوں نے اس بات پر احتجاج کرتے ہوئے کہا: ''سبحان اللہ! ہم ایسے شخص کو کیسے مشرکوں کے حوالے کر سکتے ہیں جو مسلمان کی حیثیت سے ہمارے پاس آیا ہو؟'' ابھی یہ بحث جاری تھی کہ سہیل بن عمرو کا اپنا بیٹا ابو جندل رضی اللہ عنہ جو مسلمان ہو چکا تھا، وہاں پہنچ گیا۔ وہ اس وقت آہنی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور مکہ کے زیریں علاقے سے فرار ہو کر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہونے کی خاطر وہاں پہنچا تھا۔ سہیل نے اسے دیکھتے ہی کہا: ''محمد (ﷺ)! یہ پہلا شخص ہے، میں کہتا ہوں، اسے ہمارے حوالے کر دو۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی تو ہمارے درمیان معاہدے کی دستاویز بھی مکمل نہیں ہوئی۔'' سہیل نے جواب دیا: ''خدا کی قسم! تب تو میں نے تمھارے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کرنا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار پھر فرمایا: ''ابو جندل رضی اللہ عنہ کو میرے پاس رہنے دو۔'' سہیل نے درشتی سے کہا: ''میں اسے ہرگز آپ کے پاس نہیں چھوڑوں گا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایسا کر لو!'' سہیل نے سختی سے جواب دیا: ''میں ایسا بالکل نہیں کروں گا۔'' یہ مکالمہ سن کر مکرز نے کہا: ''ہم اسے آپ کو دے دیں گے۔'' [41]

اس کے بعد مندرجہ ذیل شرائط پر معاہدہ طے پا گیا:

''...... دس سال تک فریقین ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔ اس عرصے میں لوگ امن و امان کے ساتھ رہیں گے اور ہر قسم کی جارحانہ سرگرمیوں سے اجتناب برتا جائے گا۔ اگر کوئی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آ جائے گا تو محمد (ﷺ) اس کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے اور اگر محمد (ﷺ) کا کوئی ساتھی قریش کے پاس چلا جائے

---

[41] صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۲۷۳۱، ۲۷۳۲)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سہیل نے مکرز کی بات کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا، کیوں کہ وہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس مکہ لے گیا۔

Marfat.com

گا تو قریش کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی کہ وہ اسے محمد (ﷺ) کو واپس کریں۔ ہم ایک دوسرے کے خلاف کسی دشمنی کا اظہار نہیں کریں گے اور نہ اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی خفیہ کارروائی ہی کی جائے گی۔ [1] جو شخص محمد (ﷺ) کے ساتھ معاہدے میں شامل ہونا چاہے، وہ ان کے ساتھ شامل ہو جائے اور جو قریش کے ساتھ معاہدے کا شریک بننا چاہے، وہ ان کے ساتھ شریک بن سکتا ہے۔'' [2]

یہ سن کر قبیلہ خزاعہ نے فی الفور کہا: ''ہم محمد (ﷺ) کے ساتھ اس معاہدے میں شریک ہیں۔'' اور بنو بکر نے فوری طور پر قریش کے ساتھ شمولیت کا اعلان کر دیا۔

''اس سال تم لوگوں کو لازماً واپس جانا پڑے گا (اور مکہ شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔) اگلے سال تمھیں ہماری طرف سے اجازت ہوگی کہ تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مکہ آؤ اور ہم تمہارے لیے علاقہ خالی چھوڑ دیں گے اور تین راتیں قیام پذیر رہو، مگر اس شرط پر کہ تمھاری تلواریں نیام میں ہوں گی اور ان کے علاوہ کوئی چیز لانے کی اجازت نہ ہوگی۔'' [3]

اس طرح یہ معاہدہ دس سال کے لیے طے ہو گیا۔ معاہدے کی شرائط یہ تھیں کہ مسلمان اگلے سال تک شہر مکہ میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ اگلے سال صرف تین روز قیام کر سکیں گے اور اپنی تلواریں نیام سے باہر نہیں رکھیں گے۔ معاہدے میں یہ شرط بھی طے کی گئی تھی کہ فریقین ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ کارروائی اور مخالفانہ نشر و اشاعت سے گریز کریں گے۔ فریقین کو یہ حق حاصل ہوگا کہ عرب قبائل کے ساتھ حلیفانہ روابط قائم کریں، نیز مسلمان ہر اس مسلمان کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے جو قریش سے بھاگ کر مسلمانوں

---

[1] ابن اثیر، مجد الدین ابو السعادۃ، النهاية في غريب الحديث، ۳: ۳۲۷۔

[2] ایضاً، ۲: ۳۹۲، ۳: ۳۸۰۔

[3] احمد، مسند، ۴: ۳۲۵۔ ابن اسحٰق سے ایک ''حسن'' سند کے ساتھ مروی ہے۔ یہاں وہ واضح طور پر یہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اس کا سماع کیا ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۳: ۳۰۸)

Marfat.com

کے پاس گیا ہوگا، مگر قریش کے اوپر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی، (یعنی اگر کوئی شخص مسلمانوں سے فرار ہوکر ان کے پاس آئے تو وہ اسے مسلمانوں کے حوالے کریں۔) مسلمانوں کو اس معاہدے پر اطمینانِ قلبی حاصل نہیں تھا، بالخصوص اس وقت مسلمانوں کے جذبات سخت مجروح ہوئے جب معاہدے کی دستاویز سے توحید اور رسالت کے اظہار کو مٹایا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے، جو اس دستاویز کو قلم بند کر رہے تھے، اس میں تأمل کیا کہ لفظ ''رسول اللہ'' کو اپنے ہاتھ سے مٹائیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاتھ سے دستاویز لے لی اور کسی اور کو حکم دیا کہ وہ دستاویز میں وہی الفاظ لکھ دیں جو سہیل بن عمرو لکھوانا چاہتا تھا۔ ❶ مسلمانوں کو اس بات کا بھی مدت سے ملال تھا کہ قریش کے مظالم سے تنگ آکر جو مسلمان بھاگ کر ان کے پاس آجائے گا، اسے واپس قریش کی تحویل میں دے دیا جائے گا۔ اس پر انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا: ''یا رسول اللہ (ﷺ!) کیا آپ (ﷺ) معاہدے کی اس شق پر راضی ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ''ہاں! کیوں کہ جو شخص ہم سے بھاگ کر قریش کے پاس جائے گا، تو اللہ اسے ہم سے دور ہی کرے اور جو شخص قریش سے بھاگ کر ہمارے پاس آئے گا، اس کے لیے اللہ تعالیٰ ضرور کوئی راستہ نکالے گا۔'' ❷

---

❶ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۲۶۹۹) ابن اسحٰق کہتے ہیں، ''اگرچہ وہ اچھی طرح لکھنا نہیں جانتے تھے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے لکھا۔'' (فتح الباری، حدیث ۴۲۵۱)۔ ایک اور روایت میں یہ ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے مٹا دیا۔'' (فتح الباری، حدیث ۲۶۹۸، بخاری کے متن سے) دونوں صورتوں میں رسول اللہ ﷺ نے لفظ رسول اللہ پڑھا تھا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے جیسا کہ ابو ولید الباجی اور ان کے متبعین کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ اور اپنے نام کو مٹانے پر اس لیے قادر تھے کہ آپ ﷺ نے اس دستاویز کے قلم بند ہونے سے قبل بھی اپنا نام بارہا تحریری شکل میں دیکھا تھا، لیکن اس سے یہ حقیقت تبدیل نہیں ہوتی کہ آپ ﷺ ان پڑھ تھے، جیسا کہ قرآنِ مجید کا بیان ہے۔ یہ نبوت کی علامات میں سے ایک ہے۔ علماء کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ ان الفاظ ''آپ نے لکھا'' سے دراصل یہ مراد ہے کہ ''آپ ﷺ نے لکھنے کا حکم دیا۔'' یہی توجیہہ صائب ہے اور اسی سے ہر قسم کے شکوک وشبہات اور غلط تعبیرات سے نجات ملتی ہے۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، ۹۳۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں جا پہنچے اور معاہدے کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ!) کیا آپ اللہ کے سچے پیغمبر نہیں ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! کیوں نہیں۔'' پھر عرض کیا: ''کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! بے شک۔'' میں نے عرض کیا: ''پھر ہم اپنے دین کو نیچا کیوں کریں؟'' رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا، وہی میرا کارساز حقیقی ہے۔'' میں نے پوچھا: ''کیا آپ ﷺ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم خانۂ کعبہ کی زیارت اور طواف کریں گے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں یقیناً میں نے ایسا کہا تھا، مگر کیا میں نے یہ کہا تھا کہ تم اسی سال طواف کرو گے؟'' میں نے جواب دیا: ''نہیں! آپ ﷺ نے یہ تو نہیں کہا تھا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ تم ضرور ایک دن کعبے کی زیارت کرو گے اور اس کے گرد طواف بھی کرو گے۔'' ❶ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سوال و جواب سے پوری تسلی نہیں ہوئی اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کے سامنے یہی سوالات رکھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام باتیں سننے کے بعد فرمایا: ''عمر! جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اس پر خاطر جمع رکھو اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔'' ❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر جواب دیا: ''بخدا میں بھی یہی یقین رکھتا ہوں۔'' ❸ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اس روز میں نے رسول اللہ ﷺ کی جناب میں جس انداز سے گفتگو کی، اس کا خوف ہمیشہ اپنے دل میں پاتا ہوں اور اس کی تلافی کے لیے مسلسل صدقہ کرتا ہوں، غلام آزاد کرتا ہوں اور روزے رکھتا رہتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں

---

❶ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۲۷۳۱، ۲۷۳۲)

❷ احمد، مسند، ۴: ۳۲۵، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ جس میں ابن اسحٰق واضح طور پر تحدیث کا اعلان کرتے ہیں، سیرۃ ابن ہشام ۳: ۳۰۸۔ اس میں کہا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں گفتگو کی، پھر یہی گفتگو حضور ﷺ کے سامنے دہرائی۔ (ابن حجر، فتح الباری، ۵: ۳۴۶)

❸ احمد، مسند، ۴: ۳۲۵، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ۔

Marfat.com

کہ شاید اس کے ذریعے میرا معاملہ سدھر جائے۔'' ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے ساتھ جو بحث کی، اس کا مقصد دراصل اس حکمت کا پتا لگانا تھا جو ان کی کڑی شرائط کی قبولیت کے اندر پوشیدہ تھی۔ وہ مشرکوں کو ہر حال میں کمزور دیکھنا چاہتے تھے۔ انھوں نے جو کچھ کہا اور کیا، اس کی ٹھوس وجوہ تھیں اور وہ اپنی ہر سعی پر عنداللہ ماجور ہوں گے، کیوں کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ حالات کو سمجھنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ ❷

مسلمان جس وقت روانہ ہوئے تھے تو مکہ شہر میں داخل ہونے کے لیے پرجوش اور پُرعزم تھے، لیکن جب معاہدے کی شرائط طے پانے لگیں تو ان پر یاس والم کی کیفیت طاری ہوگئی اور ایک لمحہ ایسا بھی آیا کہ مایوسی اور رنج کی شدت سے ان کی حالت غیر ہونے لگی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو قریش کے حوالے کیا جارہا تھا اور وہ مسلمانوں سے تڑپ تڑپ کر التجا کر رہے تھے کہ: ''اے مسلمانو! کیا تم مجھے دوبارہ مشرکوں کے ظالمانہ شکنجے میں کسوا رہے ہو، تاکہ وہ مجھے میرے دین کے معاملے میں آزمائش میں ڈالیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے ان کی التجا سن کر فرمایا: ''ابوجندل رضی اللہ عنہ! صبر کرو اور اپنے اوپر قابو رکھو، اللہ تعالیٰ تمھیں اور تم جیسے تمام بے یار و مددگار لوگوں کو اس تکلیف سے ضرور نجات عطا فرمائے گا۔'' ❸ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابوجندل کے قریب گئے اور انھیں باپ کے خلاف اُکساتے ہوئے ان کی تلوار ان کے باپ کے سر پر لہرادی، لیکن حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ پر اس فعل کا کوئی اثر نہ ہوا، اور انھیں قریش کے حوالے کر دیا گیا۔ ❹

جنگِ صفین کے موقع پر حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن حنیف نے جو بات کہی وہ مسلمانوں کے ان جذبات کی ہو بہو ترجمانی کرتی ہے جو صلح حدیبیہ کے وقت ان کے دلوں میں موجزن تھی۔ انھوں نے کہا: ''ہمیں اس واقعے کے ذریعے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری رائے غلط بھی ہوسکتی

---

❶ ابن حجر، فتح الباری، ۵: ۳۴۶، ۳۴۷۔
❷ احمد، مسند، ۴: ۳۲۵، ایک ''حسن سند کے ساتھ۔
❸ ایضاً۔
❹ صحیح بخاری، (فتح الباری، حدیث ۳۱۸۱، ۴۱۸۹)

Marfat.com

ہے، کیوں کہ میں پوری طرح اس بات پر مائل تھا کہ ابوجندل رضی اللہ عنہ کے معاملے میں اپنی رائے پر عمل کروں، اگر مجھ میں اتنی ہمت ہوتی کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کر سکتا تو میں ضرور کر گزرتا۔ (اور کافروں سے جنگ کرتا۔)'' اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی اس سوچ پر ہمیشہ نادم اور پشیمان رہے جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے خلاف ان کے اندر پیدا ہوگئی تھی۔ بعد ازاں وحی کے ذریعے بھی یہ بات واضح کر دی گئی کہ اس موقع پر حضور ﷺ کی رائے ہی درست اور صائب تھی۔ جونہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم میں یہ بات آئی کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے تو ان سب نے بلا تفریق سر تسلیم خم کر دیا۔

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ ﴾

''اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش نہیں ہے، جب کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی کام کا حکم دے دیں کہ ان کو اپنے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے۔'' (الاحزاب:۳۶)

قریش نے مذاکرات کے دوران میں اور معاہدے کی تکمیل کے بعد بھی مسلمانوں کو اشتعال دلانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ قطع نظر اس کے کہ یہ کارروائی سردارانِ قریش کے اشارے پر ہو رہی تھی، یا ناپختہ ذہن کے نوجوان لڑکے ان سرگرمیوں میں ملوث تھے، بہر حال مسلمانوں نے ان حالات کا مقابلہ نہایت نظم و ضبط کے ساتھ کیا۔ ۸۰ اشخاص ایسے تھے جن کا تعلق مکہ سے تھا اور وہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کے درپے تھے، انھیں موقع پر گرفتار کر لیا گیا اور حضور ﷺ نے انھیں معاف فرما کر رہا کر دیا۔ [1] مزید براں جب معاہدے کی دستاویز لکھی جا رہی تھی، قریش کے ۳۰ افراد ایسے تھے جو اس وقت مسلمانوں کے پڑاؤ پر حملہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے۔ مسلمانوں نے انھیں موقع پر ہی گرفتار

---

[1] ایضاً۔

Marfat.com

کرلیا، بعد میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں بھی رہا کر دیا۔ ❶

مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان معاہدۂ امن طے ہونے اور آپس میں میل ملاقات شروع ہو جانے کے باوجود مشرکین کے چار افراد ایسے تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر بہتان تراشی کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ ﷺ کے ایک صحابی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ان چاروں افراد کو گرفتار کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بھی اسی جذبۂ رحمت کے ساتھ معاف فرما دیا جس جذبے سے، آپ ﷺ نے اس سے قبل ان ۸۰ مشرکوں کو معاف فرما دیا تھا جنھیں مسلمانوں نے معاہدے کی تکمیل کے بعد گرفتار کیا تھا۔ اس واقعے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ﴾

''اور وہ ایسا ہے کہ اس نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے عین مکہ میں روک دیے، بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا۔'' ❷ (الفتح: ۲۴)

مسلمان یہ محسوس کر رہے تھے کہ معاہدے کی شرائط ان کے حق میں نہیں ہیں، وہ اس پر اتنے زیادہ افسردہ اور ملول تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے جانور قربان کریں اور سر منڈوائیں تو ایک مسلمان بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا، حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ اپنا حکم دہرایا، مگر تمام مسلمان اپنی جگہ اس طرح ساکت و صامت بیٹھے رہے جیسے آخری لحات میں بھی انھیں یہ اُمید ہو کہ معاہدہ منسوخ کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں نے دیکھا کہ حضرت امّ المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی تجویز پر رسول اللہ خود اُٹھے کہ قربانی کریں اور سر منڈوائیں تو سارا مجمع اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی اپنی قربانیاں

---

❶ احمد، مسند ۴: ۸۶، ایسی سند کے ساتھ جس کے افراد ''صحیح'' ہیں، جیسا کہ ہیثمی نے کہا۔ (مجمع الزوائد، ۶: ۱۴۵) حاکم نے کہا: ''شیخین کی شرائط کے مطابق یہ ''صحیح'' ہے۔'' (مستدرک، ۲: ۴۶۰)۔

❷ مسلم، صحیح، کتاب الجہاد، ص: ۱۳۲۔

Marfat.com

کرنے اور سر منڈوانے میں مشغول ہوگیا، لیکن ان پر یاس والم کی ایسی شدید کیفیت طاری تھی کہ ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہوئے قریب تھا کہ ان کے ہاتھ بے قابو ہو جائیں اور سر زخمی ہو جائیں۔ ❶ جن لوگوں نے اپنے سر منڈوائے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سب کے حق میں تین مرتبہ دعائے خیر کی اور جن لوگوں نے محض بال ترشوا لیے تھے، ان کے لیے صرف ایک مرتبہ دعا فرمائی۔ ❷ مسلمانوں نے کل ۷۰ اونٹ قربان کیے ❸ جن میں سے ہر اونٹ میں سات حصے دار تھے۔ ❹

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر وہ اونٹ ذبح فرمایا جو ایک زمانہ میں ابو جہل کی ملکیت میں تھا اور مسلمانوں کو بدر کے موقع پر مالِ غنیمت میں ہاتھ لگا تھا۔ مشرکینِ مکہ اس اونٹ کو قربان ہوتے دیکھ کر غصے سے بے قابو ہو گئے۔ ❺ یہ تمام قربانیاں حدیبیہ کے اس مقام پر کی گئیں جو حرم سے باہر حل میں واقع ہے، ❻ لیکن حضرت ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ قربانی کے جانور حدودِ حرم کے اندر لے گئے اور انھیں وہاں ذبح کیا۔ ❼ اس طرح مسلمان حالتِ احرام سے باہر آ گئے۔ وہ احرام جو انھوں نے عمرے کی نیت سے باندھا تھا، اتار دیا گیا اور ہمیشہ کے لیے یہ قانون تشکیل پا گیا کہ جس شخص کو عمرہ ادا کرنے سے روکا جائے گا، وہ عمرہ ادا کیے بغیر بھی حالت احرام سے باہر آ سکتا ہے۔

حدیبیہ میں ۲۰ روز ❽ قیام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ واپسی کی تیاریاں

---

❶ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۲۷۳۱، ۲۷۳۲)، احمد، مسند، ۴: ۳۲۶۔
❷ احمد، مسند، ۲: ۳۴، ۱۵۱۔ ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ۔
❸ ایضاً، ۴: ۳۲۴، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ۔
❹ مسلم، صحیح، کتاب الحج، ۳۵۔
❺ ابو داود، معالم السنن، کتاب المناسک، حدیث ۱۷۴۹، صحیح ابن خزیمہ، ۴: ۲۸۶، ۲۸۷، حاکم، مستدرک، ۱: ۴۶۷۔ انھوں نے کہا: ''مسلم کی شرائط کے مطابق یہ صحیح ہے، اگر چہ انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔''
❻ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۲۰۷۱)، مسلم، صحیح، کتاب الجهاد والسير، ص ۹۷۔
❼ طحاوی، شرح معانی الآثار، ۲: ۱۲۳، ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ۔
❽ واقدی، مغازی، ۲: ۲۱۶، ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۲: ۹۸

Marfat.com

شروع کردیں۔ اس پورے سفر میں تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ صرف ہوا۔ ❶

سفرِ حدیبیہ کے دوران میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن عجرہ کو ان کی علالت کے سبب سر منڈوانے کی اجازت دے دی تھی، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ فدیے کے طور پر ایک عدد بھیڑ ذبح کریں، یا تین دن کے روزے رکھیں، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِۦٓ أَذًى مِّن رَّأْسِهِۦ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ ﴾

"اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو، یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو فدیے دے دے روزے سے، صدقے سے، یا قربانی سے۔" ❷ (البقرہ:۱۹۶)

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اجازت بھی دی کہ بارش کے دوران وہ اپنے خیموں کے اندر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ ❸

اسی مہم کے دوران میں ایسی مثالیں بھی سامنے آئیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے نظامِ شوریٰ کو عملاً نافذ کیا۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ نے مسلمانوں سے اس معاملے میں مشورہ فرمایا کہ آیا مشرکوں کے علاقے پر حملہ کرنا اور ان کے بچوں کو گرفتار کرنا چاہیے یا نہیں، پھر اس معاملے میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار فرمالیا۔ اسی سفر کے دوران میں وہ موقع بھی آیا جب آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشاورت فرمائی کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو قربانی کرنے اور سر منڈوانے کا حکم دیا، لیکن لوگوں میں کوئی جنبش نہیں ہوئی، پھر آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دیے ہوئے مشورے پر عمل فرمایا۔

حدیبیہ ہی کی مہم سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ کفار کے ساتھ امن کے معاہدے کی زیادہ سے زیادہ مدت کتنی ہوتی ہے، کیوں کہ اب تک مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات

---

❶ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۲: ۱۳، ابن عائذ کی روایت سے۔

❷ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث، ۱۸۱۶، ۱۸۱۸، ۴۱۹۰)، مسلم صحیح، کتاب الحج، ۸۰، ۸۲، ۸۴، ۸۶

❸ ابن ماجہ، سنن، اقامۃ الصلوٰۃ، ۹۳۶، "صحیح" سند کے ساتھ۔

Marfat.com

امن کے بجائے جنگ کی بنیاد پر تھے۔ اسی طرح ہمیں اس بات کا بھی علم ہوگیا کہ کفار کے ساتھ امن کا ایسا معاہدہ کرنے کی اجازت ہے جس میں یہ شرط لگا دی جائے کہ مسلمان ہر اس شخص کو واپس بھیج دیں گے جو اسلام کی حالت میں ان کے پاس آئے گا۔

اسی سفر میں رسول اللہ ﷺ نے چند ایسے نکات کی وضاحت بھی فرمائی جن کا تعلق اسلامی عقائد اور اصولوں سے تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارے کی بدولت بارش برسی ہے، وہ دراصل اللہ پر نہیں، بلکہ ستارے پر ایمان رکھتا ہے۔'' ❶ آپ ﷺ کے عمل سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ آدمی کو مشکل حالات میں بھی پُر امید ہونا چاہیے، کیوں کہ جب آپ ﷺ نے قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کے نام کی مناسبت سے پُر امید لہجے میں فرمایا: ''اب حالات سہل [یعنی آسان] ہو جائیں گے۔'' ❷

اس مہم کے دوران میں یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی استعمال کردہ کسی چیز کو برکت کی خاطر استعمال کرنا جائز ہے، مثال کے طور پر اسی پانی سے وضو کرنا جس سے رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا ہو، لیکن یہ اجازت محض رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس تک ہی محدود ہے اور امت کے صلحاء اور متقین اس میں شامل نہیں ہیں۔ ❸

مدینہ واپس جاتے ہوئے ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ صحابہ کرام اتنی گہری نیند سو گئے کہ فجر کی نماز بھی قضا ہوگئی۔ لوگوں کی آنکھ اس وقت کھلی جب سورج اپنی تمازت بکھیر رہا تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن رباح جو پہرہ دینے پر مامور تھے، وہ بھی بے خبر سو گئے۔ اس روز مسلمانوں نے مقررہ وقت گزر جانے کے بعد نمازِ فجر ادا کی۔ اسی وقت سے یہ سنت قائم ہوگئی کہ اگر کوئی شخص نیند یا بھول کی وجہ سے وقت پر نماز ادا نہ کر سکے تو وقت گزرنے کے بعد اسے ادا

---

❶ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، کتاب الاذان، ۸۴۶)

❷ ابن قیم، زاد المعاد، ۳: ۳۰۵۔ مزید دیکھیے: فتح الباری، کتاب الطب حدیث ۵۷۵۵، ۵۷۵۶۔

❸ شاطبی، الاعتصام، ۲: ۸۔

Marfat.com

کر لے۔ [1]

مدینہ واپسی کے دوران میں رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ بھی سامنے آیا کہ خوراک اور پانی میں غیر معمولی برکت پیدا ہوگئی۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مہم پر روانہ ہوئے۔ تھکن اور بھوک سے ہمارا بُرا حال تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ اپنے چند اونٹ ذبح کرلیں، لیکن رسول اللہ نے ہم سب کو یہ حکم دیا کہ جس کے پاس جتنا کھانا ہو، لے کر آجائے، چناں چہ ہم نے چمڑے کا ایک دسترخوان بچھایا اور اس پر تمام کھانا لا کر جمع کر دیا۔ میں نے گردن بڑھا کر دسترخوان کی طرف دیکھا تاکہ یہ معلوم کروں کہ کتنا کھانا جمع ہوگیا ہے تو میں نے دیکھا کہ کھانے کا ڈھیر اتنا اونچا لگا ہے جتنا بیٹھی ہوئی ایک بھیڑ کا حجم ہوتا ہے۔ ہم سب لوگ مل کر ۱۴۰۰ کی تعداد میں تھے۔ ہم سب نے خوب شکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور اپنے اپنے برتن بھی کھانے سے بھر لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا وضو کے لیے پانی موجود ہے؟'' ایک شخص ایک مشکیزہ لے کر حاضر خدمت ہوا جس میں چند قطرے پانی تھا۔ اس نے اس پانی کو ایک برتن میں انڈیل دیا۔ ہم سب لوگوں نے اس پانی سے وضو کیا اور خوب کثرت سے استعمال کیا، اور ہماری تعداد ۱۴۰۰ تھی۔'' [2]

واپسی کے وقت دورانِ سفر میں سورۃ فتح نازل ہوئی:

﴿ اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۝ ﴾

---

[1] ابوداؤد، معالم السنن، کتاب الصلوۃ، ۴۴۷، نسائی، السنن الکبریٰ، حصہ ۱۱۹۔ ہیثمی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس میں عبدالرحمٰن بن علقمہ شامل ہیں جن کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ ابن حبان واحد شخص ہیں جن کا کہنا ہے کہ وہ ''ثقہ'' ہیں، کسی نے انھیں مجروح نہیں سمجھا۔ مجمع الزوائد، ص ۳۱۹، ثقات، ۵: ۲۰۶، ابن حجر، تہذیب التہذیب، (۶: ۲۳۳) خیبر کے واقعات کی سلسلہ وار ترتیب کے لیے دیکھیے: یہی مصنف، فتح الباری، ۱: ۴۴۹۔

[2] مسلم، صحیح، کتاب اللقطہ، ۹، ۷، صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۴۱۵۲)۔ الفریابی، دلائل النبوۃ، کھانے میں برکت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث، احمد، مسند، ۳: ۴۱۷، ۴۱۸۔ ابوعمرہ انصاری سے روایت ہے۔ بیہقی، دلائل النبوۃ، ۲: ۲۲۴، ۲۲۳۔

Marfat.com

''بے شک ہم نے آپ ﷺ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔'' ❶ (الفتح:۱)

رسول اللہ ﷺ نے اس سورۃ کے نزول پر گہری خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''آج رات مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھے ان تمام اشیاء سے زیادہ عزیز ہے جن کے اوپر سورج طلوع ہوتا ہے، (یعنی دنیا و مافیہا)۔'' ❷

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی یہ آیت: ﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴾ ...... ''بے شک ہم نے آپ کو کھلی فتح دی۔'' صلح حدیبیہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ❸ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس میں آپ کا تو بھلا ہوگیا، مگر ہمارا کیا ہوگا؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾

''تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی بہشت میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔'' (الفتح:۵)

آیت ربانی سنتے ہی لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''بے شک ہم نے تمھیں کھلی فتح سے نوازا ہے۔'' ایک شخص نے سوال کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ ہماری فتح ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ''ہاں، بے شک! قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یقیناً یہ ہماری فتح ہے۔'' ❹

---

❶ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۴۱۷۷)۔ ❷ ایضاً۔

❸ ایضاً، حدیث ۴۱۷۲۔ قتادہ نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ حدیبیہ کے بیان والی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے اور یہ کہ صحیح کا کہنا یہ ہے کہ یہ الفاظ ''خدا کرے کہ یہ تمھارے لیے بھلا ثابت ہو'' حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے ہیں۔

❹ ابوداود، معالم السنن، کتاب الجہاد، ۲۷۳۶، احمد، مسند، ۳: ۴۲۰، حاکم، مستدرک، ۲: ۴۵۹۔ انھوں نے کہا: ''صحیح'' سند کے ساتھ، ایک طویل حدیث جسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نہیں کیا۔'' ذہبی ان سے متفق ہیں۔

Marfat.com

مسلمانوں کا حسرت و ملال فوراً فرحت و شادمانی سے تبدیل ہوگیا۔ انھوں نے فوراً محسوس کرلیا کہ وہ اس معاہدے کی حکمتوں اور اس کے ممکنہ نتائج کو سمجھنے سے قاصر تھے اور حکم خداوندی کی اطاعت ہی ان کے اور دعوتِ اسلامی کے حق میں بہتر ثابت ہوگی۔

بعد کے واقعات نے بھی اس امر کی تصدیق کردی کہ اس معاہدۂ امن کے اندر کتنی گہری حکمتیں پوشیدہ تھیں اور اس مہم کے نتائج کس قدر عالی شان ثابت ہوئے جنھیں اللہ تعالیٰ نے کھلی فتح کا نام دیا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ اسی موقع پر قریش نے پہلی بار مسلمانوں کے وجود کو تسلیم کیا اور ان سے مساوی سطح پر معاملات طے کیے۔ اس سے قبل وہ لوگوں کے سامنے مسلمانوں کی بدترین تصویر پیش کیا کرتے تھے۔ نہ صرف شہر مکہ، بلکہ پورے جزیرہ نمائے عرب پر اس معاہدے کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ اس کا پہلا اظہار یہ ہے کہ قبیلہ خزاعہ نے قریش سے بے خوف ہوکر مسلمانوں سے اتحاد کا اعلان کردیا۔ یہ نیا طرزِ عمل تاریخ میں گہری جڑیں بنا رہا تھا، کیوں کہ خزاعہ اور کنانہ کے بنوبکر کے درمیان پرانی دشمنی چلی آرہی تھی۔ قریش کے رویے نے، جو بنوبکر کے ساتھ جانبداری برتتے تھے، خزاعہ کو اس پر مجبور کیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے ساتھ حلیفانہ تعلقات قائم کرلیں۔ یہی وہ معاہدہ ہے جس کا حوالہ عمر بن سالم نے اپنے قصیدے میں "ہمارے آباؤاجداد کے مابین قدیم حلیفانہ تعلقات" کے الفاظ سے دیا ہے، جس میں انھوں نے فتح مکہ سے قبل رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کی تھی۔ ❶

ریاستِ مدینہ کے قیام کے آغاز سے ہی قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر اس نے مسلمانوں کے ساتھ کھلم کھلا اپنے معاہدے کا اعلان کردیا۔ "مسلمانوں کے ساتھ ساتھ خزاعہ کے مشرکین بھی مکہ میں پیش آنے والے واقعات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے اور خفیہ مشورے بھی دیا کرتے تھے۔" ❷

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۳۹۴، ابن اسحٰق کی روایت سے۔ واقدی، مغازی، ۲: ۷۸۹، طبری، تاریخ، ۴: ۴۵، ابن زنجویہ، الاموال، ۱: ۴۰۱۔
❷ ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۴۷۳، طبری، ۱۴۲۸۔

Marfat.com

تاہم خزاعہ نے مسلمانوں کے بارے میں اپنے جذبات اور احساسات کو اس وقت تک قریش سے پوشیدہ رکھا جب تک مسلمانوں کے ساتھ علی الاعلان اتحاد کا اظہار نہ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ خزاعہ اتنے طویل عرصے تک مسلمانوں کے ساتھ اپنے تعلقات برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔

مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ انھیں کچھ عرصہ کے لیے مشرکین کی جانب سے امن حاصل ہو گیا۔ اس دوران میں انھوں نے اپنی تمام تر توجہ خیبر کے یہودیوں پر مرکوز کر دی جو مسلمانوں کے خلاف مسلسل اشتعال انگیزی میں مصروف تھے۔

اس عرصے میں مسلمانوں کو اسلام کی نشر و اشاعت کا بھی خوب موقع ملا۔ زہری کہتے ہیں: ''اس سے پہلے اسلام کو اتنی بڑی فتح نصیب نہ ہوئی تھی۔ مسلمانوں کا مشرکوں سے جب بھی واسطہ پڑا، نتیجہ جنگ کی شکل میں نکلا تھا، لیکن اب دونوں گروہوں نے آپس میں جنگ بندی کا اعلان کر دیا تھا۔ سب لوگ امن کی حالت میں ایک دوسرے سے ملتے تھے اور کوئی شخص ایسا نہیں ہوتا تھا جو سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اسلام کے متعلق گفتگو نہ کرتا اور اس میں داخل ہوئے بغیر رہ جاتا۔ دو سال کے قلیل عرصے میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ان تمام مسلمانوں سے دو چند ہو گئی جو اب تک مسلمان ہوئے تھے۔'' [1] ابن ہشام کہتے ہیں: ''زہری کی رائے کی تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کی جانب روانہ ہوئے تو آپ ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد ۱۴۰۰ تھی، لیکن جب آپؐ دو سال بعد فتح مکہ کے ارادے سے نکلے تو آپ ﷺ کے ہمرہ دس ہزار مسلمانوں کا جمِ غفیر تھا۔'' [2]

اس معاہدے میں جو حکمتیں پنہاں تھیں، وہ بہت سے مواقع پر ظاہر ہوئیں۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس پہنچ گئے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور قریش سے فرار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ قریش نے فوراً دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس روانہ کیے تاکہ معاہدے کی رو سے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۳۲۲۔ [2] ایضاً۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد کا پاس کرتے ہوئے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے کر دیا۔ جب وہ لوگ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو لے کر مکہ جا رہے تھے تو حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے نہایت مستعدی سے کام لیتے ہوئے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ دوسرے شخص نے جب اپنے ساتھی کا یہ انجام دیکھا تو وہ مدینہ کی طرف فرار ہو گیا اور حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ اس کے تعاقب میں مدینہ پہنچے۔ جب یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے تو حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے اپنا عہد پورا کر دیا، اب آپ ﷺ کے اوپر کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔ آپ نے اپنے وعدے کے مطابق مجھے ان لوگوں کے حوالے کر دیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان لوگوں سے نجات دی۔'' رسول اللہ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا: ''خدا اس کا بھلا کرے! اگر اس کے ساتھ اور لوگ ہوتے تو یہ ضرور جنگ کی چنگاری کو بھڑکا دیتا۔'' حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ یہ جملہ سن کر سمجھ گئے کہ انھیں دوبارہ قریش کے حوالے کر دیا جائے گا، لہٰذا وہ مدینہ سے فرار ہو گئے اور سیف البحر نامی مقام پر جا کر سکونت اختیار کر لی۔ [1]

مکہ میں جو مسلمان مشرکوں کے مظالم کا نشانہ بن رہے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سن کر یہ سمجھ گئے کہ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ساتھیوں کی ضرورت ہے، اس لیے انھوں نے بھی مکہ سے فرار کا راستہ اختیار کیا اور حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس سیف البحر پہنچ گئے۔ بعد میں سہیل بن عمرو کے بیٹے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر نومسلم بھی انہی لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئے اور ان سب نے مل کر اپنا ایک گروہ بنا لیا۔ اس گروہ نے قریش کے تجارتی قافلوں کا راستہ روک کر ان کی دولت کو لوٹنا شروع کر دیا۔ آخر قریش نے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ کے نام پیغام بھیجا اور اللہ کا واسطہ اور اپنی رشتے داری کا حوالہ دے کر آپ ﷺ سے التجا کی کہ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے گروہ کو اپنے پاس بلا لیں۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ کو یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ جو مسلمان بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ چلا جائے گا،

[1] صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۲۷۳۱، ۲۷۳۲)

Marfat.com

وہ قریش سے محفوظ ہو جائے گا، (یعنی قریش اب اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کریں گے)، چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی جماعت کو مدینہ بلا بھیجا۔ ❶ یہ لوگ العیص کے علاقے میں پناہ گزیں تھے، آپ ﷺ کے طلب کرنے پر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ان کی تعداد ساٹھ ستر کے لگ بھگ تھی۔ ❷

حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایمان کی خاطر بے حد مصائب برداشت کیے تھے، لیکن انھوں نے غیر معمولی استقامت، خلوصِ نیت اور پختہ عزم کا مظاہرہ کیا، اور اس وقت تک اپنی جدوجہد جاری رکھی جب تک مشرکین کو نیچا نہیں دکھا دیا، انھیں اس بات پر مجبور نہیں کر دیا کہ حدیبیہ میں انھوں نے مسلمانوں پر جو کڑی شرط لگائی تھی، اسے واپس لے لیں۔ یہ واقعہ اس بات کی ایک روشن مثال ہے کہ ایمان کے ساتھ دلی وابستگی کیا چیز ہے اور پھر اس کی خاطر کس طرح جدوجہد کی جاتی ہے۔ اسی واقعے سے یہ اصول بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایک فرد وہ کام کر سکتا ہے جو پورا معاشرہ نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے مشرکوں کو اس وقت نقصان پہنچایا، جب پوری اسلامی ریاست ایسا کرنے سے قاصر تھی، کیوں کہ وہ مشرکین کے ساتھ صلح اور امن کی شرائط طے

❶ ایضاً۔

❷ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۲۷، ایک ایسی سند کے ساتھ جس میں یونس بن بکیر شامل ہیں، یہ ''صدوق'' ہیں، لیکن غلطیاں کرتے ہیں۔ حدیث ''حسن'' ہے، کیوں کہ اس کے بہت سے متابعات ہیں۔ ابن اسحٰق کے ذریعے سے تحریری شکل میں آئی ہے۔ بیہقی نے اسے زہری سے ''مرسل'' روایت کیا ہے۔ وہ ذکر کرتے ہیں کہ العیص میں اس گروہ کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی تھی اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک اس وقت موصول ہوا جب وہ بسترِ مرگ پر تھے۔ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ اس حالت میں فوت ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک ان کے ہاتھ میں تھا اور حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے انھیں وہیں سپردِ خاک کر دیا۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ باقی ماندہ اصحاب کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آ گئے۔ (دلائل النبوۃ، ۲: ۳۴۳، ۳۴۴) اس سے ملتی جلتی ایک ''مرسل'' روایت عروہ سے بھی مروی ہے۔ (دلائل النبوۃ، ۲: ۳۴۵) ''مرسل'' روایت ''ضعیف'' ہوتی ہے، لیکن مآخذ کی ایک بڑی تعداد موجود ہو تو اسے قوی کہا جا سکتا ہے۔ عروہ زہری کے استاد ہیں اور زہری وہ شخص ہیں جنھوں نے عروہ سے سب سے زیادہ روایات بیان کی ہیں۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ روایت کا ایک ہی مخرج ہو، اور اسے قوی تسلیم نہیں کیا۔

Marfat.com

کر چکے تھے۔ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کم از کم ظاہری طور پر ریاستِ مدینہ کی عمل داری سے خارج تھے، لیکن انھوں نے اور مکہ کے تمام مظلوم مسلمانوں نے یہ تمام کارروائی محض اپنی مرضی پر نہیں کی، بلکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی رضا بھی شامل تھی۔ اگر رسول اللہ ﷺ چاہتے تو ابتداء ہی میں حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو اس بات سے منع کر دیتے کہ وہ قریشی قافلوں پر حملے نہ کریں اور مکہ واپس چلے جائیں، لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، اور یہ آپ ﷺ کی رضامندی کی علامت تھی۔ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا، وہ عین دانش مندی تھی۔ انھوں نے مکہ میں رہ کر مظالم سہنا گوارا نہ کیا اور نہ یہ برداشت کیا کہ انھیں ان کے دین سے ورغلانے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ انھوں نے ایک ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جس سے انھیں ایک طرف اہل مکہ کے مظالم سے رہائی مل گئی اور دوسری طرف ان کی ان کارروائیوں سے ریاستِ مدینہ کو مدد ملی، کیوں کہ ان کارروائیوں سے قریش کی اقتصادیات کو زک پہنچی تھی۔ ان کارروائیوں کا ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ قریش کو امن کے اس معاہدے کے دوران میں بھی اپنے تحفظ کی فکر لاحق رہی، بلکہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرزِ عمل کے اختیار کرنے پر بالواسطہ ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی، کیوں کہ آپ ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ: ''اگر ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور لوگ بھی ہوتے تو یہ ضرور مشرکین کے خلاف جنگ برپا کر دیتا۔''

معاہدے کی رو سے رسول اللہ ﷺ نے صرف ان مسلمان مردوں کو واپس بھیجا تھا جو مکہ سے فرار ہو کر آئے۔ آپ ﷺ نے کسی ایسی خاتون کو مکہ واپس نہیں بھیجا تھا جو ہجرت کر کے مدینہ آ گئی ہو۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت عقبہ بن ابی معیط وہ خاتون تھیں جو ایک مہاجرہ کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ان کے اہل خاندان نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں واپس نہیں بھیجا۔ اس ضمن میں یہ قرآنی آیت نازل ہوگئی تھی:

﴿ اِذَا جَآءَ كُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ

Marfat.com

فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾

''جب تمھارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو۔ ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے، پس اگر ان کو مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو۔ نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں کے لیے حلال ہیں۔'' [1] (الممتحنۃ:۱۰)

رسول اللہ ﷺ مکہ سے آنے والی خواتین کی خوب جانچ پرکھ کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ یہ دیکھتے کہ ان خواتین نے اپنا دین بچانے کی خاطر مکہ سے مدینہ ہجرت کی ہے تو آپ ﷺ انھیں مدینہ میں قیام کرنے کی اجازت دیتے اور ان کے شوہروں کو ان کے مہر کی رقوم ادا کر دیتے تھے، جب کہ صلح حدیبیہ سے قبل رسول اللہ ﷺ مہر کی یہ رقوم ادا نہیں فرمایا کرتے تھے۔ [2]

مسلم خواتین کو قریش کے حوالے نہ کرنے کی دو وجوہ تھیں۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ معاہدے کی شرائط میں خواتین شامل نہ تھیں، بلکہ یہ صرف مردوں سے مخصوص تھا۔ صحیح بخاری میں اس معاہدے کا جو متن نقل کیا گیا ہے، اس میں یہ شرط ان الفاظ کے ساتھ درج ہے: ''ہمارے کسی مرد کو یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے ساتھ رہنے لگے۔'' [3] دوسری وجہ یہ تھی کہ قرآنِ کریم کی ایک آیت ایسی تمام شرائط کو منسوخ کر دیتی ہے جو خواتین کے متعلق ہوں: ''جب تمھارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت

---

[1] صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، حدیث ۲۷۱۱، ۲۷۱۲)

[2] ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۳۲۶۔ عروہ کی ''مرسل'' روایت ہے۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۹۔ زہری اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم کی ''مرسل'' روایت ہے۔

[3] صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، ۲۷۱۱، ۲۷۱۲)، لیکن ۶: ۲۴۰ میں، یہ لیث کے ذریعے عقیل سے بجائے لفظ رجل (کوئی مرد) کے، لفظ احد (کوئی شخص) کے ساتھ ہے۔ اگر مختلف روایات کا موازنہ کر کے اور یہ غور کر کے کہ مختلف مخارج کے باوجود لفظ وہی ہے، یہ فیصلہ کرنا ممکن ہوتا کہ زیادہ قرین قیاس کیا ہے تو ہم بلا تأمل یہ فیصلہ کر سکتے تھے کہ خواتین اس میں شامل نہیں تھیں۔

Marfat.com

کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو......'' ❶ (الممتحنۃ:۱۰)

اس آیت کے ذریعے مسلمان خواتین کو مشرک مردوں سے شادی کی ممانعت کر دی گئی، اگرچہ ابتدائے اسلام میں انھیں ایسا کرنے کی اجازت تھی۔ اسی طرح مسلمان مردوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ مشرک خواتین کے ساتھ شادی کے بندھن کو توڑ دیں:

﴿ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾

''اور کافر عورتوں کی ناموس کو اپنے قبضہ میں نہ رکھو۔'' ❷ (الممتحنۃ:۱۰)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے، جو مکہ کے دو نامور قائدین تھے، اس وقت اسلام قبول کیا اور مدینہ ہجرت کی، جب قریش اپنی یہ شرط ختم کرنے کا اعلان کر چکے تھے جس کی رو سے مکہ سے مدینہ جانے والے مسلمانوں کی واپسی ضروری تھی۔ یہ استنباط اس لیے ہے کہ قدیم مآخذ میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ قریش نے ان اصحاب کی واپسی کا مطالبہ کیا ہو۔

فریقین کے درمیان ہتھیاروں کے استعمال کی پابندی تقریباً ۱۷ یا ۱۸ ماہ جاری رہی، ایک روز قریش نے یہ پابندی توڑ دی۔ ہوا یوں کہ مکہ کے نزدیک الوتیر کے مقام پر بنوبکر نے جو قریش کے حلیف تھے، مسلمانوں کے حلیف خزاعہ پر حملہ کر دیا، اور اس حملے میں قریش نے بنوبکر کی مسلح مدد کی۔ ❸ خزاعہ نے مسلمانوں سے مدد طلب کی۔ اس طرح صلح کا یہ معاہدہ کالعدم ہو گیا۔ اس معاہدے کے کالعدم ہونے کا نتیجہ فتح مکہ کی شکل میں سامنے آیا۔

---

❶ صحیح بخاری، فتح الباری، ۲۷۱۱، ۲۷۱۲۔

❷ ایضاً، بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۲۸، ابن کثیر، تفسیر، ۴: ۳۵۱۔

❸ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۲۷۸، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ۔ ھیثمی، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان، ۴: ۱۴، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۱۶۲، ھیثمی، کشف الاستار عن زوائد البزّار، ۲: ۳۴۲۔ بزّار کی سند کی بابت ابن حجر کا کہنا ہے کہ ''یہ ایک حسن موصول سند ہے۔'' (فتح الباری، ۷: ۵۲۰)

Marfat.com

حکمرانوں کے نام رسول اللہ ﷺ کے خطوط

صلح حدیبیہ نے مسلمانوں کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ نہ صرف تمام جزیرہ نمائے عرب میں، بلکہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر بھی اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو وسعت دیں، چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی رضی اللہ عنہ کو قیصرِ روم ہرقل کے دربار میں، حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ کو شاہ فارس کسریٰ کے دربار میں، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ کو شاہ مصر مقوقس کے، اور حضرت سلیط رضی اللہ عنہ بن عمرو العامری کو شاہ یمامہ ھوذہ بن علی الحنفی کی طرف سفیر بنا کر بھیجا۔ [1]

واقدی اور طبری نے ان سفراء کی روانگی کی جو تاریخ رقم کی ہے، اس کے مطابق یہ سفراء ذوالقعدہ ۶ ھ میں اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئے۔ [2] ابن سعد نے سفیروں کی

---

[1] طبری، تاریخ، ۲: ۲۸۸، ابن ہشام، سیرۃ، ۴: ۲۷۹۔ انھوں نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو جلندی کے بیٹوں جیفر اور عیاض کی طرف روانہ کرنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ ابن ہشام کی سند ''منقطع'' ہے۔ ان کے اور اس شخص کے درمیان جس نے روایت بیان کی ہے ایک راوی مجہول ہے۔ وہ راوی ابوبکر ہذلی ہے، یہ ایک اخباری ہے اور حدیث میں متروک ہے۔ (تقریب، ۲: ۱-۴) ابن سعد، طبقات، ۱: ۲۵۸۔ واقدی کی روایت سے، جو چار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تک جاتی ہے۔ محدثین کی رائے میں واقدی متروک ہے۔ ابن سعد کی ذکر کردہ بیشتر روایات اسی سلسلۂ اسناد سے ہیں۔ انھوں نے روایات میں ہم آہنگی پیدا کی، اور چاروں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے الفاظ کو آپس میں ملا کر اس تمام مواد کو ایک متن کے طور پر پیش کر دیا۔

ابن سعد نے باقی قاصدوں اور خطوط کی ترسیل کے بارے میں ہشام الکلبی (یہ ''ضعیف'' ہیں) اور علی بن محمد المدائنی (یہ ''صدوق'' ہیں) کے واسطے سے چند روایات بیان کی ہیں۔ یہ روایات سفراء اور خطوط کی روانگی سے متعلق ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ۱۰: ۴۰۰)، تاہم ابن سعد نے ان دونوں ذرائع سے جو کچھ ذکر کیا ہے، وہ نقائص سے مبرا نہیں ہے، جیسا کہ اس کا ''مرسل'' ہونا یا اسی طرح کے دیگر نقائص۔

[2] ایضاً۔

Marfat.com

محرم ٦ ھ [1] میں روانگی لکھی ہے اور ابن قیم [2] بھی یہی نقل کرتے ہیں۔ ابن سعد کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی کسریٰ کے دربار میں اس کے قتل سے ایک شب پہلے ہی روانہ کیا گیا تھا۔ تاریخ منگل ١٠ جمادی الاولیٰ ٧ ھ [3] تھی۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ کسریٰ کے نام رسول اللہ ﷺ کے خطِ مبارک بھیجے جانے کی درست تاریخ ٩ ھ میں غزوۂ تبوک کے بعد کی ہے۔ [4] یہ بات تو ظاہر ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح کی جمع و ترتیب میں تاریخ اور زمانے کی اہمیت کو زیادہ ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ غالباً ان کے پیش نظر یہ اشارہ دینا مقصود تھا کہ یہ نامۂ گرامی واقعۂ تبوک کے بعد روانہ کیا گیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے، لیکن یہ محض ایک اندازہ ہے جسے ایک ٹھوس حقیقت کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا۔ [5] ہمارے اس موقف کی تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ ابن ہشام کے نزدیک سفیروں کو بادشاہوں کی جانب ١٠ ھ میں حجۃ الوداع کے بعد روانہ کیا گیا تھا، اگرچہ متن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ خطوط صلح حدیبیہ کے بعد ارسال کیے گئے۔ [6] سیرت ابن ہشام کی تاریخی ترتیب صحیح بخاری کی تاریخی ترتیب سے زیادہ مسلّم ہے۔ حافظ ابن حجر یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ عین ممکن ہے کہ صحیح بخاری کے راویوں نے اپنی چند روایات کی زمانی ترتیب کو خلط ملط کر دیا ہو، مثال کے طور پر انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روانگی برائے حج کو ٦ ھ میں، یعنی وفود کی روانگی سے قبل کا واقعہ بیان کیا ہے، اور اسی طرح حجۃ الوداع کو غزوۂ تبوک سے پہلے کا واقعہ قرار دیا ہے۔ [7] حافظ ابن حجر نے اس حقیقت کی طرف بھی

---

[1] ابن سعد، طبقات، ١: ٢، ١٥۔

[2] ابن قیم، زاد المعاد، ١: ٣٠۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ واقدی کی رائے ہے۔ (فتح الباری، ١: ٣٨) ابن حجر کا یہ لکھنا کہ خلیفہ نے اپنی تاریخ میں ہجرت کے پانچویں سال کو سفیروں کی روانگی کا سال قرار دیا ہے، درست نہیں۔ خلیفہ کہتے ہیں (تاریخ، ٧٩) کہ یہ ہجرت کا چھٹا سال تھا۔ عین ممکن ہے کہ حافظ ابن حجر نے کوئی مختلف نسخہ پڑھا ہو، یا ان سے نقل کرنے میں غلطی ہوگئی ہو۔

[3] ابن حجر، فتح الباری، ٨: ١٢٧۔ مذکورہ تاریخ سے اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں خسرو کے قتل کی تاریخ متعین ہوجاتی ہے۔ (ابن سعد، طبقات، ١: ٢٦٠)

[4] فتح الباری ١٢٧/٨

[5] فتح الباری ٣٩/١، ١٢٩/٨۔

[6] ابن ہشام، سیرت ٢٧٨/٤

[7] ابن حجر، فتح الباری ٨٣/٨

Marfat.com

اشارہ کیا ہے کہ امام بخاری نے ان تمام مہمات، غزوات اور وفود کے بارے میں روایات تو قلم بند کرلیں جو ان کی شرائط پر پوری اتریں، لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر گئے کہ یہ تمام واقعات مختلف زمانوں میں پیش آئے تھے۔ ❶

دو تاریخیں ایسی ہیں جن کے درمیان فرق بہت تھوڑا ہے۔ ابن حجر نے ان کے درمیان مطابقت اس طرح پیدا کی ہے کہ حضرت دحیہ کو ٦ ھ کے اواخر میں حدیبیہ سے واپسی کے بعد ہرقل کے پاس بھیجا گیا تھا اور جب وہ ہرقل کے دربار میں پہنچے تو محرم ٧ ھ ❷ شروع ہو چکا تھا۔ ایک صحیح حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک ہرقل کے دربار میں اس وقت پہنچا جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کی مہم پر تھے، اور ابن حجر کے خیال میں یہ ٦ ھ کی بات ہے۔ ❸

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک روایت کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے ہر ظالم اور سرکش کو خطوط روانہ فرمائے اور ان سب کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دی۔'' انھوں نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے نام گنوائے، اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ وہ نجاشی نہیں ہے جو اسلام قبول کر چکا تھا۔ ❹

بلاشبہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر بادشاہوں کو خطوط روانہ کرنا دراصل اس حقیقت کا عملی اظہار تھا کہ اسلام ایک آفاقی پیغام ہے۔ مکی دور میں قرآنِ کریم کی ایسی متعدد آیات نازل ہو چکی تھیں جن میں اس دین کی عالمگیریت کو اجاگر کیا گیا تھا، مثال کے طور پر:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾

''اور ہم نے آپ ﷺ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا، مگر دنیا جہاں کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لیے۔'' (الانبیاء: ١٠٧)

مذکورہ بالا قرآنی آیت اس عام نظریے کو بھی باطل قرار دیتی ہے جس کے مطابق

---

❶ ایضاً، ٨: ٩٧۔
❷ ایضاً، ١: ٣٨۔
❸ ایضاً، ١: ٣٢، ٣٩۔
❹ مسلم، صحیح، ٣: ١٣٩٧۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی تبلیغی اور دعوتی سرگرمیوں کا دائرہ آہستہ آہستہ مقامی سطح سے بڑھ کر بین الاقوامی سطح تک اس لیے پھیل گیا کہ آپ ﷺ کا سیاسی اثر ورسوخ روز بروز بڑھ رہا تھا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی عالمی حیثیت اسی وقت مستحکم کی جا چکی تھی، جب مسلمان مکہ میں ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے اور ان پر ہمہ وقت یہ خوف طاری تھا کہ...... "لوگ انھیں اچک لیں گے۔"

امام بخاری نے اپنی صحیح میں رسول اللہ ﷺ کے اس خط کا متن نقل کیا ہے جو آپ ﷺ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بصریٰ کے گورنر کو بھیجا تھا اور گورنر نے یہ خط ہرقل تک پہنچا دیا تھا۔ یہ وہ متن ہے جو محدثین کی شرائط کے مطابق ان تمام خطوط میں سب سے زیادہ مستند ہے جو مختلف بادشاہوں اور امراء کو لکھے گئے، اس لیے دوسرے تمام خطوط کو تاریخی ثبوت کے طور پر قبول کرنے سے پہلے ان کی اسناد اور متون کا تنقیدی جائزہ لینا ضروری ہے۔ ایسا کرنا اس لیے بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ انھیں قانون سازی کے سلسلے میں دلائل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

خط کا متن درج ذیل ہے:

"اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحیم ہے، محمد جو اللہ کے بندے اور رسول ہیں، کی طرف سے ہرقل قیصر روم کے نام۔

سلامتی ہو اس پر جو سیدھے راستے کی پیروی کرے۔ میں تمھیں اسلام کی جانب دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو امن میں ہو جاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ تمھیں دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر تم نے انکار کر دیا تو تم پر اپنی قوم کے گناہوں کا بوجھ ہوگا۔" اے اہل کتاب! آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا اپنے درمیان کوئی معبود اور سرپرست نہ کھڑے کریں۔ اس پر بھی اگر وہ منہ موڑ لیں تو کہو! گواہ رہو کہ ہم

Marfat.com

مسلمان ہیں۔" ❶ (آل عمران:٦٤)

بعد کے علماء خط میں سورۃ آل عمران کی آیت مذکور ہونے کی وجہ سے سخت الجھن کا شکار رہے۔ کہا جاتا تھا کہ یہ آیت نجران کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو ۹ھ میں مدینہ ❷ آیا تھا، لیکن اس آیت کا متن اس خط میں نقل کیا گیا ہے جو ٦ھ کے اواخر میں روانہ کیا گیا تھا۔ ❸ بعض علماء نے مختلف روایات میں مطابقت پیدا کرنے اور یہ الجھن دور کرنے کی کوشش کی۔ اس بارے میں انھوں نے مختلف آراء پیش کیں، مثال کے طور پر ایک رائے یہ تھی کہ شاید یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو۔ (بعد میں علماء نے خود ہی اس خیال کی تردید کردی۔ ❹) دوسری رائے یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نامۂ مبارک میں یہ بات لکھ دی ہو اور پھر جب اس بارے میں آیت نازل ہوئی تو انہی الفاظ کے ساتھ ہوئی جو رسول اللہ ﷺ نے استعمال فرمائے تھے۔ ❺ تیسری رائے یہ تھی کہ یہ آیت ہجرت کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی۔ ایک اور رائے کے مطابق یہ آیت یہودیوں کی بابت نازل ہوئی ہے، وغیرہ۔ ❻

بلاشبہ یہ الجھن اسی وقت دور ہوسکتی ہے، جب ہم اس آیت کے سببِ نزول کا کھوج لگائیں۔ ایسی کوئی صحیح مستند روایت نہیں پائی جاتی جو اس بات کو ثابت کرتی ہو کہ یہ آیت نجران کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن اسحٰق نے یہی کچھ محمد بن جعفر بن زبیر کے حوالے سے مرسل روایت کیا ہے جو ثقہ راوی ہیں۔ طبری کے سلسلۂ سند میں جو ابن اسحٰق سے جاملتا ہے، محمد بن حمید رازی بھی شامل ہیں جو "ضعیف" ہیں۔ سدی بھی یہی رائے پیش کرتے ہیں کہ یہ آیت وفدِ نجران کے بارے میں نازل نہیں ہوئی اور طبری کی سند جو سدی تک جاتی ہے اس میں ایک راوی اسباط جو "صدوق" ہے، لیکن بہت سی غلطیاں اور مبالغہ کرنے

---

❶ ابن حجر، فتح الباری، ۱:۳۲، ۸:۱۲٦۔ ❷ ابن اسحٰق، بغیر سند کے۔ (سیر ابن ہشام، ۲:۲۰۷، ۲۱۵)

❸ ابن حجر، فتح الباری، ۱:۳۹، قسطلانی، المواهب اللدنية، ۱:۲۲۳، زرقانی، شرح مواہب، ۳:۳۴۸۔

❹ ابن حجر، فتح الباری، ۱:۳۹، قسطلانی، المواهب اللدنيه، ۱:۲۲۳۔

❺ ایضاً۔ ❻ ابن حجر، فتح الباری، ۱:۳۹، صابونی، مختصر تفسیر ابن کثیر، ۱:۲۸۷۔

Marfat.com

میں مشہور ہے ہے۔ علی بن زید بن جدعان نے بھی ایک ''مرسل'' روایت میں یہی رائے پیش کی ہے، مگر وہ کمزور ہے۔ یہ تینوں روایات ''مرسل'' ہیں اور ان سب کی اسناد میں کچھ نہ کچھ کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔

تفسیر طبری [1] کی ایک روایت ان تینوں روایات کی نفی کرتی ہے۔ اس روایت کی ایک سند ''حسن مرسل'' ہے جس کا سلسلہ قتادہ سے جا کر مل جاتا ہے، دوسری سند ''مرسل'' ہے جس میں چند کمزوریاں پائی جاتی ہیں اور وہ جا کر ابن جریج سے ملتی ہے، اور ایک اور ''مرسل'' سند ہے جس میں چند کمزوریاں پائی جاتی ہیں اور یہ سند ربیع بن خثیم سے جا ملتی ہے۔ ان تینوں مرسل روایات کے مطابق قرآن کی یہ آیت ﴿قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ ...﴾ [آل عمران:۶۴] مدینہ کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس میں ان کو برابری کی سطح پر دعوت دی گئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت یہودیوں کی جلاوطنی سے قبل نازل ہوئی اور یہودیوں کی آخری جلاوطنی غزوۂ خندق کے بعد ۵ھ میں عمل میں آئی تھی۔ اس بات سے اس رائے کی بھی تائید ہو جاتی ہے کہ یہ آیت قیصرِ روم ہرقل کو خط بھیجنے سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ صحیح بخاری میں خط کے متن کی موجودگی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انھوں نے ان روایات کی تائید کی ہے جن کے مطابق یہ آیت ہجرت کے ابتدائی زمانے میں

---

[1] ان روایات کی سند کے لیے دیکھیے: تفسیر طبری، ۳: ۲۰۲، ۲۰۴۔ پڑھنے والے کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان کی سند جو قتادہ تک جاتی ہے ''حسن'' ہے، اور ان کی وہ سند جو ربیع بن خثیم تک جاتی ہے، اس میں المثنیٰ شامل ہیں جن کا مستند ہونا معلوم نہیں اور اسی سند میں عبداللہ بن ابی جعفر بھی شامل ہیں جو ''صدوق'' ہیں، لیکن غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وہ سند جو عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج تک جاتی ہے، اس میں قاسم بن عیسیٰ واسطی شامل ہیں جو ''صدوق'' ہیں اور بدل گئے ہیں اور حسین بن بشر حمصی شامل ہیں جن پر کوئی جرح نہیں ہے۔ یہ ان روایات کی سندوں کی صورت حال ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ یہ آیت مدینہ کے یہود کی بابت نازل ہوئی ہے۔ ان روایات کی وہ سند، جس کے مطابق یہ آیت نجران کے وفد کے متعلق نازل ہوئی، سدی تک جاتی ہے، اس میں اسباط بن نصر شامل ہیں جو ''صدوق'' ہیں، بہت غلطیاں کرتے ہیں اور انوکھے خصائص کے مالک ہیں۔ وہ سند جو ابن اسحاق تک جاتی ہے، اس میں محمد بن حمید رازی شامل ہیں جو حافظ ہیں، لیکن ''ضعیف'' ہیں۔ تیسری روایت علی بن زید بن جدعان تک جاتی ہے جو ''ضعیف'' ہیں۔

Marfat.com

نازل ہوئی، بصورتِ دیگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس خط کا متن اپنی صحیح میں درج نہ کیا ہوتا۔

آیت کو اُس خط میں نقل کیا گیا ہے جو ۶ ھ میں لکھا گیا تھا۔ یہ اس بات کا مضبوط ترین ثبوت ہے کہ یہ آیت وفدِ نجران کی آمد سے قبل نازل ہوئی تھی۔ خط کے متن سے بھی اس رائے کی تائید ہوتی ہے جس کا ذکر پچھلی آراء کے ساتھ کیا گیا ہے اور بظاہر ایسی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی جس کی بناء پر خط کے متن کو مشکوک اور مشتبہ قرار دیا جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے ایک نامۂ گرامی کا حوالہ دیا ہے جو کسریٰ کو ارسال کیا گیا تھا، لیکن اس میں خط کے متن کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، تاہم انھوں نے یہ وضاحت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ کو یہ خط دے کر روانہ فرمایا اور انھیں یہ ہدایت فرمائی کہ یہ خط بحرین کے گورنر منذر بن ساوی العبدی کے حوالے کر دیا جائے۔ منذر نے یہ خط لے کر کسریٰ کو پہنچا دیا۔ کسریٰ نے خط پڑھنے کے بعد چاک کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی کہ ''اے اللہ! تو اسی طرح اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور اسے مکمل طور پر تباہ و برباد کر دے۔'' [1] اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کی حکومت کو اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اس کے تخت پر قابض ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطنتِ فارس ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کے نام جو نامۂ مبارک تحریر فرمایا، اس کا متن کسی ''صحیح'' روایت میں دستیاب نہیں ہے، البتہ طبری اور چند دیگر مصنفین نے اسے ''ضعیف'' اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط نجاشی کے نام بھی تحریر فرمایا تھا، لیکن اس کے ساتھ امام مسلم نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں ہیں جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ [2] خط کا مضمون ثابت نہیں ہو سکا، لیکن ابن اسحٰق نے بغیر سند کے

---

[1] ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۲۶۔ بخاری کی روایت ہے، لیکن انھوں نے بحرین کے گورنر کا نام نہیں دیا۔

[2] ابن اسحٰق، سریۃ، ۲۱۰۔ دیگر ذرائع سے دو مختلف متون کا ذکر ملتا ہے۔ (دیکھیے: محمد حمید اللہ، مجموعة ⇦⇦⇦

Marfat.com

اسے روایت کیا ہے۔ [1]

حاکمِ مصر مقوقس کے نام بھیجے گئے وہ خطوط، اور ان کے جواب میں جو خطوط موصول ہوئے، ان کے متون کسی ''صحیح'' روایت میں دستیاب نہیں ہوئے۔ اسی طرح حاکمِ دمشق حارث بن ابوشمر الغسانی، حاکم یمامہ ہوذہ بن علی الحنفی اور عمان کے حکام جیفر ابن الجلندی اور عباد ابن الجلندی اور حاکم بحرین منذر بن ساوی کے نام بھیجے گئے۔ خطوط کے متون بھی حدیث کے نقطۂ نگاہ سے ''صحیح'' ثابت نہیں ہوتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ خطوط سرے سے ارسال ہی نہیں کیے گئے اور نہ اس سے یہ مراد ہے کہ ان خطوط کو تاریخی نقطۂ نظر سے بھی غلط ثابت کر دیا جائے۔ جہاں تک ان خطوط کے مضامین اور ہیئت کا تعلق ہے تو عین ممکن ہے کہ یہ ''صحیح'' ہوں، تاہم یہ اس معیار پر یقیناً پورے نہیں اترتے جس پر انھیں قانون سازی کے معاملات میں ثبوت کے طور پر لیا جا سکے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا وہ خط جو ہرقل کے نام لکھا گیا تھا، اس کا متن وہ واحد متن ہے جو حدیث کے معیار کے مطابق ''صحیح'' ثابت ہو چکا ہے اور اس خط کی روشنی میں دوسرے تمام خطوط پر بھی ان کی تاریخی حیثیت سے تنقید کی جا سکتی ہے۔

یہی حکم دورِ نبوی کی ان دوسری دستاویزات پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے جو حدیث کے معیار کے مطابق ''صحیح'' ثابت نہیں ہوتیں، صحاح ستہ کے مرتبین نے ان دستاویزات کو روایت نہیں کیا، سوائے اس خط کے جو ہرقل کو لکھا گیا تھا اور صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ [2] اس کے علاوہ ایک خط جو عمیر ذومران کو لکھا گیا، سنن ابی داؤد میں مذکور ہے۔ اگرچہ بہت سی دستاویزات تاریخی معیار سے تو ضرور صحیح ثابت ہوتی ہوں گی، مگر اس کے باوجود وہ صحت کے اعتبار سے اس مقام تک نہیں پہنچتی جہاں انھیں شریعت اور عقیدے کے میدان میں شہادت

⇐⇐⇐ الوثائق السياسية، نمبر ۲۱ مقابل ص ۴۵) یہ روایات محدثین سے ثابت نہیں ہیں، کیوں کہ انھیں کسی صحیح سند کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا۔ یہی چیز ان دونوں خطوط پر بھی منطبق ہوتی ہے جو نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کو لکھے تھے۔ (محمد حمید اللہ، مجموعة الوثائق السياسية، نمبر ۲۳، ۲۴)

[1] مسلم، صحیح، حدیث ۱۷۷۴

[2] ابوداؤد، سنن، ۲: ۳۸، ۳۹۔

Marfat.com

کے طور پر قبول کیا جا سکے۔ ❶

یہ بات بھی مستند ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے رومی حکومت کو خط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ رومی حکومت کسی ایسے خط کو قابل اعتناء نہیں سمجھتی جو مہر شدہ نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی ایک مہر بنوائی اور اس پر محمد رسول اللہ ❷ کے

---

❶ ابن حجر، فتح الباری، ۱۰: ۳۲۴۔

❷ فرانسیسی مستشرق بارتھ لیمی کو ۱۸۵۰ء میں مصر کے بالائی حصے میں واقع اخمیم نامی علاقے سے رسول اللہ ﷺ کا ایک مکتوب گرامی ملا جو آپ ﷺ نے مقوقس کو لکھا تھا۔ (یہ مکتوب چمڑے کے ایک پرانے ٹکڑے پر تحریر شدہ ہے۔) اس نے اس نامۂ مبارک کو ۱۸۵۴ء میں (Journal of the Royal Asiatic Society) میں شائع کر دیا۔ آج کل یہ خط استنبول کے توپ کاپی میوزیم میں محفوظ ہے۔ چمڑے کا ٹکڑا جس پر خط تحریر کیا گیا ہے، گہرے رنگ کا اور مہین ہے اور اس کے درمیان میں ایک دراڑ پڑی ہوئی ہے، لیکن اس کے باوجود اس پر تحریر پڑھی جا سکتی ہے۔ ایم بلن نے اس کی تصدیق کی ہے اور نولڈکے نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

۱۸۶۳ء میں جرمنی کے ڈاکٹر بش نے اعلان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا خط دریافت کیا ہے جو آپ نے منذر بن ساوی کے نام تحریر کرایا تھا، لیکن اس کی پوری طرح تصدیق نہیں ہو سکی۔ ۱۹۴۰ء میں انگریز مستشرق ڈنلپ (Dunlop) نے (Journal of the Royal Asiatic Society) میں یہ اعلان کیا کہ انھیں چمڑے کا ایک ٹکڑا دستیاب ہوا ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کا خط نجاشی کے نام تحریر ہے، لیکن وہ اس کے مستند ہونے میں متردد تھے۔ ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے بیروت کے روزنامہ الحیاۃ میں یہ بیان دیا کہ انھیں خسرو کے نام رسول اللہ ﷺ کا خط ملا ہے اور اس کے ساتھ ہی خط کے مستند ہونے کا یقین بھی ظاہر کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی ایک اور (پانچویں) دستاویز ۱۹۷۳ء میں دریافت ہوئی۔ یہ ایک ہزار برس سے زیادہ پرانی ہے، لیکن ابھی تک اس کے مستند ہونے، یا نہ ہونے کا فیصلہ کیا جا سکا۔

مستشرقین کی اکثریت اس شک میں مبتلا ہے کہ ان میں سے کوئی خط واقعی بھیجا بھی گیا تھا؟ انگریز مستشرق، ولیم میور نے (The Life of Muhammad) اور (The Caliphate) میں، اطالوی مستشرق، ایل کائتانی نے (Annali del Islam) میں، اور یہودی مستشرق مارگولیتھ نے (Muhammad) میں ان شکوک کا اظہار کیا ہے۔ وہ اپنے استرداد کی بنیاد اپنے اس خیال پر رکھتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا مذہب تھا جو محض عربوں کے لیے مخصوص تھا، اسلامی ریاست ایک کمزور ریاست تھی اور اس کے اندر اتنا دم خم نہیں تھا کہ وہ اپنے وقت کی عالمی طاقتوں کو انتباہ کر سکتی۔

ابن اسحٰق نے ان خطوط کا ذکر اس نے لیے نہیں کیا کہ یہ روایتی تفصیلات پر مشتمل ہیں اور چند خطوط ایسے ہیں جن میں ایک ایسی قرآنی آیت شامل ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خطوط بھیجنے کی تاریخ ⇦⇦⇦

Marfat.com

الفاظ کندہ کرائے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے عمل سے یہ بات ثابت فرمادی کہ اسلامی ریاست میں اتنی لچک پائی جاتی ہے کہ دورِ جدید کے رسم ورواج اور طور طریقوں سے اس حد تک فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے کہ وہ اسلامی قوانین اور شریعت کی رُوح سے متصادم نہ ہوں۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہرقل کے نام جو خط تحریر کیا گیا، اس میں اسلام کے تمام امتیازی اوصاف اور خصائص موجود تھے۔ اس کا آغاز بسم اللہ سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد نہایت سادہ انداز میں توحید و رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس خط میں پُرخلوص نصیحت کے لیے حکمت کا خیال رکھا گیا ہے، اور مخاطب کی عزت و وقار کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اسے اپنی قوم میں جو مقام اور مرتبہ حاصل تھا، اس کے شایانِ شان الفاظ استعمال کرتے ہوئے اسے ''شاہِ روم'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ اس کے بعد اسلام قبول کرنے کی صورت میں اسے جو اجر ملنے والا تھا، اس کی خوش خبری سنا کر اس کے حوصلے بلند کیے گئے، نیز اس کی اور اس کی قوم کی اسلام سے دوری کی بناء پر جو عذاب مقدر ہونے والا ہے، اس سے بھی اسے متنبہ کر دیا گیا۔

⇐⇐ سے دو برس بعد نازل ہوئی، لیکن یہ تبصرے اس بات کے لیے کافی نہیں ہیں کہ ان دستاویزات کی تاریخی حقیقت کا انکار کیا جائے جو خطوط دریافت ہوئے ہیں، اِن کا کسی تجربہ گاہ میں کیمیائی تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ وہ مستند ہیں یا نہیں۔

اس حاشیہ میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں ان کے لیے ملاحظہ فرمایئے: ڈاکٹر عزدین ابراہیم کا مقالہ بعنوان: الدراسات المتعلقه برسائل النبیؐ الی الملوك فی عصره. جو بحوث آلمؤتمر العالمی الثالث للسیرة والسنة النبویة (قطر) میں شامل ہے۔

Marfat.com

بدوؤں کی اصلاح وتادیب

صلح حدیبیہ کے نتیجے میں امن کا جو زمانہ نصیب ہوا، اس میں بدوؤں نے کئی بار خلل ڈالنے کی کوشش کی، تاہم ان کی یہ کوششیں زیادہ کارگر ثابت نہ ہوسکیں، اور نہ اسلام کی نشر و اشاعت میں مسلمانوں کو جو آزادی حاصل ہوئی تھی، اس پر ان کا کچھ اثر پڑ سکا۔ اس دوران میں جو مہمات پیش آئیں، وہ درج ذیل ہیں:

غزوۂ ذات القَرَد

یہ مہم غزوۂ خیبر سے تین روز قبل پیش آئی۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن عیینہ بن حصن الفزاری رسول اللہ ﷺ کے چند اونٹ لے کر فرار ہوگیا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع نے اسی وقت تمام مسلمانوں کو چوکنا کردیا اور خود اس کے تعاقب میں روانہ ہوگئے۔ جب رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو دیکھا کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع نے حملہ آوروں سے اونٹ واپس لے لیے ہیں اور انھیں دور تک مار بھگایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ذات القرد تک تشریف لے گئے اور پھر مدینہ لوٹ آئے۔ [1]

عُکل اور عُرینہ نامی قبائل کے افراد کا واقعہ

غزوۂ ذات القرد کے بعد عُکل اور عُرینہ نامی قبائل کے چند افراد مدینہ آئے اور

---

[1] ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۴۶۰، مسلم، صحیح، ۳: ۱۳۲۔ ابن اسحٰق اور دیگر سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ یہ غزوہ ہجرت کے چھٹے سال حدیبیہ سے قبل پیش آیا۔ (فتح الباری، ۷: ۴۶۰)

بیہقی کہتے ہیں: ''ہمیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ غزوۂ ذات قرد حدیبیہ اور خیبر کے بعد پیش آیا اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع کی حدیث میں واضح طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے۔ (ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۴۲۰، ۴۲۱) اسی غزوے میں صلوٰۃ الخوف پڑھی گئی، لیکن اس کو شرعی حیثیت خندق کے بعد دی گئی۔ خلیفہ بن خیاط لکھتے ہیں کہ اونٹوں پر جن صاحب نے حملہ کیا، وہ عبدالرحمٰن نہیں، بلکہ اس کے والد عیینہ حصن تھا۔ (تاریخ خلیفہ، ص ۷۷)

Marfat.com

اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کیا۔ اس کے بعد انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے مدینہ کے مضافات میں اقامت اختیار کرنے کی اجازت طلب کی، کیوں کہ ان کے بقول مدینہ کا موسم اُن کے لیے قابلِ برداشت نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو یہ ہدایت کی کہ ان لوگوں کے لیے چند دودھ دینے والی اونٹنیوں اور ایک چرواہے کا بندوبست کردیا جائے۔ اس انتظام کے ساتھ انھیں روانہ کردیا گیا، لیکن جب وہ حرہ پہنچے تو سب کے سب مرتد ہوگئے۔ انھوں نے چرواہے کو قتل کردیا اور اونٹنیوں پر قبضہ کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے چند لوگوں کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ان مجرموں کو گرفتار کرکے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں پر لوہے سے داغ لگوائے، ان کے ہاتھ کٹوا دیے گئے اور انھیں حرہ میں چھوڑ دیا گیا، حتیٰ کہ انھیں موت نے آلیا، لیکن بعد میں رسول اللہ ﷺ نے مثلہ کرنے کی ممانعت فرمادی۔ [1]

غزوۂ ذات الرقاع

اس غزوے کی تاریخ کے تعین میں سیرت نگاروں کے درمیان اختلاف ہے۔ امام بخاری اس رائے کے حق میں ہیں کہ یہ غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا۔ ابن اسحٰق نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ غزوہ چار ھ میں غزوۂ خندق سے پہلے اور بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد پیش آیا۔ ابن سعد اور ابن حبان کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ محرم ۵ ھ کا ہے۔ ابومعشر نہایت وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ، غزوۂ بنوقریظہ اور غزوۂ خندق کے بعد وقوع پذیر ہوا۔ امام بخاری اور ابومعشر کی آراء زیادہ درست معلوم ہوتی ہیں، کیوں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بذاتِ خود اس مہم میں حصہ لیا ہے اور وہ خیبر کی فتح کے فوراً بعد حبشہ سے واپس آئے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس غزوے میں حصہ لیا ہے اور وہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب خیبر فتح ہوا تھا۔ اس غزوے کو ذات الرقاع کا نام دیا جاتا ہے، نیز یہ غزوۂ نجد اور

---

[1] ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۴۵۸۔

Marfat.com

غزوہ بنومحارب و بنی ثعلبہ من غطفان (یعنی غطفان کے بنومحارب اور بنوثعلبہ کے خلاف مہمات) کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا غطفان کے لوگوں سے سامنا تو ہوا، لیکن لڑائی کی نوبت نہیں آئی، تاہم کچھ مسلمانوں پر خوف کی کیفیت طاری ہوئی، چناں چہ انھوں نے نخل نامی جگہ پر صلوٰۃ الخوف ادا کی جو مدینہ سے دو روز کی مسافت پر ہے۔ اس کے بعد مسلمان مدینہ واپس آ گئے۔

اس بات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس غزوے کو ذات الرقاع کا نام کیوں دیا گیا تھا؟ اس بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے کہ اس غزوے میں لوگوں کے جوتے پھٹ گئے تھے اور انھوں نے اپنے پیروں کے گرد چیتھڑے (رقاع) باندھ لیے تھے، اس لیے اس غزوے کو یہ نام دیا گیا۔ جوتے پھٹنے کی نوبت اس لیے آئی تھی کہ چھ چھ افراد پر مشتمل جماعت کے حصے میں صرف ایک اونٹ آیا تھا جس پر سب لوگ باری باری سفر کرتے تھے [اور زیادہ تر سفر پیدل کیا گیا تھا۔] ❶

قدیم مؤرخین نے ان واقعات پر اس لیے زیادہ توجہ نہیں دی کہ بادشاہوں اور امراء کو اسلام کی دعوت دینا، ❷ فتح خیبر اور مسلمانوں کا عمرۃ القضا کے لیے جانا، ان کے بالمقابل عظیم الشان واقعات تھے، جن کے سامنے چھوٹے اور معمولی واقعات ماند پڑ گئے تھے۔

بہرحال خیبر کی تسخیر سے مسلمانوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ شام کی سرحد پر شمالی علاقوں میں اپنی قوت مضبوط کر لیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع جو غطفان کے خلاف تھا، وہ دراصل اسی منصوبے کا ایک حصہ تھا، کیوں کہ اس علاقے میں خیبر کے یہودیوں کے بعد دوسرا مضبوط ترین گروہ غطفان ہی کا تھا۔ اس کے فوراً بعد اس سمت میں

---

❶ ایضاً، ۷: ۴۱۶، ۴۲۱۔

❷ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی حدیبیہ سے واپسی کے فوراً بعد پیش آیا۔ ابن سعد نے ان کی روانگی کی تاریخ یکم محرم ۷ھ دی ہے، اور کل چھ افراد بھیجے گئے تھے۔ (طبقات، ۱: ۲: ۱۵، مطبوعہ یورپ) ابن قیم نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے۔ (زاد المعاد ۱: ۳۰)، جب کہ طبری نے اس تاریخ کو تھوڑا سا آگے بڑھاتے ہوئے ذوالحجہ ۶ھ بیان کیا ہے۔ (تاریخ طبری، ۲: ۲۸۸)

Marfat.com

ایک اور مہم جوئی کی گئی جسے موتہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن مسلمان زیارتِ کعبہ اور عمرۃ القضا (وہ عمرہ جو حدیبیہ کے موقع پر قضا ہو گیا تھا) ادا کرنے کے لیے اس قدر بے چین ہو رہے تھے کہ موتہ کی طرف فوج روانہ کرنے میں معمولی سی تاخیر پیش آ گئی۔

Marfat.com

عمرۃ القضا

ذوالقعدہ سات ھ میں صلح حدیبیہ کی شرائط کی پابندی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کرنے کی غرض سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے تحت قریش سے طے ہوا تھا: ❶ ''تم اپنے ساتھ کوئی ہتھیار لے کر مکہ نہیں آسکتے، سوائے ایک تلوار کے۔ وہ بھی نیام میں اور یہ کہ مکہ کا کوئی فرد آپ کے ساتھ ادائیگی عمرہ کے لیے نہیں نکلے گا اور آپ کسی آدمی کو نہیں روکیں گے اگر وہ مکہ میں ٹھہرنا چاہے۔'' ❷ اس کے ساتھ انھوں نے یہ شرط بھی عائد کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں صرف تین روز قیام کریں گے جس کے بعد انھیں واپس جانا پڑے گا۔ ❸

موسیٰ بن عقبہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے ساتھ ہتھیار لے لیے تھے، مگر انھیں حرم کے باہر چھوڑ دیا تھا، کیوں کہ مسلمانوں کو قریش سے بدعہدی کا اندیشہ تھا۔ ❹ جن مسلمانوں نے عمرۃ القضا ادا کیا، ان کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی، خواتین اور بچے ان کے علاوہ تھے۔ جو صلح حدیبیہ کے موقع پر حاضر تھے۔ ❺ جب رسول اللہ ﷺ مکہ شہر میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ آپ ﷺ کے سامنے یہ رجز پڑھتے ہوئے گزرے:

''اے کافرو! راستہ دو، ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ، ہم تم سے جنگ کریں گے اور ایسی کاری ضرب لگائیں گے کہ سر کندھوں سے جدا ہو جائیں گے اور

---

❶ ابن حزم، جوامع السیرۃ، ۲۱۹۔ ابن اسحٰق، موسیٰ بن عقبہ اور یعقوب بن سفیان نے ایک ''حسن'' سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ (ابن حجر، فتح الباری، ۷:۵۰۰)

❷ بخاری نے روایت کیا۔ (ابن حجر، فتح الباری، ۷:۴۹۹) ❸ ایضاً۔

❹ ابن حجر، فتح الباری، ۷:۴۹۹۔ موسیٰ بن عقبہ اس روایت کی کوئی سند پیش نہیں کرتے۔

❺ حاکم نے الاکلیل میں اسے بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔ (ابن حجر، فتح الباری، ۷:۵۰۲)

Marfat.com

دوست دوست کو بھول جائے گا۔'' ❶

مسلمانوں نے کعبہ کے گرد طواف کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ طواف کرتے وقت ان کی جسمانی قوت اور طاقت کا اظہار ہونا چاہیے، تاکہ قریش کی یہ افواہ بے بنیاد اور باطل ثابت ہو جائے کہ مدینہ میں بخار پھیلنے کی وجہ سے مسلمانوں کی جسمانی توانائی ماند پڑ گئی ہے، چناں چہ مسلمانوں نے طواف کرتے وقت پہلے تین چکر دوڑ کر پورے کیے۔ ❷ قریش شہر سے باہر قیعقان نامی پہاڑ پر جا کر بیٹھ گئے تھے اور وہاں سے مسلمانوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ❸ وہ مسلمانوں کی قوت اور طاقت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ یہ پہاڑ جس پر قریش فروکش تھے، کعبے کے دو کونوں کے مدمقابل واقع تھا۔

جب تین روز گزر گئے تو مشرکینِ مکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اپنے ساتھیوں سے کہیں کہ مقررہ میعاد گزر چکی ہے، اب واپس جائیں۔ رسول اللہ ﷺ مکہ سے واپس روانہ ہو گئے۔ ❹ عمرۃ القضا کے بارے میں قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقعہ کے ہے کہ تم لوگ مسجد حرام میں ان شاء اللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کے ساتھ، کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کترا تا ہوگا، تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا، سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں، پھر اس سے پہلے لگتے ہاتھ

❶ ترمذی، انھوں نے کہا، ''یہ ایک حسن غریب حدیث ہے۔'' (فتح الباری، ۷:۵۰۲)

❷ بخاری نے روایت کیا۔ ابن حجر، فتح الباری، ۷:۵۰۸، ۵۰۹۔ مزید دیکھیے: احمد، مسند، حدیث ۳۵۳۶، ایک صحیح سند کے ساتھ۔ ❸ ایضاً۔

❹ بخاری نے روایت کیا۔ ابن حجر، فتح الباری، ۷:۴۹۹۔

Marfat.com

ایک فتح دے دی۔'' (الفتح:۲۷)

اس عمرے کے دوران میں جو احکام جاری کیے گئے، ان میں سے ایک حکم وہ ہے جو ایسے شخص کے بارے میں ہے جس نے عمرہ کرنے کا ارادہ کرلیا ہو، مگر اسے کعبے کی زیارت سے زبردستی روک دیا گیا ہو۔ علماء کی اکثریت اس رائے پر متفق ہے کہ اسے قربانی تو لازماً کرنا پڑے گی، مگر وہ عمرے کی قضا کرنے کا پابند نہ ہوگا۔ علماء کے سامنے یہ سوال تھا کہ آیا یہ عمرہ اس عمرے کی قضا کے طور پر ادا کیا گیا تھا جو حدیبیہ کے موقع پر ادا نہ ہوسکا تھا، یا یہ نیا عمرہ ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور حکم جو اس موقع پر جاری کیا گیا، وہ بچے کی پرورش اور پرداخت سے متعلق تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دیگر مسلمانوں کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی بیٹی عمارہ چھوٹی سی بچی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں گود لے لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کردیا تاکہ وہ ان کی پرورش کرسکیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کی چچازاد بہن تھیں۔ [حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔] حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں دلائل دیتے ہوئے کہا کہ وہ (مواخاۃ کی رو سے) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ [خالو ہونے کی وجہ سے]، عمارہ رضی اللہ عنہا کے محرم ہیں اور مسلمان مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی خاتون اور اس کی خالہ کو بیک وقت نکاح میں رکھے۔ [لہٰذا عمارہ رضی اللہ عنہا کی پرورش حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہوگی۔] [1]

---

[1] ابن حجر، فتح الباری، ۷:۵۰۵۔

Marfat.com

غزوۂ موتہ

واقدی واحد مؤرخ ہیں جنھوں نے یہ واضح کیا ہے کہ غزوۂ موتہ کا محرک اور سبب کیا تھا؟ واقدی کے نزدیک سبب یہ تھا کہ شرحبیل بن عمرو الغسانی نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر الازدی کو قتل کروادیا۔ یہ صحابی رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی شاہِ بُصریٰ کے دربار میں لے کر گئے تھے۔ چوں کہ سفیروں کا قتل ناجائز ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر سن کر سخت ناگواری ہوئی اور آپ ﷺ نے موتہ کی طرف فوج روانہ فرمائی۔ [1] لیکن واقدی ایک ''ضعیف'' راوی ہیں اور ان کی روایت قابل اعتماد نہیں، بالخصوص اس صورت میں جب کہ کسی واقعے کی روایت میں وہ اکیلے ہوں۔

تاہم یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ان اسباب اور عوامل کا پتا لگایا جائے جو شام کی سرحدوں پر عرب قبائل کے خلاف مہمات کا محرک بنے تھے، کیوں کہ اسباب جو بھی ہوں، بہرحال وہ نفسِ واقعہ پر بہت زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے۔ جہاد کے قانونی نفاذ کے لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ عرب قبائل کو زیرنگیں کرنے کی حکمتِ عملی میں ایک تسلسل اور دوام برقرار رہے اور اسلامی ریاست کی سرحدیں وسیع ہوں، قطع نظر اس کے کہ ان مہمات کے کیا محرکات تھے۔

مسلمانوں کے سامنے اس کے علاوہ کوئی متبادل راستہ نہیں تھا کہ وہ ان تمام مسیحی عرب قبائل کو زیرنگیں کرلیں جو بازنطینی مملکت کے زیرتسلط تھے۔ مسلمان چاہتے تھے کہ ازخود پہل کرکے اس علاقے میں پھیلے ہوئے بازنطینی اثرات پر کاری ضرب لگائیں، اس سے پہلے کہ بازنطینی مملکت ان کی نوزائیدہ اسلامی ریاست کے خلاف کوئی بڑا اقدام کرے۔

---

[1] ابن سعد، طبقات، ا۔۲: ۱۷، ابن حجر، الاصابۃ، ۱: ۵۹۰، ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۵۱۱۔

Marfat.com

عمرۃ القضا سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ذی الحجہ ۶ھ سے جمادی الاولی ۷ھ تک مدینہ ہی میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تین ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک فوج شام ❶ کی طرف روانہ فرمائی۔ ❷ آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو فوج کا امیر مقرر کیا اور یہ ہدایت فرمائی کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کمان سنبھال لیں اور اگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کر لیں تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ ان کی جگہ لے لیں۔ ❸ ان متبادل شخصیات کے انتخاب سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ امیر کے تقرر کو مشروط کرنا بھی جائز ہے اور یکے بعد دیگرے کئی امراء کا تقرر بھی بیک وقت مستحسن ہے۔ ❹ یہ پہلا موقع تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی احتیاطی تدابیر اختیار فرمائیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کے علم میں یہ بات تھی کہ یہ مہم خطرات سے پُر ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ سفر طویل اور مسافت زیادہ تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ اس سے قبل مسلمانوں کو بازنطینی سلطنت جیسی طاقتور ریاست سے واسطہ نہیں پڑا تھا اور شام کے سرحدی علاقوں پر بسنے والے تمام قبائل کا اس ریاست سے سیاسی الحاق بھی تھا۔

جب اسلامی فوج معان کے مقام پر پہنچی تو اسے یہ خبر ملی کہ ہرقل اپنی فوج لے کر معاب (البلقاء) پہنچ گیا ہے، اور اس کی فوج میں ایک لاکھ بازنطینی سپاہی اور ایک لاکھ عیسائی عرب شامل ہیں جن کا تعلق لخم، جذام اور قضاعہ (بہراء، بلي اور بلقين) سے ہے۔ مسلمانوں نے دورات معان میں قیام کیا۔ اس دوران میں انھوں نے آپس میں نئی صورتِ حال کے بارے میں صلاح مشورہ کیا۔ چند لوگوں نے یہ رائے پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ کو خط کے ذریعے تازہ ترین صورتِ حال اور دشمن کی طاقت وقوت کے بارے میں مطلع کیا

---

❶ ابن اسحٰق، سند کے ساتھ۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۳: ۴۲۷)

❷ عروہ بن زبیر کی "مرسل" ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۳: ۴۲۷) ابن اسحٰق کی سند جو عروہ تک جاتی ہے، "حسن" ہے۔

❸ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۵۱۰) ابن اسحٰق، عروہ کی "مرسل" ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۳: ۴۲۷)

❹ ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۵۱۳۔

Marfat.com

غزوۂ موتہ

واقدی واحد مؤرخ ہیں جنھوں نے یہ واضح کیا ہے کہ غزوۂ موتہ کا محرک اور سبب کیا تھا؟ واقدی کے نزدیک سبب یہ تھا کہ شرحبیل بن عمرو الغسانی نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر الازدی کو قتل کروادیا۔ یہ صحابی رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی شاہِ بُصریٰ کے دربار میں لے کر گئے تھے۔ چوں کہ سفیروں کا قتل ناجائز ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر سن کر سخت ناگواری ہوئی اور آپ ﷺ نے موتہ کی طرف فوج روانہ فرمائی، [1] لیکن واقدی ایک ''ضعیف'' راوی ہیں اور ان کی روایت قابل اعتماد نہیں، بالخصوص اس صورت میں جب کہ کسی واقعے کی روایت میں وہ اکیلے ہوں۔

تاہم یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ان اسباب اور عوامل کا پتا لگایا جائے جو شام کی سرحدوں پر عرب قبائل کے خلاف مہمات کا محرک بنے تھے، کیوں کہ اسباب جو بھی ہوں، بہرحال وہ نفسِ واقعہ پر بہت زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے۔ جہاد کے قانونی نفاذ کے لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ عرب قبائل کو زیرنگیں کرنے کی حکمتِ عملی میں ایک تسلسل اور دوام برقرار رہے اور اسلامی ریاست کی سرحدیں وسیع ہوں، قطع نظر اس کے کہ ان مہمات کے کیا محرکات تھے۔

مسلمانوں کے سامنے اس کے علاوہ کوئی متبادل راستہ نہیں تھا کہ وہ ان تمام مسیحی عرب قبائل کو زیرنگیں کرلیں جو بازنطینی مملکت کے زیرتسلط تھے۔ مسلمان چاہتے تھے کہ ازخود پہل کرکے اس علاقے میں پھیلے ہوئے بازنطینی اثرات پر کاری ضرب لگائیں، اس سے پہلے کہ بازنطینی مملکت ان کی نوزائیدہ اسلامی ریاست کے خلاف کوئی بڑا اقدام کرے۔

---

[1] ابن سعد، طبقات، ۱۔۲: ۱۷، ابن حجر، الاصابۃ، ۱: ۵۹، ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۵۱۱۔

Marfat.com

عمرۃ القضا سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ذی الحجہ چھ ھ سے جمادی الاولیٰ ۷ ھ تک مدینہ ہی میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تین ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک فوج شام ❶ کی طرف روانہ فرمائی۔ ❷ آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو فوج کا امیر مقرر کیا اور یہ ہدایت فرمائی کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کمان سنبھال لیں اور اگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کر لیں تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ ان کی جگہ لے لیں۔ ❸ ان متبادل شخصیات کے انتخاب سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ امیر کے تقرر کو مشروط کرنا بھی جائز ہے اور یکے بعد دیگرے کئی امراء کا تقرر بھی بیک وقت مستحسن ہے۔ ❹ یہ پہلا موقع تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی احتیاطی تدابیر اختیار فرمائیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کے علم میں یہ بات تھی کہ یہ مہم خطرات سے پُر ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ سفر طویل اور مسافت زیادہ تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ اس سے قبل مسلمانوں کو بازنطینی سلطنت جیسی طاقتور ریاست سے واسطہ نہیں پڑا تھا اور شام کے سرحدی علاقوں پر بسنے والے تمام قبائل کا اس ریاست سے سیاسی الحاق بھی تھا۔

جب اسلامی فوج معان کے مقام پر پہنچی تو اسے یہ خبر ملی کہ ہرقل اپنی فوج لے کر معاب (البلقاء) پہنچ گیا ہے، اور اس کی فوج میں ایک لاکھ بازنطینی سپاہی اور ایک لاکھ عیسائی عرب شامل ہیں جن کا تعلق لخم، جذام اور قضاعہ (بہراء، بلي اور بلقین) سے ہے۔ مسلمانوں نے دو رات معان میں قیام کیا۔ اس دوران میں انھوں نے آپس میں نئی صورتِ حال کے بارے میں صلاح مشورہ کیا۔ چند لوگوں نے یہ رائے پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ کو خط کے ذریعے تازہ ترین صورتِ حال اور دشمن کی طاقت وقوت کے بارے میں مطلع کیا

---

❶ ابن اسحٰق، سند کے ساتھ۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۳: ۴۲۷)

❷ عروہ بن زبیر کی ''مرسل'' ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۳: ۴۲۷) ابن اسحٰق کی سند جو عروہ تک جاتی ہے، ''حسن'' ہے۔

❸ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۵۱۰) ابن اسحٰق، عروہ کی ''مرسل'' ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۳: ۴۲۷)

❹ ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۵۱۳۔

Marfat.com

جائے تاکہ آپ ﷺ تازہ کمک روانہ فرمادیں اور اپنے تازہ ترین احکام بھی صادر فرمادیں۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فوج کے حوصلے بلند کرتے ہوئے یہ تقریر کی:

> "لوگو! جس چیز سے تم اس وقت گھبرا رہے ہو، وہی تو ہے جس کی تلاش میں تم نکلے ہو، یعنی شہادت۔ ہم تعداد، قوت یا اسباب کی بناء پر دشمن سے جنگ کرنے کے لیے نہیں نکلے، بلکہ اس دین کی بنیاد پر مقابلہ کرنے کے لیے نکلے ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت دی ہے۔ پس آگے بڑھو! ہمارے لیے دونوں راستے بہترین ہیں: فتح یا شہادت۔" [1]

ان الفاظ کے ساتھ ہی پوری فوج میں جوش و خروش کی ایک نئی لہر دوڑ گئی اور جو لوگ حملہ کرنے سے جھجک رہے تھے، ان کی جھجک دور ہوگئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ فوج کو موتہ کے مقام پر لے گئے جو کرک سے قدرے جنوب کی جانب ہے اور بازنطینی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے کمر کس لی۔ دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ چھڑ گئی اور تینوں امرائے لشکر نے غیر معمولی جرأت اور عظمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو اسلام کا بطلِ جلیل ثابت کر دکھایا اور یکے بعد دیگرے شہید ہوگئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ نے اپنے دشمن کے ہاتھوں سے خنجروں کے اتنے زیادہ زخم کھائے کہ ان کے خون کا آخری قطرہ تک نچڑ گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے علم سنبھالا، اچک کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور علم ہاتھ میں بلند کیے ہوئے جنگ کرنا شروع کر دی۔ دشمن نے ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا تو انھوں نے چابک دستی سے اسلامی فوج کا علم بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ جب بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا تو انھوں نے بڑی مستعدی سے علم کو اپنے کٹے ہوئے دونوں بازوؤں کے ذریعے سنبھال لیا اور اسی طرح علم کو سینے سے لگائے اس وقت تک لڑتے رہے جب تک شہادت کو گلے نہیں لگا لیا۔ ان کے شہید ہوتے ہی حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم بلند کیا، ایک لمحے کے لیے جھجکے (شاید اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] ابن اسحٰق، بغیر سند کے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۳: ۴۲۲)

Marfat.com

کے نامزد کردہ آخری امیر تھے۔) لیکن فوراً آگے بڑھے اور دشمن کی فوج پر پل پڑے۔ لڑتے لڑتے آخر وہ بھی شہادت کے اعلیٰ ترین مقام پر سرفراز ہوگئے۔ ان کے گرتے ہی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن ارقم نے فوراً اسلامی جھنڈے کو اونچا کر دیا اور چیخ کر پکارے کہ؛ ''اے مسلمانو! اپنا امیر منتخب کرلو۔'' تمام مسلمانوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو امیر منتخب کرلیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے صورتِ حال کی سنگینی بھانپ لی، انھوں نے فوراً اپنی فوج کی تنظیم نو کی، میمنہ اور میسرہ کو ایک دوسرے کی جگہ پر بدل دیا اور ایک دستہ عقب سے لاکر اسے سامنے کردیا تاکہ بازنطینیوں کو یہ تأثر ملے کہ نئے اور تازہ دم فوجی دستوں نے جگہ سنبھال لی ہے۔ اس طرح حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید بہترین منصوبہ بندی کر کے اپنی فوج کو دشمن کے نرغے سے نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس حکمت عملی کی وجہ سے مسلمانوں کا بہت کم جانی نقصان ہوا۔ مستند ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کی تعداد صرف ۱۳ تھی۔ ❶

دشمن کے نرغے سے اسلامی فوج کو بخیر وخوبی نکال لانا حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی عظیم الشان کامیابی تھی۔ مسلمانوں کا بہت کم نقصان ہوا، جب کہ بازنطینیوں کو بھاری نقصان کا سامنا کرنا پڑا، ان کے زخمیوں اور مرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بلاشبہ مسلمانوں کی بے مثال شجاعت، بلند حوصلگی اور شہادت کی تڑپ، اس پر مستزاد حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی غیر معمولی عسکری صلاحیت وہ امور تھے جن کی وجہ سے مسلمان اس پُرخطر اور پُرآزمائش مرحلے سے سرخ رُو نکلے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی لاش پر تیروں اور ❷ نیزوں کے ۹۰ سے زیادہ زخم پائے گئے، اس کے باوجود وہ آخری سانس تک لڑتے رہے تھے۔ اس معرکے میں

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۳: ۴۳۰، ۴۴۷، ابن حزم، جوامع السیرۃ، ص ۲۲۰، ۲۲۲۔ ابن اسحٰق نے اس واقعے کی کوئی سند نہیں دی سوائے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے اپنے گھوڑوں کو ناکارہ کرنے کے، اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کے آگے بڑھنے میں تأمل اور جھجک کے۔ ابن اسحٰق نے ان دونوں واقعات کا تذکرہ تو ایک ''حسن'' سند کے ساتھ کیا ہے جس میں صحابی کا نام معلوم نہیں، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

❷ صحیح بخاری، (ابن حجر، فتح الباری، ۷: ۵۱۰)

Marfat.com

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے یکے بعد دیگرے ۹ تلواریں استعمال کیں، اور ہر ایک ٹوٹ ٹوٹ کر گرتی رہی۔ ❶

اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ بھی ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ نے مدینہ میں اپنے ساتھیوں کو اشک آلود چہرے کے ساتھ یہ خبر دی کہ لشکر کے تینوں سپہ سالار شہید ہو گئے ہیں، حالاں کہ اس وقت تک میدانِ جنگ سے کوئی خبر رساں نہیں پہنچا تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خبر بھی سنائی کہ اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے فوج کی کمان سنبھال لی ہے اور علم ان کے ہاتھ میں ہے، پھر آپ ﷺ نے فتح کی خوشخبری بھی سنائی۔ ❷ اس صحیح حدیث میں فتح سے مراد یہ ہے کہ مسلمان نہ صرف کامیاب منصوبہ بندی کر کے اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہو گئے، بلکہ انھوں نے بازنطینیوں کو بھاری نقصان بھی پہنچایا، اس کے باوجود کہ ان کی تعداد مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی۔

اسلامی فوج کے صحیح سلامت پیچھے ہٹنے کی کامیاب کوشش کے باوجود جب وہ مدینہ واپس آئے تو مدینہ کے لوگوں نے ان کے اوپر مٹی کی مٹھیاں بھر بھر کر پھینکیں اور ان الفاظ میں ان کے اوپر برس پڑے: ''تم بھاگے ہوئے لوگ ہو۔ تم اللہ کے راستے سے بھاگ کر آئے ہو!'' رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''یہ لوگ بھاگے ہوئے نہیں ہے، بلکہ اگر اللہ نے چاہا تو یہ لڑنے کے لیے جئیں گے۔'' ❸ عام مسلمانوں کے اس ردِ عمل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کے دلوں میں اسلام کا شعور کتنا اجاگر ہو چکا تھا۔

شہدائے موتہ کو اللہ تعالیٰ کی نظر میں جو مقام اور مرتبہ حاصل ہوا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوگ اب کبھی دنیا میں رہنا پسند نہ کریں گے، کیوں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انھیں شہادت کے بعد عظیم الشان رتبے سے نوازا ہے۔''

---

❶ ایضاً، ۷:۵۱۵۔ ❷ ایضاً، ۷:۵۱۲۔

❸ ابن اسحٰق، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ جس کا سلسلہ عروہ سے ملتا ہے، لیکن یہ ''مرسل'' اور ''ضعیف'' ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۳:۴۳۸)

Marfat.com

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے بچوں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ ﷺ کچھ دیر ان کے ساتھ کھیلتے رہے، ان کے بال مکمل طور پر کٹوانے کا حکم دیا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ آپ ﷺ نے بچوں کی والدہ کو جو بچوں کے یتیم ہونے پر غمزدہ تھی، تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''کیا تمھیں یہ ڈر ہے کہ یہ بچے محتاج ہو جائیں گے، جب کہ میں دنیا اور آخرت میں ان کا کفیل ہوں۔'' [1] اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے بازنطینی فوج کے ساتھ اپنے اس مقابلے میں بہت کچھ سیکھا، انھیں بہت سے نئے تجربات حاصل ہوئے اور بے شمار ایسی معلومات حاصل ہوئیں جن کی روشنی میں انھوں نے جہاد کے بارے میں آئندہ اپنا لائحۂ عمل طے کیا۔ اس معرکے میں انھوں نے نہ صرف دشمن کی طاقت وقوت، تعداد اور جنگی طور طریقوں اور منصوبہ بندی کا پتا لگایا، بلکہ اس خطۂ زمین کی نوعیت سے بھی واقف ہو گئے۔

[1] احمد، مسند، حدیث ۱۷۵۰ (مطبوعہ شاکر) ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ۔

Marfat.com

غزوۂ ذات السلاسل

موتہ سے اسلامی فوج کی مدینہ واپسی کے چند روز بعد رسول اللہ ﷺ نے ذات۔ السلاسل کی طرف روانگی کے لیے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی سربراہی میں ایک فوج تیار کی۔ اس لشکر کشی سے آپ ﷺ کے پیش نظر یہ تھا کہ قبیلہ قضاعہ کو ہمیشہ کے لیے سبق سکھا دیا جائے، جس نے غزوۂ موتہ میں بازنطینی فوج کا ساتھ دیا تھا، اور [اپنی طاقت کے بارے میں] غلط فہمی کا شکار تھا۔ اب قبیلہ قضاعہ کے لوگ مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے اپنی فوجوں کو حرکت میں لا رہے تھے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے تین سو مہاجرین اور انصار پر مشتمل فوج کے ہمراہ ان کے علاقے کی طرف پیش قدمی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ قبیلہ قضاعہ کی چند شاخوں، یعنی بلی، عذرہ اور بلقین سے قبیلہ قضاعہ کے خلاف مدد طلب کریں۔ جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو قبیلہ قضاعہ کی فوج کی کثرت کا علم ہوا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کی۔ رسول اللہ ﷺ نے دو سو افراد پر مشتمل ایک دستہ جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، حضرت ابوعبیدہ عامر رضی اللہ عنہ بن جراح کی سربراہی میں ان کی مدد کے لیے روانہ کر دیا۔

عامر بن شعبی (متوفی ۱۰۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو مہاجرین پر اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو بدوؤں پر سپہ سالار مقرر کیا تھا، اور دونوں کو یہ تاکید کی تھی کہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ فوج قبیلہ بنی بکر کے مقابلے میں روانہ کی گئی تھی، جب کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے قضاعہ پر حملہ کر دیا۔ [1]

---

[1] امام احمد نے ''صحیح'' سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے جو عامر الشعبی سے جا کر ملتی ہے۔ یہ وہ شخصیت ⇦⇦⇦

Marfat.com

جب اسلامی فوج قضاعہ کے علاقوں میں آگے تک پیش قدمی کرتی چلی گئی تو قضاعہ بھاگنے اور منتشر ہونے لگے۔ اس کارروائی کے بعد اس علاقے میں مسلمانوں کی ساکھ دوبارہ بحال ہوگئی جو غزوۂ موتہ کے بعد قدرے متزلزل ہوگئی تھی۔ ❶

اس مہم کے دوران میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تیمم کے ساتھ مسلمانوں کو نماز پڑھائی اور امامت کے فرائض انجام دیے۔ وہ ناپاکی کی حالت میں تھے، لیکن انھوں نے اس لیے غسل نہ کیا کہ سردی کا موسم ہونے کی وجہ سے وہ کہیں بیمار نہ پڑ جائیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو ان کے اس ذاتی اجتہاد کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی توثیق فرمائی۔ ❷

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اوپر امیر مقرر کرنے سے اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ کسی شخص کو اس سے زیادہ اولو العزم اور عظیم المرتبت لوگوں پر امیر مقرر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اوّل الذکر اپنے عہدے کی مناسبت سے بھرپور صلاحیتوں کا مالک ہو۔

صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کی تمام تر فوجی کارروائی کا رُخ شمال کی طرف مڑ گیا تھا۔ اس وجہ سے جنوبی اور جنوب مغربی سمت میں مسلمانوں کی فوجی نقل و حرکت ختم ہوچکی تھی، کیونکہ صلح کی شرائط کے تحت مکہ اور اس کے گردونواح کے علاقے محفوظ اور پرامن تھے، تاہم امن و امان کی یہ صورت حال زیادہ عرصے تک باقی نہ رہ سکی۔ قریش کو سلامتی اور تحفظ کی یہ فضا کچھ زیادہ راس نہ آئی، انھوں نے معاہدہ توڑ دیا۔ اس طرح مکہ اور اس کے گردونواح میں مسلمانوں کی فوجی سرگرمیاں دوبارہ جاری ہوگئیں۔

⇐⇐⇐ ہیں جنھیں مغازی کے ساتھ اس حد تک دلی وابستگی تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب، ۵:۶۷)

❶ ابن قیم، زاد المعاد، ابن سعد سے بغیر سند کے نقل کرتے ہیں۔ (ابن حجر، فتح الباری، ۸:۷۴، ۷۵)

❷ اس ''صحیح'' حدیث کو ابوداود، دارقطنی، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا۔ (البانی، صحیح سنن ابی داود، حدیث: ۳۶۰، ۳۶۱)۔ امام احمد نے بھی اسے بیان کیا۔ مسند، ۴:۲۰۳، ایک سند کے ساتھ جس میں ابن لہیعہ شامل ہیں۔

Marfat.com

فتحِ مکہ

قریش نے اس وقت فاش غلطی کی، جب انھوں نے مسلمانوں کے حلیف بنوخزاعہ کے خلاف اپنے حلیف بنوبکر کی حمایت کی اور سپاہیوں، گھوڑوں اور اسلحے کے ذریعے ان کی مدد کرتے ہوئے بنوخزاعہ کو بھرپور نقصان پہنچایا۔ یہ واقعہ الوتیر نامی ایک چشمے کے قریب پیش آیا تھا جو خزاعہ کے علاقے میں واقع تھا۔ خزاعہ نے مسلمانوں سے مدد طلب کی۔ اس مقصد کے لیے قبیلہ خزاعہ کا ایک فرد عمرو بن سالم مدینہ گیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے کچھ اشعار پڑھے جن میں مدد کی درخواست کی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے سن کر فرمایا: ''عمرو بن سالم! تمھاری مدد ضرور کی جائے گی۔'' ❶

ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ بنوبکر نے خزاعہ کو پہلے حرم میں داخل ہونے پر مجبور کیا اور پھر حرم کے اندر ان سے جنگ کی۔ ❷ واقدی کا بیان ہے کہ اس جنگ میں خزاعہ کے ۲۰ افراد مارے گئے تھے۔ ❸ موسیٰ بن عقبہ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قریش کے جن سرداروں نے خزاعہ کے خلاف بنوبکر کی حمایت کی، ان میں صفوان بن امیہ، شیبہ بن عثمان اور سہیل بن عمرو شامل تھے اور انھوں نے ہتھیاروں اور غلاموں کے ذریعے بنوبکر کو امداد بہم

---

❶ ابن کثیر، البداية والنهاية، ۴:۲۷۸۔ ابن اسحٰق سے ایک ایسی سند کے ساتھ روایت ہے جو ''حسن لذاتہ'' ہے۔ ابن اسحٰق نے واضح طور پر تحدیث کا اعلان کیا ہے۔ طبرانی کی روایت میں یحییٰ بن سلیمان خزاعی ایک کمزور شاہد ہے۔ (المعجم الصغير، ۲:۷۳) مسند ابویعلی الموصلی میں ایک اور شاہد بھی ہے۔ (۴:۴۰۰) اس کی سند میں حزام بن ہشام الخزاعی شامل ہیں، یہ وہ شیخ ہیں جن کی حیثیت ''صدوق'' کی ہے، ان کے والد گرامی تابعی تھے، جن کے اوصاف نامعلوم ہیں۔ ابن حبان نے ان دونوں کو ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔ (ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶:۱۶۲)

❷ ابن ہشام، السيرة النبوية، ۲:۳۸۹، بغیر سند کے۔

❸ واقدی، مغازی، ۲:۷۸۴، ایک بہت کمزور سند کے ساتھ۔

Marfat.com

پہنچائی تھی۔" ❶

قریش کا یہ طرزِ عمل کھلم کھلا عہد شکنی پر مبنی تھا اور مسلمانوں کے اتحادی قبیلے کے خلاف ایک واضح جارحانہ اقدام تھا، اور قریش کو خود بھی اس صورتِ حال سے پیدا ہونے والے خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کریں، یا بنوبکر کے ساتھ معاہدہ ختم کریں، بصورتِ دیگر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ قریش نے ان تمام پیشکشوں کو مسترد کر دیا اور جنگ کرنا قبول کر لیا۔ اگرچہ بعد میں وہ اپنے اس فیصلے پر نادم ہوئے اور ابوسفیان کو اس درخواست کے ساتھ مدینہ روانہ کیا کہ صلح حدیبیہ کی تجدید کر دی جائے، لیکن ابوسفیان کو اپنی اس درخواست کی قبولیت میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ❷

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کس سمت میں روانہ ہونے والے ہیں۔ اس اخفا سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو کسی قسم کی جنگی تیاری کا موقع نہ مل سکے۔ ❸

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے گرد و نواح میں بسنے والے تمام قبائل کو جہاد کی دعوت دی۔ ان میں اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ، اشجع اور سلیم نامی قبائل شامل تھے۔ ان میں سے بعض قبائل مدینہ آ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور بعض راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوتے گئے۔ اس طرح اسلامی لشکر میں شامل مجاہدین کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ ❹ اس موقع پر تمام مہاجرین اور انصار رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

---

❶ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۲۸۱، موسیٰ بن عقبہ کی ایک روایت سے بغیر سند کے۔

❷ ابن حجر، المطالب العالیۃ، ۴۲۴۳، محمد بن عباد بن جعفر کی "مرسل" سے ایک "صحیح" سند کے ساتھ جس کا سلسلہ واپس ان کی طرف جاتا ہے۔ ابن حجر، فتح الباری، ۶: ۸۔ ابن عمر کی حدیث سے اور محمد بن عائذ دمشقی کی روایت سے۔ (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۲۸۳، واقدی، مغازی، ۲: ۷۸۶)

❸ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۲۸۳، ابن اسحٰق کی روایت سے ایک "صحیح" سند کے ساتھ۔

❹ ابن سعد، طبقات، ۲: ۳۹۷، بغیر سند کے۔

Marfat.com

پابہ رکاب تھے اور ان میں سے کوئی شخص بھی پیچھے نہیں رہا۔ ❶ اس سے عسکری طور پر متحرک ہونے میں مسلمانوں کی اعلیٰ استعداد اور صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لشکر جرار میں قبیلہ مزینہ کے ایک ہزار افراد اور قبیلہ سلیم کے بھی ایک ہزار (یا سات سو) افراد شامل تھے۔ ❷ مجاہدین کی اس تعداد کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ کے درمیانی دور میں مسلمانوں کی فوجی طاقت میں کتنی وسعت پیدا ہو چکی تھی۔

اس موقع پر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ نے، جو غزوۂ بدر میں شریک تھے، قریش کے نام ایک خط لکھا کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ یہ خط ایک معمر خاتون کے ذریعے مکہ بھیجا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو جونہی اس واقعہ کا علم ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو اس خاتون کے تعاقب میں روانہ فرما دیا، اور ان لوگوں نے روضۃ خاخ کے مقام پر جو مدینہ سے تقریباً ۱۲ میل کے فاصلے پر ہے، اس خاتون کو جا لیا۔ انھوں نے اسے دھمکی دی کہ خط ان کے حوالے کر دے، ورنہ اس کی تلاشی لی جائے گی۔ خاتون نے فوراً ہی خط ان کے حوالے کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ سے فرمایا: ''حاطب! یہ کیا معاملہ ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے معاملے میں جلد بازی نہ فرمایئے، دراصل قصہ یہ ہے کہ قریش سے میرا کوئی قرابتی تعلق نہیں ہے، بس جان پہچان کا رشتہ ہے۔ دیگر مہاجرین کے رشتہ دار مکہ میں موجود ہیں جو ان کے اہل خانہ اور ان کی جائیداد کی دیکھ بھال اور نگہبانی کرتے ہیں۔ چوں کہ میرا کوئی رشتہ دار مکہ میں موجود نہیں ہے، لہٰذا میں نے یہ کوشش کی کہ میں قریش کے ساتھ احسان کا معاملہ کروں تاکہ میرے اہل خانہ کو بھی مکہ میں تحفظ حاصل ہو جائے۔ بخدا میری نیت بری نہیں تھی۔ میں نہ کافر ہوا ہوں اور نہ ہی اپنا دین برباد کرنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے

---

❶ ابن اسحٰق، ایک ایسی سند کے ساتھ جو ''حسن لذاتہ'' ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۲:۳۹۹)

❷ ایضاً۔

Marfat.com

ہوئے فرمایا: ''اس (حاطب) نے یقیناً سچ کہا ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ (ﷺ!) اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حاطب رضی اللہ عنہ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے غزوۂ بدر میں حصہ لیا اور تمھیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ بدر کے بارے میں کیا فرمایا ہے، یعنی 'تم جو چاہو سو کرو، میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔'''

اس کے بعد یہ آیاتِ قرآن نازل ہوئیں:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَآءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَـٰدًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَآ أَخْفَيْتُمْ وَمَآ أَعْلَنتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيلِ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو، حالاں کہ تمھارے پاس جو دین حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں۔ رسول کو اور تم کو اس بناء پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے، شہر بدر کر چکے ہیں۔ اگر تم میرے راستے پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضا مندی ڈھونڈنے کی غرض سے نکلے ہو، تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو، حالاں کہ مجھے سب چیزوں کا خوب علم ہے، تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا، وہ راہِ راست سے بھٹکے گا۔'' [1] (الممتحنۃ:۱)

اس اعلان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے یہ قانون بنا دیا کہ مسلمانوں کو کفار سے کھلم کھلا بیزاری کا اظہار کرنا چاہیے اور مسلمانوں کو سختی سے ممانعت کردی کہ وہ کفار کو نہ تو

---

[1] صحیح بخاری، ۴:۷۲، ۷۹، ۵:۹۹، ۹:۲۳، مسلم، صحیح، ۲:۱۷۰۔

Marfat.com

اپنا جگری دوست بنائیں اور نہ اپنا خیر خواہ ہی سمجھیں۔

اسی واقعے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ بھی ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ کو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے خط بھیجنے کا علم ہوگیا اور جس خاتون کے ذریعے بھیجا گیا تھا، اس کا بھی پتہ چل گیا۔ اس موقع پر بہت سے دوسرے قوانین بھی وضع ہوئے۔ مثال کے طور پر جاسوس کے ساتھ برتاؤ، جاسوس کی جامہ تلاشی کا جواز اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ بھی قابل توجہ ہے کہ اگرچہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے ایک فاش اور بدترین غلطی کی تھی، لیکن اس کے باوجود انھیں کافر نہیں سمجھا گیا۔

رسول اللہ ﷺ رمضان ۸ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مسلمان روزے کی حالت میں تھے۔ جب وہ کدید نامی ایک چشمے پر پہنچے جو مکہ سے ۸۶ کلومیٹر اور مدینہ سے ۳۰۱ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا، وہاں انھوں نے روزہ افطار کیا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ نے اپنی غیر موجودگی میں ابو رہم کلثوم بن حصین الغفاری کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ ❷

مسلمانوں کا لشکر مرّ الظہران تک پہنچ گیا تھا اور قریش کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ یہ لشکر ۱۰ رمضان کو مدینہ سے روانہ ہوا تھا اور ۱۹ رمضان کو شہر مکہ میں داخل ہوگیا۔ یہ مغازی کی معروف ترین روایت ہے، ❸ البتہ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ مکہ کس تاریخ کو فتح ہوا۔ ۱۳ رمضان کو، ۱۶ کو، ۱۷ کو یا ۱۸ رمضان کو، لیکن تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوئی۔ ❹

---

❶ صحیح بخاری، ۵: ۱۸۵، ابن حجر، فتح الباری، ۴: ۱۸۰، ۱۸۱، نووی، المنہاج شرح صحیح مسلم ابن حجاج، ۳: ۱۷۳۔ انھوں نے فاصلے کا اندازہ مرحلوں اور میلوں میں لگایا۔

❷ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۳۹۹۔ ابن اسحٰق کی ایک روایت سے ایک ایسی سند کے ساتھ جو ''حسن لذاتہ'' ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ، ۴: ۲۴۸) حاکم نے اسے ''صحیح'' سمجھا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مسلم کی شرائط کے مطابق ہے، اگرچہ انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ (مستدرک، ۳: ۴۴) ذہبی ان سے متفق ہیں، لیکن ابن اسحٰق، بخاری اور مسلم کی شرائط پر نہیں چلتے، اور مسلم نے صرف متابعات میں روایت کیا ہے۔

❸ نووی، شرح مسلم، ۳: ۱۷۶۔ ❹ مسلم، صحیح، ۱: ۴۵۲، ۴۵۳، ابن سعد، طبقات، ۲: ۱۳۸۔

Marfat.com

ابھی مسلمان مکہ کے راستے ہی میں تھے کہ بہت سے مشرک سرداروں نے آ کر اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ ابواء کے مقام پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث جو رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے اور حضرت عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث وہ شخص تھے جو مسلمانوں کا مذاق اُڑایا کرتے تھے اور مسلسل ۲۰ سال تک اسلام کے خلاف برسرِ پیکار رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو اسلام کی روشنی سے منور کیا اور ان کے ایمان کو اتنا مضبوط کر دیا کہ حنین کے موقع پر وہ ان چند اصحاب میں شامل تھے جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں اس وقت سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈھال بن گئے تھے جب بقیہ تمام لوگ منتشر ہو گئے تھے۔ ❶ حضرت عبداللہ بن ابی امیہ کا شمار بھی اسلام کے بدترین مخالفوں میں ہوتا تھا، وہ حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے باپ شریک بھائی تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے اس وقت ملے جب آپ سقیا اور العرج کے درمیان تھے۔ یہ وہ مقامات ہیں جو مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے راستے میں آتے ہیں۔ انھوں نے دل و جان سے اسلام قبول کیا اور فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ بعد میں طائف کے محاصرے کے دوران وہ شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ ❷

جحفہ جو آج کل رابغ کے قریب ایک علاقہ ہے، کے مقام پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب ایک مہاجر کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ❸ وہ فتح خیبر سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے۔ ❹ بعض کمزور روایات سے پتا چلتا ہے کہ انھوں

---

❶ حاکم، مستدرک، ۳: ۴۳-۴۵، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ۔ حاکم نے کہا ہے کہ مسلم کے مطابق یہ حدیث ''صحیح'' ہے، اگرچہ انھوں نے اسے روایت نہیں کیا، اور ذہبی ان سے متفق ہیں۔ مزید دیکھیے، سیرۃ ابن ہشام، ۲: ۴۰۰، طبری، تاریخ، ۳: ۵۰۔ نیز دیکھیے: صحیح مسلم (۲: ۳۹۵) میں ان کے اسلام لانے کے متعلق ان کا قصیدہ۔

❷ ابن عبدالبر، الاستیعاب (اصابۃ کے حاشیے پر)، ۲: ۲۶۳۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۴۰۰، بغیر سند کے زہری سے نقل کیا۔

❹ عبدالرزاق، المصنف، ۵: ۴۶۶، احمد، مسند، ۲۱: ۲۲، فسادی/ المعرفۃ والتاریخ، ۱: ۵۰۷، ۵۰۹۔ ابن کثیر نے کہا ہے کہ ''شیخین (بخاری اور مسلم) کی شرائط کی رو سے یہ سند ''صحیح'' ہے، لیکن صحاح ستہ کے کسی مصنف نے اسے نقل نہیں کیا، سوائے نسائی کے۔'' (البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۲۱۷)

Marfat.com

نے معرکۂ بدر ❶ یا ہجرتِ مدینہ ❷ سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن ان ضعیف روایات کی نفی اس حقیقت سے ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے اس وقت فدیے کا مطالبہ کیا تھا جب وہ بدر کے موقع پر قیدی کی حیثیت سے مدینہ منورہ لائے گئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے اپنے قبولِ اسلام سے پہلے بھی اسلام کی معتدبہ خدمات انجام دی تھیں، وہ قریش کی خبریں رسول اللہ ﷺ کو بھیجا کرتے تھے اور مکہ میں مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کی خبر گیری بھی کرتے تھے۔

مسلمانوں کی فوج مرّ الظہران میں خیمہ زن ہوئی۔ قریش ابھی تک مسلمانوں کی اس لشکرکشی سے بے خبر تھے۔ مشرکینِ مکہ میں سے ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مسلمانوں کی سن گن لینے کے لیے شہر سے باہر نکلے تو ان کی ملاقات حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے ہوئی۔ وہ قریش کو یہ پیغام بھیجنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ وہ باہر آئیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صلح کی بات چیت کر لیں، قبل اس کے کہ آپ ﷺ طاقت کے ذریعے شہر میں داخل ہوں۔ ابوسفیان اور ان کے ساتھی آپس میں اس بات پر بحث کر رہے تھے کہ مرالظہران میں کون خیمہ زن ہے؟ بعض کہتے تھے کہ یہ خزاعہ کی فوج ہے۔ ان کی اس گفت وشنید سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے کس کامیابی کے ساتھ مکہ کی جانب اپنی پیش رفت کو پوشیدہ رکھا تھا۔

جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے انھیں یہ بتایا کہ یہ مسلمان فوج ہے جو یہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے تو ان لوگوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اب انھیں کیا کرنا چاہیے۔ انھوں نے ابوسفیان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ ان کی امان میں مسلمانوں کے خیموں

---

❶ ابن سعد، طبقات، ۴: ۱۰، یہاں اس کی سند میں حسین بن عبداللہ ہاشمی شامل ہیں جو ''ضعیف'' ہیں اور (طبقات ۴: ۱۱) میں اس سند میں واقدی شامل ہیں جو ''متروک'' ہیں، اور ابن ابی سبرہ ہیں جنھیں شہادت کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

❷ ابن سعد، طبقات، ۴: ۳۱۔ اس روایت کی سند میں واقدی شامل ہیں جو ''متروک'' ہیں، ابن ابوحبیبہ ہیں جو ''ضعیف'' ہیں اور سند ''منقطع'' ہے۔

Marfat.com

تک چلیں۔ ابوسفیان راضی ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ انھیں اپنی امان میں رسول اللہ ﷺ کے خیمے میں لے آئے۔ آپ ﷺ نے ابوسفیان کو اسلام کی دعوت دی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے نہایت نرمی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی، لیکن اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے جائیں اور اگلی صبح دوبارہ آپ ﷺ کے پاس واپس لائیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور اگلے روز ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔ مسلمانوں کے فوجی دستے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرے تو انھیں مسلمانوں کی سطوت وشوکت کا اندازہ ہوا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اب قریش مسلمانوں کو زیر نہیں کر سکتے۔ اسی دوران میں مہاجرین اور انصار پر مشتمل سپاہیوں کا ایک دستہ پرچم لہراتا ہوا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرا۔ اسی دستے میں حضور ﷺ بھی رونق افروز تھے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: ”خدا کی قسم! آج تمھارے بھتیجے کو بڑی بادشاہت ملی ہے۔“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”ابوسفیان! خدا تمھیں ہدایت دے، یہ بادشاہت نہیں، نبوت ہے۔“ اس کے بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے اور قریش کو مسلمانوں کی شان وشوکت اور طاقت وقوت سے مطلع کرتے ہوئے انھیں یہ مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کا راستہ روکنے کی کوشش نہ کریں۔ [1]

جب فوجی دستے شہر مکہ میں داخل ہو رہے تھے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ انصار کا پرچم بلند کیے ہوئے ابوسفیان کے سامنے سے گزرے تو یہ الفاظ ان کے منہ سے بے ساختہ نکل گئے: ”آج لڑائی کا دن ہے، آج کعبہ کی حرمت حلال کر دی جائے گی۔“ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ سعد رضی اللہ عنہ نے غیر مناسب الفاظ کہے ہیں۔

---

[1] ابن حجر، المطالب العالیۃ، ۴: ۲۴۴، ابن اسحٰق بن راہویہ کی روایت سے۔ ابن حجر نے کہا: ”یہ ایک ”صحیح“ حدیث ہے۔“ طحاوی (شرح معانی الآثار، ۳: ۳۲۲) نے کہا ہے: ”بخاری کے نزدیک یہ ”صحیح“ ہے۔ (۱۸۶:۵)، لیکن زیادہ تفصیلات کے ساتھ ہے۔“

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سعد رضی اللہ عنہ نے غلط کہا ہے، بلکہ آج اللہ تعالیٰ کعبے کو سربلند کرے گا اور آج کعبے کو عزت اور احترام کی چادر چڑھائی جائے گی۔'' ❶ آپ ﷺ نے یہ فرمانے کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ سے پرچم لے کر ان کے صاحبزادے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ ان کے بیٹے سے پرچم واپس لے لیا جائے، انھیں یہ خدشہ ہے کہ کہیں ان کے بیٹے سے بھی کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے، چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیٹے سے بھی پرچم واپس لے لیا۔ ❷

جب رسول اللہ ﷺ نے مر الظہران سے مکہ میں داخل ہونے کا فیصلہ فرمایا تو فوج کو مختلف ...... دائیں، بائیں اور مرکزی ...... حصوں میں تقسیم کر دیا اور ہر حصے پر ایک سپہ سالار مقرر کر دیا۔ دائیں حصے کی کمان حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید سنبھالے ہوئے تھے، بائیں بازو کے سالار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام تھے۔ پیدل فوج حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی تھی۔ حضور کا پرچم سیاہ رنگ کا اور علَم سفید تھا۔ ❸

پرچموں کی تقسیم کی بابت واقدی نے خاصا تفصیلی مواد فراہم کیا ہے۔ انھوں نے مجاہدین کی تعداد کے بارے میں جو تفصیل بیان کی ہے، اس کے مطابق مہاجرین کے ۷۰۰، انصار کے ۴۰۰۰، بنوسلیم کے ۴۰۰، جہینہ کے ۸۰۰، بنوکعب بن عمر کے ۵۰۰ افراد تھے، اس طرح مجاہدین کی کل تعداد ۶۴۰۰ ہو گئی تھی۔ ان مجاہدین کے پاس کل ۹۸۰ گھوڑے تھے، ❹ تاہم واقدی نے جو تعداد بیان کی ہے وہ اس تعداد سے مختلف ہے جو ''صحیح'' روایات کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔ واقدی کی روایت کو ''متروک'' (مسترد) سمجھا جاتا ہے، اس لیے یہ قابل اعتماد نہیں ہے، بالخصوص اس وقت جب کہ دوسرے ان سے اختلاف کرتے ہوں۔

---

❶ صحیح بخاری، ۵:۱۸۶۔ کذب (جھوٹ بولا ہے)، اخطا (غلطی کی ہے) کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

❷ ابن حجر، مختصر زوائد البزار، ۱:۲۴۸۔ انھوں نے کہا کہ یہ ''صحیح'' ہے۔

❸ ابن ماجہ، سنن، ۲:۹۴۱، ایسی سند کے ساتھ جو ''حسن لذاتہ'' ہے۔

❹ واقدی، مغازی، ۲:۷۹۹، ۸۰۱۔

Marfat.com

قریش نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی خاطر مختلف قبائل کے فوجی دستے جمع کر لیے تھے اور اس اقدام کے ذریعے انھوں نے اپنا تحفظ کرنے کی کوشش کی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر انھیں فتح ہوگئی تو وہ ان قبائل کی مدد کریں گے، بصورتِ دیگر وہ مسلمانوں سے صلح کرلیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر یہ قبائل مسلمانوں کا راستہ روکنے کی کوشش کریں تو ان سے جنگ کی جائے۔ مسلمانوں کی فوجیں مکہ میں داخل ہوگئیں اور کوہ صفا تک پہنچ گئیں، جس نے بھی مزاحمت کی، وہ مارا گیا۔ رسول اللہ ﷺ شہر کے بالائی حصے، یعنی کداء ❶ کی سمت سے مکہ میں داخل ہوئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید شہر کے زیریں حصے سے داخل ہوئے۔ ❷ قریش زیادہ دیر تک مدافعت نہ کر سکے۔ ابن اسحٰق کا کہنا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی خندمہ کے مقام پر کچھ مشرکوں سے جھڑپ ہوئی جس میں ۱۲ مشرک مارے گئے، ❸ جب کہ صرف تین مسلمان شہ سوار شہید ہوئے۔ موسیٰ بن عقبہ لکھتے ہیں کہ مرنے والے مشرکوں کی تعداد ۲۴ تھی۔ ❹ واقدی نے یہ تعداد ۲۸ بیان کی ہے۔ ❺ طبرانی کی ایک کمزور روایت کے مطابق ۷۰ مشرکین مارے گئے تھے۔ ❻

ان تمام روایات میں مضبوط ترین روایات ابن اسحٰق اور موسیٰ بن عقبہ کی ہیں جو مغازی کے سب سے زیادہ قابل اعتماد راوی ہیں۔ مجموعی طور پر موسیٰ بن عقبہ کی مغازی، سیرت ابن اسحٰق سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ایک گفتگو میں قریش کے مرنے والوں کی بڑی تعداد کا حوالہ ہے جس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ ممکن ہے

---

❶ صحیح بخاری، ۵:۱۸۹۔ ❷ ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۰۔

❸ السیرۃ النبویۃ، ۲:۴۰۷، ابن اسحٰق کی روایت سے ''مرسل''، ان کے دو شیوخ سے جو ''ثقہ'' ہیں۔ (حاکم، مستدرک، ۳:۲۴۱) بخاری نے صرف دو مسلمان شہداء کا ذکر کیا ہے۔

❹ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹:۱۲۰، ایک ایسی سند کے ساتھ جس میں ایک ایسا شخص شامل ہے جس کے حالات مجھے دستیاب نہیں ہو سکے۔ یہ موسیٰ بن عقبہ کی مراسیل میں سے ہے۔

❺ واقدی، مغازی، ۲:۸۲۷، ۸۲۹، بغیر سند کے۔

❻ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴:۲۹۷۔ اس کی سند میں شعیب بن صفوان ثقفی شامل ہیں جو ''مقبول'' ہیں، اس لیے یہ روایت ''ضعیف'' ہے۔

Marfat.com

موسیٰ بن عقبہ کی خبر زیادہ قرین قیاس ہو۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:
''یا رسول اللہ ﷺ! قریش کا خون بہت سستا ہو گیا ہے، آج کے بعد قریش کا وجود باقی نہیں رہے گا۔'' اس گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ قریش کے بے شمار افراد مارے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان یہ تھا کہ ''جو شخص حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائے گا، وہ محفوظ ہے، چناں چہ لوگ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو گئے اور باقی لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے۔

انصار کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو تحفظ کی جو یقین دہانی کرائی ہے، وہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کے اندر اپنی قوم کے لیے بے اندازہ جذبۂ ترحم پایا جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ مکہ میں مستقل قیام کا ارادہ فرمالیں، پھر فوراً ہی آپ ﷺ نے یہ فرما کر انھیں تسلی دی کہ: ''میں تمھارے ساتھ ہی جیوں گا اور تمھارے ساتھ ہی مروں گا۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوج کو یہ حکم دیا تھا کہ صرف ان لوگوں سے جنگ کریں جو ان کے راستے میں مزاحم ہوں، باقی تمام لوگوں کے لیے آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ دو خواتین اور چار مرد ایسے تھے جو عام معافی سے مستثنیٰ تھے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ وہ جہاں بھی ملیں، قتل کر دیے جائیں، خواہ کعبہ شریف کا پردہ پکڑے ہوئے پائے جائیں۔ ان مردوں کے نام یہ ہیں: عکرمہ بن ابی جہل، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ عبداللہ بن خطل [2] کو اس وقت قتل کیا گیا جب وہ خانۂ کعبہ کے پردے سے چمٹا ہوا تھا۔ مقیس بن صبابہ مکہ کے بازار میں پایا گیا، اسے وہیں قتل کر دیا گیا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح

---

[1] مسلم، صحیح، ۲: ۹۵، ۶: ۲۹۶، ۲۹۷۔

[2] ابن خطل نے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن بعد ازاں اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور خود مرتد ہو گیا۔ یہ حقیقت کہ اسے اس وقت قتل کیا گیا جب وہ خانۂ کعبہ کے پردے سے چمٹا ہوا تھا، اس بات کی غماز ہے کہ کعبہ کسی ایسے گنہگار کو تحفظ نہیں دیتا جو شریعت کی سزا کا مستحق ہو چکا ہو۔ سیرۃ ابن ہشام، ۲: ۴۰۱؛ ابن اسحٰق سے بغیر سند کے۔

Marfat.com

کسی نہ کسی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا، چناں چہ ان دونوں کی جانیں بخش دی گئیں۔ ❶

حافظ ابن حجر نے مختلف روایات سے ان تمام ناموں کو یکجا کیا ہے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سزائے موت سنائی تھی۔ یہ کل ۹ مرد اور آٹھ خواتین تھیں۔ ❷ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان پر ظلم وستم ڈھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ان لوگوں کو موت کی سزا دینے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ تمام لوگوں کو ہمیشہ کے لیے یہ سبق مل جائے کہ اسلام کی صفتِ احسان اور اس کے پیروکاروں کے جذبۂ ترحم سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے کوئی ظلم وستم کی جرأت نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ ﷺ نے خزاعہ کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ فتح مکہ کے پہلے روز عصر کے وقت تک بنوبکر سے اپنا انتقام لے لیں، کیوں کہ فتح سے قبل بنوبکر نے خزاعہ کے ساتھ غداری کی تھی اور حدیبیہ میں معاہدہ کرنے کے باوجود وہ اس غداری کے مرتکب ہوئے تھے۔

جب عصر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ اب مکہ ایک مقدس اور محترم مقام ہے۔ جب اس اعلان کے بعد خزاعہ نے ایک شخص کو انتقاماً قتل کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف سے خون بہا ادا کیا اور اس بات پر زور دیا کہ اب اگر کوئی شخص مارا گیا تو اس کے خاندان کو اختیار ہوگا

---

❶ نسائی، سنن (سیوطی، زہر الربا، ۷: ۱۰۵) اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے۔ حدیث میں دو شاہد ہیں، دونوں کو بیہقی نے روایت کیا۔ ان میں سے ایک کا ذکر ابن کثیر کے ہاں ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۲۹۹) اس سند میں عبداللہ بن خطل کے بجائے حکم بن عبدالعزیٰ بن خطل (ان کے نام کے متعلق کچھ اختلاف ہے) اور عکرمہ کے بجائے ام سارہ شامل ہیں۔ دوسرے شاہد کا ذکر السنن الکبریٰ (۹: ۱۲۰) میں ہے جن میں عمرو بن عثمان مخزومی شامل ہیں جو ''مقبول'' ہیں۔ وہ عکرمہ کے بجائے حویرث بن نقیذ کا ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ روایات ''ضعیف'' ہیں، لیکن ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں جس کی وجہ سے حدیث تاریخی معیار پر پورا اترتی ہے۔ یہ روایت کے ابن خطل کو قتل کیا جائے، خواہ وہ کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا پایا جائے، صحیحین میں موجود ہے۔ (صحیح بخاری، ۵: ۸۸، صحیح مسلم، ۱: ۵۷۰)

❷ ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۱۱، ۱۲

Marfat.com

کہ منصفانہ طور پر بدلہ لے لے، یا دیت وصول کر لے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی جانب سے اہل مکہ کی اکثریت کو عام معافی دے دی گئی، حالاں کہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے مشن کو ہر مرحلے پر شدید ترین نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور آج مسلم افواج ان لوگوں کو مکمل طور پر نیست و نابود کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ جس وقت مکہ کے سپوت خانۂ کعبہ کے گرد جمع تھے اور رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے منتظر تھے، اس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک سے عام معافی کا فیصلہ صادر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''تمھارے خیال میں اس وقت میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟'' لوگوں نے جواب دیا اچھا سلوک! مہربان بھائی اور مہربان بھائی کا بیٹا آپ نے سورۂ یوسف کی یہ آیت پڑھی: ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ [یوسف:۹۲] ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کرے۔'' [2] اس بعد یہ قرآنی آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴾

''اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمھارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔''

(النحل:۱۲۶)

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر بے مثال بردباری اور تحمل کا مظاہرہ فرمایا، باوجود یہ

---

[1] احمد نے اسے مسند میں روایت کیا اور اس کی سند ''حسن لذاتہ'' ہے۔ (الفتح الربانی، ۱۵۹:۱۲) مزید دیکھیے: مسند کی حدیث (۳۲:۴) ی کی ''حسن'' 'سند' کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔ یہاں ابن اسحٰق نے واضح طور پر تحدیث بیان کی ہے۔ مزید دیکھیے: مسند میں ایک اور روایت (۳۱:۴) جس میں مسلم بن یزید السعدی شامل ہیں جو ''مقبول'' ہیں، لیکن کچھ متابعات پائے گئے تھے، اس لیے روایت ''حسن لغیرہ'' کے درجے تک قوی ہوگئی ہے۔

[2] ابوعبید، الاموال، ۱۴۳، ''حسن'' لیکن ''مرسل'' سند کے ساتھ روایت ہے۔ مزید دیکھیے: ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۱۲۔ ایک ایسی سند کے ساتھ ابن اسحٰق کی روایت ہے جس میں کچھ مجہول راوی شامل ہیں۔

Marfat.com

کہ لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا تھا، آپ ﷺ نے سب کو معاف کرنے ہی کا فیصلہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے کمالِ اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے محض اللہ کی رضا کی خاطر لوگوں کو سزا دینے سے اجتناب کیا اور ارشاد فرمایا: ''ہم صبر سے کام لیں گے اور کسی کو سزا نہ دیں گے۔'' ❶

اس عام معافی کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کی جانیں محفوظ ہوگئیں، وہ قید و بند کے خطرات سے آزاد ہوگئے اور تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیدادوں کی ملکیت بدستور ان کے مالکوں کے حق میں محفوظ رہی اور ان پر کسی قسم کے محصولات بھی عائد نہ کیے گئے۔ دیگر مفتوحہ علاقوں کے مقابلے میں شہرِ مکہ کے بارے میں مختلف معاملہ کیا گیا، کیوں کہ یہ ایک مقدس اور محترم مقام تھا، ایک ایسا مقام جو دنیا بھر کے لوگوں کے لیے مقام حج، عبادت گاہ اور اللہ تعالیٰ کی نظروں میں محترم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ متقدمین اور متاخرین فقہاء کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ مکہ کی زمین کو فروخت کرنا، یا اس شہر کے مکانات کو کرائے پر دینا جائز نہیں ہے۔ ❷ یہ شہر ان لوگوں کی جائے سکونت ہے جو یہاں پہلے وارد ہوئے، وہ اپنی ضرورت کے مطابق جگہ استعمال کر سکتے ہیں اور اس کے بعد جو جگہ بچتی ہے، وہاں ان لوگوں کو رہائش اختیار کرنے کا حق حاصل ہے جو دور دور سے حج وعمرہ اور عبادت کی غرض سے وہاں آتے ہیں، تاہم بعض فقہاء کی رائے میں مکہ کی زمین کو فروخت کرنا اور اس کے مکانات کو کرائے پر دینا جائز ہے۔ جو لوگ جواز کے قائل ہیں، ان کے دلائل مضبوط ہیں، اور جو عدم جواز کے قائل ہیں، ان کی بنیاد ''مرسل'' اور ''موقوف'' احادیث پر ہے۔ ❸

---

❶ احمد، مسند، ۳: ۱۳۵، ترمذی، سنن، ۴: ۳۶۱، ۳۶۲۔ دونوں سندیں ایک دوسری کی تائید کر کے اسے ''حسن'' کے درجے تک پہنچا دیتی ہیں۔ احمد کی سند میں ہدیہ المروزی شامل ہیں جو ''صدوق'' ہیں، لیکن ممکن ہے کہ کچھ بے ترتیبی کا شکار ہوئے ہوں۔ ترمذی کی سند میں ربیع بن انس شامل ہیں جو ''صدوق'' ہیں، لیکن بعض اوقات الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں اور عیسیٰ بن عبید الکندی شامل ہیں جو ''صدوق'' ہیں۔ حاکم کہتے ہیں: ''سند ''صحیح'' ہے، اگرچہ بخاری اور مسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔'' اور ذہبی ان سے متفق ہیں۔ (مستدرک، ۲: ۳۵۹)

❷ ابن قیم، زاد المعاد، ۲: ۱۹۴۔ اہل مکہ میں یہ مجاہد اور عطاء کا مذہب ہے، اہل مدینہ میں مالک کا اور اہل عراق میں ابوحنیفہ کا، اور سفیان ثوری، امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ بھی یہی مذہب رکھتے ہیں۔ ❸ ایضاً۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں اپنے گھر پر قیام نہیں فرمایا، بلکہ آپ ﷺ کے لیے الحجون نامی ایک جگہ پر خیمہ نصب کیا گیا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں قریش نے بنو ہاشم کا مقاطعہ کرنے کا عہد کیا تھا۔ جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ سے پوچھا: ''کیا آپ اپنے مکان پر قیام فرمائیں گے؟'' آپ ﷺ نے جواباً فرمایا: ''عقیل نے کوئی مکان یا قطعۂ زمین چھوڑا ہی کب ہے؟'' پھر آپ ﷺ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مسلمان غیر مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا۔ ❶ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، ابوطالب کے وارث تھے۔ انھوں نے اور ان کے بھائی طالب نے مل کر اپنے والد کے تمام مکانات فروخت کر دیے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ابوطالب کی وراثت میں سے کچھ نہیں پایا تھا، کیوں کہ ابوطالب کا انتقال حالت کفر میں ہوا تھا۔ ❷

جب رسول اللہ ﷺ مکہ شہر میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے رویے میں تکبر اور فخر نام کی کوئی چیز نہ تھی، بلکہ آپ ﷺ کا سرِ مبارک عجز و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکا ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اظہارِ تشکر آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے عیاں تھا۔ زبان مبارک پر سورۃ الفتح کی آیات جاری تھیں۔ آپ ﷺ کی آواز میں ارتعاش تھا۔ ❸ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے، اسی حالت میں آپ ﷺ نے کعبے کا طواف کیا اور اپنی چھڑی سے رکنِ یمانی کی طرف اشارہ کیا۔ اس عمل سے آپ ﷺ کے پیش نظر ایک مقصد تو یہ تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کو دھکے دے کر اور زور آزمائی کر کے رکنِ یمانی کو چھونا نہیں چاہتے تھے، دوسرے اس عمل کے ذریعے اُمت کو بھی یہی سبق دینا مقصود تھا۔ ❹

---

❶ صحیح بخاری، ۵:۱۸۷، مسلم، صحیح، ۱:۵۶۷

❷ ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۵

❸ صحیح بخاری، ۵:۱۸۷۔

❹ ابوداود، سنن، ۱:۴۴۳، ایسی سند کے ساتھ جو ''حسن لذاتہ'' ہے۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳:۲۴۴، طبرانی سے مروی سند کے ساتھ جس کے افراد ''صحیح'' ہیں۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ مکہ ایک محترم مقام (حرم) ہے اور اب فتح کے بعد اس پر کبھی حملہ نہیں کیا جائے گا۔ ❶ آپ ﷺ نے قریش کو بھی اونچا مقام عطا کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا کہ فتح مکہ سے لے کر یومِ قیامت تک کسی قریشی کو نہ گرفتار کیا جاسکے گا اور نہ قتل ہی کیا جاسکے گا۔ ❷

آپ ﷺ نے یہ حکم بھی دیا کہ خانۂ کعبہ کے اندر موجود تمام بتوں کو توڑ کر خانہ کعبہ کو پاک صاف کردیا جائے۔ آپ ﷺ نے بذاتِ خود اس کام میں حصہ لیا۔ آپ ﷺ ایک ایک بت کو زمین پر گرا کر توڑتے جاتے تھے اور یہ قرآنی آیت تلاوت کرتے جاتے تھے:

﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ ﴾

''اور کہہ دیجیے کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا، واقعی باطل چیز تو یونہی آتی جاتی رہتی ہے۔'' ❸ (الاسراء:۸۱)

خانۂ کعبہ کے اندر ۳۶۰ بت تھے۔ ❹ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحٰق علیہم السلام کی تصاویر کو زعفران سے ڈھک دیا۔ یہ تصاویر کعبہ کے اندر بنی ہوئی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں فال کے تیر تھمائے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ انھیں (کفار کو) غارت کرے، ابراہیم علیہ السلام نے کبھی فال کے تیر نہیں اُٹھائے۔'' ❺ ایک روایت میں ہے کہ خانۂ کعبہ کے اندر حضرت مریم صدیقہ کی تصویر بھی موجود تھی۔ ❻ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک خانۂ کعبہ کے اندر داخل نہیں ہوئے، جب تک ان تصاویر کو مٹا نہیں دیا گیا۔ ❼ اس کے بعد آپ ﷺ اندر داخل ہوئے، پھر آپ نے سامنے کے دو

---

❶ ترمذی، سنن، ۳: ۸۳۔ انھوں نے کہا: ''یہ حسن صحیح ہے۔'' احمد، مسند، ۴: ۴۱۲، ایسی سند کے ساتھ جو ''حسن لذاتہ'' ہے۔ ❷ مسلم، صحیح، ۲: ۹۷، احمد، مسند، ۳: ۴۱۲، ایک صحیح سند کے ساتھ۔

❸ مسلم، صحیح، ۲: ۹۵، ۹۶، ۲۹۶، ۲۹۷۔ ❹ صحیح بخاری، ۵: ۱۸۸، مسلم، صحیح، ۲: ۹۷۔

❺ صحیح بخاری، ۵: ۸۸، احمد، مسند، ۱: ۳۶۵، ایک صحیح سند کے ساتھ۔ بصیری، اتحاف الخیرۃ المھرۃ، جلد ۳، ایک ''حسن سند'' کے ساتھ۔ ❻ صحیح بخاری، ۴: ۱۶۹۔

❼ ایضاً، ۵: ۱۸۸۔

Marfat.com

ستونوں کے درمیان کھڑے ہوکر دو رکعت نماز ادا کی۔ کعبے کو چھ ستونوں کے اوپر تعمیر کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس طرح نماز ادا کی کہ آپ ﷺ کی پشت خانۂ کعبہ کے دروازے کی طرف تھی، دو ستون آپ ﷺ کے بائیں جانب، ایک ستون آپ کے دائیں جانب اور تین ستون آپ ﷺ کی پشت پر تھے۔ (1) نماز ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ خانۂ کعبہ سے باہر تشریف لائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ کو آواز دی اور کعبہ کی کنجی انھیں دے دی۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی کعبے کی تولیت بنو شیبہ کے پاس تھی اور اب بھی انہی کے پاس رہنے دی گئی۔ (2)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور خانۂ کعبہ کا طواف کرنا شروع کیا۔ آپ ﷺ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی تکبیر اور تہلیل کر رہے تھے: (لا الہ الا اللہ واللہ اکبر)۔ اس وقت آپ ﷺ احرام کی حالت میں نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے سر پر ایک خود پہنی ہوئی تھی، پھر آپ نے ایک سیاہ عمامہ زیبِ تن فرمایا۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اگر کوئی شخص حج و عمرہ ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مکہ شہر میں بغیر احرام کے داخل ہو جائے۔ (3)

اس طرح کعبۃ اللہ شرک کی ہر آلائش اور جاہلیت کے ہر شرم ناک فعل سے پاک صاف ہو گیا، اور ایک بار پھر اسی حالت میں واپس آ گیا جو ربِ ذوالجلال کو مطلوب تھی اور جس کی تمنا ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے اس کی تعمیر کے وقت کی تھی کہ یہ گھر باری تعالیٰ کی پرستش کا مرکز بن جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک صاف کرنا دراصل جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستی پر کاری ضرب تھی، کیوں کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں خانۂ کعبہ بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز بن چکا تھا۔

---

(1) ایضاً، ۱:۱۰۹، ۱۱۰، ۵:۲۲، صحیح مسلم، ۱:۵۵۶۔

(2) اس کے متعلق متعدد ''مرسل'' اور ''منقطع'' روایات نقل کی گئی ہیں۔ وہ سب کی سب جب آپس میں ملتی ہیں تو قوی ہو جاتی ہیں۔ (دیکھیے، عبدالرزاق، مصنف، ۵:۸۳، ۸۵، ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۹)

(3) صحیح بخاری، ۳:۲۱، صحیح مسلم، ۷۰، نووی، شرح علی صحیح مسلم، ۳:۵۰۸۔

Marfat.com

فتح مکہ کے فوراً بعد سب سے پہلے خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو نخلہ کی طرف روانہ کیا، تاکہ وہاں کے بڑے بت العزیٰ کو توڑا جاسکے۔ یہ وہ بت تھا جسے قبیلہ مُضر کے لوگ بڑی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے اس بت کو توڑنے کا فریضہ انجام دیا۔ ❶ اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو سواع روانہ کیا تاکہ اس علاقے کے بڑے بت ہذیل کو توڑا جاسکے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے اسے اپنے ہاتھ سے توڑا۔ ❷ اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن زید الاشہلی کو مشلّل میں موجود بت مناۃ کو توڑنے کی مہم پر روانہ کیا گیا۔ (مشلّل ایک علاقہ ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستے میں قدید کے نزدیک واقع ہے۔) انھوں نے اس بت (مناۃ) کو توڑ دیا۔ ❸ اس طرح بت پرستی کے تمام بڑے بڑے مراکز ملیا میٹ کر دیے گئے جن کا ذکر قرآنِ کریم میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ ﴾

(النجم: ۱۹، ۲۰)

”بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں غور بھی کیا ہے؟“

سورۃ النصر قرآنِ کریم کی وہ سورۃ ہے جو فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی:

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ ﴾

”جب خدا کی مدد اور فتح آ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین، یعنی اسلام میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجیے اور اس سے استغفار کی درخواست کیجیے۔ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔“ ❹ (النصر ۱، ۳)

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۳۶، ابن سعد، طبقات، ۲: ۱۴۵۔ اس کی تباہی کے متعلق کوئی روایت صحیح ثابت نہیں ہوئی۔

❷ ابن سعد، طبقات، ۲: ۱۴۶۔ ❸ ایضاً، ۲: ۱۴۶ ❹ صحیح بخاری، ۵: ۱۸۹۔

Marfat.com

عرب کے عام لوگ، گویا اس بات کے منتظر تھے کہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان جو نزاع پایا جاتا ہے، وہ ختم ہو۔ جونہی مکہ فتح ہوا، لوگ بڑی تعداد میں آگے بڑھ کر اسلام قبول کرنے لگے۔ ❶ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن سلمہ الجرمی کہتے ہیں: ''عرب اسلام قبول کرنے میں اس وقت تک متأمل تھے، جب تک انھوں نے یہ نہیں دیکھ لیا کہ جیت کس کی ہوگی۔ وہ لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ 'ابھی انتظار کرو اور دیکھو کہ کون فتح یاب ہوتا ہے؟ اگر محمد (ﷺ) نے قریش کو شکست دے دی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ سچے پیغمبر ہیں' چناں چہ جونہی فتح ہمارا مقدر بنی، چاروں طرف سے تمام قبائلِ عرب اسلام قبول کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔'' ❷

ابن اسحٰق فتح مکہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عرب، اسلام کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے اس وقت تک ہچکچا رہے تھے، جب تک رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان دوٹوک فیصلہ نہیں ہوگیا۔ یہ جھجک اس وجہ سے تھی کہ قریش کو تمام لوگوں کی سرداری حاصل تھی، وہ کعبہ کے متولی اور نگران تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسماعیل کی اولاد میں شامل تھے اور عرب کے تمام سرداروں نے اس بات کو قبول کر رکھا تھا۔ قریش وہ لوگ تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کا آغاز کیا تھا۔ جب مسلمانوں کے ہاتھوں مکہ فتح ہوگیا اور قریش نے سرِ تسلیم خم کر کے اسلام قبول کرلیا تو عرب قبائل نے یہ محسوس کیا کہ ان کے اندر اتنا دم خم نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کریں، یا ان کے خلاف کسی قسم کی جارحیت کا مظاہرہ کریں تو انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہونے کا اعلان کردیا جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خود فرماتے ہیں: ''چاروں طرف سے لوگ جوق در جوق رسول ﷺ کی طرف آرہے ہیں۔'' ❸

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں متعدد خطبے ارشاد فرمائے۔ پہلا خطبہ آپ ﷺ نے

---

❶ ایضاً، ۵:۱۹۱۔ ❷ ابن سعد، طبقات، ۱:۲:۷۰۔ ❸ سیرۃ ابن ہشام، ۲:۵۶۰۔

Marfat.com

خانۂ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ اس خطبے میں آپ ﷺ نے قتلِ عمد پر واجب الادا خون بہا کی تشریح فرمائی۔ آپ ﷺ نے جاہلیت کی تمام رسوم کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا جس میں انتقام کی رسم بھی شامل تھی، لیکن آپ ﷺ نے دو چیزوں کو برقرار رکھنے کا حکم دیا: ''حجاج کرام کو پانی پلانے کا فریضہ اور کعبے کی تولیت کی ذمہ داری۔'' ❶

دوسرے خطبے میں آپ ﷺ نے وہ تمام معاہدے کالعدم کیے جانے کا اعلان کیا جو زمانۂ جاہلیت میں کیے گئے تھے، سوائے ان معاہدوں کے جو اصلاح کی خاطر یا حق کا بول بالا کرنے یا اہلِ قرابت کی اعانت کے لیے گئے ہوں۔ ❷

تیسرے خطبے میں آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ مکہ ایک حرم ہے، جہاں شکار کھیلنا، جنگلی پودے اکھاڑنا، درخت کاٹنا اور گری پڑی چیز کو اُٹھانا اور لینا حرام ہے۔ مکہ کی حدود کے اندر جنگ کی ممانعت ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ وضاحت بھی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے موقع پر بہت تھوڑی مدت کے لیے آپ ﷺ کو جنگ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ ❸ آپ ﷺ نے مزید وضاحت فرمائی کہ فتح مکہ کے بعد مدینہ کی جانب ہجرت کی ضرورت باقی نہیں رہی، صرف جہاد اور اس کی نیت باقی ہے۔ ❹ اگرچہ مدینہ کی جانب ہجرت کرنا اب فرض نہیں رہا، تاہم ایک کافر ملک سے اسلامی مملکت میں ہجرت کرنے کا حکم قیامت تک برقرار رہے گا۔ ❺ مدینہ کی طرف ہجرت کرنا اس وقت اس لیے ضروری قرار دیا گیا تھا کہ مسلمان امن اور سکون کے ساتھ اپنے مالک کی عبادت کرسکیں، مدینہ کو ایک مضبوط اسلامی ریاست کی شکل دے سکیں، اور اس ریاست کی نہ صرف حفاظت کریں، بلکہ جہاد کے ذریعے اس کی سرحدوں کو وسعت دینے کے بھی قابل ہوں۔

---

❶ احمد، مسند، ۳: ۴۱۰، ایسی سند کے ساتھ جو ''حسن لذاتہ'' ہے۔ ابوداؤد، سنن، ۲: ۴۹۲، ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ۔

❷ صحیح مسلم، ۲: ۴۰۹، احمد، مسند، ۲: ۲۱۵۔ ان کی سند میں عبدالرحمٰن بن عیاش شامل ہیں جو ''صدوق'' ہیں اور بعض اوقات معاملات کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔

❸ صحیح بخاری، ۳: ۱۷، صحیح مسلم، ۲: ۵۶۸

❹ صحیح بخاری، ۳: ۱۸، ۴: ۲۸۔

❺ ابن حجر، فتح الباری، ۴: ۴۹، ۷: ۲۷۰۔

Marfat.com

فتح مکہ کے بعد ہجرتِ مدینہ کی ضرورت اس لیے باقی نہیں رہی تھی کہ اب اسلام طاقت ور ہو چکا تھا اور اب مسلمانوں کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ اپنے گھروں میں رہ کر عبادات انجام دیں اور دنیا کے گوشے گوشے کو اسلام کے نور سے منور کر دیں۔ جہاد کو قیامت تک باقی رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سے اسلام، ایمان اور جہاد پر بیعت لیا کرتے تھے، ہجرت پر نہیں۔ ❶ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس بات کی وضاحت اپنے اس قول سے کی ہے: ''فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم منسوخ کر دیا گیا، مگر جب تک جہاد جاری رہے گا، ہجرت بھی باقی رہے گی۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک دنیا میں کوئی نہ کوئی کافر علاقہ موجود ہے، ہر اس شخص پر ہجرت فرض رہے گی جو اس علاقے میں رہتے ہوئے اسلام قبول کرے اور اسے یہ خوف ہو کہ اسے اس کے دین کے معاملے میں آزمائش کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ❷

اپنے چوتھے خطبے میں آپ ﷺ نے یہ وضاحت فرمائی کہ اگر کسی کا رشتے دار ناحق مارا جائے تو اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ چاہے تو قصاص لے لے اور چاہے تو دیت۔ ❸

فتح مکہ کے موقع پر شریعت کے بہت سے احکام جاری ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مسافر کو یہ اجازت دی گئی کہ اگر وہ چاہے تو سفر کے دوران میں رمضان کا روزہ رکھے اور اگر چاہے تو نہ رکھے، اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا، کیوں کہ جس وقت مسلمان فوج نے مدینہ سے اپنے سفر کا آغاز کیا تو کدید کے مقام تک رسول اللہ ﷺ نے روزے رکھے، اس کے بعد آپ ﷺ نے روزہ نہیں رکھا۔ ❹

۲۔ اسی سفر میں رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ الضحیٰ ادا فرمائی جو آٹھ رکعات پر مشتمل تھی۔ ❺ یہ نماز سنت مؤکدہ ہے۔

۳۔ جس شخص کو قرآن زیادہ یاد ہو، اسے نماز کی امامت کرنے کا حق زیادہ ہے۔ ❻

---

❶ صحیح بخاری، ۵:۷۲، ۱۹۳، صحیح مسلم، ۲:۲۶۔
❷ ابن حجر، فتح الباری، ۷:۲۷۰۔
❸ صحیح بخاری، ۱:۳۸، صحیح مسلم، ۱:۵۶۹۔
❹ صحیح مسلم، ۱:۴۵۱
❺ صحیح بخاری، ۵:۱۸۹، صحیح مسلم، ۱:۲۸۹۔
❻ صحیح بخاری، ۵:۱۹۱۔

Marfat.com

۴۔ اسی سفر کے دوران میں اس طویل ترین مدت کا بھی تعین ہو گیا جس میں ایک مسافر اپنی نماز قصر کرسکتا ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ۱۹ دن قیام فرمایا اور اس دوران میں آپ ﷺ نے اپنی نمازیں قصر کیں۔'' ❶

۵۔ خواتین کی طرف سے امان دینا جائز قرار دیا گیا۔ ام ہانی نے دو مردوں کو جوان کے سسرالی رشتے دار تھے، امان دی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی دی ہوئی امان پر مہرِ تصدیق ثبت کی۔ ❷ فقہائے کرام اس پر متفق ہیں کہ خواتین کو امان دینے کا حق حاصل ہے۔ ❸

۶۔ متعہ حرام قرار دیا گیا۔ اس موقع پر تین دن کے لیے متعہ حلال کیا گیا تھا، اس کے بعد ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا گیا۔ ❹ دراصل متعہ کی حرمت اور حلت دو مرتبہ واقع ہوئی۔ فتح خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا اور خیبر کے روز حرام کیا گیا۔ اس کے بعد فتح مکہ کے روز حلال کیا گیا اور تین روز گزرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا اور اب یہ حرمت قیامت تک باقی رہے گی۔ ❺

۷۔ اس قانون کی توضیح بھی ہوئی: ''بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زنا کار کے لیے سنگساری ہے۔'' یہ قانون جس پس منظر میں وضع ہوا، وہ ایک باندی کے بچے کا واقعہ ہے۔ باندی کا نام زمعہ تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ کے درمیان بچے کی ولدیت پر جھگڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا، کیوں کہ بچہ باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا۔ ❻

۸۔ اسی زمانے میں وہ قانون بھی وضع ہوا جو صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل جیسے مشرکین کے بارے میں تھا جن کی بیویاں ان سے پہلے مسلمان ہو گئی تھیں۔

---

❶ ایضاً، ۵:۱۹۰۔ ❷ ایضاً، ۴:۱۲۲۔
❸ خطابی نے یہ رائے دی ہے۔ (عون المعبود، ۷:۴۴) ❹ صحیح مسلم، ۱:۵۸۶، ۵۸۷۔
❺ نووی، شرح صحیح مسلم، ۳:۵۵۳۔ ❻ صحیح بخاری، ۹:۱۹۱۔

Marfat.com

اس سلسلے میں ان مشرکوں کا نکاح اپنی مومنہ بیویوں کے ساتھ برقرار رکھا گیا، کیوں کہ بیویوں کی عدت گزرنے سے قبل ہی ان کے شوہروں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ❶

۹۔ وصیت کا قانون: کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی ایک تہائی میراث سے زیادہ کے بارے میں وصیت کرے۔ اس قانون کا علم ہمیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے واقعے کے ذریعے ہوتا ہے۔ جب وہ بیمار پڑے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک تہائی مال سے زیادہ کے بارے میں وصیت کرنے کی ممانعت کر دی۔ ❷

۱۰۔ عورت کو یہ حق حاصل ہوا کہ اگر اس کا شوہر اسے ضرورت کے مطابق رقم نہ دیتا ہو تو وہ اپنی اور بچوں کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے شوہر کے مال میں سے لے سکتی ہے۔ یہ اجازت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ کے واقعے کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے، ہند بنت عتبہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں استفسار کیا تھا۔ ❸

۱۱۔ شراب، مردار اور بت فروخت کرنے کی ممانعت ہوئی۔ ❹

۱۲۔ مہندی یا زردی کے ذریعے سفید بال رنگنے کی اجازت دی گئی۔ اس حکم کی وضاحت حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے واقعے سے ملتی ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے سفید بالوں کو خضاب کر لیں۔ ❺

۱۳۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے بارے میں سفارش کرنے کی ممانعت ہوئی، جب کہ سربراہ مملکت کے علم میں کوئی معاملہ آ چکا ہو، جیسا کہ اس مخزومی عورت کے بارے میں پیش آیا جس کا ہاتھ چوری کی سزا کے طور پر کاٹ دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما پر بہت ناراض ہوئے، جب انھوں نے اس خاتون کو معاف

---

❶ مالک بن انس، المؤطا (زرقانی، شرح موطا، ۳: ۱۵۶، ۱۵۷) ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۱۷۔
❷ ترمذی، سنن، ۳: ۲۹۱۔ ان کا کہنا ہے کہ "یہ ایک "حسن صحیح" حدیث ہے۔" مزید دیکھیے: ابن حجر، فتح الباری، ۵: ۳۶۹۔
❸ صحیح مسلم، ۲: ۶۰۔
❹ صحیح بخاری، ۳: ۱۱۰، صحیح مسلم، ۱: ۶۸۹، ۶۹۰۔
❺ صحیح مسلم، ۲: ۲۴۴۔

Marfat.com

کرنے کی سفارش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''لوگو! تم سے پہلی قومیں اسی لیے تباہ و برباد ہوگئیں کہ ان لوگوں میں جب اونچے طبقے کا کوئی شخص چوری کرتا تو اسے معاف کردیا جاتا تھا اور جب کوئی نچلے درجے کا شخص چوری کرتا تو اس کے اوپر سزا نافذ کردی جاتی تھی۔ اس خدا کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔'' ❶

مذکورہ بالا حدیث سے اس امر کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ شریعت کے قوانین کے سامنے تمام لوگ برابر ہیں، اور یہ حدیث امرائے مملکت کو یہ تنبیہ کرتی ہے کہ حدود کا نفاذ کمزور اور قوی دونوں پر یکساں اور مساوی بنیادوں پر ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ کسی بھی ریاست یا معاشرے کی بقا کا دارومدار انصاف کے قیام پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی ریاست ظلم کی بنیاد پر قائم ہے تو اس کے دشمن اس کی تباہی کے لیے راستہ نکال لیتے ہیں، کیوں کہ ریاست کا ظلم مظلوموں کو یہ موقع فراہم کردیتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے قریب ہوجائیں اور ریاست کو زوال و انتشار سے دوچار کرنے کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔

فتح مکہ کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ مشرکین کی قیادت قریش سے نکل کر دو قبائل ہوازن اور ثقیف میں منتقل ہوگئی۔ ان دونوں قبائل نے فوری طور پر مشرکین کی قیادت سنبھال کر اس خلا کو پر کرنا چاہا جو قریش کی شکست سے پیدا ہوگیا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کردی جو غزوۂ حنین اور محاصرۂ طائف پر منتج ہوئی اور ابن اسحٰق کے مطابق فتح مکہ کے فوراً بعد سریہ طفیل بن عمرو الدوسی کا واقعہ ہوا، جہاں پر عمرو بن حممہ کا ذوالکفین نامی بت جلایا گیا۔

---

❶ صحیح بخاری، ۵:۱۹۲، صحیح مسلم، ۲:۴۷۔

Marfat.com

غزوۂ حنین

ہوازن شمالی عرب کا ایک معروف قبیلہ تھا جس کا تعلق عربوں کے مضری عدنانی سلسلے سے ہے۔ ہوازن کے بہت سے ذیلی قبائل تھے جن میں سے ایک ثقیف تھا۔ قبیلہ ثقف کے لوگ طائف شہر کے اندر اور اس کے گردونواح میں سکونت پذیر تھے، جب کہ ہوازن کی دیگر شاخیں تہامہ میں بحرِ احمر کے ساتھ ساتھ، شام کی جنوبی حدود سے یمن کی شمالی حدود تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ❶

زمانۂ جاہلیت میں ثقیف کے علاقے میں عربوں کے بازار لگا کرتے تھے۔ ان بازاروں میں سے ایک مشہور عکّاظ کا بازار تھا جو نخلہ اور طائف کے درمیان لگا کرتا تھا۔ ان بازاروں میں جہاں تاجر خرید و فروخت کیا کرتے تھے، وہیں ادب اور شاعری کے مقابلے بھی منعقد ہوا کرتے تھے۔ اسی قسم کا ایک اور بازار تھا جو ذوالمجاز کہلاتا تھا اور عرفہ کے قریب، یعنی طائف کی سمت میں عرفہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر لگتا تھا۔ ان کے علاوہ ایک بازار کا نام مَجَنّہ تھا۔ یہ بازار مرّالظہران میں لگتا تھا جو طائف کی نسبت مکہ سے قریب پڑتا تھا۔ ❷

ان بازاروں سے ثقیف کے لوگوں کو بہت زیادہ فوائد حاصل ہوتے تھے، وہ ان میں تجارتی اشیاء بیچتے تھے اور انھیں اپنی زرعی پیداوار فروخت کرنے کے لیے جگہ بھی میسر آجاتی تھی۔ ثقیف انگور اور انار کے باغوں، سبزیوں اور جڑی بوٹیوں پر مشتمل کھیتوں کے مالک تھے۔ اس موسمی میل جول کے نتیجے میں جو تمدنی اختلاط ہوتا، یہ لوگ اس سے مستفید ہوتے

---

❶ یاقوت، معجم البلدان، ۲: ۱۳۷، ۳: ۲۰۴، ۴: ۲۱۶، ۲۱۷، ۵: ۵۵، ۲۱۶، ۲۶۲، حربی، کتاب المناسک، ص ۵۳۲، ۵۳۸، بلادی، نسب حرب، ص ۳۴۹، ۳۵۰۔ ❷ ایضاً۔

Marfat.com

تھے۔ ان کے ادب کو جلا ملتی اور ان کا ذہنی افق وسیع ہوتا تھا۔ ایک طرف اگر یہ لوگ شام اور یمن کے کاروبار میں آڑھتی کی حیثیت رکھتے تھے تو دوسری طرف ان کا شمار صحرائی بدوؤں میں ہوتا تھا۔

ہوازن اور ثقیف کے مفادات قریش کے مفادات کے ساتھ اس لیے مشترک تھے کہ یہ قبائل ایک دوسرے کے اس قدر قریب قریب آباد تھے کہ ان کا درمیانی فاصلہ صرف ۹۰ کلومیٹر تھا۔ اہل قریش موسم گرما طائف میں بسر کرتے تھے۔ طائف میں ان کے مکانات اور باغات تھے، اور اس طرح طائف کو ''قریش کا باغ'' کہا جاتا تھا۔ ❶ قریش اور ہوازن کے درمیان یہ تعلقات اس بناء پر اور بھی مضبوط تھے کہ ان کے درمیان قدیم قرابتی تعلق بھی پایا جاتا تھا۔ اس تعلق کو مزید استحکام اس وقت حاصل ہوا، جب انھوں نے بعد میں ایک دوسرے کے ساتھ شادی بیاہ کے رشتے پیدا کر لیے۔ یہ دونوں قبائل مضر کی اولاد میں سے تھے اور قبیلہ ہوازن کے افراد اس وقت مضر کی چھٹی پشت میں تھے، اور قریش ساتویں یا پانچویں پشت میں تھے۔ ❷ اس سلسلے میں ماہرینِ انساب کے درمیان معمولی اختلاف پایا جاتا ہے۔

جب ہم ان کتابوں پر نظر ڈالتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سوانح پر مشتمل ہیں تو ہمیں فوراً محسوس ہوتا ہے کہ قریش اور ہوازن کے درمیان رشتوں کا ایک تانا بانا سا بنا ہوا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں قبائل نے آپس میں کثرت سے شادیاں کی تھیں۔ ❸

---

❶ واقعاتِ سیرت میں ربیعہ کے دو بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا باغ مشہور ہے، الوھط عمرو بن عاص کا باغ تھا اور ذوالحرم ابوسفیان کی دولت کا نام تھا۔ یاقوت، معجم البلدان، ۵:۳۸۶، واقدی، مغازی، ۳:۹۷۱، سیرۃ ابن ہشام، ۱:۴۰۹، ازرقی، اخبار مکۃ، ص ۸۰، بلاذری، فتوح، ص ۵۶۔

❷ ابن ہشام، سیرۃ، ۱:۹۳، ابن سعد، طبقات، ۱:۵۵، ابن قتیبہ، المعارف، ص ۳۱، ۵۱، طبری تاریخ، ۲:۲۶۲، نویری، نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب، ص ۳۹۷۔

❸ میمونہ بنت حارث، لبابہ الصغریٰ بنت حارث، صفیہ بنت حزم، ام جمیل بنت مجالد ہلالیہ، زینب بنت ابی سفیان اور ام حکم بنت ابی سفیان کے احوال کے لیے رجوع کیجیے: صحیح، علم انساب اور طبقات پر کتب۔

Marfat.com

دونوں قبائل کے درمیان تعلقات میں جو استحکام پایا جاتا تھا، اس کی تصدیق و تائید اس واقعے سے ہوتی ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر قریش نے جس شخص کو مسلمانوں کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، وہ عروہ بن مسعود الثقفی تھا۔ ❶

قریش اور ہوازن کے تعلقات، جب اس قدر مضبوط بنیادوں پر مستحکم تھے، تو یہ بات باعث حیرت نہیں ہے کہ ہوازن نے مکہ میں مسلم برادری کے وجود میں آنے سے لے کر اس وقت تک، جب قریش کے ساتھ مسلمانوں کے تصادم کا آغاز ہوا، مسلمانوں کے بالمقابل ہمیشہ قریش کا ساتھ دیا اور اس میں بھی تعجب کی کوئی بات نہیں کہ فتح مکہ کے بعد اسلام کی مخالفت اور دشمنی کا علم قریش سے منتقل ہو کر ہوازن کے ہاتھ میں چلا گیا، اور جب عرب میں شرک کی قیادت قریش کے ہاتھ سے نکلی تو ہوازن نے فوراً آگے بڑھ کر اس خلا کو پُر کیا۔ ❷

ہجرت سے قبل رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ طائف تشریف لے گئے تھے تا کہ قبیلہ ثقیف کو اسلام کی دعوت دیں، لیکن انھوں نے نہایت درشتی کے ساتھ آپ ﷺ کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان لوگوں سے یہ درخواست کی کہ طائف میں آپ ﷺ کی آمد کو مخفی رکھا جائے، لیکن انھوں نے نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کی ہر بات ٹھکرا دی، بلکہ آپ ﷺ کے خلاف کھلی بدترین جارحیت کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ اپنے بچوں کو کہا کہ آپ ﷺ کو پتھر ماریں۔ قریش اور ہوازن کے مفادات ایک جیسے تھے، جو کوئی قریش کے مذہب اور ان کے مفادات کے خلاف چلتا تھا، اسے لازماً ہوازن سے بھی ٹکر لینا پڑتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ اس حقیقت سے بہ خوبی آگاہ تھے کہ قبیلہ ثقیف کا قبولِ اسلام حد درجے اہمیت کا حامل ہے، اس کی دو وجوہ تھیں۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ ان کی فوجی اور معاشی حیثیت مستحکم تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ قریش کے ساتھ ان کے تعلقات مضبوط بنیادوں پر

---

❶ صحیح بخاری، ۳: ۱۷۰۔ ❷ صحیح بخاری، ۴: ۹۱، ۹: ۹۵، صحیح مسلم، ۳: ۱۴۲۰۔

Marfat.com

استوار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قبیلہ ثقیف کی طرف آپ ﷺ نے جو سفر کیا، اگر چہ اس میں آپ ﷺ کو بظاہر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ جلدی کر کے ان کے سرداروں سے ملے۔ جب آپ مختلف قبائل کے سرداروں کے سامنے اپنی دعوت رکھ رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان کے سردار عبد یالیل بن عبد کلال سے عقبہ میں ملاقات کی، لیکن عبد یالیل نے اسلام قبول نہ کیا۔ اس صورتِ حال سے آپ ﷺ اتنے مایوس اور پریشان ہوئے کہ آپ ﷺ مکہ سے آگے نکل گئے اور واپسی کا راستہ بھول گئے۔

ہجرت کے بعد مسلمانوں اور قریش میں تصادم کی جو زبردست آگ بھڑک اُٹھی تھی، ہوازن اس سے ہمیشہ علیحدہ رہے۔ غالباً ان کا خیال یہ تھا کہ قریش خود ہی اس صورتِ حال سے نمٹ لیں گے۔ انھوں نے مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہونے والی تمام جنگوں، یعنی بدر، اُحد اور خندق کو محض دور سے دیکھنے پر ہی اکتفاء کیا اور ان جنگوں میں کسی قسم کا حصہ لینے سے گریز کیا، البتہ اخنس بن شریق الثقفی نے جو بنوزہرہ کے حلیف تھے، بدر کے موقع پر قریش پر یہ زور دیا کہ وہ بدر سے لڑے بغیر واپس چلے جائیں، کیوں کہ ان کا تجارتی کاروبار محفوظ ہے۔ ❶ عروہ بن مسعود ثقفی نے قریش کو کہا تھا کہ وہ اس منصوبے کو قبول کرلیں جو رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر پیش کیا ہے، ❷ تاہم ان افراد کے خیالات سے ثقیف کے چند افراد کی حکمت اور دانائی تو ظاہر ہوتی ہے، لیکن ثقیف اور ہوازن قبائل کا مجموعی طور پر ایسا کوئی رویہ سامنے نہیں آتا جو مسلمانوں کے ساتھ پرامن تعلقات پر مبنی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے کے واقعات میں ثقیف نے اس لیے حصہ نہیں لیا کہ اولاً وہ قریش پر انحصار کیے ہوئے تھے، اور ثانیاً مسلمانوں کی اصل طاقت اور قوت کے بارے میں ان کی معلومات ناکافی تھیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ فتح مکہ سے قبل ہوازن کو مسلمانوں کے خطرے سے کوئی آگاہی نہیں تھی۔ قریش کو مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی کمزوری کا علم اس وقت سے تھا، جب انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ حدیبیہ کا معاہدہ کیا

---

❶ ابن حجر، الاصابۃ، ۱: ۲۵۔ ❷ صحیح بخاری، ۳: ۱۷۰۔

Marfat.com

تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، اسلام مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا اور قریش کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے گئے۔ فتح مکہ کے وقت تک قریش کے حوصلے بالکل پست ہو چکے تھے، ان کے ثقفی ہمسائے اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے اور ان کے کچھ لوگ واقعات کو قریب سے دیکھ بھی چکے تھے۔

ہوازن اور ثقیف کی طرف سے، قریش کی مدد نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مسلمان اپنی فوجی نقل و حرکت کے مقاصد پوشیدہ رکھنے میں کامیاب تھے۔ جب مسلمانوں نے پیش رفت کی تو ہوازن کو اپنے گھروں کی فکر پڑ گئی، اس وجہ سے انھیں مکہ کا دفاع کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ واقدی نے اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ انھوں نے یہ معلوم کرنے کے لیے ایک جاسوس روانہ کیا تھا کہ آیا مسلمان ہوازن پر حملہ آور ہونے کی نیت سے نکلے ہیں یا قریش پر؟ مسلمان جب مدینہ سے نکلے تھے، اسی وقت سے ہوازن اپنے دستوں کو یکجا کر رہے تھے اور مسلمانوں سے مقابلے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا ہدف وہی ہیں۔ [1] ان کے اس خیال کو مزید تقویت اس طرح ملی کہ وہ صلح حدیبیہ کے بارے میں مسلمانون کے طرزِ عمل سے متعلق کچھ غیر یقینی کیفیت کا شکار تھے۔

فتح مکہ اور قریش کی سرداری کے خاتمے کے بعد ہوازن شرک کے علمبردار بن کر کھڑے ہو گئے اور فوری طور پر حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے حرکت میں آ گئے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کی عسکری سرگرمیوں کو ختم نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی سربراہی میں ۳۰ سواروں پر مشتمل ایک دستہ نخلہ روانہ فرمایا تاکہ عزیٰ کو تباہ کر دیا جائے۔ [2] یہ ایک گھر تھا جو ثقیف کے علاقے میں واقع تھا اور عرب

---

[1] طبری، ۳: ۷۰۔

[2] ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۳۶، ابن سعد، طبقات، ۲: ۱۴۵، طبری، تاریخ، ۳: ۶۵، مازی، تحفۃ الاشراف، ۲: ۲۳۵، حدیث ۵۰۵۴، نسائی سے منقول ہے۔ (السنن الکبریٰ) اس میں ولید بن جمع شامل ہیں جو ''صدوق'' ہیں، لیکن عدم اعتمادی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عزیٰ کی تباہی کی بابت کوئی ''صحیح'' روایت ثابت نہیں۔

Marfat.com

اس کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ ❶ جب یہ مہم روانہ ہوئی تو رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہونے میں پانچ راتیں باقی تھیں۔ رمضان المبارک کے اختتام میں ابھی چھ راتیں باقی تھیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن زید الاشہلی کو ۲۰ سواروں پر مشتمل دستہ دے کر مشلّل روانہ کیا تاکہ منات نامی بت کو توڑ دیا جائے۔ (مشلّل وہی مقام ہے جو آج کل القدید یہ کے نام سے معروف ہے۔) منات عربوں کے نزدیک بڑا واجب التعظیم تھا اور بالخصوص انصار قبولِ اسلام سے پہلے اسے نہایت عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ سعد الاشہلی بت کو توڑ کر مکہ واپس آ گئے۔ ❷ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ ہستی تھے جنھوں نے منات کو توڑا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس وقت وہاں روانہ کیا تھا، جب وہ فتح سے قبل مکہ کے راستے میں تھے۔ ❸ حدیث کے معیار کے لحاظ سے یہ دونوں روایات کمزور ہیں۔ ابن سعد نے اسے بغیر سند کے اپنے استاد واقدی کے حوالے سے روایت کیا ہے جو ''ضعیف'' سمجھے جاتے ہیں، اور ابن کلبی کو بھی ''ضعیف'' گردانا جاتا ہے۔ ایک اور روایت میں بڑے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ منات کو توڑنے کا فریضہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب نے انجام دیا، ❹ لیکن یہ روایت بھی دیگر دو روایات کے مقابلے میں قوی نہیں ہے، تاہم یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ منات کو توڑا گیا تھا، اور تاریخی اعتبار سے یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ جہاں تک ثبوت کی قطعیت کا تعلق ہے تو حدیث کا معیار تاریخ کی طرح کا نہیں۔

شوال ۸ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی سربراہی میں ۳۵۰ مجاہدین پر مشتمل ایک دستہ بنو جذیمہ کی طرف یلملم روانہ کیا تاکہ انھیں اسلام کی دعوت پیش کی جا سکے۔ یلملم مکہ سے جنوب کی طرف ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک جگہ ہے۔ حضرت

---

❶ بلاذری، نسب حرب، ص ۳۸۸۔

❷ ابن سعد، طبقات، ۲: ۱۴۶، واقدی، مغازی، ۲: ۸۶۹، ۸۷۰۔

❸ ابن کلبی، الاصنام، ص ۱۵۔

❹ ابن اسحٰق سے منسوب روایت، ابن ہشام، سیرۃ، ۱: ۸۶، ابن حجر، الاصابۃ، ۲: ۱۷۹۔

Marfat.com

خالد رضی اللہ عنہ بن ولید ان لوگوں کے پاس پہنچے، انھیں اسلام کی دعوت دی، مگر وہ لوگ اسلام قبول کرنے کا اظہار کھل کر نہ کر سکے اور بجائے اسلمنا (یعنی ہم نے اسلام قبول کیا) کہنے کے بجائے صبأنا، صبأنا (یعنی ہم نے اپنا مذہب تبدیل کرلیا) دہراتے رہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے ان میں سے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا اور کچھ کو گرفتار کرلیا۔ جن لوگوں کو گرفتار کیا تھا، بعد میں انھیں قتل کرنے کا حکم بھی جاری کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قتل سے احتراز کیا۔ جب یہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں واپس آئے تو سارا واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کیا۔ (رسول اللہ ﷺ نے ساری بات سن کر اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور) دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حضور التجا فرمائی: ''اے اللہ! جو کچھ خالد نے کیا، میں اس سے بری الذمہ ہوں۔'' ❶

جب ان لوگوں نے صبأنا کا لفظ بولا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید یہ سمجھے کہ وہ نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکاری ہیں، بلکہ اسلام کی تحقیر بھی کر رہے ہیں، اس لیے انھوں نے انھیں باقی نہ چھوڑا، ❷ جب کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ محسوس کیا کہ وہ لوگ اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اسلام قبول کرنے کا اعلان کر رہے ہیں اور یہ کہ انھیں درست الفاظ کا علم نہیں ہے، کیوں کہ اس وقت تک شریعتِ اسلامیہ کی اصطلاحات عرب میں زبان زد عام وخاص نہیں ہوئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی اس کارروائی سے اظہارِ براءت تو

---

❶ صحیح بخاری، ۵: ۱۳۱، ابن کثیر، تفسیر، ۴: ۳۰۶۔ ابن عوف اور خالد کے درمیان توہین آمیز جملوں کے باہمی تبادلے کے لیے دیکھیے: صحیح مسلم، ۴: ۱۹۶۷۔

❷ ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۵۷۔ جو شخص اسلام قبول کر لیتا تھا، اس کے لیے قریش صبأ کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے، یعنی اس نے اپنا دین تبدیل کر لیا اور یہ لفظ توہین آمیز انداز اختیار کرنے کی خاطر استعمال کیا جاتا تھا۔ خالد کا یہی عذر تھا، کیوں کہ وہ اس لفظ میں پوشیدہ مفہوم کو سمجھتے تھے، اور جس انداز سے یہ لفظ استعمال کیا جاتا تھا، اس سے بھی واقف تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بنو جذیمہ اس لفظ کی معنویت سے بھی ناواقف تھے اور مسلمانوں پر اس لفظ کا جو اثر ہوتا تھا، اسے بھی نہیں جانتے تھے۔

Marfat.com

کیا جو انھوں نے جلدی میں کر ڈالی تھی، مگر آپ ﷺ نے نہ تو انھیں کوئی سزا دی اور نہ انھیں فوج میں ان کے عہدے سے معزول ہی کیا، کیوں کہ انھوں نے اپنی طرف سے اجتہاد کیا تھا، اگر چہ اجتہاد میں غلطی کر ڈالی تھی۔

اس سلسلے میں ایک روایت ملتی ہے جو ''منقطع'' ہے، اس لیے اسے ثبوت کے طور پر نہیں لیا جا سکتا۔ اس روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف تمام مقتولین کا خون بہا ادا فرمایا، بلکہ کچھ اضافی رقم بھی عطا فرمائی تا کہ سوگوار خاندانوں کی دلجوئی ہو سکے اور یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ آپ ﷺ نے ان کے قتل کیے جانے کو پسند نہیں فرمایا۔ ❶ قتلِ خطا کے معاملے میں آپ ﷺ کا یہ عمل اسلامی قوانین کے مطابق ہے، تاہم اگر ہم اس ''منقطع'' روایت پر اعتماد کریں تو پھر ہمیں اسے پورے طور پر قبول کرنا ہوگا۔ روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید بنو جذیمہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے ہتھیار اُٹھا رکھے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ ہتھیار ڈال دیں اور اسلام قبول کر لیں۔ انھوں نے ہتھیار پھینک دیے، اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے ان کی مشکیں کس لیں اور ان میں سے کئی لوگوں کو قتل کر دیا۔ ابن اسحٰق نے یہ اور اس جیسی دیگر روایات بیان کی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے یہ سب کچھ اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ کا انتقام لینے کے لیے کیا تھا، جنھیں بنو جذیمہ نے زمانۂ جاہلیت میں قتل کیا تھا۔ ابن کثیر نے ابن اسحٰق کی ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یہ ''مرسل'' اور ''منقطع'' روایات ہیں، اس لیے قابل اعتماد نہیں ہیں۔'' ❷

اس معاملے میں سب سے اہم بات جس سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی بے گناہی معلوم ہوتی ہے، اور یہ ثبوت بھی مل جاتا ہے کہ انھوں نے خلوصِ نیت کے ساتھ اجتہاد کیا تھا،

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۳۰۔ یہ ابو جعفر محمد بن علی الباقر کی ''مراسیل'' سے ہے اور ''منقطع'' ہے، کیوں کہ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق باقر کا زمانہ پیدائش ۶۰ھ کے درمیان کا ہے۔ (تہذیب التہذیب، ۹: ۳۵۱)

❷ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۳۱، طبری، تاریخ، ۳: ۶۶، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۳۱۳، ۳۱۴۔

Marfat.com

لیکن ان سے غلطی سرزد ہوگئی، وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو ان کے اس فعل پر کوئی سزا نہ دی اور محض یہی کافی سمجھا کہ ان کے اس فعل سے اظہار براءت کردیا جائے۔

مختصر یہ کہ فتح مکہ کے بعد ہوازن اور ثقیف کے علاقے میں مسلمانوں نے دو مہمات سرانجام دیں۔ یہ مہمات ہوازن سے زیادہ عرصے چھپی نہ رہ سکیں، چناں چہ ہوازن نے فتح مکہ کے پندرہ روز بعد ہی مسلمانوں کے خلاف اپنی فوجیں اکٹھا کرنا شروع کردیں۔ ❶ ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے حملے سے قبل ہی ان کے اوپر حملہ آور ہو جائیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کرنا چاہتے تھے، کیوں کہ انھوں نے اپنی افواج کے ساتھ اپنی تمام دولت، عورتوں اور بچوں کو بھی ایک جگہ جمع کرلیا تھا تاکہ کوئی شخص اپنی دولت اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر فرار نہ ہونے پائے۔ ❷ مالک بن عوف النصری فوج کا سردار تھا۔ غطفان کے دیگر قبائل نے بھی ہوازن کا بھرپور ساتھ دیا، لیکن کعب اور کلاب جن کا تعلق ہوازن سے تھا، اس معرکے میں پیچھے رہے۔ ❸

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مالک بن عوف نے اپنی فوج کو بڑے مؤثر انداز میں منظم کیا تھا۔ ترتیب کچھ اس طرح تھی کہ سب سے آگے سرداروں کا دستہ تھا، اس کے بعد پیادہ فوج، پھر خواتین اور سب سے اخیر میں بھیڑوں اور اونٹوں کی قطاریں تھیں۔ ❹ مالک النصری تیس سال کا نوجوان تھا اور میدانِ جنگ میں غیر معمولی حوصلے اور بے مثال دلیری کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ ❺ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ درید بن الصمہ نے مالک النصری کے اس فیصلے سے اتفاق نہ کیا تھا کہ فوج کے ساتھ عورتوں، بچوں اور اسباب کو بھی باہر نکالا جائے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ اگر کسی کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ فرار ہونے پر تل گیا

---

❶ طبری، تاریخ الرسل والملوک، ۳:۷۰۔
❷ صحیح بخاری، ۵:۱۸۰، ۱۸۱، مسلم، صحیح، ۲:۳۵۷۔
❸ سیرۃ ابن ہشام، ۲:۴۳۷۔
❹ مسلم، صحیح، ۲:۷۳۶، احمد، مسند، ۳:۱۵۷۔
❺ ابن حجر، الاصابۃ، ۳:۱۸۲، ۳۵۲۔

Marfat.com

تو عورتوں یا اسباب کی موجودگی اسے نہ روک سکے گی، لیکن مالک النصری نے اس کی ایک نہ سنی۔ ❶ واقدی واحد مصنف ہیں جنھوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ ہوازن کی فوج کی تعداد بیس ہزار تھی۔ ❷ حافظ ابن حجر کا رجحان بھی اسی طرف ہے، ان کے خیال میں ہوازن کی فوج مسلمان فوج سے تعداد میں دگنی سے بھی زیادہ تھی۔ ❸

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی حدرد الاسلمی رضی اللہ عنہ کو ہوازن کی خفیہ معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ انھوں نے ایک دو روز ہوازن کے ہاں قیام کیا اور ضروری معلومات حاصل کر کے واپس آ گئے۔ ❹ اس کے بعد مسلمانوں نے مقابلے کی تیاری شروع کی۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ ❺ سے جو ہنوز مشرک تھا، ایک سو زرہیں مستعار لیں۔ صفوان نے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ آیا وہ طاقت کے بل بوتے پر اس سے یہ زرہیں لے رہے ہیں، یا قرض کے طور پر؟ رسول اللہ ﷺ نے اسے بتایا کہ آپؐ یہ زرہیں اس سے بطورِ قرض لینا چاہتے ہیں۔ جنگ کے بعد آپ ﷺ نے یہ زرہیں صفوان کو واپس کر دیں اور اس کی اس نوازش پر شکریہ ادا کیا۔ ❻ ابن عبدالبر نے بغیر سند کے کچھ روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حویطب بن عبدالعزیٰ سے بھی ۴۰ ہزار درہم قرض لیے تھے اور نفل بن حارث کی طرف سے تین ہزار نیزوں کی مدد بھی قبول کر لی تھی۔ ❼ ہمیں ان معلومات کو درست تسلیم کرنے میں کوئی امر

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۳۷۔ ❷ واقدی، مغازی، ۳: ۸۹۳۔ ❸ ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۲۹۔

❹ حاکم، مستدرک، ۳: ۴۸، ۴۹۔ ان کا کہنا ہے کہ "سند صحیح ہے" اور ذہبی ان سے متفق ہیں۔ جب تمام سندوں پر غور کیا گیا تو حدیث کے اندر ایسے شواہد پائے گئے جس نے شیخ البانی کو بھی یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا کہ حدیث "صحیح" ہے۔ (أرواء الغلیل، ۵: ۳۴۴، ۳۴۶) ❺ ایضاً۔

❻ ابن ماجہ، سنن، ۲: ۸۰۹، نسائی، مجتبیٰ ۷: ۲۷۶۔ یہ ابراہیم بن عبداللہ بن ابی ربیعہ کے درمیان "منقطع" ہے۔ اس قول کو تاریخ کے حوالے سے پیش کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ یہ اسلام کے اس حکم کے مطابق ہے جو رعایت کی واپسی کا وعدہ پورا کرنے کے متعلق ہے۔

❼ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۱: ۳۸۵، ۳: ۵۳۷۔

Marfat.com

مانع نہیں ہے، کیوں کہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نے صفوان سے مدد طلب کی تھی، حالاں کہ وہ ایک مشرک تھا۔ مزید براں اس وقت تک اسلام کی جڑیں گہری ہو چکی تھیں اور دوسروں سے مدد طلب کرنے میں اسلام کے تصورِ جہاد کو کوئی ٹھیس پہنچنے کا خدشہ باقی نہیں رہا تھا، بشرط یہ کہ مسلمانوں کی دینی لگن کی قیمت پر کسی قسم کی شرائط مسلط نہ کی جائیں۔

مسلمانوں کو جنگ کی تیاری میں زیادہ وقت نہ لگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مکہ فتح کرنے میں مسلمانوں کو کسی ایسی جنگ کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جو تھکا دینے والی ہو، سوائے (خندمہ میں ایک آدھ معمولی جھڑپ کے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ہوازن کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار اور تازہ دم تھے۔ ۵ شوال کو مسلمانوں نے حنین کی طرف کوچ کیا۔ انھوں نے مکہ فتح کرنے کے بعد پندرہ دن وہاں قیام کیا اور مکہ ۱۹ رمضان کو فتح ہوا تھا۔ ۱۰ شوال کی شام کو مسلمان حنین پہنچ گئے۔ ❶ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں مسلمان حنین کے قریب ہوتے چلے گئے، ان کی رفتار زیادہ مدھم اور محتاط ہوتی گئی، کیوں کہ حنین مکہ کے مشرقی جانب صرف ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ آج کل اس جگہ کو شرائع کہا جاتا ہے۔ ❷ جس وقت فوج مکہ سے روانہ ہوئی تو اس کی رفتار تیز تھی۔ ❸ رسول اللہ ﷺ نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید کو مکہ کا امیر مقرر کیا۔ ❹ اس مرتبہ مسلمان فوج کی تعداد گزشتہ تمام مہمات کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان فوج دس

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۳۷، بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۱۵۱، ابن ترکمانی، الجوهر النقی بحاشية سنن البیهقی، نسائی، سنن، ۳: ۱۰۰، ابن حجر، فتح الباری، ۲: ۵۶۲، ۸: ۲۷۔

❷ حمد الجاسر، تعلیقات بر کتاب المناسک (حربی)، فواد حمزہ، قلب جزیرۃ العرب، ص ۲۶۸۔

❸ ابو داؤد، سنن، ۱: ۲۱۰، ۲: ۹، حاکم، مستدرک، ۱: ۲۳۷، ۲: ۸۳، ۸۴۔ انھوں نے اسے ''صحیح'' سمجھا ہے اور ذہبی ان سے متفق ہے۔

❹ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۴۰، خلیفہ، تاریخ، ۸۸، طبری، تاریخ، ۳: ۷۳، حاکم، مستدرک، ۳: ۲۷۰۔ اگرچہ یہ روایات حدیث کے معیار کے مطابق کمزور ہیں، لیکن انھیں تاریخی ثبوت کے طور پر لیا جا سکتا ہے، خاص طور پر اس وجہ سے بھی کہ وہ امیر کے تقرر کے متعلق اسلامی قوانین سے ہم آہنگ ہیں۔

Marfat.com

ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی۔ ❶ حنین کے موقع پر دو ہزار کا مزید اضافہ ہو گیا۔ یہ مکہ کے وہ باشندے تھے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، اور طلقاء (آزاد) کہلاتے تھے۔ تمام روایات اس پر متفق ہیں۔ اگرچہ حدیث کے معیار کے مطابق یہ روایات صحیح نہیں ہیں جن میں طلقاء کی تعداد کا ذکر کیا گیا ہے، جنھوں نے فوج میں شمولیت اختیار کی تھی، تاہم ان روایات کو ایک تاریخی ثبوت کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے۔ فوج کی سب سے زیادہ تعداد ہونے کے سبب جنگِ حنین رسالت مآب ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں لڑی جانے والی سب سے شدید اور بڑی جنگ قرار دی جاتی ہے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کو اپنی فوج کی حفاظت کا پورا پورا خیال تھا۔ جب لوگ دشمن کی چھاؤنی کے قریب پہنچے تو عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ پہاڑ کے اوپر کھڑے ہو کر دشمن پر بھی نگاہ رکھیں اور مسلمان فوج کا پہرہ بھی دیں۔ صحابی نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ دشمن بہت بڑی فوج اور ساز و سامان کے ساتھ خیمہ زن ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد اور بھرپور توکل کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر اللہ نے چاہا تو کل یہ سب تمھیں غنیمت میں مل جائے گا۔'' اس کے بعد حضرت انس بن ابی مرثد نے رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کیں اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس کام پر مامور فرما دیا کہ وہ فجر کی نماز تک مسلمان فوج کا پہرہ دیتے رہیں اور اس اثناء میں فوج اپنی نیند پوری کر لے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حسن و خوبی کے ساتھ اس ذمہ داری کو پورا کیا اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں جنت کی بشارت سنائی۔ ❸

---

❶ صحیح بخاری، ۵:۲۰، ابن ہشام، سیرۃ، ۲:۳۹۹، ۴۰۰۔

❷ ابن ہشام، سیرۃ، ۲:۴۴۰، خلیفہ بن خیاط، تاریخ، ص ۸۸، ابن سعد، طبقات، ۲:۱۵۴، ۱۵۵، طبری، تاریخ، ۳:۷۳، حاکم، مستدرک، ۲:۱۲۱۔ حاکم نے اسے ''صحیح'' سمجھا ہے اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے، لیکن ہیثمی نے اس میں اس نقص (علت) کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عبداللہ بن عیاض کو کوئی بھی ''ثقہ'' نہیں سمجھتا۔ (مجمع الزوائد، ۶:۱۸۶)

❸ ابوداؤد، سنن، ۱:۲۱۰، ۲:۹۔ یہ حدیث اپنی سند میں ''صحیح'' ہے۔

Marfat.com

مسلمان فوج میں طلقاء کی شمولیت کے کچھ منفی اثرات بھی مرتب ہوئے، کیوں کہ وہ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے اور ان کے دل و دماغ سے جاہلی اثرات ابھی پوری طرح نکلنے نہ پائے تھے۔ حنین کے راستے میں ایک درخت تھا جس کا نام ذات انواط تھا اور مشرکین اس درخت کے اوپر اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ ان لوگوں میں سے بعض نے جب یہ درخت دیکھا تو بولے: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ہم لوگوں کے لیے بھی ایک ایسا ہی ذات انواط بنوا دیں گے، جیسا ان لوگوں کے پاس ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''سبحان اللہ! تم لوگوں نے وہی بات کی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہی تھی۔ ہمیں بھی ایک ایسا ہی خدا بنا دو جیسا خدا ان لوگوں کے پاس ہے۔ قسم اس ذات کی! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم لوگ بھی وہی کرو گے جو تم سے پہلوں نے کیا تھا!۔'' ❶

ان کی اس خواہش کے اظہار سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے باوجود عقیدۂ توحید پوری طرح ان کے دل و دماغ میں راسخ نہیں ہوا تھا، تاہم رسول اللہ ﷺ نے ان کی مشرکانہ سوچ پر انھیں تنبیہ تو کی، لیکن انھیں سزا دینے سے گریز کیا، کیوں کہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ وہ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے ہیں۔

ایک اور منفی سوچ یہ سامنے آئی کہ مسلمانوں میں اپنی تعداد پر فخر و غرور کا احساس پیدا ہوا۔ ان میں سے ایک نے کھلم کھلا اظہار بھی کیا کہ ❷ ''آج ہمیں کون شکست دے سکتا ہے۔'' یہ سن کر کچھ اور لوگوں کے دل میں بھی اپنی کثرتِ تعداد پر بے جا اعتماد کا احساس پیدا ہوا، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سرزنش کرتے ہوئے انھیں یہ بات یاد دلائی کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی چیز پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے، ورنہ اللہ تعالیٰ انھیں ان کے

---

❶ ترمذی، سنن، ۳: ۳۲۱-۳۲۲۔ ان کا کہنا ہے کہ ''حسن صحیح'' ہے۔ نسائی، السنن الکبریٰ، تحفۃ الاشراف، ۱۱: ۱۲، حدیث ۱۱۵۱۶، احمد، مسند، ۵: ۲۱۷۔

❷ اس بات کی وضاحت کرنے کے لیے کہ یہ کس کا قول ہے، چند روایات بیان کی گئی ہیں جو کمزور ہیں۔ (واقدی مغازی، ۳: ۸۹۰، هیثمی، کشف الاستار عن زوائد البزار، ۲: ۳۴۶-۳۴۷، ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۴۴)

Marfat.com

حال پر چھوڑ دے گا:

﴿ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ٥ ﴾

''اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرّہ ہو گیا تھا، پھر وہ کثرت تمھارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی، پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔'' (التوبۃ:۲۵)

رسول اللہ ﷺ لوگوں کی اس کمزوری سے بخوبی آگاہ تھے اور آپ ﷺ نے اپنی دعاؤں کے ذریعے لوگوں پر یہ چیز اچھی طرح واضح کر دی تھی کہ آپ ﷺ صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی کی پناہ چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! تیری ہی مدد کے ذریعے میں ہر کوشش کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے میں حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے میں جنگ میں حصہ لیتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے لوگوں کو وہ واقعہ بھی سنایا، جب ایک نبی کے دل میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کا احساس پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت بھیج دی۔ [1] رسول اللہ ﷺ تمام مسلمانوں کے معاملات پر مسلسل نظر رکھتے تھے اور جونہی ان کے خیالات یا طرزِ عمل میں معمولی سا بھی انحراف محسوس کرتے تو فوراً ان کی اصلاح فرماتے تھے، چاہے آپ ﷺ سخت ترین دشمن کے ساتھ کتنی ہی پُرخطر مبارزت میں ہی گرفتار کیوں نہ ہوں۔ آپ ﷺ کو پورا یقین تھا کہ فتح کا انحصار اور دارومدار اس شرط پر ہے کہ:

﴿ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴾

''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا۔'' (محمد:۷)

لیکن کیا اتنی بڑی جماعت کو تعلیم دینا اور اس کے دل و دماغ سے جاہلیت کے اثرات کو یکسر ختم کر دینا جس میں انھوں نے اپنی پوری زندگی گزاری تھی، ممکن تھا؟ یہ اپنی تعداد کی

---

[1] دارمی، سنن، ۵:۱۳۵؛ احمد، مسند، ۴:۳۳۳، ۶:۱۶۔

Marfat.com

کثرت پر ان کا فخر و غرور ہی تھا جو جنگ کے آغاز میں ان کے فرار کا سبب بنا، لیکن فرار اور جنگ کی ہولناکی کا احساس ہوتے ہی وہ بہت جلد اپنے حواس میں واپس آ گئے اور انھوں نے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد اور بھروسا کیا۔ اس کے بعد وہی مسلمان تھے جنھوں نے اس جنگ کے دوسرے دور میں فیصلہ کن فتح حاصل کی۔

اسلامی فوج میں بدوؤں اور طلقاء کی شمولیت کا ایک اور منفی اثر یہ ظاہر ہوا کہ ان کی اکثریت کا مقصد مالِ غنیمت کا حصول تھا۔ انھیں یہ احساس تک نہیں تھا کہ وہ کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر اصولی جنگ لڑ رہے ہیں۔ وہ لوگ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے اور انھوں نے تا حال نہ تو ایمان کی مٹھاس چکھی تھی اور نہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی خاطر جہاد کرنے کے ذوق وشوق سے ہی آشنا تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان میں کچھ لوگ تو ایسے تھے کہ ان کے دلوں میں ایمان ابھی جاگزین ہی نہیں ہوا تھا۔ [1] یقیناً ان میں سے بہت سے راسخ العقیدہ مسلمان بھی تھے، اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے کہ وہ غنیمت پر ٹوٹ پڑے تھے۔ جنگ کے آغاز میں وہ نہ صرف خود غنیمت کی طرف جھپٹے، بلکہ دوسرے مجاہدین کو بھی اس کی ترغیب دی، لیکن جنگ کے پہلے دور میں جب کچھ مسلمانوں نے میدانِ جنگ چھوڑا تو ان میں سے ایک شخص نے اپنی بھرپور خوشی کا اظہار کیا۔ صفوان بن امیہ کے بھائی کلدہ بن امیہ نے کہا: ''بلاشبہ آج ان کا جادو نہیں چل سکا ہے۔'' صفوان نے جو اس وقت مشرک تھے، کہا: ''خاموش ہو جاؤ! اللہ تمھاری شکل بگاڑ دے، اللہ کی قسم! قریش کا کوئی فرد مجھ پر حکومت کرے، وہ میرے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ ہوازن کے کسی آدمی کو مجھ پر اقتدار حاصل ہو۔'' [2]

موسیٰ بن عقبہ روایت کرتے ہیں کہ ابوسفیان، صفوان اور حکیم بن حزام جو مکہ کے نامور سردار تھے، میدانِ جنگ کے کنارے کھڑے ہو کر اس نظارے میں مشغول تھے کہ کون فاتح

---

[1] کہا جاتا ہے کہ مکہ کے ۸۰ لوگ جو ابھی کافر ہی تھے، مکہ سے باہر چلے گئے۔ (قسطلانی، المواھب اللدنیة ۱۶۲:۱، زرقانی، شرح المواھب ۳: ۵)

[2] هیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۱۷۹، ۱۸۰۔ انھوں نے کہا کہ احمد اور ابو یعلیٰ نے اسے روایت کیا اور احمد کے راوی ''صحیح'' کے راوی ہیں۔ ابن اسحٰق نے ابو یعلیٰ کی روایت میں صاف طور پر لفظ سماع کا ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

ہوگا۔ عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے اپنے ایک غلام کو میدانِ جنگ کی جانب روانہ کیا تا کہ وہ جنگ کی تازہ ترین صورتِ حال معلوم کر کے آئے۔ ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق جب ابوسفیان نے مسلمانوں کو میدانِ جنگ خالی کرتے دیکھا تو کہا:

''اب یہ اس وقت تک بھاگتے رہیں گے جب تک سمندر ان کے راستے میں نہیں آ جاتا۔''

اور یہ کہ اس کے ترکش میں فال کے تیر موجود تھے [1] لیکن موسیٰ بن عقبہ، عروہ اور ابن اسحٰق کی یہ روایات ''صحیح'' نہیں ہیں اور حدیث کے معیار کے مطابق ''مرسل'' ہیں، اس مہم کے متعلق ان تینوں مصنفین کی روایات ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں اور تاریخی اعتبار سے ایک مکمل تصویر پیش کرتی ہیں جس میں ہمیں مکہ کے سرداروں کے چہرے صاف نظر آتے ہیں اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ان کی سوچ کیا تھی۔ ان سرداروں میں صفوان بھی شامل تھے جو اس وقت تک مشرک تھے اور ابوسفیان بھی شامل تھے جو اس وقت ایک نومسلم تھے اور جن کا دل حال ہی میں حق کی طرف مائل ہوا تھا۔

جنگ کا آغاز

ہوازن مسلمانوں سے پہلے ہی وادی حنین پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے اپنی جگہیں سنبھال لی تھیں اور اپنی فوج کے مختلف دستوں کو اہم ترین گھاٹیوں اور درختوں پر تعیّنات کر دیا تھا۔ انھوں نے بہت اچھی منصوبہ بندی کی تھی۔ ان کی منصوبہ بندی کا ایک حصہ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں پر اس وقت اچانک اور بے خبری میں تیروں کی بارش کر دیں گے، جب وہ حنین کی ڈھلوان وادی کی طرف بڑھ رہے ہوں گے۔ [2] ہوازن کے حوصلے بہت بلند تھے، کیوں کہ ان کے سردار مالک النصری نے انھیں یہ یقین دلایا تھا کہ مسلمان آج تک ہوازن جیسی کسی

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ ۲: ۴۴۳، ۴۴۴، بیہقی، دلائل النبوۃ ۲: ۴۵۔ اس کی سند میں ابوعلاثہ محمد بن عمرو بن خالد شامل ہیں جو مجہول ہیں۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ ۴: ۳۳۰۔

[2] ابن ہشام، سیرۃ ۲: ۴۴۲۔ جابر بن عبداللہ، صحابی کی حدیث سے ایک صحیح سند کے ساتھ روایت ہے جس میں ابن اسحٰق نے واضح طور پر لفظ سماع بیان کیا ہے۔ احمد نے بھی اس کو مسند میں روایت کیا ہے، ۳: ۳۷۶، ابویعلیٰ، مسند ۲: ۲۰۰، حدیث ۳۰۲، ابن حبان، موارد الظمآن، ص ۴۱۷۔

Marfat.com

قوم سے نہیں لڑے جو جنگی مہارت رکھتی ہو، بہادر ہو اور تعداد میں بھی اتنی زیادہ ہو۔ ❶ مسلمانوں نے پو پھٹنے سے قبل ہی وادی کی طرف پیش قدمی کی۔ سب سے پہلے سواروں کا دستہ آگے بڑھا۔ اس دستے کی قیادت حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کر رہے تھے۔ اس کے بعد بنوسلیم سامنے آئے اور ان کے پیچھے تمام فوج تھی جسے مختلف صفوں میں مرتب کیا گیا تھا۔ ❷

جنگ کا آغاز ہوتے ہی ہوازن کے اوّلیں دستے الٹے پیروں بھاگے اور مسلمان سپاہی ان کی چھوڑی ہوئی غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ ❸ مسلمان اس وقت یہ سمجھے کہ ہوازن کو مکمل شکست ہوگئی ہے، لیکن ہوازن نے اچانک وادی کے چاروں طرف سے مسلمانوں پر تیروں کی بارش کردی۔ کچھ مسلمان جنگ کیے بغیر میدان چھوڑ گئے، کچھ مسلمان ننگے سر تھے اور کچھ ایسے تھے جن کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔ ❹ ان لوگوں نے صورتِ حال کی اہمیت کو نہ سمجھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہوازن نے بے خبری میں مسلمانوں پر حملہ کردیا جس سے مسلمانوں کو اچانک سخت دھچکا لگا۔ ان کے تیر انداز اس قدر ماہر تھے کہ بقول حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب، جو اس جنگ کے عینی شاہد تھے، ''شاید ہی کوئی تیر خطا گیا ہو، کم و بیش ہر تیر نشانے پر لگا۔'' ❺ مسلمان فوج میں سواروں اور پیادوں سب کو حملے کا حکم دے دیا گیا۔ بدوؤں اور طلقاء نے میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹنا شروع کردیا اور دیکھتے ہی دیکھتے باقی فوج بھی میدان چھوڑ گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آخر میں صرف ایک چھوٹی سی جماعت تھی جو رسول اللہ ﷺ

---

❶ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۳۲۰، واقدی، مغازی، ۳: ۸۹۳۔

❷ واقدی، مغازی، ۳: ۸۹۵، ۸۹۷۔ اس میں وہ واحد شخص ہیں جو عرب کے تمام قبائل کے جھنڈوں اور ان کے اُٹھانے والوں پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید رسالے کے امیر تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اس جنگ کا عینی مشاہدہ کیا تھا۔ (صحیح بخاری، ۵: ۱۳۰، ۱۳۱، صحیح مسلم، ۵: ۲۳۵)

❸ صحیح بخاری، ۴: ۲۵، صحیح مسلم ۳: ۲۶۱۔

❹ صحیح بخاری، ۴: ۳۵، صحیح مسلم، ۳: ۲۶۰، ۲۶۱، حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب کی حدیث سے، جو جنگ میں شریک تھے۔

❺ صحیح بخاری، ۴: ۳۵، صحیح مسلم، ۳: ۲۶۰، ۲۶۱۔

Marfat.com

کے ساتھ کھڑی رہ گئی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ بذاتِ خود کوہِ استقامت بنے اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔

پہلے مرحلے میں جو لڑائی ہوئی تھی، وہ فجر سے لے کر عشاء تک چلی اور پھر تمام رات جاری رہی۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں کو عام حملے کا حکم دے دیا گیا۔ دن کے وقت دھوپ کی تپش بہت زیادہ تھی۔ جنگ شروع ہونے سے قبل تو مسلمانوں نے کچھ دیر درختوں کے سائے میں پناہ لی، لیکن جنگ کے دوران میں وہ مکمل طور پر تپتے سورج کی زد میں رہے۔ اس کے ساتھ زمین ریتلی تھی اور ریت اڑ کر مجاہدین کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی، جیسا کہ ایک مجاہد نے کہا کہ ''آنکھوں میں ریت پڑ جانے کے سبب ہماری بینائی متاثر ہوئی اور ہمیں اپنے چہروں کے آگے اپنے ہاتھ نظر نہیں آتے تھے۔'' ❶ دوسری طرف ہوازن کو یہ فائدہ حاصل تھا کہ ان کے سپاہی کھائیوں اور موڑوں پر گھات لگائے بیٹھے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے جس کا نام دلدل تھا، ❷ حالاں کہ آپ ﷺ گھوڑے کی بھی استطاعت رکھتے تھے۔ آپ نے خچر کی سواری کو اس لیے فرمایا، تاکہ مسلمانوں کو آپ ﷺ کے اس عمل سے یہ پیغام مل جائے کہ انھیں ہر قیمت پر مضبوط اور ثابت قدم رہنا ہے، کیوں کہ گھوڑے کے برعکس خچر اس کام کے لیے موزوں نہیں ہوتے کہ ان پر بیٹھ کر پیچھے ہٹا جا سکے، یا بھاگا جا سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مسلمانوں کو میدانِ جنگ چھوڑتے دیکھا تو انھیں آواز دی اور استقامت کی تلقین کی۔ اس دوران میں آپ ﷺ اپنے خچر کو آگے بڑھا رہے تھے،

---

❶ احمد، مسند، ۵:۲۸۶، ابوداؤد، سنن، ۲:۶۷۹، بزار، مسند (کشف الاستار، ۲:۳۵۰) ابن سعد، طبقات، ۲:۱۵۶۔ ان کے اقتباس کی بنیاد ابوہمام عبداللہ بن یسار ہیں جو مجہول ہیں، کسی نے انھیں ثقہ نہیں سمجھا سوائے ابن حبان کے، لیکن ابوداؤد نے اس اقتباس کو ایک ''نبیل حدیث'' کے طور پر بیان کیا ہے اور ہیثمی نے اس کی سند کو ''ثقہ'' سمجھا ہے۔ (مجمع الزوائد، ۶:۱۸۲) ابن حجر، مختصر زوائد مسند البزار، ص ۲۵۱، حدیث ۸۱۶۔

❷ اس پر قسطلانی کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمایئے: المواهب اللدنية، ۱:۱۶۳۔ واقدی واحد شخص ہیں جو یہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دو زرہیں اور ایک خود زیب تن کیے ہوئے تھے۔ (مغازی، ۳:۸۹۵۔۸۹۷)

Marfat.com

اور فرما رہے تھے: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔'' آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے، اور اسے دشمن کے بیچوں بیچ جانے سے مسلسل روک رہے تھے۔ ❶ چند مسلمان ایسے بھی تھے جو صرف ایک لمحے کے لیے پیچھے ہٹے تھے، ❷ لیکن مسلمانوں کی اکثریت وہ تھی جو مکمل طور پر میدانِ جنگ چھوڑ چکی تھی۔ صرف دس یا بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو رسول اللہ ﷺ کو مسلسل گھیرے میں لیے ہوئے تھے اور ان کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہیں آئی تھی۔ ان لوگوں میں حضرت عباسؓ، حضرت ابوسفیانؓ بن حارث، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ ❸ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو آواز دیں، کیوں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بلند آواز کے مالک تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے انصار کو آواز دی، خاص طور پر ان انصار کو جنھوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر وفاداری کا عہد کیا تھا اور اصحاب الشجرہ کہلاتے تھے۔ اس کے بعد بنوحارث بن خزرج کو آواز دی۔ وہ دونوں قبائل آواز سنتے ہی پلٹ پڑے اور باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوتے گئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے چاروں طرف ۸۰ یا ۱۰۰ لوگ جمع ہو گئے اور انھوں نے بے جگری کے ساتھ ہوازن سے لڑنا شروع کر دیا۔ ❹

---

❶ مسلم، صحیح، ۳: ۳۹۸، حاکم، مستدرک، ۳: ۲۵۵۔ وہ کہتے ہیں: ''شیخین کی شرائط کے مطابق یہ حدیث ''صحیح'' ہے، اگرچہ انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔'' ذہبی نے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ ابویعلیٰ، مسند، ۳: ۳۳۸، حدیث ۳۰۳۔ اس کے افراد صحیح ہیں سوائے عمران بن داؤد کے جس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ابن اسحٰق، (سیرۃ ابن ہشام، ۲: ۴۴۲)، ایک صحیح سند کے ساتھ۔

❷ زرقانی، شرح المواهب اللدنية، ۳: ۱۹، ۲۰۔ ان مسلمانوں کی تعداد ۸۰ یا ۱۰۰ کے لگ بھگ تھی جو تھوڑا سا پیچھے ہٹے، لیکن فرار نہیں ہوئے۔

❸ ابن اسحاق، (سیرة ابن هشام، ۲: ۴۴۲)، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ جس کا سلسلہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے جا کر مل جاتا ہے۔ یہ وہ صحابی ہیں جنھوں نے جنگ کا مشاہدہ کیا تھا۔

❹ مسلم، صحیح، ۳: ۳۹۸، ابن هشام، سیرة، ۲: ۴۴۴، ۴۴۵، عبدالرزاق، المصنف، ۵: ۳۸۰، ۳۸۱، ابن سعد، طبقات، ۴: ۱۸۔

Marfat.com

اب لڑائی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ مسلمانوں نے ایک نئے جذبے کے ساتھ جنگ شروع کی جو خلوصِ نیت، عزمِ مصمم اور حوصلہ و ہمت سے بھرپور تھی۔ انھوں نے اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ یقین اور کامل اعتماد کو تازہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور فتح کے لیے دعا فرمائی۔ آپ ﷺ کے الفاظ یہ تھے: ''اگر آپ ہمیں نیست و نابود کر دیں گے تو آج کے بعد پھر آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔'' ❶ جب دشمن نے حملے کا رخ آپ ﷺ کی طرف کر دیا تو آپ ﷺ خچر سے اُتر پڑے اور پیدل آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ ❷ جنگ نے شدت اختیار کر لی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد پناہ لینے لگے، کیوں کہ وہ آپ کو سب سے زیادہ استقامت اور برداشت والا پاتے تھے۔ ❸ بھاگتے ہوئے مسلمانوں نے جب یہ منظر دیکھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بھی کانوں میں پڑی تو سارے لوگ چاروں طرف سے چھپٹ چھپٹ کر آپ کے گرد جمع ہونے لگے اور ساتھ ہی یہ الفاظ بھی دہرانے لگے: ''لبیک! لبیک! (میں حاضر ہوں! میں حاضر ہوں!)'' یہاں تک کہ جو لوگ اونٹوں کو فوری طور پر واپس نہ موڑ سکے، انھوں نے اپنے اونٹوں پر سے چھلانگیں لگا دیں اور دوڑ کر حضور ﷺ کے قریب آ گئے۔ ❹ جنگ نے دوبارہ شدت اختیار کر لی۔ یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اب جنگ میں گرمی پیدا ہوئی ہے۔'' ❺ پھر آپ ﷺ نے چند کنکریاں یا مٹھی بھر خاک اُٹھائی اور کافروں کے چہروں کی طرف پھینک کر فرمایا: ''خدا تعالیٰ ان کی شکلیں بگاڑے، محمدؐ کے رب کی قسم! یہ شکست کھا چکے ہیں۔'' قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا گیا: ❻

---

❶ احمد، مسند، ۳:۱۲۱۔ اقتباس مسند کی ''ثلاثیات'' سے لیے گیا ہے۔ ابن کثیر اور سفارینی نے اسے شیخین کی شرائط کے مطابق روایت کیا ہے۔ (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴:۳۴۸، سفارینی شرح ثلاثیات مسند احمد، ۲:۲۸۶)

❷ صحیح بخاری، ۴:۳۵، ۵۳۔ صحیح مسلم، ۳:۲۶۰، ۲۶۱۔

❸ صحیح مسلم، ۳:۱۴۰۰، ۱۴۰۱، نووی، شرح صحیح مسلم، ۴:۴۰۱، ۴۰۲۔

❹ مسلم، صحیح، ۳:۱۳۹۸، ۲۶۰، ابن اسحٰق، سیرۃ ابن ہشام، ۲:۴۴۴، ۴۴۵۔

❺ صحیح مسلم، ۳:۱۳۹۸، ۲۶۰۔ ❻ صحیح مسلم، ۳:۱۳۹۸، ۲۶۰، ۲۶۲۔

Marfat.com

﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

''اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور دوسرے مومنین پر تسلی نازل فرمائی اور ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی سزا ہے۔'' ① (التوبہ:۲۶)

جنگ کے دوسرے دور میں ہوازن اور ثقیف مسلمانوں کے سامنے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے اور میدانِ جنگ سے بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا۔ میدانِ جنگ میں وہ بے شمار مقتولین اور دولت کے انبار چھوڑ گئے۔ انھوں نے اتنے بے ہنگم انداز میں واپسی کا راستہ اپنایا کہ اپنی فوج کے کئی گروہوں کو میدانِ جنگ میں ہی چھوڑ گئے جنھیں مسلمانوں نے بعد میں تیروں کا نشانہ بنایا۔ ② بھاگتے ہوئے انھوں نے اپنا جو نقصان کیا، وہ اس سے کہیں زیادہ تھا جو جنگ کے دوران میں انھیں ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ بھاگتی فوج کا تعاقب کریں اور کسی کو زندہ نہ چھوڑیں تاکہ دشمن اتنا کمزور ہو جائے کہ دوبارہ یکجا ہونے اور حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ③ ہر شخص کو یہ اجازت دی گئی تھی کہ وہ جس مشرک کو بھی قتل کرے گا، اس کے مال و متاع کا مالک ہوگا، ④ تاہم جب رسول اللہ ﷺ کی نظر ایک خاتون کی لاش پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے اندر

---

① سورۂ توبہ:۲۶ شوکانی نے کہا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان تمام مسلمانوں کا حوالہ دیا گیا ہے جو اس غزوے میں موجود تھے، وہ جنھوں نے فرار کا راستہ اختیار کیا اور وہ بھی جو فرار نہیں ہوئے، کیوں کہ بعد میں وہ بھی ثابت قدم ہو کر لڑے اور فتح یاب ہوئے۔'' (فتح القدیر،۲:۳۴۸) ② کشف الاستار،۲:۳۴۶۔

③ ھیثمی، مجمع الزوائد،۶:۱۸۱، ھیثمی، کشف الاستار،۲:۳۴۹۔ ایک ایسی سند کے ساتھ جس کے افراد ''ثقہ'' ہیں۔

④ ابوداؤد، سنن،۲:۶۵۔ انھوں نے کہا: ''یہ ایک حسن حدیث ہے۔'' حاکم، (مستدرک،۲:۱۳۰) نے کہا: ''مسلم کی شرائط کی رو سے یہ ''صحیح'' ہے، لیکن نہ انھوں نے اور نہ ہی بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔'' ذہبی نے اس کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے۔

Marfat.com

اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ تم سے جنگ کر سکے۔'' [1] اسی طرح جب آپ کو معلوم ہوا کہ بعض مجاہد بچوں کو بھی قتل کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے بچوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔ جب لوگوں نے سوال کیا: ''کیا وہ مشرکوں کے بچے نہیں ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے بہترین لوگ مشرکوں کے بچے نہیں ہیں؟ قسم اس ذات کی! جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، ہر بچہ بے داغ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اسی حالت پر رہتا ہے، حتی کہ بولنا نہ سیکھ لے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے میدانِ جنگ سے فرار ہونے والوں کو کوئی سرزنش نہ کی۔ جب حضرت ام سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ طلقاء کو بھاگنے کے جرم میں سزائے موت ملنا چاہیے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ میرے لیے کافی ہے اور سب سے بہتر ہے۔'' جنگ کے دوران میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے دفاع کی خاطر ایک خنجر ہاتھ میں اٹھایا ہوا تھا۔ [3]

ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق اس جنگ کے دوران میں صرف بنو مالک کے ۷۲ لوگ مارے گئے، بنو مالک کا تعلق قبیلہ ثقیف سے تھا۔ [4] ثقیف کے اتحادیوں میں سے صرف دو افراد مارے گئے، وہ بھی اس لیے کہ انھوں نے میدانِ جنگ چھوڑنے میں عجلت سے کام لیا تھا۔ [5] بنو مالک کے ۳۰۰ لوگ راستے میں اوطاس کے مقام پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام کی سرکردگی میں مسلمانوں کے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچے۔ [6] ایک اور بڑی تعداد

---

[1] ابوداؤد، سنن، ۲: ۴۹، ۵۰۔

[2] احمد، مسند، ۳: ۴۳۵۔ حسن اور اسود بن سریع کی دو سندوں سے جنھوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا۔ حسن نے اسے اسود سے نہیں سنا۔ پہلی سند میں قتادہ کا ''عنعنہ'' شامل ہے جو مدلس ہیں، لیکن دوسری سند میں قتادہ شامل ہیں اور یہ حسن اور اسود کے درمیان منقطع رہتی ہے۔

[3] صحیح مسلم، ۳: ۱۴۴۲۔

[4] ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۵۰، بغیر سند کے روایت ہوئی ہے۔ طبری نے اسے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جو ''معزل'' ہے، کیوں کہ یعقوب بن عتبہ کا شمار کم تر درجے کے تابعین میں ہوتا ہے۔ طبری، تاریخ الرسل والملوک، ۳: ۷۸۔

[5] ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۵۰۔

[6] ہیثمی، کشف الاستار، ۲: ۳۴۶۔ اس کی سند میں علی بن عاصم شامل ہیں جنھیں کچھ لوگ نے ''ثقہ'' قرار ⇐⇐⇐

Marfat.com

ایسی تھی جو اوطاس میں انجام کو پہنچی۔ ❶ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے تنِ تنہا ۲۰ لوگ قتل کیے اور ان کا مال و اسباب پر قبضہ کرلیا۔ ❷ بنو نصر بن معاویہ کے بھی سیکڑوں لوگ ختم ہوئے۔ ہوازن کی اہم ترین شاخ بنو رعاب کو بھی بھاری نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ ❸

زخمیوں کے علاوہ ہوازن اور ثقیف کو بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ سعید بن میبب کی روایت کے مطابق ان کے قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ ❹ عروہ کی رائے کے مطابق اس تعداد میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، ❺ اور ابن اسحٰق کی بھی یہی رائے ہے۔ ❻ زہری نے قیدیوں کی بہت بڑی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مکہ کے تمام سایہ دار درختوں کے نیچے قیدی پھیلے ہوئے تھے۔'' ❼ اس غزوے میں جو دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگی اس میں چار ہزار اوقیہ چاندی، ❽ چوبیس ہزار اونٹ ❾ اور چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑیں شامل تھیں۔ ❿ کافروں کی فوج میں گھوڑے، مویشی اور گدھے بھی شامل تھے، لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان میں سے کتنے جانور مسلمانوں کو غنیمت کے طور پر ہاتھ آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ تمام مالِ غنیمت اس وقت تک الجعرانہ میں محفوظ رکھا جائے، جب تک آپ ﷺ طائف کے محاصرے سے واپس نہ آجائیں۔ ⓫

⇦⇦⇦ دیا ہے اور کچھ نے ''ضعیف''۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ حدیث ''حسن'' ہے۔ (فتح الباری، ۷:۴۲) بخاری کی روایت سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ درید بن الصمہ اوطاس میں مارا گیا تھا اور زبیر نے اسے قتل کیا تھا۔ (صحیح، ۵:۱۲۸)

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۲:۴۵۷ بغیر سند کے۔

❷ ابوداؤد، سنن، ۲:۶۵۔ وہ کہتے ہیں: ''یہ ایک ''حسن'' حدیث ہے۔'' حاکم، مستدرک، ۲:۱۳۰۔ وہ کہتے ہیں: ''مسلم کی شرائط کی رو سے یہ ''صحیح'' ہے، لیکن نہ انھوں نے اور نہ بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔'' ذہبی نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔

❸ ابن ہشام، سیرۃ، ۲:۴۵۵، ابن سعد، طبقات، ۲:۱۵۲، واقدی، مغازی، ۳:۹۱۶۔

❹ عبدالرزاق، المصنف، ۵:۳۸۰، ابن سعد، طبقات، ۲:۱۵۵، طبری، تاریخ، ۱۰:۱۰۲۔

❺ طبری، تاریخ، ۳:۸۲۔ اس کی سند ''حسن'' ہے جو عروہ تک جاتی ہے۔

❻ ابن ہشام، سیرۃ، ۲:۴۸۸، بغیر سند کے روایت ہے، لیکن طبری نے ابن اسحٰق سے روایت کیا ہے کہ ۶۰۰۰ اونٹ تھے اور خواتین اور بچوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ (تاریخ، ۳:۸۶)

❼ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴:۳۴۷، ابن اثیر، النہایۃ، ۳:۲۰۷، ۲۰۸۔

❽ ابن سعد، طبقات، ۲:۱۵۲، بغیر سند کے۔ ❾ ایضاً۔ ❿ ایضاً۔

⓫ بزار نے اس کی تخریج کی ہے، کشف الأستار ۲/۳۵۳۔ ابن حجر، الاصابۃ: ۱/۱۴۵ باسناد حسن صحیح یہ ہے کہ ابن اسحٰق اور یہ مدلس ہے، ابن بدیل بن ورقا کے بیٹے اجام کا نام ہے۔

Marfat.com

اس موقع پر مسلمانوں کی جانب سے جو قربانیاں دی گئیں، ان میں چار شہداء ہیں جن کے نام ابن اسحٰق نے نقل کیے ہیں۔ [1] اس کے علاوہ زخمی ہونے والوں میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن ابی اوفی اور خالد رضی اللہ عنہم بن ولید کے نام شامل ہیں۔ [2]

مسلمانوں کے بہت معمولی جانی نقصان کی وجہ یہ تھی کہ جنگ کے پہلے دور میں، جس میں مسلمان پیچھے ہٹ گئے تھے صرف تیروں کا تبادلہ ہوا، البتہ دوسرے دور میں دوبدو مقابلہ ہوا اور جنگ شدت اختیار کر گئی، لیکن اس مرتبہ ہوازن اور ثقیف پر کڑا وقت پڑا اور انھیں بڑی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا۔ مسلمانوں کو جو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا، وہ یہ تھا کہ ان کے لوگ زخمی ہوئے اور زخمی بھی ایسے کہ جلد ہی صحت یاب ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ میں مسلمان فوج بالکل محفوظ اور صحیح و سالم رہی۔ اس کا پتا یوں چلتا ہے کہ اولاً مسلمانوں نے حنین سے بہت دور تک شکست خوردہ دشمن کا تعاقب کیا، اور ثانیاً اس فیصلہ کن جنگ کے ختم ہوتے ہی آرام کیے بغیر ہی وہ طائف کے محاصرے پر نکل گئے۔ یہ غزوہ بھی اتنا ہی اہم تھا جتنا کہ غزوۂ بدر۔ مسلمانوں نے اس جنگ میں اپنے تمام وسائل اسی طرح داؤ پر لگا دیے تھے جس طرح ہوازن نے۔ اہل عرب اسلام کے بارے میں آخری فیصلہ کرنے سے قبل یہ دیکھنے کے منتظر تھے کہ اس جنگ میں کون فریق بازی جیتے گا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ہوازن کو شکست فاش ہو گئی ہے تو بے شمار وفود جوق در جوق آ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔

نخلہ اور اوطاس کی جانب بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب

ہوازن کی قوت تہس نہس ہو گئی اور وہ مختلف پہاڑوں اور وادیوں میں منتشر ہو گئے۔

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ ۴۵۹/۲، بغیر سند کے۔

[2] بخاری، صحیح، ۵: ۱۲۶، حمیدی، مسند، ۲: ۳۹۸ ایک صحیح سند کے ساتھ۔ بزار (کشف الاستار للهیثمی، ۲: ۳۴۶) ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی سند کو "حسن" کہا ہے، (۸: ۴۲)، لیکن وہ کہتے ہیں کہ اس کا متن "منکر" ہے۔ (مختصر زوائد مسند البزار، ص ۲۴۹، ۲۵۰، حدیث ۸۱۶) میں نے ان مآخذ سے زخمیوں کے نام جمع کیے ہیں، لیکن کسی ایک مآخذ میں بھی پورے نام نہیں دیے گئے۔

Marfat.com

مالک بن عوف النصری طائف میں محصور ہوگیا، جب کہ بقیہ فوج اوطاس میں خیمہ زن ہوگئی۔ اوطاس ایک وادی ہے جو طائف اور حنین کے درمیان واقع ہے۔ قبیلہ ثقیف کے بنو غیرہ نے نخلہ میں خیمے نصب کیے جو سبواحہ اور الشرائع (حنین) کے درمیان ہے۔ ❶

مسلمان سواروں نے نخلہ تک ہوازن کا تعاقب کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو اوطاس روانہ فرمایا، انھوں نے وہاں جنگ کی اور درید بن الصمہ ❷ کو قتل کیا۔ اسی دوران میں آپ کو ایک تیر لگا اور آپ زخمی ہوئے اور شہید ہوگئے، لیکن شہادت سے قبل آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور ان سے یہ گزارش کی کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کا سلام اور دعائے مغفرت کی درخواست پہنچادی جائے۔ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کا یہ پیغام پہنچایا تو آپ نے ہاتھ بلند کر کے ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ ❸

دشمن کے جو قیدی گرفتار ہو کر آئے، ان میں شیما بھی تھیں، جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں۔ ابن اسحٰق اور دیگر مصنفین کی ''مرسل'' روایات اس امر کی تائید کرتی ہیں کہ اس واقعہ کا تاریخی جواز موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے شیما کے ساتھ انتہائی عزت واحترام کا برتاؤ کیا۔ شیما نے اپنا مکمل تعارف کراتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو زخم کا وہ نشان بھی دکھایا جو بچپن میں آپ ﷺ کے کاٹنے کی وجہ سے ہوگیا تھا۔ یہ اسی زمانے کی بات ہے جب آپ ﷺ بنو سعد میں شیما کے ساتھ پرورش پا رہے تھے۔ ❹ اس کے

---

❶ ابن اسحٰق، سیرۃ ابن ہشام، ۲: ۴۵۳، ۴۵۴، بغیر سند کے۔ محل وقوع کے تعین کے لیے دیکھیے: حربی، کتاب المناسک، حمد الجاسر کے حواشی، ۳۴۶، ۳۵۳، ۴۷۱، ۶۵۴۔

❷ ہم پہلے ہی اس طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ جنگ حنین کے خاتمے پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام نے درید بن الصمہ کو قتل کیا۔ یہ بیان بخاری کی روایت سے متفق ہے، کیوں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اوطاس کی فوج میں شامل تھے۔

❸ بخاری، صحیح، ۴: ۲۸، ۵: ۱۲۸، ۸: ۶۹، مسلم، صحیح، ۴: ۱۹۴۳، ابن اسحٰق، بغیر سند کے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۲: ۴۵۴) واقدی، مغازی، ۳: ۹۱۵

❹ ابن اسحٰق (سیرۃ، ابن ہشام، ۲: ۴۵۸) بنو سعد کے کچھ لوگوں سے۔ مزید دیکھیے: بیہقی، دلائل النبوۃ، ۳: ۵۶، قتادہ کی ''مراسیل'' سے۔ اس کی سند میں ایک کمزور راوی بھی شامل ہے۔

Marfat.com

کے علاوہ چند روایات ایسی ہیں جو بذاتِ خود قوی نہیں ہیں، لیکن ایک دوسری کو اس طرح تقویت پہنچاتی ہیں کہ انھیں ایک تاریخی ثبوت کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے۔ ان روایات کی رو سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ محترمہ حضرت حلیمہ سعدیہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اور آپ ﷺ نے ان کے ساتھ انتہائی عزت اور احترام کا برتاؤ کیا اور ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک کھول کر بچھا دی تھی۔ ❶

❶ طبری، جامع البیان، ۱۰: ۱۰۱، قتادہ کی ''مراسیل'' سے ایک ''حسن'' سند کے ساتھ مروی ہے۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب، ص ۴۴۰، ابوداؤد، سنن، ۲: ۶۳۰، ابوطفیل کی حدیث سے، لیکن اس کی سند میں کچھ مجہول راوی شامل ہیں۔ حاکم، مستدرک، ۴: ۱۶۴، ۳: ۶۱۸۔ ان کا کہنا ہے کہ ''اس کی سند صحیح ہے۔'' ابن کثیر (البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۳۶۴) کا خیال ہے کہ یہ حلیمہ نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی بہن شیما تھیں، کیوں کہ اس وقت ان کی عمر ۹۰ برس سے متجاوز ہوگی۔ ابوداؤد، المراسیل، ایک ''معزل'' سند کے ساتھ۔ (ابن کثیر، دیکھیے: حوالہ سابقہ)۔

Marfat.com

غزوۂ طائف

جب مسلمانوں نے ہوازن کو شکست فاش دے کر نخلہ اور اوطاس تک مار بھگایا تو انھوں نے طائف کا رخ کیا، جہاں قبیلہ ثقیف اور مالک بن عوف النضری قلعہ بند بیٹھے ہوئے تھے۔ طائف ایک پہاڑی علاقہ تھا جو مضبوط دیواروں اور دفاعی قلعوں سے گھرا ہوا تھا۔ شہر میں دروازوں کے علاوہ داخلے کا کوئی اور راستہ نہ تھا، اور ان دروازوں کو قبیلہ ثقیف نے بند کر رکھا تھا۔ انھوں نے اپنا غلہ اور ساز و سامان مہیا کر لیا تھا جو انھیں سال بھر کے لیے کافی تھا۔ جب مسلمان طائف پہنچے تو شوال کی ۲۰ تاریخ تھی، اور مسلمانوں کو حنین کی جنگ اور نخلہ اور اوطاس کے حملوں کے بعد آرام کا قطعاً کوئی موقع نہ ملا تھا۔ نخلہ اور اوطاس پر حملے ۱۰ شوال کو شروع ہوئے تھے جو تقریباً ایک ہفتے سے زیادہ تک جاری رہے تھے۔

عروہ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ [1] کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ۱۰ روز سے زیادہ عرصہ تک طائف کا محاصرہ کیے رکھا۔ عروہ ہی کی ایک اور روایت سے پتا چلتا ہے کہ یہ محاصرہ نصف ماہ پر محیط تھا۔ [2] اگرچہ یہ تمام روایات ''مرسل'' ہیں اور انھیں کسی ثبوت کے طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا، تاہم عروہ اور موسیٰ کا شمار ان مصنفین میں ہوتا ہے جن کی تحریریں مغازی پر بہترین اور قابلِ اعتماد تصور کی جاتی ہیں اور ان کی روایات واقعات کے تاریخی تسلسل سے بھی مطابقت رکھتی ہیں۔ دیگر روایات کے مطابق یہ محاصرہ ۲۵ روز، [3]

---

[1] بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹:۸۴، دلائل النبوۃ، ۳:۴۷، ب۔ دونوں حوالے ''مرسل'' ہیں۔ بیہقی کی دو سندوں میں ایک ایسا شخص ہے جس کے حالات مجھے نہیں مل سکے۔ عروہ کی روایت میں وہ شخص ابوعلاثہ محمد بن عمرو بن خالد ہے اور موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں وہ فرد محمد بن عبداللہ بن عتاب ہے۔

[2] طبری، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ جو عروہ تک جاتی ہے۔ روایت ''مرسل'' ہے۔ (تاریخ الرسل والملوک ۳:۸۲)

[3] بیہقی، دلائل النبوۃ، ۳:۴۶، الف۔ السیرۃ میں ابن اسحٰق نے کہا: ''۲۰ طاق راتیں''۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۲:۴۷۸، ۴۸۳)

Marfat.com

ایک ماہ ❶ یا ۴۰ روز ❷ جاری رہا تھا، لیکن ان روایات کی تائید تاریخی واقعات سے نہیں ہوتی، خاص طور پر اس روایت کی کہ یہ محاصرہ ۴۰ روز تک جاری رہا تھا۔ ذوالقعدہ کا مہینہ ختم ہونے میں ابھی چند روز باقی تھے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس پہنچ گئے، ❸ اور آپ ﷺ نے الجعرانہ میں ۱۰ راتوں سے زیادہ قیام کیا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے عمرہ ادا فرمایا۔ طائف کا محاصرہ اٹھا لینے کے بعد اس تمام کارروائی میں تقریباً ۱۸ دن لگ گئے ہوں گے۔

مسلمانوں نے طائف جانے والی وہ قدیم شاہراہ استعمال کی تھی جو شہر میں جنوب کی طرف سے داخل ہوتی ہے۔ اس سفر کے دوران میں لوگ نخلة الیمنیه اور قرن المنازل سے گزرے جو مکہ سے ۸۰ کلومیٹر اور طائف سے ۵۳ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس کے بعد مسلمان الملیح سے گزرے جو طائف کی ایک وادی ہے اور پھر بحرة الرغاء سے جو طائف کے جنوب میں ۱۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ ❹ یہ طویل راستہ ہے جب کہ مکہ سے طائف جانے والی جدید شاہراہ اس کے مقابلے میں مختصر اور صرف ۹۰ کلومیٹر ہے۔ شمال کی جانب سے طائف پر حملہ کرنا اس لیے مشکل تھا کہ اس قطعۂ زمین پر بل کھاتے پیچیدہ راستوں نے شہر کو قدرتی طور پر ایک قلعے کی شکل دے دی تھی۔

مسلمان طائف کے قلعے کے نزدیک خیمہ زن ہوئے، وہ ثقیف سے اتنے نزدیک تھے کہ ان کے تیروں کی زد میں آ گئے تھے۔ جب ان کے کچھ تیر آ کر مسلمانوں کو لگے تو

---

❶ ابن اسحٰق اپنی ''مرسل'' میں جو عبداللہ بن ابی بکر بن حزم اور عبداللہ بن مکرم سے ایک ''حسن'' سند کے ساتھ مروی ہے اور ان تک جاتی ہے۔ (بیہقی، دلائل النبوة، ۳: ۴۸)

❷ مسلم، صحیح، ۲: ۷۳۶، احمد، مسند، ۳: ۱۵۷۔ امام احمد سے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ابن کثیر وضاحت کرتے ہیں کہ راوی، صامت اس بارے میں ابہام کا شکار تھا کہ محاصرے نے کتنے عرصے تک طول پکڑا تھا۔ (البدایة والنہایة، ۴: ۳۵۶)

❸ ابن ہشام، سیرة، ۲: ۵۰۰، ابن حزم، جوامع السیرة، ص ۲۴۸۔ ابن حزم وثوق کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ محاصرہ ۱۳ سے ۱۸ راتوں کی درمیانی مدت تک قائم رہا۔ (حوالہ ماقبل، ص ۲۴۳، ۲۴۸)

❹ ابن اسحٰق، سیرة، ابن ہشام، ۲: ۴۷۸، ۴۸۳۔ فاصلے کے تعین کے لیے دیکھیے: بلادی، معجم المعالم الجغرافیة، ص ۲۵۴، نسب الحرب، ص ۳۹، ۲۲۵، حربی، کتاب المناسک، حمد الجاسر کا حاشیہ، ص ۳۵۲۔

Marfat.com

مسلمانوں نے اپنے خیمے وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ لگا لیے، جہاں مسجد تعمیر کر دی گئی تھی۔ ❶ یہ مسجد آج بھی مسجد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ قدیم زمانے میں شہر طائف مسجد کے جنوب مغرب میں واقع تھا۔ ❷

یہ جنگ تیروں کے تبادلے سے ہی لڑی گئی۔ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لیے دبابے سے کام لیا تھا۔ دبابہ لکڑی سے بنائی گئی ایک گاڑی تھی جس کے اوپر چمڑا مڑھ دیا گیا تھا اور اسے پہیے لگا کر اونچا کیا گیا تھا۔ دبابے کی اوٹ لے کر تیروں سے بچتے ہوئے مسلمان قلعے کی دیوار تک پہنچ گئے۔ ثقیف نے مسلمانوں کے دبابے پر لوہے کے تپائے ہوئے ٹکڑے پھینکے جن سے اسے آگ لگ گئی۔ اب مجاہدین اس کی اوٹ سے باہر نکل آئے اور ثقیف کے تیروں کی زد میں آ گئے۔ ❸ یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلمانوں نے کسی قلعے پر حملہ کرنے کے لیے اس قسم کی جنگی تدبیر اختیار کی تھی۔ جرش الیمانیہ جس کے کھنڈر آج بھی وادی بیشہ ❹ کی بلندیوں پر پائے جاتے ہیں، وہ علاقہ ہے جہاں اس قسم کے دبابے، منجنیقیں اور دیگر جنگی مصنوعات ❺ تیار کی جاتی تھیں۔ ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ ثقیف کے دو سرداروں نے جرش میں بطورِ خاص ان جنگی آلات کے بنانے اور انھیں استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا تاکہ ان کی مدد سے طائف کا دفاع کیا جا سکے۔ ❻

---

❶ ابن اسحٰق، سیرۃ، ابن ہشام ۴:۴۷۸، حاشیہ

❷ بلادی، معجم المعالم الجغرافیۃ، ص ۲۱۳، ۲۱۴، ص ۳۱۶۔

❸ ابن اسحٰق، سیرۃ، ابن ہشام ۲: ۴۷۸، ۴۸۳۔ دبابہ کے متعلق دیکھیے: محمد شیت خطاب، الرسول القائد، ص ۲۵۴۔ ❹ حربی، کتاب المناسک، حمد الجاسر کے حواشی، ص ۲۵۸۔

❺ منجنیق ایک طویل اور مضبوط شہتیر ہوتا تھا جسے دو پہیوں کی ایک گاڑی پر رکھا جاتا تھا۔ اس کے ایک سرے پر ایک چرخی ہوتی تھی جس کے گرد ایک رسا بندھا ہوتا تھا۔ رسے کے ایک سرے پر تھیلے کی شکل میں ایک جال لگا ہوتا تھا جس میں بڑے بڑے پتھر یا آتش گیر مادہ رکھا جاتا تھا، پھر انھیں شہتیر اور رسے کی مدد سے پھینکا جاتا تھا۔ جال میں جو گولے رکھے جاتے تھے، وہ پھٹ کر دیواروں کے اوپر گرتے تھے اور جس جگہ گرتے تھے، اسے جلا کر خاکستر کر دیتے تھے۔ (محمد شیت خطاب، الرسول القائد)

❻ ابن اسحٰق، سیرۃ ابن ہشام ۲: ۴۷۸، طبری، تاریخ ۲: ۳۵۳۔

Marfat.com

رہا یہ سوال کہ مسلمانوں نے قلعے پر حملہ کرنے کے لیے یہ جنگی مصنوعات کہاں سے حاصل کی تھیں؟ [1] اس بارے میں ایک روایت تو یہ ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن سعید بن عاص جرش سے دو منجنیقیں اور دو دبابے لائے تھے، جب کہ دوسری روایت کے مطابق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے منجنیقیں خود تیار کی تھیں، [2] تاہم یہ بات واضح ہے کہ مسلمانوں کے پاس جنگی ساز و سامان بہت کم تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تھا کہ طائف کے گرد و نواح میں انگوروں اور کھجوروں کے جتنے بھی باغات پائے جاتے ہیں، ان سب کو نذر آتش کر دیا جائے تاکہ ثقیف پر مسلمانوں کا دباؤ مزید بڑھ جائے، انھوں نے درخواست کی کہ درختوں کو جلانے سے گریز کیا جائے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اپنا ارادہ بدل دیا، لیکن آپ ﷺ کے اس ارادے کو بھانپ کر ہی ثقیف کے حوصلے پست ہو گئے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے طائف کے غلاموں کو پکار کر یہ نوید بھی سنائی کہ ان میں سے جو شخص بھی قلعے کی دیواروں سے اتر کر مسلمانوں کے پاس آ جائے گا، اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر ۲۳ غلام اتر کر نیچے آ گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابوبکرہ ثقفی بھی انھی لوگوں میں شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب لوگوں کو رہا کر دیا [4] اور انھیں اس وقت

---

[1] ابوداود، المراسیل، ص ۲۷۔ ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ جو مکحول تک جاتی ہے۔ ابوداود کی ''مراسیل'' میں سے ایک اور سند سے جو عکرمہ (ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام) تک جاتی ہے۔ امام شافعی نے اس واقعے کو ثبوت کے طور پر لیا ہے۔ (کتاب الأم، ۴:۱۶۱)

[2] واقدی، مغازی، ۳: ۹۲۳، ۹۲۷۔ انھوں نے روایت کیا ہے کہ طفیل رضی اللہ عنہ بن عمرو دوسی رسول ﷺ کے حکم پر ذوالکفین نام کے ایک بت کو توڑنے گئے تھے اور انھوں نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے ۴۰۰ ہمراہیوں کے ساتھ طائف میں مسلمانوں سے آ ملے اور اس وقت ان کے پاس ایک دبابہ اور منجنیق تھی۔

[3] بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹:۸۴۔ موسیٰ بن عقبہ اور عروہ بن زبیر کی ''مراسیل'' سے، جن کی سند کا سلسلہ ان دونوں اصحاب کے ساتھ جا کر ملتا ہے۔ اس سلسلۂ سند میں ایک ایسے راوی شامل ہیں جن کے حالات مجھے دستیاب نہیں ہو سکے۔ ابن اسحٰق، عمرو بن شعیب کی ''مراسیل'' سے۔ مزید دیکھیے: شافعی، الأم، ۷: ۳۲۳۔

[4] عبدالرزاق، المصنف، ۵:۳۰۱، ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۴۶، ابن سعد، طبقات، ۲: ۱۵۸، ۱۵۹۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲: ۲۴۵۔ انھوں نے کہا: ''اس کے راوی صحیح ہیں۔'' غلاموں کا نیچے اترنا اور ان کی تعداد صحیح بخاری ⇦⇦

Marfat.com

بھی ان کے سابق آقاؤں کے حوالے نہ کیا، جب ان کے آقاؤں نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔ ❶

اگرچہ مسلمانوں نے جنت کے اعلیٰ مقام کے حصول کی تڑپ میں جس کا وعدہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کیا تھا، ❷ ثقیف پر تیروں کی بارش کردی تھی، لیکن وہ حوصلے اور عزم کے ساتھ ڈٹے رہے۔ مسلمانوں نے اس محاصرے کے دوران بہت زخم کھائے۔ ❸ اور ان کے ۱۲ افراد شہید ہوگئے تھے، ❹ لیکن مشرکوں کے صرف ۳ افراد مارے گئے، کیوں کہ وہ قلعہ بند تھے۔ ❺

ایک صحیح روایت سے پتا چلتا ہے ❻ کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا تو آپ ﷺ کا مقصد اسے فتح کرنا نہیں تھا۔ آپ ﷺ کا ارادہ صرف یہ تھا کہ ثقیف پر یہ واضح کردیں کہ ان کا علاقہ ہمہ وقت مسلمانوں کی پہنچ میں ہے اور وہ جب چاہیں، اس پر حملہ کرسکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان ایک ایسے شہر کو فتح کرنے کے لیے جو قلعہ بند ہے، غیر ضروری مشکلات میں گرفتار ہوں اور ایسی صورتِ حال سے دوچار ہوجائیں جس میں انھیں زیادہ لوگوں کی شہادت کا نذرانہ پیش کرنا پڑے، جب کہ شہر کے چاروں طرف اسلام پھیل چکا ہے اور اہل شہر کے سامنے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ جلد یا بدیر اسلام قبول کرلیں، یا ہتھیار ڈال دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

⇦⇦⇦ سے ثابت شدہ ہے (۱۲۹:۵)، لیکن بخاری میں یہ ذکر نہیں کہ انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔

❶ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۸۵، ابن سعد، طبقات، ۲: ۵۹، احمد، مسند، ۱: ۲۳۶، ۲۴۳، ۲۴۸۔ یہ حجاج بن ارطاۃ کی روایت پر مبنی ہے، جو ''صدوق'' ہیں، لیکن ''مدلس'' ہیں اور ''عنعنہ'' کے مرتکب ہوتے ہیں۔

❷ آقائے دوجہاں ﷺ نے یہ الفاظ (''جو شخص ایک تیر چلاتا ہے، وہ جنت میں یقینی طور پر ایک درجہ حاصل کرے گا۔'') محاصرۂ طائف کے موقع پر فرمائے تھے۔ یہ ''صحیح'' حدیث ہے۔ احمد، مسند، ۴: ۱۱۳، ۳۸۴۔ قتادہ سے بیہقی کی السنن الکبریٰ (۹: ۱۶۱) میں صاف طور پر اس کی تحدیث ہے۔

❸ صحیح بخاری، ۸: ۲۰، ۹: ۱۱۳۔

❹ ابن اسحٰق نے بغیر سند کے ان کے نام دیے ہیں۔ سیرۃ ابن ہشام، ۲: ۴۸۶، ۴۸۷۔

❺ ابوداؤد، المراسیل، ۴۸، عکرمہ سے روایت ہے۔ واقدی، مغازی، ۳: ۹۲۶، ۹۲۹، ۹۳۰۔

❻ صحیح بخاری، ۵: ۱۲۸، ۹: ۱۱۳۔

Marfat.com

ثقیف کے اسلام قبول کرنے کے اتنے ہی شدید خواہاں تھے جتنے اس سے پہلے قریش کے قبولِ اسلام کے خواہاں تھے۔آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ وہ ایک ہوشیار اور زیرک قوم ہے اور دین اسلام کو ان کی شمولیت سے بہت زیادہ فوائد حاصل ہوں گے اور ان کے قبولِ اسلام کے دور رس اثرات مرتب ہوں گے۔آپ ﷺ کی بڑے عرصے سے یہ تمنا تھی کہ ثقیف اسلام قبول کرلیں۔اسلام کے پیغام کو ان لوگوں تک پہنچانے کی سعی اور جہد آپ ﷺ نے اس وقت سے شروع کر رکھی تھی جب آپ ﷺ مکہ میں تھے۔آپ ﷺ نے اس وقت ان کی ہدایت کے لیے دعا فرمائی تھی جب انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو حقارت سے مسترد کرتے ہوئے آپ ﷺ کو زخمی کر دیا تھا۔طائف کے محاصرے کے دوران میں بھی چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے گزارش کی کہ اہل طائف کو بد دعا دی جائے،جس کے جواب میں آپ ﷺ نے ان کے لیے ان الفاظ میں دعا فرمائی:''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت نصیب فرما۔'' ❶

اس حقیقت کے پیش نظر یہ امر چنداں باعث حیرت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طائف کا محاصرہ اٹھانے کا حکم دیا۔ابتداء میں جب آپ ﷺ نے یہ محسوس فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں لڑنے کا جوش اور جذبہ پایا جاتا ہے تو آپ ﷺ نے انھیں چند جھڑپوں میں حصہ لینے کی اجازت دے دی،لیکن ان پر جلد ہی یہ بات واضح ہوگئی کہ ان حالات میں لڑائی بے سود ہے،لہٰذا جب رسول اللہ ﷺ نے دوسری مرتبہ محاصرہ اُٹھانے کا حکم دیا تو انھوں نے آپ ﷺ کے اس دانش مندانہ فیصلے کی تائید کی۔ ❷ اب مسلمان الجعرانہ کی طرف پلٹے،اور جب وہ وہاں پہنچے تو ذوالقعدہ کی ۵ تاریخ تھی۔

حنین سے کثیر مقدار میں جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا،اسے الجعرانہ میں جمع کر دیا گیا

---

❶ ترمذی،سنن،۵:۳۸۵،۳۸۶۔انھوں نے کہا:''یہ روایت''حسن صحیح''غریب ہے۔''البانی نے وضاحت کی ہے کہ مسلم کی شرائط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہوتی،اگر یہ ابوزبیر کے''عنعنہ''کے بغیر ہوتی۔ابوزبیر نے اسے روایت کیا ہے اور وہ مدلس ہیں۔غزالی،فقہ السیرۃ،ص۴۳۲۔

❷ صحیح بخاری،۵:۱۲۸،۹:۱۱۳۔

Marfat.com

تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تقسیم کو طائف کے محاصرے سے واپسی تک کے لیے مؤخر کر دیا تھا، سوائے کچھ چاندی کے جو آپ ﷺ نے اسی وقت تقسیم فرما دی تھی۔ ❶

آپ ﷺ نے مزید دس روز انتظار فرمایا، ❷ کیوں کہ آپ ﷺ کو امید تھی کہ ہوازن آپ ﷺ کے پاس آئیں گے اور اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کر دیں گے، لیکن جب وہ نہ آئے تو آپ ﷺ نے مالِ غنیمت تقسیم فرما دیا۔ غنیمت کے بارے میں حکمِ خداوندی یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کا پانچواں حصہ قرآنی ہدایت کے مطابق صرف کریں گے:

﴿ وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ﴾ (الانفال: ۴۱)

''اور اس بات کو جان لو کہ جو بطور غنیمت کے تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے اور آپ کے قرابت داروں کا ہے اور یتیموں کا ہے اور غریبوں کا ہے اور مسافروں کا ہے۔''

مالِ غنیمت کے باقی ماندہ چار حصوں کے بارے میں یہ حکم تھا کہ قتال میں شریک مجاہدین کے درمیان مساوی تقسیم کر دیے جائیں۔ یہ تقسیم اس طرح عمل میں آئے گی ہر پیادے کا ایک حصہ اور ہر گھڑسوار کے تین حصے ہوں گے، ایک حصہ اس کے لیے اور دو اس کے گھوڑے کے لیے۔ یہ احکام اس مالِ غنیمت کے لیے ہیں جو اموالِ منقولہ پر مشتمل ہو۔ اموالِ غیر منقولہ کے بارے میں سربراہِ مملکت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اسے تقسیم کر دے یا بچا کر رکھ لے۔ بچا کر رکھنے کی صورت میں ان اموالِ غیر منقولہ کو ریاست کی ملکیت تصور کیا جائے گا۔ وہ اموال جو مسلمانوں کو قتال کے ذریعے حاصل ہوں، غنیمت کہلاتے ہیں اور ان کی تقسیم اوپر بتائے گئے طریقے کے مطابق عمل میں آتی ہے اور وہ تمام اموال جو دیگر طریقوں سے حاصل ہوں، فئے کہلاتے ہیں اور سربراہِ مملکت کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ

---

❶ حاکم، مستدرک، ۲: ۱۲۱۔ انھوں نے کہا: ''مسلم کی شرائط کی رو سے یہ حدیث ''صحیح'' ہے، اگرچہ انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔'' ذہبی نے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا۔

❷ صحیح بخاری، ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۳۲۔ ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ عرصہ ۱۳ راتوں پر محیط تھا۔

Marfat.com

انھیں کسی بھی رفاہی مد میں صرف کر دے۔ اگر سربراہ مملکت چاہے تو ان مجاہدین کو خصوصی انعامات سے بھی نواز سکتا ہے جنھوں نے لڑائی میں فقید المثال کارنامے سرانجام دیے ہوں۔ یہ انعامات خمس نکالنے سے پہلے بھی دیے جا سکتے ہیں اور خمس نکالنے کے بعد بھی، اور خمس میں سے بھی دیے جا سکتے ہیں۔ مجاہدین کو یہ اجازت بھی دی گئی ہے کہ وہ جس مشرک کو قتل کریں، اس کی چیزوں پر قبضہ کر لیں۔ اس موقع پر مالِ غنیمت کی تقسیم جس طرح عمل میں آئی، کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم وقتی طور پر اس کی حکمتوں اور مصالح کا ادراک نہ کر سکے، کیوں کہ اس تقسیم میں طلقاء اور بدوؤں کو باقی مسلمانوں پر فوقیت دی گئی تھی، کیوں کہ وہ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے اور ایمان ابھی ان کے قلوب میں پوری طرح راسخ نہ ہوا تھا۔ اس موقع پر ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کی تالیفِ قلب کی جائے۔ ان اصحاب میں سے جن کو سو سو اونٹ عطا کیے گئے، وہ یہ تھے: عیینہ بن حصن (یہ قبیلہ غطفان کے سردار تھے)، الاقرع بن حابس (یہ تمیم کے سردار تھے)، علقمہ بن علاثہ، عباس بن مرداس، سہیل بن عمرو، حکیم بن حزام، ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ (آخر الذکر تمام کے تمام سردارانِ قریش تھے۔) ❶ اس سلسلے میں ابن اسحٰق نے جو فہرست مرتب کی ہے، اس کی رو سے جن افراد کو ایک ایک سو اونٹ عطا کیے گئے تھے، ان کی تعداد ۱۲ ہے۔ ابن اسحٰق نے ۱۵ ایسے افراد کا بھی ذکر کیا ہے جنھیں ایک سو سے کم اونٹ ملے۔ ❷ ابن ہشام نے ایسے افراد کا ذکر کیا ہے جن کی تالیفِ قلب ❸ کی گئی تھی، جب کہ بعض دیگر مصنفین نے یہ تعداد ۲۳ بتائی ہے۔ اس طرح یہ کل ۵۲ افراد ہیں۔

ان خطیر انعامات نے سردارانِ قریش اور ان کے متبعین کے دل جیت لیے، انھیں بھرپور خوشی اور اطمینانِ قلب کی دولت نصیب ہوئی۔ ان کی یہ تمنا تھی کہ اسلام کا دائرہ مزید پھیل

---

❶ مسلم، صحیح، ۲: ۷۳۷، احمد، مسند، ۳: ۲۴۶۔ ابن حجر نے کہا ہے کہ: ''اس کی سند مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔'' (فتح الباری، ۸: ۵۰) صحیح بخاری، ۲: ۱۰۴، ۴: ۵، ۳، ۷۳، ۸: ۷۹۔

❷ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۴۹۲، ۴۹۳۔ بغیر سند کے۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ۳: ۳۷، ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۴۸۔

❸ ایضاً، ۲: ۴۹۴، ۴۹۶۔

Marfat.com

جائے۔ ان کے اسلام میں استقامت اور ان کے ایمان میں استحکام پیدا ہوا اور آگے چل کر انھوں نے اسلام کی راہ میں اپنی جان و مال سے گراں قدر خدمات انجام دیں، لیکن ابن حزم کی روایت کے مطابق ان میں سے چند ایک ایسے تھے جو آخر تک کمزور رہے، مثلاً عیینہ بن حصن الفزاری۔ ❶

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں: ''لوگ دنیاوی مال و دولت کی خاطر اسلام قبول کیا کرتے تھے، مگر جب اسلام قبول کر لیتے تھے تو پھر انھیں اسلام کی دولت دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہو جاتی تھی۔'' ❷

جن لوگوں کی تالیفِ قلب کی گئی تھی، ان میں سے چند ایک نے اپنے ان تاثرات اور جذبات کا اظہار بھی کیا جو اس موقع پر ان کے دلوں میں پیدا ہوئے تھے۔ صفوان بن امیہ کہتے ہیں: ''جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سب سے پہلے انعام سے نوازا تو آپ میری نظر میں دنیا کی مبغوض ترین ہستی تھے، لیکن جب آپ مجھے اپنے انعامات سے مسلسل نوازتے رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری نگاہ میں دنیا کی محبوب ترین شخصیت ہو گئے۔'' ❸

صفوان بن امیہ وہ شخص تھے جن کی تالیفِ قلب کی جاتی رہی تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے انعام وصول کر کے بے حد خوشی محسوس کیا کرتے تھے اور جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کوئی چیز عطا فرمائی، انھوں نے مزید کا مطالبہ کر دیا۔ اس پر رسول اللہ نے انھیں تنبیہ کرتے ہوئے، اسلام میں دولت کا صحیح تصور واضح کیا، جس کے بعد صفوان اس قدر محتاط ہو گئے تھے کہ بیت المال سے اپنا سالانہ وظیفہ لیتے ہوئے بھی جھجکتے تھے۔ ❹
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی تالیف قلب کی گئی تھی، ان کی سوچ میں کتنی تبدیلی آ گئی تھی اور ان کی ذہنی سطح کس قدر بلند ہو گئی تھی، پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا، ان پر اسلام کی حقانیت اور اس کی اہمیت زیادہ اجاگر ہوتی چلی گئی۔

---

❶ ابن حزم، جوامع السیرۃ، ۲۴۸۔ ❷ مسلم، صحیح، ۴:۱۸۰۶۔ ❸ ایضاً۔
❹ ابن حجر، فتح الباری، ۳:۳۳۶۔ مزید دیکھیے: بخاری میں حدیث، ۲:۱۰۴، ۴:۵۳، ۷۳:۸، ۷۹، مسلم، ۲:۷۱۷

Marfat.com

چند مسلمان ایسے بھی تھے جنھیں اس بات پر ملال تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے انعامات سے محروم رکھا۔ آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے اپنے فیصلے کی حکمت واضح کرتے ہوئے ان سے فرمایا:

''اللہ کی قسم! بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں کچھ لوگوں کو مخصوص کر کے انھیں اپنے انعامات سے نوازتا ہوں، مگر جنھیں میں انعامات سے محروم رکھتا ہوں، ان سے ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ محبت کرتا ہوں جنھیں میں عطا کرتا ہوں۔ بخدا! کچھ لوگوں کو میں اس لیے دیتا ہوں کہ میں ان کے دل کی بے چینی اور گھبراہٹ سے واقف ہوں اور جنھیں میں نہیں دیتا، میں جانتا ہوں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں قناعت رکھ دی ہے۔'' ❶

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ان لوگوں کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں جو کفر کے بہت قریب ہیں، (یعنی اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے ہیں) اور انھیں تالیف قلب کی شدید ضرورت ہے۔'' ❷ آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا: ''ہوسکتا ہے کہ میں کسی کو کچھ دوں، لیکن محبت کسی دوسرے سے کروں، کیوں کہ پہلے شخص کے بارے میں مجھے یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہیں وہ عذاب کا مستحق نہ ہوجائے۔'' ❸

رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ انصار کے بعض لوگ اس بات کو دل سے لگا بیٹھے ہیں کہ انھیں کوئی انعام نہیں دیا گیا، اور ان کے چند نوجوان یہاں تک کہہ بیٹھے کہ ''جب کوئی مشکل گھڑی آن پڑتی ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور مالِ غنیمت دوسروں کو دیا جاتا ہے۔'' اور یہ کہ ''قریش کو عطا کیا جاتا ہے اور دوسروں کو محروم کیا جاتا ہے، جب کہ ہماری تلواروں سے ابھی تک قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر تمام لوگوں کو ایک خیمے میں جمع کیا اور ان الفاظ میں ان سے خطاب فرمایا:

---

❶ صحیح بخاری، ۲: ۱۰، ۴: ۷۴، ۹: ۱۲۵، ۱۲۶۔ ❷ ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۵۳، بخاری کی ایک روایت سے۔

❸ صحیح بخاری، ۱: ۱۱، ۲: ۱۰۵، ۱۰۶، صحیح مسلم، ۱: ۱۳۲، ۱۳۳، ۲: ۷۳۲، ۷۳۳۔

Marfat.com

’’اہلِ قریش ابھی تک زمانۂ جاہلیت کے زیادہ قریب ہیں۔ اس لیے میں ان کی مدد کرکے ان کے دلوں کو اسلام پر مضبوطی کے ساتھ جمانا چاہتا ہوں۔ کیا تم لوگ اس بات سے خوش نہیں ہو کہ لوگ دنیاوی مال و متاع لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے کر اپنے گھر واپس جاؤ۔ اگر دوسرے لوگ کسی وادی سے گزریں اور انصار کسی اور گھاٹی سے، تو میں انصار ہی کا راستہ اختیار کروں گا۔‘‘

جب غنیمت کی تقسیم کی حکمت انصار پر پوری طرح واضح ہوگئی تو پھر رسول اللہ ﷺ نے ایمان اور اسلام کے ساتھ ان کی وفاداری اور بے مثال قربانیوں کی تعریف فرمائی۔ جب انصار پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ کس بناء پر انھیں پیچھے رکھا گیا تھا تو انھیں تسلی ہوگئی اور انھوں نے اپنے بھرپور اطمینان کا اظہار کیا۔ ❶ انھیں یہ جان کر مکمل تسکین حاصل ہوئی کہ یہ سب کچھ اس اسلام کی خاطر کیا گیا ہے جس کی خاطر وہ اپنی دو محبوب ترین چیزوں، یعنی اپنی جان اور اپنے مال کی قربانیاں دے رہے تھے۔ بھلا یہ جان کر وہ کیوں خوش نہ ہوتے کہ رسول اللہ ﷺ جنھیں انھوں نے اپنا پیشوا اور رہنما تسلیم کیا تھا، سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے ایمان اور عقیدے کی پختگی کی تعریف فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے اپنے لیے تعریفی کلمات سن کر انصار شدتِ جذبات سے رو پڑے اور بے ساختہ پکار اُٹھے: ’’ہم اس پر بالکل خوش اور مطمئن ہیں کہ ہمارے حصے میں اللہ کے رسول آئیں۔‘‘ ❷

جس وقت الجعرانہ کے مقام پر مالِ غنیمت تقسیم کیا جا رہا تھا، ایک بدو ❸ جس نے غزوۂ حنین میں حصہ لیا تھا، گستاخانہ لہجے میں رسول اللہ ﷺ سے بولا: ’’انصاف سے کام لو۔‘‘

---

❶ صحیح بخاری، ۴:۷۴، ۱۴۵، ۵:۲۶، ۲۸، ۱۳۰، ۱۳۱، ۷:۱۳۳، ۸:۱۳۰، ۹:۱۰۶، صحیح مسلم، ۲:۷۲۲، ۷۳۶۔

❷ ابن ہشام، سیرۃ، ۳:۶۷، ۷۶، ۷۷۔ ابن اسحٰق سے ایک ایسی سند کے ساتھ جو ’’حسن لذاتہ‘‘ ہے۔

❸ ابن اسحٰق نے ایک ’’حسن سند‘‘ کے ساتھ۔ ایک روایت میں ان کا نام ذوالخوصرہ التمیمی دیا ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۲:۴۹۶)

Marfat.com

آپ ﷺ نے تحمل سے جواب دیا: ''اگر میں بھی انصاف نہ کروں گا تو تم بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔'' ❶ بدو کے الفاظ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب غصے میں آ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''اگر آپ مجھے اجازت دیں تو بدو کا سر قلم کر دوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ لوگ یہ کہنا شروع کر دیں کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کروا رہا ہے۔'' ❷

بدو نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا تھا، اس پر ہمیں چنداں حیرت نہیں ہوتی، کیوں کہ بہت سے بدو مالِ غنیمت ہی کی طلب میں اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ جس وقت آپ ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو ان سب نے آپ کو گھیر لیا اور ان میں سے ایک نے آپ ﷺ کی چادر مبارک پکڑ کر کھینچ لی۔ یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر میرے پاس ان درختوں کے برابر بھی مالِ غنیمت ہوگا، جو میرے اردگرد پھیلے ہوئے ہیں تو میں وہ سب تم لوگوں کے درمیان تقسیم کر دوں گا اور تم لوگ مجھے کبھی بخیل، جھوٹا یا بزدل نہ پاؤ گے۔'' ❸ اس کے بعد آپ ﷺ نے اونٹ کے کوہان سے ایک بال لیا اور فرمایا: ''خدا کی قسم! تمھارے مال غنیمت میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے، سوائے اُس کے پانچویں حصے کے، اور اس سے زیادہ اس بال کے برابر بھی میں نہیں لوں گا اور وہ پانچواں حصہ بھی میں تمھی کو لوٹا دوں گا۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں پر یہ بات واضح فرما دی کہ جب تک مالِ غنیمت تقسیم نہ ہو، اس وقت تک اس میں سے کسی کا کوئی چیز بھی لینا قطعی طور پر حرام ہے۔ یہ سن کر ایک انصاری آگے بڑھا اور اونٹ کے بالوں کا ایک گولا غنیمت

---

❶ صحیح بخاری، ۴:۲:۷۲، ابن حجر، فتح الباری، ۸:۶۸، ۱۲:۲۹۱، ۲۹۳۔

❷ مسلم، صحیح، ۲:۴۰:۷۴، نیز ابن اسحٰق کی روایت (سیرۃ ابن ہشام، ۲:۴۹۶) حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے غنیمت دو بار تقسیم ہونے پر اعتراض کیا، ایک مرتبہ اس وقت، جب حنین کی غنیمت تقسیم ہوئی، اور دوسری مرتبہ اس وقت، جب اس سونے کی تقسیم عمل میں آئی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حنین کے بعد براہِ راست بھیجا تھا۔'' ابن حجر، فتح الباری، ۸:۶۹، ۱۲:۲۹۱، ۲۹۳۔

❸ صحیح بخاری، ۴:۱۹، ۷۵۔

Marfat.com

کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ ❶ اس اثناء میں رسول اللہ ﷺ کے ایک آزاد کردہ غلام کرکرہ کی موت واقع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آگ کے عذاب میں مبتلا ہے۔'' لوگوں نے اس کے مال اور اسباب کا جائزہ لیا تو اس میں سے ایک چادر برآمد ہوئی جو اس نے مالِ غنیمت میں سے چھپالی تھی۔ ❷

رسول اللہ ﷺ نے اجتماعی دولت کی حفاظت کے لیے جو ہدایات جاری فرمائی تھیں، وہ بڑی واضح تھیں اور انصار نے ان ارشادات کے جواب میں جس ردِّعمل کا اظہار کیا تھا، وہ ان لوگوں کے تقویٰ پر دلالت کرتا ہے اور اطاعتِ رسول کا ایک کھلا ثبوت ہے، حالاں کہ اونٹ کے بالوں کا یہ گولا ایک حقیر اور معمولی سی چیز تھی، مگر انھوں نے یہ بھی واپس کردیا۔

رسول اللہ ﷺ بدوؤں کے ساتھ بے حد صبر و تحمل کے ساتھ پیش آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گستاخانہ رویے، دولت کی حرص اور دنیاوی لالچ کو کمال بردباری کے ساتھ برداشت کیا۔ آپ ﷺ ایک مثالی معلم اور مربی تھے۔ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ ان کے ماحول نے ان پر کیا اثرات ڈال رکھے ہیں، آپ ﷺ کو یہ بھی علم تھا کہ درشتی، بدتہذیبی اور بے ادبی وہ خصائص ہیں جو ان بدوؤں کی گھٹی میں پڑے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سب لوگوں کے ساتھ نہ صرف انتہائی مہربانی اور نرمی کا مظاہرہ فرمایا، بلکہ انھیں بھرپور یقین دلایا کہ ان کے مفادات کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا اور ان کے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی نہ برتی جائے گی۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کی ذہنی سطح اور عقلی معیار کے مطابق ان سے معاملہ فرمایا۔ ان کے ساتھ ایک مصلح اور مربی کی طرح پیش آئے اور ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان بدوؤں کے ساتھ جس قسم کا سلوک روا رکھا، وہ اس سے قطعاً

---

❶ ابن اسحٰق، ایسی سند کے ساتھ جو ''حسن لذاتہ'' ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۲: ۴۸۸، ۴۹۰) غزالی، فقہ السیرۃ، ص ۴۴۶، شیخ البانی کے حواشی سے۔
❷ صحیح بخاری، ۴: ۵۹۔

Marfat.com

اور یکسر مختلف تھا جو اس زمانے کے بادشاہ اپنی رعایا کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اس زمانے کا عام قاعدہ یہ تھا کہ بدو لوگ اپنے حکام کے سامنے نہ صرف جھکا کرتے تھے، بلکہ سجدہ بھی بجالاتے تھے۔ جب انھیں اپنے بادشاہوں سے کچھ عرض کرنا ہوتا تو اس طرح ان کی حمد و ثنا کیا کرتے تھے جس طرح کوئی بندہ اپنے معبود کی کرتا ہے۔ یہ سب کچھ وہ اس حالت میں کیا کرتے تھے جب بادشاہ ان کے سامنے نہ ہوتے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ برابری کا معاملہ فرمایا۔ آپ ﷺ کبھی ان سے پوشیدہ نہ رہے۔ وہ جب چاہتے، آپ ﷺ سے کلام کرتے اور بعض اوقات سخت الفاظ میں بھی گفتگو کرتے تھے، حالاں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے نہایت مؤدب ہوکر بیٹھتے تھے اور جب گفتگو کرتے تو لہجہ نرم اور آواز پست کر لیتے تھے۔ وہ اپنے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کے لیے شدید محبت رکھتے تھے۔ قرآنِ کریم میں بدوؤں کی بے ادبی اور گستاخی پر ملامت اور رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ان کی بلند آوازی پر زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ [1]

جب مالِ غنیمت کی تقسیم مکمل ہوگئی تو قبیلہ ہوازن کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ ان کے مال اور قیدی انھیں واپس کر دیے جائیں۔ آپ ﷺ نے انھیں یہ اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو مال واپس لے لیں اور اگر چاہیں تو اپنے قیدی واپس لے لیں، اس پر انھوں نے قیدیوں کی واپسی کو ترجیح دی۔ [2] رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''یہ تمھارے بھائی تمھارے پاس تائب ہو کر آئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ان کے قیدی انھیں واپس کر دوں، لہٰذا تم میں سے جو اپنے قیدی کو مفت آزاد کرنا چاہے، وہ مفت آزاد کر دے اور جو اپنا حصہ اس وقت تک باقی رکھنا

---

[1] ملاحظہ کیجیے: سورۃ التوبہ، ۹:۹۷، ۹۸۔

[2] صحیح بخاری، ۳:۱۶۵۔

Marfat.com

چاہے، جب تک ہم اسے پہلی غنیمت میں سے حصہ دیں جو اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائے گا تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔''

لوگوں نے جواب دیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! ہم انھیں بے قیمت آزاد کرنا پسند کرتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ''میں نہیں کہہ سکتا کہ تم میں سے کون اجازت دے رہا ہے اور کون نہیں، بہتر ہے کہ تم واپس جاؤ اور اپنے سربراہان کو میرے پاس بھیجو تاکہ وہ اس معاملے میں میرے ساتھ تبادلۂ خیال کریں۔'' لوگ واپس گئے اور اس سلسلے میں اپنے سرداروں سے گفتگو کی۔ سردار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اس بات پر رضامندی کا اعلان کیا کہ وہ اپنے قیدیوں کو بے مول رہا کردیں گے۔ [1]

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجاہدین کی رضامندی کے ساتھ ہوازن کے قیدی واپس کرنا چاہتے تھے، کیوں کہ مالِ غنیمت ان کا حق تھا اور آپ ﷺ ان کی مرضی کے بغیر ان کا حق نہیں لے سکتے تھے۔ جو لوگ قیدیوں کو آزاد کرنے پر تیار نہیں تھے، ان سے آپ ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ آپ ﷺ ان کے اس نقصان کی پوری پوری تلافی کردیں گے۔ آپ ﷺ نے یہ یقین دہانی ان کے سرداروں کے ذریعے کی، کیوں کہ وہی اپنے سپاہیوں کے تمام امور کے ذمہ دار تھے۔ سپاہیوں کی اکثریت قیدیوں سے دستبردار ہونے پر تیار تھی، سوائے قبیلہ تمیم کے، جس کی طرف سے اقرع بن حابس اور قبیلہ فزارہ کے، جس کی طرف سے عیینہ بن حصن نے گفتگو کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں قبائل سے وعدہ فرمایا کہ ان کے اس نقصان کی تلافی کردی جائے گی۔ [2] ان تمام واقعات سے پتا چلتا ہے کہ ہوازن کا وفد غنیمت کی تقسیم کے بعد آیا تھا، پہلے نہیں، جیسا کہ ابن اسحٰق کی رائے ہے۔ [3]

---

[1] ایضاً، ۳: ۸۷۔ [2] ابن ہشام، ۲: ۴۸۸، ۴۹۰، ۴۹۲۔ ایک ایسی سند کے ساتھ جو ''حسن لذاتہ'' ہے۔ اس میں ابن اسحٰق نے واضح طور پر تحدیث بیان کی ہے۔ مزید دیکھیے: احمد، مسند، ۲: ۱۸۴، ابوداؤد، سنن، ۷: ۳۵۹، نسائی، سنن، ۶: ۲۲۰، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۱۸۷، ۱۸۸۔

[3] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۳۵۴، ۳۵۵۔ ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۳۳، ۳۴۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی بے حد خوشی تھی کہ ہوازن نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے ان کے سردار مالک بن عوف النضری کی بابت دریافت فرمایا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ ثقیف کے ہمراہ طائف میں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مالک میرے پاس مسلمان ہو کر آئے تو میں اس کے اہل خانہ اور اس کا مال بھی اسے واپس کردوں گا اور ایک سو اونٹوں پر مشتمل انعام بھی دوں گا۔ مالک مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انھیں اونٹوں کا انعام عطا کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں اپنی قوم کا اور دیگر نواحی قبائل کا امیر مقرر کردیا۔

حضرت مالک رضی اللہ عنہ بہترین مسلمان ثابت ہوئے۔ انھوں نے طائف میں ثقیف سے جنگ کی اور ان پر دباؤ بھی ڈالا، ❶ بالآخر ثقیف کے سرداروں نے خیال کیا کہ اب جب کہ اسلام طائف کے چاروں طرف پھیل ہی گیا ہے اور وہ اپنی تجارت جاری رکھنے کے قابل نہیں رہے ہیں تو اب اس ناگوار اور خطرناک صورتِ حال کو ختم ہی ہوجانا چاہیے۔ ان کے بعض سردار، مثلاً عروہ بن مسعود اسلام کی طرف مائل تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کرنے، اور الجعرانہ میں غنیمت تقسیم کرنے کے بعد مدینہ کی جانب روانہ ہوئے تو عروہ بن مسعود ثقفی بعجلت تمام رسول اللہ ﷺ سے آن ملے اور آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی آپ ﷺ سے ملاقات کرکے اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد وہ طائف واپس چلے گئے۔ ان کا شمار ثقیف کے مقبول ترین سرداروں میں ہوتا تھا۔ انھوں نے قبیلہ ثقیف کو اسلام کی دعوت دی، وہ اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر اذان دیا کرتے تھے۔ ثقیف کے کچھ لوگوں نے ان پر تیر برسائے اور انھیں زخمی کردیا۔ انھوں نے اپنے لوگوں سے کہا کہ جب ان کی وفات ہوجائے تو انھیں ان مسلمانوں کے ساتھ دفن کریں جو طائف کے محاصرے کے دوران شہید ہوئے تھے۔ ❷

---

❶ ابن ہشام، سیرۃ،۲: ۴۹۰-۴۹۲۔

❷ ابن اسحٰق، بغیر سند کے (سیرۃ ابن ہشام،۲: ۵۳۷، ۵۳۸) موسیٰ بن عقبہ ان سے اختلاف کرتے ⇦⇦⇦

Marfat.com

ثقیف کے سرداروں نے صورتِ حال کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے یہ سوچا کہ انھیں اپنی جان اور اموال کا تحفظ کرنا چاہیے، چناں چہ رمضان ۹ ھ میں رسول اللہ ﷺ کی تبوک سے واپسی کے بعد قبیلہ ثقیف نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد روانہ کیا۔ یہ وفد بنو مالک کے دو افراد اور ان کے دو حلیفوں پر مشتمل تھا۔ اس وفد کی قیادت عبد یالیل بن عمرو کر رہے تھے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ نے وادی قناۃ میں ان سے ملاقات کی جو مدینہ سے قدرے شمال کی جانب ہے۔ جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی آمد کی اطلاع دی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی۔ اس اثناء میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے وفد کے ارکان کو اسلام کے وہ طور طریقے اور آداب سکھائے جو انھیں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے وقت ملحوظ رکھنا تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی میں ان کے قیام کا بندوبست فرمایا تاکہ وہاں وہ بآسانی قرآن سن سکیں اور مسلمانوں کو نماز ادا کرتے ہوئے بھی دیکھ سکیں۔ وفد نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک معاہدہ طے فرمایا۔ ❶

⇦⇦⇦ ہوئے کہتے ہیں کہ عروہ کا قبولِ اسلام اسی سال کا واقعہ ہے جس سال، یعنی ۹ ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ہمراہ حج ادا کیا تھا۔ ابن کثیر کا خیال ہے کہ ابن اسحٰق کی روایت زیادہ قرین قیاس ہے۔ البدایۃ والنہایۃ، ۵:۲۹۔

❶ ابوعبیدہ، الاموال، ۷:۲۴، ابن زنجویہ، الاموال، ۴۴۲۔ دونوں نے ایک طویل خط کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ خط رسول اللہ ﷺ نے ثقیف کو لکھا تھا۔ یہ بیان عروہ بن زبیر کی ''مرسل'' روایت سے لیا گیا ہے اور ابن لہیعہ کی وجہ سے اس کی سند میں کچھ کمزوری پائی جاتی ہے۔ ابن اسحٰق نے بغیر سند کے خط کے کچھ حصے کا ذکر کیا ہے، یہ خط وادی وج کی حرمت کے متعلق ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۴:۲۰۰)

امام احمد نے اسے مسند میں روایت کیا، (۱:۱۶۵) اور ابوداؤد نے اسے اپنی سنن میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام کی ایک حدیث کے طور پر روایت کیا ہے جو وادی وج کی حرمت سے متعلق ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ تحریم محاصرۂ طائف سے قبل واقع ہوئی۔ بخاری نے یہ واضح کیا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن انسان طائفی واحد شخص ہیں جنھوں نے اسے روایت کیا ہے۔ ابوحاتم نے بیان کیا: ''وہ قوی نہیں ہیں اور ان کی حدیث کو احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔'' ابن حبان نے ان کا تذکرہ ثقات میں کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب، ۹:۲۴۸) تقریب میں حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ ''وہ نرم ہیں۔'' بخاری اپنے والد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ''ان کی احادیث صحیح نہیں ہیں۔'' ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور کہا ہے کہ ''وہ غلطیوں کا ارتکاب ⇦⇦⇦

Marfat.com

انھوں رسول اللہ ﷺ سے یہ التجا کی کہ آپ ﷺ تین برس کے لیے ان کے بت لات کو توڑنا مؤخر کر دیں، کیوں کہ انھیں اپنی قوم کے غم اور غصے کا خدشہ لاحق تھا، لیکن رسول اللہ نے ان کی یہ بات ماننے سے انکار فرما دیا، تاہم آپ ﷺ نے ان کے ساتھ یہ رعایت فرمائی کہ انھیں اس کام پر مجبور نہیں کیا، بلکہ اس مقصد کے لیے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ کو روانہ فرمایا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ معذرت بھی پیش کی کہ وہ نماز ادا نہیں کر سکیں گے، کیوں کہ ان کے خیال میں یہ بات ان کے لیے توہین آمیز تھی حالاں کہ وہ بھول چکے تھے کہ وہ یہی جبین پتھر کے بنے ہوئے لات کے

⇐⇐⇐ کیا کرتے تھے۔'' ذہبی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: '' حافظ یہ بات اس راوی کے بارے میں کہتے ہیں جس نے بہت سی احادیث روایت کی ہوں، عبداللہ کے پاس صرف یہی حدیث ہے۔ اگر اس نے یہاں غلطی کی ہے تو پھر درست کہاں ہے؟'' (تہذیب التہذیب، ۴: ۱۴۹) الخلال فی العلل میں یہ ذکر ہے کہ احمد نے انھیں ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ شافعی نے ان کی حدیث کو صحیح سمجھا ہے اور اسے ثبوت کے طور پر استعمال بھی کیا ہے۔ (ذہبی، میزان الاعتدال) شیخ احمد شاکر نے اس حدیث کو ''صحیح'' سمجھا ہے۔ (مسند، حدیث ۲۷۶)، لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ کسی حدیث کو ''صحیح'' تسلیم کرنے میں نرم رویہ اختیار کرتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے یہ سوچ کر اعتماد کا اظہار کیا ہو کہ امام شافعی نے اس حدیث کو ''صحیح'' سمجھا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ امام بخاری، امام احمد اور ابوحاتم علم حدیث میں امام شافعی سے زیادہ اونچا مقام رکھتے ہیں۔ ان کی عظیم صلاحیت کے باوجود حدیث ''صحیح'' نہیں ہے۔ مزید یہ کہ امام شافعی نے اپنے قدیم مذہب میں اس حدیث پر اعتماد کیا ہے جب کہ اپنے جدید مذہب میں انھوں نے اس پر اعتماد نہیں کیا، بلکہ ان کی رائے اکثریت کے ساتھ متفق تھی کہ وج کو حرم قرار نہیں دیا گیا تھا۔ (زرقانی، شرح المواهب اللدنیۃ، ۴: ۱۰) میرا خیال ہے کہ انھوں نے محسوس کیا کہ حدیث کمزور ہے۔ خطابی کہتے ہیں: '' مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ وج کو حرم قرار دیا گیا ہو، جب کہ یہاں مسلمانوں کو تحفظ اور فائدے کی کوئی صورت حاصل نہ ہو۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ یہ تحریم کسی مخصوص اور محدود وقت کے لیے عمل میں آئی ہو، اور بعد میں منسوخ کر دی گئی ہو۔'' خطابی مزید یہ وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ طائف کے محاصرے کے دوران میں مسلمانوں نے اس کے درختوں اور شکار سے فائدہ اٹھایا اور تمام سہولتوں سے استفادہ کیا۔ اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ یہ جگہ حرم نہیں تھی۔ (منذری، مختصر سنن ابی داؤد، ۲: ۴۴۲)

یہ طویل حاشیہ اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ اہل تحقیق اسلام کے نظم سیاست کی توضیح میں رسول اللہ ﷺ کے اسی خط پر کہیں اعتماد نہ کر بیٹھیں۔ خاص طور پر یہ اس لیے بھی ضروری سمجھا گیا ہے کہ چند جدید محققین نے اس دستاویز پر اعتماد کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وج کی تحریم کے معاملے میں ثقیف کے ساتھ کوئی سمجھوتا کر لیا تھا، کیوں کہ وہ اس کی تعظیم کرتے تھے۔ (عون شریف قاسم، نشاۃ الدولۃ الاسلامیۃ، ص ۱۳۷۔)

Marfat.com

سامنے رگڑتے رہتے تھے، اسے اللہ تعالیٰ کے حضور جھکائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ بات بھی ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا: اس دین میں کوئی خوبی نہیں جس میں سر نہ جھکایا جائے۔'' ❶ اس کے بعد انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ انھیں زکوٰۃ اور جہاد سے مستثنیٰ قرار دیا جائے اور آپ ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب یہ لوگ اسلام قبول کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ بھی کریں گے اور جہاد میں بھی حصہ لیں گے۔'' ❷ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ گزارش بھی کی کہ انھیں وضو کرنے سے معاف رکھا جائے، کیوں کہ وہ سرد علاقے سے تعلق رکھتے تھے، شراب کشید کرنے اور پینے کی اجازت دی جائے اور ابوبکر ثقفی کو واپس کیا جائے، تاہم رسول اللہ ﷺ نے ان کی ان تمام درخواستوں کو مسترد کر دیا۔ ❸

ان تمام لوگوں میں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص قرآن سیکھنے اور دین سمجھنے کے سب سے زیادہ مشتاق نظر آتے تھے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے انھی کو اہل طائف کا امیر مقرر فرما دیا، اگرچہ وہ ان سب میں کم عمر تھے۔ ❹

اسلام قبول کرنے کے بعد ثقیف کے وفد نے رسول اللہ ﷺ سے دین کے بارے میں متعدد سوالات کیے، انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن کریم کی تقسیم (پاروں) کے بارے میں پوچھا۔ ان کا سوال تھا کہ ''تم لوگ قرآن کی تقسیم کس طرح کرتے ہو؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: ''ہم نے قرآن کو مختلف اجزاء میں تقسیم کیا ہوا ہے، پہلے جزء میں تین سورتیں، دوسرے میں پانچ، تیسرے سات میں سات، چوتھے میں گیارہ، پانچویں

---

❶ ابن اسحٰق، سیرۃ ابن ہشام، ۴: ۵۳۸، ۵۴۰، ایک ''معضل'' سند کے ساتھ۔ غزالی، فقہ السیرۃ، البانی کے حواشی کے ساتھ، ص ۴۵۰۔ ❷ ابوداود، سنن، ۲: ۱۴۶۔ اس کی سند ''حسن لذاتہ'' ہے۔

❸ احمد، مسند، ۴: ۱۶۸۔ ہیثمی نے کہا ہے کہ ''اس کے افراد ثقہ ہیں۔'' مجمع الزوائد، ۲: ۲۴۵۔

❹ احمد، مسند، ۴: ۲۱۸، ابن ماجہ، سنن ۱: ۳۱۶۔ مزید دیکھیے: صحیح مسلم، ۱: ۳۴۲۔ یہاں انھوں نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص کو امیر منتخب کیا گیا تھا۔

Marfat.com

میں تیرہ اور چھٹا جزء مفصل کہلاتا ہے جو سورۃ ق سے شروع ہو کر قرآن کے ختم تک چلتی ہے۔'' ❶ قرآن کی یہ وہی ترتیب ہے جس سے آج ہم سب واقف ہیں۔ یہ وفد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی ملاقات کر کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مل کر اس قدر متاثر ہوا کہ انھوں نے سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر رمضان کے باقی دنوں کے روزے بھی رکھے۔ ❷

اس وفد نے ۱۵ روز مدینہ میں قیام کیا، اس کے بعد یہ لوگ طائف واپس چلے گئے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ ثقفی ان لوگوں کے ساتھ لات کو توڑنے کی مہم پر روانہ ہوئے۔ ابن اسحٰق نے لات کو توڑنے کی مفصل روایت نقل کی ہے۔ جس وقت حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اسے توڑنا شروع کیا، تمام ثقفی خواتین اس کے گرد جمع ہو گئیں اور رونا شروع کر دیا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا کام جاری رکھا اور بت کو ریزہ ریزہ کر کے دم لیا۔ انھوں نے بت کے اندر نصب تمام سونا اور سنگ سلیمانی اپنے قبضے میں کر لیا۔ ❸ طائف کے لوگوں نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ لات اپنا انتقام خود لے لے گا۔ حضرت مغیرہ نے ہتھوڑے پھینک دیے اور وہاں سے روانہ ہو گئے، لیکن اہل طائف کو بہانہ ہاتھ آیا اور بولے: ''شاید بت نے اپنا انتقام لے لیا ہے، اس لیے مغیرہ بت کو چھوڑ کر چلے گئے۔'' حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو پلٹ کر آئے، ان کی جاہلانہ بات پر ہنسے اور بت کے ٹکڑوں کو مزید چکنا چور کر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے انھیں توحید

---

❶ احمد، مسند، ۴: ۹، ۳۴۳، ابوداؤد، سنن، ۱: ۳۲۱، ۳۲۲، ابن ماجہ، سنن، ۱: ۴۲۷، ۴۲۸۔ یہ حدیث عثمان بن عبداللہ سے ہے جس کا انحصار عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائفی کے اعتماد پر ہے۔ یہ متابعات کی محتاج ہے تاکہ ''حسن'' کے درجے تک مضبوط ہو سکے، کیوں کہ طائفی ''صدوق'' ہیں، لیکن غلطیاں کرتے ہیں اور گھبرا جاتے ہیں اور عثمان کو ابن حجر نے ''مقبول'' اور ذہبی نے ''صدوق'' سمجھا ہے۔ ابن حجر، تقریب، ۲: ۱۱، میزان الاعتدال، ۳: ۴۳۔

❷ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۵۴۰، ۵۴۱۔ اس کی سند میں عیسیٰ بن عبداللہ بن مالک شامل ہیں جو ابن حجر کی نظر میں ''مقبول'' ہیں۔ (تقریب، ۲: ۹۹)

❸ ابن ہشام، سیرۃ، ۲: ۵۴۱، ۵۴۲۔ ابن اسحٰق سے بغیر سند کے۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۳۳، ۳۴، موسیٰ بن عقبہ سے بغیر سند کے۔

Marfat.com

کی تعلیم دی اور اس طرح حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ کے ہاتھوں وہ من گھڑت داستان ہمیشہ کے لیے فنا ہوگئی جو لات کے نام سے منسوب تھی اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی پرستش ایک عرصے سے کی جارہی تھی۔

اس مہم کے دوران میں پیش آمدہ واقعات کے ذریعے جو احکام جاری کیے گئے، ان میں سے جو اہم ترین ہیں، ان کی وضاحت ذیل میں کی جاتی ہے۔ نسخِ قرآن (ناسخ اور منسوخ) کو سمجھنے کے لیے یہ بے حد ضروری ہے کہ مختلف احکام کا اجراء جن تاریخوں میں ہوا، ان کی وضاحت کی جائے۔ اس طرح ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ جب مختلف روایات میں تضاد پایا جاتا ہو تو کون سی روایت زیادہ قابل اعتماد ہوتی ہے۔ دوسرے کسی قانون سازی کے پیچھے جو حکمتیں کارفرما ہوتی ہیں، انھیں سمجھنے کے لیے ان حالات اور واقعات کا جاننا بھی بے حد ضروری ہوتا ہے جن میں وہ قانون سازی کی گئی ہو۔

حنین اور طائف کی مہمات سے ماخوذ احکام:

۱۔ اوطاس کے دن یہ قرآنی آیت نازل ہوئی:

﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ ﴾ (النساء: ٢٤)

''اور وہ عورتیں جو شوہر والیاں ہیں، مگر جو تمھاری مملوک ہو جائیں۔''

اس میں شادی شدہ خواتین قیدیوں کے بارے میں احکام جاری کیے گئے ہیں۔ قید کے نتیجے میں قانونی طور پر ان کی اپنے شوہروں سے علیحدگی عمل میں آجاتی ہے۔ آیت میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ان خواتین کے ساتھ ازدواجی تعلقات اس وقت جائز ہیں جب وہ اپنی عدت پوری کر چکی ہوں، خواہ وضعِ حمل کے ذریعے، یا اگر وہ حاملہ نہ ہوں تو پھر حیض کے ذریعے۔ [41]

۲۔ نامحرم خواتین کے سامنے ہیجڑوں کا آنا ممنوع قرار دیا گیا، جب کہ اس سے قبل

[41] سبب نزول کے لیے دیکھیے: شرح نووی علی صحیح مسلم، ۳: ۶۳۷، مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، ۴: ۲۸۲، عون المعبود، ۶: ۱۹۱، ۱۹۳، ابن کثیر، تفسیر، ۱: ۴۷۳۔

Marfat.com

ایسا کرنا جائز تھا، کیوں کہ ہیجڑوں کو خواتین کی طرف کوئی رغبت نہیں ہوتی۔ اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ طائف کے محاصرے سے فوراً پہلے کی بات ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ایک ہیجڑے کو سنا جو علی الاعلان بادیہ بنت غیلان ثقفی کے حسن کا تذکرہ کر رہا تھا، چناں چہ اسلامی معاشرے کی اجتماعی عفت اور عصمت کی حفاظت کی خاطر حفظِ ماتقدم کے طور پر یہ ممانعت کی گئی۔ ❶

۳۔ یہ ممانعت بھی کی گئی کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور ان مزدوروں کو دانستہ قتل کرنا جو مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں حصہ نہیں لیتے جائز نہیں۔ ❷

۴۔ یہ حکم بھی جاری کیا گیا کہ غیر مسلم علاقے (دار الحرب) میں بھی حد جاری کی جائے گی، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے موقع پر ایک شخص کے اوپر حد جاری فرمائی جو شراب نوشی کا مرتکب ہوا تھا۔ ❸

۵۔ مشرکوں سے مدد طلب کرنا جائز قرار پایا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر صفوان بن امیہ سے کچھ ہتھیار ادھار لیے اور اسے یہ ضمانت دی کہ یہ ہتھیار اسے واپس کر دیے جائیں گے، لیکن مشرکوں سے مدد صرف اسی صورت میں طلب کی جا سکتی ہے جب ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہو اور یہ یقین ہو کہ وہ اسے اپنے حق میں استعمال نہیں کریں گے۔ ❹

---

❶ صحیح بخاری، ۵: ۱۲۸، ۷: ۳۳، ۱۳۷، مسلم، صحیح۔

❷ احمد، مسند، ۳: ۴۸۸، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ۔ (ارواء الغلیل، ۵: ۳۵) حاکم، مستدرک، ۲: ۱۲۳، بیہقی، السنن الکبریٰ ۹: ۱۳۰۔ حاکم نے اسے ''صحیح'' سمجھا اور ذہبی نے اس سے اتفاق کیا۔ مزید دیکھیے: البانی، ارواء الغلیل، ۵: ۳۵، ۳۶۔ ابن حجر، فتح الباری، ۶: ۱۴۷، ۱۴۸۔

❸ ابوداؤد، سنن، ۱۲، ۱۹۶، ۱۹۷، احمد، مسند، ۴: ۳۵۰، دار قطنی، سنن ۳: ۱۵۷، ۱۵۸، شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۱۴۵۔ اس کی سند میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ازہر شامل ہیں جو ''مقبول'' ہیں۔ (تقریب، ۱: ۴۲۷)

❹ ابن قیم، زاد المعاد، ۳: ۴۷۹، قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۸: ۹۷، ابن حجر، التلخیص الحبیر، ۴: ۱۰۰، ۱۰۱۔ ابن حجر لکھتے ہیں: ''یہ بات دل کو زیادہ لگتی ہے کہ مشرکین سے مدد طلب کرنے کی ممانعت ہو بہ نسبت اجازت کے۔ یہ رائے امام شافعی کی ہے۔''

Marfat.com

٦۔ غنیمت کا کچھ حصہ ان لوگوں کو دینا جائز ہو گیا، جن کے دلوں کو اسلام پر مضبوط کرنا مقصود ہو، جب کہ سربراہ مملکت یہ سمجھتا ہو کہ اس طرح انھیں اسلام کے قریب لانے یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے روکنے میں مدد ملے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ ''پہلے لوگ دنیاوی مال و متاع کی خاطر اسلام قبول کیا کرتے تھے، مگر جب ایک مرتبہ اسلام قبول کر لیتے تھے تو پھر اسلام انھیں دنیا و ما فیہا سے زیادہ عزیز ہوتا تھا۔'' [1]

٧۔ الجعرانہ سے عمرہ ادا کرنے کا حکم جاری کیا گیا۔

[1] مسلم، صحیح، ۴:۱۸۰۶۔

Marfat.com

غزوۂ تبوک

تبوک کی مہم محاصرہ طائف کے تقریباً چھ ماہ بعد پیش آئی۔ [1] یہ رجب ۹ھ کا واقعہ ہے اور یہ شدید گرمی کا موسم تھا۔ مؤرخین نے، جیسا کہ ان کی عادت ہے، اس بات کا کھوج لگانے کی کوشش کی ہے کہ اس مہم کا اصل محرک کیا تھا۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ ہرقل نے بازنطینیوں اور ان کے حلیف عرب قبائل کے فوجی دستے جمع کر لیے تھے۔ جب مسلمانوں کو اس کی خبر ملی تو وہ تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔ [2] یعقوبی کہتے ہیں کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کا قصاص دراصل اس مہم کا اصل سبب تھا، [3] حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مہم محض جہاد کے فریضے کی تکمیل تھی۔ حافظ ابن کثیر بھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس لیے بازنطینیوں کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا کہ وہ جغرافیائی طور پر قریب ترین تھے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں سے اس قربت کی بنا پر تمام انسانوں سے بڑھ کر اس کے حق دار تھے کہ انہیں حق کی دعوت دی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قَـٰتِلُوا۟ ٱلَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ ٱلْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا۟ فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلْمُتَّقِينَ ۝ ﴾ (التوبہ: ۱۲۳)

''اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔'' [4]

---

[1] ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۸۴۔ اس بیان، یعنی غزوۂ تبوک محاصرۂ طائف کے ۶ ماہ بعد پیش آیا، کے سلسلے میں یہ بتانا مناسب ہے کہ یہ امر محمد بن عائذ کی ایک روایت میں مذکور ہے۔ محمد بن عائذ مغازی کے مصنف ہیں اور انھوں نے یہ روایت عثمان بن عطاء خراسانی اور ان کے والد سے ایک کمزور سند کے ساتھ نقل کی ہے۔ یہ روایت اس معلوم اور معروف بیان سے زیادہ متضاد نہیں کہ یہ واقعہ رجب میں پیش آیا تھا اور رسول اللہ ﷺ طائف کے محاصرے سے واپسی پر ذوالحجہ کے مہینے میں مدینہ شہر میں داخل ہوئے تھے۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۱۶۵۔ [3] یعقوبی، تاریخ، ۲: ۶۷۔

[4] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۲: ۵، مزید دیکھیے: طبری، تفسیر، ۱۱: ۷۱۔

Marfat.com

یہ بات بالکل غلط ہے کہ مسلمانوں کو مدینہ سے نکال کر بازنطینیوں کے مقابلے میں لا کھڑا کرنے کی سازش یہودیوں نے کی تھی اور انہوں نے ہی مسلمانوں کو تبوک کی طرف جانے کا مشورہ دیا تھا۔ تبوک وہ سرزمین ہے جہاں قیامت کے روز مُردوں کو زندہ کر کے جمع کیا جائے گا اور یہ سرزمین انبیا کا مسکن رہی ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ قرآن کی آیت (الاسراء:٧٦) کا شانِ نزول یہی ہے۔ ایسے تمام بیانات ''مرسل'' اور ''ضعیف'' روایات کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی تردید کے لیے یہ حقیقت کافی ہے کہ مذکورہ آیت مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ ❶ تبوک کی مہم اس سے قبل انجام دی جانے والی موتہ کی مہم سے اس طرح مختلف ہے کہ یہ بازنطینی اور عیسائی عربوں کے خلاف تھی، جب کہ پہلی مہم کا ہدف یہودی اور عرب کے مشرک قبائل تھے۔

[اُس دور میں] عیسائیت کی اصل تعلیمات ناپید، اور اس کی روح مفقود ہو چکی تھی: عیسائی مذہب مختلف فرقوں میں تقسیم ہو چکا تھا، ان کے اختلافات کی جڑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا۔ عیسائیوں کی اکثریت تثلیث (یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس) کے عقیدے پر قائم تھی، اور اس کے ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں بشریت اور الوہیت بیک وقت جمع ہیں۔ اس کے برعکس بعض عیسائیوں کا نظریہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں محض الوہی صفات موجود تھیں۔ اس عقیدے کے حامل عیسائیوں کو یلقبہ بنوقسنبہ کہا جاتا تھا جو شام اور مصر میں آباد تھے۔ عیسائیوں نے اسی مسئلے پر متعدد علمی مجالس منعقد کیں اور ہرقل نے سلطنتِ روما کے اتحاد اور یک جہتی کو برقرار رکھنے کی خاطر مختلف مذہبی فرقوں میں باہم مصالحت کرانے کی بھرپور کوششیں کیں، مگر سب بے سود اور لاحاصل ثابت ہوئیں۔ سلطنتِ روما نے شام اور مصر کے یعقوبی باشندوں کو اپنے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصر کے عظیم مذہبی رہنماؤں کو جلاوطن کر د

---

❶ ابن کثیر، تفسیر، ۵: ۲۱۰، ۲۱۱۔ سببِ نزول کے متعلق روایت کا ماخذ ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۱: ۱۶۷، ۱۶۸) میں مذکور ہے، اس کی سند میں احمد بن عبدالجبار عطاردی شامل ہے جو ''ضعیف'' ہے۔

Marfat.com

گیا اور عام لوگوں نے بھی فرار کا راستہ اختیار کیا۔

عیسائیوں میں تحریف کا یہ عمل صرف مذہبی عقائد تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ ان کی زندگی کے تمام شعبے روبہ زوال تھے۔ لوگوں پر روز بروز بڑھتے ہوئے بھاری محصولوں اور طبقاتی امتیاز نے انھیں آپس میں تقسیم کر کے رکھ دیا تھا اور یہ نظام قائم کر دیا تھا کہ ہر شخص کا مقام اس طبقے کے لحاظ سے متعین ہے جس میں وہ پیدا ہوا۔ یہ تصور اتنا پھیل چکا تھا کہ ایک عیسائی اور ایک مشرک کی عام زندگی میں کوئی بنیادی فرق باقی نہ رہ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہلِ کتاب سے جہاد کرنے کا بھی ایسے ہی حکم دیا تھا، جیسے اس نے مشرکوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم دیا تھا، تاہم مسلمانوں کے سیاسی غلبے کی صورت میں عیسائیوں کو اپنی مذہبی آزادی برقرار رکھنے کی اجازت دی گئی تھی، بشرطیکہ انھوں نے مسلمانوں کو فوجی خدمات سے مستثنیٰ ہونے کا محصول (جزیہ) ادا کر دیا ہو۔ مشرکین سے کسی قسم کا جزیہ قبول نہیں کیا جاتا تھا، کیوں کہ انھیں اس کے علاوہ کوئی اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ اگر وہ لڑائی سے بچنا چاہتے ہیں تو اسلام قبول کر لیں۔

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ ﴾

''جنگ کرو اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے (اُن سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔'' (التوبہ: ۲۹)

جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستی پر کاری ضرب لگانے اور یہودی اہل کتاب کو جلا وطن کرنے کے بعد مسلمان اپنی تاریخ کے ایک نئے دور میں داخل ہو گئے تھے، اور یہ نیا دور عیسائی اہل کتاب کے ساتھ مقابلے کا دور تھا۔ ❶ یہ تبدیلی اسلام کی فطرت اور اس کے

❶ تفسیر، طبری، ۱۱: ۷۰۲۔ یہاں وہ عبدالرحمٰن بن زید اسلم عدوی (متوفی ۱۸۲ھ) کی تفسیر کی وضاحت کرتے ہیں جو ایک عظیم مفسر قرآن تھے، لیکن محدثین کرام انھیں ''ضعیف'' مانتے ہیں۔ (تقریب، ۱: ۴۸۰)

Marfat.com

مقاصد سے پوری طرح ہم آہنگ تھی اور تبوک کی مہم اسی حقیقت کا ایک ثبوت فراہم کرتی ہے۔

تبوک حجاز کے شمال میں واقع ہے اور جدید شاہراہ پر مدینہ سے ۷۷۸ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ علاقہ اس زمانے میں بازنطینیوں کے زیر انتظام تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے تبوک کا نام دیا ❶، لیکن اس مہم کو غزوۃ العسرۃ کا نام بھی دیا جاتا ہے، یعنی وہ مہم جو سختیوں اور مشکلات سے بھرپور تھی، کیوں کہ اس مہم کے دوران مسلمانوں کو معاشی طور پر انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ❷ قرآنِ کریم میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾

''اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی، جنھوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا۔'' (التوبۃ: ۱۱۷)

قتادہ اور مجاہد دونوں نے، ❸ جو اپنے زمانے کے ائمۂ تفسیر مانے جاتے ہیں، روایت کیا ہے کہ ''ایک ایک کھجور میں دو دو افراد شریک ہوتے تھے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ چند افراد کے درمیان ایک کھجور مشترک ہوتی تھی، پہلے ایک شخص اس کھجور کو تھوڑا سا چوستا اور پھر اس کے اوپر پانی پی لیتا تھا، پھر دوسرا شخص اس کھجور کو لے لیتا تھا اور تھوڑا سا چوس کر پانی پی لیتا تھا۔'' ❹ البتہ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس شدید مالی بحران کے اسباب کیا تھے؟ آیا یہ تنگ دستی اس وجہ سے پیش آئی تھی کہ یہ مہم اس زمانے میں واقع ہوئی تھی جب کھجور کی فصلیں نہ پکی تھیں اور نہ فروخت ہی ہوئی تھیں، یا پھر ہوسکتا ہے کہ اس کے کوئی اور اسباب ہوں۔ ❺

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، ۷: ۶۰، ۶۱۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التوحید، ۹: ۱۲۹، نیز دیگر ابواب، صحیح مسلم، ۵: ۸۲۔ مزید دیکھیے: فتح الباری، ۸: ۸۴۔ معاشی مشکلات کے حوالے سے مزید دیکھیے: صحیح مسلم، ۱: ۲۶، ۲۷، ۴۱، ۴۲، نووی، شرح صحیح مسلم، ۱: ۲۲۱، ۲۲۳، قرطبی، تفسیر، ۸: ۲۷۹۔

❸ دونوں سندیں ''منقطع'' ہیں، کیوں کہ قتادہ اور مجاہد نے اس کا بذاتِ خود مشاہدہ نہیں کیا۔ وہ سند جو قتادہ تک جاتی ہے، ''صحیح'' ہے، لیکن وہ سند جو مجاہد تک جاتی ہے، سعید بن داؤد مصیصی کی وجہ سے کمزور ہے۔

❹ طبری، تفسیر، ۱۱: ۵۵۔ ❺ ابن حجر، فتح الباری، ۳: ۳۴۳، ۳۴۴۔

Marfat.com

غزوۂ تبوک کے لیے مالی ایثار کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر تمام مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اسلامی لشکر کی تیاری کے لیے زیادہ سے زیادہ خرچ کریں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں اجرِ عظیم کی بشارت دی۔ اس مقصد کے لیے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خرچ کرنے میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور امیر و غریب کی کوئی تمیز باقی نہ رہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان وہ ہستی تھے جنھوں نے اس لشکر کی تیاری میں سب سے زیادہ دولت قربان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''جو شخص اس لشکر کو ساز و سامان سے آراستہ کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' ❶ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے جب یہ فرمان سنا تو ایک ہزار دینار لا کر رسول اللہ ﷺ کی جھولی میں ڈال دیے اور اس طرح لشکر کی تیاری میں بھرپور حصہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔'' آپ ﷺ نے یہ جملہ کئی مرتبہ دہرایا۔ ❷ اس سلسلے میں کچھ اور روایات بھی ملتی ہیں جو اگرچہ ''ضعیف'' ہیں، لیکن ان سے پتا چلتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ اور طریقوں سے بھی اسلامی لشکر کی مدد کی تھی، مثلاً یہ کہ انھوں نے سامان سے لدے پھندے اونٹ فراہم کر دیے تھے۔ ❸ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں بھی یہ ایک معروف اور تسلیم شدہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، ۴: ۱۱، ابن حجر، فتح الباری، ۵: ۳۰۶۔

❷ احمد، مسند، ۵: ۵۳، ترمذی، سنن، کتاب المناقب، ۱۳: ۱۵۴، ۱۵۵۔ انھوں نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث اپنی سند میں ''حسن غریب'' ہے، اگرچہ انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ ذہبی اس پر متفق ہیں کہ یہ ''صحیح'' ہے، لیکن اس کے راویوں نے اسے ''صحیح'' قرار دینے میں نرمی اختیار کی، کیوں کہ اس کی سند میں ابن سمرہ کے غلام، کثیر بن ابی کثیر شامل ہیں جن کے متعلق حافظ ابن حجر نے تقریب میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ وہ ''مقبول'' ہیں۔ (۲: ۱۳۳) عجلی اور ابن حبان نے انھیں ''ثقہ'' سمجھا ہے اور انھوں نے نرمی اختیار کی ہے۔ (میزان الاعتدال، ۳: ۴۱۰) ایسا معلوم ہوتا ہے حدیث کو ثبوت کے طور پر لیا جا سکتا ہے اور اسے دوسروں نے ''حسن'' کے درجے تک تقویت دے دی ہے۔

❸ ترمذی، سنن، کتاب المناقب، ۱۳: ۱۵۳، ۱۵۴۔ انھوں نے کہا: ''یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے غریب ہے اور ہم اسے سکن بن مغیرہ کی حدیث کے ذریعے سے جانتے ہیں۔'' حاکم، مستدرک، ۳: ۱۰۲۔ (انھوں نے اسے ''صحیح'' سمجھا اور ذہبی نے اس سے اتفاق کیا ہے، لیکن اس میں فرقد ابوطلحہ شامل ہیں جو ''مجہول العین'' (قطعی غیر معروف) ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ۸: ۲۶۴) چناں چہ حاکم کا اس روایت کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ یہ ''صحیح'' ہے، قابل قبول نہیں ہے۔

Marfat.com

بات تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لشکر کی تیاری میں بھرپور حصہ لیا تھا اور ان کے اس عمل کے بارے میں کسی قسم کا سوال نہیں اٹھایا جا سکتا۔ یہ لشکر جرار تیس ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا اور یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا ذاتی مال خرچ کر کے تمام فوج کو ضروری ساز و سامان مہیا کیا تھا۔

طبری متعدد اسناد کے حوالے سے کہتے ہیں، جو اگرچہ ''ضعیف'' ہیں، لیکن ایک دوسرے کی مؤید ہیں، اس لیے اس روایت کو تاریخی معیار سے ایک مضبوط روایت سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے بھی لشکر کی تیاری پر دو ہزار درہم (اپنی تمام دولت کا نصف حصہ) خرچ کیے تھے۔ ❶

غریب مسلمان اس موقع پر معمولی رقوم ہی خرچ کر سکے اور انھیں اس وقت شدید خفت محسوس ہوئی، جب منافقوں نے ان کا مذاق اڑایا، مثال کے طور پر حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ انصاری ایک غریب صحابی تھے۔ جب وہ ایک صاع کھجور لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو منافقوں نے ان کا تمسخر اڑایا۔ ❷ حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ صرف نصف صاع کھجوریں لے کر آئے تو منافقوں نے اس پر یہ جملہ کسا: ''خدا کو اس شخص کے صدقے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس شخص نے صرف دکھاوے کی خاطر خرچ کیا ہے۔'' اس موقع پر قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ

---

❶ طبری، تفسیر، ۱۰: ۱۹۱۔ ۱۹۶، حوالے میں مثنیٰ بن ابراہیم آملی، جو غیر معروف ہیں، اور عمر بن ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف شامل ہیں۔ شیخ محمود شاکر نے اس حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ عمر کو سند سے نکال دیا گیا تھا اور یہ سند ''ضعیف'' ہو گئی ہے۔ (مسند احمد، ۱۰: ۱۹۷) یہاں سند میں محمد بن رجاء ابو سہل عبادنی شامل ہیں جو معروف نہیں ہیں، اور عامر بن یساف شامل ہیں جو ''ضعیف'' ہیں۔ مزید دیکھیے: ایضاً، ۱۰: ۱۹۴، ۱۹۵۔
یہ مجاہد کی مراسیل میں سے ہے اور اس کی سند میں عبداللہ بن ابو نجیح شامل ہے جو ''مدلس'' ہے اور اس نے مجاہد سے ''عنعنہ'' کا ارتکاب کیا ہے۔ (ایضاً، ۱۰: ۱۹۵) قتادہ کی ''مرسل'' روایت کا حوالہ ہے جو دو ''صحیح'' سندوں کے ساتھ ان تک جاتی ہے۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ۵: ۵۶، ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۳۳۰۔

Marfat.com

لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْھُمْ سَخِرَ اللّٰہُ مِنْھُمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ ﴾

''یہ (منافقین) ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جن کو بجز محنت اور مزدوری کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا، اُن سے تمسخر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو اس تمسخر کا بدلہ دے گا اور ان کے لیے دردناک سزا ہوگی۔'' [1] (التوبۃ ۷۹)

منافقوں نے امیروں کے خرچ کرنے پر ریاکاری کا الزام لگایا اور غریبوں کے خرچ کا مذاق اُڑایا۔

تبوک کی مہم اور منافقین کا رویہ

اس مہم کے دوران میں منافقوں کا نفاق روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا۔ جونہی رسول اللہ ﷺ نے فوج کی تیاری کا حکم دیا، منافقین مخالفانہ کارروائیوں پر کمربستہ ہوگئے۔ انھوں نے یہ خوف دلا کر مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کی کوششیں شروع کردیں کہ ''گرمی میں نہ نکلو۔'' یہ گرمی کا موسم تھا اور لوگ درختوں کا سایہ ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ منافقوں نے گرمی کی شدت سے فائدہ اُٹھایا اور مسلمانوں کے درمیان کم ہمتی پھیلانا شروع کردی۔ کچھ منافقین نے جھوٹے اور بے بنیاد عذر تراش کر رسول اللہ ﷺ سے یہ اجازت حاصل کرلی کہ انھیں اس مہم میں شریک ہونے پر مجبور نہ کیا جائے اور انھیں پیچھے رہنے دیا جائے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت فرمائی کہ وہ اس قسم کی اجازت دینے سے گریز فرمائیں:

﴿ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ ○ ﴾

---

[1] طبری، تفسیر، ۱۰: ۱۹۷، ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ روایت ہے۔

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو معاف کردیا، (لیکن) آپ نے ان کو (ایسی جلدی) اجازت کیوں دے دی تھی جب تک آپؐ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے۔'' [1] (التوبۃ:۴۳)

قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق بدوی منافق اپنے کفر ونفاق میں مدینہ کے منافقوں سے کہیں بڑھے ہوئے تھے، بدوؤں کے دل بھی زیادہ سخت تھے اور انھیں اسلام کا علم بھی نہ ہونے کے برابر تھا:

﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ﴾ (التوبة: ٩٧)

''دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہیے کہ ان کو احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں۔''

منافق صرف مدینہ شہر تک ہی محدود نہیں تھے، بلکہ دیہاتوں میں بھی پھیلے ہوئے تھے:

﴿ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾

''اور کچھ تمھارے گردو پیش والوں میں اور کچھ مدینہ والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حدِ کمال پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ان کو نہیں جانتے، ان کو ہم ہی جانتے ہیں۔'' (التوبۃ:۱۰۱)

قرآنِ کریم کی ایک آیت کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو اس بات سے منع کر دیا گیا کہ منافقوں کا کوئی عذر قبول کیا جائے، یا ان پر یقین کیا جائے۔

﴿ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (التوبة: ٩٤)

---

[1] ایضاً، ۱۰:۱۴۲، ایک ''صحیح مرسل'' سند کے ساتھ روایت ہے جو مجاہد تک جاتی ہے۔

Marfat.com

''یہ لوگ تمھارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ یہ عذر پیش مت کرو۔ ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تمھاری خبر دے چکے ہیں اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمھاری کارگزاری دیکھ لیں گے۔ پھر تم اس کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے، پھر وہ تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔''

قرآن کریم کی ایک آیت میں منافقوں کو نجس قرار دیا گیا ہے۔ (التوبۃ: ۹۵) اس طرح مومنوں اور منافقوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے ایک خط امتیاز کھینچ دیا گیا ہے، اور دونوں کے درمیان معاملات میں تعاون کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔ دونوں کے معاملات میں فرق واضح ہو کر سامنے آ گیا۔ قرآن نے ان کے تمام عیوب کا پردہ چاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اُس مسجدِ ضرار میں نماز ادا کرنے سے منع کر دیا تھا جو منافقوں نے تعمیر کی تھی، اور آپ ﷺ نے اس مسجد کو نذرِ آتش کرا دیا تھا۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے ان کے مردوں کی نمازِ جنازہ پڑھانا بھی چھوڑ دی تھی، اگرچہ آپ ﷺ اُس سے پہلے، تبوک سے واپس آنے پر عبداللہ بن ابی بن سلول کی نمازِ جنازہ پڑھا چکے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ ﴾

''اور ان میں کوئی مرجائے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھیے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئیے۔'' [1] (التوبۃ: ۸۴)

مسلمانوں کے خلاف پخت و پز اور سازشیں کرنے کی خاطر منافقوں نے تبوک کی مہم سے پہلے ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی سہولت کی خاطر یہ مسجد بنا رہے ہیں تاکہ انھیں نماز ادا کرنے کے لیے زیادہ کھلی جگہ میسر آ سکے، لیکن ان کا اصل مقصد مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ تمام مسلمان جو یک جہتی اور اتفاق کے

---

[1] ابن حجر، فتح الباری، ۳: ۲۱۴، ۸: ۳۳۳۔ ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ۔

Marfat.com

ساتھ مسجد نبوی میں نماز ادا کرتے ہیں، وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں۔ منافقوں نے اپنی اس گھناؤنی سازش کو کامیاب بنانے کی خاطر رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ ان کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز ادا کریں، لیکن قرآن کریم میں نہ صرف یہ کہ اس کی ممانعت نازل ہوگئی، بلکہ اسے مسجد ضرار، یعنی فساد پیدا کرنے والی مسجد قرار دیا گیا:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ ﴾ (التوبہ: ۱۰۷۔۱۰۸)

''اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لیے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کی باتیں کریں اور ایمان داروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس کے قبل سے خدا اور رسول کا مخالف ہے اور قسمیں کھائیں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں ہے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ ﷺ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں، البتہ جس مسجد کی بنیاد اوّل دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس لائق ہے کہ آپ ﷺ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

منافقوں کی اکثریت نے غزوۂ تبوک میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور پیچھے رہنے کو ترجیح دی، لیکن چند ایک منافق مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو گئے تھے تا کہ انہیں مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندی کرنے اور افواہیں پھیلانے کا موقع مل سکے۔

واقدی واحد مصنف ہے جس کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب قبائل کی طرف اپنے نمائندے بھیجے تھے تا کہ وہ تبوک کی مہم کے لیے نکلیں، تاہم یہ بیان اس حقیقت سے نہیں

Marfat.com

متعارض کہ تمام قبائل کو اس غزوے میں شرکت کے لیے دعوت عام دی گئی تھی۔ قرآن کریم سے اشارہ ملتا ہے کہ اس موقع پر تمام عرب قبائل کی فوجیں جمع ہوگئیں تھیں، اور اندرونِ مدینہ اس مہم کی منادی کر دی گئی تھی:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ ﴾ (التوبة: ٣٨)

''اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو۔ کیا تم نے آخرت کے عوض دنیاوی زندگی پر قناعت کر لی، سو دنیاوی زندگی کا تمتع تو کچھ بھی نہیں، بہت قلیل ہے۔''

مجاہد کا کہنا ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب فوجوں کو جمع ہونے کا حکم دیا جا رہا تھا، [1] اور یہ وہ زمانہ تھا جب فصلیں کٹنے والی تھیں، پھل پک کر تیار ہو چکا تھا اور لوگ گرمی کی شدت اور دھوپ کی تمازت میں سائے کی تلاش میں تھے۔ یہ سفر پر جانے کے لیے مشکل ترین وقت تھا۔ [2] مجاہد کہتے ہیں کہ اس موقع پر قرآنِ کریم نے ہر امیر و غریب اور پیر و جوان کو خدا کی راہ میں نکلنے کا حکم دیا:

﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (التوبة: ٤١)

''نکل پڑو تھوڑے سامان سے اور زیادہ سامان سے اور اللہ کی راہ میں اپنے

---

[1] واقدی، مغازی، ۳، ۱۳: ۹۹۰۔ جن لوگوں نے اسے واقدی کے بعد ذکر کیا ہے، انھوں نے واقدی کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ اگر واقدی کسی چیز کے بیان کرنے میں تنہا ہوں تو اسے ثبوت کے طور پر نہیں لیا جا سکتا۔ صحابہ کرامؓ جس طرح اندرونِ مدینہ حرکت میں آ گئے تھے، اسی طرح بیرونِ مدینہ قبائل کو جمع کرنے کے لیے اس کے علاوہ کوئی متبادل صورت نہیں تھی۔

[2] طبری، تفسیر، ۱۰: ۱۳۳، اس کی سند کے راوی جن کا سلسلہ مجاہد تک جاتا ہے ''ثقہ'' ہیں، لیکن یہ روایت ''مرسل'' ہے اور اس میں عبداللہ بن ابو نجیح مکی کا ''عنعنہ'' شامل ہے جو ''مدلس'' ہے۔

Marfat.com

جان اور مال سے جہاد کرو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔''

جب کچھ لوگوں نے پیچھے رہنے کی اجازت طلب کی تو ان کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّا تَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِاسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ۝ ﴾

''اگر کچھ لگے ہاتھ ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی سا ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے، لیکن ان کو تو مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی اور ابھی خدا کی قسم کھا جائیں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ضرور ہم تمھارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔'' (التوبۃ:۴۲)

اس مہم میں شرکت کرنے میں کم ہمتی کی چند وجوہ یہ تھیں کہ تبوک مدینہ سے طویل فاصلے پر واقع تھا، سفر مشکل تھا، اور مالِ غنیمت کے حاصل ہونے کی امید کم تھی۔ [1] اس غزوے میں پیچھے رہ جانے والوں میں بدو، منافق اور چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس جائز عذر موجود تھے سوائے ان میں سے تین کے، جنھیں اس مہم میں شرکت کرنے سے کوئی عذر مانع نہ تھا۔

مسلمانوں نے جہاد کی دعوت پر جوش وخروش سے لبیک کہا

سفر کی طوالت اور دشمن فوج کی کثرت کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو منزل سے آگاہ کر دیا تھا، تا کہ وہ اپنی مناسب تیاری کر سکیں، حالاں کہ عام طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ اپنی منزل کو عام لوگوں سے خفیہ رکھا کرتے تھے تا کہ دشمن چوکنا نہ ہو جائے۔

---

[1] طبری، تفسیر، ۱۰: ۲۷، ایک ''حسن''، لیکن ''مرسل'' سند کے ساتھ جو قتادہ تک جاتی ہے۔

Marfat.com

دوسری طرف مسلمان اس عظیم الشان مہم پر نکلنے کے لیے بے تاب تھے، جوش و خروش اور جذبات کا ایک عجیب عالم تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو یہ حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ کے اہل خانہ کی نگہداشت کے لیے مدینہ ہی میں قیام کریں تو انھوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ میرے لیے تمھارا وہی مقام و مرتبہ ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا، لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد نبوت ختم ہے۔'' ❶ مسلمانوں کے طرز عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مطمحِ زندگی محض پھل دار درخت اور ان کا سایہ ہی نہیں تھا، بلکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر گرمی، بھوک اور پیاس کو اپنے لیے پسند کیا۔ یہی ان کے لیے مالِ غنیمت کا درجہ رکھتا تھا، جسے انھوں نے اپنے لیے آخرت کا سرمایہ بنا کر محفوظ کر لیا تھا۔

حضرت ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''جس وقت رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو میں پیچھے رہ جانے والوں میں شامل تھا۔ میں اپنے باغ میں معمول کی نشست و برخاست کی جگہ گیا۔ میری بیوی نے چھڑکاؤ کر کے فرش خوب ٹھنڈا کیا ہوا تھا۔ میں نے دل میں کہا: ''یہ بات تو بالکل نامناسب ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو گرمی اور لُو میں گھر سے باہر نکلے ہوئے ہوں اور میں یہاں سایہ دار درختوں کے نیچے بیٹھا دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔'' میں نے چند کھجوریں اور کچھ گوشت اپنے ہمراہ لیا اور اسی وقت نکل کھڑا ہوا۔ میں نے فوراً ہی اسلامی لشکر کو جا لیا۔ لوگوں نے جب مجھے آتے ہوئے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''یہ ابوخیثمہ ہوں گے۔'' جب میں نزدیک آیا تو رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے دعائے خیر فرمائی۔ ❷

---

❶ بخاری، صحیح، ۵: ۱۷۷ اور دیگر ابواب، مسلم، صحیح، ۷: ۱۲۰، ۱۲۱۔

❷ طبرانی نے روایت کیا۔ (فتح الباری، ۸: ۱۱۹) ابن اسحٰق نے اس روایت کو بغیر سند کے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۴: ۱۶۳، ۱۶۴) عروہ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ دونوں نے اسے ذکر کیا ہے اور اس پر اضافہ کیا ہے۔ (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۷، ۸) مسلم (صحیح ۸: ۱۰۷)، نیز احمد (مسند، ۶: ۳۸۷، ۳۸۸) نے اس روایت کے ایک حصے کے طور پر یہ اضافہ کیا ہے: ''یہ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ ہوں گے۔''

Marfat.com

غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات کا بے حد رنج اور ملال تھا کہ وہ اپنی کم مائیگی کی وجہ سے جہاد پر جانے کے قابل نہ ہو سکے۔ انہی میں ایک صحابی حضرت علبہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر نماز پڑھتے اور روتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور ان الفاظ میں آہ وزاری کرتے تھے: ''اے اللہ! آپ نے ہمیں جہاد کا حکم دیا ہے اور اس میں شرکت کرنے کی ترغیب دی ہے، مگر ہمیں اتنے وسائل نہیں دیے کہ ہم آپ کے نبی کے ساتھ جہاد میں حصہ لے سکتے۔ اے اللہ! میرا صدقہ یہ ہے کہ میں ہر اس مسلمان کو معاف کرتا ہوں جس نے میرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہو، خواہ اس نے مجھے جسمانی اذیت دی ہو، یا میری عزت کو تار تار کیا ہو۔'' رسول اللہ ﷺ نے انھیں خوش خبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی ہے۔ [1]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں چند اشعری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ ان کے لیے سواریوں کا بندوبست کر دیا جائے تاکہ وہ بھی جہاد کے سفر پر روانہ ہو سکیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی سواری موجود نہیں تھی، لیکن بعد میں آپ کے پاس تین اونٹ آ گئے۔ [2]

وہ لوگ جو کسی کمزوری، جسمانی معذوری یا مالی مجبوری کی وجہ سے شاملِ جہاد نہ ہو سکے تھے، بے چینی کے عالم میں روتے تھے اور جہاد میں حصہ لینے کے لیے تڑپتے تھے۔ پیچھے رہ جانے کی وجہ سے ان کے چہروں پر پشیمانی اور شرمندگی کے آثار نمایاں تھے۔ ان کی اس کیفیت کے بارے میں قرآنِ کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

---

[1] حضرت علبہ رضی اللہ عنہ بن زید کا واقعہ بہت سے مخارج کے ساتھ ایک کمزور سند سے روایت کیا گیا ہے۔ اس کا ایک ''صحیح'' شاہد ہے، لیکن اس کے نام کا ذکر نہیں کیا گیا جس نے صدقہ دیا۔ مجموعی طور پر اسے ایک تاریخی ثبوت کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔ دیکھیے: ابن حجر، الاصابۃ، ۴:۵۴۶، ۵۴۸۔

[2] صحیح بخاری، ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۱۰، ۱۱۱، احمد، مسند، ۴:۳۹۸، ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ روایت ہے۔

Marfat.com

مَا يُنفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنفِقُوْنَ ٥ ﴾

''کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں، جب کہ یہ لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ خلوص رکھیں۔ ان نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں۔ اور نہ ان لوگوں پر کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ انھیں کوئی سواری دے دیں اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کروں تو وہ اس حالت میں واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں، اس غم میں کہ ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں۔'' [1] (التوبۃ:۹۱،۹۲)

رسول اللہ ﷺ نے ان اصحاب کی خصوصی طور پر نشان دہی فرمائی جو کسی جائز عذر کی بناء پر اس غزوے سے پیچھے رہ گئے تھے اور ان کی نیت خالص تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو مستقلاً تم لوگوں کے ساتھ ہیں، جہاں کہیں بھی تم لوگ گئے اور جو وادی بھی تم نے پار کی، وہ تمھارے ساتھ تھے۔'' لوگوں نے حیرت سے پوچھا: ''لیکن یا رسول اللہ ﷺ! وہ تو مدینہ میں ہیں؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''بے شک وہ مدینہ میں ہیں، لیکن وہ معقول عذر کی بناء پر ہمارے ساتھ شامل ہونے سے رہ گئے۔'' [2] حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کہتے ہیں کہ مدینہ میں صرف وہی لوگ باقی بچے تھے جو منافق تھے، یا

[1] طبری، تفسیر، ۱۰:۲۱۱۔ جن لوگوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے ان کے ناموں کے متعلق کوئی چیز بھی صحیح ثابت نہیں ہوسکی ہے۔ اس معاملے میں روایت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت رونے والوں کی بابت نازل ہوئی ہے، یا عرباض بن ساریہ، یا عائذ بن عمرو، یا بنو مقرن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔
[2] ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۲۶۔

Marfat.com

جسمانی طور پر کمزور تھے۔ ❶

فوج کی تعداد

فوج کی تعداد کے بارے میں متعدد روایات نقل کی گئی ہیں۔ اگرچہ یہ روایات ظاہری طور پر ایک دوسرے سے متعارض معلوم ہوتی ہیں، لیکن انھیں آسانی سے ایک دوسرے سے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت سے مسلمان ایسے بھی تھے جن کے نام، تاریخ محفوظ نہ کر سکی۔'' ❷ حضرت کعبؓ ہی کی ایک اور روایت ہے: ''اس موقع پر مسلمانوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی۔'' ❸

الإکلیل میں حاکم کی یہ روایت ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بیس ہزار سے زائد تھی، اور ابن اسحٰق بھی وثوق کے ساتھ یہی تعداد بتاتے ہیں۔ واقدی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار سوار تھے۔ غالباً حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے صرف سواروں کے دستے کا حوالہ دیا اور انھوں نے پیادہ فوج کو اس تعداد میں شامل نہیں کیا۔ ابوزرعہ الرازی روایت کرتے ہیں کہ فوج کی تعداد چالیس ہزار تھی ❹ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کہتے ہیں کہ یہ تعداد تیس ہزار تھی۔ ❺

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مورخین کی اکثریت اسی بات کی قائل ہے کہ فوج کی تعداد تیس ہزار تھی۔ اس بھاری جمعیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے نامساعد حالات کے باوجود کس قدر جوش و خروش اور جذبے کے ساتھ جہاد کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔ اگرچہ گرمی اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی اور چاروں طرف سے مشکلات کا سامنا تھا۔ یہ وہ عظیم ترین فوج تھی جس کی رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں قیادت فرمائی۔ واقدی کہتے ہیں کہ جب تمام فوج ایک جگہ جمع ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ اسے لے کر مدینہ سے ذوخشب کے

---

❶ صحیح بخاری، ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۱۴۔

❷ ''صحیح'' حدیث ہے جسے بخاری نے روایت کیا ہے؛ فتح الباری، ۸:۱۱۳۔ ❸ مسلم، صحیح، ۸:۱۱۲۔

❹ ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۱۸۔ ❺ واقدی، مغازی، ۳:۹۹۶۔

Marfat.com

راستے نکلے جو شام کی طرف مدینہ سے کوئی چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ وہاں سے آپ ﷺ تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس موقع پر علقمہ بن فغوئ الخزاعی راستہ بتانے کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ❶

تبوک پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے سب سے بڑا عَلَم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور سب سے بڑا جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اور قبیلہ اوس کا جھنڈ اُسید بن خضیر کو اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب رضی اللہ عنہ بن منذر کو دیا گیا تھا۔ ❷ آپ ﷺ نے انصار کی ہر شاخ کو یہ ہدایت کی کہ ان کے پاس ایک عَلَم اور ایک جھنڈا ضرور ہونا چاہیے۔ اسی طرح تمام عرب قبائل کے ہاتھوں میں مختلف جھنڈے اور علم موجود تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت، بنو مالک بن نجار کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بنو عمرو بن عوف کا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کے ہاتھ میں بنوسلمہ کا جھنڈا تھا۔ ❸ واقدی واحد مصنف ہیں جنھوں نے اس لشکر کے راستوں اور جھنڈوں کی تقسیم کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔ اگرچہ واقدی ''متروک'' ہیں، لیکن ان کے ہاں سیرت پر بیش بہا معلومات ملتی ہیں اور ان کی اس قسم کی معلومات کو قبول کرنا درست ہے۔

غزوہ میں شرکت سے محروم افراد:

تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے جو تبوک کی مہم میں شریک نہ ہو سکے اور پیچھے رہ گئے۔ یہ تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک، حضرت مرارہ رضی اللہ عنہ بن ربیع العمری اور حضرت ہلال رضی اللہ عنہ بن امیہ الواقفی تھے۔ یہ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے کمالِ ایمان اور

---

❶ ایضاً، ۲: ۹۹۹۔ واقدی ''متروک'' ہیں۔ روایت کی سند کا جائزہ لینے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، کیوں کہ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوخشب میں ظہر اور عصر کو جمع کیا تھا۔ یہ ایک قانونی مسئلہ ہے اور واقدی خاصے کمزور ہیں، اس لیے میں نے متن میں اس کا حوالہ دیا ہے۔

❷ واقدی، مغازی، ۲: ۹۹۶، ابن سعد، طبقات، ۳: ۱۶۹۔

❸ ابن عساکر، تاریخ دمشق، ۱: ۴۱۶۔ ابن عساکر کی سند بھی واقدی تک جاتی ہے۔

Marfat.com

تقویٰ میں مشہور تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک نے بدر کے علاوہ تمام معرکوں میں شرکت فرمائی تھی اور بیعتِ عقبہ ثانیہ میں بھی وہ شریک تھے۔ ان سے سفر کی تیاری میں تاخیر ضرور ہوگئی تھی، لیکن ان کا پیچھے رہنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بعد میں پھلوں اور سایہ دار درختوں کی کشش ان کے اوپر حاوی ہوگئی، حتیٰ کہ لشکر روانہ ہوگیا اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک لشکر میں شامل نہ ہو سکے۔

حضرت مرارہ رضی اللہ عنہ بن ربیع اور حضرت ہلال رضی اللہ عنہ بن امیہ دونوں غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ تقریباً ۸۰ ❶ سے زائد افراد پیچھے رہ گئے تھے۔ واقدی کہتے ہیں کہ یہ تمام کے تمام مدینہ کے منافقین تھے، بنوغفار اور دیگر قبائل کے جو بدو پیچھے رہ گئے تھے، ان کی تعداد ۸۲ ہے۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ان لوگوں کے علاوہ تھے، اور ان کی تعداد اس سے زیادہ تھی۔ ❷ ان تمام لوگوں میں سے جو پیچھے رہ گئے تھے، ہر شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ فوج میں اس کی عدم موجودگی کسی کے علم میں بھی نہ آسکے گی۔ ❸

تبوک جاتے ہوئے راستے میں رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں میں سے چند کے بارے میں استفسار فرمایا، جو پیچھے رہ گئے تھے، مثلاً آپ ﷺ نے ابورہم کلثوم بن حسین الغفاری سے بنوغفار اور بنواسلم ❹ کے لوگوں کے بارے میں دریافت فرمایا اور تبوک پہنچ کر آپ ﷺ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کے بارے میں پوچھا۔ ❺

سورۃ التوبہ میں پیچھے رہ جانے والوں کے رویے کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور ان

---

❶ ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۱۴، طبری، تفسیر، ۱۱:۵۸۔ زہری کی ''مرسل'' روایت ہے۔

❷ ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۱۹۔ ❸ ایضاً، ۸:۱۱۴۔

❹ ابن ہشام، سیرۃ، ۴:۱۷۲،۱۷۳۔ ابن اسحٰق نے زہری سے روایت لی ہے۔ انھوں نے واضح طور پر یہ بیان نہیں کیا کہ انھوں نے یہ بات سنی ہے، لیکن انھوں نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں: ''زہری نے ذکر کیا۔'' ابن اسحٰق نے غالباً اسے زہری کی مغازی سے لیا ہے، اور اسے زہری کے حوالے سے معمر کے واسطے سے روایت کیا گیا تھا۔ (موارد الظمآن فی زوائد ابن حبان، ص ۴۱۸) روایت ''حسن لغیرہ'' کے درجے تک قوی ہے۔

❺ ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۱۴۔

Marfat.com

کے پیچھے رہ جانے پر تنقید کی گئی ہے، جب کہ ہر فرد کے لیے جہاد کو فرض عین قرار دیا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ وحی نازل ہوئی کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان کا صدقہ بھی اس لیے قبول کرلیا گیا کہ انھوں نے اپنی غلطی تسلیم کرلی تھی۔ اسی سورہ میں منافقوں کی مختلف بداعمالیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً یہ کہ انھیں خدا تعالیٰ کی تقدیر پر یقین نہیں تھا، وہ زندگی کی محبت میں گرفتار تھے اور جہاد میں حصہ لینے کو اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ کہیں مر نہ جائیں۔ علاوہ ازیں ان میں اور بھی برائیاں تھیں، اگر رقم خرچ کرتے تھے تو بادلِ ناخواستہ اور بدنیتی کے ساتھ، بدکلامی میں وہ ماہر تھے، دوسروں پر بزدلی کا الزام لگاتے تھے اور جب ان سے بازپرس کی جاتی تھی تو یہ کہہ کر الگ ہوجاتے تھے کہ وہ تو مذاق کر رہے تھے۔ قرآنِ کریم نے ان کے جھوٹے بہانے اور باطل معذرتیں قبول کرنے سے یکسر انکار کردیا اور انھیں علی الاعلان کافر قرار دیا۔ مزید براں ان کے لیے دعائے مغفرت کرنے اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی بھی ممانعت کردی۔ انھیں یہ وعید بھی سنائی گئی کہ دنیا کی عارضی زندگی میں وہ جو تمسخر کرتے ہیں، اس کے عوض انھیں ابدی زندگی میں رونا پڑے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ منافقوں کو مستقبل میں کسی بھی جہاد میں حصہ لینے سے منع کردیا گیا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ منافق ہمیشہ کے لیے ملعون قرار پائیں، مومن ان سے ممتاز ہوجائیں اور ان کی صفوں کی تطہیر ہوجائے تاکہ وہ مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کی کمزوری اور پست ہمتی پھیلانے کے قابل نہ رہ سکیں۔ قرآنِ کریم کی ایک آیتِ مبارکہ میں ان لوگوں کا فیصلہ مؤخر کردیا گیا جو منافق نہیں تھے، اور اپنے پیچھے رہ جانے پر دل سے پشیمان وشرمندہ تھے۔

اس سورہ میں مدینہ کے ان شہریوں اور گردونواح کے ان بدوؤں کو زجر وتوبیخ کی گئی ہے، جو پیچھے رہ گئے تھے، کیوں کہ جب فوجوں کو جمع کرنے کے لیے نفیر عام کردی جائے تو جہاد فرضِ عین ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جہاد میں حصہ لینے پر اجرِ عظیم کی بشارت بھی سنائی گئی ہے۔

Marfat.com

تبوک میں آمد

بعض مآخذ میں حضور ﷺ کا ایک طویل خطبہ نقل کیا گیا ہے جو آپ ﷺ نے تبوک کے مقام پر ارشاد فرمایا تھا۔ اگرچہ اس خطبے کا پورا متن کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، ❶ لیکن اس کے کچھ حصے ایسے ہیں جو معروف احادیث سے لیے گئے ہیں۔ ان احادیث میں سے کچھ ''صحیح'' اور کچھ ''حسن'' ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض راویوں نے مختلف احادیث سے ٹکڑے لے کر انھیں خطبے کی شکل دے دی ہے۔

تبوک پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ دومۃ الجندل روانہ فرمایا۔ عروہ بن زبیر ایک ''مرسل'' سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ۴۲۰ سوار روانہ فرمائے تھے۔ ❷ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دومۃ الجندل کے والی گورنر اکیدر بن عبدالملک الکندی کو اس وقت گرفتار کرلیا جب وہ شہر سے باہر شکار میں مصروف تھا۔ ❸ رسول اللہ ﷺ نے اس شرط پر اس کے ساتھ امن کا معاہدہ کرلیا کہ وہ جزیہ ادا کرے گا۔ ❹ مسلمان اکیدر کے جبے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس جبے سے متاثر ہو گئے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جنت میں سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے رومال اس

---

❶ امام احمد، (مسند، ۳: ۳۸) اور ابوعبید (الاموال، ص ۲۵۵، ۲۵۶) نے ایک مختصر خطبے کا متن روایت کیا ہے۔ ان کی سندوں میں ابوخطاب مصری ہیں جو مجہول ہیں۔ حافظ ابن کثیر (البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۱۳، ۱۴) نے ایک طویل خطبے کا متن روایت کیا ہے۔ ان کی سند میں عبدالعزیز بن عمران شامل ہیں جو ''متروک'' ہیں۔

❷ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۱۷۔ ان کی سند میں ابواسود کے واسطے سے ابن لہیعہ شامل ہیں۔ ابن لہیعہ یہاں کمزور ہیں۔ مزید براں یہ عروہ کی ''مرسل'' احادیث میں سے ایک ہے۔

❸ ابن حجر، الاصابۃ، ۱: ۴۱۲، ۴۱۵۔ ابن اسحٰق نے عاصم بن عمر بن انس کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت ''حسن'' ہوتی، اگر ابن اسحٰق کا ''عنعنہ'' نہ ہوتا جو ''مدلس'' ہیں۔ سیوطی، الخصائص الکبریٰ، ۲: ۱۱۲، ۱۱۳۔ یہ بھی ابن اسحٰق سے ہے جو ان کے شیوخ عبداللہ بن ابی بکر اور یزید بن رومان سے مروی ہے۔ یہ ''مرسل'' ہے۔ ابن اسحٰق نے واضح طور پر سماع کا اعلان کیا ہے۔

❹ ابن ہشام، سیرۃ، ۴: ۱۸۲۔

Marfat.com

جبے سے بدر جہا بہتر ہیں۔'' ❶ ایک روایت کے مطابق حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو اُکیدر کے پاس سے جو مالِ غنیمت ملا تھا، وہ آٹھ سو قیدیوں، ایک ہزار اونٹوں، چار سو ڈھالوں اور چار سو نیزوں پر مشتمل تھا۔ ❷

جس وقت رسول اللہ ﷺ تبوک میں قیام پذیر تھے تو ایلہ کے بادشاہ نے آپ کی خدمت میں تحفے کے طور پر ایک خچر اور ایک چادر روانہ کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ بھی اس شرط پر معاہدۂ امن کرلیا کہ وہ جزیہ ادا کرے گا۔ ❸

ایک ضعیف روایت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ تبوک میں قیام کے دوران میں رسول اللہ ﷺ اور بازنطینی حکمران ہرقل کے درمیان خط و کتابت ہوئی۔ حضور ﷺ نے دحیہ الکلبی کو اس کے پاس بھیجا اور ہرقل نے التنوخی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تاکہ وہ نبوت کی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرے۔ ❹ اگر یہ روایت ''صحیح'' ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ دحیہ کلبی کو ہرقل کے دربار میں بھیجا تھا۔ ایک مرتبہ اس سے قبل بھی دحیہ کلبی ۷ ھ کے اوائل میں حضور ﷺ کا نامۂ مبارک لے کر ہرقل کے پاس جاچکے تھے۔

اس مہم کے دوران میں بازنطینیوں اور عرب عیسائی قبائل سے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ مسلمان تبوک پہنچ گئے، لیکن بازنطینیوں نے مسلمانوں کا سامنا کرنے سے گریز کیا۔ شہروں کے مقامی حکام نے صلح کے معاہدے کرنے کو ترجیح دی اور جزیہ دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ مسلمان فوج ۲۰ دن ❺ تبوک میں قیام پذیر رہی جس کے بعد مدینہ واپسی ہوئی۔

---

❶ ایضاً، ۴: ۱۷۰، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ روایت ہے۔

❷ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۱۷۔ اس کی سند میں ابو اسود کے واسطے سے ابن لہیعہ شامل ہیں۔ یہاں ابن لہیعہ کمزور ہیں۔ اس کے علاوہ، یہ عروہ کی ''مرسل'' احادیث میں سے ایک ہے۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ، ۶: ۷۷؛ مسلم، صحیح، کتاب الفضائل، ۷: ۶۱۔

❹ احمد، مسند، ۱: ۳۰۳، ۳: ۴۴۲، ۴: ۷۴، ۵: ۲۹۲؛ ایک سند کے ساتھ جس میں سعید بن ابی راشد شامل ہیں۔ یہ ''مقبول'' ہیں اور واحد شخص ہیں جنھوں نے اسے روایت کیا ہے۔

❺ موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان، ص ۱۴۵۔ ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ۔

Marfat.com

تبوک سے واپسی

تبوک سے مدینہ واپس آتے ہوئے مسلمانوں کا گزر الحجر نامی بستی سے ہوا۔ یہ قومِ ثمود کا علاقہ ہے اور قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق ایک اونٹنی کے ذریعے اس قوم کی آزمائش کی گئی تھی۔ یہ لوگ اس آزمائش پر پورے نہ اتر سکے اور اونٹنی کو ذبح کر ڈالا۔ اس جرم کی پاداش میں ان پر عذاب نازل ہوا اور پوری قوم ہلاک ہوگئی۔ [1] جب مسلمانوں کی نظر ان کی بستی پر پڑی تو وہ دوڑ دوڑ کر ان کے تباہ شدہ گھروں میں داخل ہونے لگے تاکہ ان کی تباہی کے آثار دیکھ سکیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایسا کرنے سے روک دیا اور فرمایا: ''ایسے لوگوں کی رہائش گاہوں میں مت داخل ہو جو خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، اور اگر داخل ہونا چاہو تو روتے ہوئے داخل ہو، ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی عذاب کا شکار ہو جاؤ جس کے وہ شکار ہوئے تھے۔'' یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک کپڑے سے ڈھانپ لیا اور تیز گامی سے چلتے ہوئے اس وادی سے نکل گئے۔ آپ ﷺ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ اس بستی کے کنوؤں کا پانی نہ پیو اور نہ اس سے وضو کرو، نیز وہاں کے پانی سے اگر کسی نے آٹا گوندھا ہے تو اسے چاہیے کہ یہ آٹا اپنے اونٹ کو کھلا دے اور خود اس کے کھانے سے پرہیز کرے۔ [2]

واپسی کے سفر میں مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے اونٹوں کی کمزوری اور تھکاوٹ کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ان اونٹوں کو اتنی طاقت اور قوت عطا فرما کہ یہ ہمارے بوجھ بآسانی اٹھا سکیں۔ آپ ہی کمزور اور طاقتور کو، اور خشک و تر کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ خشکی اور سمندر میں بوجھ لے کر چل سکیں۔'' آپ ﷺ کی دعا کے ساتھ ہی اونٹوں کی طاقت عود کر آئی، وہ تازہ دم اونٹوں

---

[1] صحیح بخاری، ؛ ابن حجر، فتح الباری، ۴: ۱۱۸، ۱۱۹؛ مسلم، صحیح، ۸: ۲۲۰، ۲۲۱۔

[2] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۱۱۔ ایک ''حسن''، لیکن ''مرسل'' سند کے ساتھ جس کا سلسلہ عباس بن سہل بن سعد السعیدی تک جاتا ہے۔

Marfat.com

کی طرح مدینہ تک سامان لے گئے اور مسلمانوں کو اونٹوں سے دوبارہ کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ ❶

تبوک سے واپسی پر ایک گھاٹی میں منافقوں نے رسول اللہ ﷺ کی سواری کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کی تا کہ وہ بدک جائے اور آپ ﷺ سواری سے نیچے گر جائیں۔ اگرچہ انھوں نے اپنے چہرے اس غرض سے ڈھانپ رکھے تھے کہ پہچانے نہ جائیں، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے انھیں پہچان لیا اور انھیں دور رہنے کا حکم دیا۔ ❷

جب فوج مدینہ کے نزدیک پہنچی تو نوعمر لڑکے فوج کے استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع تک آئے۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ شہر میں داخل ہوئے اور اپنی مسجد میں جا کر نمازِ دوگانہ ادا کی۔ اس کے بعد آپؐ وہاں کچھ دیر لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہے، وہ منافق جو پیچھے رہ گئے تھے، ایک ایک کر کے آئے اور مختلف عذر پیش کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ظاہر کو قبول کیا اور باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا، ان سے حلفِ وفاداری لیا اور ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ اس کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک حاضرِ خدمت ہوئے۔ ان سے پہلے ان کے دو ساتھی حضرت ہلال رضی اللہ عنہ بن امیہ اور حضرت مرارہ رضی اللہ عنہ بن ربیع بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے۔ ان تینوں نے اقرار کیا کہ انھیں ساتھ جانے میں کوئی عذر مانع نہیں تھا اور پیچھے رہ جانے کی وجہ سے ان سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے، اب وہ جھوٹ بول کر اس گناہ میں مزید اضافہ نہیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان تینوں اصحاب کے ساتھ بول چال بالکل بند کر دیں، چناں چہ مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ پچاس روز تک مسلمانوں نے ان کا مکمل معاشرتی مقاطعہ کیے رکھا، حتیٰ کہ ان کی بیویوں کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ وہ ان سے بالکل علیحدگی

---

❶ احمد، مسند، ۶: ۲۰۔ ایک ''حسن'' سند کے ساتھ۔ موارد الظمآن فی زوائد ابن حبّان، ص ۴۱۸۔

❷ احمد، مسند، ۵: ۳۹۰۔ ایک ''حسن'' سند کے ساتھ روایت ہے۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۳۲، ۳۳۔ دو سندوں کے ساتھ مروی ہے، ایک ابن اسحٰق سے بغیر سند کے اور دوسری عروہ بن زبیر سے۔ یہ بھی ''مرسل'' ہے، وہ سند جس کا سلسلہ عروہ تک جاتا ہے، اس میں ابن لہیعہ کی وجہ سے کچھ کمزوری آ گئی ہے۔

Marfat.com

اختیار کرلیں۔ وہ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے اپنے میکے چلی گئیں، لیکن حضرت ہلال رضی اللہ عنہ بن امیہ ایک بوڑھے انسان تھے، ان کی اہلیہ نے حضور ﷺ سے خصوصی اجازت طلب کی کہ انھیں اپنے شوہر کی خدمت کرنے کی اجازت دی جائے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے انھیں اجازت مرحمت فرمادی۔ اس تمام عرصے میں یہ تینوں اصحاب غم اور صدمے سے نڈھال تھے۔ اسی دوران میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کو ایک اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ غسان کے بادشاہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں ایک خط لکھا جس میں انھیں یہ پیش کش کی کہ اگر وہ اس سے آ کر ملیں تو انھیں اس کے دربار میں عزت کا مقام دیا جائے گا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک نے اس خط کو ذرا بھی درخورِ اعتنا نہ سمجھا، فوراً نذرِ آتش کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ ایک اور آزمائش ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر ڈالی گئی ہے۔ مسلمانوں کی جانب سے ان کا یہ مقاطعہ جاری تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی جو اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان لوگوں کی توبہ قبول فرمالی ہے: [1]

﴿ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾

''اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا، یہاں تک کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ خدا سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے، اس کی طرف رجوع کیا جائے، پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی رجوع رہا کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے، بڑے رحم کرنے

---

[1] احمد، مسند، ۵: ۳۹۰، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ روایت ہے۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۳۲، ۳۳۔ دو سندوں کے ساتھ مروی ہے، ایک ابن اسحٰق سے بغیر سند کے اور دوسری عروہ بن زبیر سے۔ یہ بھی ''مرسل'' ہے، یہ سند اور دوسری جو عروہ بن زبیر سے ہے، وہ بھی ''مرسل'' ہے۔ وہ سند جو عروہ تک جاتی ہے، اس میں ابن لہیعہ کی وجہ سے کچھ کمزوری آ گئی ہے۔

Marfat.com

والے ہیں۔'' (1) (التوبہ:۱۱۸)

غزوۂ تبوک کے دوران جاری شدہ احکام

تبوک میں قیام کے دوران میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو کسی خاص وجہ سے نماز کے لیے پہنچنے میں تاخیر ہوگئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امامت کے فرائض ادا کیے۔ یہ فجر کا وقت تھا۔ نماز کے دوران ہی رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے، آپ ﷺ کو دیکھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اشارے سے منع فرما دیا اور ان کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ادنیٰ رتبے کا شخص امامت کرسکتا ہے اور اعلیٰ رتبے کا فرد اس کی اقتداء میں نماز ادا کرسکتا ہے۔ (2)

مدینہ واپس آتے ہوئے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل نے حضور ﷺ سے ایک ایسے عمل کے بارے میں دریافت کیا جو انھیں جنت میں لے جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ''ہر وہ عمل جس کی بنیاد توحید پر ہو، اس کا ڈھانچا نماز اور زکوٰۃ ہو اور اس کی چوٹی جہاد ہو۔'' (3)

اسی غزوے کے دوران میں نبی ﷺ سے سُترہ کے بارے میں دریافت کیا گیا، (یعنی نمازی کے سامنے کتنی آڑ ہونا چاہیے۔) آپ نے جواب دیا کہ اس کا حجم اونٹ کی کاٹھی کے برابر ہونا ضروری ہے۔ (4) اسی غزوے میں حضور ﷺ نے ظہر اور عصر، نیز مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع فرمائیں۔ (5)

آپ ﷺ نے تبوک میں بیس روز قیام فرمایا اور اس دوران میں آپ ﷺ نے قصر نمازیں ادا فرمائیں۔ (6)

---

(1) ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۱۳، ۱۱۶۔ بخاری، کی ایک روایت سے۔

(2) مسلم، صحیح، ۱:۱۵۸، ۱۵۹، صحیح بخاری، ۱:۴۳، ۴۴۔

(3) احمد، مسند، ۵:۲۴۵، ۲۴۶؛ ایک ''حسن'' سند کے ساتھ۔

(4) نسائی، سنن، ۲:۶۲۔ ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ۔ (5) زرقانی، شرح مؤطا امام مالک، ۲:۵۵، ۵۸۔

(6) موارد الظمآن فی زوائد ابن حبّان، ص ۱۴۵۔ ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ۔

Marfat.com

واپس آتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے وادی القریٰ میں ایک باغ کی قیمت کا تخمینہ لگایا جو پکی ہوئی کھجوروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیمت کا تخمینہ لگانا جائز ہے۔ ❶

تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے ایک گھر سے پانی طلب کیا۔ آپ ﷺ کو چمڑے کے بنے ہوئے برتن میں پانی دیا گیا۔ اس موقع پر مردہ جانور کی کھال کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کھال کو رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔'' ❷

اگر کسی آدمی نے کسی دوسرے کے ہاتھ کو کاٹ لیا اور دوسرے نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے زور لگایا اسی دوران میں اگر کاٹنے والے کا دانت نکل گیا تو اس کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔

ان تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاشرتی مقاطعہ کرنے سے (جو اس غزوے میں پیچھے رہ گئے تھے،) یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی مسلمان سے تین روز سے زیادہ ترکِ کلام کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس کی کوئی شرعی وجہ موجود ہو۔ ❸

تبوک کی طرف پیش قدمی کرنے میں حضور ﷺ کے پیش نظر جو مقصد تھا وہ پوری طرح حاصل ہو گیا، یعنی آپ ﷺ چاہتے تھے کہ جزیرہ نمائے عرب کے شمالی علاقوں پر اسلام کی قوت کا اظہار ہو جائے اور مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے۔ بازنطینیوں کی طرف آپ ﷺ کی پیش قدمی دراصل فتحِ شام کا مقدمہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے انتقال سے قبل حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بن حارثہ کی سرکردگی میں ایک فوج تیار کر لی تھی، لیکن اس فوج کی روانگی کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے، اور حضرت

---

❶ ابن حجر، فتح الباری، ۳: ۴۳، ۴۴۔

❷ ابوداؤد، سنن کتاب اللباس، ۴: ۶۴۔ ایک ''حسن'' سند کے ساتھ روایت ہے۔

❸ اس سے جو بے شمار فوائد حاصل کیے گئے، اس کے لیے دیکھیے: ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۱۲۳، ۱۲۴۔ انھوں نے تفصیلات دی ہیں۔

Marfat.com

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوگئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امارت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی فوج کو جلد از جلد شام کی طرف روانہ کرنے پر اصرار فرمایا، حالاں کہ اس وقت حالات بہت نازک تھے، اور ارتداد کی تحریکوں کے سبب شہر مدینہ اور دین اسلام کو سخت خطرات لاحق تھے۔ جونہی صورتِ حال قابو میں آئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام اور عراق کو آزاد کرانے کی خاطر فوجوں کو ساز و سامان سے آراستہ کیا تاکہ اسلام کا مقصدِ وحید پورا ہو جائے، یعنی انسانیت کو ظلم اور تشدد کے شکنجے سے آزاد کرا کے خدائے واحد کی بندگی میں اس طرح دینا:

﴿ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾

''کہ عقیدہ میں کوئی فساد نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔'' (الانفال:۳۹)

Marfat.com

اس کے بعد پیش آنے والے اہم واقعات

عام الوفود

ہجرت کے نویں سال کو عام الوفود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کیوں کہ ۸ ھ کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ کی الجعرانہ سے واپسی کے ساتھ ہی عرب کے اطراف و جوانب سے مختلف قبائل کے وفود اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کرنے کے لیے امڈ امڈ کر مدینہ آنا شروع ہوگئے تھے۔ دراصل ان لوگوں نے فتح مکہ تک اپنے قبولِ اسلام کو مؤخر کیے رکھا۔ جونہی مکہ فتح ہوا، عرب کے تمام قبائل جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ قدیم مآخذ میں طبقات ابن سعد واحد مآخذ ہے جس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کتاب میں ان وفود کے بارے میں معلومات کا جامع ترین ذخیرہ موجود ہے۔ [1] بتایا جاتا ہے کہ ان وفود کی تعداد ۶۰ سے متجاوز تھی۔ [2]

عام طور پر ان وفود کے بارے میں جو روایات نقل کی گئی ہیں، وہ بغیر سند کے نقل کی گئی ہیں۔ ابن اسحٰق قدیم ترین مصنف ہیں جنھوں نے ان روایات کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ وہ جا بجا ان مآخذ کا ذکر بھی کرتے ہیں جن سے انھوں نے معلومات جمع کیں اور ان کی سند بھی بیان کرتے ہیں۔ [3] یہ چند روایات زہری، عبداللہ بن ابی بکر اور حسن بصری کی ''مراسیل'' ہیں، سوائے ضمام بن ثعلبہ کی روایت کے، جو ایک وفد کے ساتھ آئے تھے۔ اس روایت کی جو سند وہ نقل کرتے ہیں، اس کا سلسلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک جاتا ہے اور محمد بن ولید بن نویفع بھی اس سلسلے میں شامل ہیں جو مقبول ہیں، مگر قابلِ اتباع نہیں ہیں۔ اس سلسلۂ سند میں ان کی موجودگی سے یہ روایت کمزور ہوگئی ہے۔ ابن اسحٰق نے جن وفود کا ذکر کیا

---

[1] حافظ ابن حجر، نے اس کا حوالہ دیا ہے، لیکن انھوں نے یہ وضاحت کی ہے کہ ابن سعد نے ہوازن کے وفد کا تذکرہ کرنے سے اعراض کیا ہے۔ [2] ابن ہشام، سیرۃ، ۴: ۲۲۱، ۲۲۲؛ ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۸۳

[3] ابن ہشام، سیرۃ، ۴: ۲۳۵، ۲۴۱، ۲۵۴، ۲۶۰۔

Marfat.com

ہے وہ یہ ہیں: بنوتمیم، بنوعامر، بنوسعد بن بکر، عبدالقیس، بنوحنیفہ، طے، بنوزبید، کندہ جوحمیر کے بادشاہ تھے، بنوحارث بن کعب، ہمدان، عدی بن حاتم، فروہ بن مسیک المرادی، صرد بن عبداللہ الازدی، فروہ بن عمرو الجذامی پڑھنے والوں کو بہت سی نظمیں بھی ملتی ہیں جن کا ابن اسحٰق نے ان وفود کی روایات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ ❶

ابن سعد نے ان وفود کے بارے میں تمام روایات کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور ایک ایک روایت کی اچھی طرح چھان پھٹک کی ہے، لیکن ان کی زیادہ تر روایات وہ ہیں جو واقدی اور ہشام الکلبی کے ذریعے سے آئی ہیں اور یہ دونوں اصحاب ''متروک'' ہیں۔ بقیہ روایات، سوائے چند ایک کے، علی بن محمد المدائنی کی روایت کردہ ہیں جو ''صدوق'' ہیں، تاہم وہ تمام سندیں جنھیں ابن سعد نے روایت کیا ہے، کسی نہ کسی اعتبار سے ناقص ہیں، کیوں کہ ان کے راوی کمزور ہیں، یا وہ ''مرسل'' ہیں۔ ان کی چند ایک روایات ایسی ہیں جو عفان بن مسلم اور عارم بن فضل السدوسی کے توسط سے ہم تک پہنچی ہیں۔

ان وفود کے بارے میں جو مفصل روایات ہمیں مؤرخین کے ہاں ملتی ہیں، اگرچہ محدثین کے خیال میں وہ ''صحیح'' نہیں ہیں، لیکن ان میں سے چند ایک وفود کے بارے میں روایات ''صحیح'' ہیں، کیوں کہ ان کے متعلق دیگر روایات بھی موجود ہیں۔ ❷ امام بخاری نے بنوتمیم کے ایک وفد کی آمد کا ذکر کیا ہے اور سورۃ الحجرات میں ہمیں یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس وفد کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدتہذیبی کا برتاؤ کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بداخلاق اور اجڈ لوگ تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حجرے کے باہر کھڑے ہوکر بلند آواز سے آپ ﷺ کو پکارنا شروع کردیا، اور آپ ﷺ سے اجازت لیے بغیر ہی باہر کھڑے ہوکر زور زور سے بولنے لگے۔ اس موقع پر سورۃ الحجرات نازل ہوئی۔ اس سورۃ میں مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرنے کے کچھ آداب ہیں اور آپ ﷺ سے گفتگو کرنے کے لیے کن طور طریقوں کو ملحوظ رکھنا

---

❶ الطبقات الکبریٰ، ۱:۲۹۱، ۳۵۹۔ ❷ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵:۴۰۔

Marfat.com

ضروری ہے۔

بخاری نے عبدالقیس اور بنو حنیفہ کے وفود کی آمد کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان وفود میں مسیلمہ کذاب بھی شامل تھا، اس نے اپنے قبولِ اسلام کے لیے یہ شرط عائد کی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وہ آپ ﷺ کا جانشین ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس نے مجھ سے کھجور کی شاخ کا ایک ٹکڑا بھی مانگا ہوتا تو میں اسے نہ دیتا۔ اس وقت آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مسیلمہ کے ذریعے دنیا میں بہت ظلم اور فساد پھیلے گا۔ امام بخاری نے نجران کے ایک وفد کا تذکرہ کیا ہے جس میں نجران سے عاقب اور سیّد نام کے دو حاکم شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ اس پر آپ ﷺ نے انھیں مباہلے کی دعوت دی تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ ﴾

”بے شک حالت عجیبہ عیسیٰ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشابہ حالتِ عجیبہ آدم کے ہے کہ ان کو مٹی سے بنایا، پھر ان کو حکم دیا کہ ہو جا، بس وہ ہو گئے۔ یہ امر واقعی آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے، سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جایے۔ پس جو شخص آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں حجت کرے، آپ کے پاس علم آئے پیچھے تو آپ فرما دیجیے کہ آجاؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمھارے بیٹوں کو، اور اپنی عورتوں کو اور تمھاری عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو، اور تم خود بھی آجاؤ، پھر ہم خوب دل سے دعا کریں اس طور سے کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر جو ناحق پر ہو۔“ (آل عمران: ۵۹،۶۱)

Marfat.com

پہلے تو انھوں نے یہ دعوت قبول کرلی، مگر بعد میں انھیں یہ خوف پیدا ہوا کہ وہ کسی پھٹکار کا شکار نہ ہوجائیں، اس لیے وہ پیچھے ہٹ گئے اور مباہلہ کرنے سے انکار کردیا۔ انھوں نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ وہ جزیہ ادا کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ عامر رضی اللہ عنہ بن جراح کو ان کے ہمراہ روانہ کیا، تاکہ ان سے جزیہ لے لیں۔ اہلِ نجران [1] کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرنے اور ان سے جزیہ لینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بازنطینیوں کے ساتھ ان کا جو تعلق قائم تھا، وہ منقطع ہوگیا اور وہ لوگ اب اسلامی ریاست کے ساتھ مل گئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی پشت مضبوط ہوگئی اور وہ شام کے بازنطینیوں کے ساتھ عظیم الشان مقابلے کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے علاوہ جن وفود کا تذکرہ کیا ہے، ان میں اشعریوں اور یمنی قبائل، دوس اور طے کے وفود اور عدی بن حاتم طائی کی آمد شامل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بنوسعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو مدینہ روانہ کیا۔ وہ ایک قوی آدمی تھے، ان کے بال گھنے تھے جو دو چوٹیوں کی شکل میں گندھے ہوئے تھے۔ انھوں نے مسجد کے دروازے پر اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اسے باندھ دیا، پھر وہ مسجد میں داخل ہوئے اور حضور ﷺ کے پاس پہنچے۔ آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ انھوں نے آتے ہی سوال کیا۔ ''تم میں سے عبدالمطلب کا بیٹا کون ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔'' ضمام بن ثعلبہ نے پوچھا: ''محمد!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' ضمام نے کہا: ''محمد ﷺ! میں تم سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں اور میرے انداز میں شدت ہوگی، لیکن تم ناراض نہ ہونا، کیوں کہ میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم جو پوچھنا چاہتے ہو، پوچھو!'' ضمام نے کہا: ''میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا اس نے تمھیں ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے دوسرے سوال کیا کہ کیا: یہ حکم دیا ہے کہ ہم اسی کی عبادت کریں

---

[1] ابوداؤد، سنن، ۳: ۱۶۷، ابن سعد، طبقات، ۱: ۷۔

Marfat.com

اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ان بتوں اور شریکوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباء و اجداد کیا کرتے تھے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔''

اسی طرح ضمام بن ثعلبہ نے ہر بار اللہ تعالیٰ کی قسم دلائی اور تمام فرائض کے بارے میں دریافت کیا۔ جب وہ اپنی بات مکمل کر چکے تو کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں وہ تمام فرائض ادا کروں گا جن کا آپ ﷺ نے حکم دیا اور ان تمام محرمات سے بچوں گا جن سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے، میں نہ اس سے زیادہ کروں گا اور نہ اس سے کم۔'' پھر وہ چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر انھوں نے ایسا ہی کیا، جیسا کہا ہے تو یہ جنت میں داخل ہوں گے۔''

اس کے بعد ضمام اپنے قبیلے کی طرف واپس چلے گئے۔ تمام لوگ انھیں دیکھ کر ان کے گرد جمع ہو گئے۔ انھوں نے پوری قوم کے سامنے واشگاف الفاظ میں لات اور عزیٰ کو مسترد کر دیا۔ لوگوں نے خوف زدہ ہو کر کہا: ''اے ضمام! ڈرو اس وقت سے کہ تم کوڑھ یا جنون میں گرفتار ہو جاؤ۔'' ضمام نے جواب دیا: ''تمھارا ناس ہو! یہ بت کسی کو نہ تو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف ایک رسول بھیجا ہے اور ایک کتاب تمھارے لیے نازل کی ہے تاکہ تمھیں جاہلیت کے اس اندھیرے سے نکالے جس میں تم چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں ان سے مل کر تمھارے پاس آیا ہوں اور تمھارے لیے ان کی تعلیمات کا بیش بہا خزانہ لے کر آیا ہوں، انھوں نے تمھیں کچھ کام کرنے کا حکم فرمایا ہے اور کچھ کاموں سے روکا ہے۔'' خدا کی قسم! شام ہونے بھی نہ پائی تھی کہ وہاں موجود قبیلے کے تمام افراد نے جن میں مرد و زن دونوں شامل تھے، اسلام قبول کر لیا۔ [41]

---

[41] ابوداود، سنن، ۱:۷۹، حاکم، مستدرک، ۳:۵۴، ۵۵، احمد، مسند۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے۔ حاکم ⇦⇦⇦

Marfat.com

اس میں کوئی شبہ نہیں، ۹ ھ میں مختلف قبیلوں کی طرف سے قبولِ اسلام کے اعلان کے لیے وفود مدینہ آئے، تاہم تفصیلی روایات کا متن اس امر کا متقاضی ہے کہ تاریخی اعتبار سے ان کا تنقیدی جائزہ لیا جائے۔ ان نظموں کا بھی نسبتاً سخت ناقدانہ جائزہ لیا جانا چاہیے۔ [جن کا ابن اسحٰق نے تذکرہ کیا ہے] تاکہ معلوم ہو جائے کہ تاریخی حوالے سے وہ صحیح ہیں یا نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۹ ھ میں اسلام تمام جزیرہ نمائے عرب میں غالب آ چکا تھا اور انسانی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ پورا عرب اسلام کے جھنڈے تلے متحد ہو گیا، ورنہ اس سے قبل چھوٹی موٹی ریاستیں اور محدود سیاسی نظام ہی وجود میں آئے تھے۔ ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں معین، سبا، حمیر، کندہ، الغساسنہ اور المناذرہ جیسی ریاستیں شامل تھیں۔ ان میں سے کوئی ریاست بھی اس قابل نہیں تھی جو جزیرہ نمائے عرب کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر سکتی۔ دراصل اسلام سے قبل ان ریاستوں میں تہذیب و تمدن بالکل مفقود ہو کر بدویانہ اثرات غالب آ چکے تھے، جب کہ رسول اللہ ﷺ دس برس کی قلیل مدت میں ہی عرب کو متحد کرنے میں کامیاب ہو گئے، اس کے باوجود کہ قبائلی عصبیت اور جاہلی اثرات لوگوں کے اندر جڑ پکڑے ہوئے تھے۔ یہ اتحاد کوئی سطحی، یا عارضی قسم کا نہیں تھا، بلکہ لوگوں کے دل، دماغ، سوچ اور رویوں میں پوری طرح گھر کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک عرب اسلامی ریاست کی ترقی اور نشوونما کے لیے ایک ٹھوس اور مضبوط بنیاد ثابت ہوا۔ وہی اسلامی ریاست جس کا اقتدار اور شکوہ مستقبل میں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے علاقوں پر بھی قائم ہونا تھا۔

⇐⇐ نے اسے ''صحیح'' سمجھا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے، لیکن یہ صرف ''حسن'' ہے؛ کیوں کہ یہ ابن اسحٰق کے توسط سے آئی ہے اور اس میں محمد بن ولید بن نویفع اسدی شامل ہیں جو ''مقبول'' ہیں۔ ابوداؤد کی روایت میں اس کا ایک متابعہ ہے جو سلمہ بن کہیل سے مروی ہے، اور یہ ''ثقہ'' ہیں۔ ہر دو ائمہ کرام، یعنی بخاری اور مسلم نے مختصر طور پر ضمام کی مدینہ میں آمد کا ذکر کیا ہے۔ مسلم، صحیح، ۱:۳۲، بخاری، صحیح، ۱:۲۲۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حج کی ادائیگی

رسول اللہ ﷺ نے اس سال حج ادا نہیں فرمایا جس سال مکہ فتح ہوا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کر کے مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ ۸ ھ میں مشرکوں اور مسلمانوں نے مل کر حج ادا کیا اور ۹ ھ میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کی ادائیگی کے لیے روانہ فرمایا۔ وہ ذوالحجہ میں مکہ روانہ ہوئے، [1] ان کے ہمراہ حج ادا کرنے والوں کی تعداد کا تذکرہ ہمیں صرف واقدی کے ہاں ملتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس حج کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جو اپنے ساتھ قربانی کے بیس جانور لے کر گئے تھے۔ [2]

جس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عازمینِ حج کو لے کر مدینہ سے نکلے تو سورۃ التوبہ نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سورہ کی ابتدائی آیات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے کر فوراً مکہ روانہ فرما دیا، تاکہ حج کے دن مجمع عام میں پڑھ کر سنا دی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس سورہ کے ابلاغ کی ذمہ داری کسی دوسرے شخص کو نہیں دی جا سکتی، سوائے میرے گھر کے ایک فرد کے۔'' [3] جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھا تو ان سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ احکام جاری کرنے آئے ہیں یا احکام پہنچانے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں احکام پہنچانے آیا ہوں''، پھر یہ دونوں

---

[1] یہ ابن سعد کا بیان ہے، جو صحیح روایت پر مبنی ہے اور اس روایت کا سلسلہ مجاہد سے جا کر ملتا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ، ۲:۱۶۸)، ابن اسحٰق، سیرۃ ابن ہشام، ۴:۲۰۱۔

[2] ابن حجر، فتح الباری، ۸:۸۲۔

[3] ابن اسحٰق نے ''حسن'' سند کے ساتھ بیان کیا ہے، لیکن یہ محمد بن علی باقر کی ''مرسل'' روایات سے ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۴:۲۰۳، طبری، تفسیر، ۱۰:۶۵) اس کے شواہد موجود ہیں اور انہی کی وجہ سے اسے تقویت حاصل ہوئی ہے۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵:۳۷، ۳۸۔

Marfat.com

اصحاب باہم مل کر اپنی اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ❶ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیرِ حج کے فرائض انجام دیے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۃ التوبہ کا پہلا حصہ لوگوں تک پہنچایا۔ اس کارِ عظیم میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی جن میں حضرت ابوہریرۃ، اور طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ ❷

کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو چار احکام دے کر روانہ کیا گیا تھا:

''کوئی کافر جنت میں داخل نہیں ہوگا، کوئی شخص برہنہ ہو کر خانۂ کعبہ کے گرد طواف نہیں کرے گا، اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، اور جس نے بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ کیا ہے، وہ اس وقت تک باقی رہے گا، جب تک معاہدے کی مقررہ مدت پوری نہیں ہو جاتی۔'' ❸

سورۃ التوبہ کے ابتدائی حصے کے ذریعے مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان خطِ امتیاز قائم کر دیا گیا۔ ان آیات کے ذریعے مشرکوں کو ہمیشہ کے لیے حج کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا گیا۔ اس اعلان کے ذریعے ان لوگوں کو جن کے مسلمانوں کے ساتھ حلیفانہ تعلقات قائم تھے، اس وقت تک مہلت مل گئی جب تک ان کے اتحاد کی مقررہ میعاد ختم نہیں ہو جاتی اور جن لوگوں کا مسلمانوں کے ساتھ عہد تھا، انھیں غیر معینہ وقت مل گیا، یا چار ماہ تک کے لیے ان کی مدت مخصوص ہوگئی جو محرم سے شروع ہوتی تھی۔ ان مشرکوں کو جن کا مسلمانوں کے ساتھ کوئی عہد نہیں تھا، حرام مہینوں کے اختتام تک کا وقت دیا گیا جو ۵۰ دن کا عرصہ تھا اور محرم کے آغاز پر ختم ہونا تھا۔ [اس اعلان کی رُو سے] جب یہ مقررہ مدت ختم ہو جائے گی تو وہ مسلمانوں کے ساتھ حالتِ جنگ میں سمجھے جائیں

---

❶ ایضاً۔

❷ احمد، مسند، حدیث ۵۴۹۔ ''صحیح'' سند کے ساتھ روایت ہے۔ ترمذی، سنن، ۴: ۱۱۶۔ انھوں نے اسے ''صحیح'' سمجھا ہے۔ طبری، تفسیر، ۱۰: ۶۳۔ ۶۴۔

❸ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۳۸۔ احمد بن حنبل کی مسند سے منقول ہے۔ انھوں نے کہا ہے: ''اس کی سند جید ہے۔''

Marfat.com

گے۔ ❶

﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ○ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾

''اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے دست برداری ہے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا، سو تم اس سرزمین پر چار مہینے چل پھر لو اور یہ جان رکھو کہ تم خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کریں گے اور اللہ اور رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول دونوں دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین سے، پھر اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لیے بہتر ہے۔'' (التوبۃ: ۱۔۳)

اسلام کی دعوت و تبلیغ کو اب ۲۲ سال پورے ہو چکے تھے۔ اس دوران میں مسلمانوں نے اسلام کے آفاقی پیغام کو دنیا میں پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اس سلسلے میں ہر قسم

---

❶ طبری، ۱۰: ۶۶، ۷۴۔ اس روایت کے بارے میں طبری کا خیال ہے کہ زیادہ معقول ہے۔ ابن کثیر کی رائے یہ ہے کہ ''صحیح'' کچھ اس طرح ہے: ''جو کوئی مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرے گا، اس کی مہلت اس وقت تک باقی رہے گی، جب تک اس معاہدے کی مدت ختم نہ ہو جائے، اگرچہ وہ چار ماہ سے تجاوز کر جائے۔ اور جس کسی نے مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں کیا، اس کی مہلت چار ماہ باقی رہے گی۔ تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کے معاہدے چار ماہ سے قبل ہی اپنی مدت پوری کر لیں گے۔ اس گروہ کو غالباً پہلے گروہ کے ساتھ رکھا گیا ہوگا، تاکہ ان کی مہلت اس وقت تک چلے، جب تک ان کے معاہدے تکمیل کو پہنچ جاتے، خواہ یہ چار ماہ سے کم عرصے کے لیے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ ان کی مہلت کی مدت چار ماہ تک بڑھا دی گئی ہو، کیوں کہ بہر حال انھیں ان لوگوں پر ترجیح حاصل ہے جنھوں نے سرے سے کوئی معاہدہ ہی نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔''

Marfat.com

کی جدوجہد کی اور ہر جائز طریقہ استعمال کیا، تاہم اب تک کچھ مشرک ایسے باقی تھے جو اس پر مسلسل مصر اور بضد تھے کہ وہ بت پرستی جاری رکھیں گے اور خانۂ کعبہ کا طواف بھی جاہلی رسم و رواج کے مطابق کریں گے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ دعوتِ حق کے بارے میں ان کی جہالت اور ہٹ دھرمی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے۔

معاملے کو یہاں تک ہی محدود نہیں رکھا گیا، بلکہ اسلامی شعور کو بیدار کرنے اور دور دراز علاقوں کو اسلامی مملکت کے تحت متحد کرنے کی مہم کا بھی آغاز کر دیا گیا۔ حجۃ الوداع سے قبل، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما بن جبل کو یمن روانہ فرمایا تا کہ وہ دونوں مل کر ایک صوبے کا انتظام سنبھال لیں۔ آپ ﷺ نے ان دونوں اصحاب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا اور ان کے لیے مشکلات نہ پیدا کرنا! لوگوں کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا سلوک کرنا اور ان پر سختی نہ کرنا! لوگوں کو خوشخبری دینا! متنفر نہ کرنا!'' [1]

آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم اہلِ کتاب کے پاس جاؤ گے، جب تم ان سے ملو تو سب سے پہلے انھیں اس چیز کی طرف دعوت دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس معاملے میں تمھاری اطاعت کریں تو پھر انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات میں پانچ مرتبہ ان کے اوپر نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس معاملے میں تمھاری اطاعت کریں تو پھر انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوۃ بھی فرض کی ہے جو مال کی ایک مقررہ مقدار ہے جو ان کے امراء سے لے کر ان کے غرباء کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی، اور اگر وہ اس میں تمھاری اطاعت کریں تو پھر محتاط رہو اور ان کے بہترین مال (زکوۃ کے طور پر) مت لو اور مظلوم کی بددعا سے ڈرو، کیوں کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔'' [2]

---

[1] بخاری نے روایت کیا؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵:۹۹۔
[2] ایضاً۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو یمن بھیجا، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو ان کی جگہ روانہ فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ عرصہ وہاں قیام فرمایا، بعدازاں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت فرماتے ہوئے واپس آ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہمدان کے قبائل میں اسلام کی نشر و اشاعت میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ [1]

---

[1] بخاری نے روایت کیا؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵:۱۰۴۔

Marfat.com

حجۃ الوداع

حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے اور مختلف روایات کے مطابق ہجرت کے چھٹے، نویں یا دسویں سال فرض کیا گیا۔ ❶ ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ آپ ﷺ حج کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کے بعد یہ آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ یہ اعلانِ عام سن کر تمام جزیرہ نمائے عرب سے مسلمان آپ ﷺ کے ہمراہ حج کرنے کے ارادے سے جمع ہونے لگے۔ ابھی ذوالقعدہ کا مہینہ ختم ہونے میں پانچ روز باقی تھے کہ آپ ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ❷ جب آپ ﷺ نے میدانِ عرفات میں قیام فرمایا تو مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط ﴾ (المائدۃ: ۳)

''آج کے دن تمھارے لیے تمھارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمھارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔'' ❸

اس موقع پر مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے تمام مناسکِ حج سیکھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''مجھ سے تمام مناسکِ حج سیکھ لو۔'' آپ ﷺ کا حج مکمل طور پر شریعت کے تمام احکام کا نمونہ تھا بالخصوص احکامِ حج کا، اس کے علاوہ تمام چیدہ چیدہ دینی احکام کا اعلان آپ ﷺ نے اپنے خطبۂ عرفات میں فرما دیا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے حجۃ الوداع کا نہایت گہری نظر سے جائزہ لیا ہے اور اس سے احکام کا استنباط کیا ہے۔ یہ تمام احکام

❶ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵:۱۰۹۔

❷ ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۰۴۔ ابن اسحق، ایک ''حسن'' سند کے ساتھ روایت ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۴: ۲۷۲) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵:۱۱۱۔ یہ روایت ابن اسحق کی روایت جیسی ہے۔ ابن کثیر کے نزدیک ''اس کی سند جید ہے۔''

❸ صحیح بخاری، فتح الباری، ۸:۱۰۸۔

Marfat.com

مناسکِ حج اور دیگر اہم امور کے متعلق ہیں جن کی تشریح اور توضیح سے حدیث اور فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ بعض اہلِ علم نے صرف حجۃ الوداع کے موضوع پر ہی کتابیں مرتب کی ہیں۔

اس موقع پر مسلمانوں کا ایک عظیم الشان اجتماع تھا۔ تمام لوگوں نے حضور ﷺ کا الوداعی خطبہ سنا۔ آپ ﷺ نے یہ خطبہ عرفات کے میدان میں ایام تشریق کے دوران میں دیا۔ (ایام تشریق سے مراد ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ کی تاریخیں ہیں۔)

''یقیناً تمھارا خون اور تمھارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کا دن یہ مہینہ اور جگہ محترم اور مقدس ہے۔ یاد رکھو! آج سے جاہلیت کے تمام رسم و رواج ختم کر دیے گئے اور یہ سب میرے ان قدموں کے نیچے ہیں۔ جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔ اسلام سے پہلے کے تمام سود معاف کر دیے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو، یقیناً خدا نے انھیں تمھارے قبضے میں دیا ہے اور خدا ہی کے حکم سے تمھارے لیے ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ ان کے اوپر تمھارے بھی کچھ حقوق ہیں، اور وہ یہ کہ وہ کسی ایسے شخص کو تمھارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں جسے تم پسند نہیں کرتے، لیکن اگر وہ ایسا کریں تو تم انھیں ہلکی سزا دے سکتے ہو اور ان کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ تم انھیں مناسب کھانا اور کپڑا مہیا کرو۔ میں تمھارے درمیان خدا کی کتاب چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اور قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا تو کیا جواب دو گے؟''

حاضرین نے بیک زبان ہو کر کہا:

Marfat.com

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ہم تک پہنچادیا اور حق ادا کردیا امت کو نصیحت کردی جو آپ کی ذمہ داریاں تھیں ادا کردیں۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

''اے اللہ! تو گواہ رہنا، اے اللہ! تو گواہ رہنا۔'' ❶

اس کے بعد آپ ﷺ نے منیٰ میں ایک اور خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرنا کہ میرے بعد کفر میں گرفتار ہوجاؤ اور ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔'' ❷

حجۃ الوداع سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے جحفہ کے نزدیک غدیرِ خم کے مقام پر لوگوں سے خطاب فرمایا۔ اس روز ذوالحجہ کی ۱۸ تاریخ تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''علی رضی اللہ عنہ اس کا دوست ہے جس کا میں دوست ہوں'' حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے آکر حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے۔ ❸ چند مجاہدین نے آپ

---

❶ صحیح مسلم، ۴: ۳۸، ۴۳۔ جابر بن عبداللہ سے مروی ہے۔ شیخ محمد ناصر الدین البانی نے اس پر کچھ مختصر اضافے کیے ہیں۔ یہ اضافے حدیث کی دیگر کتب سے لیے گئے ہیں، جنھوں نے جابر کی حدیث کو کچھ ''صحیح'' اضافوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (حجۃ النبی، ص ۷۱۔۷۳، نیز دیکھیے: حجۃ النبی، ۳۸، ۴۱) خطبے کے ایک حصے کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری، فتح الباری، ۸: ۱۰۸۔ ابن اسحٰق نے الوداعی خطبے کے طویل متن کو سند کے بغیر ذکر کیا ہے۔ امام احمد نے حجۃ الوداع کے خطبے کا طویل متن نقل کیا ہے جو ایامِ تشریق کے وسط میں دیا گیا تھا۔ اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان شامل ہیں جن کے بارے میں حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا ہے کہ وہ کمزور ہیں۔ البنا نے کہا: ''البزار نے اسی مفہوم کی اس سے ملتی جلتی ایک روایت ابن عمر سے ایک مختلف سند کے ساتھ روایت کی ہے۔'' ائمہ حدیث نے اس کے مختلف حصوں کو اپنی کتب کے مختلف ابواب میں صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور اللہ بہتر جاننے والا ہے۔ (الفتح الربانی، ۹، ۲۷۹، ۲۸۱)

❷ صحیح بخاری، فتح الباری، ۸: ۱۰۷، مسلم، صحیح، ۱: ۸۲۔

❸ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۲۰۹۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ احادیث کی سند ''جید قوی'' ہے اور انھوں نے اسے دوسری سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے، جن میں سے ایک کو ذہبی نے ''صحیح'' سمجھا ہے۔ انھوں نے اس پر رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا اضافہ کیا ہے: ''اے اللہ! جو علی رضی اللہ عنہ سے دوستی رکھے، تو اس کے ساتھ دوستی رکھ اور جو علیؓ کا دشمن ہو تو اس کا دشمن ہوجا۔'' اس کی سند کے متعلق انھوں نے کہا: ''یہ ایک ''جید'' سند ہے اور سنن کی شرائط کے مطابق اس کے افراد ''ثقہ'' ہیں۔'' ترمذی نے دوسری حدیث کو اسی سند کے ساتھ ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

Marfat.com

سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تھی اور کہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ سخت معاملہ فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نائب نے چند کپڑے ان کے درمیان تقسیم کیے تھے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ سب کپڑے واپس لے لیے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے غدیرِ خم کے مقام پر لوگوں کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بلند و بالا مرتبہ واضح کیا اور ان کے اوصافِ حمیدہ کی طرف توجہ دلائی۔ یہ سن کر لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف شکایات کا سلسلہ بند کر دیا۔ ❶

---

❶ ایضاً، ۵:۱۰۶۔

Marfat.com

لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی تیاری

حجۃ الوداع کی ادائیگی کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ ذوالحجہ کے باقی ماندہ ایام، نیز محرم اور صفر کے مہینے گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شام روانگی کے لیے لشکر کی تیاری کا آغاز فرمایا۔ آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ کو اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا اور انھیں یہ حکم دیا کہ بلقاء اور فلسطین کی طرف پیش قدمی کریں۔ لوگوں نے زور و شور سے جہاد کی تیاری کرنا شروع کر دی۔ ان لوگوں میں مہاجرین اور انصار سبھی شامل تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر ہستیاں بھی پا بہ رکاب تھیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی عمر اس وقت صرف اٹھارہ سال تھی اور انھیں امیرِ لشکر مقرر کیا گیا تھا۔ اس پر چند لوگوں نے اعتراض کیا کہ اتنے بلند مرتبہ مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں ایک ایسے نوعمر لڑکے کو امیر مقرر کیا گیا ہے جو ایک آزاد کردہ غلام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے تقرر پر لوگوں کی تنقید کی کوئی پروا نہ کی اور فوج کو حکم دیا کہ اپنے امیر کی مکمل اطاعت کرے۔ [1] فوج کی روانگی میں تاخیر کیوں ہوئی؟ اس کا سبب یہ تھا کہ لشکر کو تیاری شروع کیے دو ہی روز گزرے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت مبارک ناساز ہو گئی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے وہ علم سنبھالا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے باندھا تھا اور جرف میں خیمہ زن ہوئے۔ [2] لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کے حجم کا ذکر صرف واقدی کے ہاں ملتا ہے جن کا کہنا ہے کہ مجاہدین کی تعداد تین ہزار تھی۔ [3]

---

1. دیکھیے: احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی، الفتح الربانی، ۲:۲۲۱، ۲۲۳۔
2. صحیح بخاری، ۴: ۳۲۸، ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۱۵۲۔
3. ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۱۵۲۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی وفات

حجۃ الوداع سے تقریباً تین ماہ بعد رسول اللہ ﷺ کی طبیعت مبارک ناساز ہوگئی۔ ❶ آپ ﷺ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر قیام پذیر تھے۔ ❷ آپ ﷺ دس روز علیل رہے ❸ اور ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے روز آپ ﷺ کا انتقال ہوا۔ ❹ اس وقت آپ ﷺ کی عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔ ❺ یہ ایک ''صحیح'' روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ناسازی طبع کا آغاز دراصل ۷ھ میں ہو چکا تھا، جب آپ ﷺ فتح خیبر سے واپس تشریف لائے۔ خیبر میں ایک یہودی سلام بن مشکم کی بیوی نے آپ ﷺ کو دھوکے سے زہر آلود گوشت کا ایک ٹکڑا کھلانے کی کوشش کی تھی۔ اگرچہ آپ ﷺ نے اسے زبان پر رکھتے ہی تھوک دیا تھا اور نگلنے کی نوبت نہیں آئی تھی، لیکن اس کے باوجود زہر نے کچھ نہ کچھ اثر دکھایا تھا۔ ❻ علالت کے دوران میں آپ ﷺ نے اپنی بیویوں سے یہ اجازت لے لی تھی کہ آپ ﷺ کا مستقل قیام ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہے اور وہیں آپ ﷺ کی تیمار داری ہو۔ ❼ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قرآنِ حکیم کی آخری دو سورتیں (معوذتین) پڑھ کر

---

❶ ابن کثیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے ۸۱ دن بعد وفات پا گئے۔ (البدایۃ والنھایۃ، ۵:۱۰۱)

❷ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ روایت متفق علیہ ہے، دیگر متنازعہ روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی علالت کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ ﷺ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، یا ریحانہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر مقیم تھے۔ فتح الباری، ۸:۱۲۹۔

❸ سلیمان تیمی نے زور دے کر یہ بات کہی ہے۔ بیہقی نے اسے ایک ''صحیح'' سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ ۱۳ دن تھے۔ ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۲۹۔

❹ حافظ ابن حجر نے ابو مخنف کی رائے اختیار کی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات ۲ ربیع الاول کو ہوئی اور لوگوں نے غلطی سے ۲ کے ساتھ ۱۰ کا ہندسہ بڑھا دیا ہے۔ ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۳۰۔

❺ صحیح بخاری، ابن حجر، فتح الباری، ۸:۱۵۰۔ ❻ ایضاً، ۸:۱۳۱۔

❼ ایضاً، ۸:۲۷، احمد، مسند (الفتح الربانی، ۲۱:۲۲۶) ''صحیح'' سند کے ساتھ روایت ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ پر دم کرتی تھیں۔ ❶

جب آپ ﷺ کی بیماری بڑھتی گئی اور وفات کا وقت قریب آنے لگا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''آؤ میں تمھیں ایک ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے!'' یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں اختلاف کیا، کچھ لوگ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے حکم کی فوری طور پر تعمیل کریں اور قلم کاغذ لے کر حاضر ہو جائیں، لیکن دوسرے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے لیے تکلیف اور بے آرامی کا باعث ہوگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسری رائے ہی زیادہ صائب تھی اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان کسی اشد ضرورت اور غیر معمولی احتیاج کی بناء پر نہیں تھا، بلکہ یہ محض ایک تجویز تھی جس کے جواب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ اس بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے جو کچھ حکم دیا تھا، اگر وہ اتنا ہی ضروری ہوتا تو آپ ﷺ یہ بات دوبارہ ارشاد فرماتے، کیوں کہ اسی علالت کے دوران میں آپ ﷺ نے یہ احکام بھی ارشاد فرمائے تھے کہ مشرکوں کو جزیرہ نمائے عرب سے نکال دینا اور وفود کے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آنا۔ ❷

صحیح روایت میں ہے کہ جمعرات کے روز آپ نے لکھنے کے لیے کہا تھا اور اس کے چار روز بعد وفات ہوئی۔ اگر قلم قرطاس والا معاملہ ضروری ہوتا تو آپ ضرور اس کا حکم دیتے آپ کبھی تبلیغ کو کسی کے اختلاف کی بنا پر نہ چھوڑتے تھے۔ اب بھی ایسے معاملات کے بارے میں صحابہ کرام آپ سے استفسار کر رہے تھے جن کے بارے میں جاننا ضروری تھا۔

آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا اور ان سے کوئی راز کی بات کہی جسے سن کر وہ رونے لگیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دوبارہ ان سے سرگوشی میں کچھ فرمایا جسے سن کر وہ ہنس پڑیں۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

---

❶ صحیح بخاری؛ ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۱۳۱۔ ❷ ایضاً، ۸: ۱۳۲۔

Marfat.com

نے بتایا کہ پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے اپنی وفات کی خبر دی تھی جس پر وہ رو پڑیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ اطلاع دی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خاندان کی سب سے پہلی فرد ہوں گی جو رسول اللہ ﷺ سے آملیں گی۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مسکرانے لگیں، [1] چناں چہ ایسا ہی ہوا ہے، یہ بھی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔

جب آپ ﷺ کی علالت شدت اختیار کر گئی تو آپ ﷺ نماز کی امامت کے لیے گھر سے باہر نہ جا سکے، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ فرمان سنا تو انھیں یہ خوف پیدا ہوا کہ لوگ جب ان کے والد کو رسول اللہ ﷺ کی جگہ پر کھڑا ہوا دیکھیں گے تو اسے اچھا شگون نہیں سمجھیں گے، اس لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک رقیق القلب آدمی ہیں، ان کی آواز بھی پست ہے اور جب قرآن پڑھتے ہیں تو بہت روتے ہیں''، [2] لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات پر ہی اصرار فرمایا، چناں چہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر گئے اور امامت کے فرائض ادا کیے۔ [3] اس کے بعد ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے اشارۃً یہ بھی ذکر فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو دنیا اور آخرت میں اختیار عطا فرمایا تھا اور آپ ﷺ نے اپنے لیے آخرت ہی کو پسند فرمایا ہے۔ [4]

آپ ﷺ کا آخری خطبہ وہ تھا جو آپ ﷺ نے وفات سے پانچ روز قبل دیا تھا۔

---

[1] ایضاً، ۸: ۱۳۵۔

[2] ابن ہشام، سیرۃ، ۴: ۳۳۰؛ ''صحیح'' سند کے ساتھ روایت ہے۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۲۳۳۔

[3] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۲۳۲، ۲۳۳۔

[4] صحیح بخاری، ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۲۷، مزید دیکھیے: احمد، المسند (الفتح الربانی، ۲۱: ۲۳۱) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۲۹۹، ۲۳۰۔

Marfat.com

اس خطبے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو دنیا اور اس کی رونقیں پیش کی ہیں، لیکن اس نے اپنے لیے آخرت کو ترجیح دی ہے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو سمجھ گئے کہ وہ بندے خود رسول اللہ ﷺ ہیں، یہ سوچ کر آپ رونے لگے۔ لوگوں نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا، کیوں کہ لوگ اس جملے کی گہرائی کو نہ سمجھ سکے تھے۔ ❶

جس روز رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا، اس روز فجر کی نماز کے وقت آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ تھوڑا سا سرکایا اور مسلمانوں پر نظر ڈالی جو صفیں باندھے نماز ادا کرنے میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ایک بھرپور مسکراہٹ دوڑ گئی اور یوں لگتا تھا، جیسے آپ ﷺ انھیں آخری بار الوداع کہہ رہے ہیں۔ آپ ﷺ کو جھانکتے دیکھ کر مسلمان خوشی سے بے قابو ہو گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مصلّے سے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ یہ سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھانے کی خاطر باہر تشریف لا رہے ہیں، لیکن آپؐ نے ہاتھ سے انھیں یہ اشارہ کیا کہ وہ امامت جاری رکھیں اور نماز مکمل کر لیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پردہ برابر کر دیا اور اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور تاسف بھرے لہجے میں کہنے لگیں: ''ہائے! ابا جان کس قدر تکلیف میں ہیں!'' آپ ﷺ نے اس پر ان سے ارشاد فرمایا: ''آج کے بعد تمھارے والد کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔'' ❷ اسی دوران میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کمرے میں داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے خاموشی کے ساتھ اشارے سے ان کے لیے دعا کی، کیوں کہ اس وقت آپ ﷺ تکلیف کی شدت سے بول نہیں سکتے تھے۔ ❸

---

❶ احمد، مسند (الفتح الربانی، ۲۱: ۲۲۲، حاشیہ ۳) ترکۃ النبی، بخاری، مسلم، احمد اور بیہقی نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا، جس کے افراد ''ثقہ'' ہیں، لیکن روایت ''مرسل'' ہے۔

❷ صحیح بخاری، ابن حجر، فتح الباری، ۸: ۱۴۹۔ ❸ ابن ہشام، سیرۃ، ۴: ۳۲۹، ''صحیح'' سند کے ساتھ روایت ہے۔

Marfat.com

جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ کا جھکاؤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے پر تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے ایک مسواک لی، اس کے سرے کو چبا کر نرم کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس مسواک کی مدد سے اپنے دانت صاف کیے۔ ❶

آپ ﷺ کے پاس پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اپنا دستِ مبارک پانی میں بھگو کر بار بار اس سے اپنا چہرہ صاف کرتے جا رہے تھے اور زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے: لا الہ الا اللہ۔ ❷ آہستہ آہستہ آپ ﷺ کی آواز بند ہونے لگی۔ اس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے: ﴿ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ﴾ (وہ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ النساء: ۶۹) ❸ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں نے یہ الفاظ بھی سنے: ''نہیں، بلکہ وہ رفیق اعلیٰ ہی بہتر ہے۔'' یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رفاقت کو ہی پسند فرمایا۔ ❹

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی ذاتِ مطہرہ پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرمائے! جس وقت آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو سہ پہر کا وقت تھا، البتہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چاشت کا وقت تھا۔ آپ ﷺ کا سر مبارک اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس موقع پر وہاں موجود تھے۔ وہ خبر ملتے ہی تیزی سے آئے، کمرے میں داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر پڑا ہوا کپڑا اٹھایا۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے اوپر جھکے اور آپ ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اس کے بعد کمرے سے باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کے پاس پہنچے۔ لوگ اس وقت دو ٹکڑوں میں بٹے ہوئے تھے، کچھ لوگ وہ تھے جنھوں نے اس خبر پر یقین کر لیا تھا اور کچھ لوگ وہ تھے جو اس خبر کو

---

❶ بخاری، صحیح؛ فتح الباری، ۸: ۱۳۸۔ ❷ ایضاً، ۸: ۱۴۴۔ ❸ ایضاً، ۸: ۱۳۶۔

❹ ایضاً، ابن ہشام، سیرۃ، ۴: ۳۲۹۔ ''صحیح'' سند کے ساتھ روایت ہے۔

Marfat.com

درست ماننے کو تیار نہ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر پڑی جو لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ یہ غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے۔ لوگوں نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''بلاشبہ جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا، وہ جان لے کہ محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں، اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

''اور محمد (ﷺ) نرے رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں، سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہی ہو جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر بھی جائے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا، اور خدا تعالیٰ جلد ہی عوض دے گا، حق شناس لوگوں کو۔''

اس کے بعد لوگوں پر خاموشی طاری ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے خود ہو کر زمین پر گر پڑے، ان کے جسم میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ کھڑے ہو سکتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے لوگوں نے اس سے پہلے کبھی یہ آیت نہ سنی تھی۔ ❶ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سن کر کہا:

''اے میرے والد! آپ نے خدا کی پکار پر لبیک کہا۔

اے میرے والد! آپ کا ٹھکانا جنت ہے۔

اے میرے والد! ہم آپ کی موت کی خبر جبریل کو دیتے ہیں۔'' ❷

---

❶ صحیح بخاری، فتح الباری، ۸: ۱۴۵۔

❷ ایضاً، ۸: ۱۴۹۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے اپنے نبی ﷺ پر! آپ ﷺ کے اہل خانہ پر اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر! تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

Marfat.com

الفصل الرابع

رسالت اور رسول ﷺ

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالت اور رسول ﷺ

عالم الغیب

ایمان بالغیب سے مراد یہ ہے کہ مومن فقط وجود کے ساتھ نظر آنے والے عالم کا ہی ادراک نہیں کرتا بلکہ نظر نہ آنے والے دوسرے عالم کے وجود پر بھی اعتقاد رکھتا ہے۔اور یہ مابعد الطبیعاتی (Metaphysical) اصطلاح کی طرف اشارہ ہے لیکن فلسفیانہ اصطلاح دینی اصطلاح کی وضاحت کے مقابلے میں غیر واضح اور مبہم ہے۔ چنانچہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان رکھتا ہے کہ وہ خالقِ کائنات ہے اور اس نے حیات کو پیدا فرمایا ہے، وہ رسولوں کو بھیجنے والا ہے جن کی طرف اس نے اپنا پیغام پہنچایا جو انسان کی دنیوی زندگی کو منظم کرتے ہیں، اس کی اخلاقی قدروں کی عمومی تعیین کرتے ہیں اور ان کے اتباع کو اللہ کی بندگی بنا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے معنی یہ نہیں کہ انسان کا ارادہ مفلوج ہو کر رہ جائے۔ وہ اس کی قوتوں کو زنجیریں نہیں پہناتی اور نہ وہ انسان کی پستی کا باعث بنتی ہے، بلکہ وہ اسے مخلوق کی بندگی سے آزادی دلاتی ہے کیونکہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی بندگی کا مستحق نہیں اور وہ انسان کی اپنی اور کائنات کی حقیقت کے بارے میں اس کی آنکھوں کو کھولنے والی اور اس کے شعور کو بیدار کرنے والی ہے۔لہٰذا وہ اس کے ساتھ حقیر اور زوال پذیر نہیں ہوتا کہ اپنے آپ کو خلا میں تیرتا ہوا ایک ذرہ محسوس کرے جس کی کوئی اہمیت ہو اور نہ کوئی مقصد، اور وہ بڑا نہیں بنتا کہ خیال کرنے لگ جائے کہ وہ معبود اور خالق ہے، جیسا کہ بیسویں صدی عیسوی میں مارکسیوں اور مادہ پرستوں نے اس کی تعبیر کی ہے۔ اس زعم کے ساتھ کہ وہ اللہ کی نفی اور انسان کے ہاتھوں کارِ تخلیق کے اثبات کے ساتھ انسان کی قدر و منزلت کو بڑھا رہے ہیں، اسے آزادی دلا رہے ہیں، اسے زمان و مکان میں ارتقا اور مسلسل تغیر کے ساتھ نوع بہ نوع نسبتی اقدار کا منبع بنا رہے ہیں۔ اس طرح سے وہ انسان کو اس کی اپنی ذات اور اس کی اپنی قوتوں کے سپرد کر رہے تھے، لیکن درحقیقت وہ اسے اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور رسالت کے نور سے محروم کر رہے تھے، اسے اس کے خالق کے ساتھ تعلق سے روک کر اس کی روح کو خاک آلود کر

Marfat.com

رہے تھے اور اسے تنگ و تاریک دنیا، عالم مادی میں محصور کر رہے تھے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے متقی اہل ایمان کی تعریف کی ہے کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿الٓمّٓ ۝ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾[البقرۃ۲:۱،۲] (یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے ان پرہیزگار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں)۔

عالم غیب، جس پر اہل تقویٰ کا ایمان ہے، وہ اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ، اس کی کتابوں اس کے رسولوں، یوم آخرت اور خیر وشر کے اسی کی طرف سے مقدر کیے جانے کے عقیدے پر مشتمل ہے۔ ان حقائق پر کامل عقیدہ رکھے بغیر کوئی شخص مومن نہیں کہلا سکتا اور یہ اس کے لیے روا نہیں ہے کہ ان میں سے بعض پر ایمان رکھے اور بعض سے انکار کرے۔

اسلام انسان کی طرف اللہ تعالیٰ کی رسالتوں کا آخری دین ہے اور وہ تا قیامت دائمی رسالت ہے۔ وہ انسان کو اس کے خالق، اس کی اپنی ذات، اس کی دنیا اور اس کے معاد (لوٹنے کے مقام) سے متعارف کرواتا ہے۔ جب کہ فلسفہ، عمرانیات، علم الانسان (Anthropology)، نفسیات، سیاست، اقتصاد، شعری ادب، نثری قصوں اور ڈراموں پر مشتمل انسانی ادبیات، انسان کو صرف اپنی ذات اور اس کی دنیا کو دکھاتی ہیں، سوائے اس صورت کے کہ یہ ادبیات دینی فکر سے متاثر ہوں اور انھوں نے اللہ کی رسالت سے رہنمائی حاصل کی ہو اور وہ انسان کو اس کے خالق اور اس کے معاد یعنی آخرت سے روشناس کراتی ہوں۔

آج کی دنیا میں انسانی ادبیات انسان کی ذات اور اس کے مادی جہان پر مرکوز ہیں اور آخرت کی طرف پلٹنے کے مسئلہ اور خالق کے ساتھ تعلق سے بے نیاز ہیں چنانچہ وہ مادی فلسفوں کی غلامی کی راہ ہے جو مادہ اور محسوس چیزوں ہی کو مانتے ہیں اور عالم الغیب کے منکر ہیں اور اسے نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ اس دنیا سے رخصت ہو کر خاک ارضی میں ملنے کو مر کر مٹی ہونے کے سوا کچھ نہیں سمجھتے، جسے وہ محض فنا سے تعبیر کرتے ہیں جس کے بعد ان کے ہاں زندگی ہے اور نہ انصاف جزا ہے اور نہ سزا، جنت ہے اور نہ جہنم۔

Marfat.com

بیسویں صدی عیسوی میں انسان اپنی ذات اور تنگ مادی عالم کی حدود میں ایسا ہی تھا، قلیل لوگوں کو ہی ایمان کی روشنی حاصل تھی اور سوائے چند لوگوں کے کوئی روحانی تجربوں کے ساتھ زندہ تھا اور نہ کوئی دنیا و آخرت میں اللہ کی رحمت اور اس کے رضوان کا طلب گار تھا۔

اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر نظر رکھنے والا جانتا ہے کہ اسلام اپنی نصوص کے ساتھ خالق عزوجل کی معرفت، اس کی پسند اور رضا کا وسیع میدان عطا کرتا ہے، اسلام بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز سے ناراض ہوتا ہے اور وہ کس سے منع فرماتا ہے۔ اسلام ریاست کی خصوصیات، اقتصاد کی بنیاد اور معاشرتی اقدار متعین کرتا ہے۔ [وہ انسان اور انسان اور مرد اور عورت کے تعلق کی وضاحت کرتا ہے۔] وہ اجتماعی تعلقات کے تعین کی دقیق تفصیلات نہایت باریک بینی سے مہیا کرتا ہے جس سے احکام شریعت کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے معاملات میں اس کی ہدایت کارفرما نظر آتی ہے۔

لیکن وہ کیا چیز ہے جو انسان کو شریعت کے احکام سے رک جانے پر ابھارتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی تلاش اور اس کی مرادوں اور منہیات کی تحقیق سے روکتی ہے؟

کیا اتنا کافی ہے کہ انسان اپنے خالق، اس کی عظمت، قدرت اور اس کی صفات کے کمال کی معرفت حاصل کر لے؛ اور کیا یہ کافی ہے کہ وہ اس کے امر و نہی سے مطلع ہو جائے تا کہ اپنی زندگی کے معاملات میں اس کے قانون کی پابندی کرے؟ کیا یہ ضروری نہیں کہ انسان متعین طریق کار کے مطابق جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ -- نظری، عملی اور تطبیق کی رو سے...... پختہ تعلق پر مرتکز ہو، کے مطابق تربیت حاصل کرے اور اس تربیت پر منہج ربانی کے اساتذہ کی نگرانی میں رہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ الہامی تربیت کے نظام میں لوگوں کی تربیت اور ان کی تفہیم کے لیے انبیاء علیہم السلام کو یکے بعد دیگرے بھیجا گیا۔ یہ الہامی تربیتی نظام انسانی روح کے ساتھ تعامل کرتا ہے اور اس میں خوف و رجا کا بیج بوتا ہے...... خوف، اللہ تعالیٰ اور اس کی سزا سے اور امید اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کی رضا اور اس سے ثواب پانے کا...... تاریخ انسانی میں لاکھوں انسانی نفوس، صحیح عقیدہ اور مثبت سیرت و کردار کے حامل رہے اور چلے آ رہے ہیں جنھوں

Marfat.com

نے اپنے نفوس میں خوف ورجا کے معنی کو مستحکم کرلیا۔

جب انسان سیدھی راہ اختیار کر لیتا ہے اور ایمان والی سچی نظر کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس کی زندگی تہذیبی طور پر ترقی کرتی ہے۔ جب انسان درست طرز عمل اختیار کرتا ہے اور سچی ایمانی بصیرت کی روشنی میں اپنے معاملات طے کرتا ہے تو اس کی زندگی تہذیبی معراج کی طرف گامزن ہوتی ہے اور اس کا طرز عمل کائنات کے ساتھ ساز گار اور موافق ہو جاتا ہے۔

پھر اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ جب اسلام اپنے خالق، اس کی عظمت اور اس کی مطلق قدرت کی معرفت کا کھلا میدان مہیا کرتا ہے تو اس کا تربیتی منہج انسان کے دل میں تقویٰ اور اس کی حقیقت کا بیج بو کر اسے صالحیت کی بنیاد مہیا کرتا ہے۔ تقویٰ کو یقینی بنانے کے لیے اس کے منہج کے دو ہتھیار ہیں اور وہ ہیں خوف اور رجا۔ اللہ تعالیٰ نے سچے اہل ایمان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴾[الانبیاء:۴۹] (وہ لوگ جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈریں اور جن کو (حساب کی) اس گھڑی کا کھٹکا لگا ہوا ہو) نیز فرمایا: ﴿ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴾[الرعد:۲۱] (اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بری طرح حساب نہ لیا جائے)۔ اور ان کے خوف اور کبھی امید کی حالت کا اظہار اس طرح سے فرمایا ہے: ﴿ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴾[الانبیاء۹۰] (یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے، اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے)۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے اجر کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴾[ابراہیم:۱۴] (یہ انعام ہے اس کا جو میرے حضور جواب دہی کا خوف رکھتا ہو اور میری وعید سے ڈرتا ہو)۔

مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوف کا پیدا ہونا اپنے ثمر آور ہونے میں ایجابی ہے، جبکہ اللہ کے خوف کے برعکس وہ خوف منفی ہوتا ہے جو طبعی قوتوں اور کائناتی مظاہر سے پیدا ہوتا ہے چنانچہ ان کے مقابلے میں شجاعت کا مظاہرہ اور ان سے استفادہ انسان کے لیے ان

Marfat.com

کی تسخیر کی قیمت ہے۔ اس طرح کہ وہ اس کے علم، اس کی صنعت وحرفت اور اس کی مصنوعات کے آگے سرنگوں ہوں، اور اس کا گمان سے اجتناب کہ وہ زندگی میں واقعات کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی قدرت، ارادہ اور تاثیر رکھتی ہوں جیسا کہ یونان کے قدیم لوگوں کا گمان تھا، جب ان پر توہم اور تخیل کے افکار نے قبضہ جمار کھا تھا اور انھوں نے طبعی مظاہر کو صفات الوہیت سے منسوب کرر کھا تھا۔ وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے تھے، چنانچہ سمندر ان کا معبود تھا، زرخیزی ان کا الٰہ تھی، بجلی کی کڑک ان کا الٰہ تھی، طوفانی ہوائیں ان کا الٰہ تھیں، محبت ان کی دیوی تھی اور حسن و جمال ان کا دیوتا۔ حتیٰ کہ متعدد دیوتاؤں نے جن کے وہ معتقد تھے، انسان سے ہر اقتدار چھین رکھا تھا اور وہ طوفانی ہواؤں کے جھکڑوں میں ایک تیرتا ہوا ذرہ تھا۔ اس میں عزم تھا اور نہ سامنا کرنے کی ہمت، بلکہ وہ متضاد دیوتاؤں کی اعلان کردہ جابر حتمیات کے سامنے جھکنے والا تھا۔

اسلام نے انسان کو اندھی فطرت (Nature) طاقت ور زندہ مخلوق اور اپنے ہم جنسوں کے خوف سے نجات دلائی، جب کہ اس پر اشیاء کی حقیقت واضح کر دی اور غیر اللہ کی عبادت کی ذلت میں گرنے سے اسے روک دیا۔ بلکہ اس نے اللہ کے خوف کو امید میں بدل دیا تا کہ انسان مایوسی وحزن کا شکار نہ ہو جائے اور خوف اس کی قوت کو مفلوج، اسے مفید کام اور فائدہ مند پیداوار سے معطل نہ کر دے۔ چنانچہ آیات تبشیری پہلے اہل ایمان کے دلوں میں امید پیدا کرتی ہیں، عمل پر ابھارتی ہیں اور مایوسی کی مزاحم ہوتی ہیں بلکہ اسے ناپید کر دیتی ہیں۔ ﴿ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [یوسف: ۸۷] (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں)۔ اسلام نے اپنے اتباع کی طرف، کائنات کے مظاہر اور قوانین حیات میں گہرے غور وفکر کے ساتھ توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ فطرت کے ظواہر کے ملاحظہ اور ان کے نظاروں میں منظم علمی فکر اولین مرحلہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴾ [یٰس: ۳۸] (اور سورج، وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے)۔

بعض آثار کائنات مخفی نظر آتے ہیں جن کے اسباب وعلل معلوم نہیں ہوتے، اور انسان

Marfat.com

ان کی علت کو بذریعہ عقل معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے جس میں وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسلام نے اسے بعض اصول وضوابط عطا کیے ہیں جو اس کے لیے کائنات وحیات کو سمجھنے میں مددگار ہیں، اور یہ اصول وضوابط اسے کائنات وحیات کے مظاہر کی ایسی توضیح سے منع کرتا ہے جو عقیدہ توحید کو بگاڑنے والی ہو یا اسے خرافات اور جھوٹے قصے کہانیوں کی طرف لے جاتی ہو، جو عقل کو خراب کرتی اور درست نظریہ سے منحرف کرتی ہو۔ اس کی مثال رسول اللہ ﷺ کا اپنے بعض صحابہؓ کے کسوف وخسوف کے اسباب سے متعلق نظریہ کی تصحیح کا اقدام ہے جب کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیمؓ کی وفات کو سورج کے گرہن کا باعث سمجھا۔ چنانچہ آپؐ نے انھیں وضاحت فرمائی: کسوف وخسوف کے مظاہر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ یہ قوانین سورج اور چاند کو اس کے مقرر کردہ فلکیاتی ضوابط میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ آسمانوں اور ستاروں کے جہان کے واقعات کا زمین پر انسانوں پر وقوع پذیر ہونے والے حالات سے کوئی تعلق نہیں۔ آنحضور ﷺ کا فرمان ہے: ''ان الشمس والقمر لا یخسفان لموت احد ولا لحیاته، ولکنهما اٰیتان من آیات الله فاذا رأیتموهما فصلوا۔'' [1] ''سورج اور چاند کسی کی زندگی یا موت کے باعث نہیں گہناتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جب تم سورج اور چاند گرھن دیکھو تو نماز پڑھو۔'' اس طرح سے مومن اپنے خالق جس کے حضور میں آسمان وزمین طوعاً وکرھاً سرنگوں ہیں، قصداً سربسجود ہوتا ہے۔

یوں اسلام نے زمین کے واقعات میں ستاروں کی تاثیر کے بارے میں علم نجوم سے متعلق ہر چیز کی ایک حد مقرر کی ہے جس کا ایک جزو افراد واقوام کو مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے متعلق مطالعہ افلاک کی بنیاد پر پیش گوئی سے افادہ ہے۔ لوگوں کی کتنی ہی بڑی تعداد طویل انسانی تاریخ کے دوران علم نجوم سے متعلق رہی ہے اور علم وشعور کے عام ہو جانے کے باوجود آج بھی انسانوں کی اکثریت بے شمار توھمات کا شکار ہے بلکہ خواندہ اور طبعی وفلکی علوم، ریاضیات اور نوع بہ نوع دقیق علوم کے ایسے متخصصین ہیں جو مستقبل کی پیش گوئیوں کو تسلیم

---

[1] صحیح البخاری: ٤/٧٦ مطبوعہ استنبول۔

Marfat.com

کرتے ہیں، اور ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ انسان دنیاوی علوم میں بڑا مقام حاصل کر لینے کے باوجود عالم غیب سے متعلق منطق وعلم سے بعید تعامل کے لیے مستعد رہتا ہے اور اسلامی عقیدہ ہی ان اساطیر کی تاثیر کے تسلط سے نجات کا راستہ ہے۔ اس نے غیب کے وہ میدان متعین کر دیے ہیں جن سے وحی الٰہی نے انسان کو بآسانی متعارف کرایا ہے، جب کہ اس کے ماسوا کو مسدود کر دیا ہے، لہٰذا انسان کے لیے لازم ہے کہ غیب کے ساتھ تعامل میں وحی الٰہی کے روزن سے شعوری تحرک حاصل کرے جس نے اسے علم الٰہیات، روحانیات، سمعیات اور نبوات (Prophetics) کی طرف متوجہ کیا ہے، بغیر اس کے کہ وہ خرافات یا شعبدہ بازوں اور جادوگروں کی فریب دہی کا شکار ہو جائے۔ فزکس کا برطانوی دانشور کولن ولسن، اپنی کتاب ''انسان اور اس کے مخفی قویٰ'' میں کہتا ہے: ''تہذیب میں یہ ملکہ نہیں ہے کہ جہاں تک وہ پہنچ پائی ہے، اس سے آگے کی طرف پیش قدمی کرے حتیٰ کہ لوگ نظروں سے اوجھل غیبی قوتوں کو واضح طور پر اس معیار کے مطابق تسلیم کر لیں جس پر وہ ایٹم کی طاقت کو تسلیم کرتے ہیں۔'' لیکن یہ مفکر انسان کی ''مادی قوتوں'' نہ کہ ''شعوری قوتوں'' سے کام لینے کی دعوت دیتا ہے تا کہ عالم غیب کے بارے میں معلومات حاصل ہوں، اور اس کے ساتھ اتصال واقع ہو جسے وہ علم ''السیطرۃ والاتصال'' یا ''السیر وناطیقا'' کا نام دیتا ہے اور اس نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ ایسی پروگرامنگ ہے جو مکمل در پر طبیعت (نیچر) میں مداخلت کرتی ہے۔ ❶

فطرت کے تمام انکشافات (Discoveries) کی گہری تحقیقات کے بعد ولسن کہتا ہے: ''تحقیق — یعنی دلائل — نے مجھے یقین دلایا ہے کہ غیبی رجحان کے لیے بنیادی خیالات ہی صحیح خیالات ہیں اور مجھے ظاہر ہوتا ہے کہ موت کے بعد کی زندگی کسی بھی قابل لحاظ شک کے بغیر ایک حقیقت ہے۔'' ❷

بلاشبہ معقول بشریت جس پر سادگی اور سہل پسندی کا رنگ چڑھا ہوا ہو وہ جادوگروں

---

❶ الانسان وقواه الخفية كولن ولسن، ص: ۸، ۱۱، ۱۴.

❷ الانسان وقواه الخفية كولن ولسن، ص: ۲۱.

Marfat.com

اور حیلہ بازوں سے دھوکا کھا جاتی ہے،لہٰذا عقل کے خواص نے بنجر اور تھکے ماندہ احساس کی مدافعت میں اس صدی کی نسل کی اکثریت کو ساحرانہ وسائل کے ساتھ عالم پوشیدہ کے اہتمام کو زندہ کرنے کی طرف متحرک کر دیا ہے جب کہ علما نے یہ خیال کر لیا کہ سولہویں صدی سے عقل کے زمانے کا آغاز ہو گیا اور جادو کے زمانے رخصت ہو گئے۔ ❶ ولسن کا کہنا ہے کہ: ''بلاشبہ برطانیہ اور امریکہ میں آج بھی جادوگروں کی تعداد زمانۂ اصلاح سے زیادہ ہے۔'' ❷

چنانچہ علم اور زمانہ حال کا تمدن انسانی عقل کو خرافات و توھمات سے نجات نہیں دلا سکے، جب کہ اسلام نے چودہ صدیاں قبل اوہام پرستوں کا راستہ مسدود کر دیا تھا۔ جیسا کہ آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ان الشمس والقمر لا یخسفان لموت احد ولا لحیاته ، ولكنهما آيتان من آيات الله فاذا رأيتموهما فصلوا۔'' ❸ ''سورج اور چاند کسی کی زندگی یا موت کے باعث نہیں گہناتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جب تمھیں وہ نظر آئیں تو نماز پڑھو۔''

صحابہ اور تابعین نے اس کا مقصد سمجھ لیا تھا جس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے واقعات اور زندگی میں ستاروں کی تاثیر قطعاً نہیں ہے۔ چنانچہ قتادہ سدوسیؒ نے آیت کریمہ ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾ [الملک:۵] (ہم نے تمھارے قریب کے آسمان کو عظیم الشان چراغوں سے آراستہ کیا ہے) کی تفسیر میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے! آسمان دنیا کی زینت کے لیے، شیاطین کو رجم کرنے کے لیے اور راستہ معلوم کرنے کی علامات کے طور پر۔۔۔ تو جس نے اس کے علاوہ کوئی اور تفسیر کی اس سے خطا سرزد ہوئی، اس نے اپنا نصیب خراب کیا اور اس نے ایسا تکلف کیا جس کا اسے علم نہیں۔ ❹

وحی الٰہی کے بغیر عالم غیب انسان پر منکشف نہیں ہوتا، لیکن انسان اور کائنات کی پوشیدہ

---

❶ حواله سابق، ص: ۲۶۸-۳۲٤.

❷ الانسان وقواه الخفية كولن ولسن، ص: ۳۸۹.

❸ صحيح البخاری: ٤ / ٧٦، مطبوعه استنبول.

❹ صحيح البخاری: ٤ / ٧٤، مطبوعه استنبول.

Marfat.com

قوتوں کا علم دائرۂ غیب میں داخل نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی موجود اور غیب کو جاننے والا ہے۔ انسان کی سرگرمی کا دائرہ کار عالم مشہود ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حد تک اس کو عالم غیب سے مطلع فرمایا ہے جو اس کے شعور کے دائرے کو وسیع کرتا ہے اور اس کی وجدانی اور عقلی زندگی میں اسے ضروری قرار دیتا ہے اور اسے اس کائنات میں وسعت عطا کرتا ہے، مادہ جسے محدود کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہم السلام مبعوث فرمائے تاکہ وہ انسان کو معرفت غیب کی مناسب مقدار منتقل کریں، اس حد کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی طرف وحی میں مقرر فرمائی ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے درست نہیں کہ وہ وحی کے دائرے کے باہر سے علم غیب کو طلب کرے۔ نیز اس کے لیے سزاوار نہیں کہ اپنی عقلی قوتوں اور طاقتوں کو اس راہ میں لگائے جہاں اس کی پہنچ ناممکن ہو۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی انسان کے پاس شیطان آتا ہے، کہتا ہے: اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ حتیٰ کہ کہتا ہے: تمھارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب غور و فکر کا معاملہ یہاں تک پہنچ جائے تو اللہ کی پناہ مانگے اور بس کر دے۔'' [1]

انسان نے اپنے خالق کے تصور کے بارے میں جسد کی صورت میں کوششیں کی ہیں، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کو جامد اور زندہ مخلوقات کے بارے میں غور و فکر کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اور مادہ اور طبعی اسرار کے قوانین تک رسائی حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے تاکہ ان سب سے تہذیب کی تعمیر میں استفادہ کیا جا سکے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی صفات اور اس کی توحید کی کیفیت کا تعلق ہے وہ اسے انبیاء سے حاصل کرے، بغیر اس کے کہ اس کی عقل، تصور، استقراء یا استدلال میں کوشش کرے سوائے وحی الٰہی کے دائرہ کے ضمن میں۔

اس زمانے کا انسان دھوکے اور عجب سے پُر مغربی تہذیب کے زیر اثر رہا ہے اور وہ اسے زبردست ٹیکنالوجی کے امکانات کی صورت میں نظر آتی ہے کہ وہ بذات خود آزادی پر قادر

---

[1] صحيح البخاري: ٤/ ٧٤، مطبوعه استنبول.

Marfat.com

ہے اور اسے اپنے تجربوں، عقل، حصول علم، تسخیر فطرت اور کائنات کے بھیدوں کے منکشف کرنے پر اعتماد ہے اور وہ کھوٹی علمی کامیابی کے زعم میں اپنے رب کو بھول گیا ہے بلکہ خود ساختہ فلسفیوں، وجودیوں، براجماتکیوں نے اسے تصور دلایا ہے کہ وہ اولین وجود ہے جس کے سامنے موجودات کی دیگر چیزیں سرنگوں ہیں۔ حالانکہ اس کی اس کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہیں کہ اپنی آزادی کو تلاش کرے اور اپنی طاقت سے اسے پختہ کرے۔ انسان اس فطری کیموفلاج کے دھوکے میں بیسیویں صدی کی جاہلیت میں جا پڑا ہے۔

معاصر انسان کی اس بحران سے نجات کی سبیل وحی الٰہی کی تعلیمات کی طرف رجوع ہے اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اور عالم غیب کی معرفت۔ اس طرح انسان اپنے وجود کی بالیقین تکمیل کر سکتا ہے اور اس کی قوتوں میں سے کچھ بھی ضائع نہیں ہوتا جب کہ وہ دور کے نامعلوم کو معلوم کرنے کے لیے اپنے حقیر ذاتی وسائل کے ساتھ کوشاں ہے۔

انسان نے اگر اپنی روح کو دبا دیا اور اللہ الاحد والصمد کی معرفت سے روکے رکھا تو انسانیت کی موت کا ہی باعث بنا اور اس کا مادی جسم ہی باقی رہا جو حیوان سے زیادہ کسی فضیلت کا حامل نہیں۔ معاصر انسان کی بدقسمتی کا یہی سبب ہے کہ وہ زندگی کی تکمیل کے شعور سے عاری ہے۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''اپنے رب کو یاد کرنے والے کی مثال زندہ کی سی ہے اور یاد نہ کرنے والے کی مثال مردہ کی سی ہے۔'' [1]

بعض فلسفیوں اور مفکرین کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کی تعیین کو اسلامی تعلیمات میں زیادہ وسعت ملی ہے، لیکن آج کل کے مفکر کی توجہ اجتماعی تعلقات اور انسان کے حقوق و واجبات کی تعیین کی بحث کی طرف ہے۔ اور اس کی آزادی و شرف پر زور ہے اور اس کی مادی ترقی پیش نظر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے توحید پر بہت زور دیا ہے اور اسے زندگی کا محور قرار دیا ہے اور پہلا عدل اور پہلی وفا یہ ہے کہ انسان اپنے رب کریم کے ساتھ انصاف کرے اور اس کے حق

---

[1] صحیح البخاری: ۱٦۸/۷.

Marfat.com

لوہیت سے وفا کرے۔ اپنی عبادت کو اسی کے لیے مخصوص کرے اور اگر وہ اپنے منعم اور لطف و کرم فرمانے والے رب، جو بندوں سے حساب لینے اور اجر و سزا دینے پر قادر ہے، سے انصاف نہیں کرتا تو اپنے جیسے انسان سے کیسے عدل کرے گا؟ اور اگر وہ شرک کے اوہام، طبعی قوتوں کی خرافات یا مصنوعی خداؤں کے آگے جھکنے اور باطل اعتقادات سے آزادی حاصل نہیں کرتا تو بشری طاغوتوں کے آگے سجدہ ریز ہونے سے کیسے بچ سکتا ہے؟ اور کس طرح اپنی ذات کی شناخت کر سکتا ہے اور کیسے وہ اپنی اقتصادی، اجتماعی، سیاسی آزادی اور عزت کی حفاظت کر سکتا ہے؟

اور موحد ہی تو مرد آزاد ہے اس لیے کہ وہ لا الہ الا اللہ کی حقیقت کو سمجھتا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی بھی-- خواہ کوئی بھی ہو-- اس کے نفع اور نقصان پر قادر نہیں۔ اس طرح سے وہ کائنات میں اپنے مقام کو سمجھتا ہے اور اپنے دین اور اپنی ذات پر فخر کر سکتا ہے، حق اور جمال کو متحقق کر سکتا ہے اور اس سے پہلے وہ اپنے مقصد وجود کی تعیین کرتا ہے۔ مومن وہ ہجرت نہیں کرتا جس کا تصور 'سارتر'، 'البیر کامی' اور دیگر وجودی فلسفیوں نے دیا ہے۔ اور اس کی ہجرت ضیاع اور عبث کے احساس کے ساتھ ختم نہیں ہوتی، اور وہ اپنی آزادی، اپنے وجود کے اثبات کے لیے اللہ تعالیٰ کے وجود کے انکار اور اس کے اقتدار سے بعد کا محتاج نہیں جب کہ یہ گھٹیا نظریے کا فہم ہے جو انسانی تجربے اور اس کی آپ بیتی کی حدود سے باہر نہیں نکلتا جس سے وہ امید کے فقدان اور یقین کے ضیاع کا اظہار کرتا ہے، جب کہ مومن شرح صدر کی وسعت اور وسیع ادراک رکھتا ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے نور سے حاصل کرتا ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ [النور: ۴۰] (جسے اللہ نور نہ بخشے اس کے لیے پھر کوئی نور نہیں)۔ اگر فلسفی اور مصلحین اس راہ یعنی ایمان باللہ اور توحید کی راہ پر چلنے کی کوشش نہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے دور رہ کر نوع بنوع فلسفوں کے میدان میں اجتماعی اصلاح کے پروگرام منعقد کریں تو وہ مطلوبہ اصلاح ہرگز نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ سے دوری شر کے سوا کسی چیز سے ہم کنار نہیں کرتی اور تلخی کے سوا کسی چیز کی کاشت نہیں کرتی۔ اس سے صالح انسان کی خصوصیات سے محروم اور بے چین شخصیات ہی وجود میں آتی ہیں۔

Marfat.com

اگر فلسفی اور مصلحین اللہ کی قدر کو کما حقہ ملحوظ خاطر رکھتے تو وہ جان لیتے کہ انسان کی اصلاح کے اولین لوازم، اس کے خالق عزوجل کی معرفت، اس کی عبادت اور اس کے اوامر و نواہی کی اطاعت کے ذریعے اس کے ساتھ تعلق کا وثوق ہے اور مصلحین کا کام جدید ادیان کی قانون سازی نہیں اور نہ ہی عالم وانسان کے بارے میں نظریے کی تعیین غور وفکر اور اجتہاد کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ قانون سازی (شریعت) کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور ماسوائے ظالم، جھگڑالو، شقی اور متکبر شخص کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [الزمر:٦٧] (ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی، جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ اس کی قدرت کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ قیامت کے روز پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دست راست میں لپٹے ہوئے ہوں گے)۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ انصاف پر قائم ہے۔ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے) [آل عمران: ١٨،١٩] مفکرین کو ان موضوعات کو سمجھنے کی طرف توجہ دینی چاہیے جن کا اسلام کے عقیدہ، اجتماعیت، اقتصادیات، سیاسیات اور تربیت سے تعلق ہے اور اس ادراک میں مسلسل گہرائی حاصل کرنی چاہیے تاکہ انسان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچائیں جس میں اس کی دنیا اور آخرت کی سعادت کی ضمانت ہے۔

الوہیت و ربوبیت

اسلام میں اعتقاد کا نظام الوہیت اور ربوبیت کے عقیدے پر مرتکز ہے۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے مغرب کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کو سورہ الطّور کی یہ دو آیتیں پڑھتے ہوئے سنا: ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا

Marfat.com

يُوْقِنُوْنَ﴾[الطور۳۵،۳٦] (کیا کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؛ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؛ یا زمین اور آسمانوں کو انھوں نے پیدا کیا ہے؛ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے)۔ جبیرؓ کہتے ہیں: ''میرا دل ہوا ہُوا اجا رہا تھا۔'' ❶ اس صحابی کا دل ان آیات کو سننے سے کیوں اڑا جا رہا تھا؟ کیا اس میں لوگوں پر ایک بلیغ حجت نہیں ہے جو ان کی عقلوں میں سما جائے اور ان کی روحیں اس کا ادراک کریں؟ اور کتنے ہی لوگ ہیں جو ان جیسی آیات پر سے گزرتے ہیں مگر ان کے دلوں میں کوئی تحریک نہیں ہوتی، نہ ان کا وجدان انگڑائی لیتا ہے اور نہ ان میں وہ معانی ابھرتے ہیں جو اس جیسے صحابی جلیل کے دل میں ابھرے۔ مفسرین نے اس آیت کے مختلف معانی بیان کیے ہیں: (اَمْ) میں (بل) کے معانی نہیں ہیں، وہ استفہام کے لیے ہے اور مشرکین کو اس سے انکار نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا فرمایا ہے اور زمین و آسمان اسی کے پیدا کردہ ہیں اور وہ ان کے پیدا کرنے والے نہیں ہیں، لیکن جو توحید الوہیت اس پر مترتب ہوتی ہے اس سے وہ غافل تھے جب کہ یہ خالق اور اس کی نعمتوں کے اعتراف کا تقاضا ہے۔

ابن تیمیہؒ نے اس آیت ﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَىْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ○ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَل لَّا يُوْقِنُوْنَ﴾ سے متعلق مفسرین کے اقوال کو ملخص کیا ہے اور کہا: ''کیا ان کی تخلیق کسی رب کے بغیر ہوئی؟ اور کہا گیا: ''کیا مادہ کے بغیر؟'' اور کہا گیا: ''کیا جزا وسزا کے بغیر ہوئی؟'' اور پہلی تعبیر بالقطع مراد ہے، اور یہ کہ جو کچھ بھی مادہ سے یا کسی مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے، ناگزیر ہے کہ اس کا کوئی خالق ہو۔'' ❷

بیسویں صدی کے بعض فلاسفہ کا رجحان تھا کہ پہلی بنیادی چیز مادہ ہے'' الانسان یقوم وحدہ'' کسی رب نے اسے پیدا نہیں کیا؟ اور کسی اللہ نے اس کی تکمیل نہیں کی اور یہ ''جولیان ہکسلے'' کی کتاب کا عنوان ہے، جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار کیا ہے اس زعم کے ساتھ کہ اس کا اعتماد علمی دلائل پر ہے۔ دوسرے مفکر ''کریسی موری سون'' نے اس کی

---

❶ اسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ حدیث نمبر:۴۸۵۴۔

❷ فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۳/۱۵۱۔

Marfat.com

رائے کی تردید کی ہے۔اس نے اپنی مشہور تالیف ''الانسان لا یقوم وحدہ'' میں جدید علمی دلائل سے واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ایمان اور الحاد میں کشمکش قدیم بھی ہے اور جدید بھی۔ فیور باخ کا مقولہ: '' لا الہ والحیاۃ مادۃ'' جدید نہیں ہے اور یہ پرانے دہریوں اور جدید نیچریوں کے قائلین کے اقوال کی تردید ہے کہ یہ آراء اس صدی کے نصف سے صادر ہوئی ہیں جب کہ مادہ کی حقیقت کا مکمل انکشاف ہوا، اور جب اس کے ذرات توڑے گئے جس نے ثابت کیا کہ وہ قدیم معنی والا ''مادہ'' نہیں ہے بلکہ وہ ایک منفی اور مثبت قوت (چارج) ہے اور حالت حرکت میں ہے نہ کہ ساکن، اور اس کے ساتھ موجودہ علم خود مادہ کے جدید تصور پر غالب آ گیا اور اس نے قدیم دہریوں اور جدید نیچریوں کے جملہ تصورات کو منہدم کر دیا۔ مشرکین عرب جن کے عقائد سے قرآن نے آگاہ کیا ہے اس بات سے انکار نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ [الزخرف:۸۷] (اور اگر تم ان سے پوچھو کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ خود کہیں گے: اللہ نے۔ پھر کہاں سے یہ دھوکا کھا رہے ہیں؟) اسی طرح وہ منکر نہ تھے کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ [الزمر:۳۸] (ان لوگوں سے اگر تم پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ خود کہیں گے: اللہ نے)۔ بلکہ وہ خالق کی بعض صفات مثلاً اس کے عزیز اور علیم ہونے سے بھی ناواقف نہ تھے۔ ارشاد باری ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴾ [الزخرف:۹] (اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ خود کہیں گے کہ انھیں اسی زبردست ہستی علیم نے پیدا کیا ہے) لیکن مشرکین ربوبیت کے اعتراف کے باوجود عبودیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ تخلیق میں اس کے تنہا ہونے سے تجاہل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے اس شرک پر جو عبادت کو غیر مستحق کی طرف پھیر کر لے گیا اللہ تعالیٰ نے نکیر فرمائی: کیونکہ عبادت تو شکر ہے خالق و منعم کا، اور جس کی کوئی تخلیق ہو، نہ نعمت، تو وہ شکر کا مستحق

Marfat.com

نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَفَمَنۡ یَّخۡلُقُ کَمَنۡ لَّا یَخۡلُقُ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ﴾ (پھر کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے دونوں یکساں ہیں؟ کیا تم ہوش میں نہیں آتے؟) [النحل:۱۷] نیز ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ لَنۡ یَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّلَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَہٗ﴾ [الحج:۷۳] (جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے)۔ نیز فرمایا: ﴿وَالَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ لَا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ﴾ [النحل:۲۰] (اور وہ دوسری ہستیاں جنھیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں ہیں بلکہ خود مخلوق ہیں)۔ نیز فرمایا: ﴿وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً لَّا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ﴾ [الفرقان:۳] (لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں)۔ نیز فرمایا: ﴿اَیُشۡرِکُوۡنَ مَا لَا یَخۡلُقُ شَیۡئًا وَّہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ﴾ [الاعراف:۱۹۱] (کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں) اور جس شرک میں وہ پڑے ہوئے تھے اس کی وضاحت فرمائی ﴿اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوۡا کَخَلۡقِہٖ فَتَشَابَہَ الۡخَلۡقُ عَلَیۡہِمۡ﴾ [الرعد:۱۶] (تو کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہوگیا؟) اور شرکاء کبھی تخلیق نہیں کر سکتے تو پھر تشابہ اور التباس کا آخر کون سا موقع ہے؟ خالق الواحد اور مخلوقات متنوعہ کے مابین امتیاز واضح جو کسی التباس اور خلط مبحث کو قبول نہیں کرتا۔ سوائے اس صورت کے کہ جب پیمانے غیر متوازن ہو جائیں، جب ترازو ٹیڑھے ہو جائیں اور فطرت سے انحراف ہو جائے۔ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب صرف اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَہُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ [فاطر:۴۰] (مجھے بتاؤ، انھوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں میں ان کی کیا شرکت ہے؟) عالم مشہود میں کائنات وحیات کے نظام کی وحدت، اس کا توازن، اور اس کی ہم آہنگی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا صدور ایک ہی حکم اور ایک ہی ارادے سے ہوا ہے اور اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا

Marfat.com

تو کائنات کا نظام بگڑ جاتا اور اس کی وحدت میں خلل آ جاتا اور اس کی ہم آہنگی ختم ہو جاتی۔ ﴿وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰـهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾[المؤمنون:۹۱] (کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنے خلق کو لے کر الگ ہو جاتا، اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ﴾[الملک:۳] (تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے)۔

''کریسی موری سون'' کہتے ہیں: ''خالق کے وجود کا ثبوت بے حد وحساب تنظیمات ہیں جن کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔ زمین پر انسان کا وجود اور اس کی قابل فخر ذہانت کے مظاہر اس پروگرام کا حصہ ہیں جسے اس کائنات کے خالق نے عملی شکل دی ہے۔'' ❶ نیز وہ کہتے ہیں: ''بلاشبہ انسان مزید اکتساب کر رہا ہے، اور علم کی ہر اکائی میں اس کی غیر محدود ریاضیاتی ترقی ہے، جب کہ ذرے کی توڑ پھوڑ -- دالتون جو مدار ستاروں کے مجموعے کی بناوٹ میں سب سے چھوٹا قالب شمار ہوتا ہے اور متحرک الیکٹرون نے کائنات اور حقیقت کے بارے میں ہماری فکر میں جوہری تبدیلی لانے کے لیے ایک میدان کھولا ہے اور جامد ذرات جو ہمارے مادی تصور سے مربوط ہوتے ہیں، انھیں بے جان ترتیب شمار نہیں کیا جا سکتا اور معارف جدیدہ جن کا سائنس نے انکشاف کیا ہے، کبھی ظواہر سے ماوراء ایک مدبر کے وجود تک رسائی کی دعوت دیتے ہیں۔'' ❷

''ستانلی کونجدن'' کہتے ہیں: ''جملہ کائنات اللہ سبحانہ کے وجود، اس کی عظمت اور قدرت کی گواہی دے رہی ہے اور ہم علما اس کائنات کے ظواہر کا تجزیہ اور تحقیق کرنے لگتے ہیں حتیٰ کہ استدلال کے طریقے سے ہی، تو ہم اللہ تعالیٰ کے دست قدرت اور اس کی عظمت کے آثار کے ملاحظہ سے زیادہ کچھ نہیں کر پاتے۔ وہ اللہ ہے جس تک ہم صرف مادی علمی وسائل کے ساتھ نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن ہم اپنی ذات میں اور کائنات کے ذروں میں سے ہر ذرے میں اس کی

---

❶ العلم يدعو للايمان: ٤٦.
❷ العلم يدعو للايمان: ٤٦-٤٧.

Marfat.com

نشانیاں دیکھتے ہیں اور سائنس محض اللہ کی مخلوق اور اس کی قدرت کے آثار کی تحقیقات کے علاوہ کچھ نہیں۔'' ❶

''بول کلارنس'' کہتے ہیں: ''وہ امر جس کی ہم مکمل طور پر توثیق کرنے کے قابل ہیں وہ یہ ہے کہ انسان اور اس کے اردگرد یہ کائنات عدم مطلق سے خود بخود یوں ہی وجود میں نہیں آ گئی بلکہ یہ دونوں ایجاد ہیں اور ہر ایجاد کے لیے کوئی موجد ہوتا ہے، نیز ہم جانتے ہیں کہ یہ تعجب انگیز، قابل اعتماد نظام، جو اس کائنات کو درست رکھتا ہے، ان قوانین کا پابند ہے جنھیں انسان نے پیدا نہیں کیا۔ اور زندگی کا معجزہ اپنی ذات کی حد تک ابتدا رکھتا ہے۔ نیز اس کے پیچھے کوئی ارادہ اور تدبیر ہے جو انسان کے دائرہ سے باہر ہے۔ وہ مقدس ابزا متقدس ارادہ اور محکم تدبیر الٰہی ہے۔'' ❷

''جارج ایول'' کہتے ہیں: ''اس کائنات کے ذرات میں ہر ذرہ اللہ کے وجود کی گواہی دے رہا ہے اور وہ بغیر استدلال کے اس کے وجود کا ثبوت ہے۔ کیونکہ مادی اشیاء خود اپنی کیفیت سے عاجز ہیں۔ ❸

بیسویں صدی کے بڑے علماء فزکس کے یہ اقوال ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی شہادت دے رہے ہیں جو اس نے اپنے نبی ﷺ پر کتاب میں نازل فرمایا ہے کہ یہ مخلوق کا وجود، خالق کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ کافروں کے ہاں اس کا کفران کے یقین کے معدوم ہونے کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایمان نصیب نہیں کیا ﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ○ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَل لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴾ خطابی نے کہا ہے: اس علت کا ذکر جس نے انھیں ایمان سے محروم کیا ہے، وہ یقین کا معدوم ہونا ہے جو اللہ عزوجل کا عطیہ ہے اور وہ اس کی توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے حضرت جبیر بن مطعم لرزہ براندام ہوئے، حتیٰ کہ کہا: كَادَ قَلْبِيْ اَنْ يَطِيْرَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ. ❹

---

❶ اللّٰه يتجلىٰ فى عصر العلم: ٢٦.
❷ اللّٰه يتجلىٰ فى عصر العلم: ٤٤.
❸ حواله سابق: ٤٧.
❹ اعلام الحديث خطابى: ١٠٠٠.

Marfat.com

نبوت اور رسالت

تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان اور اس کا اثر:

اسلام اپنے پیروکاروں کو انسانی وسعت نظری اختیار کرنے کی ہدایت دیتا ہے اور تاریخ، ثقافتوں اور تہذیبوں میں غور کی طرف توجہ دلاتا ہے نیز یہ کہ وہ اسلامی معاشرہ کی بہتری کے لیے عالمی تعلیمی نتائج سے فائدہ اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [آل عمران ۸۴، ۸۵] (اے نبی، کہو کہ ''ہم اللہ کو مانتے ہیں، اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب پر نازل ہوئی تھیں اور ان ہدایات پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم ان کے تابع فرمان (مسلم) ہیں۔ اس فرمانبرداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔) قرآن حکیم مسلمانوں کے عقیدے کی وضاحت فرماتا ہے کہ وہ اللہ کے نبیوں پر، اس کی وحی پر مبنی جامع ایمان رکھتے ہیں اور مسلمان کی نظر میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد ﷺ تک ایک ہی دین ہے اور وہ اسلام ہے۔ اور تمام انبیاء پر ایمان واجب ہے، حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، بلکہ ادیان کی تعلیمات اور ان کے مناسکِ عبادت ثابت شدہ ہونے کی صورت میں بعض اوقات ان جملہ ادیان کے ایک ہی مصدر الٰہی کی طرف عملی اشارہ کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام حضرت

Marfat.com

ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کے ساتھ منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پڑھی۔ پھر اگلے دن منیٰ سے عرفات گئے۔ وہاں ان کے ساتھ دو نمازیں: ظہر و عصر پڑھیں۔ پھر ان کے پاس کھڑے رہے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ پھر چلے اور انھیں مزدلفہ لے آئے۔ وہاں اترے اور ان کے ساتھ رات گزاری اور نمازیں پڑھیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا۔ انھوں نے وہاں کنکریاں پھینکیں اور قربانی کی۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو وحی کی کہ ابراہیم حنیف علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کریں اور ابراہیم علیہ السلام مشرک نہیں تھے۔''[1] اور وہ ابراہیم علیہ السلام اور محمد ﷺ کے مناسک حج میں یکسانیت کی دلیل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مصداق ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾[الشوریٰ:۱۳] (اس نے تمھارے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا، اور جسے (اے محمد!) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور متفرق نہ ہو جاؤ)۔

ادیان کے مابین بالخصوص عقیدہ اور عبادت کے بعض مناسک اور اجتماعی قوانین میں تشابہ اور بعض اوقات ان میں موافقت ان کی صحت میں شک کا باعث نہیں بنتا۔

ماہرین عمرانیات اور مؤرخین میں سے بعض معاصر علمائے دین اسلام کے مطالعہ میں وہی منہج اختیار کرتے ہیں جو قبائلی عادات، روایات اور قصے کہانیوں کے مطالعہ میں کیا جاتا ہے اور قدیم و جدید مذاہب میں خصوصی مماثلت پیدا کرتے ہیں تاکہ وہ اس نتیجہ تک پہنچیں جسے انھوں نے علمی طریقہ کار کے خلاف -- یہ کہ اسلام کا سرچشمہ وحی نہیں ہے -- مقرر کر رکھا ہے، بلکہ وہ سابقہ تعلیمات کا تانا بانا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اس کا کچھ حصہ تورات سے لیا گیا ہے مثلاً قصص الانبیاء، اور کچھ انجیل سے اور کچھ رومن قانون سے ماخذ ہے۔ اس طرح سے انھوں نے یہ حقیقت

---

[1] سورۂ آل عمران کی آیت ۹۵ کی تفسیر کے لیے تفسیر ابن ابی حاتم، حدیث کی سند حسن ہے۔ اور یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیوں کہ اس کا تعلق امور غیب سے ہے جو یقیناً نبی کریم ﷺ سے سن کر ہی بیان کیے ہوں گے۔

Marfat.com

بھلانے کی کوشش کی ہے کہ ادیان میں تماثل کا سبب وحدت مصدر الٰہی ہے اور انسانی تاریخ کے دوران مختلف انسانی معاشروں میں سابقہ ادیان کا اثر ہے۔ علوم انسانی کے یہ ماہرین اور مؤرخین تجاہل اختیار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ حقیقت سے متعلق خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں، جب اس میں سے اس سبب کو بھلا دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے قرآن کی آیات کے حقائق کو سومری، بابلی، آشوری، فرعونی، یونانی اور رومن قصوں سے مربوط کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ وحی الٰہی کے نظریے کو ساقط کریں۔ نیز کہتے ہیں کہ الدین (اسلام) کے مصادر -- جسے وہ علمی تحقیق کا دعویٰ کرتے ہیں...... قبائل کے قصے کہانیاں ہیں نہ کہ وحی الٰہی۔ ❶

یوں تو علم انسانی میں کوئی عیب نہیں ہے -- جب کہ وہ انسان سے متعلق اور اس کی تاریخ ، ثقافت اور معاشرت کا علم ہے -- لیکن اس کی منحرف توجیہ جس کے ساتھ ملحدین نے اس علم کو متعارف کرانے کی کوشش کی ہے اس میں بالتحقیق عقیدہ کے اہداف ہیں جو بے لاگ علم اور علمی تحقیق کے تقاضوں سے کوسوں دور ہیں۔ لہٰذا اس دور کے اہل علم پر لازم ہے کہ وہ تاریخ پر گہری نظر کے ساتھ زندگی کی ابتداء اور اس کے اولین آثار کی تحقیق کرتے ہوئے انسان کی فطرت، ادیان کی حقیقت اور بندے کے اپنے رحمٰن ورحیم خالق کے ساتھ تعلق کو واضح کرتے ہوئے اس علم اور اس کی صحیح جہت کی طرف پلٹیں۔ چنانچہ جب علم کی لگام باشعور اور بے لوث افراد کے ہاتھ میں آئے گی تو وہ ان ملحدین کے متعارف کردہ نتائج کو پلٹ دیں گے، جنھوں نے جھوٹے علم اور بہتان کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ بلاشبہ ادیان کے مابین مشابہت کو قرآن نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کا انکار نہیں کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے ﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ [آل عمران:۳] (اے نبیؐ، اس (اللہ) نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو حق لے کر آئی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی تھیں)۔ پس قرآن سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتا ہے نہ کہ ان کی تردید۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے اپنے رسول علیہم السلام منتخب فرمائے اور انھیں رہنما بنایا جو

---

❶ فی طریق المثیولوجیا عند العرب محمود سلیم الحوت: ۱۴۶۔۱۶۲۔

Marfat.com

اس کے بندوں کو اس کی توحید اور اس کے قوانین کے اتباع کا حکم دینے والے اور نیکی کے اعمال اور اس کے احکام کے نفاذ میں اعلیٰ نمونہ تھے۔ اس لیے اسلام کی نظر میں وہ اپنے اوصاف کے ساتھ بہترین نمونہ، قدر و قیمت اور درجہ کے لحاظ سے انسانوں میں افضل و اعلیٰ تھے اور تصور و سلوک میں ان سے بلند تر۔ اور کیسے نہ ہوتے! جب کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے رسول بنا کر بھیجا۔ ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾[الانعام:۱۲۴] (اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے)۔ نیز فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ﴾[الحج:۷۵] (حقیقت یہ ہے کہ اللہ (اپنے فرامین کی ترسیل کے لیے) ملائکہ میں سے بھی پیغام رساں منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی)۔ اس لیے وہ گناہوں سے منزہ اور خطاؤں سے پاک ہیں تاکہ ان کے کامل سلوک اور جملہ احوال میں ان کا اتباع درست ہو۔ ارشاد ربانی ہے ﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴾[الانبیاء:۷۳] (اور ہم نے ان کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے انھیں وحی کے ذریعے نیک کاموں کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے)۔ لہٰذا محمد ﷺ پر قرآن اور سنت میں بیان کردہ صورت تورات، اس کی شرح تلمود اور انجیل جیسی دوسری دینی کتابوں کی بنسبت زیادہ مثالی، واضح اور اعلیٰ اسلوب میں پیش کی گئی ہے جب کہ دوسری کتابیں ان کے پیروکاروں کے ہاتھوں تحریف کا ہدف بنیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف شریعت کو وحی کیا گیا اور انھیں اس کی تبلیغ کا مکلف نہیں بنایا گیا لیکن وہ اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ مگر رسولوں کی طرف جو شریعت وحی کی گئی وہ اس کی تبلیغ کے مکلّف بنائے گئے۔ قرآن نے ان میں سے پچیس رسولوں کے نام لیے ہیں اور وہ ہیں: آدم، نوح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، داود، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، ادریس، یونس، ہود، شعیب، صالح، لوط، الیاس، یسع، ذوالکفل، عیسیٰ اور محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ [1] ان رسولوں پر ان کے متعین

[1] یہ ضعیف روایت اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ انبیاء کی تعداد ۱۲۴،۰۰۰ اور رسولوں کی تعداد ۳۱۵ ہے۔ ⇦⇦⇦

Marfat.com

ناموں اور شخصیتوں کے ساتھ ایمان لانا واجب ہے اور ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار بصراحت قرآن کفر ہے۔ مگر ان کی ایک دوسرے پر فضیلت ہے اور ان میں سے شدت ابتلاء اور عظمت جہاد کے باعث اولوالعزم رسول نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد صلواۃ اللہ وسلامہ علیہم افضل ہیں۔ ارشاد ربانی ہے ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾[البقرة ۲۵۳] (یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے)۔ اور جملہ رسولوں میں سب سے افضل محمد ﷺ ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے: ''آدم اور ان کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام میرے پرچم تلے ہوں گے۔'' ❶ اور یہ تفضیل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾[البقرة ۲۸۵] (ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے) کے منافی نہیں ہے، کیونکہ عدم تفریق سے مراد جملہ رسولوں پر ایمان میں تفریق ہے نہ کہ ان کے مابین فضیلت۔ اور انبیاء علیہم السلام اور رسول بشر ہیں، وحی کے ساتھ وہ بشریت سے خارج نہیں ہو جاتے بلکہ فطری طور پر ان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ نصاریٰ نے وحی الٰہی میں تحریف کر ڈالی اور انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی اور آپؑ کی صفات میں الوہیت کا اضافہ کر دیا۔ قرآن نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ محمد ﷺ جو سب سے افضل ہیں، بشر ہیں۔ رسالت سے انھیں صفات الوہیت حاصل نہیں ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ ﴾[الفصلت:٦] (اے نبیؐ، ان سے کہو، میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، مگر میری طرف وحی کی جاتی ہے)۔ وحی ہی سے رسول ممیّز ہوتا ہے اور غیب اس پر کھولا جاتا ہے، اسے اللہ کی صفات اور اس کے اسمائے گرامی سے واقف کرایا جاتا ہے، نیز یہ کہ اللہ کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند، اس کے اوامر کیا ہیں اور نواہی کیا؟

⇦⇦⇦ دیکھیے: مسند احمد: ۵/۲۶۶، اس کی سند میں معان بن رفاعہ سلامی ہے جو حدیث میں نرم درجے کا اور اکثر مرسل روایات بیان کرنے والا ہے، جیسا کہ تقریب میں ہے۔ ایک اور راوی علی بن زید الھانی ضعیف ہے اور ایک راوی قاسم بن عبدالرحمٰن صدوق ہے مگر غریب حدیثیں اکثر بیان کرتا ہے۔

❶ اسے امام ترمذی نے سنن میں نکالا ہے۔ ۵/۵۸۷ اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اسے امام احمد نے اپنی مسند: ۱/۵ میں روایت کیا ہے۔

Marfat.com

اور اسے اللہ تعالیٰ کی شریعت سے واقف کرایا جاتا ہے جس کا وہ انسانوں کی زندگی میں نفاذ چاہتا ہے۔ نیز اسے اس کے خلق وامر کے اسرار اور قضا وقدر سے واقف کرایا جاتا ہے مگر انبیاء فلسفی تھے اور نہ فزکس کے علما، اور ان کا علم کسبی نہ تھا۔ بلکہ افضل الانبیاء محمد ﷺ ناخواندہ تھے اور لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اور آپ فلسفہ اور فزکس کی پیچیدہ بحث وتمحیص سے خالی ماحول میں رہتے تھے جس کے یونانی، ایرانی اور ہندو بخوبی مشاق تھے، لیکن اس کے باوجود آپ کی تعلیمات نے سعادت و فلاح کے سنگ ہائے میل نصب کیے ہیں۔ ان تعلیمات نے کروڑوں انسانوں کو بدل ڈالا جنھوں نے اُن کی پیروی کی، نیز انھوں نے ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو منظم کر دیا اور صدیوں تک ان کی اجتماعیت، اقتصادیات، سیاسیات، اخلاقیات اور اقدار غالب رہیں، اور طویل عرصے تک ان کی بدولت عالمی تہذیب کو رفعت ملی رہی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وحی الٰہی کے بغیر ایسا ہونا ناممکن تھا۔

رسول وحی الٰہی کے حامل اور اس کی تبلیغ کے مکلف تھے جس وجہ سے خطرات ان پر منڈلاتے رہتے کیونکہ وہ پیغامات الٰہی جن کی وہ دعوت دیتے تھے، عقیدے اور اجتماعی زندگی سے متعلق بڑی تبدیلی کا تقاضا کرتے تھے۔ چنانچہ اثر ونفوذ رکھنے والوں، مفادات کے بندوں اور عوام جن میں ان کے پیغامات سے متضاد عقائد پھیلے ہوئے ہوتے تھے کی طرف سے ان کی سخت مخالفت ہوتی جس سے انھیں خطرات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اور انبیاء کے اختیار میں یہ نہ تھا کہ وہ مفاہمت یا مصلحت کوشی کے بین بین موقف اختیار کرتے یا موافقت کے لیے اپنے مقام سے نیچے اتر آتے، کیونکہ رسالت کی بنیاد اجتہاد نہیں کہ وہ اس میں کوئی تبدیلی کرتے بلکہ ان کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ وحی الٰہی کی ہدایت اور اس کے مضامین کا التزام کریں۔ چنانچہ سید المرسلین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ O لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ O ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ O فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ O فَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ [الحاقۃ: ۴۴ تا ۴۸] (اور اگر اس (نبیؐ) نے خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کی ہوتی تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے، پھر تم میں

Marfat.com

سے کوئی (ہمیں) اس کام سے روکنے والا نہ ہوتا۔ درحقیقت یہ پرہیز گار لوگوں کے لیے ایک نصیحت ہے)۔ لہٰذا رسولؑ کے لیے لازم ہے کہ وہ امانتِ تبلیغ کی ذمہ داری ادا کرے خواہ اس میں اسے کتنی ہی آزمائشوں اور مخالفتوں سے دوچار ہونا پڑے۔ اس طرح سے انبیاء علیہم السلام کا امتحان ہوا۔

یہ ہیں نوح: لوگوں کی طرف پہلے رسول-- جس طرح آدم ــ پہلے نبی تھے۔ حضرت نوح نے لمبی عمر پائی۔ انھوں نے دن رات، خفیہ بھی اور علانیہ بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی، وہ ان کے درمیان طویل عرصہ مقیم رہے اور انھیں اللہ کی طرف بلاتے رہے لیکن بہت تھوڑے لوگ ان پر ایمان لائے، جو غرق ہونے سے بچ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴾[ہود:۴۰] (اور تھوڑے ہی لوگ تھے جو نوح کے ساتھ ایمان لائے)۔ آپ کی قوم نے آپ کو حماقت، گمراہی، جنون، جھگڑالو اور اللہ پر جھوٹ گھڑنے سے متہم کیا اور آپ کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی، حتیٰ کہ آپ نے صدیوں کی دعوت کے بعد سمجھ لیا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں تو آپ نے ان کے خلاف بددعا کی، جیسا کہ قرآن حکیم نے وضاحت فرمائی ﴿ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ○ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴾[نوح:۲۶،۲۷] (اور نوح نے کہا: ''میرے رب، ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا وہ بدکار اور سخت کافر ہی ہوگا)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں سزا دی اور نوح اور آپ کے ساتھیوں کو نجات دی۔

اور آپ ہیں ابراہیم، انبیاء کے باپ، اور رحمٰن کے خلیل جو اس بابل میں پل کر جوان ہوئے جہاں نمرود حکمران تھا اور الوہیت کا دعوے دار، اس کی قوم بتوں کی پرستار تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اس شرک سے بچا رکھا تھا اور چھوٹی عمر میں ہی آپ کو بصیرت عطا فرما دی تھی۔ آپ نے اپنی قوم کو دعوت دی، ان پر حجت قائم کی اور ان کے بتوں کو توڑ ڈالا تا کہ ان پر ثابت کر دیں کہ وہ تو اپنی ذات کا دفاع بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ دوسروں کا کریں۔ چنانچہ ان کو یہی سوجھی کہ

Marfat.com

انھوں نے آپ کو آگ میں ڈال دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور نجات دی۔ چنانچہ فرمان ربانی ہے: ﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴾[الانبیاء:٦٩] (ہم نے کہا: ''اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر)۔ ابراہیم اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلاتے ہوئے زمین میں پھرتے رہے۔ آپ حران میں گئے، جہاں ستاروں کی پرستش ہوتی تھی، پھر فرعونوں کے مصر میں، اور انھیں اپنی اہلیہ اور بیٹے سمیت کئی طرح کی آزمائشوں اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اور یہ ہیں موسیٰ علیہ السلام، کلیم اللہ، انھیں فرعون مصر کی سرکشی کا مقابلہ کرنا پڑا، جب کہ وہ الٰہ بنا بیٹھا تھا اور اس نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا، ان کے بیٹوں کو قتل کر دیتا اور لڑکیاں زندہ چھوڑتا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے تنہا اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دی۔ فرعون اپنے کفر میں ساری حدیں پھلانگ گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی فوج کو غرق نہ کر دیا ہوتا تو اس نے حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔

حضرت موسیٰ خود اپنی قوم کی طرف سے عقیدہ میں انحراف کی صورت میں اذیت اور جدل واستکبار کا سامنا کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں وفات دی۔

اور یہ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، آپ نے یہودیوں کو اس دین حق کی دعوت دی جس سے انھوں نے انحراف کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر واضح معجزے جاری فرمائے مگر پاپائیت نے آپ کی مخالفت کی اور آپ کو قتل کرنے پر ایکا کر لیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نجات دی اور اپنی طرف اٹھا لیا۔

اور آپ ہیں اللہ کے نہایت برگزیدہ رسول حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین، آپ پر مکہ میں مشرکین کی طرف سے ایذا کی صورت میں متعدد قسم کی آزمائشیں آئیں۔ انھوں نے آنجناب کے خلاف پراپیگنڈہ کا طوفان بپا کیا۔ آپؐ کو ڈرایا اور دھمکیاں دیں۔ آپ اور آپ کے پیروکاروں کو شعب ابی طالب میں محصور رکھا۔ اور آپؐ کے ساتھیوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے پر مجبور کیا۔ پھر آنحضور ﷺ کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ پھر آپ کے

Marfat.com

خلاف ان کا جنگی تسلسل جاری رہا۔ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کو اکساتے رہے اور آپ پر اتحادی فوجوں کے ساتھ حملہ آور ہوئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر فتح عطا فرمائی اور آپ کے دین کو زمین پر غالب کر دیا۔

یہ ہے سیرت نبویہ جو انبیاء صلواۃ اللہ وسلامہ علیہم کی حالت کی نشاندہی کرتی ہے جب کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے پیغامات کی تبلیغ کے سبب ابتلاء وامتحان کا سامنا کرنا پڑا اور انھوں نے دنیا کی زندگی میں راحت وآرام نہیں پایا، اور دنیاوی نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ زندگی کی سختیاں تھیں جو انھیں اور ان کے اہل کو پیش آتی رہیں۔ انھیں اپنے وطن چھوڑنے پڑے، وہ قتل کا نشانہ بنتے رہے، لیکن یہ سب کچھ ان کے لیے اللہ کی طرف دعوت دینے اور جاہلی ماحول کو بدلنے کی کوشش میں رکاوٹ نہ بن سکا۔ لہٰذا متبعین کی دعوت وتربیت کے لیے انبیاء کی تعلیمات کا عملی منہج انسانی زندگی میں گہرا اور جامع اثر رکھتا ہے، جب کہ فلاسفہ کی آراء ان کی کتابوں میں ہی پڑی رہیں اور عملی صورت اختیار نہ کر پائیں۔ لہٰذا ہر عقل مند انسان کو چاہیے کہ وہ قرآن وسنت کے اثر کا افلاطون کی جمہوریت یا اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ مدنیت میں تقابل کرے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ نبی ﷺ کی رسالت ہی تاریخ کی حرکت اور زندوں کی منزل مقصود کے لیے موثر عملی اسوۃ ہے۔

جملہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان نے مسلمانوں کو بیش قیمت متنوع روحانی نمونہ عطا کیا، جس میں اعلیٰ انسانی اسلوب کی اخلاقی قدروں کا اظہار ہوتا ہے، جس کا نمونہ انبیاء علیہم السلام تھے۔ چنانچہ حضرت نوح کے اسوہ میں ان کے بیٹے اور ان کی اہلیہ سمیت ان کی قوم کے آپ کی دعوت کی قبولیت سے انکار کے باوجود مسلمان مضبوط اور مسلسل دعوت الی اللہ کا اسلوب پاتے ہیں۔ قوم کی اس مخالفت نے حضرت نوح کو مسلسل دعوت اور قوم اور اپنے اصحاب کی نجات کے ناگزیر عوامل کے لیے تیار رہنے سے روک کر بٹھا نہیں دیا تھا۔

ایوب علیہ السلام کی طویل بیماری کی حالت میں صبر کی فقید المثال میں ایک مسلمان کے لیے قابل تقلید نمونہ ہے اور لوگوں کی آپ سے علیحدگی میں حتیٰ کہ آپ کی زوجہ بھی آپ سے دور

Marfat.com

ہوگئی، مگر اس سب کچھ نے آپ کے ایمان ویقین، دعا اور گریہ زاری میں ہی اضافہ کیا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے وہ آزمائش ہٹادی۔

انبیاء علیہم السلام پر کامل ایمان اقتدار کے میلان کو وسیع کرتا ہے اور رسالات الٰہیہ کی وحدت کی تعبیر بنتا ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کو دینی رواداری کا وارث بناتا ہے اور ان کے اور اہل کتاب کے مابین باہم ملنے کے بعض عناصر پیدا کرتا ہے اور اسلامی معاشرے میں ان کے ساتھ تعامل میں اقلیتوں کو عقیدہ کی آزادی اور حق تحفظ دینے میں لچک کا مظاہرہ کرتا ہے اور ان کے ساتھ پرامن رہنے کا امکان بڑھاتا ہے بلکہ ان اقلیتوں کے ساتھ تعلقات میں نرمی کا اسلوب اختیار کرتا ہے جب کہ مسلمانوں کے عقائد، حسن سلوک، مروت اور رواداری کی تاکید کرتے ہیں۔

اور اگر ہم دلیل کے طور پر فرض کریں کہ مسلمان سابق انبیاء کی نبوتوں کا محمد ﷺ کی رسالت کی بنیاد پر انکار کرتے تو اقلیتوں کے بارے میں ان کے موقف میں تبدیلی آجاتی، اور اگر مسلمانوں میں وہ دینی رواداری نہ ہوتی جس کی تاریخ انسانی میں کوئی مثال نہیں ملتی تو وہ اپنے وجود کی حفاظت نہ کر پاتے۔ چنانچہ اسلامی ریاست کو مساجد کی طرح آسمانی مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾[الحج:۴۰] (اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں) تاہم مسلمانوں اور اہل کتاب کے مابین دینی بحث سے منع نہیں کیا گیا بشرطیکہ آداب مناظرہ کو ملحوظ رکھا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:﴿وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے)[العنکبوت:۴۶] نیز فرمایا:﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾[الانعام:۱۰۸] ((اے مسلمانو) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انھیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں)۔

Marfat.com

متعدد مغربی محققین نے اسلام اور مسلمانوں کی رواداری کا اعتراف کیا ہے۔

''گوستاف زوبول'' کہتے ہیں: ''کسی قوم نے عرب فاتحین جیسے رحمدل اور روادار نہیں دیکھے اور نہ ہی ان کے دین کی طرح کی رواداری کسی نے دیکھی ہے۔''

تھامس آرنلڈ نے کہا ہے: ''مسلمان -- دوسروں کے برعکس -- جو ہمیں معلوم ہوتا ہے یہ کہ انھوں نے مسیحی رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔''

آج کی دنیا اس بات کی شدید محتاج ہے کہ حقیقی رواداری رائج ہو، عدل قائم ہو اور تعصبات اور بغض وعناد ختم ہوں جس سے ممکن ہو کہ فنی ترقی اس بڑے حادثے کے آگے حائل ہو جائے جو انسان اور تہذیبوں کو برباد کر دیتا ہے۔ چنانچہ ایمان اور دینی رواداری کے زیر سایہ اسلام جیسی حقیقی خیر کی کوئی کھیتی نہیں اور نہ اس جیسا تعاون کا کوئی بیج ہے۔

بشریت رسول ﷺ

بلاشبہ انبیاء علیہم السلام انسانوں میں سے سب سے زیادہ الوہیت کی حقیقت اور معبود حقیقی کی عبادت کے استحقاق کی معرفت کا شعور رکھنے والے ہوتے ہیں اور وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی الٰہی کے علم کے لیے مختص کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اس فرق سے بخوبی واقف ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے حق کیا ہے اور نبی کے لیے حق کیا ہے؟ لہٰذا قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کو منع فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بجائے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف متوجہ کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾ [آل عمران:۷۹] (کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کی بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے ربانی بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو)۔ اس طرح سے الالٰہ اور النبی اور البشر کے مابین تعلق کی حقیقت واضح ہوگئی۔ اسلام کی طویل تاریخ میں نبی کی حقیقت کے بارے میں کبھی کوئی ابہام پیدا نہیں ہوا

Marfat.com

جیسا کہ نصرانیت کی تاریخ میں المسیح کی حقیقت کا مقدمہ کھڑا ہوا کہ کیا وہ الوہیت ہے یا بشریت یا دونوں کا مجموعہ ہے۔

بلاشبہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام مسلمانوں کے لیے اعلان فرمایا کہ آپ ان ہی کی طرح کے انسان ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔ ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ [الکھف:۱۱۰] (اے نبیؐ، ان سے کہو، میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، مگر میری طرف وحی کی جاتی ہے)۔ تو جب انبیاء علیہم السلام افضل البشر ہوتے ہوئے عبادت کے مستحق نہیں تو بڑے بڑے مفکرین اور ممتاز زعماء اور بزرگان دین بدرجہ اولیٰ عبادت کا کوئی استحقاق نہیں رکھتے۔ نتیجتاً اسلام نے انسان -- خواہ وہ مقام و مرتبہ کے لحاظ سے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو -- کی عبادت کا راستہ منقطع کر دیا ہے اور عبادت صرف اور صرف اللہ کے لیے مختص کی ہے اور انسان کی بزرگی اور اس کی آزادی کی حفاظت کی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی انسان کے آگے جھک کر اندھے گڑھے میں گرنے سے روکا ہے چہ جائیکہ اسے دیگر مخلوقات از قسم حیوان، جماد اور طبعی قوتوں کی عبادت کی اجازت دی ہو۔

اگر کوئی بڑا مفکر اپنی ذات کی بندگی کی دعوت تو نہیں دیتا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف کرتا ہے اور اس کے احکام کو بدلتا ہے، یوں اپنے آپ کو قانون سازی کا حق دیتا ہے جب کہ وہ صرف اللہ کا حق ہے اور اس طرح سے لوگوں کو اپنے بندے بناتا ہے اور لوگ اس کی فکر اور اس کی قانون سازی کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں تو وہ عبادت کی ایک صورت ہے جس سے نبی ﷺ نے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے سابقہ امتوں کے اس جرم میں مبتلا ہونے کی خبر دی ہے۔ ابن جریج نے اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ کی تفسیر میں کہا ہے: ''یہودی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان لوگوں کی عبادت کرتے جو اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے اور اس میں سے وہ کچھ پڑھتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کتاب میں نازل نہ کیا ہوتا۔ [1] ''عدی بن حاتمؓ نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جب کہ میری گردن میں سونے

[1] سورۃ آل عمران، آیت: ۷۹ کے لیے تفسیر ابن ابی حاتم۔

Marfat.com

کی صلیب تھی۔ آپؐ نے فرمایا: ''اے عدی، اس بت کو اپنے گلے سے اتار پھینکو۔ عدی کہتے ہیں: میں نے اسے پھینک دیا اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سورہ برأت کی تلاوت فرما رہے تھے۔﴿ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾[التوبہ:۳۱] (انھوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا)۔ عدیؓ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! ہم ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں کہ وہ اللہ کے حلال کردہ کو حرام کر لیتے اور تم بھی اسے حرام کر لیتے؛ اور وہ اللہ کے حرام کردہ کو حلال کر لیتے اور تم بھی اسے حلال کر لیتے؟ میں نے کہا: ہاں، ایسا ہی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا: یہی تو ان کی عبادت ہے۔'' ❶

اس طرح سے نبی ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے کہ قانون سازی اللہ کا حق ہے، جس نے اللہ کا یہ حق لینا چاہا، اس نے لوگوں کو اپنی الوہیت اور اپنی عبادت کی دعوت دی۔ بلکہ اسلام تو لوگوں کو محتاط بنانے اور امت کو ان گمراہ کرنے والوں کے چنگل سے بچانے کے لیے ان توجیہات سے بہت آگے گیا ہے۔ اس نے عقیدے کی اتباع کا حکم دیا ہے نہ کہ رجال کی اتباع کا، خواہ وہ کتنے ہی بلند مرتبت ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو اپنی تعظیم میں مبالغے سے منع فرما دیا تھا۔ آنحضور ﷺ کا فرمان ہے: "لا تُطرونی كما أطرت النصارى ابن مريم ،إنما أنا عبدٌ فقولوا: عبدالله ورسوله" ❷ (میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو جس طرح کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا۔ میں تو بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے: اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو)

آنحضور ﷺ نے کسی شخص کی اس کے منہ پر تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے، مبادا کہ اس کا نفس عُجب میں مبتلا ہو جائے اور اسے ہلاکت تک پہنچا دے۔ چنانچہ جب ایک شخص نے نبی کی موجودگی میں دوسرے صاحب کی تعریف کی تو آپؐ نے بتکرار فرمایا: تمھاری خرابی، تم نے تو

❶ تفسیر طبری: ۱۰/۱۱۴.

❷ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ صحیح البخاری: ۴/۱۳۲ ، كتاب الانبياء، باب ۴۸ واذكر فی الكتاب مريم۔ سنن دارمی: ۲/ ۳۲۰، مسند احمد: ۱/ ۲۳.

Marfat.com

اپنے ساتھی کی گردن ہی کاٹ ڈالی۔ ❶

کہاں ہیں وہ تعلیمات جن کی بنیاد پر بے دین لوگ اپنے رہنماؤں کے آگے جھکنے اور انھیں سجدہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور خوشامدانہ کلام اور بڑی تعریف کے ساتھ ان کا تقرب حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انھیں تشبیہ دے کر اللہ عزوجل کی صفات کا ان پر رنگ چڑھاتے ہیں۔

ان کی موت کے بعد عرسوں میں اور مقامی مواقع پر اور ان کے مقبروں کی تعمیر اور ان کی تزئین پر زرکثیر کے اخراجات کرتے ہیں۔ پہلے زمانے میں فراعنہ نے لاکھوں خرچ کیے اور مختلف شعبوں کے ہزاروں افراد اپنے اہراموں کی تعمیر پر لگائے۔ اور آج کی دنیا میں ہم ریاستوں میں یہ مظاہر پاتے ہیں جو دین کو پس پشت ڈال دینے اور اوہام پرستوں میں مخصوص کیے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہٹاتے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ انسانی بزرگوں کی عبادت کی جاتی ہے، ان کی زندگی میں بھی اور ان کی موت کے بعد بھی۔

امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے: ''ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی یا دوست کو ملے تو اس کے لیے جھکے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ پھر پوچھا: کیا اس سے لپٹ جائے اور اس کو چومے؟ فرمایا: نہیں۔ پھر پوچھا: کیا وہ اس کا ہاتھ پکڑے اور اس سے مصافحہ کرے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں۔'' ❷

رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں داخل ہونے والا آپؐ کی ہیئت یا نشست کی بنیاد پر آپؐ کو پہچان نہ سکتا تھا، بلکہ اجنبی آدمی کو پوچھنا پڑتا تا کہ آپؐ سے متعارف ہو جائے۔ دارمیؒ کی روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے کہا: ''اے اللہ کے رسولؐ! میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ آپؐ کو

---

❶ صحیح البخاری: ۳/ ۱۵۸، کتاب الشہادات، باب ۱۶ اذا زکی رجل رجلاً کفاہ۔ صحیح مسلم: ۴/ ۲۲۹۶۔

❷ اسے ترمذی نے سنن: ۵/۷۵ میں نکالا ہے۔ حدیث نمبر: ۲۷۲۸ اور امام نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

Marfat.com

تکلیف پہنچاتے ہیں اور ان کے غبار سے بھی آپؐ کو تکلیف پہنچتی ہے تو کیوں نہیں آپ اونچی جگہ اختیار کر لیتے جہاں سے آپ ان سے گفتگو فرمائیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں ان کے درمیان ہی رہوں گا، وہ میری پشت لتاڑتے اور میری چادر کھینچتے ہی رہیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان سے راحت پہنچائے۔'' ❶

طبرانی میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ الخزاعی سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان چل رہے تھے کہ آپ پر ایک کپڑے سے سایہ کر دیا گیا۔ آپؐ نے اپنا سایہ دیکھا، سر اٹھایا تو معلوم ہوا کہ آپؐ پر ایک چادر سے سایہ کیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: رہنے دو، اور کپڑے کو پکڑا اور فرمایا: میں بھی تمھارے ہی جیسا ہوں۔ ❷

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ گھر کا کام کر لیا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ آپؐ اپنا جوتا گانٹھ لیتے، اپنا کپڑا سی لیتے اور اپنے گھر میں اسی طرح کام کرتے جیسے تم اپنے گھروں میں کرتے ہو۔'' ❸

اسلام انبیاء علیہم السلام کا یہ تصور پیش کرتا ہے جب کہ وہ انسانوں میں سے سب سے بالاتر ہیں۔ آپؐ کے لیے محبت ہے، توقیر ہے اور دعا ہے، آپؐ کے درجات بہت بلند ہیں، لیکن آپؐ مقام بندگی اور اللہ کی اطاعت سے آگے نہیں بڑھتے اور نہ اپنے اوپر الوہیت کی خلعت اوڑھتے ہیں اور نہ لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے ہیں بلکہ انھیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے بلاتے ہیں اور اللہ کی بندگی اور اطاعت میں اپنے آپ کو ایک اعلیٰ نمونہ بناتے ہیں اور آپؐ کا شعار تھا ﴿ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ ﴾ [آل عمران:۷۹] (ربانی بنو)

رسول اللہ ﷺ کو الوہیت اور نبوت کے مابین تفریق کا زبردست اہتمام تھا بالخصوص جب کہ سابقہ امتوں نے اپنے نبیوں کو الٰہ بنا لیا۔ یہودی کہتے ہیں: ''عزیر اللہ کا بیٹا ہے'' عیسائی

---

❶ سنن داری: ۱/۳۵۔۳۶ دو طریق سے بیان کی ہے۔ اسے بزار نے ابن عباس کے طریق سے بھی بیان کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ہیثمی: ۹/۲۱ اور کہا کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں)۔

❷ مجمع الزوائد ہیثمی: ۹/۲۱ اور فرمایا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔

❸ مسند احمد: ٦/١٧٦، ١٢١، ٢٦٠.

Marfat.com

کہتے ہیں: ''مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔'' اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی ان کی زندگی میں پرستش نہیں کی گئی بلکہ ان کے بعد ایسا کیا گیا جب کہ ان کی تاریخ اور سیرت میں مبالغہ آمیز اور جھوٹے قصے داخل کر لیے گئے اور ان کے متبعین ان سے متعلقہ روایات میں مبالغہ کرتے ہیں، حتیٰ کہ انھیں الوہیت کے مقام تک پہنچا دیتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی بندگی کرتے ہیں یا انھیں اللہ کی بندگی میں شریک کر لیتے ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیروؤں کو اپنی الوہیت سے سختی سے روکا اور اپنی بشری صفات پر زور دیا۔ چنانچہ آپ کے پاس ایک شخص آیا، اس نے آپ سے گفتگو کی تو وہ خوف سے کانپنے لگا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''اپنے آپ کو سہولت دو، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں اس عورت کا بیٹا ہوں جو قدید (سوکھا گوشت) کھانے والی تھی۔'' [1] یہ آنحضور ﷺ کا انداز تواضع اور انکسار تھا۔ آپ کی وہ ذات مقدس تھی جسے اللہ نے اپنے چیدہ بندوں میں سے منتخب فرمایا تھا اور آپ کی نسل کو پاکیزہ اور ہر طرح کی آلائش سے مبرا کر رکھا تھا۔ آپ کے آبا و اجداد اور ماؤں کے زواج بالکل جائز اور درست تھے۔

آپ کے مقام کی بلندی، آپ کے اخلاق کی بالاتری اور آپ کی رفعت و منزلت کی قرآن کریم میں تعریف کے باوجود آپ نے بشریت کی خصوصیات سے قدم آگے نہیں بڑھایا۔ آپ کو دوسرے انسانوں ہی کی طرح تکلیف محسوس ہوتی بلکہ آپ کے مصائب ان کے مصائب سے کہیں زیادہ تھے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''**انی اوعك كما يوعك رجلان منكم**'' [2] (میں بیماری میں تم دو مردوں کے برابر تکلیف اٹھاتا ہوں)۔ جب آپ کی وفات کے وقت مرض شدت اختیار کر گیا اور آپ پر غشی طاری ہو جاتی تو آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ دیکھتیں اور کہتیں: ''ہائے میرے ابا کی تکلیف۔'' تو آپ سکون کی حالت میں ان سے فرماتے: ''آج کے بعد تمہارے ابا کو کوئی تکلیف نہیں ہو

---

[1] سنن ابن ماجه: ٢/ ١١٠١، حدیث نمبر: ٣٣١٢۔ صحیح سنن ابن ماجه: ٢/ ٢٣٢: حدیث نمبر: ٢٦٧٧.

[2] صحیح البخاری، حدیث نمبر: ٥٦٤٨.

Marfat.com

گی۔ ❶ اور فرمایا: ''ہم گروہ انبیاء پر سختیاں شدید تر ہوتی ہیں۔'' ❷

آپؐ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے مگر یہ کہ آپؐ اس میں اپنی بشری خصوصیات کی وضاحت فرماتے جو آپؐ سے الگ نہ ہوتیں، سوائے عصمت نبوت کے۔ امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، اے اللہ میں محمد ہوں جو ایک بشر ہے۔ اسی طرح غصے میں آجاتا ہوں جس طرح کہ بشر غصے میں آتا ہے اور میں تیری ذات سے عہد لیتا ہوں جس کی تو خلاف ورزی نہیں فرمائے گا، کسی بھی مومن کو مجھ سے تکلیف پہنچی ہے یا میں نے کسی کو گالی دی ہے یا کسی کو کوڑا مارا ہے، اسے اس کے لیے کفارہ اور قربت کا ذریعہ بنادے جس سے قیامت کے دن اسے تیرا تقرب حاصل ہو۔'' ❸

جس طرح آپؐ کو غصہ آجاتا اسی طرح سے آپ بعض اوقات بھول بھی جاتے اور اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر آپ کو فوقیت عطا فرمائی ہے لیکن آپؐ کو بشری حاجات و ضروریات سے مبرّا نہیں کیا۔ ❹ آپؐ کو نماز میں سہو ہوئی اور آپؐ بعض رکعتوں کی تعداد بھول گئے حتیٰ کہ آپ کو یاد کرایا گیا۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی ایک نماز ہمیں پڑھائی، آپؐ نے دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا اور اٹھ کر مسجد میں ایک لکڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ گویا آپ ناراض ہیں اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر دیں اور دایاں رخسار بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھ لیا۔ لوگ جلدی جلدی مسجد کے دروازے سے نکلے اور کہا: نماز میں کمی کر دی گئی ہے۔ لوگوں میں ابو بکر و عمرؓ موجود تھے۔ انھوں نے بھی احترام و خوف کے باعث آپؐ سے بات نہ کی۔ ایک شخص جسے ذوالیدین (بازوؤں والا) کہا جاتا تھا، وہاں موجود تھا۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ بھول گئے یا نماز میں کمی کر دی گئی

---

❶ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ٤٤٦٢.
❷ مسند احمد: ٣/ ٩٤.
❸ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ٢٦٠١.
❹ اعلام الحدیث خطابی: ٧٧.

Marfat.com

ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے؟ پھر آپؐ نے ابوبکر و عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: کیا تم بھی ذوالیدین کی طرح کہتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: ہاں۔ اس پر آپ آگے بڑھے اور چھوٹی ہوئی نماز پڑھی اور سلام پھیرا۔ ❶

آپ کی نبوت اور اپنے اصحاب پر آپ کی فوقیت آپ کو اپنی رائے تبدیل کرنے سے مانع نہ ہوتی تا آنکہ اللہ تعالیٰ کا برعکس فیصلہ کارفرما ہو جاتا۔ صلح حدیبیہ میں حضرت عمرؓ بن خطاب نے صلح کی شرائط کے بارے میں آنحضور ﷺ سے موافقت نہ کی۔ وہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے عرض کیا: پھر ہم کیوں اپنے دین کے بارے میں ہلکے پن کا مظاہرہ کر رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کروں گا، وہی میرا مددگار ہے۔'' میں نے عرض کیا: ''کیا آپؐ نے ہمیں یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟'' آپؐ نے فرمایا: کیا میں نے یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال بیت اللہ جائیں گے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: تم بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔'' ❷

حضرت عمرؓ بن خطاب بتکرار رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتے تاکہ وہ صلح کی شرائط کی حکمت سے واقفیت حاصل کریں۔ انھیں مشرکین کی اہانت مرغوب تھی۔ لہٰذا اس بارے میں جو کچھ ان سے صادر ہوا، وہ اس کے لیے معذور تھے، بلکہ وہ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر اجر کے مستحق تھے۔ ❸

بات کا لوٹانا صرف نبیؐ کے مقرب صحابہؓ اور ریاست و معاشرے کے ذمہ دار اصحاب تک ہی محدود نہ تھا بلکہ عورتیں بھی آپؐ کی بات لوٹا دیتیں۔ عمرؓ بن خطاب کہتے ہیں: ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب تھے۔ جب ہم انصار کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کی عورتیں مردوں پر

---

❶ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ٤٨٢ (فتح الباری: ١/٥٦٥).

❷ اسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے جیسا کہ فتح الباری، حدیث نمبر: ۳۱۸۲ میں ہے۔

❸ فتح الباری ابن حجر: ٥/٣٤٦-٣٤٧.

Marfat.com

غالب ہیں تو ہماری عورتوں نے بھی انصار کی عورتوں کے اس اسلوب کو اخذ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ میں نے اپنی اہلیہ سے کرخت لہجے میں بات کی تو اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ میں نے اس کا بات لوٹانا پسند نہ کیا۔ اس نے کہا: آپ بات لوٹانے پر مجھے کیوں ٹوک رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی ازواج آپ کی بات کو لوٹا دیتی ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی دن بھر ان کو چھوڑے رکھتی ہے۔

اس بات نے مجھے خوفزدہ کر دیا۔ میں نے کہا: جو ایسا کرتی ہے وہ بہت بڑے گناہ کی مرتکب ہوتی ہے۔ پھر میں نے اپنے کپڑے درست کیے اور حفصہؓ کے ہاں گیا اور کہا: اے حفصہ! کیا تم میں سے کوئی دن بھر رسول اللہ ﷺ سے ناراض رہتی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: تو خائب و خاسر ہوئی، کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کے باعث اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مطالبہ نہ کرو، نہ حضورؐ کی بات کو پلٹو اور نہ آپ کو چھوڑے رہو، جس چیز کی تمھیں ضرورت ہو مجھ سے مانگ لو۔ [1]

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کو یہ حقیقت ذہن نشین کرایا کرتے یعنی بشریت کے معنی، جب کہ آپؐ ان سے نبوت کے ساتھ فائق و ممتاز تھے۔ آپؐ انھیں سابقہ امتوں کے عمل سے ڈرایا کرتے جو انھوں نے اپنے انبیاء کے بارے میں غلو کیا اور انھیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ الٰہ بنا لیا۔ آپؐ نے صحابہؓ کو اپنی مدح میں مبالغہ سے منع فرمایا، اس خوف سے کہ مبادا یہ چیز مرور ایام کے ساتھ آپ پر صفاتِ الوہیت کا رنگ چڑھانے کا باعث بن جائے، جیسا کہ وہ شخص اس حالت تک جا پہنچا جس نے نصاریٰ میں سے عیسیٰ ابن مریم کی مدح سرائی میں غلو کیا، جب کہ آنجناب نے خود اپنی صفتِ عبودیت اور صفتِ رسالت پر اصرار کیے رکھا۔ پس وہ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں اور اسی میں اللہ تعالیٰ کے لیے عبودیت صادقہ کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ آپؐ سب سے زیادہ عبادت اور اطاعت الٰہی کرنے والے اور رسالت کی تعلیمات کا سب سے زیادہ التزام فرمانے والے تھے۔

---

[1] صحیح البخاری: ۱۰۳/۳.

Marfat.com

مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نماز میں اتنا قیام فرماتے کہ آپؐ کے پاؤں مبارک سوج جاتے۔ آپ سے عرض کیا گیا: آپ اس قدر مشقت کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اول و آخر ساری لغزشیں معاف فرما دی ہیں تو آپؐ نے فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' ❶

نبی ﷺ کی عبادت خالق عز و جل کی عظمت اور آپؐ پر اس کے انعامات کی کثرت کے احساس کا ثمرہ تھی اور بالخصوص آپؐ کا اس آخری رسالت پر اعتماد تھا جس کے لیے آپؐ اہل جہان کے لیے ذمہ دار تھے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اور پھر آپ کی تبلیغ کے باعث بندوں پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ثابت ہوئی۔ وہ دیگر تمام چھوٹی بڑی نعمتوں سے فائق تر ہے، وہ اللہ خالق العظیم کی معرفت اور آخرت میں دائمی نعمتوں کی طرف لے جانے والے صراط مستقیم کی وضاحت کرتی ہے اور دنیا میں اطمینان و راحت قلبی کا باعث ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں، کیونکہ انسان کو حق تک رسائی اور اللہ کی معرفت کے حصول اور حق اور خیر و خوبی تک پہنچنے کے لیے طویل مسافتوں کو طے کرنے اور شدید عقلی مشقت کے ساتھ مساعی کا محتاج نہیں ہونے دیا۔ یہ سب کچھ آخری رسالت لے آئی جس کے حامل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور آپؐ نے اسے اپنے اصحابؓ تک پہنچایا اور انھوں نے اپنے دور میں اسے دیگر اقوام ارضی تک پہنچایا چنانچہ صدیوں تک اسے پہلوں نے بعد والوں کے لیے منتقل کیا جس کے ساتھ اہل زمین نے اربوں کی تعداد میں ہدایت پائی۔

انسان پر، اس کی روح، اس کی عقل اور اس کے بدن میں اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب نعمتیں ہیں۔ یہ صرف انسان ہی ہے جسے عظیم دولت حاصل ہے جو اس کے خالق قدیر نے اس کے مختلف اعضا میں رکھ دی ہے، ظاہر ہے کہ انسان ان اعضا کو لاکھوں دیناروں، سونے اور چاندی کے ڈھیروں کے عوض دینے کے لیے بھی رضامند نہیں ہو سکتا۔ یہی صورت اس کی بصارت، سماعت اور عقل، بلکہ ہاتھ اور پاؤں پر منطبق ہوتی ہے اور وہ وقت آ گیا ہے کہ سب

---

❶ متفق علیه (صحیح البخاری: ٢/ ٤٤)، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ٢٨١٩.

Marfat.com

انسان دیکھیں کہ بدن کے اعضا کے لیے کتنے کثیر مال مطلوب ہوتے ہیں جب کوئی مریض ان سب یا ان میں سے بعض کا محتاج ہوتا ہے۔

انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں گھرا ہوا ہے مگر چونکہ ان کا عادی ہے لہٰذا ان کی قدر و قیمت سے غافل ہے۔ اگر انسان کو پینے کا پانی نہ ملے تو وہ اسے پانے کے لیے ڈھیروں مال خرچ کر ڈالے گا۔ یہ خالق کا اس پر کرم ہے کہ وہ اسے پانی، کھانا، ہوا اور جو کچھ بھی اسے زندہ رہنے کے لیے مطلوب ہے عطا فرماتا ہے جس کے بدلے میں اس سے اس کا مطالبہ صرف عبادت کا ہے جو اس کے وجود کا مقصد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو احسان الٰہی کے جملہ معانی اور التزام ربانی کا احساس ہی تو تھا کہ نماز میں قدموں کے سوج جانے پر آپ نے فرمایا: افلا اکون عبداشکورا۔

ختم نبوت اور رسالت اسلامی کا عموم

محمد ﷺ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے، جبکہ سابقہ آسمانی رسالتوں کے نشانات مٹ چکے تھے، ان کی تعلیمات میں تحریف ہوگئی تھی، ان کی شعاعیں بجھ گئی تھیں اور انسانی زندگی میں ان کا اثر کمزور پڑ گیا تھا۔ چنانچہ آپ کی رسالت اس توحید کی دعوت کی تجدید کے لیے آئی جس کے لیے جملہ انبیاء و مرسلین بھیجے گئے تھے۔ نیز سابقہ شریعتوں کی درستی اور ان کی تکمیل اس کے پیش نظر تھی، اس کے بعد کہ بشریت نے مقام ارتقا حاصل کر لیا تھا اور اس کی عقلیں پختہ ہوگئی تھیں اور اس کے نفوس آخری رسالت کے استقبال کے لیے جملہ روحانی و اجتماعی پہلوؤں سے تیار ہو گئے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے کہ آپ کی رسالت سابقہ رسالتوں کی تکمیل کے لیے ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾ [الاحزاب:۴۰] ((لوگو) محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں)۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضورؐ نے فرمایا: ''میری اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی مثال اس شخص کی طرح کی ہے جس نے

Marfat.com

ایک عمارت بنائی اور اسے پوری طرح سے مکمل کیا سوائے ایک اینٹ کی جگہ کے۔ لوگ اس میں داخل ہوتے اور تعجب کا اظہار کرتے اور کہتے: کاش! کہ اس اینٹ کی جگہ کو بھی پُر کر لیا ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ہوں اس جگہ کی اینٹ، میں آیا ہوں اور میری آمد کے ساتھ انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ ❶ یہ حدیث شریف آخری رسالت کی تکمیل اور بشری ضرورتوں کے پورا ہونے کی وضاحت کرتی ہے، خواہ بشریت نے ثقافت وصنعت کی تہذیب میں ترقی کے کتنے ہی درجے کیوں نہ حاصل کر لیے ہوں۔ اس بارے میں قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ بیان فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ [المائدہ:۳]

(آج میں نے تمھارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے)

اسلام دین خاتم ہے اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام رسولِ خاتم۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ لہٰذا وہی دین دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تا قیام قیامت پوری انسانیت کے لیے پسند فرمایا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے دیگر ادیان کے پیروؤں کو اس دین میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے، اس وضاحت کے ساتھ کہ باقی سارے ادیان منسوخ کر دیے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی بعثت کے بعد اس کے سوا کسی دیگر دین کو قبول نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ [آل عمران:۸۵] (اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے تو اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام ونامراد رہے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے پہلے تمام نبیوں اور رسولوں سے عہد لیا کہ اگر وہ آپؐ کے زمانہ بعثت کو پالیں تو آپؐ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ اس لیے وہ خود اور ان کے پیرو آپؐ کی صفات سے واقف تھے۔ کیونکہ وہ ان کی طرف نازل شدہ کتابوں میں وارد تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ

Marfat.com

مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾[الاعراف:۱۵۷] (جو اس پیغمبر، نبی امی (ﷺ) کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انھیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے۔ ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کا نام منتخب فرمایا﴿ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ﴾ (اس (اللہ) نے پہلے بھی تمھارا نام مسلم رکھا)[الحج:۸۷] اگر مسلمانوں کا نام دیگر ادیان کے پیروؤں پر قیاس کرتے ہوئے کوئی اور رکھا جائے تو وہ غلط ہوگا، جیسا کہ مستشرقین کرتے ہیں اور ''الاسلام'' پر ''المحمدیہ'' کے نام کا اطلاق کرتے ہیں اور مسلمانوں پر ''المحمدیین'' کا جب کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو بطور مسلمان ظاہر کریں اور اس کا اعلان کریں اور اس سے قوت حاصل کریں۔﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴾[حم سجدہ:۳۳] (اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں)۔

محمد ﷺ اس امت کے پہلے مسلم ہیں اور آپ انبیاء علیہم السلام سے تعلق کے زیادہ مستحق ہیں بہ نسبت ان کے پیروؤں کے جنھوں نے ان کی تعلیمات میں تحریف کر ڈالی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ﴾ (ابراہیم سے نسبت رکھنے کا سب سے زیادہ حق اگر کسی کو پہنچتا ہے تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے جنھوں نے اس کی پیروی کی اور اب یہ نبیؑ، اور اس کے ماننے والے اس نسبت کے زیادہ حق دار ہیں)[آل عمران:۶۸]۔ اور آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں دنیا و آخرت میں عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ تعلق کا باقی انسانوں سے زیادہ حق دار ہوں؛ [1] اور آپؑ نے یہود سے فرمایا: میں تمھاری

---

[1] صحیح البخاری: ۴/ ۱۴۲۔ الفاظ انہی کے ہیں۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۶۵.

Marfat.com

نسبت موسیٰ سے تعلق کا زیادہ حق دار ہوں۔'' ❶

آخری رسالت نے اپنی وسیع آفاقیت کو ماضی تک پھیلایا اور تاریخ کے سابق انبیاء علیہم السلام کی رسالتوں کا اعتراف کیا۔ چنانچہ اپنے عموم کے ساتھ وہ پوری انسانیت کے لیے مختص ہے، وہ معین طور پر کسی خاص قوم کے لیے نہیں اور وہ حاضر و مستقبل کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ [سبا:۲۸] (اور (اے نبیؐ) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے)۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ہر نبی مخصوص قوم کے لیے بھیجا جاتا اور میں عام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ ❷ اور مسلم کی روایت ہے: ''میں پوری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میرے ساتھ نبیوں کا سلسلہ تمام ہوا'' ❸ لہٰذا رسالت خاتمہ توحید کے پرچم تلے وحدتِ انسانیت کی دعوت ہے جس کی شناخت طبقہ، قوم، رنگ، نسل اور زبان کا اختلاف نہیں بلکہ وہ اس سب کچھ سے گزر کر انسانوں کے درمیان کامل مساوات اور اللہ کی طرف جانے والی راہ کے کارواں کی وحدت کو حقیقت کا روپ دیتی ہے۔ اور اس چیز کے پیش نظر کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت عمومی ہے، کی رسائی ہر اس مقام تک ہے جہاں دنیا آباد ہے اور زمانے میں اس وقت تک ہے جب تک کہ انسان باقی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی تحریف، تبدیل اور ضیاع سے حفاظت کی ضمانت دی ہے۔ اور اسی طرح سے اللہ کی دوامی کتاب (قرآن کریم) کی حفاظت کی گئی ہے اور چودہ صدیوں سے آنحضور ﷺ کی سنت کو محفوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ آئندہ نسلوں کی پہنچ میں ہے کہ وہ اسلام کی حقیقت، عقیدہ اور شریعت کی تفصیلات کا علم حاصل کریں، جیسا کہ پہلی نسلوں نے اختلاف کے بغیر اسے سمجھا۔ ارشاد باری ہے:؟ ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [الحجر:۹] (یہ ذکر، اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں)۔

---

❶ متفق عليه (صحيح البخاري: ٤/ ١٢٦)، صحيح مسلم، حديث نمبر: ١١٣٠.

❷ صحيح البخاري: ١/ ٨٦.　❸ صحيح مسلم: ١/ ٣٧١، حديث نمبر: ٥٢٣.

Marfat.com

دائمی رسالت محمدیہ کا معجزہ قرآن کریم ہے۔ یہ معجزہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور ہر زبان و مکان کے لیے اعجاز کا ایک مظہر ہے۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی رسالتیں عارضی اور زمان و مکان تک محدود تھیں اور ان کے معجزے حسی تھے جن کے وقوع کے وقت موجود ہونے اور اس کا مشاہدہ کرنے والوں کو جھکانا اور عاجز کرنا مقصود تھا، جیسا کہ حضرت موسیٰ کے معجزوں سے ظاہر ہے۔ جب انھوں نے عصا کو سمندر پر مارا تو پانی کے درمیان میں سے ان کے آگے گزرنے کا راستہ کھل گیا۔ نیز جس طرح حضرت عیسیٰ کے معجزات ہیں کہ وہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو درست کر دیتے اور اللہ کے حکم سے مردے زندہ کر دیتے، تو جس نے ان معجزات کو نہ دیکھا وہ حق کے آگے سرنگوں نہ ہوا اور نہ ہی اس نے نبی کی پیروی کی... لیکن رسول اللہ ﷺ کا معجزہ دوام رسالت کے لیے دائمی اور باقی رہنے والا ہے۔ وہ اللہ کی حفاظت کے ساتھ جب تک حیات باقی ہے، باقی رہے گا، ہر زمان و مکان میں روشن دماغ اس کے آگے سرنگوں رہیں گے اور باشعور دل اسے قبول کرتے رہیں گے۔ فصیح و بلیغ لوگ اس کی فصاحت و بلاغت کا مزا چکھتے ہی رہیں گے، اس فصاحت و بلاغت کے شاہکار نے اپنے نزول کے وقت اور اس کے بعد اہل عرب کو چیلنج کیا، جب کہ وہ سلاست لسانی کے مالک لوگ تھے، وہ صدیوں سے اس چیلنج کا جواب دینے سے عاجز چلے آرہے ہیں۔ ❶ نبی ﷺ نے اپنے اور اپنے سے قبل کے معجزوں میں فرق بتایا ہے: ''انبیاء میں سے ہر نبی کو نشانیاں دی گئیں جو حسی معجزات تھے، جب کہ مجھے وحی دی گئی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔'' ❷

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پیروؤں کی تعداد صدیوں کے دوران بڑھتی رہی ہے حتیٰ کہ وہ موجودہ دور میں دنیا کی پوری آبادی کا چوتھا حصہ ہیں۔ اگر وہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا اپنے عقائد اور نظم میں التزام کرتے اور دعوت دین کی اپنی ذمہ داری کو نباہتے تو انھیں آسمان و

---

❶ دیکھیے: اعجاز القرآن لابی بکر باقلانی.

❷ متفق علیہ۔ الفظ مسلم کے ہیں۔ (صحیح البخاری: ٩٧/٦، صحیح مسلم: ١/ ١٣٤، حدیث نمبر: ١٥٢.

Marfat.com

زمین کی برکتیں عطا کی جاتیں اور وہ دنیا میں اپنے لیے سعادت کو یقینی بنا لیتے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے مستحق ٹھہرتے۔

اسلام نے محمد ﷺ کی نبوت کے ساتھ نبوت کے جھوٹے مدعیوں کی راہ مسدود کر دی ہے اور دعوات باطلہ کی اشاعت کی راہوں کو معدوم کر دیا ہے کیونکہ اس نے ذہنوں کو انھیں قبول نہ کرنے کے لیے تیار کر دیا۔ نیز اس نے موروثی افکار کی راہیں کاٹ ڈالیں جو ظالمانہ حالات اور شر و فساد کا اس وقت تک کے لیے باقی رہنے کا دعویٰ کرتے ہیں حتیٰ کہ کسی نبی مرسل یا امام منتظر کا ظہور ہو۔ مسلمانوں کے لیے نبی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت کے مطابق جدید وحی کے انتظار کے بغیر دائمی عمل کے سوا کچھ اور باقی نہیں۔

قرآن حکیم --- رسول ﷺ کا دائمی معجزہ

قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو اس کے رسول ﷺ پر لفظاً و معناً نازل کردہ ہے۔ وہ تواتر نقل اور اللہ کے وعدہ حفاظت کے ساتھ قطعی الثبوت ہے۔ نبیؐ پر قرآن --- جسے اللہ تعالیٰ نے نور بنایا، جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں کو ہدایت دیتا ہے --وحی کیے جانے سے قبل آپ کتاب سے واقف تھے نہ ایمان سے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا، مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰـكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴾[الشوریٰ:۵۲] (اور اسی طرح (اے نبی) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمھاری طرف وحی کی ہے، تمھیں کچھ پتا نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے مگر اس روح کو ہم نے ایک روشنی بنا دیا ہے جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔ یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کر رہے ہو)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سوال کیا گیا: صراط مستقیم کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''محمد ﷺ نے ہمیں اس کے بہت قریب چھوڑا، اس کا ایک سرا جنت میں ہے تو اس کے دائیں بھی

Marfat.com

راستے ہیں اور اس کے بائیں بھی راستے ہیں۔ پھر لوگ ہیں اور ہر اس شخص کو بلاتے ہیں جو ان کے پاس سے گزرتا ہے، تو جس نے ان راستوں میں سے کوئی اختیار کر لیا وہ اسے جہنم میں لے گیا اور جس نے صراط مستقیم کو منتخب کیا وہ اسے جنت میں لے گیا۔'' پھر ابن مسعودؓ نے پڑھا ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ (یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمھیں پراگندہ کر دیں گے) [1] [آل عمران: ۵۳] اور احمد اور نسائی کی روایت ہمیں واضح کرتی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے صراط مستقیم کی یہ تعریف رسول اللہ ﷺ سے سیکھی، ابن مسعودؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا: یہ اللہ کی راہ ہے؛ پھر اس کے دائیں بائیں خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ راہیں ہیں جن میں سے ہر راہ پر ایک شیطان بیٹھا ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ تلاوت فرمائی۔

ابن مسعود کی بات کے معنی یہ ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو ان کے ہاتھوں سے پکڑ کر اس راہ پر لگایا جو جنت کی طرف لے جانے والی ہے اور انھیں روشن منزل اور واضح راہ پر چھوڑا، لیکن یہ راہ آخر تک استقامت کی طلبگار ہے اور اس سے ہٹے ہوئے کسی بھی دوسرے طریقے پر چلنا افراط، مبالغہ اور بال کی کھال اتارنے کا نتیجہ ہوگا یا تفریط، دین میں مین میخ نکالنے اور خواہشات نفس کی اتباع کا، جب کہ اہل حرص و ہوا اپنی دعوت اور دھوکا دہی کے ساتھ متفرق اور شاذ طریقوں پر چلانے کی کوشش کرتے ہیں جو انھیں جنت سے دور کر دیتے ہیں حالانکہ سنت کی راہ جنت کی طرف جانے والی مختصر ترین راہ ہے۔

اور وحی: کے معنی اشارہ ہیں، اور وہ لغت کے لحاظ سے: کسی چیز کی خفیہ آگاہی اور شرعی لحاظ سے وہ شریعت کی آگاہی ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعے سے انبیاء کے لیے اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے ساتھ مخصوص ہے یا واسطے کے بغیر دل میں معنی کا القا اور الہام ہے اور پردے کے پیچھے

---

[1] رزین نے عبداللہ بن مسعود سے موقوفاً روایت کیا ہے، اور امام احمد اور امام نسائی کے ہاں اس معنی کی روایت مرفوع آئی ہے۔

Marfat.com

سے رؤیت کے بغیر کلام ہے جیسا کہ موسیٰ سے کی گئی۔

اور رسول اللہ ﷺ جبریل کو دیکھا کرتے، ان کی حقیقی صورت میں، اور ایسا نادر ہی ہوتا یا بشری کی صورت میں ظہور کے ساتھ۔ وہ آپؐ سے کلام کرتے، آپؐ اسے سمجھ لیتے اور یاد کر لیتے۔ یہ وحی آپؐ پر آسان تر تھی۔ بعض اوقات آپؐ جبریل کو نہ دیکھتے مگر ان کے آنے پر ایک گرج اور شدید گھنٹی سنتے اور آپؐ کے پاس موجود صحابہؓ جسم کے بوجھل ہونے اور جبین مبارک سے پسینے کے پھوٹ پڑنے سے سمجھ لیتے کہ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی ہے اور بعض اوقات آپ اپنے چہرہ اقدس کے پاس شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح کی آواز سنتے اور گھنٹی کی آواز آپ پر شدید ہوتی۔ جب جبریل اپنے رب کا پیغام پہنچا چکتے تو نبیؐ اپنی معمول کی حالت پر آ جاتے۔ نبی ﷺ کا حفظ قرآن کا شوق ایک طرف اور آپ پر وحی کی شدت دوسری طرف۔ چنانچہ آپؐ کی جبرائیل سے قراءت کے حصول میں کشمکش کی کیفیت ہو جاتی اور آپؐ اسے یاد کرنے کے شوق میں اس کی تکمیل تک صبر نہ فرماتے مبادا اس کا کوئی حصہ حفظ ہونے سے رہ جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ﴾ [القیامہ ۱۶، ۱۷] (اے نبی! اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو، اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے) حضرت عائشہؓ سے بخاری و مسلم کی روایت ہے: ''نبی کریم پر وحی کی ابتدا نیند میں سچے خوابوں سے ہوئی اور جو خواب آپؐ دیکھتے وہ روزِ روشن کی طرح سامنے آ جاتا'' ❶ حضرت عائشہؓ کی حدیث وضاحت کرتی ہے کہ نبیؐ کے خواب وحی ہوا کرتے اور پہلی وحی رسول اللہ ﷺ کو مانوس کرنے کے لیے تھی، کیونکہ وہ روح بشری پر سب سے خفیف واقع ہوئی، نیز اس لیے بھی کہ آپؐ بیداری کی حالت میں شدید قسم کی وحی کو وصول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ وحی محمدی سابقہ انبیاء کی وحی ہی کی مانند تھی، اس میں کوئی فرق نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ

❶ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ فتح الباری: ۱/۲۳۔

Marfat.com

اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ، بَعْدِہٖ﴾[النساء:۱۶۳] (اے نبی، ہم نے تمھاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اس کے بعد پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی)۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ نے غار حرا میں عزلت کو پسندیدہ بنا دیا تھا جہاں آپ حنیفیت کی اتباع میں عبادت کرتے جو ابراہیم کا دین تھا۔ آپؐ غار میں ایک مہینہ رہتے پھر اپنے اہل کی طرف لوٹتے اور اسباب کو اختیار فرماتے ہوئے طعام کا زاد لیتے۔ آنحضور کی غار میں آمدورفت ہوتی رہی تا آنکہ رمضان کے مہینے میں نماز میں اعتکاف کی حالت میں وحی آئی اور فرشتہ نے آپؐ سے کہا: کہ ''پڑھیے۔'' آپؐ نے کہا: ''مجھ سے پڑھا نہیں جاتا۔'' رسول اللہ امی تھے اور پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ ناخواندگی آپؐ کے اعجاز کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سابقہ کتابوں سے اخذ کرنے کے شبہ سے دور رکھا۔ چنانچہ فرشتے نے پڑھنے کا دوبارہ مطالبہ کرتے ہوئے آپ کو پکڑ کر زور سے بھینچا اور وضاحت کی کہ آپ زبانی پڑھیں جو پہلے آپ کے حفظ میں نہیں ہے، بلکہ آپ اس آن اللہ کے امر سے سیکھیں گے۔ وہ سورت ''العلق'' کی ابتدائی پانچ آیات تھیں۔ اور یہ پہلی وحی تھی جو قرآن میں سے علی الاطلاق نازل ہوئی، باقی ''العلق'' اس کے دو سال بعد نازل ہوئی۔ پہلی سورت جو مکمل طور پر اتری، مشہور ہے کہ وہ سورۃ الفاتحہ ہے۔

نبی کریم ان پانچ آیات کو لے کر دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ گھر آئے اور اپنی زوجہ مطہرہ سے کہا کہ آپ کو کپڑا اوڑھا دیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، حتیٰ کہ آپ کا خوف جاتا رہا۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو معاملہ کی خبر دی۔ آپ کو جو وحی کی گئی اس کا آپ کو پہلے کبھی خیال تک نہ گزرا تھا، بلکہ یہ اچانک ہوا جس کے آپؐ ہرگز امیدوار نہ تھے۔ جب آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے اپنے خوف کا اظہار کیا تو انھوں نے حلفاً کہا: اللہ تعالیٰ آپؐ کو ذلت، ہلکے پن، اور فضیحت کا کبھی سامنا نہ کرنے دے گا، انھوں نے آپؐ کے حسن اخلاق، آپ کی صلہ رحمی، اقربا سے نیکی اور احسان، محتاجوں کی امداد، آپ کے عالی قدر معاملات اور مکرمات کی طرف سبقت، مہمان کا احترام اور حق دار کی حق رسی جیسی صفات کا ذکر کیا۔ جس کی یہ شان ہو، اللہ اس کو ذلیل نہیں کرتا، بلکہ اسے بلند مقام پر فائز کرتا ہے۔

Marfat.com

پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ نصرانی تھے اور عربی و عبرانی زبانوں کے عالم اور تورات وانجیل سے واقف تھے۔ نیز انھیں تورات کو عبرانی سے عربی میں منتقل کرنے کی مہارت حاصل تھی۔ وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور تجربات نیز کتابوں پر نظر نے انھیں صیقل کر دیا تھا۔ جب انھوں نے نبی سے وہ کچھ سنا جو آپؐ نے دیکھا تھا تو وہ معاملے کی حقیقت کو سمجھ گئے اور خوش ہوئے کہ وہ اسی طرح کی وحی ہے جسے موسیٰ وصول کیا کرتے تھے۔ ورقہ نے اس تمنا کا اظہار کیا: کاش! ان کا شباب لوٹ آئے اور وہ قوم کے مقابلے میں نبیؐ کی نصرت کریں جب وہ آپ کو مکہ سے نکالے۔ پھر ورقہ نے اپنے بڑھاپے کے باعث اسے ناممکن سمجھا اور یہ خواہش کی کاش! وہ دن ہی انھیں نصیب ہو جائے۔

نبی ﷺ کو ورقہ کا یہ کلام بڑا عجیب سا لگا۔ حالانکہ آپ کی قوم آپؐ سے محبت کرتی اور آپ کو صادق اور امین کے نام سے پکارتی تھی، لہٰذا وہ آپ کو آپؐ کے اپنے شہر سے کیسے نکال دے گی۔ چنانچہ آپؐ نے ورقہ سے پوچھا: کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ تو ورقہ نے کھل کر بتایا: ''یہ دنیا کی ریت ہے، کوئی ایسا نبی نہیں ہوا کہ جس نے اپنی قوم کو جاہلیت چھوڑنے اور عبادت و اطاعت میں اللہ کی وحدانیت کی دعوت دی ہو اور قوم نے اسے ستایا نہ ہو۔

چنانچہ ورقہ وفات پا گئے اور وحی کچھ عرصہ کے لیے رک گئی۔ شعبیؒ نے کہا ہے کہ یہ اڑھائی سال کا وقفہ تھا۔ نبیؐ وحی کے رک جانے پر رنجیدہ خاطر ہوئے حتیٰ کہ وحی دعوت وانذار کا حکم دیتی ہوئی پلٹ آئی۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ [المدثر:۱ تا ۵] (اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو)۔ وحی کا یہ نزول حضرت خدیجہؓ کے گھر میں ہوا۔

اس طرح سے رسالت کے مرحلے کی ابتدا ہوئی اور اس سے قبل تین سال مرحلہ نبوت میں گزرے۔ اور محمد ﷺ کی نبوت کے ساتھ اللہ عزوجل کے علم کے سرچشمے سے انسانیت واقف ہوئی۔ باطل نہ اس کے آگے سے آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی

Marfat.com

حفاظت کی ضمانت دے رکھی ہے تاکہ وہ جہان بھر کی نسلوں کے لیے راہ حق کو روشن رکھے اور انھیں صراط مستقیم دکھائے رکھے۔ وہ راستہ جو اللہ عزیز و حکیم کا راستہ ہے۔

قرآن کی حفاظت -- اللہ کی ضمانت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی ضمانت لے رکھی ہے کہ جو کچھ اس میں ہے اس میں کوئی اضافہ نہ کیا جائے گا اور نہ اس کے احکام، حدود اور فرائض میں کوئی کمی کی جائے گی۔ جب تک قرآن رسالت اسلامیہ کا دستور ہے اور جب تک وہ ہر زمان و مقام میں پوری انسانیت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ ہمیشہ رہنے والی کتاب ہے۔ قرآن کی حفاظت اور اس کا دوام خود رسالت کے دوام کے لیے لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹] (یہ ذکر، اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں)۔ اور فطرت اسلام کے پیش نظر کہ انسان ذمہ داری کا حامل ہے لہٰذا اس سے حق تک رسائی کے لیے، عقیدہ کی محافظت اور رسالت کی راہ میں جہاد کا مطالبہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت اور اس کے خلود کے تمام لوازم کا اہتمام کیا ہے۔

جب سے جبرئیل امین نے نبی امین کی سماعت پر آیات قرآن کا نزول کیا، اس وقت سے آیات کریمہ نے واضح کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان آیات کے لیے نبی ﷺ کی حفاظت کی ضمانت لیتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا کہ آپ آیات وحی کے ذہن سے نکل جانے اور اسے یاد نہ کر پانے کے خوف سے اس کی طرف توجہ میں حد سے بڑھی ہوئی جسم و جان کی قوتوں کو صرف نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ [القیامہ ۱۶ تا ۱۹] (اے نبیؐ! اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو، اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے، لہٰذا جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں اس وقت تم اس کی قراءت کو غور سے سنتے رہو۔ پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے)۔

Marfat.com

نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کو حفظ کیا، جبرائیل ہر سال رمضان میں قرآن آپؐ پر پیش کرتے اور آپؐ کے ساتھ دہراتے۔ آنحضور ﷺ کی دور سے ہی نازل شدہ آیات کو کاتب صحابہؓ کو املا کروا دیا کرتے۔ کاتبین وحی کی تعداد انتیس تک پہنچ گئی تھی، جن میں سے ابوبکر، عمر، عثمان، علی، زبیر بن العوام، سعید بن عاص، عمرو بن عاص، ابی بن کعب، معاویہ بن ابی سفیان اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم تھے۔ زیدؓ اس عظیم مہم سے سب سے زیادہ منسلک رہنے والے تھے۔ کتابت زیادہ تر چمڑے کے ٹکڑوں پر ہوتی، چوڑی ہڈیوں، کھجور کے چھلکوں اور پتھروں کے صاف ٹکڑوں پر لکھا جاتا، جب کہ اس زمانے میں البردی [1] زیادہ میسر نہ تھی۔

کاتبین وحی جتنا لکھ لیتے اسے اپنے پاس محفوظ کر لیتے اور خود رسول اللہ ﷺ کے پاس لکھا ہوا نہ تھا۔ آنحضور کی زندگی میں قرآن انصار کے چار اصحابؓ نے جمع کیا۔ ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابوزیدؓ۔ [2] لیکن وہ ان کے پاس متفرق رقعوں میں تھا اگرچہ ان کا مجموعہ قرآن کے کامل متن پر مشتمل تھا جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے املا کرایا تھا اور وہ صحابہؓ کی کثیر تعداد کے سینوں میں تواتر کی حد تک بھی محفوظ تھا۔

بعض صحابہؓ کو یہ اعزاز حاصل ہے، جب کہ جبریل نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے سال رمضان میں دو مرتبہ قرآن کریم کا آپؐ کے ساتھ دور کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے بعض صحابہؓ کے سامنے بیان کیا جن میں سے ایک زید بن ثابتؓ ہیں اور اس اہم ''ہدف'' کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ دائمی قرآن کے متن کا اظہار ہے، ان آیات کو چھوڑ کر جن کی تلاوت کو منسوخ کر دیا گیا۔ اور یہ وہ ذمہ داری تھی جس کے تصور سے حضرت زیدؓ کو پسینہ آ گیا تاہم انھیں مکمل قرآن کے جمع کر کے لکھنے کی ذمہ داری خلیفہ ابوبکرؓ کے حکم سے قبول کرنی پڑی اس مشورہ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے جس کا مشورہ عمرؓ بن خطاب نے انھیں دیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زیدؓ سے کہا: ''تم دانش مند جواں مرد ہو، تم پر کوئی الزام نہیں۔ تم رسول اللہ ﷺ سے وحی لکھا کرتے تھے،

---

[1] نرکل کی طرح کا ایک پودا جس کے چھلکے سے لکھنے کا کام لیا جاتا۔

[2] صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من اصحاب النبیؐ ۹/۴۷ اور کتاب المناقب، باب مناقب زید بن ثابت ۷/۱۲۷۔

Marfat.com

لہٰذا قرآن کو جمع کرنے کی ذمہ داری لو [1] چنانچہ حضرت زیدؓ نے نہایت عمدہ اسلوب سے اس مہم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں لکھا گیا تھا، پر انحصار کیا۔ وہ لکھے جانے پر دو شخصوں کو گواہ بناتے کہ مکتوب خود رسول اللہ ﷺ کا املا کرایا ہوا ہے اور یہ کہ وہ اپنی آخری صورت میں تنزیل کردہ وحی کا ایک جزو ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کو بار اول خلافتِ صدیقی میں مکمل طور پر جمع کیا گیا۔ پھر یہ مصحف جناب صدیقؓ سے عمرؓ بن خطاب کی طرف منتقل ہوا، جنھوں نے اپنی شہادت کے وقت اسے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے سپرد کر دیا۔ پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے اس مصحف --- جو حضرت حفصہؓ کے پاس تھا -- پر اعتماد کرتے ہوئے آخری مرتبہ جمع کرنے کی ذمہ داری لی اور زید بن ثابتؓ جنھوں نے پہلے وحی کے جمع کرنے کا کام کیا تھا، عبداللہ بن جبیرؓ، سعیدؓ بن عاص اور عبدالرحمنؓ بن حارث بن ہشام پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی۔ آخری تین حضرات قریش میں سے تھے جب کہ زید بن ثابتؓ انصاری تھے اور مجلس کی ہیئت جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے اس کے طریق کار کے متعلق وضاحت فرمائی: ''جس میں تمھارا زیدؓ سے اختلاف ہو، اسے قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ وہ ان کی زبان میں اترا ہے۔''

اس کمیٹی نے اپنا کام کامیابی کے ساتھ کر لیا اور چھ مصاحف تیار کیے گئے۔ ان میں سے چار مکہ، شام، کوفہ اور بصرہ میں رکھے گئے۔ پانچواں مصحف مدینہ میں اور چھٹا حضرت عثمانؓ کے اپنے پاس رہا۔ چنانچہ آنے والے وقتوں میں مصاحف ان ہی سے نقل کیے گئے۔ یہ رسم الخط حضرت عثمانؓ بن عفان کی نسبت سے (الرسم العثمانی) کہلایا۔

مسلمان علماء طویل صدیوں کے دوران قرآن کریم کے بارے میں عظیم خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ انھوں نے رسم عثمانی والے مصحف میں نقطوں اور شکلوں کا اضافہ کیا جو ان سے خالی تھا۔ یہ سعادت ابوالاسود الدولی کو ملی کہ انھوں نے حروف پر نقطے لگائے تاکہ وہ باہم ممیّز ہو جائیں۔ اور نصر بن عاصم اللیثیؒ اور یحییٰ بن یعمر العدوانیؒ نے حروف پر حرکات لگانے کا

---

[1] صحیح البخاری: ۶/۹۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: الاتقان سیوطی: ۶۰۔

Marfat.com

اعزاز حاصل کیا تا کہ ان میں لحن نہ پیدا ہو۔ آخر میں خلیل بن احمد الفراہیدیؒ تھے جنھوں نے مصحف کو موجودہ صورت دی۔ مصحف کی خدمت میں علماء کی مساعی نقطے لگانے اور اسے شکل دینے تک ہی محدود نہ تھیں، انھوں نے وقف وابتدا کے مقامات سمجھائے اور قرآن کریم کی خدمت کے لیے تفسیر، علوم القرآن، تجوید، معرفت قراءت، شرح غریب القرآن اور اعراب القرآن جیسی متنوع خدمات بھی انجام دیں۔ چنانچہ علوم قرآنیہ کا ایک اہم مکتبہ وجود میں آ گیا۔ بعد میں آنے والے علما اس کے حفظ و بیان میں اللہ تعالیٰ کے ارادے کی تحقیق میں سابقین کی مساعی میں مسلسل اضافہ کر رہے ہیں اور طویل زمانوں میں بڑی مہارت اور عمدگی کے ساتھ حفظ قرآن مشرق و مغرب میں علمائے منصفین کے لیے حیرت واعجاز کا مظہر ہے۔ چنانچہ ''لوبلوا'' کہتے ہیں: کون ہے جو اس بات کا متمنی نہ ہو کہ عیسیٰ کے تلامیذ میں سے کوئی تو ہوتا جو آپ کی وفات کے بعد بلا تاخیر آپ کی تعلیمات کو مدون کر دیتا۔

دراصل یہ ساری مساعی جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے لیے مفید بنائی، یہ اس وعدہ کا ایفا تھا جو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کیا تھا اور اس نے مکمل طور پر قرآن کے متن کو نسل درنسل آج کے دن تک ایسے وقت میں پہنچایا ہے جب کہ دیگر جملہ آسمانی کتابیں، جو انبیاء کی زندگیوں کے طویل زمانوں کے بعد لکھی گئیں، تحریف شدہ ہیں۔

قرآن حکیم مسلمانوں کی عقول وارواح کو غذا پہنچاتا ہی رہا ہے اور ان کے دلوں میں زندگی کی مشکلات کے سامنے طمانیت وقدرت مہیا کرتا رہا ہے۔ وہ تہذیب کی تعمیر، تمدن کی مضبوطی اور اس بارے میں اسباب مہیا کرنے کے لیے ان میں شدید خواہش پروان چڑھاتا رہا ہے۔ اس نے اخلاق کے ضابطوں، اجتماعیت کے اصولوں، عدل کے قیام اور معاشرے کی فضا میں اور روح میں امن وسکون کو یقینی بنانے کے لیے قانون سازی کی۔

اس کے علاوہ اس نے امت مسلمہ کی وحدت کے لیے عربی زبان کی حفاظت کی اور اپنے آداب کے ساتھ مسلمانوں کی ثقافت، ان کے اخلاقی واجتماعی معیار اور ان کے ادبی وفنی ذوق میں یکجہتی وہم آہنگی پیدا کرنے میں اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی تعجب نہیں جب

Marfat.com

مغربی مفکر ڈاکٹر ''نوریس'' نے اپنی حیرت کی تعبیر یوں کی ہے: ''بلاشبہ قرآن افضل کتاب ہے جسے کارساز ازلی نے نوع بشر کے لیے بھیجا ہے۔''

انسان کی بصیرت میں قرآن کا اثر

قرآن مومن کے لیے حق و خیر کو پیش نظر رکھنے کے لیے وسیع آفاق کھولتا ہے جب بندہ راہ ہدایت و مجاہدہ نفس اختیار کرتا ہے اور اس کے معروف کو لازم کر لیتا ہے اور اس کے منکر سے دور رہتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر اس کو اس سنت پر قائم کرتا ہے جس پر محمد ﷺ نے قائم کیا تھا اور بدعت سے اسے دور رکھتا ہے۔ نفس کا یہ مجاہدہ اور اس کے ساتھ ہدایتِ و نور کی راہوں کا اختیار کرنا بلندی و ارتقا اور روشنی کے لیے نفس کے سامنے آفاق کی وسعتوں کو وا کرتا ہے، جیسے جیسے مجاہدہ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے بصیرت قوی ہوتی جاتی ہے اور انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی معرفت بڑھتی جاتی ہے۔ پھر اسے اپنی ذات اور اردگرد کے جہان کی زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل ہوتی جاتی ہے۔

اوامر کی تعمیل اور مواعظ کا اتباع دنیا و آخرت میں عظیم اجر کا باعث بنتا ہے اور ہدایت اور استقامت کا ساتھ راہ حق پر لے جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے نفسوں کی تربیت کریں اور اپنے سلوک کے محرکات کا تجزیہ کریں، اپنے نفس کے احساسات کا جائزہ لیں اور اپنے اعمال کی نیتوں کی نگرانی کریں۔ قرآن کریم کی آیات نفس کی کجیوں کی مسلسل نشاندہی اور قوت اور کمزوری کے پوشیدہ مقامات کا انکشاف کرتی رہی ہیں۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾[العنکبوت:٦٩] (جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انھیں ہم اپنا راستہ دکھائیں گے)۔ نیز فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾[محمد:١٧] (وہ لوگ جنھوں نے ہدایت پائی ہے اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انھیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرماتا ہے) نیز فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ

Marfat.com

خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا○ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾[النساء:٦٦،٦٧] (اگر یہ اس پر عمل کرتے تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتری اور زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا اور جب یہ ایسا کرتے تو ہم انھیں اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتے اور انھیں سیدھا راستہ دکھا دیتے)۔

اس ہدایت نے اسلام میں علم نفسیات کے مکتبہ فکر کے ظہور کے لیے مہمیز کا کام دیا۔ یہ وہ علم ہے جس کا پودا اولین مسلمانوں نے لگایا تھا جبکہ بعد والوں نے اس کی آبیاری میں غفلت سے کام لیا، چنانچہ وہ اپنے اہداف کے حصول کے لیے تہذیب مغرب کے سایے میں رہا اور اسی کے مفاہیم سے متاثر ہوا، اور وہ اس اصل راہ سے ہٹ گیا جس پر قرآن نے اپنے پیروکاروں کو لگایا تھا اور اس جاہلی صورت میں مسلمانوں نے اسے مغربی ثقافت سے درآمد کیا جس سے اسے انفرادی تحلیل نفسی کے مکتبہ کے ہاں انسان کی صورت اور اس کے سلوک کے محرکات کے بگاڑنے میں بڑا دخل حاصل ہے۔

احساسات، جو ارتکاب جرم کے وقت مجرم کو آمادہ جرم کرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں ان کا آغاز نفس کی انگیخت سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے باپ کی زبان پر فرمایا ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾[یوسف:۸۳] (دراصل تمھارے نفس نے تمھارے لیے ایک اور بڑی بات کو سہل بنا دیا۔ اچھا، اس پر بھی صبر کروں گا، اور بخوبی صبر کروں گا)۔ جو شخص قرآن میں یوسف علیہ السلام کا قصہ پڑھتا ہے وہ یوسف کے بھائیوں کے دلوں میں چھپے ہوئے بغض وحسد کا دقیق تجزیہ پاتا ہے اور حضرت یعقوب کے رحمت ومحبت کے پدری جذبات اور اللہ اور اس کی رحمت سے ناامیدی کی نفی پاتا ہے۔ نیز بعض عورتوں کی شخصیت کا تجزیہ ملاحظہ کرتا ہے جس سے اس زمانے کے مصر کے حکمران طبقے کا تعلق تھا، بلکہ وہ نبوت کے خواب کی تعبیر پڑھتا ہے جو وحی کا ایک جزو ہے۔

اور قابیل کے اپنے بھائی ہابیل کے قتل کے قصے میں ہمیں زمین پر حسد کے سبب سے پہلے جرم کے محرکات کی خبر ملتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ایک بھائی کی قربانی کو قبول فرماتا ہے اور

Marfat.com

دوسرے کی نہیں۔ اس میں ارتکاب جرم کا وہ نفسیاتی محرک ظاہر ہوتا ہے جس میں نفس امارہ اپنا کردار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَطَوَّعَتْ لَه، نَفْسُه، قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَه، ﴾ (آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لیے آسان کر دیا اور اس نے اسے قتل کر دیا) [المائدۃ:۳۰] لیکن اپنے اس کیے پر وہ بہت جلد نادم ہوا اور اس نے مقتول کے ساتھ نیکی کا ارادہ کیا اور اسے کوے سے دفن کا طریقہ سیکھنے میں کوئی عار محسوس نہ ہوئی۔ ﴿قَالَ يٰوَيْلَتٰى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ﴾ [المائدۃ:۳۱] (وہ بولا: افسوس مجھ پر، میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا)۔

اس طرح آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے قصے نے نفس امارہ اور نفس لوامہ کو ایک سریع سرسری تصویر میں دکھا دیا۔ وہ مختصر الفاظ میں انسان کی نفسیاتی گہرائیوں کا انکشاف کرتا اور اسے اس کی اپنی ذات سے متعارف کراتا ہے۔ چنانچہ اساسی عقائد کے تعین سے جو گمراہی میں پڑنے، زندگی کی بے مقصدی اور وجود کے بے فائدہ ہونے کے احساس، یا دنیا کی حقیقت سے ناواقفیت جس کے باعث بیسویں صدی کی کثیر تعداد کی قربانیاں ضائع ہوئیں جب خلق وحیات کے اہداف متعین کرنے میں وہ حقائق دین، انسان کی منزل اور منزل کی تعیین پر مترتب ہونے والے اخلاقیاتِ سلوک کو ضائع کر بیٹھے، سے بچاتی ہے۔ اس کے ساتھ انسان کی صحیح فکر کا پہلو ترقی کرتا ہے۔ ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ [المؤمنون:۱۱۵] (کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمھیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمھیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں)۔ خود انسان کی تعریف میں قرآن کا منہج حق وصراحت پر مرکوز ہے۔ وہ منفی پہلوؤں کو بھی اسی طرح اجاگر کرتا ہے جس طرح کہ مثبت پہلوؤں کو۔ اور واضح کرتا ہے کہ منفی ومثبت پہلو نفس کی گہرائیوں میں چھپے ہوتے ہیں اور وہ دونوں اس کے اندر باہم رہتے ہیں، اور ایسا ہوتا ہے کہ ایک پہلو دوسرے پر غالب آ کر اپنی قوت سے اس پر چھا جاتا ہے اور دوسرا پہلو انسان کی گہرائیوں میں باقی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ (نفس انسانی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا۔ پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری

Marfat.com

اس پر الہام کردی)[الشمس:۷] واضح رہے کہ سرکشی انسان کو کفر اور اللہ تعالیٰ سے بے اعتنائی کی طرف لے جاتی ہے۔ ﴿ کَلَّآ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰی○ اَنۡ رَّاٰہُ اسۡتَغۡنٰی﴾[العلق:۶،۷] (ہرگز نہیں انسان سرکشی کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے) اور فرمایا: ﴿وَقَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ﴾[سبا:۱۳] (میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں)۔ نیز فرمایا: ﴿ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ﴾[العادیات:۶] (حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے)۔ نیز فرمایا ﴿قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَکۡفَرَہٗ ﴾[العبس:۱۷] (لعنت ہو انسان پر، کیسا سخت منکر حق ہے)۔

قرآن کریم انسان کے وجود کی حقیقت کو واضح کرتا ہے اور اس زندگی میں اس کی مشکلات اور اس کی الجھنوں کے مصدر کا اظہار فرماتا ہے جب کہ وہ سختی، مشکل اور مشقت کے لیے پیدا ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ﴾[البلد:۴] (درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا)۔ چنانچہ دنیا امتحان، ابتلا اور آزمائش کا مقام ہے اور انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی اطاعت، عبادت اس کے شکر اور اس سے استفادہ کے ساتھ اپنے دل و جان کی نجات کی کوشش کرے۔ ﴿ وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ (اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر جس کی اس نے سعی کی ہے)۔[النجم:۳۹] نیز فرمایا: ﴿کَذٰلِکَ نَجۡزِیۡ مَنۡ شَکَرَ﴾[القمر:۳۵] (یہ جزا دیتے ہیں ہم اس شخص کو جو شکر گزار ہوتا ہے)۔ نیز فرمایا: ﴿ اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا﴾[نوح:۱۰] (اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے)۔ انسان میں جس طرح نافرمان بننے کا امکان ہے، ایسے ہی اللہ کی جناب میں جھکنے اور عاجزی اختیار کرنے کی صلاحیت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں فرمایا: ﴿ فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَہٗ فَاَطَاعُوۡہُ﴾[الزخرف:۵۴] (اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انھوں نے اس کی اطاعت کی)۔ اس طرح سے قرآن نے طغیان کی بھی نکیر کی ہے اور تذلل کی بھی۔ اور معاشروں میں دونوں قسم کی باہم رہنے والی مخلوقات ہیں جہاں ایک پائی جاتی ہے وہاں دوسری بھی پائی جاتی ہے۔ حق و عدل اور خیر و رحمت کے التزام میں داعی الی اللہ

Marfat.com

کی دعوت پر لبیک کہے بغیر کوئی نجات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَ مَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ ﴾ [الاحقاف:۳۲] (اور جو کوئی اللہ کے داعی کی بات نہ مانے، وہ زمین میں خود کوئی بل بوتا نہیں رکھتا ہے کہ اللہ کو زچ کر دے)

جب انسان اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے وہ اپنے رب سے پہلو تہی کر لیتا ہے حالانکہ واپسی کے لیے توبہ کا دروازہ تو کھلا ہی ہے۔ ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ﴾ [الزمر:۵۳] (اے نبی، کہہ دو کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے)۔

چونکہ نفس امارہ کی جبلت برائی کی ترغیب ہے لہٰذا انسان سے اس سے پرہیز اور مقابلہ کرنے کا تقاضا کیا گیا ہے۔ ورنہ وہ خطرے میں پڑے گا اور اپنی ذات یا آس پاس رہنے والوں یا اللہ کے حق کے بارے میں جرم کا ارتکاب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ﴾ [یوسف:۵۳] (نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے) اور برائی آنکھوں کے سامنے ظاہر نہیں ہوتی بلکہ وہ تزئین و تحسین کے ساتھ مکر و فریب میں چھپی ہوتی ہے۔ اس کا انکشاف، علم، ثابت قدمی اور اسے قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں جانچ پرکھ کرنے سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ [الانعام:۴۳] (اور شیطان نے انھیں اطمینان دلایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، خوب کر رہو) اور قرآن حکیم نے اس تزئین کو وسوسہ سے موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴾ [الناس:۵،۶] (وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے)۔ نیز فرمایا: ﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ ﴾ (پھر شیطان نے ان کو بہکایا) [الاعراف:۲۰] اس میں شک نہیں کہ لوگوں کو خیر خالص اور حق محض کی معرفت کی قدرت حاصل ہے، بلکہ ان کی بصیرت، شریعت کی معرفت اور خیر و شر کے امتیاز کا التزام بھی کرتی ہے، اور جیسے جیسے ان میں بصیرت پیدا ہوتی ہے ان کے تقویٰ میں اضافہ ہوتا ہے

Marfat.com

اور شریعت اور اس کے حدود کی معرفت بڑھ جاتی ہے۔ شیطان کے وساوس، اس کی تزئین اور نفس امارہ کی دراندازیوں اور چالوں کی نسبت، حق کے عطایا اور خیر کے احساسات کے امتیاز تک ان کی قدرت بڑھتی جاتی ہے۔ اور جو اللہ سے غافل ہوا اور جس نے لاعلمی کے بہانے احکام شریعت کی معرفت حاصل کرنے میں تساہل سے کام لیا وہ معذور نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے جن کے ہاں خیر وشر خلط ملط ہو کر رہ جاتا ہے اور وہ معاملات کو صحیح طور پر دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴾ (اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں) [الکہف:١٠٤] نیز فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ﴾ [فاطر:٨] ((بھلا کچھ ٹھکانہ ہے اس شخص کی گمراہی کا) جس کے لیے اس کا برا عمل خوش نما بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھ رہا ہو؟)۔

لہٰذا وہ کیسے معذور ہو سکتا ہے جسے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت پہنچ گئی جب کہ اس میں وضاحت ہے، سامان بصیرت ہے، معرفت ہے اور تذکیر ہے۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے: شیطان آدمی کا ساتھی بنتا ہے اور فرشتہ بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے تو جو شیطان ہے وہ اسے شر اور تکذیب حق کے ارتکاب کی خاطر دھمکاتا ہے لیکن اس کا رفیق فرشتہ اسے خیر اور تصدیق حق کے لیے خوف دلاتا ہے، تو جو آدمی یہ صورت پائے تو سمجھ لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جو دوسری صورت پائے وہ اللہ تعالیٰ کی شیطان سے پناہ مانگے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴾ [البقرۃ:٢٦٨] ❶ (شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے) لیکن خیر وحق کی معرفت جس کا گزر قلب مومن میں ہوتا ہے، اس کا اہتمام دین کے عقیدے، شریعت کی معرفت، نظریے اور اس کی تطبیق کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بندوں کی تبصیر اور ان کے سامنے صراط مستقیم کو روشن کرنے کے لیے بھیجا۔ ﴿ وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴾ [النور:٤٠] (جسے اللہ نور نہ بخشے، اس کے لیے پھر کوئی نور

❶ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ السنن: ٥/٢١٩، ٢٢٠۔

Marfat.com

نہیں)۔

قرآن تعارض سے پاک ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کے پہنچانے والے رسول کا کلام ہر اس تعارض سے پاک ہے جو انسان کے کلام میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ (اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی) [النساء:۸۲] اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے۔ اختلاف اس میں واقع ہوتا ہے جو علمی طور پر احاطہ کرنے سے قاصر ہو یا جزئیات سے بے خبر ہو۔ نتیجتاً مقرر شدہ اصول سے ہٹ جائے یا استقراء کے ہاں رکا رہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ جس کا علم ہر چیز پر محیط ہے، جس کی نظر سے زمین و آسمان میں رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی چیز اوجھل نہیں ہوتی، اس کے قول میں تناقض و اختلاف کا ہونا محال ہے، اور اسی طرح سے رسول اللہ ﷺ کے کلام میں تضاد کا ہونا ناممکن ہے۔ اور نہ ہی ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ کا بعد والا قول، آپؐ کے پہلے والے قول کو منسوخ کرے، کیونکہ نسخِ کتاب و سنت نزولِ قرآن کے زمانے میں باہم ہوا۔ لیکن انسان اللہ اور اس کے رسولؐ سے ملنے والے علم کے فہم کی کمی یا نصوص کی کثرت کے باعث ان کے عدم احاطہ سے یا اس کے ان تک پہنچ نہ سکنے سے، یا اسے انھیں پورا سمجھ نہ پانے سے، یا ان کی اچھی یا صحیح توجیہہ نہ کرنے سے، یا اس کے لغت کے علم کی کمی یا اس کی نحوی ترکیب میں عدم مہارت سے، یا تعارض کے ازالہ کے قواعد کی عدم معرفت سے، علمائے محدثین اور اصول فقہ کے ماہرین نے جن کے اصول وضع کیے ہیں، اور جن پر انھوں نے "تأویل مختلف القرآن" اور "تأویل مختلف الحدیث" کے عنوان قائم کیے ہیں، ان سے قاصر رہ جاتا ہے۔

سمجھدار مومن بحث، استنباط اور ترجیح کے معاملے میں صالح اسلاف کا اتباع کرتا ہے؛

Marfat.com

ورنہ تفسیر واحادیث کی ضخیم کتابوں میں ہزاروں روایتوں کے درمیان بھٹکتا رہ جاتا ہے اور اگر عقیدے اور شرعی امر کے فہم کا دروازہ اس پر بند ہو جائے تو وہ اس طرح کہے جیسا کہ ہمارے رب نے ہمیں سکھایا ہے ﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ﴾ (جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں، وہ کہتے ہیں: ''ہمارا ان پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں) [آل عمران:۷]

کیا اعجاز قرآن ریاضی کا مرہون منت ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ○ لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ ○ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ○ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ○ؕ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓىِٕكَةً وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۙ لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا وَّ لَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِیَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴾ (عنقریب میں اسے دوزخ میں جھونک دوں گا۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دوزخ؟ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے۔ کھال جھلس دینے والی۔ انیس کارکن اس پر مقرر ہیں-- ہم نے دوزخ کے لیے کارکن فرشتے بنائے ہیں اور ان کی تعداد کو کافروں کے لیے فتنہ بنا دیا ہے تاکہ اہل کتاب کو یقین آ جائے اور ایمان لانے والوں کا ایمان بڑھے اور اہل کتاب اور مومنین کسی شک میں نہ رہیں اور دل کے بیمار اور کفار یہ کہیں کہ بھلا اللہ کا اس عجیب بات سے کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اس طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخش دیتا ہے۔ اور تیرے رب کے لشکروں کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا-- اور اس دوزخ کا ذکر اس کے سوا کسی غرض کے لیے نہیں کیا گیا ہے کہ لوگوں کو اس سے نصیحت ہو) [المدثر:۲۶ تا ۳۱] یہ آیات ولید بن مغیرہ کے اسلام سے متعلق موقف کے ضمن میں سورہ ''المدثر'' میں نازل ہوئیں۔ قرآن میں اس کا قول ہے ﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

Marfat.com

یُّؤْثَرُ﴾[المدثر:۲۴] (یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو) ولید قریش کے زعماء میں سے تھا۔ وہ کثیر مال واولاد والا تھا۔ شعر سے بخوبی واقف تھا، فنون کلام سے آگاہ تھا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ادراک کرنے والا اور اسے ممیّز کرنے والا تھا۔ لیکن اس نے تکبر، عُجب اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں سے، جو اس نے اسے عطا فرمائی تھیں انکار کرتے ہوئے اور حق سے عناد کے باعث کفر کو ترجیح دی۔ دنیا میں اسے اتنا زیادہ ملا کہ وہ سیر ہو گیا لیکن وہ مزید نعمتوں کا طلب گار تھا اور شاید وہ نبوت کا خواہش مند تھا۔ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے انکار کی وجوہات میں سے ایک وجہ اس کا حسد ہو سکتا ہے۔

چنانچہ وہ آنحضور ﷺ کے خلاف اپنی قوم کے لوگوں کے الزامات میں ان کی مدد اور رہنمائی کرتا، اس دعویٰ کے ساتھ کہ قرآن ایک جادو ہے جسے رسول اللہ ﷺ کسی دوسرے شخص سے حاصل کرتے ہیں اور انھیں یقین دلاتا کہ قرآن انسانی کلام ہے جیسا کہ قرآن نے حوالہ دیا ہے ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾[المدثر:۲۵] (یہ تو ایک انسانی کلام ہے) اس کے باوجود کہ ولید بن مغیرہ پورے طور پر واقف تھا کہ وہ کلام بشر نہیں اگرچہ اس نے اپنی قوم کو واضح کیا کہ قرآن کا کلام کاہن کے کلام سے اور شعراء سے الگ چیز ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے دھمکی دی کہ وہ اسے سقر میں داخل کرے گا اور وہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا ''اسم علم'' ہے۔ اس کی آگ اپنے اندر داخل ہونے والے کو زندہ رہنے دے گی اور نہ مرنے دے گی بلکہ جب بھی اس کی کھال کی تجدید ہو گی وہ اسے جلائے گی تاکہ وہ دائماً عذاب میں رہے اور وہ ﴿لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ﴾ ہے، جس کی مسلسل تجدید ہوتی رہے گی اور زیر عذاب شخص کی کھال کاملاً باقی رہے گی اور کبھی اس کی تکالیف میں کمی نہ کی جائے گی۔ اس حقیقت کی تائید آیت کریمہ سے ہوتی ہے ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾[النساء:۵۶] (اور جب ان کے بدن کی کھال جل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزا چکھیں)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو خبر دی کہ جہنم پر انیس فرشتے بطور نگران مقرر ہیں۔ اسی

Marfat.com

سے ابوجہل نے انھیں آدمی سمجھا اور اس نے سوچا کہ قریش کی تعداد زیادہ ہے اور وہ انیس آدمیوں پر قابو پالیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ وہ فرشتے ہیں اور ان کی محدود گنتی کا ذکر مشرکین کے لیے ایک فتنہ ہے، جنھوں نے ان کی تعداد قلیل سمجھی اور ان پر قابو پانے کی امید رکھی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ آگ کے ان نگرانوں کی تعداد کا ذکر تورات وانجیل میں بھی ہے اور تعداد کا یہ اتفاق اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ لہٰذا اہل کتاب اور اہل ایمان کا انبیاء کی نبوت اور کتابوں کی صحت پر یقین بڑھ جاتا ہے، لیکن مشرکین بعثت اور جہنم کے بارے میں شک اور نفاق میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ جس کا تذکرہ قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ﴾

نص قرآن اور کلام سلف سے اس بیان کی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جہنم کے نگران انیس ہیں اور وہ فرشتے ہیں اور ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ کا عدد کوئی پوشیدہ کہانی نہیں ہے کہ بیسویں صدی کے محققین قرآن کو کمپیوٹر میں ڈال کر اس عدد کا حل نکالیں اور ان پر وہ کچھ روشن ہو جائے جو رسول اللہ ﷺ پر روشن نہ ہوا تھا جسے وہ بزعم خویش قرآن کے اعجاز کا ایک پہلو خیال کرتے ہیں۔

چنانچہ تین عشروں کے دوران تحقیقات اس بنیاد پر ظاہر ہوئی ہیں کہ قرآن ریاضی کی رو سے بھی ایک معجزہ ہے اور یہ کہ اس اعجاز کا انکشاف کمپیوٹر نے کیا ہے جب اس نے ظاہر کیا کہ انیس کے ہندسے کی قرآن میں خصوصیت ہے جو کہ آلے کی عقل کی مدد سے متحقق شدہ منکشف ہوتی ہے کہ بسم اللہ کے حروف کی تعداد انیس ہے اور ان کے ساتھ ساختہ ہر کلمے کا ذکر قرآن میں انیس مرتبہ دہرایا جاتا ہے۔ اور یہ کہ انتیس سورتوں کے ابتدائی کلمات ان انیس حروف کے مجموعے کے ساتھ وارد شدہ ہیں اور ان کے مجموعے کی گنتی ستاون بنتی ہے اور وہ انیس کے ہندسے کے اضعاف (گنے) میں سے ہے۔

انیس کے ہندسے پر توجہ مرکوز کرنے کے دوران ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کی بنیاد قصداً اس ہندسے پر قائم ہوئی ہے جس سے ریاضی کے اعجاز کی نشاندہی ہوتی ہے جب کہ انسان کے

Marfat.com

لیے ناممکن ہے کہ وہ انیس کے ہندسے اور اس کے اضعاف کے مطابق نظم قائم کرے جس سے اعجاز کی دلیل دی جائے۔

اور ان مقدمات کی بنیاد پر معاصر محققین قدیم مفسرین کے کلام میں تضاد پیدا کرنے تک جا پہنچے بلکہ قرآن کی نص کے ساتھ اختلاف تک، جس نے بیان کیا ہے کہ جہنم کے نگران انیس ہیں' اس قول کے ساتھ کہ انیس مذکورہ بسم اللہ کے حروف کے عدد ہیں اور جہنم کے نگرانوں کے نہیں۔ اور بڑی معصومیت کے ساتھ اظہار ہوتا ہے کہ قرآن کے اعجاز کے جدید امتیازات کا انکشاف دور حاضر میں ایمان اور اسلام کی خدمت ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ حیرت اور شک میں اضافہ کرتے ہیں جب کہ وہ اپنے نتائج کی تعمیر نہایت کمزور بنیاد، اتفاقات، اٹکل پچو اور حماقت پر رکھتے ہیں۔ قرآن میں کوئی پہیلی نہیں ہے جس کا انکشاف کمپیوٹر کو کرنا ہو۔ نبی ﷺ، اسلام، قرآن کے معانی، اس کے طریقہ نظم اور اس کے امتیازی اعجاز سے بے خبر نہ تھے، اور آپ نے ایسی کوئی خبر نہیں دی کہ قرآن میں امتیازی اعجاز ہے جس کا انکشاف زمانہ کرے گا: اور حق یہ ہے کہ کمپیوٹر کے تعلق سے ایسے محققین کا کہیں ذکر نہیں جس سے ریاضی کے اعجاز کی دلیل لی جاسکتی ہو۔ یہ تو محض گھڑی ہوئی تحقیقات ہیں جن کا انحصار انیس کے ہندسے کی نسبت سے دہرائے جانے والے ظواہر کے ملاحظہ پر ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ دیگر ہندسوں کی اسی انداز کی تکرار کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہو اور انیس کے ہندسے میں کوئی خصوصیت باقی نہ رہتی ہو۔ اور بعید نہیں کہ اس قسم کی تحقیقات کا محرک ہیجان (Excitement) کی رغبت ہو، یا تجدید کی، یا مشکوک جہات کو مربوط کرنا مطلوب ہو یعنی انیس کا ہندسہ جس کے معنی اسرار اور پہیلیوں سے محیط ہوں لیکن مسلمان پر واجب ہے کہ اس قسم کی تحقیقات سے اجتناب کرے اور اللہ کے دین سے متعلق صدق وحمیت دینی کی شہرت رکھنے والے اہل علم کے کلام سے ہی اطمینان حاصل کرے۔

قرآن کا نظم واسلوب میں اعجاز ہے اور وہ عربوں کو چیلنج کرتا ہے جبکہ --- وہ بلاغت وفصاحت کے حامل لوگ ہیں --- کہ وہ قرآن کی مثال لے آئیں مگر وہ اس سے عاجز رہے اور

Marfat.com

تاریخ اسلام کے دوران یہ چیلنج بدستور موجود رہا ہے اور دشمن اس چیلنج کا جواب دینے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ پھر یہ کہ شریعتِ اسلامی احکام عادلہ پر مشتمل ہے اور اس نے انسان کے مفادات کے لیے جامع نظریات بنائے ہیں اس کی امیدوں اور اس کی تکلیفوں کا جائزہ لیا ہے، اس کے تعلقات کی دقیق تعیین کی ہے، حق و واجب کی وضاحت کی ہے اور یہ سب کچھ لوگوں کی مصلحت، ان کے لیے آسانیاں پیدا کرنے، ان سے تنگیاں دور کرنے اور ظلم و بے انصافی کے تدارک کے پیش نظر کیا ہے۔ اس طرح سے نزول قرآن پر چودہ صدیاں گزری ہیں لیکن کسی متطوّر کے علم اور کسی متقدم کی تحقیق نے قرآن کے بیان اور علم انسان کے نظری و تجریدی انکشاف کے مابین کسی طرح کا کوئی تضاد ظاہر نہیں کیا اور یہ سب اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے نہ کہ محمد ﷺ کا کلام، بلکہ اسلوب قرآن اور اسلوب رسولؐ کے مابین واضح فرق ہے جیسا کہ آپ کی احادیث سے ظاہر ہے۔

ادبی نقادوں کے ہاں یہ بات معروف ہے: ناممکن ہے کہ کوئی لکھنے والا قرآن اور حدیث کے دو اسلوبوں کے باہمی امتیاز جیسے دو باہم مختلف اسلوبوں میں لکھے اور اعجاز کا یہ امتیاز اعجازِ ریاضی جیسے امتیاز کی جعل سازی سے بے نیاز کرتا ہے جو عملی حقائق پر مبنی نہیں ہے، بلکہ شک پیدا کرنے والے اہداف کی خدمت کے لیے معین موافقات سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے والی بات ہے، خواہ اسے بابیوں اور بہائیوں کے ہاں انیس کے ہندسے کے درجے کا سہارا دیا جائے، یا مادی مفاد کے ساتھ ہیجان کے طریق اور تجدید کے دعوے کا، جسے بہت شہرت ملے اور یہ معصوم سا دھوکا ہے اس لیے کہ اس میں نئی نئی معلومات ہوتی ہیں جو ظاہری طور پر تو ایمان کی خدمت ہے جب کہ اس کے باطن میں تشکیک اور سلف کے اقوال بلکہ قرآن کی صریح مخالفت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ثبوت کے بغیر رائے کے ساتھ قرآن کی تفسیر سے منع فرمایا ہے۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"جس نے اپنی رائے کے ساتھ قرآن کی تفسیر کی وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے۔"

Marfat.com

❶ نیز آپ کا ارشاد ہے: ''جس نے اپنی رائے سے قرآن کے متعلق کچھ کہا اور ٹھیک کہا، یقیناً اس نے غلط کیا۔'' ❷

قرآن ایک واضح اور بلاغی معجزہ ہے، اس کی محکم تشریعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ لیکن وہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واحد معجزہ نہیں ہے جیسا کہ سیرت النبویہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کے معاصر مؤلفین کا خیال ہے، ❸ بلکہ دوسرے معجزات بھی ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں، جنھیں رد کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی تاویل ممکن ہے اور نہ ہی ان سے انکار کی کوئی سبیل ہے سوائے اس کے کہ مادی تحقیقات کے منہج کے آگے سرنگوں ہوا جائے جو طبیعیت سے ماورائی غیب وروح کے عالم سے منکر ہیں۔

اوراب میرے پیش نظر سیرت کے زمانے کے حسی معجزات کا ذکر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے حسّی معجزات

مشرکین رسول اللہ ﷺ سے حسی نشانیوں کا مطالبہ کیا کرتے جو حیات اور قوانین فطرت کی خارق ہوں۔ حسی معجزات کے مطالبے سے ان کا مقصد آنحضور ﷺ کے عجز کا اظہار تھا تاکہ وہ آپ کا مذاق اڑائیں اور شاید اہل ایمان -- جب کہ عرصہ حیات ان پر تنگ ہو گیا تھا -- مشرکین کے مطالبے کے قبول کیے جانے کے خواہش مند ہوتے، اس امید کے ساتھ کہ وہ ایمان لائیں گے، بالخصوص جب کہ مشرکین یقین دلاتے کہ وہ معجزات خارقہ کے ظہور پر اسلام قبول کرلیں گے --- لیکن اسلام لوگوں کے دلوں کو ایمان کی طرف راغب کرنے کے لیے معجزات خارقہ پر انحصار نہیں کرتا، بلکہ ان کی عقلوں کو قبولیت کی ترغیب دیتا ہے، ان کے دلوں کو کھینچتا ہے اور قرآن کے حقائق کے ساتھ انھیں وجدان کامل عطا کرتا ہے، جو ہمیشہ باقی رہنے والے معجزے کا مظہر ہے، جس سے بعد والی نسلوں کا اس توضیحی معجزہ سے متاثر ہونا ممکن ہے، اور جو حق و

---

❶ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن: ۱۵۷/۲)

❷ ترمذی نے روایت کیا۔ (سنن: ۲/ ۱۵۷).

❸ ان میں سے ایک ڈاکٹر محمد حسین ہیکل ہیں۔ (حیاتِ محمد)

Marfat.com

صداقت کے معانی کا حامل ہے اور جس پر قانون سازی کی رفعت کا فخر کیا جاتا ہے اور جو اخلاقی خوبیوں کی طرف عمدہ رہنمائی کرتا ہے، علاوہ ازیں وہ سامع اور قاری میں روحانی ونفسیاتی قوت تاثیر پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا ہے کہ مشرکین ایمان نہیں لائیں گے خواہ ان کے سامنے معجزات خارقہ کا ظہور ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور ان کی بصارتوں کو الٹا کر دیتا ہے اور انھیں ہدایت نہیں دینا چاہتا کیونکہ وہ حق کے انکاری، اس سے عناد رکھنے والے اور اس کا مذاق اڑانے والے ہیں، اور ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو حق کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی واضح ہو جائے۔ وہ ہر نشانی کی کوئی نہ کوئی تاویل کر ڈالیں گے اور معجزہ کی کوئی تفسیر لے آئیں گے جب کہ ان پر کفر کی چھاپ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں۔ اور جس کا یہ حال ہو، وہ قریب وبعید کی تاویلات، تفصیلات، ظنون اور تک بندی سے باز نہیں آتے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ O وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ O وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴾[الانعام:۱۰۹تا۱۱۱] (یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی (یعنی معجزہ) ہمارے سامنے آ جائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اے نبی، ان سے کہو "کہ نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں۔" اور تمھیں کیسے سمجھایا جائے کہ اگر نشانیاں آ بھی جائیں تو یہ ایمان لانے والے نہیں۔ ہم اسی طرح ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح سے یہ پہلی مرتبہ اس (کتاب) پر ایمان نہیں لائے تھے۔ ہم انھیں ان کی سرکشی ہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑے دیتے ہیں۔ اگر ہم فرشتے بھی ان پر نازل کر دیتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی، یہ ایمان لانے والے نہ تھے، الا یہ کہ مشیت الٰہی یہی ہو (کہ یہ ایمان لائیں) مگر اکثر لوگ

Marfat.com

نادانی کی باتیں کرتے ہیں)۔

ہدایت صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں رہے گی اور وہ جسے نہیں چاہے گا وہ ہدایت نہیں پائے گا، اگر چہ وہ فرشتوں کو سر کی آنکھوں سے دیکھ لے اور مردے واضح طور پر اس سے کلام کریں اور وہ ہر چیز کو دیکھ لے، اور معاملہ تمام کا تمام اس پر روشن ہو جائے۔ اور یہ وہ ہے جس قسم کے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بدبختی لکھ دی ہے لیکن وہ جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے سعادت لکھ دی ہے اور انھیں ایمان نصیب ہو گیا ہے، انھیں اس ارشاد کے ساتھ مستثنیٰ کیا گیا ہے اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ اور قرآن کریم کی اکثر آیات نے اس حقیقت پر زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ط وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِىَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴾ [الانعام:۷،۸] (اے پیغمبرؐ، اگر ہم تمھارے اوپر کوئی کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب بھی اتار دیتے اور لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے تب بھی جنھوں نے حق کا انکار کیا ہے وہ یہی کہتے: یہ تو صریح جادو ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ اگر کہیں ہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا تو اب تک کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، پھر انھیں کوئی مہلت نہ دی جاتی)۔

اور دوسری حقیقت جس کا اللہ تعالیٰ نے انکشاف فرمایا ہے وہ کافروں کے بارے میں اس کی سنت ہے جب کہ وہ حسی معجزہ سے انکار کرتے ہیں، انھیں سزا دینے میں جلدی کرتا ہے اور توبہ کا موقع نہیں دیتا تاہم جن مشرکین کے حق میں اللہ تعالیٰ نے سعادت و ایمان لکھ دیا تھا ان کے مطالبے کو قبول نہ کرنا ان کے لیے رحمت تھا اور انھیں توبہ کا موقع فراہم کرنے کے لیے تھا، لیکن جو بدبخت تھے، معجزات خواہ کتنے عظیم اور حیات و فطرت کے قوانین کے کتنے ہی خارق ہوتے، ان کی قسمت میں کوئی تبدیلی نہ لاتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ○ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴾ [الحجر:۱۴،۱۵] (اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیتے اور وہ

Marfat.com

دن دہاڑے اس میں چڑھنے بھی لگتے تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری آنکھوں کو دھوکا ہو رہا ہے، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے)۔ اور اگر اللہ تعالیٰ مشرکین کے حسّی معجزات کی طلب کو قبول فرما لیتا تو وہ اسے جادوانہ اعمال کے ساتھ تاویل کرتے اور عناد و استکبار کے ساتھ کوئی عذر تلاش کرتے، اس فیصلے کے محقق ہونے کے لیے جو اللہ نے ان کے حق میں بدبختی کی صورت میں لکھ دیا تھا۔

چنانچہ قرآن کا معجزہ اپنے ظہور اور اپنی تاثیر کے ساتھ منفرد حیثیت کا حامل ہے جب کہ وہ دوام کے ساتھ متصف ہے اور رسالت اسلامیہ کے دوام اور اس کے عموم پر مشتمل ہے، اور جہاں تک دیگر حسی معجزات کا تعلق ہے وہ زیادہ تر صحابہؓ کے لیے ظاہر ہوئے اور ان کے ہاں نبیؐ کا معاملہ واضح تھا جب کہ وہ ان معجزات کے ظہور سے پہلے دعوت قبول کر چکے تھے۔ لہٰذا وہ ان کے ایمان کا سبب نہ تھے اور اگرچہ انھیں نبی کے احوال سے مطلع کرنا ہوتا اور آپؐ پر اللہ تعالیٰ کے کرم کا ظہور ہوتا جو ان کے لیے انشراح صدر اور طمانیت قلب کا باعث بنتا، بلکہ اکثر حسی معجزات، صحابہؓ کی تکلیف کے ازالے یا بھوک کے تدارک یا ان کے دشمنوں کی ہزیمت کے تعاقب کے لیے ہوتے۔ لیکن قرآن کا معجزہ، وہ براہ راست کفار کے لیے چیلنج تھا اور ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب۔ قرآن سے متاثر ہونے کے علاوہ ان میں سے ایمان لانے والوں کے لیے نبیؐ کی شخصیت کی تاثیر آنحضور کا عظیم حسن اخلاق، نرم گفتگو اور کامل اور صحت مند صفات تھیں، جو ان کے ایمان کا سبب بنیں۔

ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ''نبوات'' میں کہا ہے: ''القرآن، جسے لوگ جانتے ہیں اہل عرب بھی اور اہل عجم بھی، عرب و غیر عرب کی مخالفت کے باوجود اس کی نظیر نہیں لائی جا سکی، اس کا لفظ ایک نشانی ہے، اس کی دی ہوئی خبریں نشانی ہیں، اس کے امر و نہی نشانی ہیں، اس کا وعدہ اور وعید نشانی ہے اور دلوں پر اس کا جلال، عظمت اور سلطان ایک نشانی ہے اور غیر عربی جب اس کا ترجمہ کرتے ہیں تو اس کے معانی ایک نشانی ہیں، اس سب کچھ کی دنیا بھر میں کوئی نظیر نہیں۔ ❶

❶ النبوات حافظ ابن تیمیةؒ: ١٦٤.

Marfat.com

''یہ قرآن کے لفظاً و معناً امتیازی اعجاز کی خوبصورت تفصیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت میں معجزہ قرآن کے مقام کو واضح کیا ہے اور یہ کہ وہ آپ ؐ کے تمام معجزات پر غالب ہے۔ چنانچہ فرمایا: ما من الأنبياء إلا أعطى من الآيات ما مثله اٰمن عليه البشر ، و انما كان الذى اوتيته وحيا اوحا الله إلى ، فأرجوا ان أكون اكثرهم تابعا يوم القيامة [1] اور آنحضور کی امید کہ آپ ؐ کے پیرو سابقہ انبیاء میں سے ہر نبی سے زیادہ ہوں گے، چنانچہ آپ کی دائمی رسالت اور قرآن کے دائمی معجزات کے سبب تا قیام قیامت آپ ؐ کے پرچم تلے آپ کے متبعین کے جمع ہوتے رہنے کی ضمانت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴾[الاسراء:۸۸] (کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں)۔ نیز فرمایا: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾[ھود:۱۳،۱۴] (کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو: ''اچھا یہ بات ہے، تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اور جو جو تمھارے معبود ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم (انھیں معبود سمجھنے میں) سچے ہو۔ اب اگر وہ تمھارے معبود تمھاری مدد کو نہیں پہنچتے تو جان لو یہ اللہ کے علم سے نازل ہوئی ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ پھر کیا تم (اس امر حق کے آگے) سر تسلیم خم کرتے ہو؟)

مزید فرمایا: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾[یونس:۳۸] (کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر ؐ نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے؟ کہو، اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورت اس جیسی

---

[1] متفق علیہ۔ (صحیح البخاری: ۳/۹ اور صحیح مسلم: ۱/۱۳٤)

Marfat.com

تصنیف کرلاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلا لو)۔ اور فرمایا: ﴿ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ﴾[البقرۃ:۲۳] (اور اگر تمھیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ ہماری ہے یا نہیں، تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنا لو)۔ پھر فرمایا: ﴿ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝ فَلۡيَاۡتُوۡا بِحَدِيۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِيۡنَ ﴾[الطور:۳۳،۳۴] (کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اگر یہ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو اسی شان کا ایک کلام بنا لائیں)۔ اور اس طرح سے قرآن نے صدیوں انسانی نسلوں کو چیلنج کیا ہے کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں یا دس سورتیں اس جیسی یا ایک ہی اس جیسی سورت یا اس جیسی کوئی ایک آیت بنا لائیں تو کسی نے اس کے چیلنج کا جواب نہیں دیا۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کے علم کے ساتھ نازل ہوا ہے۔

جن لوگوں نے قرآن کے علاوہ حسّی معجزات کا انکار کیا ہے، اس کا کوئی جواز نہیں۔ وہ مفصل صحیح احادیث کے ساتھ ثابت ہیں۔ ان کی حیثیت متواتر کی ہے جب کہ وہ نبی کے فطری قوانین کے خارق معجزات کے وقوع پر دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ آپ کی عمر کے پانچویں سال شق صدر کا واقعہ ہے اور اسے اسراء و معراج سے قبل آپؐ کی باون سال کی عمر میں دہرایا گیا۔ یہ دونوں واقعات صحیحین میں درج ہیں۔ حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل آئے جب کہ آپؐ لڑکوں کے ساتھ کھیل میں مشغول تھے۔ انھوں نے آپ کو پکڑا، لٹا دیا اور آپؐ کے قلب مبارک کے قریب آپ کا سینہ چاک کیا، قلب مبارک کو نکالا، اس میں سے ایک لوتھڑا نکالا اور کہا: ''یہ آپؐ میں شیطان کا حصہ ہے، پھر اسے سونے کے ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا اور اسے اپنی جگہ پر لوٹا دیا۔ لڑکے دوڑتے ہوئے آپ کی دایہ کے پاس آئے اور کہا: ''محمدؐ قتل کر دیے گئے ہیں! اس پر گھر والے آپؐ کے پاس پہنچے، جب کہ آپ کا چہرۂ اطہر متغیر تھا۔ انسؓ نے کہا ہے: ''میں آپؐ کے سینے میں سلائی کا اثر دیکھا کرتا۔'' ❶

---

❶ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے: ۱/۱۴۷۔

Marfat.com

اور صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ: ''ابوذرؓ بیان کیا کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے گھر کی چھت میں شگاف کیا گیا، جب کہ میں مکے میں تھا تو جبریل نازل ہوئے۔ انھوں نے میرا سینہ چاک کیا، پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا، پھر وہ ایک سونے کا طشت لائے جو حکمت وایمان سے پر تھا، اسے میرے سینے میں انڈیل دیا اور پھر اسے جوڑ دیا۔ پھر مجھے ہاتھ سے پکڑا اور چڑھا کر آسمان دنیا پر لے گئے۔'' [1]

بلاشبہ شق صدر کے واقعات کو مادہ پرستوں کی عقلیں قبول نہیں کریں گی لیکن غیب پر ایمان رکھنے والے، وحی ونبوت کی قبولیت کے تحت اسے تسلیم کرتے ہیں جب کہ شق صدر کے دونوں واقعات قانونِ مادہ کے خارق تھے، جسے حسی فلسفے قبول نہیں کرتے، کیونکہ وہ ایک ایسا مظہر ہے جس کے تجربات لیبارٹریوں میں نہیں ہو سکتے، لیکن ایمان بالغیب اسلام کی شرط ہے۔ ﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾[البقرۃ:۳] (پرہیزگار لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں)۔ جب مشرکین نبی ﷺ سے حسّی معجزات کا مطالبہ کیا کرتے اس وعدے کے ساتھ کہ وہ انھیں دیکھ کر اور سن کر ایمان لے آئیں گے لیکن اسلامی دعوت کے منہج میں لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول اور آپؐ کی رسالت کی طرف ہدایت کے بارے میں حسی معجزات کے اسلوب پر اعتماد نہیں کیا گیا تاہم آنحضور ﷺ کی سیرت طبعی قوانین کے توڑنے سے خالی نہیں۔ مگر یہ خارق واقعات زیادہ تر اہل ایمان کے سامنے ہوتے تاہم وہ ان کے ایمان کا سبب نہ تھے۔ وہ ان کے لیے اطمینان قلب اور اضافہ ایمان کا سبب بنتے۔ اس کے علاوہ وہ ان سے تکالیف کے ازالے، پیچیدہ مسائل کے حل اور مشکلات میں آسانیاں پیدا کرتے۔

ایک نادر واقعہ چاند کے پھٹنے کا ہے جس کی تفصیل حضرت جبیر بن مطعمؓ صحابی کی حدیث سے ملتی ہے۔ ''رسول اللہ ﷺ کے مکی دور میں چاند پھٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا اس پہاڑ پر۔ اس پر نبی (جب کہ آپؐ منیٰ میں تھے) نے موجود

---

[1] اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے جیسا کہ فتح الباری: ۱/۴۵۸ میں ہے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے: ۱/۱۴۸۔

Marfat.com

لوگوں سے فرمایا: گواہ رہو۔'' ❶ تو کچھ مشرکین نے کہا کہ: ''محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہے جب کہ دوسروں نے کہا: ''وہ سارے لوگوں کو تو مسحور نہیں کر سکتے، ❷ اور ان کا یہ قول کہ محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔'' ان کے یقین کی تعبیر نہ تھا۔ یہ اپنے وعدے کہ 'وہ معجزہ دیکھ کر ایمان لائیں گے' خلاصی پانے کا ذریعہ تھا۔ نبی کا معجزہ اور ساحر کے عمل میں جو فرق ہے وہ واضح ہے اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے جادو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے مانوس نہ تھے۔ لہٰذا مشرکین کی زبان پر آپؐ کے جادو سیکھنے والی بات نہیں آئی اور نہ ہی یہ کہ ''کس نے آپ کو سکھایا''، پھر نبی ﷺ حق کی طرف ان کی ہدایت چاہتے تھے نہ کہ اپنی ذات کے لیے کوئی فائدہ، جو جادوگر کے پیش نظر ہوتا ہے۔ جہاں انشقاق قمر مشرکین کے مطالبے کے جواب میں اور ان کے عناد اور جھوٹ کا بھانڈا پھوڑنے کے لیے تھا، وہیں اسراء و معراج کا واقعہ، اور اس سے متعلقہ رسول اللہ ﷺ کا مشرکین کے سامنے بیت المقدس کی جزئیاتی تفصیل بیان فرمانا جب کہ آپؐ نے اسے دیکھا نہیں تھا، نیز معراج میں آپ کا اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھنا، یہ معجزہ تھا جو کسی فرمائش پر واقع نہیں ہوا بلکہ وہ آزمائش اور امتحان تھا جس نے مومنوں اور کافروں کے درمیان فرق کر دیا۔

مدینہ کے قیام کے دوران میں رسول اللہ ﷺ سے بعض مشرکین کے سامنے مختلف اوقات میں حسی معجزے واقع ہوئے ہیں لیکن معجزے کا غلبہ معاً ان کے ایمان کا سبب نہ بنا اور ان کا ایمان مؤخر رہا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا فیصلہ فرما دیا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ پانی ختم ہو گیا آپؐ نے دو اصحاب کو پانی کی تلاش میں بھیجا، انھیں پانی نہ ملا، انھیں ایک عورت ملی جو اپنے اونٹ پر پانی کے دو برتن لادے ہوئے تھی۔ اسے وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپؐ نے اس کے پانی کو ایک برتن میں انڈیلا، پھر اس میں سے لوگوں کو پلایا، پھر اس عورت کے دونوں برتن پورے بھرے

---

❶ اسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: ۶/ ۶۳۱۔

❷ اسے امام احمد نے اپنی مسند: ۴/ ۸۱ میں روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اس کا ایک حصہ روایت کیا ہے۔ (موارد الظمآن: ۵۱۹)

Marfat.com

ہوئے اس کو لوٹا دیے اور ساتھ ہی اسے کھانے کا عطیہ دیا اور اسے کہا: ''دیکھ لو ہم نے تیرے پانی میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا لیکن وہ تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے ہمیں پلایا ہے۔ جب وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس گئی تو اس نے کہا: آپؐ نے ایسا اور ایسا کیا، بخدا! وہ سب سے بڑا جادوگر ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کا رسولؐ برحق ہے۔ چنانچہ وہ خود اور اس کے گھر والے کچھ عرصہ بعد ایمان لائے ❶ باوجود اس کے کہ اس عورت نے حسی معجزہ ظاہری طور پر دیکھ لیا تھا، لیکن اس نے اس کے نتیجے میں اسلام قبول نہیں کیا کیونکہ کافر کی عقل جہالت کی شعاعوں، شعور کی کمی اور حق و باطل کے درمیان تمیز کے فقدان سے نبی کے معجزے اور ساحر کے جادو میں الجھ کر رہ جاتی ہے۔

اسی طرح کا واقعہ بنی عامر کے ایک فرد کے سامنے دہرایا گیا جسے امام احمدؒ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ''بنی عامر کا ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے وہ مہر دکھایئے جو آپؐ کے دو کندھوں کے درمیان ہے کیونکہ میں سب سے بڑا طبیب ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا: کیا میں تجھے ایک نشانی نہ دکھاؤں'' اس نے کہا: ''کیوں نہیں؟'' راوی نے کہا: آپ نے ایک کھجور کے درخت کی طرف دیکھا اور فرمایا: اس درخت کو بلاؤ۔ اس نے بلایا اور وہ زمین کو پھاڑتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''لوٹ جا'' اور وہ لوٹ گیا۔ مگر اس شخص نے اپنے خاندان سے جا کر کہا: ''اے بنی عامر! آج میں نے جسے دیکھا ہے، مجھے اس سے بڑا جادوگر نظر نہیں آیا۔'' ❷

لیکن پانی کے برتن والی عورت اور بنی عامر سے قریش کا موقف مختلف تھا کیونکہ وہ عورت اور بنی عامر رسول اللہ ﷺ سے واقف نہ تھے جس طرح کہ قریش آپؐ کے صدق، آپ کے حسن سیرت اور آپ کی دعوت کے پہلوؤں کو جانتے تھے اور یہ بھی کہ آپؐ نے دنیوی مفادات کو مسترد کر رکھا تھا جب کہ وہ ساحر کا مطلوب اور اس کے جادو کا اصل مقصود ہوتے ہیں۔

اور یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حسی معجزات سے مشرکین کم واقف تھے جب کہ

---

❶ اسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: ۱/۴۴۷۔

❷ مسند احمد: ۱/ ۲۲۳.

Marfat.com

اہل ایمان کی بڑی تعداد انھیں جانتی تھی جس سے ان کے ایمان میں اور ان کی نیک فالی میں اضافہ ہوا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں: ہم نشانیوں کو برکت خیال کرتے تھے اور تم انھیں ڈراوا شمار کرتے ہو؛ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو پانی کم پڑ گیا۔ ساتھیوں نے کہا: زیادہ پانی کی ضرورت ہے، چنانچہ وہ ایک برتن لائے جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپؐ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا اور فرمایا: ''آؤ مبارک طہور اور اللہ تعالیٰ کی برکت کی طرف'' میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی پھوٹ رہا تھا۔ انھوں نے کہا: ابن مسعود نے بتایا کہ جب حضور ﷺ کھانا تناول فرماتے تو ہم طعام کی تسبیح سنا کرتے۔ ❶

سفر و حضر میں پانی اور کھانے کے بڑھ جانے سے متعلق بہت سی صحیح روایات ہیں۔ ایک دفعہ ستر صحابہؓ نے ایک برتن سے وضو کیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا، مگر اس میں نبیؐ نے اپنی چار انگلیاں داخل کر دی تھیں۔ اور ایک دوسری مرتبہ تین سو اصحاب نے وضو کیا اس برتن سے، جس میں آپؐ نے اپنا دست مبارک رکھ دیا تو پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے بہنے لگ گیا۔ ❷

حدیبیہ کے موقع پر تو آپؐ سے ایسا بتکرار ہوا ہے۔ مسلمان پانی کی قلت والے مقام پر اترے، انھیں پانی کی قلت کا سامنا کرنا پڑا اور آنحضور ﷺ سے پیاس کی شکایت کی، آپؐ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور انھیں حکم دیا کہ اسے اس پانی میں رکھ دو، تو بخدا! وہ انھیں سیراب کرنے کے لیے جوش سے بہتا رہا حتیٰ کہ وہ اس سے سیر ہو کر ہٹ گئے ❸ اور ایک دوسری مرتبہ لوگ پیاسے تھے۔ نبی ﷺ کے سامنے چھاگل تھی جس سے آپؐ نے وضو فرمایا، لوگوں نے آپ سے شکایت کی کہ ان کے پاس پانی پینے کے لیے ہے اور نہ وضو کے لیے سوائے اس چھاگل کے۔ چنانچہ آپ نے اپنا ہاتھ چھاگل میں رکھا تو پانی آپؐ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح ابلنے لگا۔ پندرہ سو صحابہؓ نے اس سے پیا اور وضو کیا۔ یہ روایت حضرت جابرؓ بن

---

❶ اسے بخاری نے اپنی صحیح: ۶/ ۵۸۷ میں بیان کیا ہے۔

❷ اسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: ۶/ ۵۸۰، ۵۸۱۔

❸ صحیح بخاری: ۵/ ۳۲۹.

Marfat.com

عبداللہ سے صحیح بخاری میں منقول ہے۔ اس واقعہ کو صحابہؓ کے جم غفیر نے اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھا اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ ❶

اسی طرح کا واقعہ غزوہ تبوک میں رونما ہوا، جیسا کہ معاذ بن جبلؓ نے خبر دی ہے کہ تبوک کے چشمے سے تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا جب کہ مجاہدین اس کے قریب قیام پذیر تھے اور یہ بات معروف ہے کہ جیش تبوک ان سب لشکروں سے بڑا تھا جن کی آنحضور ﷺ نے قیادت فرمائی۔ ان کے پاس کتنا پانی ہو پاتا جب کہ ایک شخص کے لیے پانی تب کفایت کرتا جب اسے برتن میں جمع کر لیا جاتا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک برتن میں پانی جمع کیا گیا جس میں آپؐ نے اپنے ہاتھ اور چہرے کو دھویا اور پھر اسے چشمے میں ڈال دیا تو پانی موسلا دھار بہنے لگا۔ تو آپؐ نے فرمایا: ''اے معاذ! اگر تمھاری عمر طویل ہوئی تو امید ہے کہ تم یہ جگہ باغات سے بھری ہوئی دیکھو گے۔ ❷

ایسی بہت سی صحیح روایات میں وارد ہے کہ آپؐ کے سامنے کھانا بہت زیادہ ہو گیا۔ ان میں سے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی خندق سے متعلق حدیث ہے: انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پیٹ پر بھوک کے باعث پتھر بندھا ہوا ہے کیونکہ مسلمانوں نے تین دن سے کھانا چکھا تک نہ تھا۔ چنانچہ حضرت جابرؓ نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ کھانا بنائے۔ لہٰذا اس نے ایک بکری کو ذبح کیا، آٹا گوندھا اور گوشت اور آٹے سے ہنڈیا بھر کھانا تیار کیا۔ حضرت جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہہ کر کھانے کی دعوت دی: ''اے اللہ کے رسولؐ! میرے ہاں تھوڑا سا کھانا ہے، تشریف لایئے اور اپنے ساتھ ایک دو افراد کو لے لیجیے۔'' مگر رسول اللہ ﷺ نے جملہ اہل خندق کو آواز دی اور انھیں جابرؓ کے ہاں کھانے کی طرف دعوت دی جب کہ وہ ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ جابرؓ دم بخود رہ گئے اور قلت طعام کے باعث خوف زدہ ہو گئے۔ نبی ﷺ نے کھانے میں برکت کی دعا کی۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب نے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو کر

---

❶ صحيح البخاري: ٦ / ٥٨١.

❷ مسلم نے اپنی صحیح: ۴/۱۷۸۴ میں روایت کی ہے۔

Marfat.com

چلے گئے اور ہماری ہنڈیا جوش مار رہی تھی اور ہمارے آٹے سے روٹیاں پک رہی تھیں اور وہ اتنا ہی تھا جتنا کہ آغاز میں تھا۔ [1]

آنحضور ﷺ کے حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کے موقع پر ولیمہ میں کھانے کے بڑھ جانے کا واقعہ دہرایا گیا۔ ام سلیمؓ نے آپؐ کو ایک برتن میں، کھجور، گھی اور ستو سے حیسہ تیار کر کے ہدیہ پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی حتیٰ کہ پورا گھر بھر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے آپ کو دعا کی توفیق دی۔ چنانچہ اس کھانے میں سے سب نے کھایا۔ [2]

غزوہ تبوک میں مسلمانوں کا زاد ختم ہو گیا، حتیٰ کہ انھوں نے اپنے بعض اونٹ جن پر وہ سواری کرتے تھے، ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا تو عمرؓ بن خطاب نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپؐ ایسا کیوں نہیں کر لیتے کہ لوگوں کے باقی ماندہ زاد جمع کروا لیں اور ان پر اللہ سے دعا کریں۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ پس کوئی برہ لے کر آیا، کوئی کھجور لے کر آیا آنحضور ﷺ نے ان پر دعا کی حتیٰ کہ لوگوں نے اپنے توشہ خانے بھر لیے۔ آپؐ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کا بندہ بھی۔ ان دونوں شہادتوں کے ساتھ جو کوئی بغیر شک کیے اللہ سے ملاقات کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' [3]

حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: میں نبی کی خدمت میں کھجوریں لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا: آپؐ اللہ سے ان میں برکت کی دعا کیجیے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں: آپؐ نے ان کو اپنے سامنے رکھ دیا اور دعا فرمائی اور مجھے فرمایا: اسے لے جا کر سٹور میں رکھ دو اور اس میں سے اپنے ہاتھ سے نکالتے رہو، لیکن انھیں منتشر نہ کرنا'' صحابیؓ کہتے ہیں: میں نے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) اتنے اور اتنے وسق نکالے اور میں کھاتا اور کھلاتا رہا اور وہ ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھیں۔ پھر جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے تو چھینکا ٹوٹ گیا اور کھجوریں گر گئیں۔ [4]

---

[1] اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۹۵/۷، صحیح مسلم: ۱۶۱۰/۳)

[2] بخاری نے اسے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے: ۲۲۶/۹۔ [3] صحیح مسلم: ۱/ ۵۵۔

[4] اسے امام احمد نے اپنی مسند: ۳۵۲/۲ میں روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اپنی جامع میں بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث اس سند کے لحاظ سے حسن غریب ہے اور اس سند کے علاوہ ابوہریرہ سے بھی روایت ہوئی ہے۔ (سنن الترمذی: ۶۸۵/۵، حدیث نمبر: ۳۸۳۹)۔

Marfat.com

اور ان مقدس حسّی معجزات میں سے ایک یہ کہ حضرت عبداللہ بن عتیک ، ابی رافع یہودی کو قتل کرنے گئے۔ وہ آنحضور ﷺ کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا اور آپؐ کے مخالفین کی آپ کے خلاف معاونت کیا کرتا۔ چنانچہ عبداللہ بن عتیکؓ ابی رافع کے گھر میں سیڑھی سے گر پڑے اور ان کی پنڈلی ٹوٹ گئی۔ جب واپس ہوئے اور نبی ﷺ کو ابی رافع کے قتل اور اپنی ٹانگ ٹوٹنے کی خبر دی تو آپؐ نے انھیں فرمایا: ''اپنی ٹانگ کو باندھو۔'' وہ کہتے ہیں کہ میں نے ٹانگ کو باندھا۔ آپؐ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا تو مجھے ایسا لگا گویا مجھے تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی۔'' ❶

سلمہؓ بن اکوع کو پنڈلی پر غزوہ خیبر کے دن تیر لگا۔ سلمہؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ نے اس پر تین مرتبہ تھتکارا تو اس کے بعد آج تک مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ❷

سائب بن یزید کی خالہ اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں۔ خاتون نے عرض کیا: یہ میرا بھانجا بیمار ہے اس کے لیے دعا فرمایئے۔ آپؐ نے اس کے لیے دعا فرمائی تو سائبؓ ۹۴ سال کی عمر میں پہنچ کر فوت ہوئے۔ وہ صابر اور معقول شخص تھے۔ کہا کرتے: ''مجھے معلوم ہے کہ میں اپنی سماعت اور بصارت سے نبی کی دعا کے ساتھ فائدہ اٹھا رہا ہوں۔'' ❸

رسول اللہ ﷺ نے قتادہ بن ملحانؓ کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو وہ ایسے آئینے کی طرح چمک دار ہو گیا جس میں چیزیں منعکس ہو جایا کرتیں۔ ❹

اور جہاں تک آنحضور ﷺ کا غیبی امور کی خبریں دینے کا تعلق ہے، وہ آپؐ کے فطری طور پر عالم الغیب ہونے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے لیکن آپؐ بذریعہ وحی آئے ہوئے غیب کی خبر دیتے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشیؒ کی موت کی خبر دی جس دن کہ وہ فوت ہوئے۔ آپؐ جائے نماز کی طرف نکلے، قطاریں بنوائیں اور چار تکبیریں کہیں ❺ (نماز جنازہ پڑھائی) اور اسی سلسلے کی یہ بات ہے کہ غزوہ موتہ میں آپؐ نے تین

---

❶ صحيح بخاری: ۷ / ۳٤.
❷ صحيح بخاری ۷/ ٤٧٥۔
❸ صحيح بخاری: ٤ / ١٦٣.
❹ امام احمد نے مسند میں اسنادِ صحیح سے روایت کیا ہے۔ (مسند: ۵/۲۸، ۸۱)
❺ صحيح بخاری: ۳ / ١١٦.

Marfat.com

قائدین کی شہادت کی خبر دی، اس سے پہلے کہ مدینہ میں وہ اطلاع پہنچی۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: ''زیدؓ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا مگر شہید کر دیے گئے، پھر اسے جعفر طیارؓ نے اپنے ہاتھ میں لیا اور وہ بھی شہید کر دیے گئے، پھر عبداللہ بن رواحہؓ نے پرچم اٹھایا وہ بھی شہید کر دیے گئے اور رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ پھر اسے خالد بن ولیدؓ نے از خود اپنے ہاتھ میں لیا اور انھیں فتح ہوئی ❶ اور اسی بارے میں ابوحمیدؓ الساعدی نے غزوہ تبوک کے قصہ کے بیان میں روایت کی ہے: ''ہم چلتے رہے حتیٰ کہ تبوک پہنچ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج رات شدید آندھی چلے گی، تم میں سے کوئی اس میں کھڑا نہ ہو اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی مہار قابو میں رکھے۔ چنانچہ شدید آندھی چلی۔ ایک آدمی اٹھا اور ہوا نے اسے اٹھا لیا حتیٰ کہ اسے طئی پہاڑ پر جا پھینکا۔ ❷

جب ایک عورت نے آپؐ کو آپ کے اصحاب کے ساتھ کھانے کی دعوت دی۔ آپ نے اس کا ایک لقمہ اپنے منہ میں رکھا تو فرمایا: میں اس بکری کا گوشت ایسا پاتا ہوں جیسے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اسے لیا گیا ہو۔ اس پر اس عورت نے کہا: میں نے ایک آدمی کو بقیع میں بکری خریدنے کے لیے بھیجا جو نہ ملی، پھر میں نے اپنے ایک پڑوسی کی طرف پیغام بھیجا جس نے ایک بکری خرید رکھی تھی کہ وہ مجھے اسے قیمتاً ارسال کرے، وہ نہ ملا، پھر میں نے اس کی بیوی کی طرف آدمی بھیجا تو اس نے مجھے بکری بھیج دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔ ❸

آپؐ کے لیے اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے متعلق صحابی جابرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے: وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کے مقابلے میں ایک غزوہ میں گئے، جب آپؐ واپس ہوئے تو وہ بھی ساتھ لوٹے۔ چنانچہ آپ کثیر کانٹے دار جھاڑیوں والی وادی میں اترے۔ آپؐ کو دوپہر کے وقت قیلولہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لوگ درختوں کے سایوں کی طرف منتشر ہو گئے۔

---

❶ صحيح بخاري عن انس بن مالكؓ: ٣/ ١١٦.

❷ مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا: ۴/۱۷۸۵۔

❸ اسے ابوداؤد نے اسنادِ حسن کے ساتھ اپنی سنن ۳/ ۶۲۷ میں روایت کیا ہے۔ حدیث نمبر: ۳۳۳۲، مسند احمد: ۵/ ۲۹۴۔

Marfat.com

آنحضور ﷺ ایک درخت کے نیچے لیٹے اور اپنی تلوار لٹکا دی۔ ہم گہری نیند سو گئے۔ اچانک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آواز دی اور ہم نے دیکھا کہ آپؐ کے پاس ایک اعرابی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس آدمی نے مجھ پر میری ہی تلوار سونتی جب کہ میں سو رہا تھا۔ میں جاگا اور تلوار اس کے ہاتھ میں تنی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا: ''میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا؟'' میں نے کہا: ''اللہ۔ اللہ۔ اللہ۔'' اور آپؐ نے اسے کوئی سزا نہیں دی اور بیٹھ گئے۔ (1) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے دلیل ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرما رہا تھا۔ وہ کہتے ہیں: ابو جہل نے کہا: کیا محمد (ﷺ) تمھارے درمیان اپنا چہرہ خاک آلود کرتے ہیں'' ابو ہریرہؓ کہتے ہیں اسے جواب دیا گیا کہ ہاں۔ تو اس نے کہا: لات و عزیٰ کی قسم، اگر میں نے اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو میں اس کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا یا اس کے چہرے کو خاک آلود کر دوں گا۔ ابو ہریرہؓ نے کہا: پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جب کہ آپ نماز میں مصروف تھے۔ اس نے ارادہ کیا کہ آپ کی گردن کو لتاڑے مگر آنحضور کی طرف سے اچانک اس طرح مڑا کہ وہ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو بچا رہا ہے۔ اس سے کہا گیا: تمھیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: میرے اور اس (محمدؐ) کے مابین آگ سے بھری ہوئی خندق ہے۔ ہول ہے اور پَر ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب آتا تو ملائکہ اس کے چیتھڑے اڑا دیتے۔ (2)

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نباتات و جمادات کو آپ کا شعور تھا اور آپؐ نے ان سے گفتگو بھی فرمائی ہے، اس بارے میں جابر بن عبداللہؓ کی حدیث ہے کہ انصار کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا میں آپ کے لیے وہ چیز نہ بنواؤں جس پر آپ بیٹھا کریں۔ میرا ایک غلام بڑھئی ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''تمھاری مرضی۔'' اس نے آپؐ کے لیے منبر بنوا دیا۔ پھر جب جمعہ کا دن ہوا تو نبی ﷺ اس منبر پر تشریف

---

(1) صحيح البخاري: ٣/ ٢٢٩.

(2) صحيح مسلم: ٢/ ٢١٥٤.

Marfat.com

فرما ہوئے جو آپؐ کے لیے بنوایا گیا تھا۔

اس موقع پر کھجور کا وہ درخت، جس کے پاس آنحضور ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے، زور زور سے چیخا حتی کہ پھٹنے کے قریب ہوگیا۔ اس پر نبی ﷺ منبر سے اترے، اسے پکڑا اور اسے بھینچا تو وہ کھجور کا تنا اس بچے کی طرح سسکیاں لینے لگا جسے رونے سے خاموش کرایا جاتا ہے تا آنکہ اسے قرار آ گیا۔ ❶

اسی سلسلے میں آپؐ کا قول ہے: ''میں مکہ کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر سلام کہا کرتا تھا۔ میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں''۔ ❷ اور اسی سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: ''رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کے پاس ایک جنگلی جانور تھا جب آپؐ گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو وہ دوڑتا اور کھیلتا اور جب آنحضور ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو وہ ساکن ہوجاتا اور حرکت نہ کرتا گویا کہ آپؐ کو تکلیف دینا اسے پسند نہ تھا۔ ❸

رسول اللہ ﷺ نے انصار کے ایک شخص کو اونٹ کو تکلیف دینے سے یہ کہہ کر منع فرمایا: ''کیا تو اس جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتا جس کا اللہ نے تجھے مالک بنایا ہے؟ اس نے میرے پاس تیری شکایت کی ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ تو اسے کام میں تھکا تا ہے اور پھر بھوکا رکھتا ہے''۔ ❹

رسول اللہ ﷺ نے اپنی سیرت کے کئی مواقع پر مشرکین کے چہروں پر خاک پھینکی اور ان کی شکست میں اس خاک کا اثر تھا، جیسا کہ چشم دید شاہد صحابہؓ نے خبر دی ہے۔ عباسؓ بن عبدالمطلب اور سلمہؓ بن اکوع کی روایت ہے کہ جب غزوہ حنین میں مشرکین نے رسول اللہ ﷺ پر گھیرا تنگ کر دیا، آپؐ اپنے خچر پر سے اتر آئے اور زمین سے مٹھی بھر مٹی یا کنکریاں لیں، اور انھیں ان کے چہروں کی طرف پھینکا اور کہا: ''بگڑ گئے چہرے''! تو ان میں اللہ کا پیدا کردہ کوئی

---

❶ صحيح بخاري: ٤/ ٣١٩.

❷ صحيح مسلم: ٤/١٧٨٢.

❸ اسے احمد نے اپنی مسند: ٦/ ٢٠٩ میں اسناد حسن سے روایت کیا۔

❹ امام احمد نے اسناد صحیح کے ساتھ مسند: ١/ ٢٥٠، ٢٦٩ میں روایت کیا۔

Marfat.com

انسان ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں اس مٹھی سے مٹی نہ پڑی ہو۔ چنانچہ وہ منہ پھیر گئے۔ ❶

عبداللہ بن عباسؓ نے خبر دی ہے کہ قریش کے سردار ''الحجر'' میں جمع ہوئے اور انھوں نے لات وعزیٰ اور تیسری مناۃ کی قسمیں کھا کر باہم عہد کیا کہ اگر ہم نے محمد (ﷺ) کو دیکھ لیا تو ہم فوراً اس پر حملہ کر دیں گے اور اسے قتل کر کے ہی چھوڑیں گے، چنانچہ حضرت فاطمہؓ روتی ہوئی آپ کے پاس آئیں اور آپ کو وہ کچھ بتایا جو ان کے علم میں آیا تھا، تو آپؐ نے فرمایا: پیاری بیٹی! وضو کا پانی لاؤ۔ چنانچہ آپؐ نے وضو فرمایا۔ پھر آپ مسجد میں داخل ہوئے۔ مشرکین نے جب آپ کو دیکھا تو کہا: ''یہ رہا وہ''۔ رسول اللہ ﷺ آگے بڑھتے گئے حتیٰ کہ ان کے سروں پر جا کھڑے ہوئے اور مٹی کی ایک مٹھی لی اور انھیں ماری اور فرمایا: ''بگڑ گئے چہرے''۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ جس کو بھی کوئی کنکری پہنچی وہ کفر کی حالت میں بدر میں قتل ہوا۔ ❷

جب مسلمانوں نے نبی ﷺ سے بہت سارے معجزات دیکھے تو وہ ان کے لیے اضافۂ ایمان واطمینان کا باعث بنے۔ وہ معجزات مختلف اقسام کے تھے اور مختلف اوقات میں دہرائے گئے۔ کھانے اور پینے کا سامان اتنا نہ ہوتا کہ وہ دو تین افراد کے لیے کافی ہوتا مگر وہ بڑی تعداد، ہزار یا اس سے بھی زائد کے لیے کافی ہو رہتا۔ مریضوں کا دعا سے علاج، تکلیف زدہ مقام پر مسح اور غیبی امور کے بارے میں خبر دینا اور ان کا اسی طرح واقع ہو جانا نیز حیوان، نباتات اور جمادات کی آپؐ کی خاطر گھبراہٹ جب کہ وہ بے عقل ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا آپ کو قتل ہونے سے محفوظ رکھنا اور اس کا آپ کی دعا کو قبول فرمانا، سے متعلق بعض محققین کا حسی معجزات سے انکار کی طرف جھکاؤ ہے اس دلیل کے ساتھ کہ وہ جدید عقلی نظریہ کے مطابق نہیں اور جدید فلسفے انھیں قبول کرتے ہیں، اور نہ عصری تحقیق کے مناہج اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ان لوگوں نے صرف قرآن کے معجزے کو تسلیم کیا ہے کیونکہ وہ اس زمانے والوں کے لیے محسوس معجزہ ہے جس کی تحقیق ممکن ہے اور اس میں امتیازی اعجاز کا حکم لایا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کے نزدیک حسی

---

❶ امام مسلم نے اپنی صحیح: ۳/۱۳۹۸، ۱۴۰۲ میں سلمہ بن اکوع کے لفظ سے بیان کیا۔

❷ امام احمد نے اسنادِ حسن کے ساتھ مسند: ۱/۳۶۸ میں روایت کیا ہے۔

Marfat.com

معجزات کی تحقیق ممکن نہیں اور مروجہ علمی اسالیب بھی انھیں قبول نہیں کرتے۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ اسلامی مصادر درست ہیں جنھوں نے حسی معجزے نقل کیے ہیں اور ان سے انکار چشم دید شاہد صحابہؓ کی شہادت سے انکار ہے اور ان پر جھوٹ یا ضعف عقلی اور ان پر خلل فہم کا اتہام ہے کیونکہ انھوں نے یہ روایات صحیح سمجھ کر نقل کی ہیں جب کہ وہ ان کے خیال میں ایسی نہیں ہیں۔ اور ان ہر دو اتہامات میں جو ظلم اور بے انصافی اور تناقض ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

ہم نے شریعت وعقیدہ کو عینی شہادت کی بنیاد پر قبول کیا ہے اور انھوں نے ہمیں نبیؐ کی احادیث سے متعارف کرایا ہے تو ہم نے ان سب کچھ میں ان کی روایات کو تو قبول کر لیا اور جب ان روایات نے حسّی معجزات کو پیش کیا تو ہم نے ان کا انکار کر دیا، اور اگر ان معجزات کی تردید کی علت مادی عقل ہے تو وہ تو وحی، ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کی تردید کر دے گی۔ لہٰذا ایمان بالغیب رکھنے والے کے لیے حسی معجزات سے متعلق صحیح روایات کو قبول کرنے سے کوئی مفر نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا اسلوب عبادت

عہد مکی میں شعائر عبادت ایک نظر میں

مکہ میں وضو کی فرضیت کی کوئی صحیح روایت نہیں لیکن ابن اسحاق کی نماز کی فرضیت کی مناسبت سے بیان کردہ کچھ ضعیف روایات ہیں [1] اور پھر حضرت عمرؓ بن خطاب کے اسلام لانے کے قصے میں۔ [2] اور آیت مکی ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ [3] میں نظر آتا ہے کہ وضو مکہ میں فرض ہوا۔ سہیلیؒ نے اس کو ترجیح دی ہے [4] اور جمہور علما کی بھی یہی رائے ہے [5] باوجود اس بات کے کہ

---

[1] سیرت ابن ہشام: ۱/۲۴۴ ابن اسحٰق نے یہ روایت بغیر اسناد کے ذکر کی ہے۔ اور حدیث زیدؓ بن حارثہ تک سند کے ساتھ بیان کی ہے مگر اس کی سند میں ابن لھیعہ ضعیف ہے۔

[2] سیرة ابن هشام: ۱/ ۳۴۵.

[3] سورۂ مدثر کی آیت: ۴ کی تفسیر دیکھیں: تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۴۱۔

[4] الروض الانف: ۳/ ۱۳.

[5] مسلم بشرح النووی: ۳/ ۱۰۲.

Marfat.com

وضو سے متعلقہ آیت کریمہ مدینہ میں نازل ہوئی، اور اس پر اتفاق ہے۔ آیت کریمہ یہ ہے ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ﴾ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لو، سروں پر ہاتھ پھیر لو، اور پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔ اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔ اگر بیمار ہو یا سفر کی حالت میں یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو، اور پانی نہ ملے، تو پاک مٹی سے کام لو، پس اس پر ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو) [المائدة:٦] حضرت عائشہؓ نے اسے تیمّم کا نام دیا ہے۔ غالباً اس اشارہ کی بنیاد پر کہ قرآن کی تلاوت سے قبل وضو فرض تھا۔ ❶ مکہ میں قبلۂ نماز بیت المقدس تھا۔ نبی رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کھڑے ہوا کرتے اور کعبہ اور بیت المقدس کو جمع کر لیتے تھے۔ ❷ نماز کا ذکر متعدد سورتوں میں ہوا ہے مثلاً ﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰیO عَبْدًا اِذَا صَلّٰی﴾ (تم نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جبکہ وہ نماز پڑھتا ہو؟) [العلق:٩،١٠] نیز آیت ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا﴾ [طٰہٰ:١٣٢] (اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس پر پابند رہو) نیز ﴿وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰیO وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی﴾ (فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی) [الاعلیٰ:١٤،١٥] نیز ﴿وَمَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَO قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ﴾ (تمھیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے) [المدثر ٤٢،٤٣]

---

❶ الروض الانف: ٣/ ١٣.

❷ مسلم مع شرح النووی: ٥/ ٩، ١٠۔ ابن هشام: ١/ ٣٤٧.

Marfat.com

بعض ضعیف روایات نشاندہی کرتی ہیں کہ اولین مسلمان نماز پڑھتے تھے لیکن ان کی نماز کی کیفیت معلوم نہیں اور اگر ان میں رکوع تھا تو ان رکعتوں کا علم نہیں لیکن بتایا جاتا ہے کہ نبی ﷺ حضرت علیؓ کے ساتھ مکہ کی گھاٹیوں میں تشریف لے جاتے اور وہاں دونوں چھپ کر نماز پڑھتے، ❶ اور پانچ صحابہؓ جنھیں حضرت ابوبکرؓ نے دعوت دی، وہ ایمان لائے اور انھوں نے نماز پڑھی، ❷ جب کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں (جس کا صحیح حدیث میں ذکر ہے) کہ: ''اولین نماز جو فرض ہوئی وہ سفر و حضر میں دو دو رکعتیں تھیں۔'' ❸

اصحابِ شافعیؒ میں سے مزنیؒ نے واضح کیا ہے کہ اسراء و معراج کے واقعات سے قبل نماز غروب شمس سے پہلے اور اس کے طلوع ہونے سے پہلے تھی۔ ❹

اور ہجرت سے ایک سال قبل اسراء و معراج کے واقعہ میں زہری کی مرسل روایت کے مطابق پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی ❺ اور اس کی رکعتوں کی تعداد مقرر کی گئی: صبح کی دو، مغرب کی تین اور ظہر و عصر اور عشاء کی چار رکعتیں سفر و حضر میں مقرر کی گئیں۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد سفر میں چار رکعت نماز کو گھٹا دیا گیا تو وہ مسافر کے لیے صرف دو رکعتیں باقی رہیں۔ ❻

مسلمان مکی دور میں مشرکین کی گرفت کے خوف سے چھپ کر نماز پڑھتے ❼ اور نادر ہی ایسا ہوا کہ نماز علی الاعلان پڑھی گئی ہو جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے ایمان لانے کے موقع پر ہوا کہ بعض حضرات نے ان کے ساتھ کعبہ میں نماز پڑھی۔ ❽ نماز میں سلام کا جواب دینے، چھینک لینے والے کو یرحمک اللہ کہہ کر دعا دینا جائز تھا پھر مکی دور کے دوران حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کے بعد نماز میں کلام کرنا منع کر دیا گیا۔ ❾ اور مکی مرحلہ میں سورہ المزمل

---

❶ الرسول فی مكة اكرم عمری، ص: ٦٥. ❷ سيرة ابن هشام: ١/ ٢٥١-٢٥٢.
❸ صحيح بخاری (فتح الباری: ١/ ٤٦٤) ❹ الروض الانف سهيلی: ١/ ١١-١٢.
❺ مسلم مع شرح نووی: ١٠٩/٥. ❻ صحيح بخاری (فتح الباری: ٢٦٧/٧-٢٦٨).
❼ سيرة ابن هشام: ٢٦٣/١. ❽ سيرة ابن هشام: ٣٤٢/١.
❾ صحيح بخاری (فتح الباری: ٧٢/٣-٧٣)، زاد المعاد ابن قيم: ١١٨/٢-١١٩، البدايه والنهايه ابن كثير: ٣/ ٩٢.

Marfat.com

کے نزول کے ساتھ قیام اللیل فرض کیا گیا ﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ○ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا○ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا○ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا﴾[المزمّل:۱تا۴] (اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات، یا اس سے کم کرلو، یا اس سے زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو)۔ اور قیام مکہ کے دوران میں زکوٰۃ نصاب اور مقداروں کے تعین کے بغیر عمومی طور پر عائد کی گئی اور صدقات، محروم کو دینے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دی گئی۔ مکی سورتوں نے اہل ایمان کی تعریف کی ہے کہ وہ ﴿لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾[المومنون:۴] (وہ زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں) ﴿فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ﴾[الذاریات:۱۹] (اور ان کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم کے لیے) اور ﴿حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ﴾[المعارج:۲۴] نصاب زکوٰۃ اور اس کی مقدار ہجرت کے دوسرے سال مقرر ہوئیں۔ [1]

جہاں تک نماز جمعہ کا تعلق ہے وہ نبی ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت سے قبل مدینہ میں ادا کی جا رہی تھی۔ مسلمان مدینہ میں اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ابوداود نے حضرت کعبؓ بن مالک انصاری کا قول صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے: ''سب سے پہلے ہمیں اسعدؓ بن زرارہ نے نقیع میں ہزم البیت میں جمع کیا جسے نقیع الخضعات کہا جاتا تھا۔ اور کعبؓ نے کہا کہ وہ چالیس مرد تھے۔'' [2]

ارکانِ اسلام میں شمار ہونے والے فرائض مثلاً روزہ اور حج کو قیام مدینہ تک مؤخر کیا گیا۔ روزہ کی فرضیت ۲ ہجری میں شعبان کی دو راتیں گزرنے پر بروز اتوار ہوئی اور حج ۶ ہجری میں فرض ہوا۔ ابن قیم کے مطابق اس کی فرضیت ۹ ہجری میں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے منہج عبادت کا اظہار فرائض کی اقامت اور نوافل کی کثرت میں ہوتا ہے۔ نیز ذکر و خشوع اور انابت قلبی سے

---

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ۳/ ۳۴۷.

[2] سنن ابو داود: ۱۰۶۹۔ مستدرك حاكم: ۱/ ۲۸۱۔ سنن بیهقی: ۳/ ۱۷۶۔۱۷۷۔
حاکم اور بیہقی کہتے ہیں کہ ابن اسحٰق نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ اور بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن الاسناد صحیح ہے۔

Marfat.com

عبادات کا اہتمام تھا، اللہ تعالیٰ کے غفران اور اس کی رضا کی عطا کے باوجود۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ﴾ (اے نبی، ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی تا کہ اللہ تمھاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے) [الفتح:۱،۲] سورہ فتح صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کی حدیبیہ سے مدینہ کی طرف واپسی پر راستہ میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ اس پر بہت خوش تھے کیونکہ اس میں صلح پر موافقت کی تائید تھی اور اس میں مسلمانوں کے لیے خوشخبری تھی کہ ان کے لیے فتح تمام ہوئی اور یہ کہ اس کے نتیجہ میں خیر کثیر تھی جو صلح کے بعد اشاعت اسلام کی صورت میں سامنے آئی، نیز سورت نے رسول اللہ ﷺ کو عظیم بشارت کی خبر دی: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ﴾۔ مگر گناہوں کی مغفرت کا وعدہ لیے ہوئے نبی ﷺ کا حال کیا تھا؟ کیا آپ نے عمل کرنا ترک کر دیا اور راحت و آرام کو اختیار کر لیا؟ اور کیا اس غفران (گناہ بخشے جانے) نے عبادت و جہاد کی مساعی میں کوئی کمی کر دی؟ اور کیا آپ نے پہلے جو کچھ کر لیا اس پر قناعت کر لی، اور کیا آپ نے کتابِ جنگ و امن کی جدوجہد کے صفحات کو لپیٹ دیا؟

رسول اللہ ﷺ نے بلاشبہ ایسا نہیں کیا بلکہ حسب معمول اپنے روحانی اشواق کو پر کرنے میں لگے رہے اور اپنے قلب مبارک جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور تھا، کے احساسات کو پیش نظر رکھا اور اس دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا شکر ہی نکلتا، جس کا دھڑکنا ہی اللہ کے ذکر و شکر کے ساتھ تھا اور اسے اسی راہ پر چلنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا جس کا وہ عادی تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف ۶۰ سال یا اس کے قریب ہی تھی کہ سورہ الفتح کا نزول ہوا جب کہ آخری دو عشرے رسالت کی تبلیغ کی ذمہ داری کے بوجھ کے ساتھ جسمانی مہمات میں گھرے رہے۔ مکہ میں آپ کو دشمنوں کی حجت اور طعن و تشنیع کا سامنا تھا اور مدینہ میں حجت اور تلوار کے ساتھ جنگ تھی، جبکہ حق کی راہ میں طویل کشمکش کے دوران آپ نے اپنے خالق قدیر سے زبردست روحانی طاقتوں کا زاد حاصل کرنا نہ چھوڑا، اور جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے کہا: ''آپ طویل رات نماز کے قیام اور قعود میں گزار دیتے، جب آپ قیام میں قرآن پڑھتے اور رکوع و سجود کرتے اور آپ جلسہ کی حالت

Marfat.com

میں قرآن پڑھتے اور رکوع و سجود کرتے۔" ❶

آنحضور ﷺ اپنے آپ کو اپنی استطاعت کے مطابق ہی تکلیف دیتے، بلکہ اپنی عمر کے مراحل اور جسمانی قوت کی رو سے جو آسان ہوتا اس پر عمل فرماتے۔ جب آپؐ کا بدن مبارک بھاری ہو گیا اور نوافل میں زیادہ دیر کھڑے نہ ہو سکتے تو آپؐ نے بیٹھ کر پڑھنا اختیار کر لیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "نبی ﷺ آخری عمر میں نماز (نفل) اکثر بیٹھ کر ادا فرمایا کرتے۔" ❷

آپؐ کی رات کی نماز طویل ہوا کرتی اور آپؐ کے اصحابؓ میں اتنی استطاعت نہ ہوتی۔ عاصم بن ضمرہؒ نے کہا: میں نے حضرت علیؓ سے آنحضور ﷺ کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: "تمھیں اس کی استطاعت نہیں۔" ❸

عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: میں نے ایک رات نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپؐ اتنی دیر قیام میں رہے حتیٰ کہ مجھے بوجھ لگنے لگا۔" ان سے کہا گیا: تم نے کیا ارادہ کیا؟ انھوں نے کہا: "میں نے سوچا کہ بیٹھ جاؤں اور نبی ﷺ کو چھوڑ دوں۔" ❹ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کو جب رسول اللہ ﷺ کی طویل نماز کا علم ہوا، تو ان کے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ وہ نماز میں بیٹھ جائیں اور رسول اللہ ﷺ کو قیام کی حالت میں چھوڑ کر سخت تکان کے باعث ایسا کر لیں لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا اور اپنے خیال پر قابو پا لیا۔ تاہم وہ اس موقع کو نہ بھولے اور لوگوں کو نبی مغفور ﷺ کی اقتداء کی رغبت دلاتے ہوئے آنحضور ﷺ کی طویل نماز کی کیفیت سے انھیں آگاہ کیا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس شعار کے تحت کرتے "افلا اکون عبدا شکورا" (کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟)۔ جب آپ کا یہ طرز عمل تھا تو وہ شخص جسے اپنے انجام کی خبر نہیں کہ وہ کہاں جائے گا، جنت میں یا جہنم میں؟ تو اس کا طرز عمل کیا ہو؟

---

❶ مختصر الشمائل المحمدیة ۱۵۲ اور ترمذی نے کہا ہے کہ حدیث حسن صحیح ہے۔

❷ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۶.

❸ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ (مختصر شمائل محمدیہ: ۱۵۴)

❹ صحیح مسلم: ۵۳۷/۱، حدیث نمبر: ۷۷۳.

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ہمیں بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی رات کیسے گزارتے۔ ابن عباسؓ ایک رات اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے پاس رہے۔ وہ ان کی والدہ کے باپ کی طرف سے بہن تھیں -- انھوں نے جو دیکھا وہ بیان کیا، کہتے ہیں: ''میں تکیے کے عرض کی طرف لیٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ اس کے طول کی طرف لیٹے۔ آپؐ سو گئے حتیٰ کہ جب آدھی رات ہوگئی یا اس سے تھوڑا سا پہلے یا بعد، آپؐ بیدار ہوئے اور اپنے چہرے سے نیند کو جھٹکا اور آل عمران کی آخری پانچ آیتیں پڑھیں اور فرمایا کہ پانی والی مشک (لٹکی ہوئی) کو میری طرف کرو۔ چنانچہ آپؐ نے اس سے وضو کیا اور خوب کیا۔ پھر آپؐ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں آپ کے پہلو میں کھڑا ہوگیا، آپؐ نے بارہ رکعتیں پڑھیں، پھر وتر، پھر آپ سو گئے حتیٰ کہ اذان ہوئی۔ آپؐ نے قیام میں دو رکعتیں پڑھیں، پھر آپؐ نکلے اور صبح کی نماز پڑھائی۔ [1]

آپ قرآن کریم کی قراءت کھینچ کر کرتے اور آیات کے درمیان وقفے کرتے۔ چنانچہ آپؐ کہتے ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ پھر ٹھہر جاتے۔ پھر کہتے ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ پھر ٹھہر جاتے۔ قراءت آپؐ کبھی آہستہ کرتے اور کبھی اونچی آواز سے اور آپؐ اپنی قراءت کو دہراتے اور یہ سب کچھ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ [2]

کبھی آپ قراءت کرتے ہوئے بہت زیادہ گریہ زاری کرتے اور آپ کی ہچکیاں سنی جاتیں، جیسا کہ عبداللہ بن شخیرؓ کی حدیث میں ہے: ''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جب کہ آپؐ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے سے آپؐ کے سینے سے کھولتی ہوئی ہنڈیا کی طرح کی آواز آرہی تھی اور رسول اللہ ﷺ قرآن سے متاثر ہو کر کیسے نہ روتے! حالانکہ آپ تمام انسانوں سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتے تھے اور سب سے زیادہ اس حق کا شعور رکھتے جو آپؐ پر نازل ہوا۔ آپؐ نے اسراء و معراج میں امور غیب جانے اور دیکھے اور وحی کی براہ راست معرفت حاصل کی جس

---

[1] صحيح البخاري: ١/ ٥٣۔ صحيح مسلم: ١/ ٥٢٥، حديث نمبر: ٧٦٣.

[2] مختصر الشمائل النبوية: ١٦٦۔١٦٨.

Marfat.com

نے آپ کو علم، خشیت، فکر اور تأمل میں سیراب کیا۔ ❶

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام، ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے صحابہؓ سے قرآن سننا پسند فرماتے جو قرآن کے حافظ اور تجوید و حسن قراءت سے متصف تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: مجھے قرآن سناؤ۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں قرآن پڑھوں؟ حالانکہ قرآن آپؐ پر نازل کیا گیا ہے! آپؐ نے فرمایا: میں دوسروں سے سننا پسند کرتا ہوں۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں: میں نے سورہ النساء پڑھی حتیٰ کہ میں ﴿وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ تک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آنحضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ❷

امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ بن مالک کی سند کے ساتھ بیان کیا کہ انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ابی بن کعبؓ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں قرآن کی قراءت تم سے سنوں۔ انھوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، انھوں نے عرض کیا: کیا رب العالمین کے ہاں میرا ذکر کیا گیا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ❸

رسول اللہ ﷺ ابوموسیٰ اشعریؓ کی آواز پر تعجب فرمایا کرتے۔ آپؐ نے ان کی اس خوبی کے باعث انہیں آل داود کی مزامیر سے تشبیہ دی۔ اس طرح سے آنحضور ﷺ نے صحابہؓ سے قرآن سنا۔

آپ نوافل اپنے گھر میں پڑھا کرتے اور پانچ وقت کی فرض نمازوں میں آپ صحابہ کی امامت کیا کرتے۔ چنانچہ آپؐ سے گھر کی اور مسجد کی نماز کے بارے سوال کیا گیا تو فرمایا: میرا گھر مسجد سے کس قدر قریب ہے! سوائے فرض نماز جو میں مسجد میں پڑھتا ہوں، گھر میں نماز

---

❶ ابوداؤد نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ حدیث نمبر: ۹۰۴۔

❷ سورۂ نساء، آیت: ۴۱۔ صحیح بخاری: ۱۴/۶۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۸۰۰۔ سنن ترمذی: ۵/ ۲۳۸، حدیث نمبر: ۳۰۲۵۔ سنن ابو داؤد: ۷۴/۵، حدیث نمبر: ۳۶۶۸۔

❸ فتح الباری: ۷۲۶/۸، حدیث نمبر: ۴۹۶۱۔

Marfat.com

پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے۔ ❶ اور اس لیے کہ پانچ وقت کی فرض نماز کی مسجد میں جماعت کے ساتھ ادائیگی فائدہ مند اغراض کو متحقق کر دیتی ہے۔اس میں سے یہ کہ قریبی رہائش رکھنے والے مسلمانوں کا ایک جگہ اجتماع باہم نیکی اور تقویٰ میں تعاون کا باعث بنتا ہے اور ایک دوسرے کے حالات کا پتا چلتا ہے اور پھر یہ کہ اس کے ساتھ شعائرِ اسلام کی اقامت ہے جو اسلام اور اہل اسلام کی قوت اور غلبے کے اظہار کی دلیل ہے۔

پھر یہ کہ فرض نمازوں کی مسجد میں ادائیگی بہت بڑے اجر کا سبب ہے کیونکہ نماز باجماعت انفرادی نماز سے ستائیس درجہ افضل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے لیکن نفلی نماز کی گھر میں ادائیگی دیکھنے والی آنکھوں سے دور، متعلقہ صاحب کو ریا اور تفاخر سے بچاتی ہے اور اخلاص کے قریب لاتی ہے نیز وہ گھر والوں کے لیے نمونہ بنتا ہے، کیونکہ عورتیں اور اصحابِ عذر باجماعت نماز میں حاضر نہیں ہوتے۔اسی طرح سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز، چاشت اور فرض نمازوں کے درمیان کی نمازیں گھر میں ہوا کرتیں۔نماز کو تو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا گیا تھا اور وہ مومن کی معراج ہے۔آخری وصیت جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو کی، جب کہ آپ دنیا سے رخصت اور رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہو رہے تھے وہ تھی: ''نماز اور تمھارے مِلک یمین (غلام)۔'' ❷

رسول اللہ ﷺ کو ہمیشہ اپنے دل کا اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق پیش نظر رہتا، جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے اس قول سے تعبیر کی ہے: ''آپ کا عمل دائمی ہوتا'' ایک مرتبہ آنجنابہؓ نے فرمایا، اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا قول بھی انھی جیسا تھا، دونوں سے پوچھا گیا: ''رسول اللہ ﷺ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند تھا؟'' دونوں نے کہا: ''وہ عمل جو ہمیشہ کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہو۔'' ❸

---

❶ سنن ابو داؤد: ۹۱۹.

❷ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اسے بیان کیا ہے۔(صحیح سنن ابن ماجه الباني: ۲/ ۱۰۹، حدیث نمبر: ۲۱۸۱).

❸ مختصر الشمائل الباني: ١٦٤-١٦٥.

Marfat.com

آپ کی عبادات، روزے، نماز، ذکر و تعلیم اور جہاد میں تنوع تھا۔ عوف بن مالکؓ نے کہا: ''میں ایک رات رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا، آپؐ بیدار ہوئے، وضو کیا پھر نماز میں کھڑے ہو گئے۔ میں آپؐ کے ساتھ کھڑا ہو گیا، آپؐ نے ابتدائی کلمات کہے اور پھر سورہ البقرۃ کی قراءت شروع کی اور جس آیت رحمت پر گزر ہوتا توقف فرماتے اور اللہ سے اس کی رحمت کا سوال کرتے۔ جب کسی عذاب والی آیت پر آتے تو اللہ سے پناہ مانگتے اور رکوع کرتے۔ رکوع میں آپؐ اپنے قیام کے برابر رہتے اور رکوع میں ''سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ'' پڑھتے پھر آپؐ رکوع کے بقدر سجدہ کرتے اور اپنے سجدے میں وہی تسبیح پڑھتے۔ پھر آپؐ نے آل عمران پڑھی، پھر اور سورت پھر اور سورت۔ اور آپؐ اس طرح سے کرتے رہے۔'' ❶

آپؐ کثرت سے روزے رکھا کرتے، انس بن مالکؓ نے کہا ہے کہ کسی مہینے آپ روزے نہ رکھتے حتیٰ کہ ہم سمجھتے کہ آپؐ روزہ رکھیں گے ہی نہیں اور جب روزے رکھتے تو ہم سمجھتے کبھی چھوڑیں گے ہی نہیں اور ایسا لگتا گویا رات میں آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہی نہیں جا سکتا تا آنکہ میں نے آپ کو دیکھا۔ اور ایسا لگتا کہ آپؐ سوتے ہی نہیں تا آنکہ میں نے آپؐ کو سوتے ہوئے دیکھا۔'' ❷

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: آپ پیر اور جمعرات کے دن کے روزوں کو ترجیح دیتے۔ ❸ آپؐ نے ان دو دنوں میں روزہ رکھنے کا سبب بیان فرمایا: پیر اور جمعرات کے دن اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل اس حال میں پیش کیا جائے کہ میں روزے سے ہوں۔ ❹

آپؐ کا منہج اللہ تعالیٰ سے دائمی تعلق کا تھا۔ آپؐ نماز میں ہوتے، روزے سے

---

❶ سنن نسائی: ۲/۲۲۳۔ مسند احمد: ۶/۲۴۔

❷ صحیح البخاری: ۲/۴۶۔

❸ سنن ترمذی: ۷۴۵۔ سنن ابن ماجہ ۷۳۹ اس کی اسناد صحیح ہے۔ (الارواء: ۴/ ۱۰۵۔۱۰۶)

❹ صحیح سنن الترمذی: ۱/ ۲۲۷۔

Marfat.com

ہوتے یا بستر پر ہوتے، کسی حال میں اس میں کمی نہ آتی۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپؐ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔ ❶

آپؐ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے، سوتے تو یہ کہہ کر اللہ کا ذکر کرتے: بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُه، اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا ، وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصّٰلِحِيْنَ (اے میرے رب! میں تیرے نام کے ساتھ اپنا پہلو بستر پر رکھتا ہوں اور تیرے نام کے ساتھ ہی اسے اٹھاؤں گا، اگر تو نے میری روح کو قبض کر لیا تو اس پر رحم فرمانا، اور اگر تو نے اسے میرے جسم میں واپس بھیج دیا تو اس کی حفاظت فرما جیسا کہ تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ ❷

اور جب آپؐ بیدار ہوتے تو کہتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ (سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی عطا فرمائی اور اسی کی طرف ہمارا پلٹنا ہے)۔ ❸ حضرت عائشہؓ نے کہا: ”جب رسول اللہ ﷺ رات کو اپنے بستر پر تشریف لاتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اکٹھا کرتے اور ﴿قل هو الله احدا﴾ و ﴿قل اعوذ برب الفلق﴾ و ﴿قل اعوذ برب الناس﴾ پڑھتے اور ان میں پھونک مارتے پھر اپنے جسم مبارک پر ہاتھ پھیرتے جہاں تک پہنچ پاتے اور اس کا آغاز اپنے سر، چہرے اور اپنے جسم کے اگلے حصے سے کرتے، ایسا تین مرتبہ کرتے۔ ❹

انس بن مالکؓ سے روایت ہے: ”رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو کہتے: الحمد لله الذى اطعمنا وسقانا وكفانا وآوانا ، فكم ممّن لا كافي له ولا مؤوي ، ❺ (سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا، ہماری کفایت فرمائی اور ہمیں پناہ دی۔ کتنے ہی لوگ ہیں جن کا کوئی کفایت کرنے والا نہیں اور نہ کوئی پناہ دینے

❶ صحیح البخاری: ۲/ ۴۷-۴۸۔ صحیح مسلم: ۱/ ۵۰۹، حدیث نمبر: ۸۳۸.
❷ صحیح البخاری: ۷/ ۱۴۹. ❸ صحیح البخاری: ۷/ ۱۴۷.
❹ صحیح البخاری: ۶/ ۱۰۶. ❺ صحیح مسلم: ۴/ ۲۸۵، حدیث نمبر: ۲۷۱۵.

Marfat.com

والا)۔ نیند کے وقت آپ کی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی ذات کی سپردگی: ''یہ کہ انسان کے لیے اللہ کے سوا کوئی قوت و طاقت نہیں اور یہ کہ صرف اللہ ہی زندہ کرنے اور موت دینے والا ہے۔ سونے جاگنے، کھانے اور پینے کے وقت، نیز لوگوں کے سامنے سوال کرنے اور پناہ مانگنے سے بے نیازی کے موقع پر وہ حمد کا مستحق ہے۔'' میں طمانیت اور سکون کے معانی پائے جاتے ہیں۔ آپ کا یہ قول کتنا عظیم ترین حقائق کا حامل ہے: ''کتنے ہی لوگ ہیں جن کا کوئی کفایت کرنے والا ہے اور نہ پناہ دینے والا۔'' ہاں زمین پر بسنے والے کتنے ہی لوگ ہیں جن کا کوئی کفایت کرنے والا نہیں اور وہ غیروں سے مدد مانگتے ہیں۔ بھوکے زیادہ تر کھاتے پیتے لوگ ہوتے ہیں اور ننگے زیادہ تر کپڑوں والے لوگ ہوتے ہیں اور جن کے پاس مال ہوتا ہے۔ کفایت کا احساس نہیں رکھتے بلکہ حرص و طمع ہر لحاظ سے انھیں بے چینی اور کفایت کے عدم احساس کے ساتھ مال جمع کرنے پر لگائے رکھتا ہے۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ اور آپؐ کے ہاں کھانے پینے اور ساز و سامان کی قلت کے معلوم ہونے سے زہد و قناعت اور احساس بالکفایت کی حقیقت کا ادراک ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اپنے اصحاب کو تعلیم تھی کہ وہ اپنے سے فروتر لوگوں کو دیکھیں اور اپنے سے بالاتر لوگوں کی طرف نظر نہ کریں، جس نے اپنے سے فروتر کو دیکھا اس نے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کا ادراک کر لیا اور جو کچھ اسے اللہ تعالیٰ نے دیا اس پر کفایت کی اور تقدیر پر وہ رضامند ہوا اور اللہ کی عطا کردہ پناہ پر اس کی تعریف کی اس احساس کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنے ہاں پناہ دی ہے اور اسے اپنی راہ دکھائی ہے اور اسے اپنی ذات سے منسوب کیا ہے اور اس کی سرپرستی کی ہے اور اسے غیروں کے سپرد نہیں کیا، بندے کو حاضر و مستقبل کے بارے میں انتہائی اعتماد دلاتا ہے۔ وہ مصیبت میں پریشان ہوتا ہے اور نہ سخت واقعات کا سامنا کرنے اور رنج دہ تبدیلیٔ حالات میں دل چھوڑ بیٹھتا ہے بلکہ وہ زندگی کی مشکلات کے آگے مضبوط چٹان بن جاتا ہے۔

اور وہ شخص کیوں نہ مطمئن ہو جسے اللہ کی پناہ حاصل ہو جائے جس سبحانہ وتعالیٰ کے محیط

---

❶ الغنا غنی النفس (حدیث) ع آنانکہ غنی تر اند، محتاج تر اند (مترجم)

Marfat.com

میں ہر چیز کا علم ہے، جس سے اس زمین و آسمان میں رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی چیز چھپی نہیں رہتی، جس کی قدرت کی کوئی حد نہیں اور اس کا کوئی فیصلہ ٹالا نہیں جا سکتا؟

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ کے ذمے میں ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے کسی چیز کے ذمے کا مطالبہ نہیں کرتا، اور جس سے وہ کسی چیز کے ذمے کا مطالبہ کرتا ہے اسے پکڑ لیتا ہے اور پھر اسے منہ کے بل جہنم میں ڈال دیتا ہے۔ ❶

اللہ تعالیٰ کی امان سے بڑھ کر انسان کے لیے کون سی امان ہو سکتی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت، اس کے عہد اور اس کی حفاظت میں ہو۔ آنحضرت کا معمول تھا کہ جب آپؐ صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی جائے نماز پر بیٹھے طلوع آفتاب تک اللہ کا ذکر کرتے رہتے ❷ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے۔ آپ کھانا کھاتے یا پانی پیتے یا لباس پہنتے تو اللہ تعالیٰ کا ان کی حمد کے ساتھ شکر ادا کرتے اور جب سورج بلند ہو جاتا تو آپؐ چار رکعت نفل ادا کرتے اور وہ نماز ضحیٰ ہے حضرت ابو ہریرہؓ کہا کرتے تھے: میرے دوست نے مجھے ہر مہینے کے تین روزوں، ضحیٰ کی دو رکعتوں اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ ❸

حدیث قدسی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے ابن آدم! تو دن کے پہلے پہر میرے لیے چار رکعت ادا کر، میں ان کے ساتھ تیرے دن کے آخر میں کفایت کروں گا۔'' ❹

رسول اللہ ﷺ رات اور دن دعاؤں اور اذکار کو اختیار کیے رکھتے اور اپنے اصحابؓ کو بھی ان کی تعلیم دیتے۔ شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ سید الاستغفار یہ ہے کہ تو

---

❶ صحیح مسلم ۱/۴۵۵۔ ❷ صحیح مسلم: ١/ ٤٦٣، ٤/ ١٨١٠ اور مسند احمد: ٥/ ٩١.
❸ صحیح مسلم: ۱/۴۹۹ اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ضحیٰ کی دو رکعتوں کی وصیت نقل کی ہے: ۲/۵۲۔
❹ اسے احمد اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کی سند کے راوی صحیح کے رجال ہیں۔ اسے ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (السنن: ۲/۳۴۰ اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے) سنن ابو داود: ۲/۱۳، مسند احمد: ٥/٢٨٦، ٢٨٧.

Marfat.com

یہ کہے: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُكَ ،وَاَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَااسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ. (اے اللہ تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی الہ نہیں ہے، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں، اور میں اپنے عہد اور وعدے پر استطاعت کے مطابق قائم ہوں، میں پناہ مانگتا ہوں اس برائی سے جس کا مرتکب ہوا ہوں، میں تیرا انعام جو مجھ پر ہوا اس کا معترف ہوں اور جو گناہ میں نے کیے ہیں ان کا اعتراف کرتا ہوں۔ پس تو مجھے معاف کر دے، تیرے سوا معاف کرنے والا کوئی نہیں)۔ ❶

رسول اللہ ﷺ اپنے اصحابؓ کو توبہ کی اور استخارہ کی نماز سکھایا کرتے اور صحابہ اپنی بہت سی نمازوں میں اللہ سے تعلق کا التزام کیے رکھتے۔ انسان گناہ سے مبرا نہیں ہوتا، گناہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ چنانچہ حدیث میں ہے: ''بنی آدم سب کے سب خطا کار ہیں اور سب سے بہتر خطا کرنے والے وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔'' ❷

چھوٹی یا بڑی حاجت ہر شخص کو پیش آتی رہتی ہے۔ کوئی شخص اس سے مبرا نہیں۔ عثمان ابن حنیفؓ سے روایت ہے کہ ایک اندھا نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ میری بصارت لوٹا دے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا میں تمہارے لیے دعا کروں'' اس نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ میری بصارت کا ضیاع مجھ پر بڑا شاق ہے۔'' تو آپؐ نے فرمایا: ''جا اور وضو کر اور دو رکعت نماز پڑھ، پھر کہہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور میں تیری جناب میں نبی رحمت محمد ﷺ کے ساتھ آتا ہوں۔ اے محمد (ﷺ) میں آپؐ کے ساتھ اللہ کی جناب میں حاضر ہوتا ہوں کہ وہ میری بصارت کو درست فرما دے۔ اے اللہ! آنحضور کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ چنانچہ وہ واپس ہوا اس حال میں کہ اس کی بصارت کو اللہ تعالیٰ نے درست فرما دیا۔ ❸

---

❶ صحیح بخاری: ۷ / ۱۴۵. ❷ صحیح سنن الترمذی: ۲ / ۳۰۵.

❸ سنن ترمذی: ۵/۵۶۹ اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ سنن ابن ماجہ (صحیح سنن ابن ماجہ: ۱/۲۳۱-۲۳۲)

Marfat.com

نبی رحمت ﷺ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿ لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ﴾[التوبہ:۱۲۸] (دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمھارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمھاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے)۔ رسول اللہ ﷺ عربی ہیں، قریشی ہیں اور معروف النسب ہیں۔ آپؐ کے نسب کی صحت پر اور آپ کے کریم الاصل ہونے پر کبھی کسی نے انگلی نہیں رکھی۔ اور اہل عرب کے لیے اللہ تعالیٰ کی مخاطبت کہ رسول اللہ ﷺ انھیں میں سے ہیں ان کی تذکیر کے لیے ہے کہ آپؐ ان کے خیر خواہ ہیں اور آپ کو ان سے محبت ہے، آپؐ ان پر مشفق ہیں، اور ان کی ہدایت کے خواہش منداور ان کے مہربان رفیق ہیں، آپؐ کو ان کی گمراہی تکلیف دیتی ہے اور ان کی ہدایت آپؐ کے لیے فرحت کا باعث ہے۔ اور بہت سی احادیث آپؐ کی ہدایت بخش رحمت کی وضاحت کرتی اور نبی مصطفیٰ ﷺ کی صورت کشی کرتی ہوئی وارد ہوئی ہیں۔ اور ان میں سے آپ کی امت سے پہلے آپؐ کی وفات ہے تاکہ وہ اس کے لیے سلفاً ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے: ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے بندوں میں سے کسی امت پر رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے پہلے اس کے نبی کو وفات دے دیتا ہے اور نبی کو اس امت کے آگے فرطاً وسلفاً بنا دیتا ہے اور جس امت کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اسے عذاب دیتا ہے جب کہ اس کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اللہ اسے نبی کی نظروں کے سامنے ہلاک کر دیتا ہے اور اس کی ہلاکت پر نبی کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا ہے جب کہ انھوں نے اس کی تکذیب کی ہوتی ہے اور نافرمانی۔ ❶

سیرت النبیؐ کے واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ قوم ثقیف نے رسول اللہ ﷺ کو ایذا دی جب آپؐ ان کے ہاں طائف میں انھیں اسلام کی دعوت دینے کے لیے تشریف لے گئے۔

---

❶ صحيح مسلم: ٤/ ١٧٩١-١٧٩٢، حديث نمبر: ٢٢٨٨.

Marfat.com

انھوں نے آپؐ کو پتھر مارے حتیٰ کہ آپ کے قدموں کو لہولہان کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا کہ آپؐ چاہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں سزا دے اور انھیں پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دے مگر آپؐ نے کہا: ''بلکہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نسل سے ایسے لوگ نکالے گا جو صرف اللہ کی بندگی اختیار کریں گے اور اس کے ساتھ ذرہ برابر شرک نہ کریں گے۔ ❶

آنحضور ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں اپنی امت کے لیے باعث امن وسلامتی تھے جب کہ آپ کی وفات کے بعد استغفار ان کے لیے پیغام امن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴾ (اس وقت تو اللہ ان پر عذاب نازل کرنے والا نہ تھا جب کہ تو ان کے درمیان موجود تھا اور نہ اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ ان کو عذاب دے دے) [الانفال:۳۳]۔

آپؐ اپنی زندگی میں بھی اور وفات میں بھی اہل ایمان کے لیے رحمت و بھلائی تھے۔ آپ کا ارشاد ہے: ''میری زندگی تمھارے لیے خیر کا باعث اور میری وفات بھی تمھارے لیے خیر کا باعث ہے، تمھارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جائیں گے، جو بھلائی کے اعمال دیکھوں گا ان پر اللہ کا شکر ادا کروں گا اور جو شر دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ سے تمھاری مغفرت کی دعا کروں گا۔'' ❷

اور آپؐ رحمت عامہ ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الانبیاء:۱۰۷] (اے نبیؐ! ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔ ایسے ہی آپؐ نور ہیں، لوگوں کی ہدایت کی راہ کو روشن کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴾ [الاحزاب:۴۵،۴۶] اے نبی ہم نے تم کو بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر

---

❶ صحیح بخاری (فتح الباری: ٦/٣١٢-٣١٣)، صحیح مسلم: ٣/ ١٤٢٠۔

❷ اسے بزار نے روایت کیا جیسا کہ کشف الاستار: ۱/۳۹۷ میں ہے۔

Marfat.com

اور روشن چراغ بنا کر)۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے: ''جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کی ہر چیز چمک اٹھی، جس دن آپؐ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو ہر چیز پر تاریکی چھا گئی۔ ہم آپؐ کی تدفین سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ہمارے دل بدل گئے۔ [1] حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو دعائے مستجاب عطا کی گئی تو ہر نبی نے اپنی دعا میں عجلت سے کام لیا اور میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ کر لیا۔'' [2]

نبی کریم ﷺ کی رسالت میں رحمت کے جملہ معانی جھلک رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی امت سے وہ بوجھ اور وہ اغلال دور کر دیے جو سابقہ امتوں پر لدے ہوئے تھے اور ان کے لیے دین کو آسان فرما دیا اور تنگی دور کر دی ﴿هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾[الحج:۷۸] (اس نے تمھیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی)۔

آنحضور ﷺ کا قلب مبارک رحمت سے لبریز تھا اور آپؐ نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت فرمائی کہ وہ رحم دلی کا رویہ اختیار کریں جیسا کہ قرآن حکیم نے ان کا وصف بیان کیا ہے ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾[الفتح:۲۹] (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انھیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں)۔

---

[1] مسند احمد ۳/ ۲۲۸ ـ ۲۶۸ ـ حاکم: مستدرک ۳/ ۵۷

[2] متفق علیہ: صحیح بخاری ۷/ ۱۴۵ ـ صحیح مسلم ۱/ ۱۸۹ ـ الفاظ امام مسلم کے ہیں، حدیث: ۱۹۹

Marfat.com

حضرت انس بن مالکؓ نے کہا ہے: ''میں نے اپنے عیال کے لیے آپؐ سے بڑھ کر کسی کو رحمدل نہیں دیکھا۔'' ❶ حضرت زید بن حارثہؓ نے کہا ہے: ''نبی ﷺ کی صاحبزادی نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے، آپؐ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔'' آپؐ نے سلام کہلا بھیجا اور فرمایا: اللہ ہی کا ہے جو کسی سے لے لیتا ہے اور اسی کا ہے جو کسی کو عطا فرماتا ہے اور ہر ایک کا اس کے ہاں وقت مقرر ہے، پس صبر کرو اور سکون اختیار کرو''۔ مگر آپؐ کی صاحبزادیؓ نے آپ کو قسم دی کہ آپؐ ضرور تشریف لائیں آپؐ اٹھے اور سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم آپؐ کے ہمراہ تھے۔ چنانچہ بچے کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپؐ کا قلب مبارک زور زور سے دھڑک رہا تھا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سعدؓ نے عرض کی: یہ کیا، اے اللہ کے رسولؐ؟ آپؐ نے فرمایا: ''یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر ہی رحم فرماتا ہے۔'' ❷

رسول اللہ ﷺ جب کسی کو امیر لشکر بناتے یا سریہ کا سربراہ، تو آپؐ اسے ہدایت فرماتے: ''نہ مردے کا مثلہ کرنا، نہ کسی بچے کو قتل کرنا۔'' ❸ آپ کی رحمت اور رحمدلی کی ہدایت حیوانات کے لیے بھی تھی چہ جائیکہ انسان۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے: ''ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے، ہم چیونٹیوں کے بل کے پاس سے گزرے جسے جلا دیا گیا تھا، رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: کسی انسان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اللہ عزوجل کے عذاب کے مماثل عذاب دے۔ ❹

سعید بن جبیرؓ بیان کرتے ہیں: ''ابن عمرؓ کچھ افراد کے پاس سے گزرے جو مرغی کو نشانہ بنا رہے تھے۔ آپؓ نے فرمایا: کس نے ایسا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے ایسا کرنے والے پر لعنت کی ہے۔'' ❺ ایک آدمی نے نبیؐ سے کہا: ''اے اللہ ﷺ کے رسول، میں بکری کو ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم نے بکری پر رحم کیا تو اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔ ❻

---

❶ صحیح مسلم ۲۳۱۶/۴۔ ❷ صحیح البخاری: ۸۰/۲۔ صحیح مسلم: ۶۳۵/۲، حدیث نمبر: ۹۲۳۔

❸ صحیح مسلم: ۱۳۵۷/۳، حدیث نمبر: ۱۷۳۱۔ ❹ مسند احمد: ۲۹۶/۱۔ ابوداود کی سنن: ۱۲۶/۳۔

❺ صحیح مسلم: ۱۵۴۹/۳۔ ۱۵۵۰، حدیث نمبر: 1958۔ ❻ مسند احمد: ۴۲۶/۳۔

Marfat.com

اور آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ نیکی کا حکم دیا ہے۔ جب تم قتل کرو تو احسن طریقے سے قتل کرو اور ذبح کرو تو عمدہ طریقے سے ذبح کرو اور ہر ایک اپنی چھری کو تیز کر لیا کرے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔'' ❶

رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کو مثالیں بیان فرمایا کرتے اور پہلے لوگوں کی باتیں بتایا کرتے جن سے ان کے دلوں میں رحم پیدا ہو۔ ایک مرتبہ آپ نے ان سے فرمایا: ''ایک آدمی راہ چل رہا تھا، اسے شدید پیاس لگی، اسے ایک کنواں ملا، وہ اس میں اترا اور پانی پیا۔ جب نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کے مارے مٹی چاٹ رہا ہے اس آدمی نے سوچا کہ اس کو بھی ویسی ہی پیاس لگی ہے جیسے مجھے لگی تھی۔ چنانچہ وہ کنوئیں میں اترا اور اپنا جوتا پانی سے بھرا، اسے اپنے منہ میں پکڑا حتیٰ کہ اوپر آ گیا اور کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر فرمائی اور اسے بخش دیا۔'' صحابہؓ نے کہا: ''اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہمارے لیے چوپاؤں سے متعلق بھی اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: '' في كل كبد رطبة اجرا '' ❷ (ہر ذی روح سے متعلق اجر ہے) یہ کثیر میں سے قلیل ہے اور سب کچھ جو آنحضور ﷺ کے بارے میں دیکھا جاتا ہے کہ یہ کہ آپ ''رحمة مهداة'' (مجسم رحمت) ہیں۔ آپ نے اپنے اصحاب کے دلوں میں رحمت کے بیج بوئے ہیں اور اس کی ہدایت فرمائی ہے اور آپ کی تعلیمات اس کے ذکر سے پُر ہیں۔ نیز اس میں ہر ذی روح، انسان ہو یا حیوان، شامل ہے اور اس کے ساتھ وہ جدید انسان کے حقوق کی جملہ تحریکات اور حیوان کے ساتھ نیکی و شفقت کی جملہ تنظیموں سے، جسے لوگ مغربی تہذیب اور اسکے انعامات کی خصوصیات خیال کرتے ہیں، سبقت لے گئی ہیں۔

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آپ کی بعثت جہان والوں کے لیے رحمت ہے اور اسے آپ کے اس ارشاد کے ساتھ: ''اے لوگو! میں رحمت ہوں، تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہوں۔'' ❸ آپ کی رسالت کا جوہر تعبیر کیا جائے۔

---

❶ صحيح مسلم: ٣/ ١٥٤٨، حديث نمبر: ١٩٥٥.

❷ متفق عليه (صحيح بخاری: ٣/ ٧٧)، صحيح مسلم: ٤/ ١٧٦١، حديث نمبر: ٢٢٤٤ اور الفاظ امام مسلم کے ہیں۔ ❸ مستدرک حاکم ۱/۳۵، امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے اس کی تائید کی ہے۔

Marfat.com

وہ وقت دور نہیں جب آپ ؐ کی تعلیمات ستم زدہ لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھیں گی، کمزوروں کے ساتھ شفقت کی طلبگار ہوں گی، ان سے جباروں کے دل نرم پڑ جائیں گے اور زندگی محبت، گرم جوشی اور رحمت سے بھر جائے گی۔

محبتِ رسول ﷺ: لازمۂ ایمان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَاَبۡنَآؤُکُمۡ وَاِخۡوَانُکُمۡ وَاَزۡوَاجُکُمۡ وَعَشِیۡرَتُکُمۡ وَاَمۡوَالُ ِۣاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَهَا وَ مَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ﴾ [التوبہ:۲۴] (اے نبی، کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے عزیز و اقارب، اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار، جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے، اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول ؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا)۔

یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس محبت کے لیے میزان رکھ دی گئی ہے جس پر اسے جانچا جائے گا۔ مطلوب یہ نہیں ہے کہ مومن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس طرح محبت کرے جس طرح اسے اپنے باپ، بیٹے، بیوی اور مال کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی محبت کا پلڑا سارے پیاروں کے مقابلے میں بھاری ہو۔ اس کے دل میں کسی چیز کی محبت، رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نہ ہو کیونکہ رسول اللہ اس کے لیے جہالت و گمراہی کے اندھیروں سے نکلنے اور علم و ہدایت کی سعادت کا سبب ہیں، اور دنیا کی تنگی اور آخرت کے عذاب سے نجات کا باعث ہیں۔ آپ ؐ کے ذریعے سے نعمت ایمان کا حصول تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے اور جملہ فوائد سے بڑھ کر مفید۔ لہٰذا

Marfat.com

اس عظیم نعمت کے پانے والے پر حق ہے کہ وہ اس ہستی سے محبت کرے جس نے اس تک یہ نعمت پہنچائی ہے۔ صحابہؓ نے اس نعمت کی حقیقت کو پالیا تھا اور ان کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گہرا تعلق تھا اور آپؐ کے ساتھ ان کی محبت عظیم ترین تھی۔ چنانچہ وہ آپ پر جان، مال اور اہل کے ساتھ فدا تھے۔

صفوانؓ بن عسال المرادی نے کہا کہ: ''ہم نبیؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، اس دوران کہ ہم آپ کے پاس موجود تھے تو ایک اعرابی نے آپ کو بلند آواز سے پکارا، کہا: ''اے محمد ﷺ!'' تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اس کی آواز کے برابر جواب دیا: ''ھاؤم'' تو ہم نے اسے کہا: ''تیرا برا ہو، اپنی آواز پست رکھ کیونکہ تو نبی ﷺ کے پاس ہے، آپ کو اونچی آواز سے پکارنا منع کیا گیا ہے۔'' اس نے کہا: ''بخدا! میں اپنی آواز پست نہیں کروں گا۔'' پھر اس نے پوچھا: ''آدمی لوگوں سے محبت کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے ملا نہیں ہوتا؟'' اس پر نبیؐ نے فرمایا: ''قیامت کے دن آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی۔'' ❶ اس حدیث میں اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنین صالحین کے ساتھ محبت کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ نے کہا ہے: ''اسلام کے بعد نبیؐ کے اس قول سے شدید تر فرحت ہوئی کہ ''تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تیری محبت ہے'' ❷.

قرطبیؒ نے کہا ہے: صحابہؓ کو ساری نیکیوں کے اعمال سے حاصل ہونے والی فرحت کی بہ نسبت رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے زیادہ فرحت ہوئی۔ انھوں نے نیکی کے کاموں کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے قرب کا پالینا نہیں سنا تھا اور نہ یہ کہ آنحضور ﷺ کا قرب، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے بغیر۔ یہ کتنا عظیم معاملہ ہے کہ ایک کم کوش، شہرت یافتہ سے اور ایک متاخر، متقدم کے ساتھ جا ملے! جب حضرت انسؓ نے جان لیا کہ اس بات میں عموم ہے تو انھوں نے

---

❶ اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن: ۵/۵۴۵، حدیث نمبر: ۳۵۳۵) صحیح بخاری: ۷/۱۱۲۔۱۱۳ میں ابن مسعود کی حدیث بطورِ شاہد کے آئی ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ۴/۲۰۳۴، حدیث نمبر ۲۶۴۰ ابن مسعود کی حدیث سے مختصراً بطورِ شاہد کے تخریج کی ہے۔

❷ صحیح مسلم: ٤ / ٢٠٣٢، حدیث نمبر: ٢٦٣٩.

Marfat.com

اس کے ساتھ امید باندھ لی اور انھیں اس کا یقین ہو گیا تو کہا: ''میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے محبت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ ہوں گا اگر چہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں۔''

نبی ﷺ نے ناگزیر محبت کی حدود بیان فرمائیں جب کہ عمرؓ بن خطاب نے کہا: ''اے اللہ کے رسول آپ مجھے سوائے میری جان کے دیگر ہر چیز سے محبوب تر ہیں۔'' تو آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے حتیٰ کہ میں تمھیں تمہاری جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں۔'' اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ''واللہ! اب آپؐ مجھے میری جان سے محبوب تر ہیں۔'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اب اے عمر۔'' ❶ اور اس محبت کی علامت آنحضور ﷺ کا اتباع ہے اور قول یا عمل کے ساتھ آپؐ سے عدم تقدم ہے۔ انسان کی رائے رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور آپؐ کے حکم سے محبوب تر نہ ہو، اور آپ کی محبت کی حدود اور واجب مرتبہ تک اس کی رسائی کی علامت آپؐ کی سنت کی نصرت اور شریعت کی حفاظت اسے اپنی مصلحتوں، اپنی جان، اپنے اہل وعیال اور مال وجاہ کی نسبت محبوب تر ہو۔ آپ کے اس ارشاد کے مطابق لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من ولده ووالده والناس اجمعين۔ ''تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے ہاں اس کی اولاد، اس کے ماں باپ اور جملہ انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔'' ❷

اور آپ کا ارشاد ہے: ''جس شخص میں تین وصف ہوں، وہ ایمان کی حلاوت کو حاصل کر لیتا ہے: یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ اسے محبوب تر ہوں ماسوا سے، اور وہ محبت کرے تو اللہ کے لیے، اور کفر میں پلٹ جانا اسے اتنا ناپسند ہو جتنا کہ آگ میں ڈالا جانا۔'' ❸

بیضاویؒ نے کہا: ''یہاں محبت سے مراد عقل کی محبت ہے، وہ اس کی عقل سلیم کے رجحان کے تقاضے کی ترجیح ہے اگر چہ وہ خواہش نفس کے خلاف ہو، جس طرح مریض، اس دوائی

---

❶ صحيح البخاری: ٧/ ٢١٨.

❷ صحيح البخاری: ١/ ٩۔ صحيح مسلم: ١/ ٦٧، حديث نمبر: ٧٠ اور الفاظ امام مسلم کے ہیں۔

❸ صحيح البخاری: ١/ ٩۔ صحيح مسلم: ١/ ٦٦، حديث نمبر: ٤٣.

Marfat.com

سے نفرت کرتا ہے جو اس کی طبیعت کو ناپسند ہو مگر عقل کے تقاضے کے تحت اسے لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جب آدمی غور کرے کہ شارع علیہ السلام کے کسی چیز کا حکم یا اس سے ممانعت کی بنیاد اس چیز کے مفید یا مضر ہونے پر ہے، عقل کا رجحان اس کے حکم کی تعمیل کی طرف ہوگا کیوں کہ اس کی خواہش اس کے مطابق ہو جائے گی اور وہ اس سے خوب عقلی لذت حاصل کرے گا۔ عقلی لذت کمال وخیر کا حصول ہے جب کہ وہ ایسی ہو اور یہ بھی محبت رسول کا تقاضا ہے کہ آپؐ کی رسالت کا بول بالا کرنے میں غور وفکر اور زندگی بھر اس کی تبلیغ ہو تا کہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد ہدایت حاصل کر لے، اس چیز کے پیش نظر کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کی بعثت کے ساتھ بندوں پر احسان فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [آل عمران: ۱۶۴] (درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انھیں میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے)۔

حضرت معاویہؓ کی روایت صحیح مسلم میں مذکور ہے: ''یہ کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحابؓ کے ایک حلقے کی طرف تشریف لائے اور فرمایا: تمھیں کس چیز نے بٹھایا ہے؟ انھوں نے عرض کیا ہم یہاں اللہ کا ذکر کر رہے ہیں کہ اس کریم نے ہمیں اپنے دین کی ہدایت دی اور آپ کو مبعوث فرما کر ہم پر احسان کیا۔'' تو آپؐ نے ان سے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے اور انھوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ عزوجل تمھارے ساتھ ملائکہ پر فخر فرماتا ہے۔ [1] یہ تھی وہ محبت جس نے نبی ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کے مابین تعلق قائم کر رکھا تھا۔ اور اسی محبت نے انھیں اپنی جانوں، اہل وعیال اور مالوں کے ساتھ آپ کا فدائی بنا رکھا تھا۔

یہ انس بن نضرؓ ہیں، انھوں نے بعض مسلمانوں کو غزوہ احد میں حیران و پریشان بیٹھے

---

[1] صحیح مسلم، ص: ۲۰۷۵۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۳۳۷۹ الفاظ ترمذی کے ہیں۔

Marfat.com

ہوئے دیکھا جب کہ آنحضور ﷺ کے شہید ہو جانے کی افواہ پھیلی۔ حضرت انس نے انھیں پکار کر کہا: ''کیا خوب ہے جنت کی خوشبو، جو احد کے پیچھے سے آرہی ہے۔'' چنانچہ لڑے حتیٰ کہ شہید ہو گئے اور ان کے جسم پر تلواروں، تیروں اور نیزوں کے ۸۰ سے زیادہ زخم تھے۔ حتیٰ کہ ان کی بہن ربیع بنت نضر نے انھیں ان کے ہاتھوں کے پوروں سے پہچانا۔ چنانچہ ان کے اور ان جیسے سچے مجاہدین کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ، فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ [الاحزاب: ۲۳] (ایمان والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا، ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا، اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انھوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی)۔ ❶

رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابت کو انس بن نضر کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا، انھوں نے انھیں مقتولین میں پایا اور ان میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی، اور وہ رمق بھی باقی نہ رہی اس کے بعد کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سلام کا جواب دیا اور صرف اتنا کہا: ''میں اس حال میں ہوں کہ مجھے جنت کی خوشبو آرہی ہے اور میری قوم انصار سے کہنا: ''اگر تم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دو گے جب کہ تمھاری آنکھ کی پتلی حرکت میں ہو تو اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔'' اس پر حضرت زید کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ❷

کیا خوب وصیت تھی جس سے محبت کی خوشبو آرہی تھی، جس پر موت اور زخموں کے دردوں کا کوئی اثر نہ تھا۔ ابوطلحہ انصاری رسول اللہ ﷺ کا بچاؤ کر رہے تھے اور آپ کے آگے تیر سہہ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: کوئی تیر آپ کو نہیں لگے گا، میرا گلا آپ کے گلے سے پہلے ہے۔'' ❸ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس گہری محبت اور آپ کے لیے ان کی جانی و مالی قربانیوں

---

❶ صحیح البخاری (فتح الباری: ٦/ ٢١، ٧/ ٢٧٤، ٨/ ٥١٧)
❷ مجمع البحرین ھیثمی: ٢/ ٢٣٩۔ ابن اسحٰق کی روایت سے ایسی اسناد کے ساتھ جس کے رجال ثقات ہیں۔
❸ صحیح البخاری (فتح الباری: ٧/ ٣٦١).

Marfat.com

کے باوجود مسلمانوں کے عقائد اللہ تعالیٰ کے فضل سے درست رہے اور انھوں نے صفت نبوت سے آگے تجاوز نہیں کیا اور انھوں نے اپنے نبیؐ کے ساتھ الوہیت کی صفات منسوب نہیں کیں اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ آپؐ کی عبادت نہیں کی بلکہ آنحضور ﷺ کی آواز ان کے کانوں میں گونجتی رہی: ''انا ابن امراۃ کانت تاکل القدید'' ❶

اس سے قبل قرآن کی یاد دہانی بشریت رسولؐ کے بارے میں ﴿ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ ﴾[الکہف:۱۱۰] ان کو مستحضر رہی اور یہ کہ آپ کو اسی طرح تکلیف پہنچتی ہے جس طرح کہ ایک انسان کو پہنچتی ہے ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴾[آل عمران:۱۴۴] (محمد، اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انھیں وہ اس کی جزا دے گا)۔

امہات المومنینؓ

سیرۃ المصطفیٰؐ کے اوراق کے مطالعہ سے تمام انسانوں کے ساتھ آپؐ کے خلق کریم کی روشن صورتیں نظر آتی ہیں، لیکن آپؐ کے گھر میں آپ کا بالخصوص اپنی ازواج کے ساتھ سلوک، اعلیٰ اخلاق، گہری محبت وشفقت، اور ان کے احساسات کا لحاظ رکھنے اور ان کی رغبات، جہاں تک وہ حدود واحکام شریعت سے باہر نہ ہوں، کے احترام کی بے مثال صلاحیت پر دلالت کرتا ہے۔

یہ حضرت عائشہؓ ہیں، آپؐ کے ساتھ حج کرتی ہیں مگر ان کا حیض انھیں لوگوں کے ساتھ عمرہ کرنے سے روک دیتا ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ فرمایا تو

---

❶ صحیح سنن ابن ماجه: ۲/ ۲۳۲.

Marfat.com

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ حج و عمرہ کے ساتھ لوٹیں گے اور میں صرف حج کے ساتھ واپس ہوں گی۔ تو رسول اللہ ﷺ کو ترس آ گیا کہ ان کی زوجہ محترمہ فضل و خیر کے بعض اعمال کی محرومی کا احساس لیے ہوئے لوٹے گی، چنانچہ آپؐ نے توقف فرمایا اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ تنعیم تک جائیں جہاں سے وہ عمرہ کا احرام باندھ لیں۔ ❶

اور غزوۃ المریسیع (بنی المصطلق) میں پورے کا پورا لشکر رک جاتا ہے اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کا ہار ٹوٹ کر گر پڑتا ہے اور وہ ریت میں سے اس کے دانے جمع کرنے لگ پڑتی ہیں... اور جب نماز کا وقت ہو گیا اور مسلمانوں نے وضو کے لیے پانی نہ پایا تو آیت تیمّم نازل ہوئی۔ صحابہؓ میں سے ایک صاحب نے حضرت ابوبکرؓ اور آپؓ کی آل کے لیے محبت کے احساسات کا اظہار اور اس خاندان کی فضیلت اور برکت کا اعتراف کیا اور کہا: ''اے آل ابوبکرؓ! تیمّم کی رخصت کا ملنا تمہاری برکات میں سے ایک ہے۔'' ❷

امام بخاریؒ کی روایت ہے کہ جب آنحضور ﷺ غزوہ خیبر سے واپس ہوئے اور آپؐ نے صفیہ بنت حیی سے نکاح کیا تو آپؐ اونٹ (کے کجاوے) کے گرد کپڑے لپیٹ رہے تھے، جس میں حضرت صفیہؓ نے سوار ہونا تھا تاکہ اس سے انھیں ڈھانپ دیں۔ پھر آپ اونٹ کے پاس بیٹھے اور حضرت صفیہؓ نے اپنا پاؤں آپؐ کے گھٹنے پر رکھا جو آپؐ نے نیچا کر رکھا تھا اور وہ اونٹ پر سوار ہوئیں۔ اور یہ منظر لوگوں کی آنکھوں سے دور نہیں تھا بلکہ آپؐ کے فاتح لشکر کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ آپؐ انھیں تعلیم دے رہے تھے کہ رسولؐ بشر ہیں اور نبی رحمتؐ اور کامیاب قائد ہیں اور یہ کہ اس مشفقانہ طرز عمل سے آپ کی قدر نہیں گھٹتی جب آپؐ اپنا پہلو اپنے اہل کے لیے بچھا دیں اور اپنی زوجہ مطہرہ کے لیے تواضع اختیار فرمائیں اور اس کی مدد کریں اور اسے آرام پہنچائیں۔

---

❶ صحیح البخاری: ۲/ ۲۰۰۔ ۲۰۱ (مطبوعہ استنبول)۔

❷ صحیح البخاری (فتح الباری: ۱/ ۴۳۱)۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے خلق عظیم کی تصویر آپ کے حیرت انگیز موقف میں جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جب آپ اس عورت پر داخل ہوئے جس کے ساتھ آپ نے عقد کیا تھا، جو جونیہ تھی، تو اس نے کہا: ''میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''تم نے پناہ دینے والے سے پناہ مانگی ہے۔'' پھر آپ اپنے اصحابؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''اے ابواسیدؓ اسے دو پوشاکیں دے دو [1] اور اسے اس کے گھر والوں کے پاس پہنچادو۔'' رسول اللہ ﷺ ناراض نہیں ہوئے اور نہ اس عورت سے کوئی سخت سلوک کیا بلکہ اس کے سامنے اسے طلاق کے الفاظ بھی نہ کہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک میں غور کرنے والا بہت سی حیرت انگیز مثالیں آپ کے حسن ذوق، عمدہ فطرت، اخلاق کی بلندی، حسن معاشرت، معاملات میں عمدگی، مزاج میں اعتدال، احکام میں انصاف اور کلام میں صدق وصفائی پاتا ہے۔ اخلاقی کمال آنحضور ﷺ کی نبوت کے عظیم ترین دلائل میں سے ہے۔ آپ کی حیات مبارکہ صدق مجسم تھی، آپ کا انحصار صدق پر ہی تھا، آپ کے اقوال وافعال پر صدق کی چھاپ تھی، لہٰذا اس میں کوئی تعجب نہیں کہ اولین مسلمان جو آپ کی دعوت پر ایمان لائے وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ آپ کے قریبی اور آپ کو جاننے والے تھے۔

حضرت خدیجہ آپ کی زوجہ مطہرہ، حضرت علی آپ کے چچا زاد، حضرت ابوبکر آپ کے دوست اور زیدؓ بن حارثہ آپ کے آزاد کردہ غلام، جب کہ یہ سب کے سب اپنی پوری زندگی میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو آپ پر فدا کرتے رہے، دعوت اسلام کے سب سے زیادہ وفادار تھے۔

آنحضور ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا آپ کے صدق کی چھاپ کو آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ تعلق میں ملاحظہ کرتا ہے کہ آپ رسول ہیں اور بشر ہیں۔ آپ میں جاہ ومال والے جابروں جیسا تفاخر وتکبر نہ تھا بلکہ آپ میں انبیاء کی سی نرم خوئی، عظماء کی سی سخاوت اور

[1] صحيح البخاري (فتح الباري: ٩/٣٥٦).

Marfat.com

اتقیاء کا سا اخلاق و کردار تھا۔ آپؐ اپنی ازواج کے لیے نہایت شفیق اور ان کے معاون تھے۔ آپؐ اپنے ہاتھوں سے گھر میں جھاڑو دیتے، بکری کا دودھ دوہتے، جوتا مرمت کر لیتے۔ آپؐ اپنی ازواج پر احسان فرماتے، انھیں تحائف دیتے، ان کا غصہ ٹھنڈا کرتے، ان کے مابین عدل فرماتے اور ان کے رقابت کے جذبات کا خیال رکھتے۔ آپ ان کی غلطیوں کو برداشت کرتے اور ان کی چھوٹی موٹی لغزشوں سے صرف نظر فرماتے۔ اس طرح سے رسول اور بشر نے انسان کی سی زندگی گزاری، نہ کہ فرشتوں جیسی، آپؐ کے قدم مبارک زمین پر ہوتے اور آپؐ کا دل آسمان میں معلق ہوتا۔ جو اللہ کے پاس ہے اس کی طرف جلدی کرتے اور تواضع کے ساتھ علانیہ فرماتے: ''انما انا ابن امرأة كانت تاكل القديد'' [1]

ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے گھر کے کچھ دیگر نمونے پیش کرتے ہیں، جب کہ امہات المؤمنینؓ مسجد نبوی کی ہمسائیگی میں چھوٹے چھوٹے حجروں میں رہتی تھیں، ان کی زندگی نمازوں کے لیے، اذانوں کی آوازوں کے ساتھ گزر رہی تھی اور وہ لوگوں کے مجمعوں کو آتے جاتے، نمازیں پڑھتے، رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو سنتے دیکھتی رہتیں۔ اسلامی تعلیمات کے فروغ میں ان کا بھی حصہ تھا اور عورت کے معاملے میں بالخصوص جس موقع پر نبی ﷺ کے لیے بیان کرنے میں حیا رکاوٹ بن جاتا، ان کی زندگیاں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص تھیں جو عبادت و علم سے پُر، عبرت سے مملو اور بھلائی گستر تھیں۔ کبھی کبھار ان میں باہم جھگڑا بھی ہو جاتا اور کسی وقت باہمی رقابت کے جذبات بھی ابھر آتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''میری بے خبری میں، میری اجازت کے بغیر زینبؓ میرے ہاں داخل ہوئیں اور وہ غصے میں تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا ابوبکرؓ کی بیٹی کا اپنی کلائیوں کو الٹنا پلٹنا آپؐ کے لیے بس کرتا ہے؟'' پھر وہ میری طرف آگے بڑھیں تو میں نے ان سے اعراض کیا، رسول اللہ نے مجھے بڑھاوا دیا اور فرمایا: ''اپنی مدد آپ کرو۔'' چنانچہ میں زینبؓ کی طرف بڑھی حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ ان کا منہ سوکھ گیا اور میرا کوئی جواب نہیں دے رہیں۔ میں نے نبی ﷺ کی طرف دیکھا،

---

[1] طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۳ صحیح اسناد کے ساتھ۔

Marfat.com

آپ کا چہرہ دمک رہا تھا۔'' ❶

اس مرحلہ پر ہم نبی ﷺ کا سوکنوں کی باہمی رقابت کا اندازہ کر لینا محسوس کرتے ہیں اور ملاحظہ کرتے ہیں کہ آپ کس طرح سے ان کے فطری جذبات کا لحاظ رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت زینبؓ کو کھلی چھٹی دی کہ وہ اپنا غصہ نکال لے اور حضرت عائشہؓ کو اجازت دی کہ وہ ان کا جواب دے لیں۔ آپؐ نے زینب -- جو آپ کی پھوپھی زاد اور زوجہ تھیں...... اور عائشہؓ...... جو آپؐ کے دوست کی بیٹی اور آپ کی زوجہ تھیں -- کے درمیان عدل کیا۔ آپؐ ان کی اس گرما گرمی سے ناراض نہیں ہوئے۔ اس لیے کہ یہ سوکنوں کی زندگی میں ایک فطری امر ہے۔ بلکہ آپؐ کے چہرہ اقدس کے آثار میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی کہ آپ کی جبین مبارک پر کوئی شکن آتی بلکہ چہرہ اقدس پر بشاشت تھی جبکہ آپؐ حضرت عائشہؓ کا حضرت زینبؓ سے مقابلہ کرنا مشاہدہ فرما رہے تھے۔

حضرت زینبؓ بنت جحش حضرت عائشہؓ سے مقابلہ کیا کرتیں اور ان کا تفاخر یہ تھا کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے ہاں ترجیح حاصل ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیثِ افک میں ہے۔ ❷ وہ فخر کیا کرتیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیاہ دیا تھا اور اسی بارے میں قرآن نازل ہوا ﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ﴾ [الاحزاب: ٣٧] (پھر جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا، تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں)۔ لیکن حضرت عائشہ حضور ﷺ کی ازواج میں سے تنہا باکرہ تھیں اور وہ اس سے دلیل لایا کرتیں اور اس کی طرف اشارہ کیا کرتیں جس میں ان کی ذکاوت اور فطانت ممتاز نظر آتی۔ کہتی ہیں: ''اے اللہ کے رسول ﷺ آپ غور فرمائیں کہ اگر آپ کسی وادی

---

❶ الادب المفرد بخاری: ٥٥٨ اسنادِ صحیح کے ساتھ۔

❷ فتح الباری ابن حجر: ٧/٤٣١.

Marfat.com

میں نزول فرمائیں اور وہاں درخت ہوں جن میں سے چرا جاتا ہو، اور آپؐ ایک ایسا درخت پائیں جس سے چرا نہیں گیا تو آپ ہکس درخت سے اپنے اونٹ کو چرائیں گے؟" تو آپؐ نے فرمایا: "اس سے جس سے چرا نہ گیا ہو؟" اس سے حضرت عائشہؓ کا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوا کسی باکرہ خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ ❶ یہ استدلال مقبول ہے اور حقیقت کے خلاف نہیں اور صدق سے دور نہیں اور اس میں کوئی ضرر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس استدلال کو قبول فرمایا اور آپؐ نے اس دلیل پر اپنی رضا اور اعتزاز کا اظہار فرمایا اور اس کے ساتھ آپؐ نے اپنی زوجہ کو مسرور کر دیا۔ لیکن جب رقابت حد سے بڑھ جاتی اور دوسروں کے حقوق کو مجروح کرتی تو رسول اللہ ﷺ کی رنجش کا باعث بنتی۔ اپنے موقف کی لگام آپؐ کے ہاتھ سے کبھی نہیں چھوٹی۔ غلطی کو واضح فرماتے اور اس کی درستی فرماتے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کہ نبی ﷺ کی ازواج میں سے مجھے کسی زوجہ پر اتنا رشک نہیں آیا جتنا خدیجہؓ پر، حالانکہ میں نے انھیں دیکھا نہیں تھا، لیکن نبی ﷺ ان کا اکثر ذکر کیا کرتے۔ آپؐ جب کوئی بکری ذبح کرتے، اس کے اعضا کاٹتے اور انھیں حضرت خدیجہؓ کے عزیزوں کے ہاں ارسال فرماتے تو میں عرض کرتی: "گویا دنیا میں خدیجہؓ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں۔" آپؐ فرماتے: "وہ ایسی تھیں، وہ ایسی تھیں اور وہ ایسی تھیں اور ان سے مجھے اولاد ہوئی۔" ❷

اس طرح سے اپنی زوجہ حضرت خدیجہؓ کے لیے عظیم وفا تھی جو آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور انھوں نے آپؐ کی مدد کی اور آپؐ کے ساتھ دعوت کی مشکلات برداشت کیں۔ چنانچہ آنحضور ﷺ ہمیشہ انھیں یاد رکھتے اور ان کی تعریف کیا کرتے اور ان کے حلقۂ تعارف اور عزیزوں سے تعلق قائم رکھتے، ان کے اقرباء سے مل کر خوش ہوتے اور ان کی تکریم فرماتے۔ حتیٰ کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ کو ان کے کثرت ذکر پر رشک آتا، ورنہ کب کوئی زندہ فوت شدہ

---

❶ صحیح البخاری (فتح الباری: ۹/ ۱۲۰).

❷ متفق علیہ۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔(فتح الباری ۷/ ۱۳۳).

Marfat.com

پر رشک کرتا ہے!! نبی ﷺ کو حضرت خدیجہؓ کے ساتھ جو محبت تھی اور آپؐ کے دل میں ان کا جو احترام تھا، حضرت عائشہ کی محبت آپ کو اس کے اظہار سے روک نہ پائی، بلکہ آنحضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات پر پانچ سال گزر جانے کے باوجود بھی ان سے محبت کو نہیں چھپایا اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ''مجھے اس کی محبت عطا کی گئی۔'' ❶ کتنی عظیم تھی آپ کی وفا، کتنا وسیع تھا آپؐ کا خلق، کتنی سچی تھی آپ کی زبان اور کتنی صریح و فصیح تھی آپؐ کی تعبیر!؟

بلاشبہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے رسول اور بشر تھے۔ ایک عورت کی محبت کو عار نہیں سمجھتے تھے اور اس کو عمدہ جذبہ تعبیر کرتے ہوئے اس کا اظہار فرماتے جب کہ آپؐ کے سوا بہت سارے لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ محبت کو چھپاتے ہیں تاکہ ان کی کبریائی خطرے میں نہ پڑ جائے اور ان کا احترام گھٹ نہ جائے، جیسا کہ وہ سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ غلطی پر ہیں۔ امام بخاریؒ نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''انسانوں میں سے سب سے زیادہ آپ کا محبوب کون ہے''؟ آپؐ نے فرمایا: ''عائشہ''۔'' ❷

رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ کی کم سنی اور ان کا اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل کا لحاظ رکھتے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا ہے: ''میں لڑکیوں یعنی گڑیوں کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس کھیلا کرتی اور میری سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلتیں۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو وہ چھپ جاتیں، آپؐ انھیں میری طرف بلاتے اور وہ میرے ساتھ کھیلتیں۔'' ❸

حضرت عائشہ مسلمانوں کو اپنی چھوٹی عمر کی بیویوں پر اس طرح کا لحاظ رکھنے کی نصیحت فرمایا کرتیں: ''رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی چادر میں چھپا لیتے اور مسجد میں حبشیوں کے کھیل دکھاتے حتی کہ میں ہی تھک جاتی'' چنانچہ لوگوں نے کم سن لڑکی جسے کھیلنے کا شوق ہو، کی قدر کو جان لیا۔ ❹ اس طرح سے اسلام نے چھوٹوں کو آزادی عطا کر کے اور معصوموں کی تسکین کے لیے

---

❶ صحیح مسلم: ٤/ ١٨٨٨، حدیث نمبر: ٢٤٣٦.

❷ متفق علیه (صحیح بخاری: ٨/ ٧٤۔ صحیح مسلم: ٤/ ١٨٥٦، حدیث نمبر: ٢٣٨٤).

❸ صحیح مسلم: ٤/ ١٨٩٠، حدیث نمبر: ٢٤٤٠.

❹ متفق علیه (صحیح بخاری۔ فتح الباری: ٩/ ٣٣٦۔ صحیح مسلم: ٢/ ٦٠٩).

Marfat.com

تربیت کے جدید نظریات پیش کیے۔ بلکہ حضرت عائشہؓ نے ذکر کیا ہے یہ کہ ان کے ہاں بیٹیاں تھیں جن سے ان کی مراد گڑیاں تھیں۔ اور جب نبی ﷺ تشریف لاتے تو ان میں سے بعض کو اپنے کپڑے سے ڈھانپ دیتے۔ ابوعوانہ نے کہا: اس لیے کہ حضرت عائشہ انھیں ترک نہ کر دیں۔ ❶

اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ انھیں خوش کرنے کے لیے لوگوں سے دور دو دفعہ دوڑ لگائی اور اسے عیب نہیں سمجھا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں سفر کے بعض مواقع پر آنحضور ﷺ کے ہمراہ نکلی ہوں، جب کہ میں ایک دبلی پتلی لڑکی تھی۔ آپؐ نے لوگوں سے کہا: تم لوگ آگے چلو، وہ آگے چلے گئے تو مجھے فرمایا: ''آؤ میں تمھارے ساتھ دوڑ لگاؤں۔ تو میں نے آپؐ کے ساتھ دوڑ لگائی اور میں نے سبقت حاصل کر لی۔ آپؐ نے اس پر کوئی بات نہیں کی۔ پھر میرا جسم پُرگوشت اور فربہ ہو گیا اور میں اس واقعہ کو بھول گئی۔ چنانچہ میں پھر ایک سفر میں آپؐ کے ہمراہ تھی۔ آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: ''آگے چلو'' اور وہ چلے گئے تو مجھے فرمایا: ''آؤ میں تمھارے ساتھ دوڑ لگاتا ہوں۔'' چنانچہ میں نے دوڑ لگائی مگر آپ نے سبقت حاصل کی۔ آپؐ ہنس رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''یہ تیری اس جیت کا بدل ہے۔'' ❷ حضرت عائشہؓ کے ساتھ آنحضور ﷺ کے کلام میں لطافت ہوتی اور کبھی مزاح بھی۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ان سے فرمایا: ''میں جانتا ہوں کہ تم کب مجھ سے راضی ہوتی ہو اور کب ناراض؟'' انھوں نے عرض کیا: ''یہ آپؐ کو کیسے پتا چل گیا؟'' آپؐ نے فرمایا: ''جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو: نہیں، محمد ﷺ کے رب کی قسم! اور جب تم ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: نہیں، ابراہیم کے رب کی قسم!'' تو حضرت عائشہ نے کہا میں نے عرض کیا: ''ہاں اے اللہ کے رسولؐ، میں صرف آپؐ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔'' ❸ کتنی حسین تھی یہ معاشرت اور کس قدر نرم خو تھے آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہؓ کا، ان کے شوہر،

---

❶ طبقات ابن سعد: ۷/ ۶۵ میں اسنادِ حسن کے ساتھ۔

❷ مسند احمد: ۶/ ۲۶۴ اسنادِ حسن کے ساتھ۔ سنن ابوداود: ۲/ ۲۸ مختصراً۔

❸ متفق علیه (صحیح بخاری جیسا کہ فتح الباری: ۹/ ۳۲۵ میں ہے) صحیح مسلم: ۴/ ۱۸۹۰، حدیث نمبر: ۲۴۳۹.

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے رسول کریم ﷺ کے ساتھ کتنا عمدہ اخلاق تھا۔

رسول اللہ ﷺ نہایت نرم خو، بہترین ساتھی اور عمیق جذبات کے مالک تھے، لیکن آپؐ کا یہ اخلاق آپؐ کی ازواج مطہراتؓ، امہات المومنینؓ کے مابین عدل کے لیے دقیق التزام کو متاثر نہ کرتا۔ اور عدل کا یہ اہتمام اللہ تعالیٰ کا قرار دیا ہوا فریضہ ہے جسے اس نے بندوں تک پہنچایا اور ان کے لیے واضح کیا: ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ﴾ (لیکن اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو) [النساء:۳]

آنحضور ﷺ نے اپنی جوانی میں حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا اور ان کی وفات تک کسی دوسری خاتون سے رشتہ ازدواج قائم نہیں کیا۔ ان کے بعد آپؐ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ، پھر عائشہؓ، پھر حفصہؓ، پھر زینبؓ بنت خزیمہ، پھر ام سلمہؓ بنت امیہ، پھر جویریہؓ بنت الحارث، پھر زینبؓ بنت جحش، پھر ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان، پھر میمونہؓ بتت الحارث سے نکاح کیا۔ آپؐ نے اپنی حیات مبارکہ میں ۹ بیویاں جمع کیں اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ اسلام بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ نکاح کی اجازت نہیں دیتا۔

ہر بیوی کے لیے ایک چھوٹا سا حجرہ تھا۔ اس میں تھوڑا سا سامان ہوتا، جس کی قیمت دس درہم سے زیادہ نہ تھی۔ آپؐ کا ہر زوجہ سے شادی کا مقصد اسلامی تعلیمات کی اشاعت تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ اپنی تیز ذکاوت، ذہانت اور مزاج کی عمدگی کے ساتھ ممتاز تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی بہت سی تعلیمات کو محفوظ کیا اور ان سے خوب فائدہ اٹھایا حتی کہ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۲۲۱۰ تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر ان کی روایات کے ساتھ دیگر امہات المومنین کی روایات کی تعداد کا مقابلہ کیا جائے تو اس زواج کی حکمت واضح ہو جاتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے بعد ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کی احادیث ہیں اور ان کی احادیث کی تعداد ۳۷۸ سے زیادہ نہیں۔ اور ان دونوں اعداد کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ دیگر ازواج میں سے حضرت میمونہؓ نے ۷۶ احادیث، حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان ۵۶ احادیث، حضرت حفصہ بنت عمرؓ ۶۰ احادیث، حضرت جویریہ اور حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے کل ۱۵ احادیث، حضرت زینبؓ بنت جحش

Marfat.com

۱۹ احادیث اور حضرت صفیہؓ نے ۱۰ احادیث روایت کی ہیں اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ نے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ اگر ساری امہات المومنینؓ کی روایات کو جمع کریں تو صرف ۶۸۰ احادیث تک پہنچتی ہیں اور وہ حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ احادیث سے ایک تہائی سے بھی کم ہیں!! یہ ان کی فقہ، فتاویٰ اور بالخصوص خواتین کے معاملات سے متعلقہ روایات کے علاوہ ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے آپ کا زواج متعدد خوابوں کے بعد تھا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا ان کے ساتھ زواج وحی کی ہدایت پر تھا کیونکہ انبیاء کے خواب سچائی پر مبنی اور وحی کا حصہ ہوتے ہیں۔

امام بخاریؒ کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تیرے ساتھ شادی سے پہلے تجھے دو مرتبہ دیکھا، میں نے فرشتے کو دیکھا کہ تمھیں ریشم کے غلاف میں لپیٹ کر اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے اس سے کہا: کھولو، اس نے کھولا تو تو نظر آئی۔ تو میں نے کہا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا دے گا۔'' چنانچہ خوابوں کی تکرار ہوتی رہی جیسا کہ آنحضور ﷺ نے خبر دی ہے۔ [1]

حضرت سودہؓ بنت زمعہ بڑی عمر کی اور شوہر دیدہ خاتون تھیں۔ آنحضور ﷺ نے ان سے حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد نکاح کیا تاکہ حضرت خدیجہؓ سے آپ کی چھوٹی اولاد پر شفقت کا ہاتھ رکھے۔ نیز ان کی دلجوئی کے لیے، وہ سکران بن عمرؓ کی زوجیت میں تھیں۔ وہ مسلمان تھے اور انھوں نے حضرت سودہؓ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ پھر دونوں واپس آئے اور مکہ میں آکر ان کے شوہر فوت ہوگئے۔ ان کے والد بوڑھے آدمی تھے، کبرسنی سے صاحب فراش تھے اور ان کا بھائی عبد بن زمعہ سخت مشرک تھا حتیٰ کہ جب اسے علم ہوا کہ حضرت سودہؓ نے آنحضور ﷺ سے نکاح کر لیا ہے تو اس نے اپنے سر میں مٹی ڈال لی۔ [2]

کیا یہ حالات اس رشتے کی نشان دہی نہیں کرتے جو آپؐ کی فطرت محرکہ اور آپؐ کے

---

[1] متفق علیه (صحیح بخاری: ۷۶،۷۵/۸۔ صحیح مسلم: ۱۸۹۰/٤، حدیث نمبر: ۲٤۳۸).

[2] مسند احمد: ۲۱۱/٦ اسنادِ حسن کے ساتھ جیسا کہ فتح الباری: ۲۲۵/۷ میں ہے۔

Marfat.com

مقاصد کی حقیقت کا انکشاف ہے۔ نیز یہ شادی ایک بیوہ کی مدد اور بچوں کی نگہداشت کا سبب بنتی ہے۔ اور جب حضرت سودہؓ اور بوڑھی ہوگئیں تو انھوں نے اپنے دن اور راتوں کا حضرت عائشہؓ کے لیے ایثار کیا اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں رہیں۔ ❶ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا: ﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ﴾ [النساء:۱۲۸] (اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بدسلوکی یا بے رخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ میاں اور بیوی (کچھ حقوق کی کمی بیشی پر) آپس میں صلح کرلیں۔ صلح بہر حال بہتر ہے) حضرت عائشہؓ نے آیت کے نزول کے سبب سے متعلق کہا: ان (حضرت سودہؓ) سے کوئی بڑا مطالبہ نہیں کیا گیا کہ ان کے لیے صحبت اور اولاد ہو۔ انھیں ناپسند تھا کہ آپؐ سے الگ ہو جائیں چنانچہ آپؐ سے کہا کرتیں: " انت فی حلّ من شانی " میرے معاملے میں آپ آزاد ہیں۔ ❷ اس طرح سے حضرت سودہؓ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک آپؐ کی حفاظت میں رہیں تاکہ قیامت کے دن آپؐ کی ازواج میں سے اٹھیں۔

حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے شوہر صحابی رسولؐ حضرت خنیسؓ بن حذافہ السہمی مدینہ میں فوت ہوگئے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ان کے باپ کے اکرام کے طور پر ان سے شادی کرلی۔

حضرت زینبؓ بنت خزیمہ، وہ عبیدہؓ بن الحارث کی زوجیت میں تھیں جو بدر کے بعد شہید ہوگئے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے مجبوراً ان کی خاطر ان سے شادی کی۔

جہاں تک حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کا تعلق ہے، ان کے شوہر حضرت ابوسلمہؓ مدینہ میں فوت ہوئے، وہ غزوہ احد کے موقع پر زخمی ہوگئے تھے جب کہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس ان سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تکریم اور ان کی اولاد کی تربیت کے لیے ان سے شادی کرلی۔

---

❶ صحیح مسلم: ۲/ ۱۰۸۵، حدیث نمبر: ۱۴۶۳۔۱۴۶۴۔ مزید سنن ابوداؤد کی احادیث دیکھیں: ۲/۶۰۱۔۶۰۲۔ سنن ترمذی: ۵/۲۴۹ اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

❷ صحیح البخاری (فتح الباری: ۸/۲۶۵) صحیح مسلم: ۴/۲۳۱۶۔

Marfat.com

حضرت جویریہ بنت الحارث قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ اپنے قبیلہ کی عورتوں کے ہمراہ قید ہو گئیں اور ثابت بن قیسؓ بن شماس کے حصے میں تھیں۔ انھوں نے ان سے مکاتبت کر لی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تاکہ آنحضور ﷺ مکاتبت کی ادائیگی میں ان کی مدد فرمائیں۔ آپؐ نے ان کی مکاتبت کی ادائیگی کر دی اور انھیں پیغام نکاح دیا۔ جب لوگوں کو حضور ﷺ سے ان کے نکاح کا علم ہوا تو انھوں نے سب قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی رشتہ داری ہو گئی لہٰذا سب قیدیوں کو رہا کر دو۔ "کوئی عورت ان (جویریہؓ) سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے بابرکت نہیں ہوئی۔" رسول اللہ ﷺ نے ان کی تکریم کی خاطر اور ان کے قبیلہ کی تالیف قلبی کے لیے ان کے ساتھ شادی کی، نیز ان کے قیدیوں کو رہا کرنے کے لیے۔ چنانچہ یہ حکیمانہ معاملہ پھل لایا اور اس کا پھل یہ تھا کہ قبیلہ بنوالمصطلق نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت زینبؓ بنت جحش یہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ آپؐ نے ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام سے کر دیا تھا۔ چونکہ وہ قریشی تھیں، اس لیے حضرت زیدؓ کو اپنا کفو نہیں سمجھتی تھیں جس سے یہ شادی ناکام ہوئی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ان سے شادی کرنے کے بارے میں وحی نازل ہوئی تاکہ زمانہ جاہلیت کی قدیم رسم ختم کی جا سکے جس کی رو سے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔ آپؐ پر یہ معاملہ شاق گزرا لیکن آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا لہٰذا لازم تھا کہ آپؐ حضرت زینبؓ سے شادی کریں۔ اگر معاملہ ان کے ساتھ شادی کرنے کی رغبت کا ہوتا تو آپؐ ان کا نکاح حضرت زیدؓ سے کرنے سے قبل خود کر لیتے۔

حضرت صفیہ اپنی قوم کے سردار کی بیٹی تھیں۔ وہ غزوہ خیبر میں قید ہو کر آئیں اور اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں آزاد کر دیا اور ان کے مقام کے تحفظ کی خاطر ان سے نکاح کر لیا۔

حضرت میمونہؓ بنت الحارث بڑی عمر کی بیوہ تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے اقربا میں سے تھیں، وہ آپؐ سے نکاح کے بعد بہت تھوڑا عرصہ دنیا میں رہیں۔

Marfat.com

آنحضور ﷺ کی شادیوں کے گردو پیش کے حالات عرض کرنے کے بعد شادیوں کے بارے میں آپؐ کے مقاصد کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے؛ اور وہ لوگوں کی تالیف قلبی ہے جو اسلام کے مقاصد میں سے ہے اور انھیں اسلام کی طرف کھینچ لانا اور بیوگان کی امداد، یتیموں کی تربیت، دین کی تعلیمات کی حفاظت اور بالخصوص جس کا تعلق عورتوں کے معاملات سے ہے۔

کیا اس کے بعد بھی منہ پھاڑ کر باتیں بنانے والے باطل افواہوں کے لیے جھوٹی تہمتوں کے ساتھ زبان درازیوں میں مشغول ہی رہیں گے تاکہ نبی کریم کی حیات طاہرہ کے مقدس صفحات میں تحریف کریں۔ گویا کہ آپؐ نے اپنی حیات مبارکہ نعمتوں میں گزاری اور اپنا وقت متعدد بیویوں کے ساتھ اپنے زہد کو بھلاتے ہوئے گزارا۔ حالانکہ آپ کو زندگی میں شدید مشکلات کا سامنا تھا حتی کہ امہات المومنینؓ تنگ پڑ گئیں اور نان ونفقہ میں اضافے کی طلب گار ہوئیں۔ اس پر آیت تخییر نازل ہوئی اور وہ اللہ کا ارشاد ہے ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ [الاحزاب: ۲۸، ۲۹] (اے نبیؐ، اپنی بیویوں سے کہو، اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دار آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنی ازواج کو اپنے ساتھ رہنے یا نہ رہنے، اور آپؐ کی زندگی کے انداز اور زہد، اور طلاق مع حقوق عطا وتکریم کے درمیان اختیار دیں۔ مگر امہات المومنینؓ نے آپ کی حفاظت میں رہنے کو اختیار کیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے جب اللہ تعالیٰ نے انھیں تخییر ازواج (ازواج میں سے حق انتخاب) کا حکم دیا۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ابتدا کی اور فرمایا: ''میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، جواب دینے میں جلدی نہ کرنا حتیٰ کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔'' اور آنحضور ﷺ کو معلوم تھا کہ ان کے والدین آپؐ سے جدا ہونے کا مشورہ نہیں دیں گے۔ کہتی

Marfat.com

ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾۔ تو میں نے آپؐ سے عرض کیا: ''میں کس لیے اس معاملے میں اپنے والدین سے رائے لوں؟ میں اللہ، اس کے رسولؐ اور دار آخرت کی طلبگار ہوں۔'' ❶

اور آپ کی باقی ماندہ ازواج رضی اللہ عنہن نے وہی بات کہی جو حضرت عائشہؓ نے کہی۔ چنانچہ انھوں نے نفقہ کی تنگی اور سامان کی قلت پر صبر کیا، باوجودیکہ وہ قریش اور عرب کے اقربا میں سے تھیں، شادی سے پہلے اپنے خوش حال والدین کے گھروں میں رہتی تھیں، انھوں نے خوشگوار زندگی کا مزہ چکھا تھا، اور اس کی عادی تھیں، لیکن تخییر کے وقت انھوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ اور دار آخرت کو اختیار کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے گھر میں قلت طعام کے بارے میں بہت سی روایات ہیں۔ آپؐ کے اہل خانہ مسلسل دو دن بھی پیٹ بھر کر جو کی روٹی نہ کھاتے تھے۔ اور ان کا بڑا کھانا کھجور تھا مگر وہ کھجور سے بھی سیر نہ ہوتے، حتیٰ کہ خیبر فتح ہوا، لیکن گوشت، گندم کی روٹی، گھی اور سبزی کم ہی انھیں میسر آتی اور نادر ہی کبھی مہینہ یا دو مہینوں میں روٹی یا کھانے کے لیے ان کی ہنڈیا کے نیچے آگ جلتی۔ کھجور اور پانی پر ہی اکتفا کر لیتے۔ راتیں بھوک میں کاٹتے اور کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا۔ انھیں اختیار دیا گیا تو انھوں نے رفیق اعلیٰ کے ساتھ امیدیں باندھنا منتخب کیا۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے) [الاحزاب:۲۹]

کارلائل (Carlyle) نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں زہد کے بارے میں خبر دی ہے: ''محمد (ﷺ) اپنی ذاتی زندگی میں علی الاطلاق لذت کے شائق نہیں تھے۔ آپؐ کے گھر کا

---

❶ متفق عليه (صحيح البخاری جیسا کہ فتح الباری: ۵۱۹/۸ میں ہے، صحیح مسلم: ۱۱۰۳/۲، حدیث نمبر: ۱۴۷۵).

Marfat.com

ساماں اکثر معاملات میں اعتدال کے ساتھ شمار کیا جاتا۔ اس کے باوجود کسی قیصر کو اپنے تاج کے ساتھ ایسی اطاعت حاصل نہ تھی جیسی کہ آپ کو اس چادر کے ساتھ حاصل تھی، جس کی آپؐ خود مرمت کر لیا کرتے۔'' ❶

اس واقعہ (تخییر) اور اس کے بارے میں جو قرآن میں نازل ہوا ''دروزہ'' نے اسے احمق واعظین اور مستشرقین کی قوی ترین تردید میں شمار کیا ہے جنھوں نے کوشش کی ہے کہ آپؐ کے اخلاق کریمہ کو حب دنیا، زیب و زینت اور اس کی مرغوبات سے منسوب کریں اس کے باوجود کہ آپ کو مکہ میں دعوت میں جو استغراق حاصل تھا اور جس طرح سے آپؐ مرغوبات دنیا سے دور تھے۔ اور تردید کا زور اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب یہ ملاحظہ کیا جائے کہ آیات مدینہ کے وسطی دور میں نازل ہوئیں جب کہ آپؐ اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کر چکے تھے۔'' ❷

ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کے ساتھ آپ کے نکاح نے ایک طویل بحث پیدا کر دی۔ لہٰذا اس زواج کی تفصیل ضروری ہے جو قرآن میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ [الاحزاب:۳۷]

(اے نبیؐ، یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے کہ جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ ''اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر'' اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا، تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو۔ پھر جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا، تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے

---

❶ سیرة الرسول فی تصورات الغربیین لجوستاف بفانمو للمر G.Pfannmule ترجمہ ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق (مجلہ مرکز بحوث السنّة والسیرة فی قطر۔ عدد ثانی ۱۴۰۷ھ (۱۹۸۷) ص ۱۳۰.

❷ محمد عزت دروزہ کی سیرة الرسولؐ: ۱/ ۵۶.

Marfat.com

نکاح کر دیا تا کہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں، اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا)

صحیح بخاری میں وارد ہے کہ یہ آیت حضرت زینبؓ بنت جحش اور حضرت زید بن حارثہ کے معاملے میں نازل ہوئی۔ حضرت زینبؓ آنحضور ﷺ کی پھوپھی حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اور حضرت زیدؓ بن حارثہ عربی النسل اور قبیلہ بنی کعب میں سے تھے جو اپنی قوم پر غارت گری کے دوران قید ہوئے، جو غارت ان کی والدہ کی قوم طیّ میں سے بنی معن پر کی گئی۔ چنانچہ انھیں ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے لیے خرید لیا گیا ام المؤمنینؓ نے انھیں رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس محبت سے پرورش کی کہ وہ زید بن محمد کہلائے جانے لگے، جیسا کہ صحیحین میں ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے۔ (1) زیدؓ کے والد حارثہ نے اپنے بیٹے کو واپس لے جانے کی کوشش کی لیکن بیٹے نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آزاد کردہ لونڈی حضرت ام ایمن کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ پھر ان کا نکاح اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش سے کر دیا۔ اس شادی کے بارے میں آیات نازل ہوئیں جس کی تقدیر میں مصالحت نہیں تھی اور حضرت زید کا نام اللہ کی کتاب میں لکھا گیا جب کہ وہ جملہ اصحابؓ میں اس ذکر کے ساتھ منفرد ہیں۔

طبریؒ کی اپنی تفسیر میں بیان کردہ احادیث کے مجموعے سے ظاہر ہوتا ہے (2) کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ بنت جحش کو حضرت زیدؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا تو انھوں نے حضرت زیدؓ سے عار محسوس کی اور عدم رضامندی کا اظہار کیا اور کہا: ''میں اس سے حسب کے لحاظ سے بہتر ہوں'' اور وہ تیز مزاج خاتون تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا

---

(1) صحیح البخاری (فتح الباری: ۸/۵۱۷) صحیح مسلم: ۴/ ۱۸۸۴، حدیث نمبر: ۲۴۲۵.

(2) تفسیر طبری: ۲۲/۹-۱۱.

Marfat.com

فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے) [الاحزاب:۳٦]

لہٰذا حضرت زینبؓ نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ حضرت زینب ایک عبادت گزار اور آہیں بھرنے والی خاتون تھیں۔ انھوں نے حضرت زیدؓ کے ساتھ بغیر رغبت کے نکاح کر لیا۔

اور حق یہ ہے کہ وحی الٰہی نے اس نکاح کے انعقاد میں براہ راست مداخلت کی جیسا کہ اس نے آخر میں اس کے ''عرا'' کو توڑنے میں مداخلت کی اور اس زواج کا ہدف اللہ تعالیٰ کے حکم برائے تبدیلی رسم جو جاہلی عربی زندگی میں مروج تھی کو یقینی بنانا تھا، جس کی جڑیں اتنی گہری تھیں کہ اس نے قدسیتِ عقائد اور احترام محارم کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ یہ تبنیت کا وہ نظام ہے جس میں متبنی بیٹا اپنے باپ کی بجائے اس متبنیت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اور اس پر صلبی بیٹے کی طرح کے وراثت کے حقوق مرتب ہوتے ہیں۔ اور اس میں جو فطرت پر ظلم اور عدل سے گریز پایا جاتا ہے وہ کوئی راز نہیں۔ نیز یہ انساب پر تجاوز ہے، اس کے علاوہ کہ تحریم تو وحی الٰہی سے ہی ہوتی ہے اور کسی انسان کے لیے روا نہیں کہ وہ کسی شے کی حرمت مقرر کرے یا اسے معدوم کر دے خواہ اس پر سب لوگوں کا اتفاق ہو جائے۔

لیکن وحی الٰہی کے بغیر یہ رواج کیسے باطل قرار پائے اور لوگ کیسے تبنیت کی رسم کو اکھاڑ پھینکیں اور اس کی تحریم و تحلیل سے باز آ جائیں؟

وحی الٰہی نے عملی صورت میں قائم واقعہ کی تبدیلی کے لیے محض نظریاتی اعلان کرنے کی بجائے براہ راست توجہ دی، اور یہ واقع ہونے والی تبدیلی، تبدیلی کے واقعات میں اثر کی رو سے قوی تر اور انتہائی صورت کی حامل ہے۔ چنانچہ عدل کا قیام سرعت کا محتاج ہے۔ چنانچہ حضرت زینبؓ بنت جحش کا حضرت زیدؓ سے نکاح اور پھر ان کی علیحدگی کا قصہ، جسے جمائے رواج میں فوری تبدیلی کی خاطر اس کے اول و آخر میں وحی کی مداخلت کی حکایت ہے۔ اور وہ ایسا ہی تھا۔

حضرت زینبؓ نے اللہ اور رسولؐ کے فیصلہ کو قبول کرتے ہوئے حضرت زیدؓ بن حارثہ سے نکاح کر لیا۔ مگر زوجین کے مابین کامل موافقت نہ ہو سکی۔ جب بھی حضرت زیدؓ نبی ﷺ کو اپنی

Marfat.com

زوجہ کی شکایت کرتے تو آپؐ انھیں اپنی بیوی روک رکھنے کی ترغیب دیتے، اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کا علم ہونے کے باوجود کہ حضرت زینبؓ کی حضرت زیدؓ سے علیحدگی کے بعد ان کا آپؐ کے ساتھ نکاح مقدر تھا۔ اور اس علم کو آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ اس عظیم فیصلہ میں مضبوطی سے جمے ہوئے رواج کا سامنا ایک بھاری امر تھا، یعنی جاہلی نظام تبنیت کے رواج میں اپنے (منہ بولے) بیٹے کی بیوی سے کیسے نکاح کریں، عرب کیا کہیں گے اور کمزور ایمان کے مسلمان کیا کہیں گے؟

حضرت زینبؓ رسول اللہ ﷺ سے دور نہ تھیں بلکہ وہ آپؐ کی نگاہوں کے سامنے اور آپؐ کی نگرانی میں تھیں۔ اگر آپ کو حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کی رغبت ہوتی تو آپؐ ان کو حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ نہ بیاہتے۔ لیکن آپؐ کے لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا نفاذ ناگزیر تھا۔ حضرت زید کی اپنی بیوی کے ساتھ زندگی گزارنا استطاعت میں نہ تھا۔ وہ ان سے مالوف نہیں ہوئیں تو ان کے لیے انھیں طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ جب ان کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے خود حضرت زید کو انھیں اپنی طرف سے پیغام نکاح دینے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ حضرت زیدؓ نے ایسا ہی کیا۔ اس سے واضح ہے کہ وہ حضرت زینبؓ کے ساتھ اپنا رشتۂ زوجیت جاری نہیں رکھنا چاہتے تھے، اور وہ خوش تھے کہ حضرت زینبؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہو جائے۔ درآنحالیکہ پیغام نکاح لے جانے والے وہ خود تھے۔ چنانچہ انھوں نے ام المومنینؓ کے معاملے کو نہایت اہمیت، انتہائی احترام اور مرعوبیت کے ساتھ سرانجام دیا جیسا کہ امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں کہا ہے: [1]

''زیدؓ بن حارثہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نکاح کا قصہ روایت کرتے ہیں جیسا کہ حضرت انسؓ بن مالک سے صحیح مسلم میں ہے۔ انھوں نے کہا: ''حضرت زیدؓ گئے حتی کہ ان کے پاس پہنچے جب کہ حضرت زینبؓ اپنے آٹے کا خمیر اٹھا رہی تھیں۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں: جب میں نے انھیں دیکھا تو میرے دل میں ان کی عظمت کا اس قدر احساس پیدا ہوا کہ مجھے ان کی طرف نظر

---

[1] صحیح مسلم مع شرح النووی: ۹/ ۲۲۸۔

Marfat.com

اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ میں نے اپنی پیٹھ پھیر لی، میں اپنی ایڑیوں پر ہٹا اور میں نے کہا: ''اے زینبؓ، میں رسول اللہ کا پیغام آپ کو پہنچاتا ہوں کہ وہ آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ تو انھوں نے کہا: ''میں کچھ بھی کرنے والی نہیں ہوں حتی کہ مجھے میرے رب کا حکم آئے۔ پس وہ اپنی سجدہ گاہ کی طرف اٹھیں اور قرآن نازل ہوا۔ اور رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں ان کے اذن کے بغیر داخل ہوئے۔ [1]

یہ واقعہ مختلف روایات کے مطابق غزوہ بنی مصطلق سے قبل ذی قعد ۳ھ، ۴ھ یا ۵ ہجری میں پیش آیا اور حضرت زینبؓ کے زواج کا قصہ نزول حجاب سے مربوط ہے۔ امام بخاریؒ نے حضرت انس بن مالک جو رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے وقت دس سال کے لڑکے تھے، کی حدیث بیان کی ہے: ''میری ماں نے مجھے نبی ﷺ کی خدمت پر مامور کر رکھا تھا۔ چنانچہ میں نے دس سال آپ کی خدمت کی۔ آنحضور ﷺ کی وفات ہوئی تو میں بیس سال کا تھا۔ میں لوگوں میں سب سے زیادہ حجاب کے معاملے سے واقف ہوں۔

قبل ازیں رسول اللہ ﷺ کی حضرت زینبؓ سے شادی کے بارے میں وحی نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔ آپؐ نے لوگوں کو بلایا۔ انھوں نے کھانا کھایا اور رخصت ہو گئے۔ اور ایک گروہ ان میں سے باقی رہا اور اس نے اپنی نشست لمبی کر لی۔ چنانچہ نبی ﷺ اٹھے اور باہر نکلے اور میں بھی آپ کے ساتھ نکلا تاکہ باقی لوگ بھی نکلیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلا۔ آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی دہلیز تک پہنچ گئے۔ پھر آپؐ نے خیال کیا کہ وہ لوگ بھی نکل گئے ہوں گے۔ آپؐ لوٹے اور میں بھی ساتھ لوٹا، آپ زینبؓ کے ہاں تشریف لے گئے مگر وہ لوگ ہیں کہ بیٹھے ہوئے ہیں اور اٹھے ہی نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس مڑے اور میں بھی ساتھ ہی واپس مڑا۔ آپ حجرہ عائشہؓ کی دہلیز تک پہنچے اور خیال فرمایا کہ وہ لوگ نکل گئے ہوں گے آپؐ لوٹ آئے اور میں بھی ساتھ ہی لوٹ آیا تو وہ لوگ نکل کھڑے ہوئے۔ پھر نبی ﷺ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ ڈالا اور حجاب کا

---

[1] صحیح مسلم: ۲/ ۱۰۴۸ (مطبوعہ استنبول).

Marfat.com

حکم نازل ہوا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ حضرت زینبؓ سے شادی کے ساتھ بہت حسین لگ رہے تھے۔اس موقع پر ایک بکری ذبح کر کے ولیمہ کیا گیا اور وہ سب سے بڑا ولیمہ تھا جو آپؐ نے اپنی ازواج میں سے حضرت زینبؓ سے نکاح کے موقع پر کیا، جیسا کہ انس بن مالکؓ کی حدیث میں وارد ہے اور حضرت زینبؓ نبی ﷺ سے شادی پر فخر کیا کرتیں اور فرماتیں: ''دیگر ازواج کی شادیاں ان کے اہل نے کرائیں اور میری شادی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کرائی۔'' ❷

نکاح کا یہ واقعہ زواج مروجہ جاہلی رسم کو توڑنے والا تھا جس پر توارث باطل قائم ہوتا اور حقیقی ورثا کے حقوق پس پشت چلے جاتے اور جو آدمی کی اس عورت سے شادی کو حرام کر دیتی جو اس کے لیے حلال ہوتی۔اس زعم کے ساتھ کہ وہ عورت اس کے بیٹے کی بیوی ہے ، جب کہ وہ اس کا منہ بولا بیٹا ہوتا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الاحزاب:۴۰] ((لوگو) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) اور نبی کا کوئی بالغ بیٹا نہ تھا اور نہ خطاب کے وقت رجال کی عمر تک پہنچا تھا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ﴾ (منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔اگر تمھیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں)۔[الاحزاب:۵]

اور عدل کی بات یہ ہے کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی نسبت سے محروم نہ کیا جائے اور وراثت و حرمات کے حقوق اس قانون کی طرف لوٹیں جو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں قرار دیا ہو،

---

❶ متفق علیه (صحیح البخاری جیسا کہ فتح الباری: ۹/ ۲۳۰ میں ہے، صحیح مسلم: ۲/ ۱۰۵۰)
❷ صحیح البخاری جیسا کہ فتح الباری: ۱۳/ ۴۰۳ میں ہے۔

Marfat.com

نہ کہ لوگوں کی خواہشات اور جاہلی رسومات کے مطابق۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت زیدؓ، قریش عورتوں کے کفو نہ تھے حالانکہ حق اس کے برخلاف ہے۔ وہ اولین اور سابقین مسلمانوں میں سے تھے۔ رسول اللہ نے حضرت زینبؓ کی طلاق کے بعد انھیں حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ جو قریش کی شریف زادیوں میں سے تھیں، سے بیاہ دیا۔ اور حضرت ارویٰؓ بنت کریز، حضرت درۃ بنت ابی لہب اور حضرت ہندؓ بنت عوام ہمشیرۂ زبیرؓ سے ان کا نکاح کرایا۔

بعض ضعیف راویوں کی خواہشات نے ان روایات کے ساتھ امید باندھ لی کہ جو نبی ﷺ چھپائے ہوئے تھے وہ حضرت زینبؓ کی محبت تھی اور ان سے شادی کی رغبت، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وحی الٰہی نے اس شادی کی علت اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ واضح کی ہے ﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾

[الاحزاب:۳۷]

آیت کریمہ نے اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زیدؓ پر اسلام کے ساتھ احسان فرمایا، اور محمد ﷺ نے ان کو غلامی سے آزادی دلائی۔ ان کے لیے اپنی پھوپھی زاد کو بطور بیوی منتخب فرمایا اور ان دونوں کے مابین مصالحت کی سخت کوشش فرمائی۔ اور اس علم کو چھپا کر رکھا کہ جب زیدؓ انھیں طلاق دیں گے تو ان سے آپؐ کا رشتہ زوجیت قائم ہو جائے گا۔ چنانچہ آپؐ نے انھیں پیغام نکاح دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ تبنیت کی رسم کو ختم کرنے کے لیے اور حق کے اپنے اصل مقام پر لوٹ آنے کی امید کے ساتھ ان سے شادی کی۔

Marfat.com

عہد سیرت کی نسل

صحابہؓ کی فضیلت اور ان سے محبت اور موالات کا وجوب

اس نسل کی کیا خصوصیات ہیں جن کی تربیت محمد ﷺ نے کی اور اس نے اسلامی ریاست قائم کی، مسلسل جہاد کے مرحلے میں داخل ہوئی اور آفاق میں اسلام کی دعوت کو پھیلایا اور تربیت محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل بنی۔ کسی نبی کی کوئی مثال نہیں تھی جس نے کسی نسل کی بکمال وتمام تربیت کی ہو جیسی کہ رسول اللہ ﷺ نے کی۔ ہم اس نسل سے کتاب وسنت اور تاریخی واقعات کے ذریعے متعارف ہوتے ہیں۔

قرآن وسنت میں صحابہؓ کا تعارف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴾[الفتح:۲۹] (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انھیں رکوع وسجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں اور یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی اور پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تا کہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر

Marfat.com

جلیں۔اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے)۔

اس انداز میں قرآن نے محمد ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ کی صفت بیان کی ہے۔ یہ وہ مثالی نسل ہے جس نے روحانی واخلاقی ارتقا میں بہت بلند معیار قائم کیا، عبادت نے انھیں صیقل کیا، رکوع وسجود نے انھیں نور جمال سے ڈھانکا، عقیدے نے ان کے مفاہیم، اقدار، اطاعت، وقار، سادگی اور معصومیت کو جلا بخشی۔ ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ﴾ اپنوں سے دوستی اور غیروں سے دشمنی سکھائی۔ ﴿اَذِلَّةٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ﴾ یہ نسل ہے جسے آسمانی کتابوں نے دوام بخشا ہے اور تورات، انجیل اور قرآن نے اسے اس حیرت انگیز وصف کے ساتھ متعارف کرایا ہے۔ اس کی اقدار کی وسعت عقیدے کی اشاعت، معاونین کی کثرت، اس کے وجود کی قوت، اس کے دین کی گرفت کی مثال اس کھیتی سے دی گئی ہے جو شاخیں نکالتی ہے، پھیلتی ہے، بڑھتی ہے اور اس کا تنا مضبوط ہو جاتا ہے، مسرور کرتی ہے بونے والے مالکوں کو، اور غصہ دلاتی ہے دشمنوں کو۔ مالک بن انسؒ کے ہاں ایک شخص کا ذکر کیا گیا جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کی عیب جوئی کر رہا تھا تو امام مالکؒ نے یہ آیات تلاوت کیں حتیٰ کہ جب وہ ﴿یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِهِمُ الۡکُفَّارَ﴾ تک پہنچے تو انھوں نے کہا: "لوگوں میں سے جس کسی کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے اصحابؓ کے بارے میں عناد ہوا وہ اس آیت کا مصداق ٹھہرا۔

یہ وہ نسل ہے جس نے رسالت پہنچائی اور اپنی امانت ادا کی اور قرآن وسنت کی حفاظت کی۔ اگر انھوں نے اس میں تغافل سے کام لیا ہوتا تو یہ دونوں ہمیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ سالم ومحفوظ نہ پہنچ پاتے۔ اسی لیے اکثر علما کی رائے ہے کہ صحابہؓ کی نسل میں طعن، ان مصادر میں طعن ہے جن سے ہم نے قرآن وسنت حاصل کیا ہے اور نتیجتاً وہ دین میں طعن ہے۔ یہ نسل مطلقاً دیگر تمام نسلوں سے بڑھ کر اپنی بہتری اور افضلیت کے ساتھ موصوف ہے جیسا کہ مصطفیٰ ﷺ نے خبر دی ہے۔ "لوگوں میں سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر جو اس کے قریب ہے، اور پھر جو اس کے قریب ہے۔ بلاشبہ تمہارے بعد لوگ خائن ہوں گے امانت دار

Marfat.com

نہ ہوں گے، شاہد ہوں گے، شہید نہ ہوں گے۔، نذریں مانیں گے، پوری نہ کریں گے اور موٹاپا ان میں ظاہر ہوگا۔'' ❶

صحابہؓ کی نسل کی یہ برتری مسلمانوں کے لیے ہر زمان و مکان میں عمدہ نمونہ ہے، وہ ان کی طرف دیکھتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں۔ان کے اعمال کی پیروی کرتے ہیں۔ان کی سیرتوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ جنگ و امن میں، عبادت میں، مجاہدہ اور معاملہ میں متنوع سیرتیں ہیں جو مسلمانوں کے لیے مختلف زمانوں میں صالح پیروی کے لیے یہ مختلف نمونے کافی ہیں۔

جنگ میں صحابہ کو ایمان کے ساتھ اللہ سے اجر کی امید رکھنے والے ثابت قدم مجاہد پاؤ گے، قرآن نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ ان کی صفت بیان کی ہے ﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۞ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ﴾ (ان میں سے جو اشخاص نیکوکار اور پرہیزگار ہیں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔۔۔جن سے لوگوں نے کہا ''تمھارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، ان سے ڈرو'' تو یہ سن کر ان کا ایمان بڑھ گیا اور انھوں نے جواب دیا کہ ''ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے) [آل عمران:۳:۱۷۲،۱۷۳]

وہ زمانہ امن میں رہنمائی کرنے والے، معلم اور باعمل مصلح تھے۔رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف کی ہے کہ وہ آپؐ کی امت کے امین ہیں۔صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: نجوم آسمان کے امین ہیں جب نجوم غائب ہو جائیں گے تو آسمان پر وہ کچھ آئے گا جو اس سے وعدہ کیا گیا ہے اور میں اپنے صحابہ کا امین ہوں۔ جب میں جاؤں گا تو میرے صحابہؓ پر وارد ہوگا جو ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور میرے صحابہؓ میری امت کے امین ہیں جب وہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ کچھ آئے گا جو اس سے وعدہ کیا گیا ہے ہے۔ ❷

---

❶ اسے امام بخاری نے روایت فرمایا۔(الصحیح: ۳/۱۵۱)

❷ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۳۱.

Marfat.com

وہ میری امت کے امین ہیں کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے محافظ ہیں جیسا کہ فرشتے آسمان کے محافظ ہیں اور امت کے حافظ اس کے دین کے لیے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنے والے اور اس کے اوامر کا التزام کرنے والے ہیں اور مسلمانوں کے لیے دعا کرنے والے ہیں اور انھوں نے جان، مال اور زبان کے ساتھ دین کی حمایت ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ہر زمانے اور ہر مکان کے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ ان کی توقیر کریں، ان سے محبت کریں اور ان کا احترام کریں۔ اور ان کو ایذا دینے اور ان کے بارے میں جارح زبان استعمال کرنے اور ان کے خلاف جرأت کا مظاہرہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اصحاب کو گالی نہ دو، اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو ان کے ایک مد یا اس کے نصف کے برابر بھی نہ ہوگا۔'' ❶ یعنی ان کی فضیلت اور برتری کے ادنیٰ درجے تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعدد صحابہؓ کو جنت کی بشارت دی ہے اور فرمایا کہ ہاں ''ابوبکرؓ جنت میں، عمرؓ جنت میں، عثمانؓ جنت میں، علیؓ جنت میں، طلحہ جنت میں، زبیرؓ جنت میں، سعدؓ بن مالک جنت میں، عبدالرحمٰنؓ بن عوف جنت میں، اور سعید بن زیدؓ جنت میں'' ❷ ان کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی نسل کے سوا کسی کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔ لیکن صحابہؓ فضیلت اور مقام میں برابر نہ تھے بلکہ وہ ایمان میں سبقت اور جہاد اور اسلام کی راہ میں کثیر خرچ کے باعث ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾[الحدید:۱۰] (تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنھوں نے فتح

---

❶ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ (صحیح بخاری: ۷/۲۷، ۲۸۔ صحیح مسلم، حدیث: ۲۵۴۱)

❷ سنن ترمذی: ٥/٦٤٧۔٦٤٨۔ مزید دیکھیے: صحیح بخاری: ٤/١٩٦، ٨/٩٧، ١٣٦ اور صحیح مسلم: ٤/ ١٨٦٨.

Marfat.com

سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے۔ ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔ اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں) احادیث شریفہ میں صحابہؓ کے مقامات، ان کی باہمی فضیلت، اور ان کے درجات کی تفصیل موجود ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جبل حراء پر تھے اور ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر رضوان اللہ علیہم آپ کے ساتھ تھے۔ اس چٹان نے حرکت کی، تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''سکون اختیار کر، تیرے اوپر نبیؐ ہے، صدیقؓ ہے یا شہید'' ❶ اور یہ خبر علامات نبوت میں سے ہے۔ آخری پانچ اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید کیے گئے۔

رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ، ان کی علمی، اخلاقی اور جہادی خصوصیات کی تحسین فرمائی ہے تاکہ امت ان سے یہ خصوصیات حاصل کرے اور ان کی پیروی کرے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: ''چار حضرات سے قرآن حاصل کرو، عبدؓاللہ، سالمؓ، معاذؓ اور ابی بن کعبؓ سے ❷ اور وہ ہیں عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ مولی ابی حذیفہ، معاذؓ بن جبل اور اُبی بن کعبؓ۔

ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ، ان کی اسلام کی راہ میں جان و مال سے جود وسخا کی تحسین فرمائی۔ امام بخاریؒ اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ اس مرض میں جس میں آپؐ نے رحلت فرمائی سر پر کپڑا لپیٹے ہوئے نکلے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: ''انسانوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس نے ابوبکرؓ بن ابی قحافہ سے بڑھ کر اپنی جان و مال سے مجھ پر احسان کیا ہو، اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بنانے والا ہوتا تو ابوبکرؓ کو اپنا خلیل بناتا، لیکن اسلام کی خلت عزت وافتخار ہی کافی ہے (لہذا میں انہیں خلیل نہیں بناتا)۔ ابوبکرؓ کے دروازے کے سوا اس مسجد میں کھلنے والے سارے دروازے بند کردیے جائیں۔'' ❸

---

❶ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۴۱۷ اور اس کا صحیح بخاری: ۲۰۴/۴ کی روایت سے تقابل کریں۔
❷ اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا۔ (صحیح بخاری: ۱۰۲/۶۔ صحیح مسلم: ۱۹۱۳/۴، حدیث نمبر: ۲۴۶۴)
❸ صحیح بخاری: ۱/ ۱۲۰۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ بن خطاب کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور دل پر حق کو اتارا ہے۔'' ❶ اور فرمایا: ''تم سے پہلی امتوں میں کچھ لوگ ہوتے جو محدثین (آسمان کی خبریں دینے والے) ہوا کرتے اس کے بغیر کہ نبی ہوتے، میری امت میں اگر کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہے۔'' ❷ اور اسی طرح سے آپؐ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی خصوصیات بیان فرمائیں کہ وہ اسلام میں عدل کا نشان ہیں۔'' ان کی سیرت اونچے عدل سے پُر تھی اور دنیا سے زہد اور حق کے اظہار اور دفاتر کی تنظیم کے ساتھ امت کے مفادات کے قیام، خراج کو عائد کرنے، لشکروں کی تیاری، معاشروں کو جہالت کے اندھیروں سے نجات دینے، قبائل کو نور اسلام کی طرف لے آنے، ایمان کی کرامت، اور عدل رحمان کے ساتھ متصف تھے۔ وہ صاحب فراست تھے اور انھیں نئے نئے الہام ہوتے تھے جیسا کہ نبی ﷺ نے دین وعلم میں ان کی دوررسی کی توصیف فرمائی اور عقل، اجتہاد، اور عمل میں انھیں عبقری قرار دیا ہے۔

آپؐ نے حضرت عثمانؓ ذوالنورین کی تحسین فرمائی، جس کے سوا کسی کی زوجیت میں نبیؐ کی دو بیٹیاں نہیں آئیں جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت رقیہؓ کو اور ان کی وفات کے بعد اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثومؓ کو ان سے بیاہ دیا۔ اس لیے ذوالنورین کے لقب سے ملقب ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ نے انھیں جنت اور شہادت کی بشارت دی تھی، وہ امت پر فدا ہوئے اور امت کا خون ان کے خون کی بدولت بچ گیا اور عبداللہ بن عمرؓ کے مشورہ کے موافق خلافت کو چھوڑنے اور اعراب کے سامنے شکست ماننے کو رد کر دیا تاکہ یہ سنت نہ بن جائے کہ لوگ جب اپنے امام کو ناپسند کریں، اس کو معزول کریں اور قتل کر دیں، ❸ جس سے ان کی سیاسی بصیرت، اجتماعی طریقوں کا شعور، سخت ناموافق حالات میں اور بڑی قربانی کے ساتھ موقف پر ڈٹے

---

❶ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن: ۵/۶۱۷، حدیث نمبر: ۳۶۸۲)

❷ اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا۔ (صحیح بخاری: ۴/۲۰۰۔ صحیح مسلم: ۴/۱۸۶۴، حدیث نمبر: ۲۳۹۸)

❸ تاریخ خلیفہ بن خیاط ۱۷۰ اسناد حسن کے ساتھ۔

Marfat.com

رہنے کی قدرت کا ثبوت ملتا ہے۔

آنحضور ﷺ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی تحسین فرمائی۔ آپ ؐ نے اپنی بیٹی فاطمۃ الزہرا البتول کو ان کے نکاح میں دیا اور انھیں جنت اور شہادت کی خبر دی۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر مدینہ میں انھیں اپنا نائب مقرر کیا تو انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ؐ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ رہے ہیں؟ آپ ؐ نے فرمایا: کیا تو اس بات پر خوش نہیں کہ تیری نسبت میرے ساتھ وہ ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' [1]

امام مسلم کی روایت ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''کل میں پرچم ایسے شخص کو دوں گا جسے اللہ اور اس کے رسول ؐ سے محبت ہے اور اللہ اور اس کا رسول ؐ اس سے محبت کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ ؐ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور پرچم ان کے سپرد کیا۔ [2]

یہ اقتباس ہے صحابہ ؓ کرام کے مرتبے سے متعلق جس سے ان کے ساتھ تعلق و محبت، ان کے لیے استغفار اور ان کے حق اور مرتبے کی حفاظت واجب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صحابہ کرام کی مسابقت

قرون اولیٰ میں مسلمان نسلیں قرآن کو اس طرح سے پڑھتیں گویا قرآن ان میں سے ہر ایک پر نازل ہو رہا ہے، مرد ہو یا عورت۔۔ تازہ دم ہو کر سنتے، ان کا باہم تخاطب اس فصیح زبان میں ہوتا جس میں قرآن نازل ہوا۔ اس طرح انھیں خطاب الٰہی کو سمجھنے میں سہولت اور آسانی ہوتی۔ نیز ان کے دلوں میں قوی اثر، اللہ کی تعلیمات اور احکامات کی تعمیل میں سرعت کا انداز ہوتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ ؓ کی نسل اللہ کی اطاعت میں سب سے سبقت لے جانے اور بلیغ ترین اثر قبول کرنے والی تھی، جاہلی عادات اور رسوم و رواج کو ترک کرنے میں بڑی

---

[1] صحیح بخاری: ٤/ ٢٠٨۔ صحیح مسلم: ٤/ ١٨٧٠، حدیث نمبر: ٢٤٠٤.
[2] صحیح البخاری: ٤/ ٢٠٧۔ صحیح مسلم: ٤/ ١٨٧١.

Marfat.com

قدرت کی مالک تھی، گو جاہلی عادت صدیوں سے مروج ہوتی اور اسے قانونی تائید اور مقبول تقلید کا مقام حاصل ہوتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ اول اول ہجرت کرنے والیوں پر رحم فرمائے کہ انہوں نے جب ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾[النور:۳۱] (اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں) نازل فرمائی تو انھوں نے اپنے کمر بند پھاڑے اور ان کے ساتھ اپنے سینے ڈھانک لیے۔ ❶

بلیغ موقع جس میں صحابہؓ نے اطاعت کے اعلان میں احساس مشقت کے باوجود سبقت کی وہ ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں وارد ہے۔ ''جب رسول اللہ ﷺ پر آیت کریمہ ﴿ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾[البقرة:۲۸۵] (آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے۔ تم اپنے دل کی باتیں خواہ ظاہر کرو، خواہ چھپاؤ، اللہ بہرحال ان کا حساب تم سے لے لے گا۔ پھر اسے اختیار ہے، جسے چاہے معاف کر دے اور جسے چاہے، سزا دے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے) نازل ہوئی تو وہ اصحابؓ رسول ﷺ پر شاق گزری وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور گھٹنوں کے بل ہو گئے اور کہا: اے اللہ کے رسولؐ ہمیں ان اعمال کا مکلّف بنایا گیا تھا جس کی ہمیں استطاعت تھی: نماز، جہاد اور صدقہ۔ اب یہ آیت آپؐ پر نازل ہوئی جس کی تعمیل کی ہمارے اندر طاقت نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اس طرح کہنا چاہتے ہو جیسا کہ تم سے پہلے اہل کتاب نے کہا ہے۔ ہم نے سنا اور مانیں گے نہیں'' بلکہ کہو: سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير انھوں نے کہا: سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير تو اللہ عزوجل نے نازل فرمایا: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ ❷ [وہ اہل ایمان تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے

---

❶ صحيح بخاري: ۱۳/٦ میں مختصراً ہے اور سنن ابو داؤد: ٤ / ٣٥٦-٣٥٧ کی روایت سے تقابل کریں۔
❷ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۲۵۔ یہ روایت سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۹۹۲ سے ملائیں۔

Marfat.com

دین کے معاملے میں وسعت عطا فرما دی۔]

یہ حدیث صحابہ کی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لپک کر جانے کا اظہار کرتی ہے۔ حتیٰ کہ جب انھوں نے اس کی تکلیف کا مکلّف کیے جانے میں مشقت پائی اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے حسن اطاعت کا یقینی مظاہرہ دیکھا تو اس نے تخفیف کے ساتھ ان کے لیے اس میں وسعت پیدا فرما دی۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ انھوں نے پڑھا ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [وہ اہل ایمان تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کے معاملے میں وسعت عطا فرما دی] اور کہا: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج:۷۸] (اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی) اور فرمایا ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (اللہ تمھارے ساتھ نرمی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا) [البقرۃ:۱۸۵] نیز فرمایا ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [تغابن:۱۶] (جہاں تک تمھارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو)۔ [1]

حدیث نبوی میں یہ بات آئی ہے: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا ونسیان اور جس پر انھیں مجبور کیا گیا، کا مکلّف نہیں بنایا"۔ [2] اور یہ حدیث آیت کریمہ ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ کے موافق ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی استدعا قبول فرمائی اور فرمایا: "ہاں۔" جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے: ابن کثیر نے آیت میں دعا کے معنی میں کہا ہے: "یعنی ہم نے نسیان کے باعث فرض کو چھوڑا یا ہم نے اس طرح کوئی حرام کام کیا یا شریعت سے ناواقف ہونے کے باعث ہم نے صحیح عمل کرنے میں خطا کی۔" [3]

آیت کریمہ اور حدیث شریفہ نے مسئولیت کی تعیین میں عظیم قاعدہ مقرر کر دیا ہے۔ چنانچہ انسان ان خیالات کا مسئول نہیں ہے جو اس کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جب تک کہ ان کے ساتھ کلام نہ کرے یا عمل نہ کرے۔ نیز صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے درگزر فرمایا جو ان کے دلوں میں وارد ہوا جب تک وہ اس کے ساتھ

---

[1] تفسیر طبری: ۳/ ۱۵۴. [2] سنن ابن ماجه، حدیث نمبر: ۲۰۴۵.

[3] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۴۲-۳۴۳.

Marfat.com

کلام نہ کریں یا عمل نہ کریں۔ ❶

چونکہ انسان کو ان خیالات اور تصورات پر کوئی اختیار نہیں ہوتا جو اس کے ذہن میں وارد ہوتے ہیں۔اس لیے صحابہؓ نے تنگی محسوس کی جب آیت کریمہ ﴿وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ﴾ نازل ہوئی ،لیکن انھوں نے اطاعت میں سبقت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اس تنگی کو رفع فرما دیا۔اس طرح انسان مسئول نہیں ہے سوائے ان اعمال کے جو اس سے عقل ، ارادے اور اختیار کی حالت میں صادر ہوتے ہیں۔ اور ایسے ہی اکراہ (ناپسندیدگی) کے ساتھ کفر کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔﴿ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ﴾[النحل:١٠٦] ((وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو(تب تو خیر)۔اور وہ طلاق بھی معتبر نہیں جو جنون کی حالت میں یا زبردستی لی جائے۔

احکام میں یہ سہولت صحابہؓ کے احساس میں مشقت کے باوجود اطاعت میں سبقت کی برکت سے ہے۔اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے اطاعت پر مسابقت کی ترغیب دی ہے۔حالات کی تبدیلی اور فتنوں اور ہولناکیوں کے پیدا ہونے کے خوف سے جس سے انسان بدل جاتا ہے یا نیکی ،طاعات میں پیش قدمی کرنے سے کمزور پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:''اعمال کی ادائیگی میں جلدی کرو،فتنوں کے ماحول میں جو اندھیری رات کی مانند ہیں آدمی صبح کے وقت مومن ہوتا ہے اور شام کو کافر اور شام کو مومن ہوتا ہے اور صبح کو کافر اور دنیا کے مال کے بدلے دین بیچ ڈالتا ہے۔'' ❷

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ،اجر کے لحاظ سے کون سا صدقہ سب سے بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا:''یہ کہ تو صدقہ کرے جب کہ تو صحت مند ہو اور فقر سے ڈرتا ہو اور دولت مندی کا امیدوار ہو اور اس میں سست نہ ہو حتیٰ کہ جان ہنسلی تک آجائے تو تو کہے:''یہ فلاں کے لیے ،یہ فلاں کے لیے ،جب کہ وہ

---

❶ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ١٢٧.

❷ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ١١٨.

Marfat.com

فلاں کے لیے تو ہے ہی۔" ❶

چنانچہ یہ حدیث بلاتاخیر صدقہ اور نیکی کرنے کی اہمیت واضح کرتی ہے، انسان جب صحت مند اور عنفوان حیات میں ہونے کے وقت مال خرچ کرتا ہے، جب کہ وہ اس کا ضرورت مند اور حریص ہوتا ہے اور اسے فقر کا خوف ہو۔ نیز مال کی محبت میں یا احتیاطاً اپنے اور اپنے اہل وعیال کے مستقبل کے لیے مال جمع کرنے کی شدید رغبت رکھتا ہو۔ جس انسان نے اس صورت میں صدقہ کیا یا خرچ تو وہ امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا توکل صادق جملہ وساوس اور خطرات پر غالب آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَ فَضْلًا ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ [البقرۃ:۲۶۸] (شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ تمھیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے۔ اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے)

اعمال صالحہ، صدقات اور معروف میں خرچ پر اللہ تعالیٰ کے ثواب کے وعدہ، اور رسول اللہ ﷺ کے وعدہ: "صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا" ❷ بنی آدم کے خیالات میں شیطان برائی اور شکوک کو جنم دیتا ہے۔

شیطان اس پر وساوس وارد کرتا ہے، کہتا ہے: اپنے مال کو سنبھال کر رکھ کیونکہ تو اس کا ضرورت مند ہے، اور دنیا کی لذتوں اور نعمتوں سے بسرعت تمام فائدہ اٹھا، اس سے قبل کہ وہ معدوم ہو جائیں۔" رسول اللہ ﷺ نے اس کشمکش جس کا انسان کو سامنا ہوتا ہے، شیطان کے ڈالے ہوئے وساوس برائی اور فرشتے کے ڈالے ہوئے خیالات بھلائی کی وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اے ابن آدم شیطان کی آمد ہوتی ہے اور فرشتہ کی آمد، شیطان کی جو آمد ہے وہ شر کی دھمکی اور تکذیب حق ہے اور فرشتہ کی آمد، وہ خیر کا وعدہ اور حق کی تصدیق ہے، تو جو اسے پالے وہ جان لے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ پس وہ اللہ کی حمد کرے اور دوسرا پائے تو وہ اللہ

---

❶ صحیح بخاری: ۳/ ۲۲۶۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۰۳۲.

❷ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۸۸.

Marfat.com

کی پناہ مانگے شیطان رجیم سے۔ پھر آپؐ نے پڑھا: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴾۔ ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ❶ اور قوی تر چیز جو شیطان کی آمد اور اس کی القائے وساوس کو روکتی ہے، وہ انسان کے سر پر منڈلاتی ہوئی حالت ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا فعل کرے، اس سے وساوس اور خطرات کو روکا جا سکتا ہے جن کا ہدف اس کے ایمان کی زیادتی اور توکل علی اللہ کی منزل کا حصول اور وحی اور اس کی خبروں کی تصدیق ہے۔

اور صحابی رسولؐ جریر بجلی روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک وفد دن کے پہلے پہر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اون کے کپڑے پہنے ہوئے اور ننگے پاؤں تھے اور ان کے پاس تلواریں تھیں تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک ان پر ترس کھاتے ہوئے متغیر ہو گیا۔ آپؐ نے لوگوں کو جمع کیا اور انھیں صدقہ کی ترغیب دی اور اس سلسلے میں آیات پڑھ کر سنائیں، ان میں سے ایک یہ تھی ﴿ اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾[الحشر:۱۸] (اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے)۔ لوگوں نے تعمیل کی حتیٰ کہ کھانوں اور کپڑوں کے دو ڈھیر لگ گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا کہ صحابہؓ نے اپنے بھائیوں کی امداد کی اور اپنے رب عظیم کی اطاعت میں کوئی تاخیر نہیں کی۔ ❷

صحابہؓ کا دعوت اسلامی کے لیے وقف ہو جانا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۛ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾[الحشر۹،۸] ((وہ مال ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں۔

❶ سنن ترمذي، حديث نمبر: ۲۹۸۸ (طبع: شاكر) سورۂ بقره كى آيت: ۲٦۸۔
❷ صحيح مسلم: ۲/ ۷۰٤_۷۰٥، حديث نمبر: ۱۰۱۷۔

Marfat.com

وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ یہی راست باز لوگ ہیں۔ (اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے۔ یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں)۔

یہ آیات کریمہ رسول اللہ ﷺ کے انصار و مہاجرین صحابہؓ کی توصیف میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ ان کے اسلام کے لیے وقف ہو جانے کی وضاحت کرتی ہیں، گھروں کی محبت اور مال سے تعلق دین کی خدمت کے آگے ان کے لیے رکاوٹ نہ بن سکا۔ جب انھیں ہجرت کا حکم دیا گیا تو انھوں نے اپنے مالوف گھروں کو چھوڑنے میں دیر نہیں کی اور دعوت کے لیے یکسو ہونے اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات، جو ان کو تمام لذتوں سے بڑھ کر مرغوب تھیں، کی تلاش میں مال ان کی راہ کی رکاوٹ نہیں بنا۔ آیات کریمہ نے ان کے ایمان صادق اور درستی نیت کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ مال، جاہ اور مرغوبات ان کا مطمحِ نظر نہ بن سکیں۔ اور جب بھی انفاق وعطا کا وقت آیا تو ہم ان کے ہاتھوں کو مال کی داد و دہش اور سخاوت کے ساتھ پھیلے ہوئے پاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ مال خرچ کرنے اور ضرورت سے زیادہ دینے سے مقرر حدوں پر نہ رک جاتے بلکہ زیادہ بلندی تک پہنچتے۔ انھوں نے اپنی ضرورت مند ذات پر ایثار کو یقینی بنایا۔ چنانچہ وہ اپنی ضرورت سے محروم رہتے تاکہ عقیدے کے تقاضوں کو اولیت دیں۔ صحابہ نفس کی تنگی سے آزاد ہو گئے تاکہ اس فلاح کو یقینی بنائیں جس کی آیات کریمہ نے تعریف کی ہے۔ وہ اللہ و رسول ﷺ کی نصرت کی صفت کے مستحق ہو گئے اور بلند و بالا علامت، ہدایت کا نشان اور عظیم نمونے بن گئے جن کی طرف مسلمانوں کی نظریں پورے فخر، اعتزاز اور پوری تقدیس و توصیف کے ساتھ اٹھتی ہیں، اور کیا ہی عمدہ ہے صحابہ کی وہ توصیف جو ابن مسعودؓ نے کی ہے جب انھوں نے فرمایا: ''جو کسی پر رشک کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اصحابِ محمد ﷺ پر رشک کرے کیونکہ ان کے دل اس امت میں سب سے زیادہ پاکیزہ

Marfat.com

ہیں، وہ گہرا علم رکھنے والے، کم از کم تکلف کرنے والے، مضبوط، ہدایت یافتہ اور عمدہ حال لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے چن لیا تھا۔ ان کی فضیلت کی معرفت حاصل کرو اور ان کے نشانات راہ پر چلو کیونکہ وہ سیدھی راہ پر تھے۔''

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے اس کے معانی اور اس کے مقاصد کی بہت عمدہ تعبیر کی جس سے ان کے دور کے واقعات اور ان کے دین کے مقاصد کے گہرے شعور کی دلیل ملتی ہے۔ ربعی بن عامرؓ نے فارس کے قائد سے کہا: ''اللہ نے ہمیں بھیجا ہے کہ ہم اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف نکالیں۔'' [1] صحابہؓ رسالت کو اہل زمین کی طرف لیے پھرتے تھے اور لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے سے انھیں انتہائی مسرت ہوتی۔ اور وہ اس کے ساتھ اپنے اہداف کا شعور رکھنے والے، اپنے عقیدے کی اشاعت کے حریص، اور آنحضور ﷺ کے قول کا ادراک رکھنے والے تھے جو آپؐ نے حضرت علیؓ سے خیبر کے دن فرمایا: لئن یھدی اللہ بک رجلا واحدا خیر لک من ان یکون لک حمر النعم. [2] (اگر اللہ تعالیٰ تیرے ذریعے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے)۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرام کے قائدین سختی سے اس نظریے کے پابند رہے۔ صحابی جلیل حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا: ابوموسیٰ اشعریؓ نے مجھے حضرت عمرؓ کی طرف تستر کی فتح کی خبر کے ساتھ بھیجا۔ قبیلہ بکر بن وائل کے چھ افراد مرتد ہو گئے تھے اور مشرکین کے ساتھ مل گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ بکر بن وائل کے افراد کا کیا ہوا؟ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین وہ لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے اور مشرکین سے مل گئے تھے تو انھیں قتل کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر تم نے انھیں زندہ پکڑ لیا ہوتا تو وہ میرے لیے محبوب تر ہوتے ہر اس زرد و سفید چیز -- سونے اور چاندی -- اور ہر اس چیز سے جس

---

[1] تاریخ طبری: ۳/ ۵۲۸.
[2] صحیح مسلم: ۲/ ۲۷۹.

Marfat.com

پر سورج طلوع ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا: اے امیر المومنینؓ اگر میں انھیں گرفتار کر لاتا تو آپ ان کے ساتھ کیا کرتے؟ انھوں نے فرمایا: میں ان کو وہی دروازہ پیش کرنے والا تھا جس سے وہ نکلے تھے کہ وہ اس میں داخل ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا کر لیتے تو ان سے یہ صورت قبول کر لیتا ورنہ میں انھیں جیل خانے کے سپرد کر دیتا۔ ❶

اور جب مقوقس نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو اسکندریہ کی فتح کے موقع پر جزیہ پیش کیا کہ ان کے قیدی واپس کر دیے جائیں تو حضرت عمرؓ نے ابن العاص کو لکھا کہ جزیہ قبول کر لیں اور قیدیوں کو اسلام اور نصرانیت میں سے انتخاب کرنے کا اختیار دینے کی ہدایت فرمائی۔ اس تخییر کے موقع کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ایک عینی شاہد زیاد بن جزء الزبیدی نے کہا: ''ہم نے وہ سب قیدی جو ہمارے قبضے میں تھے، جمع کیے، اور نصاریٰ بھی جمع ہو گئے۔ پھر ہم ایک ایک قیدی کو لاتے اور اسے اسلام اور نصرانیت میں سے انتخاب کرنے کا اختیار دیتے۔ اگر وہ اسلام کو اختیار کر لیتا تو ہم اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا نعرہ لگاتے اور وہ تکبیر شدید تر ہوتی بہ نسبت اس کے جو کسی بستی کے فتح کے وقت کہی گئی۔ راوی نے کہا: پھر ہم اسے اپنے ہاں لے لیتے اور اگر وہ نصرانیت کا انتخاب کرتا تو نصاریٰ نتھنوں سے گھوڑے کی سی آواز نکالتے اور اسے اپنے ہاں لے لیتے۔ اور ہم اس پر جزیہ عائد کر دیتے اور ہمیں اس پر انتہائی افسوس ہوتا۔ وہ آدمی ہم میں سے نکل کر ان کے پاس چلا گیا۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ صورت حال اسی طرح جاری رہی حتیٰ کہ ہم اس سے فارغ ہو گئے۔ اور لائے جانے والوں میں سے ایک صاحب ابو مریم عبداللہ بن عبدالرحمٰن تھے۔ ہم نے انھیں کھڑا کیا اور ان پر اسلام اور نصرانیت کو پیش کیا، جب کہ ان کے والدین اور بھائی نصاریٰ تھے۔ انھوں نے اسلام اختیار کیا اور ہم نے انھیں اپنے ہاں لے لیا۔ اس پر ان کا باپ، ماں اور بھائی ان پر پل پڑے اور انھیں ہم سے کھینچنے لگے حتیٰ کہ ان کے تن کے کپڑے پھٹ گئے۔ نتیجتاً

---

❶ سنن بیهقی: ۲۰۷/۸.

Marfat.com

آج وہ ہمارے عریف (نگران) ہیں۔ ❶ یہ واقعہ صحابہؓ کے احساسات، دین کے ساتھ تعلق اور لوگوں کے مسلمان ہونے میں ان کی رغبت کی عکاسی کرتا ہے، اگرچہ جزیہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہے۔ ساتھ ہی وہ دینی آزادی کی فضا اور قدرت کے ہوتے ہوئے کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے سے اجتناب کا پتا دیتا ہے۔ اور صحابہؓ کے زمانے میں اسلام کا راستہ آسان اور روشن نہ تھا اور بالخصوص دعوت کے اولین مراحل میں، بلکہ وہ خطرات سے گھرا ہوا تھا۔ اس میں داخل ہونا سخت امتحان تھا جس میں کامیابی بلند ہمتی اور عالی نفسی کے ساتھ ہی ممکن تھی۔ جس کے لیے ایمان، تقویٰ، اخلاص اور مجاہدہ مطلوب تھا۔

ایک شخص کا مقداد بن اسودؓ کے پاس سے گزر ہوا تو اس نے کہا: کتنی خوشگوار ہیں یہ آنکھیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا! بخدا میری خواہش ہے کہ ہم بھی وہ کچھ دیکھتے جو آپ نے دیکھا اور ہم بھی وہاں حاضر ہوتے جہاں آپ حاضر تھے، تو حضرت مقدادؓ نے کہا: ''تم میں سے کوئی وہاں حاضر ہونے کی تمنا نہ کرے جہاں سے اللہ عزوجل نے اسے غائب رکھا ہے۔ اسے کیا معلوم اگر وہ وہاں ہوتا تو وہاں کس حال میں اور کس کیفیت میں ہوتا۔ بخدا! کئی لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اللہ تعالیٰ نے انھیں منہ کے بل جہنم میں جھونک دیا، اس لیے کہ انھوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا اور نہ آپ کی تصدیق کی۔ تم اللہ کا شکر کیوں نہیں بجالاتے کہ اس نے تمھیں اس حالت سے بچایا۔ تمہارا رب ہی جانتا ہے اور تمھیں نہیں معلوم کہ تم رسول اللہ ﷺ کے پیغام کی تصدیق کرنے والے ہوتے۔ اور آزمائش تم سے روک کر دوسروں پر ڈال دی گئی؟''

بخدا! انبیاء میں سے کوئی نبیؑ ان شدید حالات اور فترہ (انبیاء کے بعثت کے وقفے) اور جاہلیت کے دور میں مبعوث نہیں ہوا جس میں نبی اکرم ﷺ مبعوث کیے گئے۔ لوگ اس دور میں بتوں کی عبادت سے بڑھ کر کوئی عبادت نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ فرقان کے ساتھ تشریف لائے جس نے حق و باطل کے درمیان تفریق کر ڈالی اور باپ اور بیٹے جدا جدا ہو گئے

---

❶ تاریخ طبری: ٤ / ٢٢٧.

Marfat.com

حتیٰ کہ کوئی شخص اپنے باپ بیٹے اور ماموں کو سمجھتا کہ وہ کافر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کا قفل ایمان کے لیے کھول دیا ہوتا۔ تاکہ وہ جان لے کہ جو جہنم میں داخل ہوا وہ ہلاک ہوا۔ اس کی آنکھیں انھیں دیکھ کر ٹھنڈی نہ ہوتیں جب کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے پیارے یعنی اس کے اقرباء جہنمی ہیں۔ اور یہ وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ ﴾ [الفرقان:۷۴] (اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے)۔

صحابہؓ کی اکثریت فقراء میں سے تھی۔ اور مدینہ منورہ کی نوزائیدہ ریاست کے پاس اموال نہیں تھے۔ لہٰذا اللہ کے دین میں داخل ہونے والے کسی شخص کو مال، جاہ اور کسی قسم کا دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہونے کا لالچ نہ تھا۔ ان روایات کے ذریعے جنھیں امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں نکالا ہے، ان صحابہؓ کے فقر اور ان کی حالت کی تصویر سامنے آتی ہے جنھیں صحابی جلیل سہل بن سعدؓ نے بیان کیا ہے۔ ''ہماری ایک خاتون اپنی کھیتی جس میں چقندر بویا ہوا ہوتا، میں کام کرتی، جب جمعہ کا دن ہوتا وہ چقندر کی جڑ کو اکھاڑتی اور اسے ہانڈی میں رکھتی، پھر پسے ہوئے جو کی ایک مٹھی اس میں ڈالتی تاکہ چقندر کی جڑ عرقہ -- یعنی اس کی ہڈی اور گوشت بن جائے۔ سہل نے کہا: ہم نماز جمعہ سے فارغ ہو کر اس کی طرف جاتے اور اسے سلام کہتے، وہ اس کھانے کو ہمارے قریب کر دیتی، چنانچہ اس کے کھانے کے لیے ہم جمعہ کے دن کے انتظار میں رہتے۔ اور ایک روایت میں ہے: کہ اس میں چربی ہوتی اور نہ چکناہٹ۔ جمعہ ہمارے لیے فرحت کا دن ہوتا۔ [1]

صحابہؓ کرام نے بھوک، پیاس، گرمی، سردی اور ایذائیں برداشت کیں اور انھوں نے اس آزمائش میں صبر سے کام لیا، اور دنیا کی نعمتوں پر عقیدے کو ترجیح دی۔ چنانچہ وہ جس درجے تک پہنچے اس کے مستحق تھے جب کہ اللہ کی کتاب نے انھیں عمدہ مدح کے ساتھ دوام بخشا ہے اور امت اسلامیہ نے طویل زمانے سے ان کی قدر کی حفاظت کر رکھی ہے۔

صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیعت کا التزام کرتے تھے، پھر آپؐ کے بعد خلفاء

---

[1] ترغيب وترهيب منذری: ۵/ ۱۷۳.

Marfat.com

راشدین کے ساتھ، اور بیعت ایک بیش قیمت چیز تھی۔ وہ طرفین کے مابین آزادی اور باہمی معاہدے کا التزام ہوتا ہے اور صحابہؓ نے ہمیشہ صدق التزام کا ثبوت دیا، اور انھوں نے داعی جہاد کی آواز پر لبیک کہا اور اپنے گھروں سے دور مقامات میں بڑے بڑے معرکوں میں شریک ہونے سے گریز نہیں کیا اور ان میں سے اکثر زمین کے مختلف حصوں، کابل، قسطنطنیہ اور قیروان وغیرہ میں دفن ہوئے۔ وہ جہاد، اسلامی شان و تمکنت کی محافظت اور عقیدہ کے دفاع سے ہٹ کر بیٹھے رہنا جانتے ہی نہ تھے۔

لوگوں کی خلیفہ سے بیعت نشاندہی کرتی ہے کہ امت ہی قوت اور حکومت کا مصدر ہے اور حکومت پاپائیت نہیں اور وہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے بلکہ مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کے مابین ایک معاہدہ ہے یہ کہ وہ تنگی و فراخی میں، طوعاً و کرہاً اللہ کے دین کی محافظت، اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفاذ، امن کے قیام اور رعیت کے مفادات کو یقینی بنانے کے لیے ان کی اطاعت کریں گے۔ اسلام میں نہ تو پاپائیت ہے اور نہ عطیۂ الٰہی بلکہ آزاد بیعت ہے جس کا امت اور حاکم دونوں فریق اس کی اہمیت اور اس کے التزامات کی وسعت کا ادراک رکھتے ہیں۔ یہ اہمیت اور التزام اس آیت کریمہ کے معنی سے پھوٹتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ [الفتح:۱۰] (اے نبیؐ، جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے)

کتنی عمیق ہے حضرت عمرؓ بن خطاب کی تعبیر جب حضرت عمیر بن عطیہ لیثیؓ نے انھیں کہا: ''اے امیر المومنین اپنا ہاتھ بلند کیجیے۔ اللہ آپ کو رفعت عطا فرمائے، میں آپ سے اللہ اور اس کے رسولؐ کے طریقے کے مطابق بیعت کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اپنا ہاتھ بلند کیا، مسکرائے اور فرمایا: یہ ہمارے لیے تمہارے اوپر ہے اور تمہارے لیے ہمارے اوپر۔'' لہٰذا بیعت کا التزام راعی اور رعیت دونوں پر مشتمل ہے۔ قرآن کریم نے اولین مسلمانوں، مہاجرین و انصار کے مواقف کو کئی آیات میں دوام بخش دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ

Marfat.com

وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴾[التوبہ:۱۰۰] (وہ مہاجر وانصار جنھوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم الشان کامیابی ہے)۔ سابقون الاولون وہ ہیں جنھوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، پھر قبلہ کی تحویل کے بعد کعبہ کی طرف۔ یہ سعید بن مسیبؒ اور محمد بن سیرین کی رائے ہے۔ وہ دونوں کبار تابعین میں سے ہیں۔ کعبہ کی طرف تحویل قبلہ ۲ ہجری میں ہوئی۔ نبی ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے کے سولہ مہینے بعد جو اس تاریخ سے قبل اسلام پر تھا وہی سابقون الاولون میں سے ہے۔ ان سابقون نے شدید وخطرناک حالات میں ذمہ داری کو اٹھایا اور مہاجرین نے اہل و مال اور گھروں کی قربانی دی اور عقیدے کی نصرت کے لیے انھوں نے ہجرت کی جب کہ انصار نے اپنے شہر (مدینہ) کو خطرات کے لیے پیش کر دیا اور انھوں نے بھی جان، مال اور امن وسلامتی کے مقابلے میں عقیدہ کو ترجیح دی۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے پر اسلام میں سبقت اور عقیدے کی خدمت کے مطابق فضیلت رکھتے تھے۔ بدری صحابہ طبقہ اولیٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ سابقون الاولون میں سے تھے اور جو احد میں حاضر تھے وہ طبقہ ثانیہ سے متعلق تھے اور جو غزوہ خندق میں شریک ہوئے وہ طبقہ ثالثہ میں سے تھے اور جو بیعت حدیبیہ کے وقت موجود تھے وہ طبقہ رابعہ میں سے تھے اور جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے وہ ایک طبقہ ہیں اور جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے وہ ایک طبقہ ہیں۔

بخاریؒ و مسلمؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ وہ حاطب بن ابی بلتعہ کو قتل کر دیں اور وہ بدری صحابی تھے، انھوں نے کوشش کی تھی کہ مسلمانوں کی مکہ کو فتح کرنے کی تیاری کی خبر مکہ میں قریش کو بھیج دیں لیکن وہ خط مسلمانوں کے

Marfat.com

ہاتھ لگ گیا اور حضرت حاطبؓ نے اعتراف کر لیا کہ وہ مکہ میں اپنے اہل کو قریش کی ایذا سے بچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ حضرت حاطبؓ کی سبقت اور غزوہ بدر میں ان کی حاضری ان کی شفاعت کا باعث بن گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عمر کو انھیں قتل کرنے کی اجازت نہیں دی اور فرمایا: وہ غزوہ بدر میں موجود تھا اور تمھیں کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر نگاہ ڈال کر فرمایا دیا ہو، جو چاہو عمل کرو، میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔ ❶

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے غلاموں میں سے ایک نے ان کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی جناب میں شکایت کی اور کہا: ''اے اللہ کے رسولؐ! حاطبؓ ضرور جہنم میں داخل ہوگا'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے جھوٹ بولا، وہ آگ میں داخل نہیں ہوگا۔'' وہ بدر اور حدیبیہ کے واقعات میں شریک تھا۔'' ❷ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بدر اور حدیبیہ میں حاضر تھا وہ آگ میں نہیں جائے گا۔ ❸

حضرت عمرؓ بن خطاب نے اولین مسلمانوں اور اسلام کی خدمت کرنے والوں کو ریاست سے زیادہ عطیے دیے۔ اس طرح سے انھوں نے ان حضرات کی پروقار زندگی کو قوت مہیا کرنے کے لیے نیز معاشرہ میں ان کے نفوذ کی خاطر اور قیادت و توجیہ میں ان کے مقام کو برقرار رکھنے کے لیے ان کی معنوی اور مادی تکریم کو جمع کر دیا مرکز کے سہارے کے لیے۔ اور امیر المومنین حضرت عمرؓ کی یہ التفات ان کے نابغہ روزگار ہونے کا ثبوت ہے۔

امام بخاریؒ نے زید بن اسلمؒ اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''میں عمرؓ بن خطاب کے ساتھ بازار کی طرف نکلا تو حضرت عمر کو ایک جوان عورت ملی، اس نے کہا: اے امیر المومنینؓ میرا شوہر فوت ہو گیا ہے اور اس نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں۔ بخدا وہ پائے بھی نہیں پکاتے، نہ ان کی کھیتی ہے اور نہ دودھ دینے والا جانور مجھے خوف ہے

---

❶ صحيح بخاری (فتح الباری: ٥١٩/٢)، صحيح مسلم: ٤/ ١٩٤١.

❷ صحيح مسلم: ٤/ ١٩٤٢۔ یہاں جھوٹ بولنا غلطی کرنے کے معنیٰ میں ہے۔

❸ صحيح مسلم: ٤/ ١٩٤٢

Marfat.com

کہ انھیں قحط کا سال کھا جائے گا۔ میں خطاف بن ایماء الغفاریؓ کی بیٹی ہوں جو نبی ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں موجود تھے۔ حضرت عمرؓ اس کے پاس رک گئے اور چلے نہیں۔ پھر فرمایا: مرحبا قریبی نسل والی'' پھر آپ گھر میں بندھے ہوئے طاقتور اونٹ کی طرف گئے اس پر خوراک کی دو بوریاں لادیں اور ان کے درمیان خرچہ اور کپڑے رکھے اور اسے اس کی مہار تھمادی اور فرمایا: اسے لے جاؤ، یہ ختم نہیں ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تجھے مال عطا فرمائے۔ اس آدمی نے کہا: اے امیر المومنینؓ آپ نے اسے بہت زیادہ دے دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تیری ماں تجھے گم کرے، میں نے اس کے ابا اور بھائی کو دیکھا ہے کہ انھوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیے رکھا حتیٰ کہ ہم نے اسے فتح کرلیا، ہم نے اس سے پورے پورے حصے وصول کیے۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے ایسا کئی مرتبہ کیا گیا۔ انھوں نے اون یا خز کے لباس مدینہ کی عورتوں میں تقسیم کیے۔ ان میں سے ایک عمدہ لباس باقی بچ گیا۔ وہاں پر موجود لوگوں میں سے کسی نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کو دے دیجیے جو آپ کے پاس ہے۔ ان کی مراد حضرت ام کلثوم بنت علی سے تھی جو عمرؓ بن خطاب کی زوجیت میں تھیں، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ام سلیطؓ اس کی زیادہ حق دار ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں سے ہیں، وہ احد کے دن لوگوں کے لیے مشکیزے اٹھائی پھرتی تھیں۔ ❶

اس طرح وہ عظیم لوگ جنھوں نے معاشرے کی بڑی خدمات سرانجام دیں، کی تکریم ان کی اولاد تک پہنچی اور اس سے وہ تمام لوگ پہچانے جاتے جن کی قربانیاں دنیا میں ضائع ہوتی ہیں اور نہ آخرت میں ﴿وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے اپنے متبعین کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اس اجر عظیم کا امیدوار بنایا جس کی برابری دنیا کے بڑے بڑے اعزازات بھی نہیں کرسکتے۔ صحیح روایت ہے کہ ایک اعرابی فتح خیبر کے موقع پر موجود تھا۔ اس معرکے کے دوران نبی کریم ﷺ نے مال غنیمت میں سے اس کا حصہ نکالنے کا ارادہ فرمایا اور وہ وہاں موجود نہ تھا۔ جب وہ آیا تو اسے اس کا حصہ دیا

---

❶ مناقب عمر ابن جوزی: ٥٧.

Marfat.com

گیا۔ وہ اسے لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں نے آپ کی اتباع کی تھی کہ مجھے یہاں تیر مارا جائے۔ اور یہ اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں جنت میں داخل کردیا جاؤں۔

آپؐ نے فرمایا: اگر تو سچ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ تیری تصدیق فرمادے گا۔

تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد مجاہدین دشمن سے لڑنے کے لیے اٹھے۔ چنانچہ اسے اٹھا کر لایا گیا، اس نے اسی جگہ پر تیر کھایا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ نبی ﷺ نے اسے اپنے جبہ میں کفنایا اور اس کے لیے دعا فرمائی۔ آپ کی دعا میں یہ الفاظ تھے:

''اے اللہ یہ تیرا بندہ تھا، یہ تیری راہ میں نکلا تھا تو شہید کیا گیا، اور میں اس پر گواہ ہوں۔'' [1]

اصحاب عزیمت اہل اسلام نے ثابت کیا ہے کہ دنیا و مافیہا ان کی نظر میں ہیچ ہے۔ ان کے دل رضوان اکبر کے شائق ہیں۔ جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اس اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں کہ اہل قادسیہ (فاتحین قادسیہ) میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی ہمیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کا طلبگار تھا۔ [2] جب حضرت عمر کو کسریٰ (شاہ ایران) کی تلوار، کمر بند اور اس کا سامان آرائش پیش کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: لوگوں نے یہ سب کچھ پیش کردیا، انھوں نے امانت کی پوری پوری حفاظت کی۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے کہا: آپ نے پاکدامنی کا ثبوت دیا تو رعیت بھی پاکدامن ثابت ہوئی۔ [3]

اسلام میں صحابہؓ کے مظاہر تکریم کے باعث انھوں نے مسلمانوں کے مابین قابل رشک نمونوں کا مقام حاصل کیا۔ چنانچہ ان کی سیرتیں لکھی گئیں۔ ان کی خبروں کو اشاعت ملی۔ ان کی زندگیوں کے حالات پر ہزاروں کتابیں مرتب کی گئیں جنھوں نے ان کی یاد کو دوام بخش دیا۔ کسی قوم نے ملت اسلامیہ کی طرح اپنے رجال کی زندگیوں کے حالات مدون کرنے میں توجہ نہیں

---

[1] مصنف عبدالرزاق: ٥/ ٢٧٦.
[2] تاریخ طبری: ٤/ ١٩.
[3] تاریخ طبری: ٤/ ٢٠.

Marfat.com

دی۔ اور یہی وہ سبب ہے جس نے سیرتوں پر کتابوں کو مکتبہ عربیہ اسلامیہ کے لیے وسیع ترین موضوعات بنادیے۔

قدیم و جدید زمانے کے علماء رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ کی سیرتوں کے مرتب کرنے کی طرف توجہ دیتے رہے ہیں تا کہ لوگوں کے دلوں میں مردانگی اور مردان کار کی محبت پیدا کریں اور آپؐ کے اصحابؓ کے اخلاق سے رواداری، شجاعت، سخاوت، سچائی اور نیکی سیکھیں۔ اور قرآن کریم نے صالحین کی اقتدا میں اس منہج کو درست کرنے کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ [الانعام:۹۰] (اے نبیؐ وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے، انہی کے راستہ پر چلو)۔ اور رسول اللہ ﷺ کی اقتداء اور آپ کا منہج دین و دنیا کے مقاصد میں شامل ہے اس لیے کہ ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [النجم:۳،۴] (وہ (ہمارا رسول) اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے)۔

لیکن انسانوں میں سے عظما و صالحین کی اقتدا اس پہلو میں، جس میں وہ شریعت کے احکام اور مقاصد کے مطابق ممتاز ہوتے ہوں اور ان کی زندگی میں اس تطبیق سے حقیقت کی وضاحت اور نمونے کے موقع کے اظہار کا فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ بعض اصولوں کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت کے ساتھ اور ان میں سے یہ کہ عظماء و صالحین کی انفرادیت بھی ان کی خطا ہے، اور اس میں سے جو کچھ لیا جائے وہ آنحضور کی طرف لوٹایا جائے۔ اس اصول کی اہمیت کا اظہار یوں ہوتا ہے ''رجال کو حق کے ساتھ پہچانا جاتا ہے نہ کہ حق کو رجال کے ساتھ'' اور اہم یہ کہ حق کی وضاحت اور اس کی تمیز ہونی چاہیے اور باطل کی وضاحت اور اس کی تمیز ہونی چاہیے۔ امام احمدؒ نے کہا ہے: ''ایک شخص کے علم کا نقص ہے کہ وہ دوسروں کی تقلید کرے۔''

صحابہؓ خود مسابقت اور جہاد میں نیز قرآن و سنت اور فقہ کے علم میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے تھے۔ اور ان میں غزوہ بدر میں حصے لینے والے، اور ان میں سے غزوہ احد میں شرکت کرنے والے ہیں اور اصحاب خندق ہیں اور فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہونے والے ہیں اور

Marfat.com

فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ سابقون ممتاز ہیں کیونکہ وہ دعوت اسلامی کی علامتیں تھے اور اس کی اونچی مثالیں۔ ان کے اعمال (precedents) نظیر تھے جن کی پیروی ہونی چاہیے۔ جیسا کہ نبی ﷺ کی ہدایت ہے کہ خلفاء راشدین کے اعمال سنت ہیں، ان کی پیروی کی جائے اور ان نظائر پر قیاس کیا جائے۔ یہی بات حدیث میں ہے ''علیکم بسنتی وسنة خلفاء الراشدين المهدين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ'' ❶ (میری اور خلفائے راشدین کی سنت سے چمٹے رہو اور اسے مضبوطی سے تھام رکھو) ہم سابقون کے اتباع کی طرف مومنین کو متوجہ کرتی ہوئی آیت کریمہ پاتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ [التوبہ:۱۰۰] (نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے)۔

ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ راشد عمرؓ بن الخطاب بدری صحابہ کو بڑے بڑے تحائف سے نوازا کرتے تھے۔ وہ باور کرتے تھے کہ اس گروہ کی جڑوں کی مضبوطی، مادی اور ادبی امداد کی تقویت کے ساتھ اپنے دور میں بہتر طور پر رہ سکیں گے اور انھیں اقتصادی و اجتماعی دباؤ سے نجات ملی رہے گی۔ اور اس کے ساتھ انھوں نے اسلامی قدروں کو مضبوط کیا اور ان کی محافظت کی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو جاری رکھا، بغیر اس کے کہ کوئی حاجت اس میں رکاوٹ بنے یا مادیت اسے پست کردے یا قول حق کہنے سے خوف دلائے۔

حضرت صہیبؓ کی مثال لیجیے۔ ہجرت کر کے نبی ﷺ کی طرف چل پڑے۔ مشرکین قریش کا ایک گروہ ان کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ سواری سے اترے، اپنا ترکش ہاتھ میں لیا اور کہا: ''اے گروہ قریش تم جانتے کہ میں تم سب سے بہتر تیر انداز ہوں اور بخدا تم میرے نزدیک نہ آسکو گے حتیٰ کہ میں اپنے ترکش کے سارے تیر تم پر نہ چلا لوں۔ پھر میں تمھیں اپنی تلوار سے ماروں گا جب تک کہ اس کا کوئی ٹکڑا بھی میرے ہاتھ میں رہا۔ پھر اس کے بعد تم جانو اور تمہارا

---

❶ سنن ابو داؤد: ١٤/٥، حديث نمبر: ٤٦٠٧، سنن ترمذی، حديث نمبر: ٢٦٧٨ اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ سنن ابن ماجه، حديث نمبر: ٤٢.

Marfat.com

کام۔ اگر تم چاہو تو مکہ میں تمھیں اپنے مال کا پتا دے دیتا ہوں اور میرا راستہ چھوڑ دو۔'' انھوں نے کہا: ہاں، اس پر فریقین میں معاہدہ ہوگیا اور حضرت صہیبؓ نے انھیں مطلوبہ پتا دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر قرآن نازل فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ﴾ [البقرة:۲۰۸] (انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الٰہی کی طلب پر اپنی جان کھپا دیتا ہے) حتیٰ کہ آپ نے مکمل آیت کی تلاوت کی۔ جب نبی ﷺ نے صہیبؓ کو دیکھا تو فرمایا: ''ابو یحییٰ تم نے نفع کا سودا کیا۔ نفع کا سودا۔ اے ابو یحییٰ'' اور آنحضور ﷺ نے انھیں یہ آیت سنائی۔ ❶

حضرت صہیب جیسی بہت سی مثالیں ہیں۔ انھوں نے اپنی زمین چھوڑی، اہل وعیال چھوڑے اور مال چھوڑے اور اپنی جان لے کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کی۔ وہ اسلام کا ہیولیٰ اور اولین رجال تھے اور ہجرت اللہ کے دین کی نصرت اور مشرکین کے درمیان اس کی اقامت کے لیے فتنے کو دور کرنا تھا۔ اسی طرح عقبہ ثانیہ میں نصرت دین کے لیے انصار کی بیعت تھی۔ رسول اللہ ﷺ ۱۳ سال مکہ میں ٹھہرے رہے۔ عکاظ، مجنہ کے میلوں کے موقع پر اور حج کے زمانوں میں لوگوں کی رہائش گاہوں میں تشریف لے جاتے اور فرماتے: کون مجھے پناہ دیتا ہے، کون میری مدد کرتا ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچاؤں اور اس کے لیے جنت ہے؟ کوئی آپ کو جواب دینے والا نہ ہوتا کہ وہ آپ کو پناہ دے گا یا آپ کی نصرت کرے گا۔ تا آنکہ کوئی شخص یمن سے یا مضر سے نکلنے لگتا تو اس کی قوم کے لوگ اور اس کے قریبی رشتہ دار اس کے پاس آتے اور کہتے: قریش کے نوجوان سے بچنا، تمھیں فتنے میں نہ ڈال دے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی طرف انصار کو بھیجا، انھوں نے آپ کو پناہ دی، آپ کی تصدیق کی اور آپ کی نصرت کی۔ ❷

---

❶ طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۶۲-۱۶۳، مستدرك حاكم: ۳/ ۳۹۸ اور امام حاکم نے اس حدیث کو امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔

❷ مستدرك حاكم: ۲/ ۶۲۵.

Marfat.com

انصار نے کثیر مال خرچ کیا، انھوں نے اپنے اموال کے ساتھ مہاجرین کی مدد کی اور اپنی ذات پر انھیں ترجیح دی حتیٰ کہ مہاجروں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! ہم جن کے پاس آئے ہیں ان جیسے لوگ ہم نے نہیں دیکھے جو قلت میں بھی دلجوئی کرنے والے اور کثرت میں بطریق احسن خرچ کرنے والے ہوں۔ انھوں نے ہمیں ضرورت کا سامان دے دیا ہے اور اپنی محنت میں شریک کرلیا ہے حتیٰ کہ ہمیں خوف ہے کہ تمام کا تمام اجر وہ لے جائیں گے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: نہیں، جب تک تم ان کی تحسین کرتے رہو گے اور ان کے لیے دعا کرتے رہو گے۔'' ❶

انصار مخلص عقیدے والے کہلائے جانے کے مستحق ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم، جیسا کہ میں نے تمھیں سمجھا ہے خطرے کی حالت میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے والے ہو، اور اپنی ضرورت کے وقت کم لیتے ہو۔''

آنحضور ﷺ نے ان کی مروت، پاکدامنی اور شجاعت کو دوام بخشتے ہوئے فرمایا: ''کسی خاتون کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی جب کہ وہ انصار کے دو گھروں کے درمیان ہوگی یا اپنے والدین کے درمیان۔'' ❷ ایسی ہی تھی صحابہؓ کی جماعت جو اللہ کے دین کی نصرت میں جسمانی قربانیاں پیش کرتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق انھیں زمین میں تمکنت عطا فرمائی، اور اللہ کا وعدہ تو سچا ہی ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا ہے: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ [النور: ۵۵] (اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے)۔

تاریخ نے تربیتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی کامیابی کا ثبوت پیش کیا ہے۔

---

❶ امام احمد نے مسند: ۳/ ۲۰۰، ۲۰۴ میں اسناد صحیح سے روایت کی ہے۔ سنن ترمذی: ۴/ ۶۵۳، حدیث نمبر: ۲۴۸۷ اور کہا کہ یہ حدیث صحیح حسن غریب ہے۔

❷ مجمع الزوائد ھیثمی: ۱۰/ ۴۰ اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہے۔

Marfat.com

چنانچہ اس کے خلفاء، گورنروں، قاضیوں، لیڈروں، علماء اور مربیین میں سے عظماء اسلام برآمد ہوئے اور وہ عقیدہ کی بنیادیں، شریعت کے مناہج، اصول تربیت اور اخلاقی اقدار کو اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست میں راسخ کرنے میں کامیاب ہوئے۔

جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپؐ نے اپنے پیچھے ایسے رجال چھوڑے جن کی تربیت آپ نے اپنی آنکھوں کے سامنے کی اور انھیں الوداع اس وقت کہا جب آپؐ نے اپنے حجرے سے اتباع کرنے والوں کی منظّم صفیں ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے کھڑی دیکھیں۔ چنانچہ آپؐ عقیدہ کے ثقہ صحابہؓ کے ہاتھ میں جانے پر اعتماد، خوشی اور طمانیت کے ساتھ مسکرائے۔

آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد بڑے بڑے خطرناک واقعات یکے بعد دیگرے وقوع پذیر ہوئے اور تاریخ نے صحابہؓ کے نظام کا امتحان لیا اور ان کے نیزے کی انی کی مضبوطی کو آزمایا جس میں کوئی لچک نہ پیدا ہوئی۔ مدینہ، مکہ اور طائف سے باہر کے اعراب مرتد ہو گئے اور انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور بعض صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپؐ ان کو نماز پڑھنے دیں جب کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کریں تو انھوں نے فرمایا: بخدا! جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کی میں اس سے لڑوں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم اگر انھوں نے وہ بکری کا بچہ بھی دینے سے انکار کیا جو وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے لڑوں گا۔ [1]

چنانچہ آپ نے اعراب کے ساتھ جنگ کی حتیٰ کہ وہ اسلام میں واپس آ گئے اور ریاست کی وحدت لوٹ آئی۔ آپؓ نے عراق و شام کی فتح کے لیے جہاد کے لشکر منظّم کیے۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے وفات پائی اور لوگوں نے حضرت عمرؓ بن خطاب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انھوں نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی اور عراق، ایران، شام اور مصر فتح ہوئے۔ انھوں نے فوج کو از سر نو منظّم کیا اور فوج کے دیوان مرتب کیے اور مفتوحہ زمینوں پر خراج بطور لازم عائد کیا

---

[1] سنن نسائی: ۵/ ۵۔٦.

Marfat.com

اور گورنروں کے اثر سے عدالتی نظام کو آزاد کیا اور ان کے بارے میں نبی ﷺ کا قول محقق ہوا: ''میں نے ایسا تعجب انگیز عبقری نہیں دیکھا۔'' ❶

حضرت عمرؓ نے شوریٰ کے اصول کو مضبوط کیا اور اپنی حیات اور وفات میں اس کی تطبیق کی، اسے امت کے لیے مستحکم کیا اور اہل حل وعقد کے لیے ایک نمونہ چھوڑا۔ آپؓ کی سیرت پوری تاریخ میں عدل مطلق کی علامت بن گئی۔ آپ نے ابو لؤلؤ فیروز مجوسی کے ہاتھوں شہادت پائی (رضی اللہ عنہ)۔

ایسا ہی دور تھا حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کا اسلام کی عظیم عمارت کے قیام، اس کی ریاست کی رفعت، لوگوں کو اسے قبول کرنے کی دعوت اور شریعتِ حنیفہ اور اس کے احکام کی اس کے متبعین میں تنفیذ میں، نیز جہاد کے پرچم کی سربلندی، علم وفقہ کی اشاعت اور فتنوں کو فرو کرنے میں، تا آنکہ دونوں حضرات نے اللہ کی راہ میں شہادت پائی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بشارت دے رکھی تھی۔

ریاست واحدہ کے ساتھ عہد عرب کی جدت کے باوجود، جس سے قبل از اسلام وہ ناواقف تھے، رسول اللہ ﷺ کے بعد اسلامی ریاست طویل صدیوں تک قائم رہی جو اس گہری بنیاد کی دلیل ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے تعمیر کیا تھا اور وہ دلیل ہے صحابہؓ کی تربیت کی کامیابی پر، جو آنحضور ﷺ کے بعد دین کے متولی بنے۔

بلاشبہ مدرسہ قرآن نے اپنے دین میں ایک عظیم نسل نکالی جو اپنے اخلاق میں اعلیٰ، جہاد میں عظیم اور آزمائش میں کامیاب تھی۔ اس نے ان کے اذہان کو کھولا، ان کی صلاحیتوں کو جلا بخشی، دلوں کو ایمان کی شمع سے روشن کیا اور عقلوں کو رحیق قرآن سے سیراب کیا اس نے تاریخی طور پر ثابت کیا کہ وہ انسانیت کی تکمیل، اس کے جوہر خالص، اس کی معدن اصیل اور اس کی فطرت سلیمہ کی حفاظت کو یقینی بنانے پر قادر ہے، جب کہ انسان کے خود ساختہ نظریات اور فلسفوں نے اسے اور اس کے احساس ذمہ داری کو مسخ کر کے اس کی روح، عقل اور اخلاق پر قبضہ جما لیا

---

❶ صحیح بخاری: ٤/ ١٩٨.

Marfat.com

تھا۔ انھوں نے درندگی اور انتقام کے بیج بوئے، چنانچہ اس کی کچلیاں اور پنجے برآمد ہوئے، مگر مدرسۂ قرآن انسان کو اس کی انسانیت کی طرف واپس لانے پر قادر ہے بشرطیکہ وہ کتاب وسنت کے پاکیزہ مشروب سے سیراب ہو اور صحابہؓ کی اقتداء اختیار کرے۔

ہجرت کی فضیلت

قرآن کریم نے بہت ساری آیات میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی فضیلت اور اولین مہاجرین کے مقام کو بیان کیا ہے جن کے ذکر کو اللہ نے دوام بخشا اور ان کے درجے بلند کیے، اور ان کے عظیم اجر کی وضاحت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [البقرۃ: ۲۱۸] (بے شک وہ لوگ جنھوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا، وہ رحمت الٰہی کے جائز امیدوار ہیں اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا ہے)۔ نیز ارشاد فرمایا ﴿ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾ [آل عمران: ۱۹۵] (لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے، ان کے سب قصور میں معاف کروں گا اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے)۔ نیز ارشاد فرمایا ﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ﴾ [التوبہ: ۱۱۷] (اللہ نے معاف کر دیا نبی اور ان مہاجرین وانصار کو جنھوں نے بڑی تنگی کے وقت میں آپؐ کا ساتھ دیا)۔ نیز فرمایا: ﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ

Marfat.com

﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾[التوبہ:۱۰۰] (وہ مہاجر و انصار جنھوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم الشان کامیابی ہے)۔

اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت اس بات کی دلیل تھی کہ عقیدہ میں گہری تاثیر ہے۔ وہ انسان کو اپنے مقام کے روابط، زمین، مال، مفادات اور اہل و عیال کو خیر باد کہنے کی قوت فراہم کرتا ہے۔ جب عقیدے کی مصلحت کا تقاضا تھا تو مہاجرین نے اس سب کچھ کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ وہ امت مسلمہ کے مستقبل کے لیے روشن مثال قائم کر رہے تھے۔ ان کی ہجرت، ان کے صبر، ان کے جہاد اور ان کی قربانیوں نے مدینہ منورہ کی سرزمین پر پہلی اسلامی ریاست قائم کی۔ چودہ صدیاں قبل سے اسلامی ریاست پھیل رہی ہے حتی کہ اس نے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے براعظموں کے وسیع رقبے کو اپنے اندر شامل کر لیا۔

وہ سب کے سب عقیدے کے رنگ میں رنگے گئے، روح اسلام اور اس کی عظیم تہذیب اور اس کی عالم ظرف شریعت ان پر سایہ فگن رہی۔ انھوں نے اعتقاد، قانون، نظام شریعت، اسلوب اور انسان کی شرک، ظلم اور بے مقصدی سے آزادی کے اسلامی اہداف کو پیش نظر رکھا اور لوگوں کے دلوں کو ہم آہنگ کر دیا۔

اور عربی زبان تمام مسلمانوں، خواہ جس نسل اور رنگ سے بھی تعلق رکھتے تھے، کے درمیان ذریعہ اتصال تھی کیونکہ جب کوئی انسان اسلام قبول کرتا ہے تو وہ اسے سیکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے ذریعے سے اپنے رب کی کتاب کی معرفت اور اپنے نبی ﷺ کی حدیث سیکھتا ہے۔

چنانچہ سب نے اسلامی عربی ادب کی بلند و بالا عمارت کو تعمیر کرنے میں رول ادا کیا جس طرح انھوں نے قرآن و سنت کے معانی اور ان کے احکام کو سیکھنے میں حصہ لیا اور اُس سے استنباط کے قواعد وضع کیے اور نتیجتاً فقہ کا عظیم خزانہ وجود میں آیا جو ان کی عقلوں کی مساعی کا نتیجہ ہے

Marfat.com

جنھیں انھوں نے زندگی میں پیش آنے والے نئے نئے واقعات میں اللہ تعالیٰ کے حکم تک رسائی حاصل کرنے کے لیے نچوڑا۔

قرآن کریم نے انصار کے ذکر کو بھی اولین مہاجرین کے ذکر کی طرح دوام بخشا ہے جنھوں نے انھیں پناہ دی، انھیں اپنے گھروں اور مالوں میں شریک کیا جب کہ اپنے شہر کے امن وامان کو عقیدہ جسے انھوں نے قبول کیا، اور دین جس پر وہ ایمان لائے، کی خاطر خطرے میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾[الحشر:۹] (اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے جو ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں)۔ اور آنحضور ﷺ کا ہجرت کی فضیلت اور نصرت کے مقام سے متعلق ارشاد ہے ولو لا الهجرة لكنت امرأ من الانصار ❶ (اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا)۔ اور مدینہ کو (دارالہجرت والسنۃ) کا نام دیا گیا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔

مدینہ کی طرف ہجرت آغاز میں مکہ سے تھی پھر ان تمام گوشوں سے جن میں اسلام پھیلا، آیات قرآنی ہجرت کی پرزور ترغیب دے رہی تھیں، اس پر بڑی فضیلت مترتب کر رہی تھیں اور اللہ کی رحمت کی امید اور گناہوں سے معافی کا اعلان کر رہی تھی اور مہاجرین کے لیے اللہ تعالیٰ کی توجہ اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت میں داخل ہونے کی خوشخبریاں سنا رہی تھیں۔ یہ تو ہے آخرت سے متعلق لیکن دنیا میں اس کی قدر و قیمت یہ تھی کہ ہجرت افضل اعمال میں

❶ صحيح بخاری: ٤ / ٢٢٢ (مطبوعه استنبول).

Marfat.com

شمار کی گئی اور اولاً یہ کہ مسلم کے مرتبے کو بلندی اور سرفرازی ملی، پھر وہ مادی لحاظ سے حضرت عمرؓ کے نظم سے سالانہ وظیفے کا باعث بنی۔ سالانہ زیادہ وظیفے کے اعتبار اسلام میں مسابقت کی بنیاد پر کیا گیا۔ ہجرت کی مسلسل ترغیب مدینہ منورہ کے دفاع کے لیے بڑی انسانی قوت مراد تھی۔ لہٰذا ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ کے بعد ہی تھمنے میں آیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فتح کے بعد ہجرت نہیں لیکن جہاد اور اعمال صالحہ کی نیت باقی ہے، تو جب تمھیں (جہاد کے لیے) نکلنے کے لیے کہا جائے تو نکلو۔ ❶ فتح مکہ سے پہلے قرآنی آیات مہاجرین کے لیے خصوصی حقوق کی تعیین کر رہی تھیں جب کہ ہجرت نہ کرنے والے مسلمانوں کے لیے محدود حقوق کا اعلان ہو رہا تھا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾[الانفال:۷۲] (جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے، اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی لوگ دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (دارالسلام میں) نہیں گئے تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔ ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے)۔ قرآن کریم نے استطاعت کے باوجود اپنے وطن سے ہجرت نہ کرنے والوں کے عذر کو قبول نہیں کیا جو اپنے دین کی محافظت میں مشکل میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ کی زمین تو وسیع ہے، ان کے لیے ہجرت ممکن تھی اور جابر لوگوں کے سامنے کمزوری کا مظاہرہ ان کے لیے مناسب نہ تھا۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي

❶ متفق علیه (صحیح بخاری: ۳/ ۲۰۰۔ صحیح مسلم: ۳/ ۱٤۸۷، حدیث نمبر: ۱۳۵۳).

Marfat.com

الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴾[النساء:۹۷تا۹۹] (جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔ ہاں جو مرد عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے، بعید نہیں کہ اللہ انھیں معاف کردے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے) اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے ساتھ رزق میں فراخی اور دوران ہجرت وفات کی صورت میں مکمل اجر کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾[النساء:۱۰۰] (جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور بسر اوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا، اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے، پھر راستہ ہی میں اسے موت آجائے اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا، اللہ بہت بخشش فرمانے والا اور رحیم ہے)۔

صحیح ہجرت کے لیے بڑی خالص نیت مطلوب ہے جیسا کہ وہ تمام اعمال صالحہ میں شرط ہے۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''اِنّما الاعمال بالنّیّات واِنّما لکل امری ما نوی ، فمن کانت ھجرته الی الله ورسوله فھجرته الی الله ورسوله ومن کان ھجرته الی الدنیا یصیبھا او اِلی امراۃ ینکحھا، فھجرته الی ما ھاجر الیه''[1] (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ جس نے اللہ اور

---

[1] اسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ ۲/۱۔

Marfat.com

رسول کی طرف ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہے اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کے لیے کی تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کی خاطر اس نے ہجرت کی)۔ اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کرنے والی عورتوں کا جائزہ لیں اور جس کے لیے واضح ہو جائے کہ اس نے عقیدہ کی خاطر ہجرت کی تو اسے اس کے اہل کی طرف نہ لوٹایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ﴾ [الممتحنۃ:١٠] (اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو (ان کے مومن ہونے کی) جانچ پڑتال کرلو، اور ان کے ایمان کی حقیقت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر جب تمھیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لیے حلال۔ ان کے کافر شوہروں نے جو مہر ان کو دیے ہیں وہ انھیں واپس کردو)۔

اور بیعت جو اہل ایمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کر رہے تھے اس میں ہجرت کی مد شامل تھی حتیٰ کہ مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ہجرت پر بیعت لینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ منقطع ہو گئی۔

مجاشع نے کہا ہے: میں نبی ﷺ کے پاس اپنے بھائی کے ساتھ فتح مکہ کے بعد آیا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ میں اپنے بھائی کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں ہجرت پر بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں تو آپؐ نے فرمایا: وہ تو اہل ہجرت لے گئے جو کچھ کہ اس میں تھا۔ تو میں نے عرض کیا: تو آپ کس چیز پر بیعت لیتے ہیں؟'' آپؐ نے فرمایا: ''اسلام، ایمان، اور جہاد پر۔'' [1]

مجاہد سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے ابن عمرؓ سے کہا: ''میرا ارادہ ہے کہ شام کو

[1] بخاری نے اپنی صحیح میں اسے بیان کیا: ۵/۹۷۔ (مطبوعہ استنبول)

Marfat.com

ہجرت کر جاؤں۔'' انھوں نے فرمایا: ''اب ہجرت نہیں لیکن جہاد ہے، جاؤ اور اپنے آپ کو اس کے لیے پیش کرو۔ اگر کوئی چیز پاؤ تو خیر ورنہ واپس آ جاؤ گے۔'' ❶

اور رسول اللہ ﷺ نے مہاجرت کے بارے میں واضح فرمایا کہ جنھوں نے مشکل حالات میں اللہ کے رسولؐ کے حکم پر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر انھوں نے وہاں سے فتح خیبر کے موقع پر مدینہ کی طرف ہجرت کی، ان کی دو ہجرتیں ہیں۔ مدینہ کی طرف ہجرت اور حبشہ کی طرف ہجرت۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''اے اہل سفینہ تمہارے لیے دو ہجرتیں ہیں۔'' ❷

عالم اسلام کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ آج عقیدہ کی کماحقہ قدر کرے اور پھر سے عقیدہ اور تہذیب کی عمارت تعمیر کرنے کے لیے عمل کرے اور نافرمانی چھوڑ کر طاعت کو اختیار کرے اور فرقہ بندی کو ترک کر کے وحدت، مایوسی کو چھوڑ کر امید، غفلت کو چھوڑ کر عمل کی طرف، ذلت سے عزت کی طرف اور ضعف کو جھٹک کر قوت کی طرف آئے۔ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

---

❶ صحیح بخاری: ۹۷/۵.

❷ اسے بھی بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: ۲۶۴/۴۔

Marfat.com